

سپنس ڈائجسٹ کا مقبول سلسلہ

جنگل

جینس برائن حصہ



www.urdunovels.net

ایک دراز دست
شخص کی سرگزشت۔ ایک
طلسماتی اور سحرانگیز آدمی کا شب و روز
اس نے جسے چاہا فتح کر لیا اور جب چاہا
کسی کو مات دے دی۔ خیالِ خوابی میں ایک
نیا جہان معنی متعارف کرانے والے شخص کی
جولانے طبع کی فسوسے کاری۔ اس کی
شہرت چار دانگ پھیل
چکی ہے۔



لیلیٰ اور سلطانہ کے ہوش اڑ گئے۔ پہلے لیلیٰ نے علی کے دماغ میں پہنچنے کی کوشش کی تھی۔ اس مقصد کے لئے جان کا لڑوکی آواز اور لہجے کو گرفت میں لیا تھا لیکن اس لہجے والا کم ہو چکا تھا۔ اس نے دو چار بار کوششیں کیں پھر خیال آیا، تنہی عمل میں کوئی خرابی پیدا ہو گئی ہوگی۔ علی تیور کی شخصیت تبدیل نہیں ہو پائی ہے، یہ سوچ کر اس نے علی کے لہجے کو گرفت میں لے کر خیال خوانی کی پرواز کی۔ پھر بھی وہ نہ ملا۔ تب کیجا دھک سے رہ گیا۔ پتنا خیال کیا آیا کہ وہ خدا نخواستہ دنیا سے اٹھ گیا ہے۔ اسی لئے مردہ دماغ سوچ کی لہروں کو قبول نہیں کر رہا ہے۔

اس کے پاس بعد میں جاسکتی تھیں۔ انہوں نے سونیا کے پاس آکر یہ باتیں بتائیں۔ اسے بھی تشویش ہوئی۔ اس نے کہا ”ابھی علی کے بارے میں رسوائی سے کچھ نہ کہنا۔ وہ رو رو کر اپنا برا حال کر لے گی۔ تم دونوں کچھ اپنی عقل سے بھی کام کیا کرو۔“

”دیکھا ہم سے کوئی غلطی ہو گئی ہے سسر؟“
”صدمہ کتنا ہی بڑا ہو، بد خواہ نہیں ہونا چاہئے۔ تم میں سے ایک کو کنگ فرمائو کہ اس خاص ملازم کے پاس جانا چاہئے تھا جو شکاگو میں ایک پروجیکٹ کا انچارج تھا اور جہاں علی انجینئر کی حیثیت سے گیا تھا۔“

”واقعی ہم نے ادھر دھیان نہیں دیا۔ میں ابھی جاتی ہوں۔“
”ابھی طرح انکو انری کو کہ علی پروجیکٹ میں کب سے کب تک ڈیوٹی انشیز کرتا تھا، کن افراد سے اس کا رابطہ رہتا تھا اور آخری بار وہاں کب دیکھا گیا تھا۔“
لیلیٰ اس پروجیکٹ کے انچارج کے پاس گئی۔ ایک سے دوسرے اور دوسرے سے تیسرے کے خیالات پڑتے ہوئے پتا چلا، ایک حسین اور نوجوان لڑکی صبح ملنے آتی تھی۔ اس سے ملاقات کے بعد علی ڈیوٹی پر واپس نہیں آیا۔ سردانز نے شام کے وقت اسے کینن سے باہر جاتے دیکھا۔ اس کے بعد ہی وہ دونوں سے لاپتا ہے اس حسین اور نوجوان لڑکی کا تعلق انٹیلی جنس والوں سے تھا اور اب وہ سرکاری سراغ رساں بھی تھی سے یہ پوچھتے پھر رہے تھے

وہ سلطانہ کے پاس آئی۔ اسے ساری روداد سنائی۔ سلطانہ نے بھی خیالِ خوانی کے تمام حربے استعمال کئے لیکن علی نہ ملا۔ اس نے کہا ”لیلیٰ! یہ کیا ہو رہا ہے؟ کہیں سونیا ثانی کے ساتھ بھی کوئی گڑبڑ نہ ہوئی ہو۔“

دونوں بہنوں نے ثانی کے دماغ کی طرف پرواز کی۔ وہ مل گئی۔ خیریت سے تھی۔ ماضی کو بھول کر خود کو سلوانا جوزف سمجھ رہی تھی۔ سلطانہ نے اس پر عمل کرنے کے دوران کہا تھا کہ وہ شکاگو جانے کی وہاں اسے مستقبل کا چہرہ سامنے جان کا لڑو لے گا۔ اس عمل کے مطابق وہ شکاگو پہنچ گئی تھی۔

لیکن اس شہر میں علی کہاں تھا؟ ذمہ بھی تھا یا نہیں؟ آگے کچھ سوچ کر کیجا جانتے کو آ رہا تھا۔ وہ دونوں ثانی کے دماغ سے آگئیں۔

تھے کسی طرح مجرموں کی بوسو بھگتے ہوئے ان کے سروں پر بچھ جاتے ہیں۔
اس سے پہلے کہ وہ کتا قانون کے محافظوں کو اس کے پاس لائے وہ بہت دور بھاگ جانا چاہتا تھا۔

ان حالات میں فوری طور پر بچاؤ کے لئے جو اقدامات کئے جاتے ہیں وہی اس نے کیا۔ سب سے پہلے ریڈی میڈ میک اپ کا سامان خریدا۔ ایک رستوران کے ہاتھ دوام میں جا کر اپنے چہرے پر داڑھی و مونچھوں کا اضافہ کیا۔ اس کی آنکھیں نیلی تھیں اس نے دوسرے ٹیس لگائے جس سے آنکھیں سیاہ نظر آئے لیکن ایک سیلون میں جا کر اپنے سر پر سیاہ بالوں کو بھی سیاہ کرالیا۔

وہ جو کچھ کر رہا تھا اس میں اس کی ذہانت کا دخل نہیں تھا۔ اس نے جاسوسی ناولوں میں جو کچھ پڑھا تھا اس پر عمل کر رہا تھا۔ میری داستان کا یہ مشہور واقعہ ہر ملک کی اٹلی جنس کی قانون میں ہے کہ جب سونیا میری دشمن بھی اور ایک کتیا کی طرح میری بوسو گھ کر میری ہر بنا گاہ تک پہنچ جاتی تھی جب میں نے بچاؤ کا انکار کیا طریقہ اختیار کیا تھا۔ اپنے جسم پر خوشبو اسپرے کر لیا کرتا تھا جس سے میرے بدن کی مخصوص بو کم ہو جاتی تھی اور سونیا مجھے تلاش کرنے میں ناکام رہتی تھی۔

اٹلی جنس کی بہت سی قانون کی غیر معمولی باتیں رانٹوں تک پہنچتی ہیں مجرور جاسوسی ناولوں میں لکھی جاتی ہیں۔ ایسے ہی کسی ناول میں راجر میت نے پڑھا تھا کہ پلٹے کے ذریعے عارضی

ہیک ملق میں اتارنے کے بعد ہوٹل کے کمرے میں آیا۔ اسے کہیں میں ایک الماری سے ساڑھے چار ہزار ڈالر ملے تھے۔ وہ ایک ماہ تک دوسری چوری کے بغیر گزارا کر سکتا تھا۔ لٹرا فیصلہ کیا کہ کہیں سے بڑی رقم ہاتھ لگنے کا چانس ہوگا تو وہ واردات کرے گا ورنہ سینے بھر آرام کرے گا۔

دوسرے دن اس کا اطمینان ختم ہو گیا۔ کچھ ماسٹرم لوگ ایک خونخوار کتے کے ساتھ ہوٹل کے کمرے میں آئے تھے۔ وہ وجود نہیں تھا۔ ہوٹل کے مالک نے ماسٹر کی کے ذریعے اس کا کرا لہول کر ان اچھی لوگوں کو اندر جانے دیا۔ کرا لہولے ہی کتا جھٹ لرا ایک گوشے میں گیا جہاں علی کے اتارے ہوئے پڑے پڑے تھے۔ چور انہیں پتہ نہ چلا کہ علی کے اتارے بے پروائی سے ایک گوشے میں پیچک کر بھول گیا تھا۔ انہیں صبح ہی لاٹری میں دے بتا تو کوئی کتا ان پر کڑوں کی بوسو گھتا ہوا دشمنوں کو وہاں تک نہ لائے۔ اب وہ اچھی لوگ اسے ڈھونڈ رہے تھے۔ اس کا اصل نام ملوم ہو گیا تھا۔ ہوٹل میں اس نے اپنا نام راجر میت لکھوایا تھا۔ اب اس کے کمرے کی تلاشی لی جا رہی تھی تو وہ ایک بائیں بیضالی ہاتھ۔ اس کے ایک سامنے نے آکر کہا "تم یہاں موند کر رہے ہو" ہر جاسوس لوگ ایک کتا کے کمرے میں گئے ہیں۔ وہ نا تمہاری بوسو گھ کر ہوٹل تک پہنچا ہے۔ اس کے بعد تمہارے ل پیچھے میں دیر نہیں لگے گی۔"

وہ فوراً ہی وہاں سے اٹھ کر باہر آیا۔ یہ جانتا تھا کہ پولیس کے

کوئی اور خیال خواتین کرنے والا خانی کے خیالات پڑھ کر جان کارلو بن کر اسے دھوکا دے سکتا ہے۔
سلطان نے تائید کی "ٹھیک کتے ہو۔ خانی پر تم نے عمل کیا تھا۔ پھر عمل کرو" اس کے ذہن سے کارلو کا نام مٹا دو اور یہ بات نقش کر دو کہ وہ اپنے مزاج کے مطابق کسی مرد سے متاثر نہیں ہوگی۔

پہلی نے اس رات خانی کے مزاج میں تھوڑی تبدیلی کر دی۔ پہلے جو عاشق مزاجی بھاری کتے تھے اسے ختم کر دی۔ پہلی اور سلطان نے ٹھیک ہی سوچا تھا کہ خانی کو دھوکا دینے کے لئے کوئی دوسرا جان کارلو بن کر اس کے پاس آسکتا ہے۔

واقعہ دوسرا جان کارلو پیدا ہو گیا تھا۔ وہ خانی یا سلطان کو جانتا نہیں تھا۔ جان کارلو نے والے علی کو بھی نہیں جانتا تھا۔ وہ نہ کسی کا دوست تھا نہ دشمن۔ وہ ایک معمولی چور تھا۔ اس کے پاس چوری کا حوصلہ تھا مگر عقل نہیں تھی۔ اس کی شامت آتی تھی کہ چوری کرنے کے لئے جان کارلو (علی) کے کہیں کالا ک توڑ کر اندر گیا تھا۔

یہ اس وقت کی بات ہے جب علی اپنی دشمنی کر رہا تھا اور رانٹا کے ساتھ ایک نئی زندگی گزارنے کے لئے اپنا کہیں چھوڑ کر گھٹ باؤں میں چلا گیا تھا۔ چور کو کہیں میں کچھ نقد رقم ملی۔ پہننے کے لئے چار جوڑے ملے۔ وہ چاروں جوڑے علی نے استعمال کے بعد ایک بائٹ میں ڈال دیے تھے۔ میرے جان کارلو کے نام سے ڈرائیو تک لائنس اور دوسرے ضروری کاغذات تھے۔ وہ یہ ساری چیزیں ہی سمیٹ کر لے گیا۔

وہ کہیں سے نکلا تو اس کے ایک ہاتھ میں اٹلی تھی۔ جب میں کافی رقم تھی۔ وہ ٹیکسی میں اس ہوٹل کی طرف جانا چاہتا تھا جہاں ایک کمرے میں کرایہ دار کے طور پر رہتا تھا۔ راستے میں ٹیکسی سے پہلے پڑوٹنگ پولیس کی گاڑی نے اس کا راستہ روک لیا۔ افسر نے پوچھا۔ "تمی رات کو کہاں جا رہے ہو؟"

اس نے جواب دیا "ٹھیکو تار تھ جا رہا ہوں۔ ٹیکسی یا بس کا انتظار ہے۔"

اس نے لگ بھگ فرمائندہ کے بلڈنگ پر دو جھٹ کا پتا کر کہا "میں اس پر دو جھٹ میں انجینئر ہوں۔ میرا نام جان کارلو ہے۔"

اس نے وہ کاغذات دکھائے جن کے ذریعے جان کارلو کی تقرری انجینئر کی حیثیت سے کی گئی تھی۔ وہ کاغذات دیکھ کر پولیس والے مطمئن ہو گئے۔ اپنی گاڑی میں چلے گئے۔ وہ خوش ہو کر بڑبڑایا "واہ! کیا بات ہے۔ ان کاغذات نے مجھے ایسا انجینئر بنا دیا ہے کہ پولیس والے مطمئن ہو جاتے ہیں۔ آئندہ میں بھی کاغذات اور یہی نام استعمال کروں گا۔"

وہ خوشی منانے کے لئے ایک بار میں آکر بیٹھ گیا۔ وہ چار

کہ وہ لڑکی کہاں ہے؟ جو جان کارلو سے ملنے آئی تھی۔ اس طرح یہ خیال قائم ہو رہا تھا کہ جان کارلو اس لڑکی کو ساتھ لے کر کہیں گیا ہے۔ پہلی نے سپروائزر کے خیالات پڑھ کر معلوم کیا تھا۔ شام کو جان کارلو کہیں سے نکل کر جاتے وقت سپروائزر سے یہ کہہ گیا تھا کہ وہ اپنی سلوان سے ملنے جا رہا ہے۔

سلطان مختلف ذرائع استعمال کرتی ہوئی سرکاری سرگرمیوں کے پاس پہنچی۔ ان کے خیالات نے بتایا وہ جان لہوڈ کے تحت ہیں۔ ان کے ساتھ جو لڑکی تھی وہ ٹیلی ویژن پر جاتی تھی اور اس کا نام رانٹا جانا تھا۔

دونوں ہمیشہ کڑی سے کڑی ملاتی ہوئی سونیا کے پاس آئیں۔ وہ تمام باتیں سن کر پہلی "اللہ تعالیٰ کی ذات سے امید ہے کہ علی سلامت ہے۔ اسے رانٹا کیسے لے گئی ہے۔"

پہلی نے کہا "یہ بات کچھ میں آسے ہے۔ سوچنے کی بات ہے کہ رانٹا نے علی کو اپنا نام سلوان کیا بتایا؟ اس لئے کہ وہ علی عرف جان کارلو کے خیالات پڑھ کر معلوم کر چکی تھی کہ کارلو کو کسی سلوان کا انتظار ہے اور آئندہ اپنی زندگی میں آئے والی سلوان کا وہ صورت سے نہیں پہچانتا ہے۔ اپنی بات سے رانٹا نے فائدہ اٹھایا ہے۔"

سونیا نے کہا "اور یہ بات بھی سمجھ میں آتی ہے کہ اس لڑکی نے علی پر عمل کر کے اس کے دماغ سے جان کارلو کی شخصیت اور لب و لہجہ بھلا دیا ہے" اس پر پنی شخصیت کی چھاپ لگاتی ہے۔ اس کا لہجہ بدل چکا ہے اسی لئے وہ تمہاری سوچ کی لہروں کو نہیں مل رہا ہے۔

سلطان نے کہا "میں تو سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ خانی اور علی کی شادی کرانے کے لئے یہ چکر چلائیے گئے تو کوئی دوسری خیال خانی کرانے والی خود سلوان بن کر اسے لے جائے گی۔"

سونیا نے کہا "جج پھو تو میں نے بھی اس پہلو پر غور نہیں کیا تھا کہ ایسا ہو سکتا ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ علی کی سلامتی کا یقین ہو رہا ہے۔ اب وہ جہاں بھی ہے" اسے تم دونوں تائیہ کے ذریعے تلاش کر سکتی ہو۔ بہتر ہے اس کے پاس جاؤ۔"

پہلی اور سلطان نے سونیا خانی کے حلقے پر پروگرام بنایا تھا کہ وہ سلوان کی حیثیت سے ٹھیک کو پہنچے گی تو وہ خیال خانی کے ذریعے اس کی معقول رہائش کا انتظام کریں گی۔ دوسرے خانی ایک ہوٹل کے کمرے میں ایک رات گزارنے آئی تھی۔ اس نے شام کے اخبار سے کچھ ایسے پتے نوٹ کئے تھے جہاں کرائے کا بیج، پٹلے اور ایک کراکس لڑکی یا عورت کے ساتھ مشترکہ رہائش کے لئے مل سکتا تھا۔ بیٹنگ کیسٹ ہاؤس اور ہوٹل کے کمروں کے اشتہارات سے بھی پتے لکھ کر رکھ لئے۔ دوسری صبح وہ موقوف رہائش کی جگہ حاصل کرنے کے لئے ان جہوں پر جانے والی تھی۔

پہلی نے سلطان سے کہا "میں ایک ٹھوکرے سے سبق حاصل کرنا چاہتی۔ رانٹا نے خیال خانی کے ذریعے جان کارلو کے خیالات پڑھ لئے اور اسے حاصل کرنے کے لئے سلوان بن گئی۔"

آزمائش کی کڑی دھوپ میں ایک پاکستانی جان باز کا سفر

جب آنکھیں آہن پوش ہوئیں..... جب خون جگر برفاب ہوا

جاسوسی ڈائجسٹ میں سلسلہ وار شائع ہونے والی مقبول کہانی

علی یار خان کی سرگزشت

مجاہد

کہانی شکل میں چار حصے شائع ہو چکے ہیں

قیمت فی حصہ = ۲۵ روپے ڈاک خرچ ۱۰ روپے

چاروں حصے ایک ساتھ منگائے پر ڈاک خرچ معاف

کتابیات پبلی کیشنز - پوسٹ بکس نمبر ۲۳ - کراچی نمبر ۴۲۰۰

لوہر ہو سو گھنے والے کتوں سے نجات مل جاتی ہے۔ اس لئے اس نے پرفوم کی دو چار شیشیاں خرید لی تھیں۔

پرفوم استعمال کرنے کے بعد لازمی تھا کہ کسی کمرے وغیرہ کی چار دیواری میں رہا جائے تاکہ خوشبودار رنگ کمرے کی محدود فضا میں رہے۔ کئی خاص خوشبودار جلدی اڑ جاتی ہے اس لئے اس نے ایک ہوش میں کرایا ہوا بیان بیچ کر وہ لی دی اور بیڈ کے ذریعے نیوڈ بیٹن سٹا ہا ہا بار کھڑکی کے باہر دیکھا رہا ایک بار سامنے والے فنڈ ہاتھ پر پتھر لوگ ایک کتے کے ساتھ نظر آئے۔ وہ مرکز پار کر کے ہوش کی طرف آ رہے تھے۔

راجری کو جان نکل گئی۔ اس نے کھڑکیوں کے پردے برابر کئے اور بہت سارا پرفوم اپنے لباس پر اس پرے کر لیا۔ کمرے میں بھی خوشبودار چمڑک دی۔ پھر ایک موٹے پردے پر ایک کراٹھا رکھنے لگا۔ دل ہی دل میں دعا میں لگے تاکہ کتا مر جائے۔

اگر وہ عقل سے کام لیتا تو کتے سے خوفزدہ نہ ہوتا۔ وہ گھبراہٹ اور بدحواسی میں یہ نہ سوچ سکا کہ کتا اس کا بیچا کیوں کرے گا؟ وہ اپنا لباس یا ردیاں وغیرہ کین میں چھوڑ کر نہیں آیا تھا۔ کتے کو اس کی بول نہیں سکتی تھی۔ البتہ جان کارلو کے بدن سے اترے ہوئے کپڑے لایا تھا۔ وہ کتا جان کارلو کے بدن کی بو سونگتا ہوا ہوش کے کمرے میں بیچا تھا اور وہ جاسوس راجر کو نہیں، جان کارلو کو تلاش کر رہے تھے۔ راجر گرفتار ہوتا تو صرف یہ پوچھا جاتا کہ جان کارلو کے کپڑے اس کے کمرے میں کیسے آ گئے تھے۔

جان لہوڈا کے جاسوس ایک حریت یافتہ کتے کے ذریعے رانا اور جان کارلو کو تلاش کر رہے تھے۔ انہیں رانا کی رہائش گاہ سے اس کے بدن کی اڑن لی تھی اسی طرح کین سے جان کارلو کا ایک ردیاں ملا تھا۔ ان کپڑوں کے ذریعے وہ کتا ان دونوں کے جیسوں کی مخصوص بو سے آشنا ہو چکا تھا۔

ادھر رانا غما غما نہیں رہتی تھی۔ کئی جاسوسوں کے دماغوں میں پہنچ کر اپنے خلاف ہونے والے اقدامات کے متعلق معلوم کرتی رہتی تھی۔ اسے معلوم ہو گیا کہ اس کی رہائش گاہ سے جاسوس اس کے بدن کی اڑن لے گئے ہیں۔ یہ بات سمجھ میں آ گئی کہ اب کتوں کے ذریعے انہیں تلاش کیا جائے گا۔

وہ اس دن علی کے ساتھ ڈو میک فلڈ سے میا می گئی پھر وہاں سے جزیرہ ہوائی چلی گئی۔ وہ سمندر پار اس جزیرے میں علی کے ساتھ فی الحال محفوظ رہی لیکن وہ بیچارہ راجر مٹ چس گیا تھا۔ بلکہ پھنسا بھی نہیں تھا۔ کتے کو اس سے کوئی دشمنی نہیں تھی۔ صرف جاسوس اسے اس لئے تلاش کرتے رہے تھے کہ جان کارلو کے کپڑوں کے متعلق پوچھنا چاہتے تھے کہ وہ کپڑے ہوشل کے کمرے میں کیسے پہنچ گئے؟

وہ بڑی دیر تک سما ہوا موٹے پر بڑھا۔ مگر وہ کتا جاسوسوں کو اس کے کمرے میں نہیں لایا۔ کسی نے اگر دیکھ کر نہیں دی۔ پھر اس نے فون کے ذریعے ویکر کو بلایا۔ جب اس نے اگر دواؤں سے

دیکھ دی تو پھر گھبرا گیا۔ اندر سے پوچھا "کون ہے؟"

باہر سے دیکھنے لگا "دوم سروس۔"

اس نے دروازہ کھول دیا۔ پھر پوچھا "اور کوئی ہے؟"

"جی میں آیا ہوں" آپ نے ایک سی ویکر کو بلایا تھا؟

"نہیں ہے۔ کچا اینکس اور کافی لے آؤ۔"

وہ جانے لگا۔ اس نے کہا "اور سنو۔ کاؤنٹر پر مجھے کوئی پوچھ

"آیا تھا؟"

"سرا کاؤنٹر پر ہے۔ میری ڈیوٹی میاں اوپر ہے۔ کیا خبر ہو۔"

"معلوم کر دوں۔"

"میں میں ریسپشن سے معلوم کر لوں گا۔"

وہ چلا گیا۔ کوئی دوسرا درمیان میں نہیں آئی۔ دشمن نما آدمی تو ہمارے پیچھے چلے گئے۔

نہیں آیا تھا۔ کسی کتے کی چھان میں بھی نہیں تھیں۔ پھر ایک

دکھائی دی۔ وہ شانے سے بیگ لٹکائے آ رہی تھی۔ ہمت؟

اساتر "ہمت ہی حسین تھی۔ وہ اس کا انداز اور اس کا سراپا

کر کر کے کے اندر جانا بھول گیا۔ جب کہ وہ باہر نکلتے ہوئے ڈر میاں نہ رہتی۔ باقی دی دے ہمارے حواس پر کتا کیوں چھایا ہوا

تھا۔

وہ سونیا ٹائی تھی۔ سلوانا جوزف کی حیثیت سے ایک راز

ہوش میں رہنے آئی۔ خود دوسرے دن کوئی چھوٹا سا کتا بچا ہوا اسے ہوش میں لایا ہوا تھا۔ اسے اس پاس ایک کتے کو کچھ لوگوں کے

کا کرا کرانے پر جامل کرنے والی تھی۔ وہ اپنے مخصوص انداز ساتھ نکلتا ہے؟

چلتی ہوئی اس کے سامنے سے گزرتے ہوئے رک گئی۔ اسے

سے پاؤں تک دیکھتے ہوئے بولی "کیا تم پرفوم سے نہاتے ہو؟"

وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ایک حسین لڑکی اسے مخاطب

کرے گی۔ وہ جلدی سے بولا "جی ہاں سستی نہیں۔ وہ بات یہ۔"

"کیا تم پرفوم سے نہاتے ہو؟"

وہ بولنے بولنے رک گیا۔ سوچا، یہ لڑکی جاسوس ہے۔

کاؤنٹر پر کتے کو چھوڑ کر آئی ہے۔ شے ہوتی ہی اس نے ایک

ٹائی کا ہاتھ پکڑا پھر اسے کمرے میں بھیج کر دروازے کو اندر سے

کر دیا۔ ٹائی نے مسکرا کر پوچھا "کیا ارادہ ہے؟"

وہ اس پر حملہ کرنے کے انداز میں تن کر بولا "زیادہ چالاک

بننے کی کوشش نہ کرنا۔ کتا کہاں ہے؟"

"کیا تم کو بھی پرفوم لگاؤ گے؟"

"زیادہ اساتر بننے کی کوشش نہ کرو۔ میرے یہ دونوں ہاڑ کر بولی

فولاد کے بنے ہوئے ہیں۔ میں نے گردن دوجی کی تو سانس بند ہو گیا۔"

یہ کتے ہی وہ دروازہ کھلا چھوڑ کر چلی گئی۔ وہ جراتی سے بڑبڑایا۔

"کمال ہے کیا میں صورت سے ریو اور چلائے والا نہیں لگا۔"

وہ تیزی سے چلا ہوا ہا ہا ہا کیا۔ ساتھ والے کمرے کا دروازہ

کھلا ہوا تھا۔ اس نے اندر آ کر دیکھا۔ وہ الماری سے کپڑے نکال کر

میں صرف دو سٹول سے ہاتھ ملاتا ہوں۔ اگر تم سلا متی چاہتی ہو تو میری رکھ رہی تھی اور کہہ رہی تھی "مجھے معلوم تھا" تم بیچا

میرے ساتھ امیر معنی ایگزٹ کے راستے ہوئے۔ باہر چلے آئے۔ دروازہ کھلا چھوڑ دیا۔ تم کسی پھلو سے

دھکے کھانے کھانے پر رکھ کر انہیں کتے کے ساتھ واپس جانے

ریو اور کے نشانے پر رکھ کر انہیں کتے کے ساتھ واپس جانے

مجبور کر دوں گا۔"

"تمہارے پاس ریو اور ہے؟"

اس نے جیب سے ریو اور نکالا۔ وہ ہنس کر بولی "۳۰ چارڈ

کے ہے؟" فائزنگ کی آواز سننے کی کتے والے ادھر آجائیں گے۔"

وہ جھنجھلا کر بولا "کیا شکل ہے۔ تم میرے فولادی ہاتھوں سے

نہیں ڈرتی ہو۔ ریو اور کو دیکھ کر ہنسی ہو۔ کیوں میرے پیچھے پڑ گئی

"عجب گدھے ہو۔ میں تمہارے ساتھ والے کمرے میں

رہتی ہوں۔ تم مجھے زبردستی میاں لے آئے اور اب کتے ہو میں

وہ بے یقینی سے بولا "تم میرے ساتھ والے کمرے میں رہتی

دکھائی دی۔ وہ شانے سے بیگ لٹکائے آ رہی تھی۔ ہمت؟

اساتر "ہمت ہی حسین تھی۔ وہ اس کا انداز اور اس کا سراپا

کر کر کے کے اندر جانا بھول گیا۔ جب کہ وہ باہر نکلتے ہوئے ڈر میاں نہ رہتی۔ باقی دی دے ہمارے حواس پر کتا کیوں چھایا ہوا

تھا۔

وہ سونیا ٹائی تھی۔ سلوانا جوزف کی حیثیت سے ایک راز

ہوش میں رہنے آئی۔ خود دوسرے دن کوئی چھوٹا سا کتا بچا ہوا اسے ہوش میں لایا ہوا تھا۔ اسے اس پاس ایک کتے کو کچھ لوگوں کے

کا کرا کرانے پر جامل کرنے والی تھی۔ وہ اپنے مخصوص انداز ساتھ نکلتا ہے؟

چلتی ہوئی اس کے سامنے سے گزرتے ہوئے رک گئی۔ اسے

سے پاؤں تک دیکھتے ہوئے بولی "کیا تم پرفوم سے نہاتے ہو؟"

وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ایک حسین لڑکی اسے مخاطب

کرے گی۔ وہ جلدی سے بولا "جی ہاں سستی نہیں۔ وہ بات یہ۔"

"کیا تم کو بھی پرفوم لگاؤ گے؟"

"زیادہ اساتر بننے کی کوشش نہ کرو۔ میرے یہ دونوں ہاڑ کر بولی

فولاد کے بنے ہوئے ہیں۔ میں نے گردن دوجی کی تو سانس بند ہو گیا۔"

یہ کتے ہی وہ دروازہ کھلا چھوڑ کر چلی گئی۔ وہ جراتی سے بڑبڑایا۔

"کمال ہے کیا میں صورت سے ریو اور چلائے والا نہیں لگا۔"

وہ تیزی سے چلا ہوا ہا ہا ہا کیا۔ ساتھ والے کمرے کا دروازہ

کھلا ہوا تھا۔ اس نے اندر آ کر دیکھا۔ وہ الماری سے کپڑے نکال کر

میں صرف دو سٹول سے ہاتھ ملاتا ہوں۔ اگر تم سلا متی چاہتی ہو تو میری رکھ رہی تھی اور کہہ رہی تھی "مجھے معلوم تھا" تم بیچا

میرے ساتھ امیر معنی ایگزٹ کے راستے ہوئے۔ باہر چلے آئے۔ دروازہ کھلا چھوڑ دیا۔ تم کسی پھلو سے

دھکے کھانے کھانے پر رکھ کر انہیں کتے کے ساتھ واپس جانے

ریو اور کے نشانے پر رکھ کر انہیں کتے کے ساتھ واپس جانے

ریو اور کے نشانے پر رکھ کر انہیں کتے کے ساتھ واپس جانے

ریو اور کے نشانے پر رکھ کر انہیں کتے کے ساتھ واپس جانے

ریو اور کے نشانے پر رکھ کر انہیں کتے کے ساتھ واپس جانے

ریو اور کے نشانے پر رکھ کر انہیں کتے کے ساتھ واپس جانے

ریو اور کے نشانے پر رکھ کر انہیں کتے کے ساتھ واپس جانے

ریو اور کے نشانے پر رکھ کر انہیں کتے کے ساتھ واپس جانے

ریو اور کے نشانے پر رکھ کر انہیں کتے کے ساتھ واپس جانے

ریو اور کے نشانے پر رکھ کر انہیں کتے کے ساتھ واپس جانے

اس کی جیب میں رکھ دیا۔ وہ بولا "دیکھو یہ ابھی بات نہیں

ہے۔ میں ابھی گولی چلا سکتا تھا۔ گمرش حود قابل ہوں۔ کسی عورت

کو قتل نہیں کر سکتا۔"

"اگر حود قابل ہو تو میرے رکے ہوئے گلاس کا نشانہ لگاؤ۔"

اس نے جوش میں اگر حود قابل ثابت کرنے کے لئے جب سے

ریو اور نکالا پھر نشانہ لے کر گولی چلا دی۔ گلاس نوٹ کر چٹکا چر

ہو گیا۔ وہ بولی "گلاس تو بڑی چیز ہے" چھوٹی چیز نشانہ لگاؤ۔ الماری

میں جو چاہی کا سوراخ ہے۔ اس میں گولی مارو۔"

اس نے پلٹ کر کی بول کا نشانہ لیا پھر گولی داغ دی۔ ثانی نے

کہا "شباباش! اب جتنی جلدی بھاگ سکتے ہو ابھر یعنی ایگزٹ سے

نکل بھاگو۔ وہ فائزنگ کی آواز پورے ہوش والوں نے سنی

ہوئی۔ یہ کیوں کی کا علم اپنی گھنٹیں لے کر لکھتے کے ذریعے آ رہا

ہو گا۔"

وہ بولکا گیا۔ اس نے حود قابل ہونے کا ثبوت دینے اور صحیح

نشانے بازی کا مظاہرہ کرنے کی دھن میں یہ نہیں سوچا کہ فائزنگ کی

آواز دور تک جائے گی۔ وہ دوڑنا ہوا کرے سے باہر آیا۔ باہر

کو بیڈر میں دوسرے کمروں سے لوگ نکل آئے تھے۔ معلوم کرنا

چاہتے تھے کہ فائزنگ کہاں ہوئی ہے؟ راجر کے ہاتھ میں ریو اور

دیکھ کر کتنی ہی عورتوں کی چٹخیں نکل گئیں۔ مورد اور ان کے پیچھے

چلے گئے۔ وہ جھنجھلا کر ٹائی سے بولا "تم نے مجھے اتار دیا ہے۔"

"سوری! مجھے گدھے کو لوٹانے کا کمال نہیں آتا ہے۔ تم

مجھے تن میں دیر کر رہے ہو۔"

"میں تمہیں گولی مار دوں گا۔"

اسی وقت دور کو بیڈر کے آخری سرے پر لفٹ کا دروازہ

کھلا۔ ہوش کے سیکورٹی گارڈز گھنٹیں لے ہوئے کو بیڈر میں

آئے۔ وہ پلٹ کر بھاگتا ہوا اس زینے کی طرف گیا جو ابھر یعنی

ایگزٹ کے طور پر استعمال ہوا تھا۔ گارڈز دوڑتے ہوئے

آئے۔ ثانی کے کمرے کے سامنے رک گئے۔ افسر نے پوچھا "مس"

تم خیریت سے ہو؟"

"جی ہاں۔ اس نے دو فائر کئے۔ انڈی تھا اس لئے میں بچ

گئی۔"

پھر وہ گارڈز ابھر یعنی ایگزٹ کی طرف چلے گئے۔ ثانی اپنا

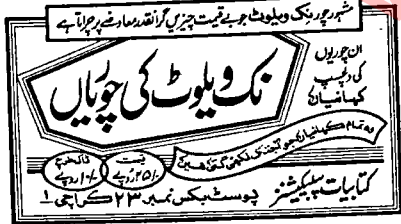
اپنی اٹھا کر جانے لگی۔ افسر نے اس کے ساتھ چلے ہوئے کہا۔

شہر پر دیکھ ویلیوٹ جو بے قیوت چیزیں گزرتی رہتا ہے

انہیں روک دینا

کی دیکھ

کیا بات



”میں! ابھی تم نہیں جانتے تھے۔ پولیس کو بیان دینا ضروری ہے۔“
”میں پولیس کو بیان دینے کے لئے ایسے ہوٹل میں نہیں رہوں گی جہاں چور ڈاکو روپو اور لے کر لوٹتے آتے ہیں۔“

”دوسرے کمروں کے سامنے کھڑے ہوئے لوگ تائید کرنے لگے۔ ہائل ٹھیک کتنی ہے یہ لڑکی! ہم بھی یہاں خلو محسوس کر رہے ہیں۔ ہم کسی دوسرے ہوٹل میں شفٹ ہو جائیں گے۔“

ہوٹل کی انتظامیہ کے لوگ پریشان ہو گئے تھے اس قدر کے تمام لوگ ہوٹل چھوڑنے کی باتیں کر رہے تھے۔ ان کی دیکھا دیکھی دوسرے عمارت کے لوگ بھی خود کو غیر محفوظ سمجھ سکتے تھے۔ وہ سب لوگوں کو سمجھاتے لگے۔ مینجر نے انچارج سے کہا ”مس سلوانا جاری ہے۔ اسے دو کمرے اور وہ یہاں بھر قیام کرنے پر رضامندی ہو جائے گی تو دوسرے لوگ بھی رک جائیں گے۔ ہمیں کسی بھی قیمت پر ہوٹل کو بدنامی سے بچانا ہے۔“

ہر کمرے میں فون کے ذریعے کہا جا رہا تھا کہ آپ حضرات ہوٹل چھوڑنے کا فیصلہ جلد ہی نہ کریں۔ یہاں کوئی چور ڈاکو آنے کی جرات نہیں کرتا ہے۔ حقیقت یہ کہ وہ اسے ہم آگے بڑھنے کے اندر حقیقت پیش کریں گے۔ بلیر آپ تھوڑی دیر کے لئے فیصلہ بدل دیں۔“

انچارج نے ثانی سے کہا ”بلیر آپ پانچ منٹ کے لئے ہمارے پاس سے ملاقات کریں۔ پھر آپ کی مرضی ہو تو چلی جائیں۔“

مینجر نے اس کا ٹیکہ کاؤنٹر کے پیچھے رکھ دیا۔ اسے ساتھ لے کر لفٹ کے ذریعے بیسمنٹ میں لے آیا۔ وہ بیسمنٹ کا دروازہ پارکنگ کے لئے تھے۔ اس کے نیچے ایک بے خانہ تھا جہاں دوسرے طرح طرح کا جوا کھیلنے والے نظر آ رہے تھے۔ اس بے خانے کے نیچے ایک اور بے خانہ تھا وہاں جوئے خانے کا بیگ اور ہوٹل وغیرہ کے اکاؤنٹ اور انتظامیہ کے دفاتر تھے۔ وہیں ایک شاندار کینین میں ہوٹل کا مالک موجود تھا۔ اس نے ثانی سے کہا ”مس سلوانا! ہوٹل کو بدنامی سے بچانے کے لئے ہمارا ساتھ دو۔ یہ کہہ دو کہ وہ چور ڈاکو نہیں تھا۔“

”پھر مجھے کیا کہنا چاہئے؟“

”یہ کہہ دو تمہارا ایک سربراہ عاشق تھا۔ ہمیں جڑا اپنے ساتھ لے جانا چاہتا تھا۔ تم نے انکار کیا تو اس نے تم پر گولیاں چلائیں۔“

”سودی مسٹر! میرا کوئی عاشق نہیں ہے اور میں عشق کے معاملے میں بدنام نہیں ہونا چاہتی۔“

”تمہاری ذرا سی بدنامی سے اتنے بڑے ہوٹل کی نیک نامی بحال ہو جائے گی۔ یہ تمہارے سامنے میرا ٹیکہ رکھا ہوا ہے اسے آن کر کے بعد تمہاری آواز پورے ہوٹل میں سنائی دے گی۔ ہوٹل میں قیام قائم کرنے والوں کو مخاطب کر کے ہمیں بڑھ کر کہنا ہے۔“

”اے کانڈر لکھا ہوا ہے۔ اسے چھو اور کتنی جاؤ۔“

”کیا زبردستی ہے؟“

کینین کے دروازے پر دو باڈی بلڈر پولوان نظر آئے۔ ان کی صورت اور آنکھیں بتا رہی تھیں کہ وہ خالیم ہے رحم اور جلاہ ہیں۔ سب اس نے ریو اور نکال کر دکھاتے ہوئے کہا ”یہ تمہاری بڑیاں تو زوریں گے۔ اگر چاہنا چاہو گی تو میں گولی مار دوں گا۔“

ثانی نے مسکرا کر کہا ”اس الحق نے بھی مجھے ریو اور دکھا کر دھمکی دی تھی۔“

”کس کی بات کر رہی ہو؟“

جس کی بات کی جارہی تھی وہ راجر بیٹ بھانگا ہوا ہوٹل سے دور نکل آیا تھا۔ پھر ایک رستوران کے ٹوائٹ میں جا کر اپنے چہرے سے داڑھی مٹھیں ہٹائے والا تھا تاکہ ہوٹل والے نہ پہچان سکیں اور وہ کتنے والوں سے چھپنے کے لئے پھر کوئی نیا ٹیکہ اپ کر لے۔

بہر حال کتا اس کے پیچھے نہیں تھا۔ ہوٹل کے کمرے میں جا کر تلاش کرنے والوں کو جان کارلو کے کپڑوں کے علاوہ راجر بیٹ کی ایک تصویر ملی تھی۔ وہ تصویر جان لیوڈا کے پاس پہنچائی گئی تھی۔ لیوڈا نے تصویر کی آنکھوں میں بھانک کر دیکھا۔ اسے راجر بیٹ کے داغ میں جگہ ملی تھی۔ اس وقت وہ ہوٹل کے کمرے میں ثانی کو ریو اور دکھا کر دھمکیاں دے رہا تھا۔

لیوڈا نے پہلے راجر کے خیالات پڑھے۔ پتا چل گیا کہ وہ ایک معمولی چور ہے اور جان کارلو یا رانا کے متعلق کچھ نہیں جانتا ہے۔ ثانی راجر کو جتنی ذہانت سے بے وقوف بنا رہی تھی اس نے لیوڈا کو متاثر کیا۔ وہ ثانی کے پاس آکر اس کے خیالات پڑھنے لگا۔

پتا چلا اس کا نام سلوانا جو زف ہے۔ اس نے سٹریٹجک کے اختتامات پاس کئے ہیں۔ کیونکہ زور کو جس بھی عمل کر چکی ہے۔ کرائے میں بلیک ہیلٹ حاصل کر چکی ہے۔ اس کے خیالات پڑھنے کے دوران ہوٹل کا انچارج اسے بے خانے میں اس کے پاس لے گیا تھا۔

جب باس نے ریو اور نکالا اور دروازے پر دو باڈی بلڈر راز روکنے آئے تو جان لیوڈا کی دلچسپی بڑھ گئی۔ اب وہ دیکھنا چاہتا تھا کہ آگے ریو اور اور پیچھے زبردست فائز ہیں۔ یہ لڑکی سلوانا اس چویشن میں کیا کر سکتی ہے؟ اور وہ تھی کہ مسکرا کر ریو اور دکھانے والے پاس سے کہہ رہی تھی ”اس الحق نے بھی مجھے ریو اور دکھا کر دھمکی دی تھی۔“

باس نے پوچھا ”کس کی بات کر رہی ہو؟“

ثانی نے کہا ”وہی جو چوری کرنے میرے کراہے جرات سات میں آیا تھا۔ اس نے دوبارہ مجھ پر گولیاں چلائیں۔“

باس نے کہا ”اس سے بھول جاؤ اور میرے ہوٹل والوں کے سامنے بیان دینے کے لئے اپنے سامنے والے ٹیکہ کے ٹکڑا دو۔“

ثانی نے پوچھا ”تم چاہتے ہو کہ میں ہوٹل میں قیام کرنے والوں کے سامنے اسے چور نہ کہوں؟“

”ہاں۔ یہ بیان دو کہ وہ تمہارا عاشق تھا۔ ہمیں مگن پوچھنا پڑے گا۔ یہاں سے جڑا لے جانا چاہتا تھا۔ میں وقت پر ہوٹل کے سیکورٹی گارڈز پہنچ گئے اور وہ بھاگ گیا۔“

”یہ میرا کوئی عاشق نہیں تھا۔ چوری کرنے آیا تھا۔ تم اپنے ہوٹل کو بدنامی سے بچانے کے لئے مجھے بدنام کرنا چاہتے ہو۔“

”لڑکی! میں جو کہہ رہا ہوں وہ اس کانڈر پر لکھا ہوا ہے۔ تم ٹیکہ کے سامنے اسے بڑھتی جاؤ۔“

”اگر میں انکار کروں تو؟“

”تو یہ دونوں باڈی بلڈر تمہاری بڑیاں تو زوریں گے اور اگر شور مچاؤ گی تو میں گولی مار دوں گا۔“

وہ ہنسنے لگی اور پھر بولی ”پتا نہیں تم مجھے امتحانوں کو ریو اور کا لائنس کیسے مل جاتا ہے۔ کیا تمہیں پتا ہے کہ ہماری یہ مشکوک تمام ہوٹل والے سن رہے ہیں۔“

اس کی یہ بات سن کر جان لیوڈا چونک گیا۔ وہ اس وقت باس کے داغ میں تھا تاکہ اسے سلوانا کا فائز نہ کرنے دے۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ لڑکی اس قدر ذہین ہوگی۔ خطرے کے وقت بھی حواس قابو میں رکھ کر دشمنوں کی خوش فہمی اور غفلت سے فائدہ اٹھا کر اس نے ٹیکہ کے ٹکڑے کو آن کر دیا ہوا کہ وہ ہوٹل میں قیام کرنے والے لوگوں کو اس کے ٹیپ کئے جانے کی خبر مل رہی ہوگی۔ جان لیوڈا نے بے ساختہ کہا ”شاباش! اسے کتنے ہیں غیر معمولی ذہانت۔“

باس اچھل کر کھڑا ہو گیا تھا۔ بے چینی سے ٹیکہ کے ٹکڑے کو دیکھنا چاہتا تھا۔ ثانی نے ٹیکہ اٹھا کر کہا ”دور سے خاک نظر آئے گا؟ قریب سے دیکھو۔“

یہ کتنے ہی اس نے ٹیکہ کو ریو اور پر مارا۔ پاس اس کے لئے تیار نہیں تھا۔ ریو اور ہاتھ سے نکل کر باڈی بلڈر کے قدموں کی طرف چلا گیا۔ ایک نے جبکہ کراسے اٹھاتا چلا تو دوسرے نے اس پر گولی بھری۔

چلا ٹک لگتی، وہ اچھل کر ایک طرف ہو گئی۔ چلا ٹک لگانے والا میز سے گر گیا۔ میز کے دوسری طرف باس تھا۔ وہ باڈی بلڈر سے ٹکڑے لگائے والی میز سے ٹکرا کر کرسی سمیت الٹ گیا۔ جب وہ تینوں اپنی اپنی جگہ سے اٹھے تو ثانی کے ہاتھ میں ریو اور کچھ کرکھنڈے پڑ گئے۔

دوسری طرف جان لیوڈا واہ واہ کر رہا تھا۔ وہی میں نے پوچھا۔ ”کس بات پر مجھ رہے ہو؟“

”میں ایک ایسی لڑکی کے داغ میں ہوں جو قیامت ہے قیامت! باقی گاؤں میں نے ایسی ذہانت، ایسی پھرتی، چالاکی اور فائنک کا ایسا انداز آج تک نہیں دیکھا۔ ذرا ٹھہرو۔ میں آتا ہوں۔“

وہ پھر ثانی کے پاس آیا۔ وہ ہوٹل کے خزانے مالک سے کہہ رہی تھی ”ٹیکہ اٹھا کر دیکھو۔ میں نے جن آن نہیں کیا تھا۔“

تمہارے ہاتھ سے ریو اور لینے کے لئے میں نے ہمیں الزبتھا تھا۔ پاس نے ٹیکہ کو فرش سے اٹھا کر دیکھا۔ واقعی وہ آن نہیں ہوا تھا۔ ایک لڑکی کو بے خانے میں لا کر اس پر جبر کرنے والی بات ابھی کسی کو معلوم نہیں ہوئی تھی۔ ثانی نے کہا ”اس اپنی سلامتی چاہتے ہو تو ٹیکہ آن کو اور اعلان کرو کہ یہ ہوٹل خنزروں اور بد معاشرلوں کا اڈا بن گیا ہے۔ یہاں شریف لوگوں کو اپنی جلی کے ساتھ قیام نہیں کرنا چاہئے۔“

وہ بے بسی سے بولا ”جو ہو گیا اسے بھول جاؤ۔ میں اپنے ہوٹل کی نیک نامی کے لئے کچھ بھی کر سکتا ہوں۔ مجھ سے جتنی رقم چاہو لے لو اور یہاں سے چپ چاپ چلی جاؤ۔“

”ٹیکہوں میں بات کرو۔ کتنی رقم دو گے؟“

”یہ زیادتی ہے۔“

”میری بڑیاں تو زورنے والی زیادتی سے کم ہے۔“

”ٹیکہ ہے۔ ایک لاکھ ڈالروں کا۔“

”اس رقم کو دیکھ کر دو اور سرکاری فرائض میں جمع کر دو۔“

”کیا تم کوئی سرکاری ملازمہ ہو؟“

”میں ایک عام شہری ہوں۔ مجھے اپنے وطن سے بے انتہا محبت ہے۔ میرا بس چلے تو تمہارے جیسے بے ایمان سواہیہ والوں سے دولت چھین کر اپنے ملک کے خزانے کو بھردوسنی الحال گورنمنٹ ٹریزری کے نام دو لاکھ ڈالر کا چیک لکھ دو۔“

جان لیوڈا نے دافنی طور پر حاضر ہو کر ہوٹل میں سے کہا ”تمہاری ناکامی کی وجہ یہ ہے کہ ہم اپنے ملک میں ذہین اور با صلاحیت جوانوں کو تلاش نہیں کرتے ہیں۔ ہم نے مرنا، ٹپا، اپنا جوہر اور جی اور اور ناما جیسی لڑکیوں کو اس لئے ٹرانسفر مشین سے گزارا کہ وہ فوج کے اعلیٰ افسروں اور حکومت کے اعلیٰ عہدیداروں کی پیشکش یا نہیں۔“

وہی میں نے کہا ”ایسا نہ کہو۔ مرنا کی ذہانت بے مثال ہے۔“

”مسٹر ہوٹل میں! جس لڑکی کو میں نے آج دیکھا ہے اس کے سامنے مرنا کی ذہانت، ہمیں یقین نہیں ہے۔ وہ کتنی بے جلی اس کی حاضر دماغی اور ایکشن دیکھ کر سونا یاد آ جاتی ہے۔ سب سے اہم اور زیادتی بات یہ ہے کہ وہ بے انتہا محبت وطن ہے۔“

وہ ثانی عرف سلوانا کے بارے میں تفصیل بتانے لگا۔ وہاں ہوٹل میں کے علاوہ فوج کا کرنل، اٹھلی جس کا ڈائریکٹر جنرل اور دو مشیر خاص بیٹھے ہوئے تھے۔ وہی میں کی خدمات کو سراہتے ہوئے اسے سہرا سڑکا عمدہ دیا گیا تھا۔ اس طرح جان لیوڈا کو ملا کر وہاں چھ اہم افراد تھے جو اپنے ملک کے اہم اور خفیہ معاملات سے نمٹنے کے ذمہ دار تھے۔ وہ سب ثانی عرف سلوانا کی باتیں دلچسپی سے سن رہے تھے۔

کرنل نے کہا ”بے شک یہ غیر معمولی لڑکی ہے۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ محب وطن ہے۔“

سہرا سڑک ہوٹل میں نے کہا ”مسٹر لیوڈا! اسے اپنی سرپرستی میں

لے آؤ۔ مٹری بیڈ کو اڑنے کے ٹینک سینٹریں اسے رکھ دو سری ٹرانزائر سر مشین تیار ہونے تک اس کی ٹینک مکمل کرو۔ ہم اس لڑی کو ٹیلی جیٹھی سکھائیں گے۔

اٹلی جنس کے اعلیٰ افسر نے کہا ”میں تائید کرتا ہوں۔ دوسری مشین تیار ہونے تک ہمیں سلوانا جیٹھی لڑکیوں اور لڑکوں کو تلاش کرنا چاہئے اور انہیں ٹیلی جیٹھی سکھانے سے پہلے ان کی ٹینک مکمل کرنا چاہئے۔ صرف اتنی نہیں ڈنڈا تو فغان کی وفاداریوں کو بھی آزمانے رہنا چاہئے۔ اور یہ بھی کرنا چاہئے کہ ان کی وفاداریاں بھی تبدیل نہیں ہوں گی اور وہ دشمنوں کی چال میں نہیں آئیں گے۔“

جان لیڈوانے کہا ”میں سلوانا کو ہوٹل سے ٹینک سینٹریں پہنچانے جارہا ہوں۔ وہ محب وطن ہے، اعتراض نہیں کرے گی۔ اب ہم خوب سوچ سمجھ کر وفاداروں کا انتخاب کریں گے۔“

وہ ثانی عرف سلوانا کے داغ پر قبضہ جمارا سے سینٹر کی طرف لے گیا۔ اسے پورا یقین تھا کہ وہ خوب سمجھ کر ایک وفادار لڑکی کو آئندہ ٹیلی جیٹھی سکھانے کے لئے منتخب کر چکا ہے۔

لیڈوانے اس وقت ثانی کے پاس آئی تھی جب وہ ہوٹل کے کمرے میں تھی اور شام کے اخبار میں کرائے کے مکانات کے اشتہار پڑھ کر ارادہ کر چکی تھی کہ دوسری صبح کوئی چھوٹا سا کاج کرائے پر حاصل کرے گی یا کسی کے ہاں پیٹنگ گیسٹ بن کر رہے گی۔ لیڈوانے اس پر دھوکا دیا کہ اس کے پاس پہنچی تو وہ مٹری بیڈ کو اڑنے کے ایک ٹینک سینٹر میں تھی۔ اس کے خیالات پڑھنے سے چا چلا کہ حکومت کے چند بڑے اور اہم لوگ اس کی ذہانت اور دے آف ایکشن سے بے حد متاثر ہیں۔ ایک ٹیلی جیٹھی جاننے والا جان لیڈوانا سے سینٹر میں لایا ہے۔ پہلے تو ثانی پریشان ہوئی تھی کہ بے دھیانی میں یا غفلت میں کہاں آگئی ہے۔ پھر اسے اپنے اندر جان لیڈوانا کی آواز سنانی دی ”سلوانا! اگھراؤ نہیں۔ تم دشمنوں میں نہیں دوشتوں میں ہو۔ یہ تمہارے وطن عزیز کا فوجی بیڈ کو اڑنے ہے۔ کیا تم فوج میں رہ کر وطن کی خدمت نہیں کر سکتی؟“

وہ سینٹر کے برآمدے میں آئی۔ سادہ فوج کے جوان اور افسران آتے جاتے دکھائی دے رہے تھے۔ مطمئن ہو کر بولی ”میں بہت خوش ہوں۔ یہاں راضی خوش آگئی تھی پھر مجھے غافل بنا کر لانے کی کیا ضرورت تھی۔“

”ہم فوجی بیڈ کو اڑنے کی اہم باتیں باہر نہیں کرتے۔ ہمیں راز دار بنا کر لایا گیا ہے۔ اگر منظور نہ ہو تو تم ابھی جا سکتی ہو۔“

”مجھے منظور ہے۔ میں اپنے ملک کی خدمت کرنے کے لئے اپنے مزاج کے خلاف ہونے والی باتیں بھی برداشت کر سکتی ہوں۔“

”شباب! تمہارے ایسے ہی سچے اور کمرے خیالات نے ثابت کیا ہے کہ تم سچائی اور وفاداری سے ملک اور قوم کی خدمت کر رہی ہو گی۔“

”کیا میں پوچھ سکتی ہوں کہ تم کون ہو؟ اگر تمہارا راز میں رہنا

ضروری ہے تو مجھے بتا دو۔“

”میں جلد ہی معلوم ہو جائے گا۔ تم میری بیٹی جیسی ہو۔ میری اپنی کاٹی ہوئی اناسی سینٹریں ہیں۔ میں تم دونوں کو ٹینک کے بعد ٹاپ پر دیکھنا چاہتا ہوں۔ ٹاپ رنگ میں آنے والی لڑکیوں اور لڑکوں کو آئندہ ٹرانزائر سر مشین سے گزار کر ٹیلی جیٹھی سکھائی جائے گی۔“

لیڈوانے خیال خوانی کی پرواز کی پھر سونیا کے پاس اگر ثانی کے متعلق تمام باتیں بتائیں۔ سونیا نے کہا ”یہ تو کہاں ہو گیا۔ ہم نے ثانی اور علی کو ازاد دینی زندگی کے راستے پر لے جانے کی کوشش کی تھی۔ قدرت کو کچھ اور منظور ہے۔ ثانی کے مقدور میں ٹیلی جیٹھی کا علم ہے تو یہ علم اسے حاصل کرنے دو۔ فراہم کے پاس جاؤ۔ یہ کچھ دیکھو۔“

لیڈوانے میرے پاس آئی۔ میں نے تمام دوادوسن کر کہا ”یہ ایک خوشی کی بات ضرور ہے۔ لیکن ٹیلی جیٹھی سیکھنے کے مرحلے تک پہنچنے میں ایک عرصہ لگے گا۔ چاہیں دوسری مشین کہیں چھپا کر رکھی گئی ہے یا دوبارہ تیار کی جا رہی ہے۔ اگر ہم نے ثانی کو دشمنوں کے پاس چھوڑ دیا تو کبھی اس کی اسلیٹ بھی مکمل نہیں ہو سکتی ہے۔ اسے خطرات پیش آسکتے ہیں۔“

لیڈوانے تائید کی ”ہاں ایسا ہو سکتا ہے۔ لیکن ہم اس کی برابر عمرانی کرتے رہیں گے؟“

”تو بات بن سکتی ہے۔ سب سے زیادہ اندیشہ اس بات کا ہے کہ ہماری دلی علی میں ثانی پر تنویجی عمل کیا جائے گا۔ اس کے داغ میں مزید جب الدلی بھی جاتے گی اور ہمارے خلاف فترتیں پیدا کر دی جائیں گی۔“

”یہ تو ہماری ساری تدبیریں الٹ جائیں گی۔“

”میں پاکستان میں بہت مصروف ہوں۔ تم اس سلسلے میں سونیا سے بات کرو۔ کوئی بات نہ بنے تو میں کوئی مقتول مشورہ دے سکوں گا۔“ وہ پھر سونیا کے پاس آئی۔ اس نے میری باتوں کے جواب میں کہا ”ثانی کو ٹیلی جیٹھی کا علم حاصل کرنے کے لئے کچھ تو خطرات سے دو چار ہونا پڑے گا۔ یہ دستور ہے۔ خطرہ مول لے بغیر کچھ حاصل نہیں ہوتا۔“

”اب درست کہتی ہیں۔ اگر ہم ٹیلی جیٹھی جاننے والے اس کی عمرانی کرتے رہیں تو جان لیڈوانا اس پر تنویجی عمل نہیں کر پائے گا۔“

”مسلمان سلطانہ اور جو سے ملے کہ وہ باری باری ثانی کی عمرانی کے لئے کنسروقت نکال سکیں گے۔“

لیڈوانے ان تینوں سے رابطہ کیا۔ تینوں نے کہا ”ہم آپہں میں چھ چمکھنے کا وقت مقرر کر لیں۔ ہم میں سے ہر ایک اپنی ذہنی کے مطابق ثانی کے پاس چھمکھنے ہا کرے گا۔“

سلطانہ نے کہا ”ہم زیادہ توجہ رات کو دیا کریں گے۔ کیوں کہ ثانی پر تینہ کی حالت میں تنویجی عمل کیا جاسکتا ہے۔“

سلطانہ نے کہا ”ہم ثانی سے غافل نہیں رہیں گے۔ لیکن

میرے ہونے والے داد کو تو تلاش کرو۔ آخر وہ کہاں گم ہے؟“

وہ جزیرہ ہوائی میں تھا۔ یہ جزیرہ جنوبی امریکا سے بہت زیادہ فاصلے پر نہیں تھا۔ رانا کو اندیشہ تھا کہ دشمن وہاں بھی پہنچ سکتے ہیں۔ وہ اکثر اپنے اندر پرانی سوچ کی لمبوں کو محسوس کرتے ہی سانس روک لیا کرتی تھی۔ یقیناً جان لیڈوانا بار بار آتا ہوگا۔ اگر اسے چند سیکنڈ کے لئے بھی اس کے داغ میں جکھ ملتی تو وہ اس پاس کے ماحول سے سمجھ لیتا کہ وہ کہاں ہے یا چور خیالات پڑھ کر جان لیتا کہ وہ کس نام سے کس روپ میں خود کو چھپائی ہوئی ہے۔

وہ محفوظ نہیں تھی۔ اگر وہ بیمار پڑ جاتی تو کسی حادثے کا شکار ہو جاتی یا کسی طرح زخمی ہو جاتی اور دائمی توانائی کے کم ہونے سے سانس روکنے کے قابل نہ رہتی تو جان لیڈوانا اگر اسے روک لیتا پھر وہ پیشہ کے لئے خیال خوانی کی پرواز بھول جاتی۔

خوبصورت جزیرے میں علی تیور کے ساتھ زندگی عیش و آرام سے گزار رہی تھی۔ آزادی لیبب تھی۔ بس ایک لیڈوانا کانٹے کی طرح چھہ رہا تھا۔ اس سے محفوظ رہنے کی ایک ہی تدبیر تھی کہ اپنی آواز اور لہجے کو بھول جائے اور نیا لہجہ اختیار کرے۔ یہ سب کچھ تنویجی عمل سے ہو سکتا تھا۔ لیکن وہ کسی عامل پر بھروسہ کیسے کرتی؟ اگر عامل اندر سے شیطان ہوتا اور عمل کے ذریعے اپنی معمول بنالیتا تو وہ پیشہ کے لئے اس کی تیز بین کر رہ جاتی۔

علی کو پہلے جان کارلو بنایا گیا تھا۔ رانا نے جان کارلو کی شخصیت نکلا کر اسے ایڈی فٹر بنایا۔ لیکن رانا کو اصل ریڈی فٹر کی پور ہنری معلوم نہیں تھی۔ اس نے جگت میں فٹر کے نشانی

کاغذات حاصل کئے تھے اور جگت میں ہی علی کی شخصیت تبدیل کی تھی۔ اس کے نتیجے میں علی تیور اکثر انجمن میں پڑ جاتا تھا اور سوچتا تھا میں کون ہوں؟ میرا نام ایڈی فٹر ہے تو میں کہاں سے آیا ہوں؟ میرے والدین اور رہنے دار کہاں ہیں؟ پامپلا (رانا) سے میری شادی کب اور کہاں ہوئی تھی؟

ایسے بہت سے سوالات اسے الجھاتے رہتے تھے۔ رانا غما سے خاموش اور پریشان دیکھ کر ان کو اسی سے کتنی تھی ”ایک تو میں فکر اور پریشانی میں رہتی ہوں اس پر تم ایسے منہ ٹٹکائے رہتے ہو جیسے میں تم پر بوجھ بن گئی ہوں جب کہ میں تمہارے اخراجات برداشت کرتی ہوں۔ تمہارے لئے کسی طرح بھی بوجھ نہیں ہوں۔“

”میں میں سوچتا ہوں کہ تم کہاں سے اتنی دولت لے آتی ہو؟“

شکاگو سے مایا بھر مایا سے اس جزیرے تک تقریباً ساڑھے اڑھار فوج کر چکی ہو۔ سیکھے ہوٹل میں رہتی ہو۔ مسلکی شاہنگ کرتی ہو۔ لیکن آمدنی کا کوئی ذریعہ نظر نہیں آتا۔

”فٹر! میں تمہیں کہہ چکی ہوں کہ ایک حادثے میں تمہاری یادداشت گم ہو گئی ہے۔ تمہیں یہ بھی یاد نہیں رہا کہ ہماری شادی کب ہوئی تھی۔ پھر میرے بارے میں تمہیں کیسے یاد ہوگا کہ میری آمدنی کا ذریعہ کیا ہے۔ میں ٹیلی جیٹھی جانتی ہوں۔“

”ٹیلی جیٹھی جانتی ہو؟ کیسے جانتی ہو؟“

”جیسے بھی جانتی ہوں۔ تم جان لو کہ دوسروں کے داغوں میں پہنچ کر انہیں غائب داغ بناتی ہوں۔ وہ اپنی تجویروں سے یا پینک

جن کی کہانیاں آنکھوں نہیں دلوں سے پڑھتی
جاتی ہیں ان کی بہترین کہانیوں کا دوسرا مجموعہ
شائع ہو گیا ہے

محی الدین نوٹ کی کہانیوں کا پہلا مجموعہ
”ایک ایلان کا سفر“ بھی دستیاب ہے

کہانیاں بلیکسٹریٹ ریڈی فٹر کی

روچ کی لہرس واپس آگئیں۔ یہ حیرانی کی بات تھی جسے وہ ایڈی رہنا کر رکھی ہوئی تھی وہ سانس روکنا نہیں جانتا تھا۔ یہ پریشان

میں محفوظ رہ کر خیال خوانی کے ذریعے فرائض کے خلاف عاز آ رہا، میں مصروف رہو گے تم اپنی جگہ کی بھی کوئی شے ہوگی کہ فرائض کو کسی کے دماغ میں جھماکی موجود کیا شہ نہ ہو۔ اسے یہ سمجھنے دو کہ ہمارا کوئی خیال خوانی کرنے والا اس کے مقابل پاکستان میں نہیں ہے۔

دانیال الیہ کے دماغ میں تھا۔ یہ تمام باتیں سن رہا تھا۔ ویسے الیہ کی آمد سے قبل یہ تمام باتیں ان چاروں ٹیلی ویژن جاننے والوں کے لیے مورس، جنرل پارکس، میری ہوکن اور دانیال کو بتادی گئی تھیں۔ لیکن انہی دانیال کی دلچسپی الیہ سے تھی۔ یہ سن کر اسے باہمی ہوئی کہ آئندہ پانچوں ٹیلی ویژن جاننے والوں کو ایک دوسرے سے ملایا نہیں جائے گا۔

یہ کوئلہ رینز کا فیمل تھا کہ پانچوں کی بہتری ایک دوسرے سے دور رہنے میں ہے۔ دشمن ٹیلی ویژن جاننے والے ایک کے ذریعے دوسرے کے پاس نہیں پہنچ سکتے تھے۔ اگر کسی مسئلے پر دو تین ٹیلی ویژن جاننے والوں کی ایک جگہ ضرورت ہوگی تو کوئلہ رینز ایسے وقت کوئی مناسب طریقہ کار اختیار کرنے کے لیے مناسب رہائشی کریں گے۔

لیکن دانیال کی بے چینی بڑھ گئی تھی۔ کوئی اپنی چیز ہاتھ آتے آتے دور ہو جائے تو بے چینی بڑھ جاتی ہے۔ اور وہ اس بے چینی کا علاج جلد و موثر لیتا چاہتا تھا۔



میں اپنی بہن شامین کی کوئی بھی زیادہ دیر نہ سکا۔ دل تو کتا تھا وہ صدائے تپو رہے اسے چھوڑ کر نہیں جانا چاہئے۔ یہ پھر ساتھ لے جانا چاہئے۔ لیکن ہر دو صورتوں میں بہن کا ہی نقصان ہو سکتا تھا۔ میں کوئی بھی میں ایک دن بھی نہ جاتا تو دشمن بڑی آسانی سے گھیر کر پوری کوئی بھی کہ بہن کے پورے خاندان کے ساتھ ہم کے دھاکوں سے اڑا دیتے۔ اگر میں اور اس کے بچوں کو ساتھ لے جاتا تو کہاں لے جاتا؟ دشمن تو قدم قدم پر حاضر ہو جاتے ہیں۔

میں نے کہا ”شامین! آفراس میں میرے نام سے ایک ہستی آباد ہے“ اسے فرادوچ کہتے ہیں۔ تم بچوں کو لے کر وہاں رہائش اختیار کرو۔ وہ ایسی جگہ ہے جہاں کوئی دشمن قدم رکھنے کی جرات نہیں کرتا ہے۔“

”ہی! بھائی جان! مجھے فخر ہے کہ میرا بھائی دنیا کا سب سے شہ نذر انسان ہے۔ میں باقی ہوں یہاں میرے اور بچوں کے دشمن پیدا ہو گئے تھے۔ وہ آپ کے ہاتھوں مر گئے۔ ان کے بعد دوسرے پیدا ہوں گے لیکن میں یہاں سے جانا نہیں چاہتی۔“

”آخر کریں؟“

”اگر ہم فخریوں، بد معاشوں، اسکولوں اور تاقوں کے ڈر سے یہ ملک چھوڑ دیں گے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم پاکستان کو مجرموں کے حوالے کر کے جارہے ہیں۔ ہمارے بزرگوں نے آگ اور خون کے دریا سے گزر کر یہ ملک بنایا تھا۔ میں اسے مجرموں کے حوالے کرنے کا جرم نہیں کروں گی۔ آپ مجھ سے دور رہ کر حوصلہ

دیتے رہیں! میں یہاں بچوں کے ساتھ رہ کر دشمنوں سے لڑتی رہوں گی۔“

میں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا ”خوش رہو بیوہ! اتھاری بھی بیٹیاں سلامت رہیں گی تو دشمن اس ملک کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔ دیسے میں تم سے زیادہ دور نہیں رہوں گا۔ جب تک یہودی تنظیم کو ناکام نہیں کروں گا، پاکستان ہی میں رہوں گا۔“

صبح ہوئے والی تھی۔ میں نے بچوں کو پیار کر کے دلا دیا۔ انہیں بتایا کہ ان کا بھائی پارس اور ان کی ممانی سونا یہاں پہنچنے والے ہیں۔ وہ بھی اسی شہر میں رہ کر دوسری دور سے ان کی عمرانی کریں گے۔ میں نے شامین کے آنسو پونچھے پھر باہر آ گیا۔

باہر ساری رات عوامی عدالت گئی رہی تھی۔ قاتل اور اس کے ایک بیٹے کو اسی کوٹھی کے احاطے میں سڑاے موت ملی تھی۔ اس علاقے کے لوگوں نے اپنے ہاتھوں سے قاتل کو جہنم میں پہنچایا تھا۔ دریاں پن کر قانون کے محافظ کھلانے والے اور قانون سے کھیلنے والے وہاں سے بھاگ گئے تھے۔ پھر بھی وہاں ابھی خاصی تعداد میں لوگ جمع تھے۔ ان کا خیال تھا کہ کوٹھی کے اندر فرائض علی تیمور موجود ہے۔

وہ فرائض زندہ باد کے فخرے لگا رہے تھے۔ مجھ سے ملاقات کرنے کے لیے بے چین ہو رہے تھے۔ میرا فرض تھا کہ ان سے ملاقات کرنا لیکن پتا نہیں میں کب تک پاکستان میں رہوں گا۔ اس لیے اپنے بھائیوں، بہنوں اور بزرگوں کو اپنی بے چینی سمجھانا چاہتا ہوں کہ میں کبھی کسی سے براہ راست ملاقات نہیں کر سکوں گا۔ کیونکہ دوستوں کے درمیان دشمن لڑتی ہوئے ہیں۔

یہ بات سمجھی نہیں رہی کہ میں کہاں ہوں اور کن حضرات سے ملاقات کر رہا ہوں۔ دشمن مجھے نشانہ بنانے سے پہلے یقین کرنا چاہتے ہیں کہ میں ہی اصل افراد ہوں۔ اور جب میری قوم کے لوگ مجھ سے دلائل برتت اور عقیدت سے ملیں گے تو دشمنوں کو میرے فرائض ہونے کا یقین کسی شہ کے بغیر ہو جائے گا۔

لہذا میں محذرت خواہ ہوں۔ میں لوگوں کا ”بے شمار بھائیوں اور بہنوں سے ملوں گا لیکن انہیں یہ معلوم نہیں ہوگا کہ ابھی ابھی میں ان سے مل کر گیا ہوں۔ شامین کی کوٹھی سے باہر آ کر میں نے لوگوں سے ملاقات کی، انہیں بتایا کہ میں شامین کے دور کے دشمن سے بھائی لگتا ہوں۔ پُرسے کے لیے وزیر آبا، سے آیا ہوں اور اب واپس جا رہا ہوں۔

ایک نے پوچھا ”کیا فرائض صاحب سے آپ نے ملاقات کی؟“

میں نے کہا ”بھائی صاحب! وہ یہاں موجود نہیں ہیں۔ دشمنوں کو خوفزدہ کرنے کے لیے انہوں نے کہا تھا کہ ابھی بہن کی حفاظت کے لیے رہیں گے لیکن کوئی بھی قانون اندر جا کر تعہد کر سکتی ہیں۔ شامین کے تیمم اور ان کے بچوں کے سوا کوئی دوسرا کوٹھی میں نہیں ہے۔“

میں انہیں یقین دلاتا تھا۔ ان سے ملاقات بھی کرنا رہا پھر وہاں سے ریلوے اسٹیشن آیا۔ اسٹیشن کے پاس ایسی سڑاے ہیں

نوجوان کو روزگار دلانا تھا تو میری مرکز رہا جسے لیکن یہ مسئلہ ختم نہیں ہوگا۔ لہذا میں تم سب کی خاطر مختلف شعبوں سے رابطہ کروں گا۔ میری پوری کوشش ہوگی کہ باصلاحیت افراد کو نااہل افراد کے مقابلہ میں نظر انداز نہ کیا جائے اور حقدار کو اس کا حق ضرور ملتا رہے۔“

میں نے ایک اور بے روزگار جوان کے خیالات دہرے۔ اسے گزراے کے لائق ملازمت مل گئی تھی۔ لیکن وہ کسی ایسی لڑکی سے شادی کرنا چاہتا تھا جس کے والدین لاکھوں روپے کا جینز کا دہار کے لئے نقد رقم فراہم کریں۔

میں نے ایسے غیرت مند نوجوان کے بھی خیالات دہرے۔ جس نے ایسی لڑکی سے شادی کی جس کے والدین جینز دینے کے قابل نہیں تھے۔ ایک بہت بڑی ٹیکسٹی میں اس نے سینٹر کینک کی حیثیت سے اپنی کارکردگی کا مظاہرہ کیا تھا لیکن ایک بڑے سرکاری عہدے دار کی سفارش پر اسے جونیئر اور ایک نااہل شخص کو سینٹر بنا دیا گیا تھا۔

میں نے اس عہدے دار کے دماغ میں پہنچ کر پوچھا ”جب دماغ میں کسی دوسرے کی آوازیں سنائی دیتی ہیں تو جانتے ہو وہ آوازیں کہاں سے آتی ہیں؟“

اس کی سہمی ہوئی سوچ نے کہا ”یہ آوازیں ٹیلی ویژن کے علم سے آتی ہیں۔ میں نے سنا ہے“ فرائض علی تیمور ہمارے ملک میں ہے۔“

”تو پھر فرائض پوچھ رہا ہے“ تم لوگوں کو ذرا بھی شرم اور غیرت ہے یا نہیں؟ قاتل اور باصلاحیت جوانوں کو پھینک ڈالتے ہو، ان کے جذبات اور حوصلوں کو کچلتے ہو اور اپنے نااہل عزیزوں اور دوستوں کو ایسی اہم ذمے داریاں سونپتے ہو جن سے ملک اور قوم کو ناقابل حلانی نقصان پہنچتا ہے۔“

اس نے انجان بن کر پوچھا ”جناب! مجھ سے کیا غلطی ہوئی ہے؟“

”میں تمہارے دماغ کے اندر ہوں۔ انجان بن کر مجھے دھوکا نہیں دے سکو گے۔ میں ایک گھنٹے بعد آؤں گا۔ اتنی دیر میں نوجوان ملک ارشاد کو سینٹر کینک کا عہدہ دو اور اپنے نااہل عزیز کو وہاں کام سیکھنے والا مجوز دے دو۔ اس کے علاوہ کتنی غلط سفارشیوں کی ہیں ان سب کی غلطی کو اور حقداروں کو ان کے حقوق دو۔ ورنہ ایک گھنٹے بعد تمہی اپنی تمام ناصلاحیوں سمیت اس دنیا سے اٹھ جاؤ گے۔“

میں نے وارننگ دینے کے آدھے گھنٹے بعد اس نوجوان ملک ارشاد کے پاس جا کر دیکھا۔ ٹیکسٹی کا مالک اسے سینٹر کینک کا عہدہ دینے کی خوشخبری سن رہا تھا۔ اگر اس اعلیٰ عہدے دار کو میں موت کی دھمکی نہ دیتا تو وہ بھی ایک قابل نوجوان سے انصاف نہ کرتا۔ گویا ہر بڑے عہدے دار اور ہر بڑے ذمے دار کے سر پر موت منڈلاتی رہے تو وہ ایماندار رہے۔ گاہ ورنہ یہ سوچ کر بے ایمانی کرتا رہے گا کہ سنا ہے موت آتی ہے کوئی ضروری نہیں کہ

میں نے وہ فون نمبر معلوم کر کے بے روزگار جوان سے کہا ”بیٹے! بے روزگار رہنے پورے ملک کا مسئلہ ہے۔ اگر میں ہر

سوال پیدا ہوتا ہے کہ میں ٹیلی بیسی کے ذریعے کتنے بے ایمانوں کو موت کا یقین دلاؤں گا کہ وہ ایماندار پر مجبور ہو جائیں۔ لاکھوں روپے کی لاشی کا ٹکٹ ہر شخص بسم اللہ کر کے خریدتا ہے۔ ایک غریب ایک وقت کا چوہا نہ جلا کر ٹکٹ خریدتے ہوئے دعا کرتا ہے۔ خدایا! بڑا کواہ ہے۔ میں نے اپنے بچوں کا پیٹ کاٹ کر تیری رحمت پر بھروسہ کیا ہے۔ ایک جوان لڑکی کا باپ ٹکٹ خرید کر خدا سے جیز کے لئے گزرگاہا ہے۔ ایک کھنکھریا مریض اسے علاج کے لئے وہ ٹکٹ خریدتا ہے۔ لاکھوں دکھ ہیں۔ لاکھوں پیاریاں اور لاکھوں مسائل ہیں۔ دنیا کے تمام مصائب زدہ لاشی کا ٹکٹ لئے کر خدا کو پکارتے ہیں۔

چار جوار یوں میں تھن کی ہار اور ایک کی جیت خدا کو منظور نہیں ہوتی۔ لاکھوں گھروں سے دس دس روپے لئے کر کسی ایک شخص کو دس لاکھ دینا خدا کو منظور نہیں ہے۔ وہ معبود دین کے گھوڑے سے کسی کو لکھتی نہیں بناتا ہے۔ انسانوں کی اپنی نورساز اور افادہ طبع ہے۔ خدا دین سے تو خدا کو ضرور دیتا ہے۔ اسی معبود نے مجھے ٹیلی بیسی کا علم دیا۔ لیکن اس علم کی وسعت کو محدود رکھا۔ میں سب کو سب کچھ نہیں دے سکتا کیونکہ سب کچھ دینے والا وہ مالکِ حقیقی ہے۔

میں پاکستان آکر یہ الزام اٹھانے والا تھا کہ میں نے اپنے ملک اور اپنی قوم کے لئے کچھ کیا ضرور ہے مگر بہت کچھ نہیں کیا۔ میں اپنی داستان کی طرف آنے سے پہلے صرف اتنا کہ دوں کہ ہمارا ملک آئین کے بہت بڑے دور سے گزر رہا ہے۔ آپ سب کچھ کی امید خدا سے کریں۔ میں کچھ نہ کچھ گوں گا۔ کم از کم خیالِ خدائی کے خیال ہی خیال سے اپنی قوم کی آنکھیں کھول دوں گا اور یہ تاریخی سچائی ہے کہ جو قوم آنکھ کھول دیتی ہے، وہ مردہ بھی نہیں کھلتی۔

سونیا اور پارس ایک ساتھ پاکستان آنا چاہتے تھے لیکن انہیں ایک ہی فلاح میں سہیلیں نہیں ملیں۔ دوسری بات یہ کہ الیاہر کے جانے والے تو بھی عمل کی ناکامی ہو گیا۔ جو جو نے انکر بتایا "میں نے دوبار الیاہر کے داغ میں جانے کی کوششیں کیں لیکن اس نے سانس روک لی۔"

سونیا نے پوچھا "تمہارا عمل ناکام کیسے ہو گیا؟"

"مما! کوئی اسرائیلی خیال خدائی کرنے والا الیاہر کے داغ میں چھپا ہو گا۔ جس کی مجھے خبر نہ ہوئی۔"

"کیا تو پوچھ رہی ہو۔ تمہیں خبر کیسے نہیں ہوئی؟ دیکھو جو تمہارا سارا دھیان اور تھکا کہ الیاہر تمہارے پاس سے بیٹھ کے لئے دور ہو جائے تمہارے قابو میں رہے تاکہ تم اسے کبھی پاس کے قریب جانے نہ دو۔ اسی دشمن میں تم نے دوسرے پہلوؤں پر غور نہیں کیا۔ اگر ذرا چالاکی سے کام لیں تو الیاہر کے اندر چھپے ہوئے دشمن کا سر اٹھ لگتی تھی۔"

"آپ درست کہتی ہیں۔ مجھ سے غلطی ہو گئی۔ آپ مجھے سزا

"سزا ضرور ملے گی۔ میں تمہیں علی تیور کو تلاش کرنے کی ذمہ داری سونپ رہی ہوں۔ جب تک اسے ڈھونڈ نہ نکالو تب تک پارس کے کسی معاملے میں مداخلت نہ کرو۔"

جو جو نے پارس سے کہا "شاہ تم نے" مہاشا تھی سخت سزا دے رہی ہیں۔

سونیا جو جو کی سوچ کی لہروں کا جواب زبان سے دے رہی تھی بچے پارس میں رہتا تھا۔ اس نے کہا "جو جو! ماما کی دی ہوئی سزا کے پیچھے ایک سبق ہوتا ہے۔ ہمیں ان کی طرف سے جو بھی سبق ملتا رہے ہم اسے سیکھتے رہیں گے۔"

"ٹھیک ہے" میں جاری ہوں۔ تمہارے پاس آنے کے لئے جلد سے جلد علی تیور کو ڈھونڈ نکالوں گی۔"

وہ علی ٹھیک۔ پارس نے کہا "مما! وہ آپ کے حکم کی قیل کے لئے گئی ہے۔ ویسے ایک ناکامی کا مطلب ہے آئندہ بھی ناکامیوں کے راستے ہمارے ہو چکے ہیں۔ جس دشمن خیال خدائی کرنے والے نے الیاہر کو جو جو کے عمل سے بچایا ہے۔ اس نے الیاہر کے ذریعے وہ مکان دیکھا ہو گا جہاں میں تو بھی عمل کے لئے اسے لے گیا تھا۔"

سونیا نے کہا "اس دشمن خیال خدائی کرنے والے نے کسی کو آزاد کرانہ کر تمہارا قاتل کیا ہو گا۔ تم الیاہر کو تو ہی زندہ سونے کے لئے چھوڑ کر میرے پاس ہو گئی میں آئے تھے۔ اس طرح میں بھی دشمنوں کی نظروں میں ہوں۔"

"ہمارا کھیل بگڑ رہا ہے، ممما! بچنے باہر تھنوں میں انہوں نے ہماری مصروفیات پر نظر رکھی ہے۔ انہیں معلوم ہو گا کہ ہم پاکستان جا رہے ہیں۔ یہ تو ظاہر ہو چکا ہے کہ میں پارس ہوں۔ شاید آپ بھی ان کی سمجھ میں آگئی ہیں۔"

"بیٹے! دشمنوں کے پاس بھی عقل ہے۔ جب ان کی عقل کام کر رہی ہے تو کام کرنے دشمن ان کی توقع کے مطابق سڑکوں کی پھراستہ پل بچ کر ان کی نظروں سے اوچھل ہو جائیں گی۔"

"ٹھیک ہے ممما! آپ اپنی فلاح سے جائیں۔ میں اسی شر میں گھرائی کرنے والوں کو ذرا بے کر روپوش ہو جاؤں گا۔ پھر وہ مجھے نہ دوسرے میں نہیں پہچان سکیں گے۔"

دونوں ماں بیٹے نے اٹلی میں یہودی تنظیم کے بڑے بڑے عہدے داروں کو ختم کر دیا تھا لیکن عہدے داروں کے ختم ہونے سے تنظیم ختم نہیں ہوئی اس کا عمل کچھ وقت کے لئے رکتا ہے۔ پھر نئے عہدے دار اسے جاری رکھتے ہیں۔ سونیا اور پارس کی موجودگی کے باعث ٹیلی بیسی جیسے جاننے والے یہودی سرگرم عمل تھے۔ انہوں نے ماں بیٹے کے آس پاس اپنے آزاد کار چھوڑ کر تھے جن کے ذریعے ماں بیٹے کی ایک ایک حرکت کا پتا چلتا تھا۔

اور سونیا اور پارس نے سمجھ لیا تھا کہ ہوٹل کے بیروں کیسی ڈرائیو اور انٹرا لائن کے ٹکٹ ریزو کرانے والے ایجنٹوں کو آزاد کار بنایا جا رہا ہے اور دشمن ایسے لوگوں کے داغ میں نہ کران میں بیٹے کی مصروفیات پر نظر رکھ رہے ہیں۔

سونیا کی فلاح سے روانہ ہو گئی۔ دشمن مطمئن رہے کہ ہر کام پلاننگ کے مطابق ہوا ہے۔ اسرائیلی خیال خدائی کرنے والے جنرل پارکن کو ایک انٹرا لائن کے ایجنٹ سے پتا چلا کہ پارس دوسری صبح کی فلاح سے پاکستان جانے گا۔ وہ حسن پرستی کے معاملے میں بدنام تھا۔ تنظیم کے نئے عہدے داروں نے فیصلہ کیا کہ پارس کے برابر والی سیٹ ایک لڑکی کے نام ریزو کرانی جائے۔ وہ دوران سڑیا پارس سے دوستی کرے گی اور پاکستان میں بھی اس کے ساتھ رہے گی تو جنرل پارکن خیال خدائی کے ذریعے اس لڑکی کے اندر رہ کر پارس کی تمام مصروفیات سے آگاہ ہوتا رہے گا۔

اس لڑکی کا نام روزینہ تھا۔ وہ پاکستانی تھی۔ لندن میں تعلیم حاصل کرتی رہی تھی۔ باپ کا نام شہزاد تھا۔ وہ یہودیوں کا میں برس سے وفادار ایجنٹ تھا۔ اس کی بیٹی روزینہ اور بیٹا راجیل یہودیوں کی سرپرستی میں تعلیم اور تربیت حاصل کرتے رہے تھے۔ ایسے کی دلال ہوتے ہیں جو بیرون کی طور پر پاکستانی ہوتے ہیں لیکن عملی اور نظریاتی طور پر یہودی یا امریکی ایجنٹ ہوتے ہیں۔ ان کے بچے یورپ اور امریکا میں اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے پاکستان آکر اعلیٰ عہدوں پر فائز ہوتے ہیں پھر یہودی امریکی بائیسوں کے مطابق ہمارے ملک کی خارجہ اور داخلہ بائیسوں میں من مانی تبدیلیاں کرتے ہیں جن کا فائدہ بڑے ہی چھپے چھپے انداز میں یہودیوں کو پہنچتا ہے۔

ہمارے ہاں یہ انکارانی نہیں ہوتی کہ جو شخص ایک برس پہلے ایک بد وقت کے فائدے کر رہا تھا آج وہ اپنے بچوں کو لندن میں بیٹھے بڑھاتا ہے؟ انہیں امریکا کا گرین کارڈ آسانی سے کیسے مل جاتا ہے۔ اگر ہمارے احساب کا شعبہ ایماندار ہو تو بے شمار جرائم سے پردے اٹھ سکتے ہیں۔ لیکن پردہ نہ اٹھانے سے ملازمت اور عہدہ بحال رہتا ہے اور یہ بہت بڑا انجام ہوتا ہے۔

دوسری صبح روزینہ انٹرویو آگے۔ اس کے داغ میں رہنے والے جنرل پارکن نے احتیاطاً کاؤنٹر کل کے داغ سے معلوم کیا کہ حیدر علی (پارس) نے خیابانے میں سوار ہونے کے لئے پورٹنگ کار ڈرایا ہے یا نہیں؟ چلا وہ خیابانے میں موجود ہے۔ روزینہ بھی دوسرے مسافروں کے ساتھ خیابانے میں سوار ہو گئی۔ جنرل پارکن سوچ کے ذریعے کہ رہا تھا "اپنی سیٹ پر بیٹھے سے پہلے آگے پیچھے بیٹھنے والوں سے باتیں کرو۔ تاکہ میں ان کے اندر پہنچ سکوں۔"

وہ سوچ کے ذریعے بولی "یہ اچھا ہے کہ میرے داغ سے چلے جاؤ گے میں بھی بوجھ محسوس کرتی ہوں۔"

"میں تمہارا بوجھ ہلکا کرنے نہیں جا رہا ہوں۔ دراصل پارس کے پاس بیٹھنے والے کسی بھی مسافر کو اس کے خیال خدائی کرنے والے چیک کریں گے، تمہارے داغ میں بھی کوئی آتا چاہے گا۔ ایسے وقت میں تمہارے پاس موجود رہوں گا تو تم پرانی سوچ کی لہروں کو محسوس نہیں کر سکو گی۔"

"میں سانس نہیں روکوں گی۔ صرف بے چینی محسوس کروں گی۔ دشمن کی سمجھ کے کہ میرا داغ حواس ہے مگر میں سانس

نہیں روک سکتی ہوں۔ پھر میرے خیالات پر میں گے تو میں ایک غیر متعلق لڑکی ثابت ہوتی رہوں گی۔"

روزینہ کے داغ پر ایسا عمل کیا گیا تھا کہ وہ تنظیم کے آزاد کار نہ سمجھی جاتی۔ اس کے چور خیالات یہ بتاتے کہ وہ لندن میں زیر تعلیم ہے، شہر روم کے تاریخی عجائبات دیکھنے آئی تھی، اب پاکستان اپنے باپ جان شہزاد سے ملنے جا رہی ہے۔

وہ اپنی سیٹ کے پاس آئی۔ برابر والی سیٹ پر ایک لڑکچہ بیٹھا ہوا تھا۔ روزینہ نے پچھلی سیٹ کے مسافر سے کہا "پلیز، میرا یہ سامان اوپر کی خانے میں رکھ دیں۔"

مسافر نے مسکرا کر کہا "ضرور" اس خانہ میں میرا بھی سامان ہے۔"

وہ روزینہ کا بڑا سا ایک اٹھار کر اوپر رکھنے لگا۔ جنرل پارکن اس کے اندر پہنچ گیا۔ اس کے ذریعے اس نے دوسرے مسافر سے باتیں کیں "اس طرح آپ اس کے لوگوں کے اندر جگہ بٹائی تاکہ ہر طرح سے پارس پر نظر رکھ سکے۔ وہ لڑکچہ خفاقی بیٹ باندھے اپنی سیٹ پر سوتا تھا۔ اسے خبر نہ تھی کہ ایک حسین لڑکی اس کے پاس آکر بیٹھ گئی ہے وہ اس بات سے بھی بے خبر تھا کہ خیابانے پر دوازہ گر رہا ہے۔

روزینہ اسے ناگوار اور بے چینی سے دیکھ رہی تھی۔ اسے سمجھایا گیا تھا کہ وہ سفر کے دوران اس سے دوستی کرے لیکن جو قیامت کی نیند سوتا ہو اس سے بھلا دوستی کیسے ہو سکتی ہے؟ وہ سوچنے لگی "اس کے بہانے سے ڈنگایا جائے۔ اس نے لڑکچہ کو ہاتھ پر ہاتھ کر لیا پھر اسے ہلایا۔ وہ نیند میں کھسکا کر پھر سو گیا۔

روزینہ کو برا طیش آیا۔ ایسی بھی کوئی نیند ہوتی ہے اس نے آخر اسے چھوڑ ڈالا۔ وہ ہڑبڑا کر بولا "تس؟ ہاں، کیا پاکستان آگیا؟"

وہ بولی "ابھی تو سفر شروع ہوا ہے۔"

وہ پھر آنکھیں بند کرنے لگا۔ وہ جلدی سے بولی "ٹھہرو! ابھی نہ سوتا۔ میں کافی دیر چاہتی ہوں۔"

"ہی! نو" اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ روزینہ اس پر جھک کر بولی "مجھے بتائیے تمہیں کچھ لگتا۔ پلیز میرا ساتھ دو۔"

"میں کافی نہیں لی سکے۔"

"کیوں نہیں پیئیں گے؟"

"میرا روزہ ہے۔"

وہ پھر سو گیا۔ روزینہ اپنی بیٹھانی پر ہاتھ مار کر بولی "کس گدھے سے پالا پڑا ہے۔ لائف انجوائے کرنے کی عمر ہے اور روزہ رکھتا ہے۔"

ایسے ہی وقت روزینہ نے پرانی سوچ کی لہروں کو محسوس کیا۔ مگر سانس نہیں روکی۔ اس کے چور خیالات کسی کو بتا رہے ہوں گے کہ وہ سانس روکنا نہیں جانتی ہے اور ایک عام ی لڑکی ہے۔ ایک گھنٹے بعد مسافروں کے درمیان سے کھانے کی زالی گزرنے لگی۔ ہر مسافر کے سامنے کھانے کے ٹرے رکھی جانے

گلی۔ دوزینے ہوئیں سے کہا "یہ صاحب جو سورہ ہیں، کھانا نہیں کھائیں گے۔ دوزہ دار ہیں۔"

یہ بات سن کر پیچھے پیٹھے ہوئے مسافر نے کہا "میں بھی مسلمان ہوں۔ دوزہ رکھا کرتا ہوں لیکن یہ رمضان کا مہینہ نہیں ہے۔ آج اس جوان نے دوزہ کیوں رکھا ہے؟"

دوزینہ بھی مسلمان تھی لیکن دوزہ نماز کے متعلق کچھ نہیں جانتی تھی۔ قری میمنوں کا بھی حساب نہیں معلوم تھا۔ جب پتا چلا کہ یہ دوزہ رکھنے کا مہینہ نہیں ہے تو اس نے گھور کر جان کو دیکھا پھر اسے سمجھوڑا اٹھایا۔ وہ چونک کر آنکھیں کھولتے ہوئے کچھ بولنا چاہتا تھا، اس سے پہلے وہ بولی "تم جھوٹ بولتے ہو۔ تم نے دوزہ نہیں رکھا ہے۔"

وہ حقائق ٹکٹ کھول کر کھڑا ہو گیا۔ میارے کو حیرانی سے دیکھ کر چیخے ہوئے بولا "یہ... یہ تو بوائی جواز ہے۔ میں یہاں کیسے آیا؟"

لوگ اسے سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگے۔ وہ ایک ازہوش کاپاٹھ پکڑ کر بولا "اے جواز دو! مجھے اتارنے دو۔"

وہ ہاتھ چمڑانے کی کوشش کرتی ہوئی بولی "ایزی مسز! ایزی! ایزی! مسرت سے بات کرو۔ اب یہ جواز انتہول میں رکے گا۔"

"لیکن میں جواز کے اندر کیسے آیا؟"

ایک اسٹیوڈیو نے آکر کہا "مسز! تمام مسافر ڈسٹرب ہو رہے ہیں۔ انہیں آرام سے کھانے دیں۔ آپ اپنے گاغذات لے کر میرے کین میں تشریف لے چلیں۔"

نوجوان نے اپنی جیب سے جواز کا ٹکٹ اور بورڈنگ کارڈ نکالا پھر ٹکٹ پر حیدر علی (پارس) کا نام پڑھ کر بولا "یہ حیدر علی کون ہے؟ اس کا ٹکٹ میری جیب میں کیسے آیا؟"

جزل پارکن ایک مسافر کے ذریعے یہ تماشا دیکھ رہا تھا۔ یہ سمجھ میں آیا تھا کہ وہ پارس نہیں ہے۔ کسی نوجوان کو ٹپ کر کے پارس کی جگہ میارے میں بیٹھ دیا گیا ہے۔

پارکن اپنی تسلی کے لئے نوجوان کے اندر پہنچا۔ اس کے خیالات اچھی طرح پڑے۔ پتا چلا "اس کا نام پیٹر ڈیوزا ہے۔ وہ اعلیٰ سے پاکستان جا رہا تھا۔ دم کے ازہوش پراس نے اسے ایگریکیشن کاؤنٹر سے اپنے پاسپورٹ و فیوچر مرس گواہی دی۔ اس کے بعد ہی ایک جوان نے اسے مخاطب کیا تھا۔ پیٹر نے اس سے مصافحہ کرتے ہوئے اس کی بات کا جواب دیا۔ اس کے بعد پھر اسے ہوش نہ رہا کہ وہ کہاں ہے؟ میارے کے اندر پہنچ کر پرواز کے ایک گھنٹے بعد تک وہ غائب رہا تھا۔

جزل پارکن نے دوزینہ سے کہا "ہم دھوکا کھائے۔ یہ پارس نہیں ہے۔ پارس کے کسی خیال خوانی کس نے والے اسے ٹپ کر کے یہاں پہنچا دیا ہے۔ اس کا اصل پاسپورٹ اس کے بیک میں ہے۔"

دوزینہ نے اسٹیوڈیو سے کہا "اس کا ایک دیکھو۔ کچھ پتا تو پلے یہ کون ہے؟"

اسٹیوڈیو کی تلاش کیلئے لگا۔ پیٹر کہ رہا تھا "میرا نام پیٹر ڈیوزا ہے۔ میں پاکستان جانے والا تھا۔ میری سمجھ میں نہیں تھا کہ میں اس جاز میں کیسے آیا؟"

اسٹیوڈیو نے بیک میں سے پاسپورٹ، ٹکٹ اور بورڈنگ کارڈ دیکھ کر کہا "بھئی پریشان کیوں ہوتے ہو۔ تمہارا ٹکٹ اسی فلائٹ کا ہے اور یہ پاکستان جا رہا ہے۔"

وہ حیرانی سے بولا "لیکن میں تو ازہوش کے ایگریکیشن ڈیپارٹمنٹ میں تھا۔ اس جاز میں خود بخود کیسے آیا؟"

ایک مسافر نے پیٹر سے پوچھا "بھئی کون سا شے کرتے ہو کہ داغ بال کی سی آؤٹ ہو جاتا ہے؟"

جزل پارکن نے کہا "دوزی! یہ بڑے مکار لوگ ہیں۔ ابھی بے مورکن نے بتایا ہے کہ پچھلے روز کی فلائٹ میں جانے والی عورت (سونیا) اسٹیوڈیو پہنچ کر غائب ہو گئی ہے۔"

"کیا وہ عورت بہت اہم تھی؟"

"ہاں، ہمیں یقین کی دھندلک شہ تھا کہ وہ سونیا ہے۔ دیے ہم دھوکا کھا کر بھی نقصان میں نہیں رہے۔ پارس شہر میں دم دگیا ہے اور سونیا اسٹیوڈیو میں رگ کی ہے۔ دونوں ماں بیٹے پاکستان نہ جاسکے اور نہ ہی ہم آئندہ انہیں جانے دیں گے۔"

"اب مجھے کیا کرنا چاہئے؟"

"تم پاکستان جاؤ۔ ابھی میں گولڈن ریفر سے مشورہ کر کے بتاؤں گا کہ تمہیں آئندہ کیا کرنا ہے؟"

پیٹر ڈیوزا نے اچانک قہقہہ لگایا۔ دوزی نے اسے چونک کر دیکھا۔ وہ بولا "ہم سب گدھے ہیں۔ تقدیر کو نہیں مانتے۔ میں نبوی ہوں۔ میرے ستاروں نے بتایا تھا کہ اس شہر میں میرے ساتھ کچھ ہونے والا ہے۔ مگر میں نے خود نبوی ہو کر یقین نہیں کیا اب بتاؤ ہم سب گدھے ہیں یا نہیں؟"

وہ بولی "سب کو شائل نہ کرو۔ صرف تم گدھے ہو اور بہت بڑے فراڈ ہو۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ کسی حیدر علی کا پاسپورٹ تمہارے پاس آجائے اور تم اس کی سیٹ پر سز کرو؟ آخر وہ فلائٹ کے وقت کے مطابق کیوں نہیں آیا؟ اگر آیا تھا تو تمہارے خلاف کارروائی کیوں نہیں کی۔ مجھے شبہ ہے کہ تم اسے قتل کر کے آئے ہو۔"

وہ پریشان ہو کر بولا "تو میں نے سوچا ہی نہیں تھا۔ یہ ممکن ہے، کسی نے حیدر علی کو قتل کر کے اس کا پاسپورٹ میری جیب میں رکھ دیا ہو۔ لیکن مجھے خبر کیوں نہ ہوئی؟ میں غافل کیوں رہا؟ کیا مجھ پر کالا جادو کیا گیا ہوگا؟"

وہ بولی "خاموش بیٹھے رہو۔ دم سے اسٹیوڈیو تک حیدر علی کے متعلق تحقیق ہو رہی ہوگی۔ اگر اسے قتل کیا گیا ہو گا تو تمہارے لئے مرقعہ پٹی ہے۔ واقعی تم بچے نبوی ہو۔ تمہارے ستاروں نے بتایا تھا کہ تمہارے ساتھ کچھ ہونے والا ہے مگر اب بہت کچھ ہونے والا ہے۔"

"تم مجھے ڈرانے کی کوشش نہ کرو۔ میرے ستاروں نے بتایا

ہے کہ زندگی میں کچھ انجینس ضرور ہیں لیکن جان و مال کا نقصان نہیں ہوگا۔ مقدّر نے وارننگ دی ہے کہ کسی بھی حسین لڑکی سے بچ کر رہو۔ خدا کا شکر ہے کہ تم حسین نہیں ہو۔"

دھننے سے بولی "میں ایمان سنس! کیا میں حسین نہیں ہوں؟ کیا تم حسن کا مطلب سمجھتے ہو۔ میں مرس یورپ کے مقابلہ حسن میں شریک ہونے والی ہوں۔"

"شرحت دے کہ مقابلہ جیت سکتی ہو۔"

دھننے سے پتہ پتا جانتی تھی، جزل پارکن نے ڈانٹ کر کہا "کیا حماقت ہے؟ فصدہ براشت کرو۔ اگر تم اسے حسین نظر نہیں آتی ہو تو کیا جزا خود کو حیدر خواجہ؟"

"پلیز مجھے اس پاگل سے نجات دلاؤ۔ میں سیٹ بدلنا چاہتی ہوں۔"

"جسے تم پاگل کہہ رہی ہو، وہ بہت اہم ہو گیا ہے۔ ابھی میں نے تفصیل سے اس کے خیالات پڑھے ہیں۔ اس کی رہائش گاہ گبرگ لاہور میں ہے۔ فریادی کی بہن جس کو کبھی میں رہتی ہے، ٹھیک اس کے سامنے والی کو کبھی میں اس کے والدین رہتے ہیں۔ یہ بھی جیہیں رہے گا۔ تم اس سے دوستی کرو۔"

"مہارے گاڑا! یہ لاہور پہنچے پہنچے مجھے بھی پاگل بنادے گا۔ لیکن ڈیوٹی از ڈیوٹی۔ دوستی کرنی ہی ہوگی۔"

دوزینہ نے مسکرا کر اسے دیکھا۔ وہ کھانے میں مصروف ہو گیا تھا۔ اس کی طرف نہیں دیکھ رہا تھا۔ وہ بولی "مسز ڈیوزا! اس نے مجھے نہیں سنا۔ خاموشی سے کھا تا رہا۔ وہ بولی "مسز پیٹر ڈیوزا! میں تم سے مخاطب ہوں۔"

وہ قہقہہ چلاتے ہوئے بولا "سوری، میں اس وقت پیٹر ڈیوزا نہیں ہوں۔"

"مہرکون ہو؟"

"میں حیدر علی کی سیٹ پر سز کر رہا ہوں۔"

"اچھا کچھ کیجیے۔ میں تمہیں حیدر رکوں گی۔"

"مولا تو میں کتنا چاہتا ہوں۔ اس سیٹ نے بڑی گریڈ کوئی ہے؟"

"کوئی گریڈ نہیں کی ہے۔ یہاں بیٹھ کر ہم دوست بن رہے ہیں۔ مجھ سے دوستی کرو گے حیدر؟"

"تم مجھے حیدر کہہ رہی ہو۔ میں عیسائی ہوں، میرا مذہب بدل رہی ہو؟"

وہ گریڈ والی پھر سنبھل کر بولی "ابھی تو تم نے کہا تھا کہ پیٹر نہیں ہو۔"

"پیٹر نہ ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ میں حیدر ہوں۔ سیٹ بدلنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تم مذہب بدل دو۔"

وہ ہری طرح الجھ کر سوچ کے ذریعے بولی "مسز پارکن! تم دیکھ رہے ہو۔ جی کولو نیو پاگل نہیں ہے؟"

"یہ بہت ذہین ہے۔ منتقلی باتیں کر رہا ہے۔ علم منطق میں بھی ہوتا ہے کہ سیٹ حیدر کی ہے تو اس پر بیٹھے والا پیٹر نہیں ہوگا۔ بورڈنگ کارڈ اور کمپیوٹر رپورٹ کے مطابق وہاں کوئی بھی بیٹھے نہ

حیدر کھلائے گا۔"

"مجھ وہ حیدر کھلائے سے کیوں انکار کر رہا ہے؟"

"اس لئے کہ وہ عیسائی ہے اور تم اس کے عیسائی ہونے سے انکار نہیں کر سکتیں۔ دوزینہ! یہ نوجوان بہت ذہین ہے۔ ہمیں بھی اپنی ذہانت کا ثبوت دے کر دوستی کرنا چاہئے۔ اس سے ہمیں نقصان نہیں پہنچے گا بلکہ یہ ہمارا آئندہ کاربن کرے گا۔"

دوزینہ نے پیٹر کو دیکھ کر ایک گہری سانس لی۔ پھر مسکرا کر بولی "تم اپنی باتوں سے الجھادیے ہو۔ جی پوچھو تو تمہارا یہ انداز مجھے جیت رہا ہے۔ میں تمہیں کسی نام یا کسی مذہب کے حوالے سے نہیں پکاروں گی۔ دوستی کے رشتے سے دوستی کون کی، ٹھیک ہے؟"

وہ بولا "ٹھیک تو لگ رہا ہے۔ لیکن میں نے پہلے کبھی کسی لڑکی سے دوستی نہیں کی۔ اس مسئلے پر غور کرنا ہوگا۔"

"اس میں غور کرنے کی کیا بات ہے؟"

"واہ بات کیوں نہیں ہے! میں اپنے ایک دوست کے سامنے لباس بدل لیتا ہوں۔ تمہارے سامنے بدل سکوں گا؟"

وہ جھینپ کر دوسری طرف دیکھنے لگی۔ پیٹر نے کہا "جھوٹے لڑکی کی دوستی مسئلہ بن جاتی ہے۔ اب تو قاتی ہوتا؟"

"تمہارے ساتھ باتیں کرنے کے لئے مجھے بھی چنا ہرے گا۔"

"سیدھی سی بات ہے۔ جس دوستی پر دنیا والے بھی اعتراض کرتے ہیں، ہم وہ دوستی نہ کریں۔ بلکہ رشتے داری کر لیں۔"

"کیسی رشتے داری؟"

"میں تمہیں عزت اور احترام سے آنی کھوں گا۔"

ایک حسین اور جوان لڑکی کے لئے یہ شرط تھا کہ تھا۔ اس بار وہ آتش فشاں کی طرح پھٹنے والی تھی لیکن جزل پارکن نے اس کے داغ کو کنٹرول کیا۔ وہ چند لمحوں تک ساکت بیٹھی رہی۔ اپنی جگہ سے ہل نہ سکی۔ اگر کچھ کاموقع تھا تو شاید وہ پھر کھڑی ہو جاتی۔

پارکن نے کہا "دوزینہ! تم اپنے مشن میں ناکام ہو رہی ہو۔ خود کو قابو میں رکھو۔ ورنہ یہ جوان ہاتھ سے جانے گا تو تمہاری لندن کی شہرت جہنم لی جائے گی۔ ہزاروں یونیورسٹی اور ایجنسیوں کو دکھ دی جائے گی۔ تمہارا باپ بھدوی تنظیم کا ایک اہم رکن ہے، وہ بھی تمہیں سزا سے نہیں بچا سکے گا۔"

وہ ٹھنڈی پڑتی، پیٹر نے کہا "میں نے تمہیں فصدہ دلائے کے لئے آنی کہا لیکن تمہیں غصہ نہیں آیا۔ مجھے ایسی ہی ٹھنڈی لڑکیاں پسند ہیں۔ تم بے حد حسین ہو! اتنی کم سن ہو کہ آنی کھنے سے تمہیں ہنسا جائے۔"

وہ ٹھنڈا کر ہنسنے لگی۔ پیٹر نے ہاتھ بڑھا کر پوچھا "دوستی؟"

وہ ہاتھ ملا کر بولی "جی دوستی۔"

"تو پھر ہم ایک دوسرے کو اپنے بارے میں بتائیں۔ میرا نام جس میں معلوم ہو چکا ہے۔ میرے ڈیوٹی کا نام آئندہ دوزا ہے۔ ڈیوٹی اور کمی ایک انگلش میڈیم اسکول کے مالک ہیں۔ میں لندن میں کرائے پر کاربن چلائی کرتا ہوں۔ دس برس بعد پاکستان جا رہا

”میں بھی دس برس بعد جاری ہوں۔ لندن میں مئی اور بڑے بھائی کے ساتھ رہتی ہوں۔ لاہور کے بڑے دولت مندوں میں میرے ڈیڑی کا شمار ہوتا ہے۔“

”وہ یقیناً بہت بڑے کاروباری ہوں گے۔“

”ہاں نہیں کیا ہیں؟ پاکستان میں یہ ایک اچھی بات ہے کہ کسی سے یہ نہیں پوچھا جا سکے کہ اس کے پاس دولت کہاں سے آ رہی ہے۔“

”تم نے ڈیڑی سے پوچھا ہوگا؟“

”ہاں پوچھا تھا۔ انہوں نے جواب دیا ’دنیا میں دولت سے بہتر کوئی چیز نہیں ہے لہذا بہتر چیز جہاں سے بھی آئی ہے۔ بہتری کے لئے آئی ہے‘ بہتری کو بے شمار ہونا چاہئے اس کا حساب نہیں کرنا چاہئے اور نہ کسی کو حساب دینا چاہئے۔“

جنرل پارکین، روزینہ کے دماغ میں وہ کرپٹریڈیوڈا کی باتیں سن رہا تھا۔ اس کے دوسرے خیال خوانی کرنے والے سے مورگن اور ہیری ہوکنس یہ تصدیق کر رہے تھے کہ شاید کوئی کوشی کے سامنے واقعی کوئی آئریڈیوڈا رہتا ہے یا نہیں؟ انہوں نے لاہور میں مختلف ذرائع اعتبار کر کے آئریڈیوڈا کے دماغ میں جگہ بنائی تھی پھر یہ تصدیق ہو گئی کہ پیراس کا بیٹا ہے اور وہ اپنے بیٹے کی آمد کا انتظار کر رہا ہے۔

پیرایڈیوڈا کوئی فراڈ نہیں تھا لیکن فراڈ تھا۔ سلمان نے اپنے عمل کے ذریعے اسے پیرایڈیوڈا کہا تھا۔ پیرایڈیوڈا کے نام سے سپورٹ اور ضروری کاغذات تیار کرانے میں چند گھنٹے لگے تھے۔ پیراس کے پاس حیدر علی کے نام کا بھی سپورٹ اور کٹ وغیرہ رہنے دیا تھا تاکہ دشمن پوری طرح چکس آجائیں اور وہی طرح قریب میں جلا ہو گئے تھے۔

دوسری طرف میں نے آئریڈیوڈا اور اس کی وائف کو اپنا معمول بنایا تھا۔ دشمن خیال خوانی کرنے والے ان کے خیالات پڑھ کر مطمئن ہو رہے تھے۔

میں نے ان تمام مصروفیات سے منٹ کر روزینہ کے خیالات پڑھے۔ اس کے باپ جان شیراز کا چاچا اور فون نمبر معلوم کیا۔ اس کی رہائش اسلام آباد میں تھی۔ میں نے فون کیا تو اس کے سیکریٹری نے بتایا وہ لاہور گیا ہوا ہے۔ ظاہر ہے اس کی بیٹی آ رہی تھی اسے لاہور ہی جانا تھا۔ میں نے سیکریٹری سے کہا ”مسٹر شیراز لاہور میں کہاں مل سکتے ہیں؟“

”وہ بلا“ پہلے آپ اپنا تعارف کرائیں۔ ان سے ملاقات کیوں کرنا چاہتے ہیں؟“

”میں لندن سے آیا ہوں“ ان کی وائف کا ایک پیغام پہنچا تھا۔

”آپ آج گئے بعد فون کریں۔“

میں ریسپورڈر کے کراس کے خیالات پڑھنے لگا۔ وہ لاہور کا ایک نمبر واکل کر رہا تھا۔ توڑی دیر میں جان شیراز سے رابطہ قائم

ہو گیا۔ سیکریٹری نے میرے متعلق بتایا۔ اس نے کہا ”وہ زیادہ فون کرے تو کتنا میری وائف کا پیغام تمہیں سناوے؟ تم مجھے سناؤ گے۔“

اس نے ریسپورڈر رکھ دیا۔ وہ ایک بہت بڑے ڈرائنگ روم میں چند افراد کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ ایک شخص نے کہا ”مسٹر جان! تمہیں سختی سے یہ یاد کی گئی ہے کہ کچھ عرصے تک براہ راست فون ایڈیڈ نہ کرو اور صرف ہمارے لوگوں سے ملاقات کرو۔ جہاں تک ممکن ہو خود کو گوشہ نشین رکھو۔ اس طرح فہاد سے محفوظ رہ سکو گے۔“

دوسرے شخص نے کہا ”اب کیا بتاؤں کس کا فون تھا۔ اکثر فون اجنبی حضرات کے ہوتے ہیں۔ یہ لوگ مختلف برائوں سے ملاقات کرنا چاہتے ہیں۔ میرے ہونے چلنے کا حوالہ دے کر مجھ سے کچھ فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں۔ ایسے ہی کسی شخص کا فون تھا۔ ہمارے ملک میں لوگوں کے پاس سرمایہ بہت ہے اور کئی سرمایہ داروں کو معلوم ہو چکا ہے کہ میں سچ کا دلال ہوں۔ بیرونی ممالک کی کمپنیوں کے اشتراک سے یہاں میں سرمایہ داروں کی بہت بڑی فیکٹریاں اور پلٹیں قائم کرا چکا ہوں۔ اندر کی بات کوئی نہیں جانتا کہ بیرونی ممالک کی کمپنیوں کے پیچھے یہودیوں کا خام مال اور سرمایہ ہے اور ہم سب مل کر اس ملک کو اسرائیلی پروڈکٹس کی منڈی بنارہے ہیں۔“

میں خاموشی سے باتیں سن رہا تھا۔ یہودی سیاست کو تو میں خوب سمجھتا ہوں لیکن یہ بات میرے علم میں نہیں تھی کہ انہوں نے پاکستان کو بھی ٹارگٹ بنایا ہوا ہے۔ دراصل پاکستان میں اکثر اس قدر جوش اور جھڑوں کے ساتھ فلسطین کی آواز کی ہے کہ حق میں مظاہرے ہوا کرتے ہیں کہ ہم بیرونی ملکوں میں رہنے والے کی بجائے ہیں کہ پاکستانی قوم بیدار ہے اور وہ یہودیوں کے قریب میں نہیں آئے گی۔

یہاں آکر رتہ رتہ بھید کھل رہا ہے کہ اسرائیلی ایجنٹ بڑی صفائی سے بڑی راز داری سے اپنا کام کر رہے ہیں۔ یہ ضروری نہیں کہ جس کا نام جان شیراز ہو وہ مسلمان ہو۔ ہالی ووڈ کا مشہور مصوف اور اداکار عمر شریف عیسائی ہے۔ یہ دنیا جانتی ہے کہ مصداق حسین کا درست راست طارق عزیز بھی عیسائی ہے۔ اس طرح بیشتر یہودیوں کے نام مسلمانوں جیسے ہوتے ہیں۔

اسی طرح بین الاقوامی شہرت حاصل کرنے والی مصنوعات کی صنعتیں پاکستان میں قائم کی گئی ہیں لیکن یہ وضاحت نہیں ہے کہ پیچھے مالکان کون ہیں اور جان شیراز جیسے ایجنٹ کس طرح انہیں مناج پہنچاتے ہیں۔

میں باقی باتیں بعد میں بھی جان شیراز کے ذریعے معلوم کر سکتا تھا۔ اس وقت یہ سوچنے کی بات تھی کہ ایسے کاروبار کے لئے امپورٹ لائسنس کیوں جاری کئے جاتے ہیں۔ میں امپورٹ اور ایکسپورٹ کے شعبے کے ناخدا کے پاس پہنچا۔ اسے مخاطب کیا تو وہ دونوں باتوں سے سرعام کر سوچنے لگا ”کیا یہ میرے اندر سے آواز آ رہی ہے؟“

”ہاں“ میں فہاد علی تیور پوئل رہا ہوں۔ ذرا دیکھ لیجیجی کس طرح کتنی کاناچ بچائی ہے۔“

میں نے اسے اٹھایا بیٹھایا۔ اُدھر سے اُدھر دوڑایا پھر صوفے پر بٹھا کر پوچھا ”میری موجودگی کا یقین ہو گیا؟“

”جی ہاں۔ میں جانتا ہوں“ آپ فہاد صاحب ہیں۔“

”تم یہ جانتے ہو کہ یہودی دنیا کے کتنے کاروبار پر چھائے ہوئے ہیں؟“

”جی ہاں جانتا ہوں۔“

”چند کاروباروں کے نام بتاؤ؟“

”پہلے وہ متحرک اور ساکت قلموں کے کاروبار پر چھائے ہوئے تھے“ آج کل جان وولڈز راکٹ پر چھاپا ہے۔ یہودیوں کے پاس فولاد کا کاروبار ہے۔ صابن، کرم، میک اپ کا جملہ سامان اور کیا کیا بتاؤں جناب! آپ کیوں پوچھ رہے ہیں؟“

”ان کی مصنوعات پاکستان میں آتی ہیں اور تم امپورٹ لائسنس جاری کرتے ہو اور پاکستانی سرمایہ داروں کے اشتراک سے انہیں یہاں کاروبار کی مکمل چھٹی دیتے ہو۔“

”میرے جاری کردہ لائسنس میں اور معاہدوں میں کسی یہودی کمپنی کا نام نہیں ہے۔ اسرائیل سے ہمارا براہ راست کوئی تعلق نہیں ہے۔ ہم تو امریکا، یو کے اور جرمنی وغیرہ سے صنعتی تعلقات رکھتے ہیں۔ اگر آپ کسی بھی معاہدے سے یہ ثابت کریں کہ دہرہ کوئی یہودی ہے تو جو چوری کر سزا دے گا۔“

”میں ٹیلی فون کے ذریعے ثابت کر سکتا ہوں۔“

”جادو اور ٹیلی فون کی کوئی دکانی کوئی عدالت تسلیم نہیں کرتی۔ خیال خوانی کے ذریعے معاہدے تبدیل کئے جاسکتے ہیں۔ گواہوں کی زبان بدلی جاسکتی ہے۔ آپ سمجھو دار ہیں، میری مجبوریوں سمجھیں۔ میں تو یہی کر رہا ہوں جو قانون کی کتابوں میں لکھا ہے۔“

”میک ہے“ میں تمہاری مجبوریوں سمجھ گیا ہوں۔ یہ بات کسی کو مطمئن نہ ہو کہ میں تمہارے پاس آیا تھا۔“

میں دائمی طور پر حاضر ہو گیا۔ واقعی وہ مجبور تھا۔ امریکا اور برطانیہ کے صنعت کار یہودیوں کو اپنے پیچھے چھپا کر پاکستان میں کتنی صنعتیں قائم کر رہے تھے۔ اور یہ دعوے کرتے تھے کہ انہوں نے یہودیوں سے تمام حقوق خرید لئے ہیں۔ لہذا مسلمان سرمایہ داروں کا اسلام خطرے میں نہیں پڑے گا۔

یہ بھی درست تھا کہ میں لائسنس جاری کرنے والے تمام افراد کو ایسی سزا میں دتا کہ وہ سرکاری ملازمتیں چھوڑ کر بھاگ جاتے لیکن وہ یہ تصور تھے ان کے پاس کارروائیوں کے لئے جو کاغذات آتے تھے ان میں کسی یہودی شخص یا یہودی کمپنی کا نام نہیں ہوتا ہے۔

اور یہ بھی درست ہے کہ ٹیلی فون کی کوئی عدالت تسلیم نہیں کرتی کیونکہ اس علم کے ذریعے عدالت میں جھوٹ کو بچا کر بھجوا دیا جاتا ہے۔ خیال خوانی کے ذریعے فاضل منصفوں کے فیصلے جرم زندوں میں بدلے جاسکتے ہیں۔ میں اپنے ملک کے فاضل

جج صاحبان، جسٹس حضرات اور دیگر قانون کے محافظوں کا دل سے احترام کرتا ہوں۔ اس لئے ان کے دماغوں سے کیلے کی گت فنی نہیں کھول گا؟ اور پھر کیوں کھول جبکہ وہ قانون کے عین مطابق ثبوت اور چشم دید گواہوں کے بیانات کی روشنی میں انصاف کے تقاضے پورے کرتے ہیں۔

ٹیلی فون کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ جو مجرم قانون سے کھیل کر عدالت کو دھوکا دے کر صاف بچ کر نکل آتے ہیں، ہم صاف طور سے ان کا مقابلہ کر دیتے ہیں۔

میں پھر جان شیراز کے پاس آیا۔ وہ یہودی مشیروں کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ ان کے ایک خیال خوانی کرنے والے نے جان شیراز سے آکر کہا تھا ”تم یا تمہارا کوئی بندہ روزینہ سے ملنے انزپورٹ نہیں جائے گا۔“

اس نے پوچھا ”یہ پابندی کیوں ہے؟“

”تمہاری بیٹی ایک ایسے نوجوان کو پھانسی کرلا رہی ہے جس کی کوئی فہاد کی بہن کی کوئی کے سامنے ہے۔ تم میں سے کوئی اسے ریسپورڈر نہیں جانے گا تو روزینہ کو اس نوجوان کے گھر سمان بن کر جانے کا موقع مل جائے گا۔“

”یہ آئیڈیا اچھا ہے۔ لیکن میں ایک برس بعد بیٹی سے ملنے والا تھا۔ آپ ایک باپ کی بے چینی سمجھ سکتے ہیں۔“

”ہم اپنا مشق پورا کرنے کے لئے باپ بیٹی ہاں بیٹے کے جذبات نہیں دیکھتے۔ پہلے ہمارے مشن کی کامیابی کی بھرپور کوششیں کرو۔ ہم تمہاری بیٹی کے ذریعے شاید کوئی کوشی کے اندر اور پورے خاندان کے اندر پہنچنے والے ہیں۔“

”ایسا ضرور ہوگا۔ میری بیٹی بہت ذہین ہے۔ مجھے اتنی اجازت دو کہ میں دوسرے اس کی صورت دیکھ لوں۔“

”اجازت ہے۔ ضرور دیکھو۔ لیکن وہ تمہیں دیکھ کر انجان بن جائے گی۔“

میں نے سلمان کے پاس جا کر اسے یہاں کے حالات بتائے پھر پیراس کے متعلق پوچھا۔ اس نے کہا ”وہ ٹھیک جا رہا ہے۔ دشمنوں کو شبہ نہیں ہے۔ میں نے صرف چوبیس گھنٹوں کے لئے اس کی اصلی شخصیت بھلا دی ہے۔ یہ وقت گزرتے ہی وہ خود کو پیراس کی حیثیت سے پہچان لے گا۔“

”وہ کب پہنچ رہا ہے؟“

”فہاد بھائی! وہ تو پہنچ گیا ہے۔“

”کیا؟ لیکن جان شیراز کو ایک خیال خوانی کرنے والے نے بتایا ہے کہ فلات چار گھنٹے لیٹ ہے۔“

”میرا خیال ہے“ ابے دھوکا دیا کیا ہے تاکہ وہ بیٹی کے قریب نہ جائے۔“

”ہاں ان لوگوں کو اندیشہ ہو گا کہ باپ بیٹی انزپورٹ پر ایک دوسرے کو دیکھ کر جذبات سے مغلوب ہو سکتے ہیں۔ کوئی غلطی کر سکتے ہیں۔“

میں پھر جان شیراز کے پاس آیا۔ اس کے پاس بیٹھنے والے

اس کے اندر موجود ہے۔
 "ٹھیک ہے۔ واپس جاؤ۔ کوئی خاص بات ہو تو آکر بتانا۔"
 وہ چلا گیا۔ میں نے جان شیراز سے کارا اشارت کرائی اسے
 آگے بڑھایا۔ شاہین کی کوٹھی سے صرف سو گز کے فاصلے پر میں نے
 اس کی کار روکی تھی۔ وہ آدھے منٹ میں کوٹھی کے سامنے رک
 گیا۔
 چھت پر کھڑی ہوئی روزینہ نے سوچ کے ذریعے کہا "ایک کار
 اگر رک گئی ہے۔"
 میری ہوکن نے کہا "غور سے دیکھو۔ جو بھی اندر جائے اس
 کی خاص پہچان بیان کرتی جاؤ۔"
 کار کا دروازہ کھلا تو بیٹی کو باپ کی صورت نظر آئی۔ پہلے تو یقین
 نہیں آیا پھر اس نے دور بین کے نیس کو ایڈجسٹ کر کے دیکھا تو
 خوشی سے بولی "سسر ہو گئی! یہ تو میرے ڈیڈی ہیں۔"
 ہوکن نے حیرانی سے پوچھا "تم خوش ہو رہی ہو؟ یہ پریشانی کی
 بات ہے۔ تمہارا باپ یہاں مرنے کیوں گیا ہے۔"
 "میرے باپ کے بارے میں زبان سنبھال کر لو۔"
 "میرے داغ میں خطرے کی گھنٹی بج رہی ہے۔ میں ابھی سسر
 شیراز سے معلوم کرتا ہوں معاملہ کیا ہے؟"
 اس نے جان شیراز کے داغ میں چھ لگا لگی۔ میں نے
 پوری طرح اس کے داغ پر قبضہ نہ کر سکا تھا۔ ہوکن نے اس سے
 پوچھا "سسر شیراز! تم یہاں کیوں آئے ہو؟"
 جان شیراز نے میری مرضی کے مطابق پوچھا "تم کون ہو؟"
 "میں عظیم کا ایک خیال خوانی کرنے والا ہوں۔ میرا ساتھی
 ہے مورگن تم سے رابطہ رکھتا ہے۔"
 شیراز نے کہا "وہ رابطے کے وقت کوڈرڈز استعمال کرتا
 ہے۔"
 "میں ابھی ہے مورگن کو بھیج رہا ہوں۔ مگر یاد رکھو، تم نے
 یہاں آکر بڑی گریز کر دی ہے۔"
 وہ چلا گیا۔ چند سیکنڈ کے بعد ہی ہے مورگن نے آکر کوڈرڈز
 ادا کئے۔ پھر پوچھا۔ "یہاں کیوں آئے ہو؟"
 وہ بولا "تم نے جھوٹ کہا تھا کہ فلاش جا رہے ہیں۔
 تمہارے جھوٹ کی وجہ سے میں اپنی بیٹی کی صورت نہیں دیکھ
 سکا۔"
 "بیٹی کو نہ دیکھنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تم دشمن کی کوٹھی
 کے سامنے آ جاؤ۔"
 جان شیراز نے کہا "اے خود بولتے ہو۔ خود بھول جاتے ہو۔
 تم نے بیٹی کا تھا کہ میری بیٹی ٹھیک شادی کے سامنے والی کوٹھی میں
 ٹھہرے گی۔ پھر میں اسے دیکھنے یہاں نہیں آؤں گا تو قبرستان جاؤں
 گا کیا؟"
 ہے مورگن نے کہا "میں سمجھ چکا ہوں۔ تمہیں فریاد یہاں
 پکڑ کر لایا ہے۔"

اس بار میں نے اپنی آواز میں پوچھا جس اتنا ہی سمجھ پائے
 یا آگے پیچھے بھی سمجھ میں آ رہا ہے؟
 وہ بولا "آخر تم ظاہر ہو گئے؟"
 "تم لوگوں کو ظاہر کرنے کے بعد ظاہر ہو رہا ہوں۔ اور سسر
 والی چھت پر بیٹی کے داغ میں میری ہوکن ہے۔ اس سے پہلے
 پارکن تھا۔ اپنے کچھ اور بندوں کو بلا لو تاکہ وہ ایک ایک پل
 رپورٹ کر لیں۔ ہرگز تک پہنچاتے رہیں۔"
 وہ بولا "یہ ہمارا ہمارا معاملہ ہے۔ تم خواہ مخواہ جان شیراز
 یہاں کیوں لاتے ہو؟"
 "پہلے تم لوگوں نے کی ہے تم بیٹی کو لائے ہو میں باپ کو
 ہوں۔ اور دونوں باپ بیٹی نام نداد مسلمان اور پاکستانی ہیں۔
 تجارت کے شعبے میں یہ جان شیراز جس طرح میرے ملک یا
 تمہیں منافع کمانے کے مواقع دے رہا ہے اس قدر ہی اور
 فروشی کی سزا موت ہے۔"
 "تم پچھتاؤ گے فریاد!"
 "اس کی موت کے بعد میں تمہیں پچھتانے کے سچے سکھاؤں
 گا۔ میں اعلان کر چکا تھا کہ میری بیوی بہن کا دروازہ عوامی عدالت
 دروازہ ہے۔ جب قانون ہے بس ہو جائے گا اور عدالت کو شور
 اور گواہ نہیں ملیں گے تب میری بہن کے دروازے پر عدالت
 کی۔"
 جان شیراز نے کوٹ کے اندر سے رپورٹ نکال کر ایک ہوا
 فائر کیا۔ میں نے اس کے ذریعے بلند آواز سے کہا "تو گواہ
 افسوس ہے، میں بیٹھی اطلاع نہ دے سکا۔ یہاں ایک ہوا
 عدالت کا فیصلہ ہو چکا ہے۔"
 اس نے دوسرا ہوائی فائر کیا۔ بار بار فائرنگ ہو اور لوگ
 آئیں؟ ایسا ہوتا نہیں ہے۔ اس نے بھڑکتے لگی۔ اس بار بار
 شیراز میری مرضی کے مطابق اپنی آواز میں بولنے لگا۔
 "تو گواہ نام نداد مسلمان ہوں۔ یہودیوں کا دلال ہوں۔ تم
 تک مجھے کوئی قانون کا محافظ کرنا نہ کر سکا۔ لیکن فریاد علی تیرہ
 موت کے دروازے پر پہنچا رہا ہے۔ میں اپنے جرائم کا اعتراف
 کرتے ہوئے خود کو موت کی سزا دے رہا ہوں۔"
 اس نے رپورٹ کی بال کو اپنی کینچی سے لگایا۔ سامنے
 چھت سے بیٹی کی چیخ سنائی دی۔ "شیں ڈیڈی! نہیں۔"
 وہ آگے کچھ نہ کہ سک۔ غامض کی کوٹھی ہوئی آواز میں
 کی آواز گم ہو گئی۔ جس دور میں سے میرے گھر میں جھانکے
 تھے وہ آنکھوں سے سرک کر گھر میں بھول گئی۔ کسی کی جا
 موت دیکھنے کے لئے دور بین ضروری نہیں ہوتی، دور بین لازمی
 ہے۔
 اب ان کی باری ہے، جو یہودی مصنوعات پاکستان
 فروخت کر رہے ہیں۔

"مائنٹن پلر انشورنس!"
 (توجہ فرمائیں! توجہ فرمائیں!)
 اسے ڈیجٹل میں ہیز تو اٹھان دی ہارٹ آف
 نیل۔
 (ایک خطرناک محض ملک اسرائیل کے قلب میں اپنے قدم
 والا ہے۔)
 یہ آواز نیلارک سے تل ایب تک گونج رہی تھی یہ اطلاع
 رات کے ذریعے سنائی دی۔ سول اور فوج کے سرانجاموں
 نی۔ اعلیٰ حکام اور اعلیٰ فوجی افسران نے پہلے تو اسے چکانہ سی
 سمجھ کر نظر انداز کیا پھر ان کی راتوں کی نیٹس حرام
 رات کے ایک دو بجے بیٹی فون کی گھنٹیاں بجنے لگیں۔ ان
 مددگار ان کے تمام سیکرٹریز فون انڈکٹ کرتے تھے اور جو اپنے
 دراعلیٰ آفیسر کو نیند سے بیدار نہیں کرنا چاہتا تھا اس کے داغ
 نزل پیدا ہو جاتا تھا۔
 ان حالات میں تمام اعلیٰ عہدیداران کو فون اور ٹرانسپیر انڈکٹ
 ڈاکو تک تمام سکرٹریز کے اندر ڈرلر پیدا ہونے سے اس نے
 لے کی اہمیت کو تسلیم کرنا لازمی ہو گیا تھا اور یہ تصدیق ہو گئی تھی
 ڈیجٹل میں آ رہا ہے اس کا تعلق ٹیلی فنی ہے۔
 امریکی اور اسرائیلی وزارت خارجہ کے درمیان ایک ایک
 میں رابطہ ہو رہا تھا دونوں ممالک کے متعلقہ افسران اطلاع
 والے سے پوچھ رہے تھے "تم کون ہو؟ اسرائیل کے قلب
 رم رکھنے والا وہ ڈیجٹل میں کون ہے؟ اسرائیل کے قلب
 رادیت المقدس ہے یا تل ایب؟"
 اطلاع دینے والے نے جواب دیا "اس کا جواب کل لے
 یہ خوف اور پریشانی میں جھلک کرنے والی بات تھی۔ اب انہیں
 انتظار کرنا تھا۔ دونوں ملکوں کے بڑے شہروں میں بڑے بڑے
 اردوں کے ہنگامی اجلاس ہونے لگے۔ امریکا کا کافی الجال کوئی
 ان میں تھا لیکن وہ اسرائیل کے لئے فکر نہ تھا کہ وہاں کون
 ہے اور اس ملک میں کیا ہونے والا ہے؟
 پراسٹروہلی میں نے کہا "میں تو یہودیوں کے بہت سے دشمن
 خود ہم ان سے پریشان رہتے ہیں لیکن مصفاہ دشمن نہیں
 نہ کل کو دشمنی کرنے والے صرف مسلمان ہیں۔ کیا آپ
 لستے ہیں؟"
 اجلاس کے حاضرین نے تائید کی۔ پراسٹروہلی نے کہا "وہ
 ان میں ٹیلی فنی جاننے والوں سے تعلق رکھتا ہے اور فرما کے
 ٹیلی فنی جاننے والوں کی فوج ہے۔"
 جان لیوڈا نے کہا "میں خیال خوانی کے ذریعے اس اطلاع
 والے کے داغ میں پہنچنے کی ناکام کوششیں کر چکا ہوں۔ وہ

سامنے روک لیتا ہے اس ٹیم میں سب سے ڈیجٹل میں فریاد
 ہے کیا فریاد اسرائیل کی زمین پر اطلاع دے کر قدم رکھنے کی
 حماقت کرے گا؟"
 ایک اعلیٰ افسر نے کہا "اس سے پہلے فریاد اپنی کئی ڈی
 اسرائیل پہنچا چکا ہے۔ ایک اور پہنچا رہا ہے۔ اگر اس ڈی کو مار ڈالا
 گیا تو فریاد کچھ نہیں بکے گا۔"
 پراسٹروہلی میں نے کہا "فریاد کی ڈی جہاں بھی دو ان کی گئی
 اس کی پہلے اطلاع نہیں دی گئی۔ کبھی یہ نہیں کہا گیا کہ کوئی
 خطرناک بلا آ رہی ہے۔ اگر ہمارے اعلیٰ افسر کے خیال کے مطابق
 اسرائیل پہنچنے والی ڈی کو مار ڈالا گیا تو پھر وہ ڈیجٹل میں تو نہ رہا وہ
 تو کوئی چڑا ہو گا۔"
 ایک نے پوچھا "پراسٹروہلی ہمارا کیا خیال ہے؟"
 وہ بولا "جب تک بات کی نہ کہ نہ پتھوں کچھ یقین سے نہیں
 کہ سکا۔ یہ ضرور کہوں گا کہ وہاں فریاد نہیں جائے گا۔"
 دوسرے نے کہا "تو پھر اس کے دو بیڑوں میں سے کوئی جائے
 گا۔"
 پراسٹروہلی نے کہا "آج تک فریاد کی فیملی میں کسی نے یہ دعویٰ
 نہیں کیا کہ وہ قیامت ہے۔ طوفان ہے اور ڈیجٹل میں ہے۔ نہیں
 وہ دعویٰ نہیں کرتے جو کرنا ہوتا ہے کہ گزرتے ہیں اس لئے فریاد
 کا کوئی بیانیہ اسرائیل نہیں جائے گا۔"
 "تو پھر؟"
 "پھر کا جواب کل ہی لے گا۔"
 دوسرے دن تمام عہدیدار ٹیلی فون ٹرانسپیر اور ٹیکس مشین
 کے پاس بیٹھے ہوئے تھے لیکن اطلاع دینے والے نے دماغی رابطہ
 کیا اور کہا "میں تمہارے پاس ہوں۔"
 ایک یہودی افسر نے اعلیٰ حکام اور افسران سے کہا "سراوہ
 میرے اندر بول رہا ہے۔"
 سب نے اسے توجہ سے دیکھا۔ اطلاع دینے والے نے افسر
 کی زبان سے کہا "ہاں میں خیال خوانی کی قوت سے بول رہا ہوں۔
 وہ ڈیجٹل میں آ رہا ہے۔"
 ایک نے سوال کیا "بیٹھی اطلاع کا مطلب کیا ہے؟"
 "مطلب یہی ہے جو پورا ہوا ہے تمہارا سکون اور تمہاری
 نیٹس حرام ہو گئی ہیں۔"
 "گواہ ہیں وہ دیکھوں سے پریشان کیا جا رہا ہے؟"
 "ایک گڈرڈا روز چیتا تھا، شیراز آیا۔ لوگوں نے اسے
 دھمکی یا شرارت سمجھ لیا۔ پھر ایک دن جی جی شیراز آیا اس لئے
 دھمکی محض دھمکی نہیں ہوئی۔ دھماکین جاتی ہے تو سوچنے کا وقت
 گزر چکا ہوتا ہے۔"
 "تم خواہ مخواہ خود کو پراسٹروہلی رہا ہے ہو۔ ایک احتیاج بھی یہ

کہہ سکتا ہے کہ تم فرماؤ۔
”بے شک! اس حق پر کیس گے“

وہ جھینپ گیا، پھر بولا ”چلو اچھا ہوا کہ فرما نہیں ہے۔ وہ
ڈیجریس میں ہماری زمین پر قدم رکھتی ہی حرام موت مرے گا۔“
”اس کے قریب کوئی جائے گا تو وہ خود مرے گا اور اس کے
قریب جانے کا مطلب ہی اپنی زندگی ہارنا ہے۔“
”تمہارا خیال ہے اسرائیل میں فوج، ہتھیار اور یکمرونی جیسی
کوئی چیز نہیں ہے؟“
”ضرور ہے لیکن سب چیزیں بے اثر ہو جائیں گی۔ وہ آئے تو
آزاد لیتا اور ہاں وہ خائن نہیں“ اپنی شریک حیات کے ساتھ آ رہا
ہے۔

”آخر بات کھل گئی؟ سوچنا اور فرماؤ آ رہے ہیں۔“
”سوچ سوچ کر پاگل ہو جاؤ پھر بھی کچھ نہیں پاؤ گے۔ ویسے
خدا گواہ ہے فرماؤ اور اس کی ٹیلی کال کو فریڈ میں قدم نہیں رکھے گا۔
میں جا رہا ہوں۔“
”ایک منٹ“ اتنا بتا دو وہ کب آ رہا ہے؟“
”اس کا جواب کل ملے گا۔“

یہ پھر جھنجھلاہٹ میں مبتلا کرنے والی بات تھی۔ کئی دنوں سے
سکون نہ تارت کیا جا رہا تھا کہ کوئی خطرناک شخص آ رہا ہے جب آئے
والے کو اہمیت دی جانے لگی تو ایک دن میں ایک ہی سوال کا
جواب دیا جانے لگا۔ دوسرے سوال کا جواب دوسرے دن پر مثال
دیا جاتا تھا اور یہ شخص اور بے کسی میں مبتلا کرنے والا انداز تھا۔
ایک گولڈن برین نے کہا ”دشمنوں کی چالوں سے کچھ سیکھا
کر۔ وہ گالیاں دے تو پیش میں نہ آؤ، وہ پیش دلائے تو برداشت
کو تب ہی تم ٹھٹھے دماغ سے ہر پہلو پر غور رکھتے ہو۔“
دوسرے گولڈن برین نے کہا ”ہم سوال یہ ہے کہ وہ ہمارے
ملک میں کیوں آ رہا ہے؟ آئے والے کی دلچسپی ہمارے ملک سے کیا
ہے؟“

”آئے والا چیلنج کے انداز میں آ رہا ہے لہذا دوست نہیں
ہو گا مگر اسے ہم سے دشمنی کیا ہے؟“
”ہمارا خیال محوم پھر کر فساد کی طرف جاتا ہے۔ اسے پاکستان
میں ہماری تجارتی منافع خوری کا علم ہو گیا ہے۔ اس نے ہمارے
سب سے بڑے ایجنٹ جان شیراز کو مار ڈالا ہے۔ اب وہ اپنے کسی
ڈیجریس مین کو یہاں پہنچائے گا اور اس کے ذریعے ہماری خارجہ
تجارت پر ایسی بر فز رکنے گا اور معلوم کرے گا کہ اسرائیل کا
کتنا مستحق مال پاکستان میں فروخت ہونے کے لئے نام بدل کر جاتا
ہے۔“

”وہ تو خیال خواتی کے ذریعے بھی ایسی معلومات حاصل کر سکتا
ہے پھر ہمارا مال امریکا اور یو کے کے تاجروں کے ذریعے بھی جاتا
ہے۔ فرما دینے کسی ایجنٹ کو اسرائیل صرف اس مقصد کے لئے
نہیں بھیجے گا۔“

”مقتصد کچھ بھی ہوں، دشمن نے آئے والے کو معیار
ہے۔“
”وہ بھی آئے والا ایک نہیں دو ہیں۔ اور وہ کیفیت
یہاں ہی من مناتے آ رہے ہیں۔“
”ہو سکتا ہے آپکے ہوں۔“
”جب اعلیٰ نے آ رہے ہیں تو پمپ کر نہیں آئیں گے۔“
”جیسی آئے دو ہو سکتا ہے ہم کھوسیں ہاؤ اور نکلے چاہ۔“
”ہاں اکثر ایسا ہوتا ہے۔ کسی چیز کی بڑی دھوم دھام سے
ہوتی ہے پھر پتا چلتا ہے کہ اونچی دکان اور پیکا بکوان ہے۔“
”ہمارے اطمینان کے لئے یہ بہت ہے کہ فرماؤ اور اس
پتے نہیں آ رہے ہیں۔“

دوسرے دن اطلاع دینے والے نے پھر رابطہ کیا اور کہ
آ رہے ہیں۔ اگلے دن ٹھیک بارہ بجے جب سورج سر پر ہو
تمہارے سر پر موجود ہوں گے۔“
ایک اعلیٰ حاکم نے پوچھا ”کھتا تم یہ توقع کرتے ہو کہ
بلائے مہمانوں کا استقبال کریں گے؟“
”میں کئی دنوں سے اطلاع دے رہا ہوں، کسی طرح کی
ظاہر نہیں کر رہا ہوں۔ تمہاری عقل جو کبھی ہے وہ کر۔“
”دس ملک سے آ رہے ہیں؟“
”افق کے اس پار سے۔“

”میں الا قوامی پرواز کے قوانین کے مطابق پہلے سے
کیا جاتا ہے کہ کسی بھی ملک کا طیارہ کتنے ممالک سے گزرے؟
دوٹ لائن کے ہر ملک کو چیلنج اطلاع دی جاتی ہے۔“
”وہ دن بلائے مہمان آجائیں تو ان سے پوچھ لیتا کہ
الا قوامی قوانین کی پابندی انہوں نے کیوں نہیں کی؟“
”ہم اس طیارے کو نقصان ہی مار کر کر سکتے ہیں۔“
”ایسی غلطی نہ کرنا۔ اسرائیل کا نقشہ اس دنیا سے
جانے گا۔“

اطلاع دینے والے نے رابطہ ختم کر دیا۔ بین الاقوامی
کے اداروں کے درمیان رابطے ہونے لگے۔ خلائی ایجنٹ
جاسوسی کیمبرے زمین کے ہر حصے سے پرواز کرنے والی چار
تصویریں اُتارے لگے۔ دوسرے دن صبح ساڑھے نو بجے
سیارے سے رپورٹ ملی کہ یونان کے جنوب مشرقی ساحل سے
طیارے نے پرواز کی ہے اور وہ افریقہ کے شمالی سمندر پر
کرتا ہوا اسرائیل کی طرف آ رہا ہے۔

پورے اسرائیل میں سنسنی پھیل گئی۔ جنگی حالات کا
پہلے ہی گویا گیا تھا۔ مل ایب اور حوض میں شہروں کو گھروں
پارہ نکلنے کی اجازت نہیں تھی۔ پہلے سرکاری لوگ ان مقامات
دیکھنا چاہتے تھے اور یہ توقع کر رہے تھے کہ کوئی غیر متوقع بات
بھی ہو سکتی ہے جس سے شہروں کو نقصان پہنچ سکتا تھا۔
ٹھیک بارہ بجے وہ طیارہ مل ایب پہنچا۔ انرپورٹ میں نہ

بک فوجی جوان اپنی گنتی کے ساتھ مستند کھڑے ہوئے تھے۔ وہ
ایک چھوٹے سائز کا طیارہ تھا اس میں دس بارہ مسافر بوند کر سکتے
تھے اس کی ساخت بتاری تھی کہ وہ کسی خاص کمپنی کا تیار کردہ
نہیں ہے بلکہ چند لوگوں نے خفیہ طور سے کیس تیار کیا ہے اور
دی۔ منبھوٹی سے تیار کیا ہے۔

وہ ایک دن دسے پر آکر ٹھہر گیا۔ چند سیکنڈ کے بعد اس کا انجن
نڈ ہو گیا۔ ہزاروں فوجیوں کی نظریں اس طیارے پر مرکوز تھیں وہ
یک بند مٹھی کی طرح تھا۔ پتا نہیں اس کے اندر سے نکلے والے
لوں ہوں گے ویسے یہ اندیشہ تھا کہ پنڈورا کھلنے والا ہے۔
پنڈورا کھلنے کی وضاحت ہو جائے تو بہتر ہے، اللہ تعالیٰ نے
ب یہ ارضی دنیا آباد کی تو یہاں سرسبز ہی سرسبز تھیں۔ کوئی
لکھ دو کا مطلب سمجھتا ہی نہیں تھا، کسی کی آنکھ میں آنسو نہیں آتا
ماہر طرف ہتے مسکراتے انسانی چہرے تھے۔

ایک دن ایک شیطان مفت بوڑھے سے ایک ہنسی مسکراتی
کی کو ایک خوب صورت سی صندوقچی لا کر دی اور اس سے کہہ
اسے اپنے پاس رکھو لیکن اسے کبھی نہ کھولنا۔“

وہ بوڑھا صندوقچی دے کر چلا گیا۔ لوگ اس لڑکی کے ہاں
سے دیکھنے آتے آتے اور کہتے تھے۔ جو صندوقچی باہر سے اتنی خوب
درت ہے وہ اندر سے نہ جانے کتنی خوب صورت ہوگی۔
یہ انسان کی فطرت ہے اس سے کوئی چیز چھپاؤ تو وہ اسے دیکھنے
لے لے بے چین ہو جاتا ہے۔ ہزار منع کرنے کے باوجود وہ اسے
بہ کر ہی دم لیتا ہے۔ اس لڑکی نے وہ صندوقچی کھول دی اس کے
لے ہی ”جینوں“ آہوں اور کراہوں کی آوازیں اندر سے ابھرتی
کی ٹھٹھیں اور ہنسی بستی دیا میں دکھوں اور پتاریوں کا آواز ہو گیا۔
وہ صندوقچی پنڈورا کھلنے کے نام سے مشہور ہے اور یہ شخص
بہ بچکانہ قصہ نہیں ”دس جہرت ہے کہ انسان خود اپنی نارانی یا کم
لی سے مصیبتوں کو دعوت دیتا ہے۔ ہم نے اسرائیلی حکام کو باہر
بھانپا ہم جیسے چھڑاؤ نہ کرو“ پنڈورا کھلنے سے کھولو لیکن انہوں نے
فراس بکس کو اپنے انرپورٹ پہلوایا۔

اب اس پنڈورا کھلنے کو تو کھلانی تھا اس کے اندر سے دکھوں
رمبھیتوں کا طوفان کھلانی تھا قیامیں اس طیارے کا کوئی دروازہ
ن تھا۔ پہلے تو سمجھ ہی نہیں آیا کہ وہ کدھر سے نکلے گا اور
بزرگ میں کمال سے نمودار ہو گا۔ پھر جب چوک گئے وہ طیارہ لڑ
چاہے تھیں شہر شہر کے کوکریں مار کر لڑا رہا ہوا۔ ایک منٹ
اندری طیارے کی بہت زوردار آواز سے الگ ہو کر اوپر اٹھ
ہا۔ اس فوجی ایجنٹ کو دونوں ہاتھوں سے اٹھانے والا جبرائیل
انہ قاصد پہاڑ جیسا تھا اور شخص انسان کم اور دیوتا زیادہ
ہا تھا۔ اس نے سالم چھت کو اٹھا کر دور پھینک دیا۔ فوجی
ن دوڑتے ہوئے دور چلے گئے اور اپنی گنتی کے ساتھ خنی
بش سنبالنے لگے۔ ان کے سینئر افسران انہیں کسی دقت بھی

فائزنگ کا حکم دے سکتے تھے۔

چھت کے کھلنے ہی سوسانہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی وہ بھی قد اور
جسامت میں جبرائیل گرانٹ کے برابر تھی۔ کھینچنے والوں کو سمجھانے
کی ضرورت نہیں تھی کہ وہ دیوتا کی شریک حیات شی دیوتا
ہے اور غیر معمولی طاقت میں جبرائیل سے کسی طرح کم نہیں
ہے۔ اس نے ایک زوردار بڑک لگا کر طیارے کی دیوار کو لٹات
مار۔ فوجی دیوار لڑتی ہوئی ایک طرف جھٹکنے لگی پھر سوسانہ کی
دوسری کھپڑہ دیوار ٹوٹ کر نرں دے کے فرش پر آ گئی۔

کسی چشم جہرت نے یہ تماشا بھی نہ کھانا ہو گا جو دکھائی دے رہا
تھا۔ اس تماشے کو قصہ کہانی بھی نہیں کہا جاسکتا تھا کیونکہ موجودہ
سائنسی دور میں فوجی دیوتا ایسی جہرت انگیز خربی کاروانیاں
نہیں کر سکتے ہیں۔ سوسانہ اور جبرائیل بھی ایسے ہی سائنسی تجربات
سے گزارے گئے تھے۔ فوجی دیوتا بنانے والوں نے یہ نیا تجربہ
کیا تھا کہ غیر معمولی قد اور انسانوں کے اندر اگر فوجی ہڈیاں بنائی
جائیں اور اوپر سے گوشت پوست کا ہی جسم رہے تو یہ آدھے
انسان اور آدھے دیوتا کیسے متاثر ہو کر رہیں گے؟

بڑی تلاش کے بعد سوسانہ اور جبرائیل گرانٹ کا جوڑا ایسے
تجربات کے لئے تھا۔ وہ یوں بھی قدرتی طور پر نہایت ہی شہ زور
تھے۔ امریکا کی ایک ایئر فورس ڈیپارٹمنٹ میں ان پر کئی طرح کے
تجربات کئے گئے۔ جیسے جیسے کامیابیاں حاصل ہوتی گئیں، مزید نئے
تجربات بھی ہوتے رہے اس داستان میں ان دونوں کا تفصیلی ذکر
پہلے ہو چکا ہے۔ آئندہ بھی واقعات کے تسلسل کے ساتھ ان کے
ماضی کی اہم باتیں پیش ہوتی رہیں گی۔

میری پہلی کو نیت و تابو کو بے گنے کے لئے سوسانہ اور جبرائیل
گرانٹ کو پیرس بھیجا گیا تھا۔ یہ دشمنوں کی بدعت تھی کہ سوسانہ
حسن اتفاق سے پارس کے پھر میں آ گئی اور پارس نے اسے اپنی آپا
جان بنالیا تھا۔ پھر یہ رشتہ دائری ان کی گہری اور مضبوط ہو گئی کہ پارس
کے مشورے کو وہ تسلیم کر کے روپوش ہو گئے۔ دونوں کو بڑی
رازداری سے بلا صاحب کے ادارے میں پہنچایا گیا۔ پھر کسی
دوست دشمن نے نہیں دیکھا کہ وہ کہاں ہیں اور انہیں کیسی زندگی
دی جا رہی ہے۔

امریکی سائنس دانوں کے لئے یہ چونکا دینے والی خبر تھی کہ ان
کے تجربات کا جوڑا انسانی دیوتا سوسانہ اور جبرائیل زندہ ہیں اور
برسوں بعد اسرائیل میں نمودار ہوئے ہیں۔

قل ایب کے انرپورٹ پر کئی مقامات پر دی وئی کیمبرے نصب
تھے۔ انرپورٹ پر جو کچھ ہوا تھا اسے سیٹلائٹ کے ذریعے امریکا
میں بھی دیکھا جاتا تھا پھر تمام ممالک کے اخباری رپورٹر زور فونو
مگرافز وہاں موجود تھے۔ پہلے کہا جا رہا تھا کہ وہ دونوں یونان یا آس
پاس کے کسی ملک سے آئے ہیں۔ اب امریکا پر الزام عائد کیا جا رہا
تھا۔ ماضی میں سب جانتے تھے کہ دونوں انسانی دیوتا امریکا کی

سپرماٹر ہوئی اسرائیلی حکام کو یقین دلایا تھا کہ پارس نے سوسانہ اور جبرائیل کو اغوا کیا تھا اس سلسلے میں پھر کسی وقت بحث ہو سکتی ہے، فی الحال ان دونوں کو نقصان پہنچانے کی تاوانی نہ کی جائے۔ ان پر ہندوق کی گولیاں بھی اثر نہیں کرتی ہیں۔

وہ دونوں طیارے پر سے چلتا ٹھیک لگ کر گر کر دسے کے فرش پر آ گئے تھے اور شانہ بہ شانہ چلے ہوئے ازپورٹ کی عمارت کی سمت بڑھ رہے تھے۔ افسران کے حکم سے فوجی جوان پیچھے ہٹ کر انہیں گزرنے کا راستہ دے رہے تھے۔ لاؤڈ اسپیکر کے ذریعے کہا جا رہا تھا "مسز گرانٹ اور مسز سوسانہ گرانٹ! تم ہم بلائے مہمان ہو۔"

ہمارے ملک میں تمہاری آمد غیر قانونی ہے اس کے باوجود ہم اس و اماں بحال رکھنے کے لئے تمہیں دی آئی لی لاؤنچ تک محدود رہنے کی اجازت دیتے ہیں۔ شہریوں کی جان و مال کی حفاظت تم پر بھی لازم ہے لہذا ہمارے احکامات کی تعمیل کرو۔"

وہ دونوں چلتے چلتے رک گئے پھر جبرائیل گرانٹ نے منہ اٹھا کر بولنا شروع کیا تو اس کی آواز اسپیکر کے بغیر دور تک گونجنے لگی۔ وہ کہہ رہا تھا "ہمیں دیوٹ ضرور بنایا گیا ہے لیکن ہم انسان ہیں انسانوں کی عزت کرتے ہیں۔ ہم یہاں کے بر شہری کی جان و مال کی حفاظت اس وقت تک کریں گے جب تک ہمارے اپنے لئے کوئی خطرہ پیدا نہیں ہوگا۔"

سوسانہ نے بلند آواز سے کہا "تمہارے بیان کے مطابق یہاں ہماری آمد غیر قانونی ہے، جب ہماری آمد غیر قانونی ہے تو تمہارے احکامات کی تعمیل ہم پر لازم نہیں رہی۔"

وہ کہتے کہتے رک گئی پھر غلامی سے کہتے ہوئے بولی "کوئی ٹیلی فنی جانتے والا میرے دماغ میں آنے کی کاکام کو شش کر رہا ہے۔"

جبرائیل نے کہا "میں بھی یہی محسوس کر رہا ہوں اور یہ واضح کر دیتا جا چکا ہوں کہ تمہارے دماغ حساس بنائے گئے ہیں اور ہم نے چندہ منٹ تک سانس روکنے میں مہارت حاصل کر لی ہے۔"

سوسانہ نے کہا "ہمیں افسوس ہے کہ ہم تمہارے حکم کے مطابق یہاں دی آئی لی لاؤنچ تک محدود نہیں رہیں گے۔ یہ ہمارے کھانے اور پھر کچھ دیر آرام کرنے کا وقت ہے لہذا ہم فائبر اشارہ ہوئی جارہے ہیں۔"

وہ عمارت کے اندر سے گزرتے ہوئے ازپورٹ کے احاطے سے باہر آئے۔ دور تک کوئی شہری نظر نہیں آ رہا تھا۔ صرف سڑک فوجی اور ان کی گاڑیاں دکھائی دے رہی تھیں۔ جبرائیل نے ایک افسر سے کہا "یہ ٹرک خالی کو اور ہمیں ہوٹل پہنچاؤ۔"

افسر نے وارڈن کے ذریعے بات کی۔ ایک اعلیٰ افسر نے کہا "انہیں ہوٹل پہنچاؤ، ابھی ان کے متعلق کچھ اہم فیصلے ہو رہے ہیں۔"

تمام اعلیٰ عہدیداران اور اعلیٰ فوجی افسران ایک بڑے ہال میں موجود تھے ان کے سامنے اور دائیں بائیں رکھے ہوئے لی وی

اسکرین پر گولڈن برنز نظر آ رہے تھے اس کے علاوہ ہال میں اور بھی بے شمار لی وی تھے جن کی اسکرین پر سوسانہ اور جبرائیل دو قافوں دکھائی دیتے تھے۔

ایک گولڈن برن نے کہا "جو طیارے کی چھت اور دیوار توڑ سکتے ہیں وہ ہمارے فوجیوں کو گاڑیوں سمیت اٹھا کر پھینک سکتے ہیں گولیاں ان پر اثر نہیں کریں گی لہذا جب تک ہمیں کوئی نقصان نہ پہنچے انہیں اپنی من مانی کرنے دو۔"

ایک حاکم نے کہا "لیکن یہ ہمارے ملک کی اور ہمارے قوانین کی کھلی توہین ہے۔ یہاں ہونے والے قاتلے ساری دنیا دیکھ رہی ہے۔"

گولڈن برن نے کہا "دنیا ہمارا ممبر اور امن پسند کی بھی دیکھ رہی ہے۔ ہماری توہین نہیں ہو رہی ہے، آپ یہ بات دماغ سے نکال دیں۔"

ایک اعلیٰ فوجی افسر نے کہا "ماضی میں یہ دیکھا گیا ہے کہ تیزاب کے ذریعے دونوں انسانی دیوٹ کا گوشت اور پوست کھل جاتا ہے ان سے نجات کا آخری طریقہ بھی ہوگا۔"

دوسرے گولڈن برن نے کہا "یہ نہ بھولو کہ دونوں کو برسوں دوپوش رکھ کر طرح طرح کی ٹریننگ دی گئی ہے ان کے دماغ کو حساس بنایا گیا ہے۔ پہلے ایسا نہیں تھا اب وہ چندہ منٹ تک سانس روک لیتے ہیں جب ان کی حفاظت کے ایسے انتظامات کئے گئے ہیں تو کیا انہیں تیزاب کا کوئی توڑ نہیں سکھایا گیا ہوگا۔"

تیسرے گولڈن برن نے کہا "ان پر تیزاب ضرور آزمایا جائے گا لیکن آزمائے کا طریقہ ایسا ہوگا کہ ہم پر کوئی الزام نہیں آئے گا۔ ابھی ہم ممبر کریں گے ان سے مذاکرات کے لئے اپنے رویے میں یکجہ پیا کرتے رہیں گے۔"

"ان سے مذاکرات کیا ہوں گے؟"

ایک اور گولڈن برن نے کہا "ہم نے کیمپٹر ٹرک میں چند اہم سوالات فیڈ کئے ہیں۔ آپ لوگ ان سوالات کے مطابق ان سے مذاکرات کریں۔"

دوسرے لی وی اسکرین پر سوسانہ اور جبرائیل نظر آ رہے تھے وہ ہوٹل کے کچن میں تھے اور کھانے کی جو چیز ہاتھ رکھ رہی تھی اسے کھا رہے تھے وہاں کے ملازمین خاموش قاتل شاہی بنے ہوئے تھے۔ فوجی افسر نے نیچرے کہہ دیا تھا کہ وہ دونوں جس کمرہ میں رہنا پسند کریں اس کا دروازہ ان کے لئے کھول دیا جائے۔ کچھ پاگل اور خطرناک لگ رہے ہیں لیکن نازل ہیں، ہوٹل کے مسافروں کو نقصان نہیں پہنچائیں گے۔"

فوجی افسر کو پتہ چلا کہ وہ دونوں کو مذاکرات کے لئے آلاہ کرے اور انہیں آؤٹریڈم میں لے آئے۔ افسر نے ان سے درخواست کی۔ جبرائیل نے کہا "سوری، ہم کھانے کے بعد آرام کرتے ہیں۔ دو گھنٹے بعد ہی کسی سے مل سکیں گے۔"

سوسانہ نے کہا "ملاقات کی بھی ایک شرط ہے جب ہم دہم

دہ ہوٹل سے نکلیں تو شہری روٹیں بحال ہو جائے، دکائیں مکمل بائیں، ٹرینک جاری رہے اور لوگ آزادی سے گھومتے پھرتے نظر آئیں۔ ہم انسانوں کے شہریں آئے ہیں اور تم لوگوں نے اس شہر کو قبرستان کی طرح دیران کر دیا ہے۔"

افسر نے یہ شرط اپنے اوپر والوں تک پہنچادی۔ اور ایک ہی جلی جیتی جانے والی رانما آ رہی تھی۔ یہودی اکابرین ازپورٹ پر اس کا استقبال کرنے آئے تھے۔ یہ ان کے لئے دنیا کی ہر خوشی سے بھر کر خوشی کا موقع تھا کہ ان کے ٹیلی فنی جاننے والوں میں ایک ور کا اضافہ ہو رہا تھا اور یہ حساب کر کے وہ خوش ہو رہے تھے کہ نژاد کی تبدیلی میں جو خیال خواتی کرنے والے ہیں، اب ان کے پاس ہی چھ دو ہو گئے ہیں۔

خوشیاں بھی تھیں اور پریشانیاں بھی۔ ایسے موقع پر سوسانہ اور جبرائیل معیت بن کر آچکے تھے۔ وہ سوچ رہے تھے کہ رانما کی ان پر ضرور ان رہے گا تو وہ تا کواری محسوس کرے گی۔ شبہ بھی کر سکتی ہے کہ اس کی آمد پر کسی کوئی دشمنی نہیں ہوئی ہے پھر دسانہ اور جبرائیل کے رویے سے یقین ہو گیا کہ شہر کا کامن و اماں اٹھ رہے گا لہذا انہوں نے ریڈیو اور لی وی کے ذریعے پابندیاں ختم کر دیں اور حکم دیا کہ تمام دکائیں کھولی جائیں تاکہ شہری روٹیں بٹ آئیں۔

رانما کی آمد سے پہلے انہوں نے اپنے ہاتھوں خیال خواتی کرنے والوں کو ان کی رہائش گاہوں تک محدود کر دیا تھا کہ کسی سے رانما کا سامنا نہ ہو۔ گولڈن برنز نے یہ طے کیا تھا کہ اسرائیلی یال خواتی کرنے والوں کو ایک دوسرے سے نہیں ملنا چاہئے۔ دشمن ان کی ملاقات سے فائدہ اٹھا کر انہیں ایک ساتھ ٹرپ کر سکتے ہیں۔

سوسانہ اور جبرائیل کی آمد کے باعث ہاتھوں ٹیلی فنی جاننے والے اسرائیل کے مختلف شہروں میں رہائش کے لئے چلے گئے تھے۔ صرف رانما تک ایب پہنچی تھی اس کے ساتھ ایڈی فشر (علی ہو) تھا۔ سوسانہ اور جبرائیل نے آکر تو صرف طیارے کی چھت زائی تھی یہودی اکابرین کو یہ معلوم ہو گیا کہ مرکز میں اسرائیل پر نا بے قدم رکھا ہے تو ان کے پیروں تلے سے زمین ٹھل جاتی۔

ہم باقاعدہ پلاننگ سے کام کر رہے تھے لیکن ہماری پلاننگ میں خفاش نہیں تھا کہ علی تیور اسرائیل جائے گا۔ ہم تو جلی کے خلق جانتے ہی نہیں تھے کہ وہ کہاں ہے؟ پس اس کی زندگی اور لاطینی کا یقین تھا۔ اس کے بچنے رہنے اور اسرائیل پہنچنے کا علم کی کو نہیں تھا۔ یہ سراسر قدرت کا کھیل تھا۔

انہوں نے کو شش کی تھی کہ رانما کو ازپورٹ سے سرکاری ٹرک لانے کے لئے صرف ایسے عہدیدار جائیں جو یوگا کے ماہر ہوں تاکہ ہم کسی کو آلاہ کرنا کرنا نہ دیا جائے۔ ایڈی فشر تک نہ پہنچیں ان ایک خیال خواتی کرنے والا علی تیور کے دماغ میں چپ چاپ چاہا تھا اور اس کے خیالات پڑھ رہا تھا۔ رانما کے بیان کے

مطابق اس کے چور خیالات سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ ایڈی فشر سے نفرت یہودی سے اور اپنی یادداشت کھڑکے۔

خیالات پڑھنے والے نے علی کے دماغ میں سوال پیدا کیا کہ وہ اپنی پچھلی زندگی بھول چکا ہے تو اسے اپنا نام اور مذہب کیسے یاد ہے؟

علی کے دماغ سے جواب ملا "رانما اسے شادی سے پہلے جانتی تھی۔ شادی کے بعد ایک حادثے میں اس کی یادداشت گم ہو گئی ہے۔"

ٹیلی فنی جاننے والے بے مورگن نے ایڈی فشر کے متعلق یہ تمام باتیں گولڈن برنز کو بتائیں۔ ایک گولڈن برن نے کہا "رانما ہماری پناہ میں آئی ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ ہماری وفادار بن کر رہے گی۔"

دوسرے نے کہا "بے شک جب وہ اپنے وطن میں اپنے حکام کی پابندیاں برواشت نہ کر سکی تو ہماری پابندیاں بھی اسے گوارا نہیں ہوں گی اور پتا نہیں یہ ایڈی فشر حقیقتاً کون ہے جسے اپنا یہودی شوہر بنا کر لایا ہے۔"

تیسرے گولڈن برن نے کہا "حقیقت چھپ نہیں سکے گی۔ بے مورگن، تم آج رات رانما کو دکانی کزوری میں بستا دو۔ اس کے چور خیالات پڑھو۔ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی صاف جانے گا۔"

ایم اے راحت کے سنسنی خیز ناول

عمران، ناہرہ آفریدی اور سپوفیسر ڈارو

دی تین ہنگامے

طنز و مزاح سے بھرپور

تیرت کتاب

ایک ناول

ایک ناول

ایک ناول

ایک ناول

ایک ناول

ایک ناول

ایک ناول

چاروں کتابیں ایک ساتھ منگائے پورے ۱۰۰ روپے

کتابیات پبلی کیشنز پوسٹ بکس ۳۳ کراچی

سے مہر مگر نے کہا "جی ہاں" رانما کے چور خیالات دہننے کا موقع ملا تو وہ اپنے ساتھی ایڈی فشر کی حقیقت بھی اگل دے گی۔"

سلطان اور سلمان خیال خوانی کے ذریعے سوسائٹ اور جبرائیل کے پاس موجود رہتے تھے۔ ان دونوں کے ساتھ جو فوجی افسر گائیڈ کے طور پر رہتا تھا، سلمان نے اس کے خیالات سے معلوم کیا کہ آج رانما نامی ایک ٹیلی بیٹھی جاننے والی آئی ہے اور اس کے ساتھ اس کا شوہر ایڈی فشر بھی ہے۔

سلمان نے بہت کوششیں کیں کہ کسی طرح ایسے عہدیدار کے پاس پہنچے جو رانما کے قریب رہ سکیں تاکہ اس کی ٹیلی بیٹھی جاننے والی کے پاس پاس ہو گا کہ ماہر عہدیدار موجود ہیں اس نے سونا کے پاس آکر تمام روادار سنائی۔ سونا نے سننے کے بعد کہا "اب وہ لوگ بہت محتاط ہو گئے ہیں۔ تم لوگوں کو اپنے سے دور پرانے ٹیلی بیٹھی جاننے والوں تک پہنچنے نہیں دیں گے۔"

"جی ہاں" اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ ٹیلی بیٹھی جاننے والی رانما بھی حساس داغ رکھتی ہوگی اور پرانی سوچ کی لہروں کو محسوس کرتے ہی سانس روک لیتی ہوگی۔"

"ہاں وہ ایسا کرتی ہوگی لیکن اس کا ساتھی ایڈی فشر شاید یوگا کا ماہر نہ ہو اور ایک بات یاد رکھو یہ یہودی اپنے باپ پر بھی مجبوراً نہیں کرتے ہیں رانما پر بھی مجبوراً نہیں کریں گے دھوکے سے اس کا برہنہ وارث کر کے اسے اپنے ملک و قوم کی وفادار بنائیں گے۔ اس وقت تم میں سے کوئی رانما کے پاس رہے تو بازی پلٹ جائے گی۔ رانما ہماری آواز کار بن جائے گی۔"

"اس مقصد کے لئے ہمیں ایڈی فشر کے داغ میں ضرور پہنچنا چاہئے میں پھر کوشش کرتا ہوں۔"

جو جو نے سونا کے پاس آکر کہا "مما! میں نے رانما اور ایڈی فشر کی باتیں سمجھ لی ہیں۔ میں فشر تک پہنچنے کی کوشش کرتی ہوں۔ انکل ثانی کے داغ میں میری ڈیوٹی ختم ہو چکی ہے اور آپ کی شروع ہو چکی ہے۔"

ہمارے چار خیال خوانی کرنے والے چھ چھٹھوں کے لئے ثانی کے داغ میں موجود رہتے تھے اور وہ جان لیوذا کے زیر سایہ ایک ٹرننگ سینٹر میں بیٹھ گئی تھی۔ پراسٹر بولی میں وغیرہ فیصلہ کیا تھا کہ آئندہ سلاوا جوزف (سونا ثانی) کو ٹرانزفارمر مشین سے گھرا جائے گا۔

یہ معلوم نہیں ہو سکا تھا کہ دوسری ٹرانزفارمر مشین کیسے موجود ہے یا نئی تیار کی جا رہی ہے۔ یہ اندیشہ تھا کہ ثانی پر تخریبی عمل کر کے اس کا برہنہ وارث کیا جاسکتا ہے اور ایسا کسی وقت بھی کیا جاسکتا ہے اس لئے ہمارے چاروں ٹیلی بیٹھی جاننے والے باری باری چھ گھنٹوں کے لئے اس کے داغ میں آتے جاتے رہتے تھے۔ سلمان نے جو جو کو اس فوجی افسر کے داغ میں پہنچا دیا جو سوسائٹ اور جبرائیل کا گائیڈ بنا ہوا تھا۔ جبرائیل باری باری ان دونوں کے اندر موجود تھی اور وہ دونوں اس آؤٹریچ میں موجود تھے جہاں چند

اعلیٰ حکام اور اعلیٰ فوجی افسران ان سے مذاکرات کے لئے آتے تھے۔ سوسائٹ اور جبرائیل آؤٹریچ کے درمیان بیٹھ رہتے تھے وہ اپنے بہت آہستہ آہستہ گول گولت تھا اور چاروں طرف آؤٹریچ میں بیٹھنے والے اس گردش کے باعث بیٹھ پر بیٹھنے والوں کو واضح طور پر دیکھتے رہتے تھے۔

ایک اعلیٰ افسر نے اپنے ڈیسک پر رکھے ہوئے ٹائیک ڈریپے کہا "سز سوسائٹ گرانٹ اور سز جبرائیل گرانٹ! ہم تمہارا لائف ہسٹری جانتے ہیں۔ تم دونوں امریکی سائنس دانوں کا پیداوار ہو جب تھیں منظر عام پر لایا گیا تو دنیا تمہارے ذہل اور دولت جیسی غیر معمولی شہ زوری دیکھ کر حیران رہ گئی۔ ہم معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ تم دونوں اچانک ہی کہاں بد پوش ہو گئے؟ اور اچانک ظاہر ہو کر ہمارے ملک میں کیوں آئے ہو؟"

پہلے دونوں خاموش رہے پھر جبرائیل نے کہا "سوسائٹ! یہ پوچھ رہے ہیں۔"

سوسائٹ بولی "نہیں! یہ تم سے سوال کر رہے ہیں۔"

"میں کتا ہوں تم سے سوال کر رہے ہیں۔"

"اور میں کہتی ہوں تم سے پوچھ رہے ہیں۔"

وہاں بیٹھنے ہوئے تمام لوگ بھی سوسائٹ اور جبرائیل دیکھ رہے تھے۔ ایک اعلیٰ حاکم نے اپنے ڈیسک پر رکھے ہوئے ٹائیک ڈریپے کہا "ہم نے یہ سوال تم دونوں سے کیا ہے جبرائیل تم ہی جواب دے دو۔"

وہ بولا "آپ کا پہلا سوال ہے کہ ہم کہاں بد پوش ہوئے تھے؟ اگر میں بتاؤں کہاں بد پوش تھے تو بد پوشی کا مقصد فوج ہو جائے گا۔ کوئی چھپنے والا کبھی یہ نہیں بتا کہ چھپنے کی جگہ کون تھی اور چھپنے کی وجہ کیا تھی؟"

سوسائٹ بولی "دوسرا سوال ہے ہم اس ملک میں کیوں آئے ہیں؟ اس لئے کہ بیت المقدس یہودیوں، عیسائیوں اور مسلمانوں کے لئے یکساں مذہبی اہمیت کا حامل ہے ہم اپنے ایمان اور ایمانیت کے باعث یہاں قیام کرنے آئے ہیں۔"

"لیکن تمہیں باقاعدہ پاسپورٹ حاصل کر کے آنا چاہئے تھا۔"

"کیا تم نے مسلمانوں سے یہ ملک چھیننے کے لئے پاسپورٹ حاصل کیا تھا؟"

ایک حاکم نے کہا "مسلمانوں اور عیسائیوں سے پہلے یہودی مذہب آیا۔ یہاں کی زمین یہودیوں سے ہمارا حق ہے۔ جبرائیل نے کہا "عیسائیت آئی تو یہاں یہودیت کمزور پڑ گئی۔ اسلام آیا تو عیسائیت کمزور پڑ گئی۔ آخر کار امریکا پر یورپین گیارہ نے حملوں سے یہ زمین چھین کر تمہیں دے دی۔ انسانی اور تاریخی حقائق کا کھیل ہے۔ جس شہ زور نے جہاں قدم چاہا وہاں سے کوئی کمزور اسے ہٹا نہ سکا۔"

سوسائٹ بولی "میں نے اور جبرائیل نے بھی شہ زوری سے پہلے

مزم جلیا ہے۔ تمہاری پٹ پر ہر یاد ہے۔ اگر تم شہ زور ہو تو میں ختم کروں اگر کمزور ہو تو میں اسی طرح برداشت کرو جیسے لمبھنی مسلمان تمہیں برداشت کر رہے ہیں۔"

پھر کوئی تم چنچ کر رہی ہو؟

"ہمارا یہاں آئی ایک چنچ ہے۔ دیر سے کیوں بگھتے ہو؟"

ایک نے کہا "ہم جانتے ہیں تم دونوں ناقابل شکست ہو۔ ہمارے جیسوں کی توڑ پھوڑ نہیں کی جاسکتی۔ تم ہر ہندو کی گولیاں پھینک کر تمہیں لیکن تیزاب سے تمہاری کھال اور گوشت کو گھلایا جاسکتا ہے۔ کیا تم ایذا دتے آئے ہو؟"

"کوئی ایذا دیتا نہیں لانا، خود وقت آتا ہے اور خود کھڑا ہے۔ آئے والے کوئی وقت بتائے گا کہ تیزاب سے ہمارا کچھ بگڑتا ہے یا نہیں دے ہمارے جسم کے کسی ایک حصے کو نقصان پہنچے گا تو ہماری ایک ہستی تباہ ہوگی۔ اگر ہمارے پورے جسم کو نقصان پہنچے گا تو تمہارا پورا ملک کھنڈر بن جائے گا، جب بھی آزمائے کا حوصلہ ہو ہمیں آزمائے گا۔"

ایک اعلیٰ افسر نے کہا "تم دونوں جبرائیل آئے ہو ہمارے لئے ایک بوجھ، ایک مسئلہ ہو اس کے باوجود ہم تمہارے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھائیں گے تمہارے درمیان ایسا سمجھوتا ہونا چاہئے جس سے دوستانہ ماحول پیشہ قائم رہے۔"

ایک حاکم نے کہا "ہم تمہاری کچھ شرائط ہوں جنہیں ہم تسلیم کریں تو تم دونوں یہ ملک چھوڑ کر جانے پر راضی ہو جاؤ۔"

سوسائٹ نے کہا "ابھی تو ہم رہے آئے ہیں اس لئے جانے کی بات نہ کرو۔ ہم پہلے ہی کہہ چکے ہیں اور اب بھی کہتے ہیں کہ جب تک ہم محفوظ رہیں گے تب تک یہاں کسی فرد کو ہماری طرف سے نقصان نہیں پہنچے گا اور تمہاری خواہش کے مطابق دوستانہ ماحول قائم رہے گا۔"

"ہم چاہتے ہیں کہ تم دونوں ہمارے نکلی معاملات میں کبھی مداخلت نہ کرو۔"

جبرائیل نے پوچھا "کیا تم دوسرے ملکوں کے معاملات میں مداخلت نہیں کرتے ہو؟"

"ہم سیاسی حالات کی بنا پر ایسا کرتے ہیں۔"

"ہم بھی سیاسی حالات سے مجبور ہو کر ایسا کریں گے۔"

"تم دونوں کو کس ملک کے سیاسی حالات سے دلچسپی ہے؟"

"انی الحال پاکستان سے ہے۔"

سب نے جیسے کسی سانس لی۔ ایک نے کہا "بات صاف ہوگی، فرمادے تم دونوں کو ہم پر مسلط کیا ہے۔"

جبرائیل نے پوچھا "یہ بات کیسے سمجھ میں آئی؟"

ایک اعلیٰ حاکم نے کہا "فرماؤ کو شکایت ہے کہ پاکستان میں ہماری ختمہ تسلیم کر رہی ہے۔"

سوسائٹ نے پوچھا "کیا یہ شکایت ہے یا جاب؟"

پہلے شکایت بجا تھی اب ہے جاب ہے۔ جب سے فرما دے

پاکستان میں رہائش اختیار کی ہے۔ ہماری تنظیم کے تمام لوگ وہاں سے نکل آئے ہیں اب وہاں ہماری کوئی سرگرمی نہیں رہی ہے۔"

جبرائیل نے کہا "اگر یہ سچ ہے تو پھر اطمینان رکھو، ہم سے تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچے گا لیکن یورپ اور امریکا میں تمہاری تباہ کردہ مصنوعات میں سے کوئی بھی مال نام بدل کر یا لیبل بدل کر پاکستان جانے گا تو ہم یہاں تمہاری مصنوعات کو تباہ کریں گے۔ فل ایب!، جنہ اور سنے پر وہ ظلم کی لہروں اور ٹیکسٹوں کی کوئی مشین سلامت نہیں رہے گی۔"

تھوڑی دیر کے لئے بالکل ہی خاموشی چھا گئی پھر ایک نے کہا۔ "میرا تعلق اسرائیل کے محکمہ خارجہ سے ہے میں وعدہ کرتا ہوں بالواسطہ یا بلاواسطہ ہمارا کوئی تجارتی تعلق پاکستان سے نہیں رہے گا۔"

جبرائیل نے کہا "یورپ اور امریکا کا کوئی بھی صنعت کار جو یہودیوں سے کسی طرح کا تعلق رکھتا ہے اس کا کمال بھی پاکستان سے نہیں جائے گا۔"

"ٹھیک ہے" وہ تمام صنعت کار یا تو ہم یہودیوں سے تعلق ختم کریں گے یا پھر پاکستان میں اپنی مٹی صنعتیں قائم نہیں کریں گے لیکن انہوں نے ہمیں دھوکا دے کر ہمارا مال وہاں فروخت کرنا چاہا تو ہم کیا کر سکیں گے؟"

سوسائٹ نے کہا "دھوکا دینے والوں سے فریاد علیٰ تہذیب پاکستان میں خود نہ لے جاؤ۔ اس کے پاس جھٹ اور قریب لو بگھتے بہت سے ذرائع ہیں۔"

"اس کے پاس بہت سے ذرائع ہیں پھر تم دونوں کا یہاں رہنا کیا ضروری ہے؟"

سوسائٹ نے کہا "ہم صرف اس لئے ہیں کہ تم موت کو یاد کرتے رہو یہاں سمجھو میں سونا ہوں۔"

جبرائیل نے کہا "اور میں فراد ہوں ہمیں دیکھتے رہو گے تو غلطیوں سے پرہیز کرتے رہو گے۔ دہنے والوں کے سامنے استاد موجود نہ ہو مگر اس کا ڈنڈا رکھا ہو تو وہ دہنے والے سم کر شرارتیں نہیں کرتے" اپنا سبق دہتے رہتے ہیں۔"

جو جو یہ باتیں سن رہی تھی اور اعلیٰ عہدیداروں کی بے بسی دیکھ رہی تھی۔ وہ سب حاکم بن کر بول رہے تھے مگر ان دونوں کو کسی طرح حکوم نہیں بنا سکتے تھے وہ سچ بچ استاد کے ڈنڈے کی طرح ان کے سامنے تھے۔

جو جو خاموشی سے خیال خوانی کرتی رہی تھی، وہ پانچ عہدیداروں کے داغوں میں بیٹھ چکی تھی، بانی سات عہدیداروں نے اس کی آمد پر سانسیں روک لی تھیں۔ وہ لوگ سمجھتے تھے کہ سوسائٹ اور جبرائیل کے پاس جو ٹیلی بیٹھی جاننے والے موجود رہتے ہیں، وہ ان کے داغوں میں بھی آئے گی کی کوشش کریں گے۔ ان میں سے دو چارے جبرائیل سے کہا "تمہارے خیال خوانی کرنے والے ہمارے اندر آنا چاہتے ہیں لیکن ہم نے اپنے داغوں کو فولادی قلعہ

بنالیا ہے اب یہاں کوئی داخل نہیں ہو سکے گا۔

ایسے دعوے کے باوجود جو جو نے ایک اعلیٰ حاکم کے خیالات پڑھ کر معلوم کر لیا کہ رانما نامی ایک نئی ٹیلی ویژنی جتنی جاننے والی اپنے شوہر کے ساتھ آئی ہے اور اب مختلف اسرائیل میں ٹیلی ویژنی کا علم رکھنے والے چھ عدد ہو گئے ہیں۔

جو جو نے میرے پاس آنکر یہ رپورٹ دی پھر کہا ”پاپا! ہم سب ثانی کے دماغ میں رہنے کے لئے پاری پاری چھ کھٹے کے لئے جاتے ہیں جس میں ثانی کے پاس جتنی تو اس کے ذریعے دوسرے فوجیوں کے دماغ میں جاتی رہی۔ ایک افسر کے خیالات سے پتا چلا کہ ان کی ایک ٹیلی ویژنی جاننے والی کس قسم ہو گئی ہے۔ اس ٹیلی ویژنی جاننے والی کی ڈیوٹی ان سرانفرانوں کے ساتھ تھی جو تک فریڈنڈو پر کڑی نظر رکھتے تھے۔“

یہ باتیں سن کر میں سوچ میں پڑ گیا لیکن اور سلطانہ نے بتایا تھا کہ علی تیمور کی شخصیت بدل کر اسے جان کارلو یا کر ایک انجینئری حیثیت سے کنگ فریڈنڈو کے ایک پروجیکٹ میں بھیجا گیا ہے۔ میں نے جو جو سے کہا ”بیٹی! اس افسر کے خیالات سے معلوم کر دو کہ ان کی ٹیلی ویژنی جاننے والی کس دن اور کس تاریخ کو تم کو ملے گی۔“

جو جو چلی گئی۔ میں نے سلطانہ کے پاس آکر پوچھا ”علی جان کارلو کی حیثیت سے پروجیکٹ میں کام کر رہا تھا وہ کس دن اور کس تاریخ کو لاپا ہوا تھا؟“

سلطانہ نے دن اور تاریخ بتائی۔ اور میرے جو جو نے آنکر وہی دن اور وہی تاریخ بتاتے ہوئے کہا ”یہ رانما اسی دن سے غائب ہے۔“

بات سمجھ میں آنے لگی۔ رانما اپنے سرانفرانوں کے ذریعے کنگ فریڈنڈو کے پروجیکٹ میں گئی ہوگی۔ وہاں علی سے سامنا ہوا ہوگا۔ اس نے جان لیوڑا وغیرہ سے نجات حاصل کرنے کے لئے توہمی عمل کے ذریعے جان کارلو (علی) کی شخصیت بدل دی ہوگی۔ اسی لئے اب تک نہ ہم جان سکے تھے نہ ہمارے دشمن کہ ایسی فشر کے پیچھے رانما نے علی کو بھجوا دیا ہے۔

میں نے جو جو سے کہا ”سونا! سلطانہ سلطانہ اور علی سے کہ دو مجھے یقین ہے کہ رانما کے ساتھ جو جو ان ہے وہ ہمارا علی ہے۔ کسی بھی طرح اس کے دماغ میں پہنچو ورنہ وہ یودیوں کا قیدی بن جائے گا۔“

وہ چلی گئی میں سوچنے لگا کہ کس طرح اپنے بیٹے کے دماغ میں پہنچوں۔ رانما نے اس کی شخصیت اور اس کا بوجہ بدل دیا تھا۔ جب تک ہم اس کی آواز اور لہجہ نہ سنے ”اس کے پاس پہنچ نہیں سکتے تھے۔“

میں نے مختلف بیودی اکابرین کے ذریعے رانما تک پہنچا دیا۔ پتا چلا کہ اس نئی ٹیلی ویژنی جاننے والی کی جتنی سے عمرانی اور حفاظت کی جارہی ہے اس کے پاس صرف وہی افسران جاتے ہیں جو لوگا کے ماہرین۔ رانما کا ٹیلی فون اینڈنگ کرنے والی ٹیکہ بڑی بھی حساس دماغ

کی حامل تھی اور پرائی سوچ کی لہروں کو محسوس کرتے ہی سانس روک لیتی تھی۔

میں نے باا صاحب کے ادارے سے تعلق رکھنے والے ایک جاسوس سے رابطہ کیا۔ وہ فلی ایبیل میں ایک عیسائی ڈاکٹر کی حیثیت سے رہتا تھا۔ میں اس کے دماغ میں پہنچا تو مجھ سے پہلے سلمان وہاں پہنچا ہوا تھا اور ہمارے اس ڈاکٹر جاسوس سے کہہ رہا تھا ”مسٹر! سونپا نے دہلیت کی ہے کہ پانی کی سلائی لائن میں اعصابی کڑوری کی دوا کر لو، ہم جس ٹیلی ویژنی جاننے والی کو ٹریپ کرنا چاہتے ہیں اسے جسنر کی فوجی چھانڈنی میں رکھا گیا ہے، وہیں کی پاپ لائن میں دوامانی جائے اور یہ کام کھتے دو کھتے کے اندر ہو جانا چاہئے۔“

میں جس مقدمہ کے لئے جاسوس کے پاس آیا تھا، سونپا نے اس کے پاس پہلے ہی سلمان کو پہنچا دیا تھا۔ وہی دہی طریقہ اختیار کر رہی تھی جو میں کرنا چاہتا تھا۔ میں نے انہیں اس طریقہ پر عمل کرنے کے لئے چھوڑ دیا۔ وہاں سے میں دوسرے جاسوس کے پاس آیا۔ وہ اپنے ایک تربیت یافتہ کئے کو کار میں بٹھائے فیض کی طرف جا رہا تھا۔

وہ ایک بہت ہی چھوٹے سے قدر کا تھا۔ سفید ریشم جیسے بالوں میں اس کا پورا جسم چھپا رہتا تھا۔ وہ جاسوس کے ایک ایک اشارے کو خوب سمجھتا تھا۔ میں اس سے کہنے آیا تھا کہ وہ اپنے کتے کے گلے میں ایک پاؤز فل ٹیکریڈ فون پنے کی طرح باندھ دے، یوں بھی کہنے کے لئے ہاں کی وجہ سے چھوٹا سا ٹیک نظر نہیں آنے گا۔ کتے کو اس رہائش گاہ میں جانے کے لئے چھوڑا جائے جہاں رانما اور علی کا قیام تھا۔ دوسری طرف کار میں بیٹھا ہوا ہمارا جاسوس اپنے ریسیونگ سیٹ کے ذریعے ٹیک سے آنے والی آوازیں سن رہا تھا۔ وہ سوکتا ہے وہ کتا علی کے پاس سے گزرے اور ہمیں اس کا موجودہ لب و لہجہ سنائی دے۔

لیکن دوسرے جاسوس کے پاس بھی سونپا نے مجھ سے پہلے علی کو پہنچا دیا تھا اور جاسوس کو وہی دہیات دی تھی جو میں سوچ کر آیا تھا۔ میں مسکرا کر رہ گیا، کبھی جلی جلی جلی۔ اور میں سوچتا تھا اور وہ کڑوری تھی میں نے اس کے پاس آنکر کہا ”کمال کرتی ہو! میں وہی کہنے لیا تھا جو تم سلمان اور علی سے عطا کر رہی ہو۔ ایسا لگتا ہے تم میرے خیالات پر متنی ہو اور مجھ سے پہلے وہی کڑوری ہو۔“

وہ بولی ”جیسے پاکستان میں اپنا کام کرنا چاہئے۔ اسرائیل میں جو کچھ ہو رہا ہے اس سے میں نمٹ لوں گی۔ خدا نے چاہا تو ہمارے علی کو کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا۔“

میں نے کہا ”پریشانی صرف اتنی ہی ہے کہ علی خود کو بھولا ہوا ہے۔ اگر وہ اپنے آپ کو پہچان لے تو پھر اسے ہم میں سے کسی کی ضرورت نہیں پڑے گی۔“

”پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے، علی نے توہمی عمل کے ذریعے صرف اس کی چھٹی زندگی بھلائی تھی لیکن اس کی تمام ذہنی صلاحیتیں اور جسمانی شہدوری بدستور موجود ہے۔ اپنی شخصیت کو

بھولنے کے باوجود وہاں ہے چاہا ہے کوئی اسے چاہیں سکے گا۔ تم اپنے معاملات کو دیکھو۔“

میں مطمئن ہو کر وہاں سے چلا آیا۔

جاسوس نے رانما کی رہائش گاہ سے ذرا دور اپنی کار روکی۔ اپنے کتے کو مخصوص اشاروں کے ذریعے سمجھایا کہ اسے کیا کرنا ہے۔ پھر اس نے کار کے دروازے کو کھول کر کتے کو باہر چھوڑ دیا۔ وہ دوڑا ہوا اس رہائش گاہ کے باؤنڈری گٹ کے پاس پہنچا۔ احاطے کے اندر اور باہر کی سڑک گارڈز نظر آ رہے تھے وہ کٹا گٹ کی جالیوں کے درمیان سے گزر کر احاطے کے اندر چلا گیا۔ ایک گاڑی نے دوسرے گاڑی سے کہا ”وہ دیکھو کتے نہیں کتا کہاں سے آگیا ہے؟“

دوسرے نے کہا ”یہاں آس پاس کی کتوں میں اعلیٰ فوجی افسران رہتے ہیں ان میں سے کسی کا ہوگا۔“

”کچھ بھی ہو، میں اسے باہر بھاگ کر آتا ہوں۔“

وہ گاڑی کتے کو تلاش کرنے کے لئے بچلے کے اندر جانے لگا۔

جاسوس کا اشارت کر کے وہاں سے دور چلا گیا۔ کار کے ڈرائیوڈ میں ریسیونگ سیٹ آن رکھا گیا تھا۔ اس میں سے ایسی آوازیں آ رہی تھیں جیسے کتے کو پکڑنے کے لئے کئی گاڑی بھاگتے پھر رہے ہوں۔ ان کی ادھوری باتیں سنائی دیتی تھیں کیونکہ کتا باتیں پوری ہونے سے پہلے کتا بھاگ کر دور کیس چلا جاتا تھا۔

پھر ایک عورت کی آواز سنائی دی۔ وہ کہہ رہی تھی ”یہ کیا تماشا ہے تم لوگ ایک کتے کو نہیں پکڑ سکتے؟“

علی جاسوس کے دماغ میں وہ کراس عورت کی آوازیں سن رہی تھی۔ وہ وہاں کی گورنس تھی اس رہائش گاہ میں آنے والے فون اینڈنگ کرنی تھی سلطانہ نے علی کو بتایا تھا کہ وہ گورنس پرائی سوچ کی لہروں کو محسوس کرتے ہی سانس روک لیتی ہے اس لئے علی اس کے دماغ میں نہیں گئی۔

یوں بھی بٹے کیا گیا تھا کہ ہمارے خیال خوانی کرنے والے رانما کے دماغ کو نہیں چھینیں گے۔ وہ دوسرے ٹیلی ویژنی جاننے والوں کی طرح ہو گا کہ باہر ہوگی اس لئے علی ان گاڑیوں کے دماغوں میں جاتی رہی جو کتے کو پکڑنے کے دوران کچھ نہ کچھ بول رہے تھے۔ وہ لوگ بچلے کے اندر رہتے والوں کے متعلق کچھ نہیں جانتے تھے۔ ان کی ڈیوٹی باہر رہا کرتی تھی۔

ان کے خیالات سے پتا چلا کہ بچلے کے اندر ایک کرے کا دروازہ بند ہے۔ کتا اسی کرے میں کسی کھڑکی کے ذریعے جانا چاہتا تھا۔ اسی وقت ان کے کسی افسر نے گرج کر کہا ”تم سب گھر سے ہو“ اسے کوئی کہیں نہیں مارتے؟ کیا یہ کتا تمہارا بیٹا ہے۔“

یہ آوازیں ریسیونگ کے آگے سے آ رہی تھیں۔ چند سیکنڈ کے بعد ہی غاصب خان کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ وہ قازیک کہتے جا رہے تھے لیکن جاسوس سے کہا ”مجھے افسوس ہے، اتنا زبردست تربیت یافتہ کتا ہے موت ارا جائے گا۔“

جاسوس نے کہا ”ادام! آوازوں سے پتا چل رہا ہے وہ زندہ ہے بچلے کے باہر کھلی فضا میں آگیا ہے۔“

علی نے کہا ”ہاں اس کے ہانپنے کی آوازیں آ رہی ہیں یا کابوہ دوڑتا ہوا آ رہا ہے؟ آواز قریب آ رہی ہے۔“

جاسوس نے کار کا دروازہ کھول دیا۔ انجی کو اشارت رکھا۔ کوئی دو منٹ کے اندر ہی کتا دوڑتا ہوا اگلی سیٹ پر آکر بیٹھ گیا۔ جاسوس نے فوراً دروازہ بند کیا پھر تیزی سے ڈرائیو کرتا ہوا بولا۔ ”ادام! کتا سمجھ گیا تھا کہ بند کرے میں نہیں پہنچ سکے گا اور جان کا خطرہ بھی ہے اسی لئے یہ بھاگ کر چلا آیا ہے۔“

”اس نے ٹھیک ہی کیا۔ رانما اور ایڈی فٹنر اسی بند دروازے کے پیچھے ہوں گے اور یہ بے جا نہ وہاں نہیں جاسکتا تھا۔ ویسے تم نے اسے زبردست ٹریننگ دی ہے جاؤ اب آرام کرو۔“

علی نے سلمان کے پاس آنکر اسے یہ واقعہ بتایا۔ اس نے کہا۔ ”ہمارے دوسرے جاسوس نے پانی کی سلائی لائن میں دوامانی ہے۔ تم تیار رہو۔ گورنس جیسے ہی اعصابی کڑوری میں جلا ہو اس کے دماغ پر قبضہ جاکر اسے فوراً علی کے پاس لے جاؤ۔ میں وہاں کے سیکورٹی افسر کو اپنا آواز کتا کاروائیوں گا۔“

مظلوم عورتوں کی بچی داستانیں

مورخہ الزام آدم زادی

مصنف نور حسین شاہ

آدم زادی ان کہانیوں کا مجموعہ ہے جس میں مصنف نازک کے مسائل، مشکلات، اس پر ڈھائے جانے والے مظالم کے سچے واقعات قلمبند کئے گئے ہیں۔

دہائی اور شہری خواتین کی بچی کہانیاں ہر عورت کی اپنی داستان

عمدہ کپیڈ ٹرائیڈ کتابت۔ مضبوط جلد۔ بہترین طباعت فخریہ صورت ۵۰۰

قیمت = 50 روپے ڈاک خرچ = 10 روپے رقم چکی ارسال کرنے پر ڈاک خرچ صاف

کتابیات پبلی کیشنز پوسٹ بکس 23 رمضان جمہوریہ۔ ملہوریا اسٹریٹ

آئی آئی چندر گپت روڈ۔ کراچی 74200

راما نے کافی پینے کے بعد کمزوری محسوس کی تو گھبرا اسی گئی۔
علی سے بولی ”نشر! ہمارے ساتھ دھوکا ہو رہا ہے میں تمہاری یہودی

”ذرتی کیوں ہو؟ جب ہماری تابعدار بن کر رہنے آئی ہو تو ہمیں تابعدار بنالینے دو۔“

وہ پرانی سوچ والا بچہ مور مکن تھا۔ تمام یہودی اکابرین اس لئے اٹھوا کرتے تھے کہ اسے برین آپریشن کے بعد سچا یہودی اور پاک و فادر بنایا گیا تھا۔ گوئٹن برنیز نے اسے اپنا چاچا بنایا تھا۔

تاکام بنانے کے لئے دو باتیں ضروری تھیں کہ رانا، جے

امل کی سوچ کی لہروں کو محسوس نہیں کرے گی اور وہ دماغ میں آئے

گاتر سانس نہیں دے گی۔

پھر وہ اسے توخنی نیند سونے کے لئے چھوڑ کر چلا گیا۔ رانیال نے الپا کے داغ میں خیال پیدا کیا۔ "مجھے بھی رانما کے داغ سے جانا چاہئے" مورگن کا عمل مکمل ہو چکا ہے اور یہ توخنی نیند سوتی رہے گی۔

الپا باقی طور پر اپنی رہائش گاہ میں حاضر ہو گئی۔ وہ ایک نئی دی اور کپیوڑ کے پاس بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کپیوڑ کے ذریعے گولڈن برنز کو رپورٹ دینے والی تھی کہ بے مورگن نے اتحاد کو دھوکا نہیں دیا ہے اور رانما پر کامیاب عمل کیا ہے۔

اس نے رپورٹ دینے سے پہلے کرسی کی پشت سے ٹپک لگا کر آنکھیں بند کر لیں۔ سوچنے لگی "چتا نہیں کیا بات ہے؟ کوئی بات ٹھیک رہی ہے؟"

وہ غور کرنے لگی "آخر بات کیا ہے؟ پھر کچھ ایسا لگا جیسے وہ رانما کے داغ میں رہ کر بھی وہاں نہیں رہی تھی اس نے پوری حاضر دماغی سے رانما پر ہونے والے عمل کو نہیں سمجھا ہے۔ اس کے اندر بات پیدا ہوئی کہ عمل کامیاب رہا ہے اور وہ کامیابی کا یقین کر کے رانما کے داغ سے بھی چلی نکلی ہے۔

وہ کرسی سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ بے چینی سے ٹپک لگے گی۔ وہ بے چینی پوری طرح سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ ایک بار یہ خیال پیدا ہوا کہ رانما کے پاس جانا چاہئے۔ شاید اسے دستور توخنی نیند سونے کی کہ بے چینی دور ہو جائے۔

وہ پھر کرسی پر آکر بیٹھ گئی۔ اس وقت نئی دی کے پیچھے دیوار لگا ہوا سرخ بلب آن ہو گیا اور بلب کے ساتھ والے چھوٹے الپا کے سے ٹوں ٹوں کی آواز آئی۔ اس نے ٹپک لگے۔ یہ اشارہ تھا کہ گولڈن برنز اس کی رپورٹ کا انتظار کر رہے ہیں۔

اس نے نئی دی کو آن کیا۔ کپیوڑ کے ذریعے یہ تحریر اسکرین پر پہنچائی "پتیلر انتظار فرمائیں۔ میں چندہ منٹ کے اندر رپورٹ پیش کروں گی۔ یہی الحال ہے مورگن پر شبہ نہ کیا جائے۔"

یہ تحریر پہنچا کر اس نے نئی دی آف کر دیا۔ اپنے اندر کی بے چینی دور کرنے کے لئے خیال خوانی کی پرواز کی پھر رانما کے داغ میں پہنچ گئی۔ اسے خاموشی اور سکون سے توخنی نیند سونا چاہئے تھا لیکن اس کے داغ میں خاموشی نہیں تھی کوئی بول رہا تھا اور اس پر توخنی عمل شروع کر رہا تھا۔

الپا حیران رہ گئی۔ وہ رانیال کی آواز اور لے کر پہچان رہی تھی۔ یہی رانیال عامل بن کر سوچ کے ذریعے الپا کے اندر آتا تھا تو وہ اسے محسوس نہیں کرتی تھی کیوں کہ معمول تھی لیکن ابھی وہ رانما کے داغ میں تھا اس لئے الپا نے اس مکان کو پہچان لیا۔

اس نے فوراً ہی گولڈن برنز کو کھٹل دیا پھر کپیوڑ کے ذریعے کہا "سر! ہماری آستین میں سناپ ہیں۔ رانیال نے بے مورگن کے توخنی عمل کو ناکام بنایا ہے اور اس وقت خود رانما پر عمل کر رہا ہے۔ اس سلسلے میں جو بھی سوالات کرنا چاہیں گے ان کے جوابات

میں خاص دیر ہو جائے گی۔ آپ پہلے رانیال کو توخنی عمل سے روکیں۔"

پھر الپا نے دوسری تحریر اسکرین تک پہنچائی۔ وہاں لکھا "سر! مجھے شبہ ہے کہ رانیال جس طرح رانما پر عمل کر رہا ہے، اس طرح مکاری سے شاید مجھ پر اور بے مورگن پر بھی عمل کر رہا ہے۔ اسی لئے ہم رانما کے داغ میں رہ کر بھی اس کے قریب رہ کر سمجھ سکتے۔"

گولڈن برنز کی طرف سے تحریر ابھری "انتظار کرو۔ پہلے رانیال سے منٹ رہے ہیں۔"

رانیال اپنی رہائش گاہ کے بند دوم میں تھا۔ دواؤں کے کوانڈے بند کر کے صوفے پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کی آنکھیں بند تھیں اور وہ رانما کے داغ میں پہنچ کر اس پر عمل کر رہا تھا۔ عمل کامیاب ہو رہا تھا۔ وہ اس کے ذریعہ اثر آ رہی تھی اور معمول بن کر اس سوالات کے جوابات دینے والی تھی۔ اسی وقت زور زور سے دواؤں کے پیٹنے کی آوازیں آئیں۔ خیال خوانی کے دوران مدد مل رہی تھی تو اس نے آنکھیں کھول دیں۔ صفحے سے دواؤں کے سر دیکھتے ہوئے بولا "کون ہے؟ ابھی جاؤ۔ میں آرام کر رہا ہوں۔"

باہر سے آواز آئی "میں فطری پولیس کا چیف ہوں۔ نو۔ دواؤں معمول۔"

ادھر رانما صرف زیر اثر آئی تھی "ابھی پوری طرح معمول نہیں بن پائی تھی۔ رانیال توخنی عمل ادھر اور نہیں چھوڑنا چاہتا اور فطری پولیس کے چیف سے انکار بھی نہیں کر سکتا۔ قاعدہ مجبور کر صوفے سے اٹھ گیا۔ ارادہ تھا کہ چیف کو اندر آئے دے گا۔ مگر بنائے سے فوٹالٹ دوم کے اندر جا کر رانما پر توخنی عمل کو مکمل کر لے گا۔"

اس نے دواؤں کو کھلا دواؤں کھلتے ہی صوفے پر گھونسا پڑا۔ چند لاگو ناکارہ کما کر وہ پیچھے کی طرف لوٹ گیا۔ دو فوجی جوانوں نے ان کو روکنا شروع کر رکھا۔ تیسرے فوجی جوان کے ہاتھ میں انجمن لگائے گی سرخ تھی۔ چیف نے کہا "چپ چاپ یہ انجمن لگوانا۔ رانیال نے پوچھا "یہ سوئی کس لئے لگائی جا رہی ہے؟"

"سوال نہ کرو۔ تم نے ذرا بھی انکار کیا تو گولی مار کر جہیز زخمی کیا جائے گا کہ تم خیال خوانی کے قائل نہ ہو سکو۔"

وہ چیف کے بولنے سے سمجھ گیا تھا کہ قہیل نہیں کرے گا جسم کے کسی حصے میں گولی بوست ہو جائے گی۔ لہذا وہ بت بنا کر رہا۔ فوجی جوان نے اس کے ایک بازو میں سوئی بوست کر کے اس کی دوا جسم کے اندر پہنچادی۔ چیف نے کہا "جاؤ۔ اپنے بستر آؤ۔ سے لیٹ جاؤ۔"

دشمن کی اور ناکام رہا۔ یہ حسرت رہ گئی کہ رانما کو بھی اپنی معمول رانما کے اندر ناکامی کا عمل ادھر رہ گیا تھا۔

پھر اسے اپنے داغ میں بے مورگن کی آواز سنائی دی "ہاں" اور کو شش کرو۔ رانما کو بھی اپنی معمول بنالو۔ ہم تمام ٹیلی جی جانے والوں کو اپنا حکوم بنالو۔ پھر اسرا نیل پر تمہاری ویت قائم ہو جائے گی۔"

وہ عاجزی سے بولا "۳۵ مورگن! یقین کرو۔ میں بری نیت سے معمول نہیں بن رہا تھا۔ میں بیش اس کے اور الپا کے اندر بپ کر رہا تھا چاہتا تھا کہ انہیں بھی ننداری کا موقع نہ دوں۔"

"ہم صرف لڑکیوں کو کیوں نہپ کر رہے ہو؟"

"دوسرے وہ اس لئے کہ فریاد اور اس کے بیٹے لڑکیوں کو پہلے انہیں ہیں۔ اس لئے میں چپ چاپ الپا اور رانما کی عمرانی کرنا چاہتا تھا۔"

ابھی تمہارے خیالات سے جھوٹ اور سچ ظاہر ہو جائے گا۔"

"نہیں! انکار کا ٹک میرے خیالات نہ پڑھو۔ میرے اندر سے پہلے جاؤ۔ تم خاموش کیوں ہو؟ بولو۔ بولو۔ تمہاری خاموشی رہی ہے کہ تم میرے پیچھے ہوئے خیالات پڑھ رہے ہو۔ نہیں میں اس لوگ لوگ لوگ۔ نہیں اپنے اندر سے بھگ دوں گا۔ بھاگ جاؤ۔"

وہ سانس روک کر اسے بھگانا چاہتا تھا لیکن کمزوری کے وٹ لپی لپی سانس سمجھ رہا تھا۔ توخنی دیر کے بعد بے مورگن کپیوڑ کے ذریعے گولڈن برنز کو رپورٹ پیش کر رہا تھا۔ وہی رپورٹ الپا نے نئی دی اسکرین پر پڑھ رہی تھی۔

اسکرین پر لکھا ہوا تھا "سر! رانیال اس وقت سے ہمیں لوکا دے رہا ہے جب الپا شہر دوم میں تھی۔ پارس نے اس کے رخ کو کمزور بنایا تھا۔ دشمن ٹیلی جی جی جانے والے الپا کو اپنا ہمدار بنانا چاہتے تھے لیکن ہم نے ان کے توخنی عمل کو ناکام بنایا اور خوش ہو گئے تھے کہ اپنی الپا کو دشمنوں سے بچالیا ہے لیکن آستین کے سناپ سے بے خبر رہے۔"

یہ تحریر پڑھنے لگی۔ تیسری تحریر ابھرنے لگی "سر! رانیال چاہتا ہے کہ الپا اس کی معمول بن کر اسرا نیل آئے اس سے ملاقات سے ہی اس پر عاشق ہو کر اس سے شادی کر لے۔ لیکن آپ دل کے طریقہ کار سے ہم تمام ٹیلی جی جی جانے والوں کو ایک سر سے دور کرنا جس کے نتیجے میں الپا اس کے سامنے نہ تو جا سکتا اور نہ ہی اس پر عاشق ہوئی۔ پھر بھی رانیال کسی مناسب موقع انتظار کر رہا تھا۔"

یہ تحریر پڑھنے لگی۔ تیسری تحریر ابھرنے لگی "سر! وہ الپا کے رخ میں چپ چاپ آتا جاتا رہا تھا۔ ایسے ہی وقت اس نے الپا کے اندر ہر گز نہ کیا کہ میں رانما پر توخنی عمل کروں گا اور الپا کے دوران وہاں موجود رہے گی۔ یہی مطلب کے بعد اس نے میرے عمل کو ناکام بنایا۔ اس دوران الپا کو رانما کے اندر لڑی طرح حاضر دماغ نہیں رہنے دیا۔ یہی اس کی غلطی تھی۔ الپا

نے سمجھ لیا کہ کچھ گڑبڑ ہو گئی ہے۔ سر حال ہم نے الپا کی ذہانت سے اپنے اندر پیچھے ہوئے ایک دشمن کو بھڑکایا ہے۔"

اس رپورٹ کے بعد گولڈن برنز کی طرف سے اسکرین پر تحریری جواب نظر آیا۔ لکھا تھا "ہم تمام گولڈن برنز تم سے اور الپا سے بہت خوش ہیں اور تم دونوں پر سب سے زیادہ اعتماد کرتے ہیں۔"

پھر دوسری تحریر ابھرنے لگی "ہم اپنے ہاں ٹیلی جی جی جانے والوں کی تعداد بڑھانا چاہتے ہیں اس لئے رانیال کو موت کی سزا نہیں دیں گے۔ اس کا برین واش کریں گے تاکہ اس کے داغ میں ہمارے خلاف جو مکاریاں ہیں وہ ختم ہو جائیں اور وہ الپا پر کئے ہوئے عمل کو بحال جائے۔ اس طرح رانیال ایک وفادار برین کر پھر ٹیلی جی جی کے ذریعے ہمارے کام آتا رہے گا۔"

تیسری تحریر ابھرنے لگی "ہم دونوں بیش ہمارے معتبر خاص اور جاسوس بن کر رو رہے ہیں۔ مورگن! تم رانما کے پاس جاؤ اور دوبارہ عمل کرو۔ الپا! تم پہلے کی طرح رانما کے اندر خاموش رہ کر توخنی عمل کی کامیابی یا ناکامی کو حاضر دماغی سے سمجھتے رہنے کی کوشش کو گئی۔ دیش نکل۔"

وہ دونوں پھر رانما کے پاس آگئے۔ رانیال کے ادھورے عمل کے باعث رانما کے دماغی توازن میں ذرا فرق آیا تھا۔ پہلے تو وہ اعصابی کمزوری میں مبتلا ہو گئی تھی۔ پھر اس کے داغ میں ٹین ٹیلی جی جی جانے والوں کی تکلف رسی جس کی وجہ سے داغ بوجھل ہونا رہا۔ پھر رانیال نے ادھر اور عمل کیا تو وہ نہ عامل کے بس میں رہی نہ اپنے ہوش و خاش میں رہی۔ ذہنی انتشار میں مبتلا ہو گئی۔

بے مورگن دوسری بار عمل کرنے اس کے پاس آیا تو پتا چلا رانما کی سوجھیں بھری ہوئی ہیں۔ اس کے ذہن کو کسی ایک سوچ پر مرکوز کرنے کی کوشش کی گئی تو دماغی کمزوری کے باعث بہت سی سوچیں گڈھ گڈھ ہونے لگیں۔ اس کی ذہنی حالت بتا رہی تھی کہ اب اس پر توخنی عمل نہیں کیا جاسکے گا۔ اس مقصد کے لئے پہلے دماغی توانائی لازمی ہے۔

الپا نے کہا "۳۳ کی دماغی توانائی بحال ہو گئی تو یہ سانس روک لیا کرے گی" "میں داغ میں نہیں آئے دے گی۔"

"ٹھیک ہے۔ اسے آج رات اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے۔ ہم صبح اس کی خیریت معلوم کریں گے۔"

دونوں نے گولڈن برنز کو اپنی رپورٹ پیش کی۔ وہاں سے جواب ملا "۳۳ اس کے حال پر نہ چھوڑو۔ الپا! تم سوچاؤ اور بے مورگن! تم صبح چار بجے تک رانما کے داغ میں آتے جاتے رہو اور اس کے ذہنی انتشار کو کم کرتے رہنے کی کوشش کرو۔ چار بجے کے بعد تم سوچاؤ گے اور الپا اس کے پاس آجائے گی۔"

پھر دوسری تحریر اسکرین پر نظر آئی "۳۳ جھلو کو نظر انداز نہ کرو کہ فریاد کے خیال خوانی کرنے والے کسی طرح رانما کے پاس پہنچ سکتے ہیں۔ ان دشمن خیال خوانی کرنے والوں کو رانما کا داغ

ایک کمل کتاب کی طرح ملے گا۔ دشمنوں کو فائدہ نہ اٹھائے۔ دو۔
دش آل۔
تقدیر کو ماننا پڑتا ہے۔ ہم کچھ نہیں کر رہے تھے۔ یہ تقدیر تھی
جو رانما کے حلقے میں بیدگیاں پیدا کر رہی تھی اور یوں علی تیمور کو
ظاہر ہونے سے بچا رہی تھی۔

دوسری طرف سپراسر ہولی میں اور اس کے خاص ٹیلی جیٹس
جاننے والے جان لیوڑا نے رانما کو دھوکہ دینے کے تمام کوششیں
کروائی تھیں اور کام ہوتے رہے تھے۔ سپراسر نے کہا ”وہ شاید
دشمنوں کے ہاتھ لگ گئی ہے یا ہمارے ملک سے کہیں دور چلی گئی
ہے۔“

جان لیوڑا نے کہا ”اگر وہ دشمنوں کے ہاتھ لگ جائے تو ہمیں
فائدہ پہنچے گا۔“

سپراسر نے پوچھا ”وہ کیسے؟“
”دشمن خیال خوانی کرنے والے رانما کی اصلیت جاننے کے
لئے اسے دھانی کزوری میں جلا کریں گے اور اس پر عمل کریں
گے۔ میں کبھی ایک گھنٹے اور کبھی آٹھ گھنٹے کے بعد رانما کے پاس
جانا رہتا ہوں اور وہ سانس روکتی رہتی ہے۔“
”مسٹر لیوڑا! تم کب تک ایسا کرتے رہو گے؟“

لیوڑا نے کہا ”اور وہ کب تک سانس روکتی رہے گی۔ کبھی تو
نیار پڑے گی یا اسے کوئی حادثہ پیش آئے گا۔ یا کسی طرح زخمی
ہوگی یا پھر کوئی دشمن خیال خوانی کرنے والا اسے ٹرپ کرے گا تو
ایسے وقت میں رانما کے داغ کو گرفت میں لینے کی کوشش کروں
گا۔ اگر ناکام ہوا تو دشمن کو بھی کامیاب نہیں ہونے دوں گا۔ اس
خدا روٹی کے داغ میں زلزلے پیدا کر کے اسے مار ڈالوں گا۔“

جان لیوڑا سپراسر کے دوسرے معاملات میں بھی مصروف
رہتا تھا لیکن رانما کا پیچھا نہیں چھوڑتا تھا۔ اپنے مقررہ وقت کے
مطابق اس کے داغ میں جانا تھا اور سانس روکنے سے واپس آ جاتا
تھا۔

لیوڑا نے سلوانا جو زف (سونیا غانی) کے بھی چور خیالات
پڑھے تھے اور یہ معلوم کیا تھا کہ ثانی خواب میں کسی جان کارلو کو
دیکھتی ہے۔ خواب میں اس کا چہرہ مٹھلا سا نظر آتا ہے پھر بھی وہ
خوابوں کے اس شکار سے بچت کرتی ہے۔

جان لیوڑا کو یہ معلوم تھا کہ رانما کسی جان کارلو کے ساتھ
روپوش ہوئی ہے۔ ادھر ثانی کسی جان کارلو سے محبت کرتی تھی۔ یہ
محض ایک اتفاق ہو سکتا تھا کہ رانما اور ثانی کے محبوب کا نام ایک
تھا۔ یا پھر اس ایک نام جان کارلو کے پیچھے کوئی بھید چھپا ہوا تھا۔

یہ جنس بھی ایسا تھا کہ جان لیوڑا حقیقت معلوم کرنے کے
لئے رانما کا پیچھا نہیں چھوڑتا تھا۔ آخر اس کا مہرہ قتل کام آیا۔ وہ
رانما کے پیچھے بھاگتے بھاگتے اس رات اس کے داغ کے اندر پہنچ
ی گیا جب وہ بے حد دانی کزوری میں جلا ہو گئی تھی۔

اور کزوری ایسی تھی کہ اس پر عمل نہیں کیا جاسکتا تھا۔ لیوڑا

نے اس کے اندر پہنچ کر بے مورگن اور الپا کی ہتھکڑیوں وہ دونوں
اسی مسئلے پر باتیں کر رہے تھے اور کہہ رہے تھے ایسی حالت میں
رانما پر تو بھئی عمل کامیاب نہیں ہوگا۔ وہ دونوں اس کے داغ میں
باری باری آتے جاتے رہیں گے جب اس کی دھاتی توانائی بحال
ہونے لگے گی تو وہ عمل کر کے اسے معمول اور ابھار دینا پس گے۔
جان لیوڑا نے بے مورگن اور الپا کی ہتھکڑیوں لیکن انہیں
پہچان نہ سکا کیوں کہ دونوں کے برہن آپریشن کے بعد ان کی آواز
اور لہجہ تبدیل کیا گیا تھا لیکن یہ سمجھ گیا کہ رانما اسرا نیل میں
ہے۔ یہ بات بے مورگن اور الپا کی ہتھکڑیوں سے سمجھ میں آگئی۔ الپا
نے مورگن سے کہا تھا ”چلو ہم کوئلن برنز کو رپورٹ پیش کریں۔“

اور کوئلن برنز اسرا نیل میں تھے۔ ان کے خیال خوانی کرنے
والے یہودی تھے یا انہیں ”برہن داش کر کے یہودی بنا دیا گیا تھا۔
جان لیوڑا کے صاحب سے اسرا نیل میں چار ٹیلی جیٹس جاننے
والوں کو ہونا چاہیے تھا۔ ایک بے مورگن جیسے کے داغ تھا۔ ثانی
تین امریکی خیال خوانی کرنے والوں کو یہودیوں نے اغوا کیا تھا۔ آج
لیوڑا ایک خیال خوانی کرنے والی عورت کی آواز سن چکا تھا۔ سوچ
رہا تھا ”یہ عورت کون ہو سکتی ہے؟ الپا کے حلق اب تک یہی
معلوم تھا کہ وہ ماسک میں کے چنگل میں ہے۔ یہ راز ابھی ظاہر نہیں
ہوا تھا کہ وہ واپس اپنی قوم میں آگئی ہے۔“

اس نے سپراسر ہولی میں ان کے رانما کے حالات بتائے اور کہا
”میں نے ایک نئی خیال خوانی کرنے والی کی آواز سنی ہے۔ بتائیں
یہ یہودی اسے کہاں سے پکڑا لائے ہیں۔ اس طرح ان کے ہاں پاؤں
خیال خوانی کرنے والے ہو گئے ہیں۔ اگر رانما پر بھی ان کا عمل
کامیاب ہو گیا تو ان کی تعداد بڑھ جائے گی۔“

سپراسر نے کہا ”رانما پر ان کا عمل کامیاب نہیں ہوا
چاہئے۔“

لیوڑا نے کہا ”ہمارے ہاں میرے علاوہ صرف دو خیال خوانی
کرنے والے رہ گئے ہیں۔ ایک پاسکو روٹ ہے دوسرا فریزر
ہے۔ میں ان دونوں کو ابھی رانما کے داغ میں پھنسا رہا ہوں۔ وہ بھی
باری باری وہاں آتے جاتے رہیں گے۔ جب بھی یہودی رانما پر
عمل کریں گے ہمارے آؤں اس عمل کو ناکام بنائیں گے۔“

اس نے بھی کیا اپنے ٹیلی جیٹس جاننے والے پاسکو روٹ اور
فریزر کو رانما کے داغ میں پھنکا کر تاکید کی ”تم دونوں باری باری
اس کے داغ میں رہنے کے لئے وقت مقرر کرو۔ میں باقی
برداشت نہیں کروں گا۔ رانما پر دشمنوں کا عمل کامیاب نہیں ہوا
چاہئے۔“

جان لیوڑا دھاتی طور پر اپنی جگہ حاضر ہو گیا۔ ابھی رانما دھاتی
انتہار میں جلا تھی۔ اس کے داغ سے جان کارلو (علی) کے حلق
کچھ معلوم نہیں کر سکتا تھا۔ لیکن ابھی بعد میں معلوم کیا جاتا تو رانما
کے چور خیالات ایڈی فشر کو جان کارلو بتاتے لیکن جان کارلو کو

تیمور نہیں کہہ سکتے تھے۔ کیوں کہ رانما خود علی کی حقیقت نہیں
جانتی تھی۔
اور اگر علی تیمور کے چور خیالات پڑے جاتے یا اس پر تو بھئی
عمل کیا جاتا اور اس کی پیچلی زندگی کو کھرا جانا تو وہ اپنی پیچلی زندگی
میں جان کارلو ظاہر ہوتا۔ ہو سکتا ہے کہ عمل کرنے والے جان
کارلو تک یہی علی کا عتاب کر کے رہ جاتے اور یہ سمجھ نہ پاتے کہ
ایک پردے کے پیچھے دوسرا پردہ ہے تو دوسرے پردے کے پیچھے کوئی
تیسرا پردہ ہو گا جہاں سے علی ظاہر ہو گا۔

چنانچہ قدرت کو کیا منظور تھا کہ ہم علی تیمور تک نہیں پہنچ
پارہے تھے اور وہ جان لیوڑا اور رانما تک پہنچ گیا تھا اور دوسری صبح
جان کارلو (علی) تک بھی پہنچ سکتا تھا۔ لیکن علی کی حقیقت جان لینا
تقریباً نامکن ہو چکا تھا کیوں کہ ایک طرف بے مورگن اور الپا
باری باری رانما کے داغ میں رہنے کا فیصلہ کر چکے تھے اور دوسری فیصلہ
پاسکو روٹ اور فریزر کا تھا۔ نتیجہ ظاہر تھا کہ وہ سب ایک دوسرے
کے تو بھئی عمل کو ناکام بناتے رہے اور علی تیمور اپنی جگہ محفوظ
رہتا۔

علی تیمور یہ سمجھ نہیں پاتا تھا کہ رانما کافی پینے کے بعد کزوری
میں کیسے جلا ہو گئی تھی۔ اس نے اسے بید دم میں پھنسا دیا تھا۔ پھر
اس کے ساتھ رہتا چاہتا تھا لیکن وہ عثمانی چاہتی تھی۔ کسی ڈاکٹر کو
بھی بلاتا نہیں چاہتی تھی۔ اس لئے وہ اسے بید دم میں چھوڑ کر
دوسرے بید دم میں آ گیا تھا۔

وہ بے خبر تھا۔ اس کی لاعلمی میں خیال خوانی کرنے والے
رانما کے ساتھ کیا سلوک کر رہے تھے، وہ نہیں جانتا تھا لیکن یہ
جانتا تھا کہ اس کی دانف رانما ایک پراسرار عورت ہے۔ وہ اسے
محروم کر کے رکھتی ہے۔ اس نے تو بھئی عمل کے ذریعے اس کی
پیچلی زندگی بھلا دی ہے اور دعوے سے کہتی ہے ”ہماری پیچلی
زندگی کے بارے میں جاننے والا اب ہی دنیا میں کوئی نہیں ہے“
صرف میں ہوں۔“

علی نے دل میں کہا ”یہ عورت خدا کی دعویٰ کر رہی ہے کہ
میرے حلق کوئی کچھ نہیں جانتا ہے جب کہ خدا سب کچھ جانتا
ہے۔“

اس نے یہ سوچنے کے لئے آنکھیں بند کیں اور سانس روک
لی کہ خدا مجھے جانتا ہے اور جب وہ جانتا ہے تو مجھے میری پہچان
مفرد دیتا ہے گا۔ آج نہیں، کل بتائے گا اس کے بتانے کے انداز
زائے ہیں اور جب وہ عالم الغیب آگئی دیتا ہے تو دنیا حیران رہ جاتی
ہے۔ سمجھ نہیں پاتی کہ ایک پاگل ہوش مند کیسے ہو گیا اور ایک
محروم نفس طمسات کی تاریکیوں سے کیسے نکل آیا۔

یہ قدرتی کھائی رانما کی سمجھ میں بھی نہیں آئی۔ جب اس نے
آنکھیں کھلیں تو سانس روک کر علی تیمور کی طرف دیکھا۔ وہ بھی
کھڑا ہو گیا۔ وہ اسرا نیل آئے کے بعد یہ دیکھتا تھا کہ وہاں کے
فوجی افسران رانما کو بہت اہمیت دے رہے ہیں۔ وہ لوگ اسے علی

ہے؟
یہ خود علی تیمور نہیں جانتا تھا۔ اس نے خدا سے لو لگنے کے
لئے سانس روک لی۔ عہدہ ایڈی فشر نہیں، وہ جان کارلو نہیں
ہے۔ اس کی بنیاد علی ہے۔ اسے باا صاحب کے ادارے سے
روحانیت کا درس حاصل ہوا تھا۔ وہ روحانیت اس کی رگوں
میں لو کی طرح دوڑ رہی ہے۔ عالم الغیب کی طرف سے ملنے والی
آگہی پہلے مرحلے میں خود علی تیمور سمجھ نہیں پاتا تھا۔

یہ آگہی ایسی وقت حاصل ہوئی جب وہ رانما کے ساتھ جنوبی
امریکا کے شہر میں تھا۔ اس آگہی کا یہ اثر ہوا کہ اسے سانس
روک کر اللہ سے لو لگنے میں روحانی سکون ملا اور کچھ ایسا لگا جیسے
رانما کے محرم سے وقتی طور پر نجات مل گئی ہے۔

وہ بہت پہلے سے رانما پر شبہ کر رہا تھا۔ اپنی اور اس کی
حقیقت معلوم کرنا چاہتا تھا۔ جب اسے سانس روکنے اور خدا پر بھروسہ
... اعتماد کرنے سے وقتی طور پر نجات پانے کا احساس ہوا تو وہ ہر
رات عثمانی میں پکا کا عمل کرنے لگا اور عبادت کے طور پر دل ہی
دل میں کہنے لگا ”یا خدا! مجھے علم دے، جان لی کی پہچان دے۔ میرے
مجبور! جب تو میرے اندر رہتا ہے تو مجھے میرے اندر سے باہر
نکال۔ میں خود کو دیکھتا اور پکارتا چاہتا ہوں۔“

یہ علی تیمور کا معمول بن گیا تھا۔ وہ ہر رات عثمانی میں خدا کو
پکارتا تھا۔ اس رات جب رانما کے کزوری داغ میں بے مورگن،
الپا، دانیال، پاسکو روٹ، فریزر اور جان لیوڑا آتے جاتے رہے تھے
تو وہ اپنے بید دم میں آنکھیں بند کئے سانس روکے جیسے عبادت
میں مصروف تھا۔

ایسے ہی وقت اسے یہ خیال آیا ”رانما کزوری محسوس کر رہی
ہے۔ وہ اتنی کزوری ہے کہ خود بہتر تک چل کر نہ جا سکی۔ میں نے
اسے بہتر پھنسا دیا۔ ایسی حالت میں وہ خیال خوانی نہیں کر سکے
گی۔ میری نگرانی میں کر سکے گی۔ مجھے اس موقع سے فائدہ اٹھا کر
اپنی بہتری کے لئے کچھ کرنا چاہئے۔“

ذہانت کتنی تھی! بہتری اسی میں ہے کہ ایسی عورت سے دور
ہو جائے جو اسے اپنے زیر اثر رکھتی ہے۔“

یہ اندیشہ تھا کہ وہ دھاتی توانائی حاصل کرنے کے بعد پھر اس
کے داغ میں آئے گی اور اسے اپنے پاس آنے پر مجبور کر دے گی۔
علی نے سوچا ”خدا جانتا ہے کہ اسے دھاتی توانائی کب حاصل
ہوگی۔ جب تک حالات میرے موافق رہیں، مجھے اس سے نجات
حاصل کرنے کی کوشش کرنا چاہئے۔ جہاد کرنے سے ہی نجات کے
راستے ہیں۔ تھیں۔ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھنے والے آخر کار بیٹھ ہی رہ
جاتے ہیں۔“

وہ سانس روکے سوچ رہا تھا۔ پھر اس نے آہستہ آہستہ سانس
لی، داغ روشن ہوا تھا اور اندر حوصلے پکڑ رہے تھے۔ وہ اٹھ کر
کھڑا ہو گیا۔ وہ اسرا نیل آئے کے بعد یہ دیکھتا تھا کہ وہاں کے
فوجی افسران رانما کو بہت اہمیت دے رہے ہیں۔ وہ لوگ اسے علی

کے ساتھ ایک بیٹے میں لے گئے تھے پھر اس بیٹے کے چور راستے سے دوسرے شہر کی رہائش گاہ میں لے آئے تھے۔

اب وہ راتناما کے ساتھ جس رہائش گاہ میں تھا وہاں فوجی سپاہی اور ایک افسر تھا۔ افسر نے راتناما کے ساتھ ساتھ بیٹے کے چاروں طرف مسلح سپاہیوں کے قودھن جاسوسوں کو پتا چل جانے لگا کہ تھیں یہاں چھپا کر رکھا گیا ہے اس لئے بیٹے کے احاطے میں صرف تین خوشخوار رکھے رہیں گے۔ رات کو یہاں کوئی قدم نہیں رکھ سکے گا۔

علی نے اپنے بیٹے دوم کا دردناک کھولا دوازے پر مسلح سپاہی کھڑا ہوا تھا۔ اس نے پوچھا "کیا چاہتے ہو؟"

علی نے کہا "میرے کمرے کے لی دی میں کچھ گڑ بڑ ہے، پلیر اسے چیک کرو۔"

سپاہی کمرے میں آیا تو علی نے اسے دہانچ لیا۔ ایک گھونسا اس کے سر پر مارا اس کے ہاتھ پاؤں ڈھیلے پڑ گئے۔ فرش پر گر کر بے ہوش ہو گیا۔ علی تیمور نے حیرانی سے اپنے گھونے کو دیکھا۔ اسے یاد نہیں تھا کہ وہ انور دوی کے اسے نوازا ہوا ہے۔

وہ اپنے بیٹے دوم سے باہر آیا دوازہ قافلے پر راتناما کے بیٹے دوم کے دوازے پر دوسرا مسلح سپاہی تھا۔ اس نے علی کو گن پر پائنت پر رکھ کر پوچھا "کون سا دوازہ دوازے کا سپاہی کمرے کے اندر کیوں گیا تھا؟ وہ وہاں کیا کر رہا ہے؟"

"میرے لی دی میں کچھ خرابی ہو گئی ہے۔ وہ ٹھیک کر رہا ہے۔ ایک چھوٹا بچہ کس باغک رہا ہے کیا تمہارے پاس ہے؟"

وہ بولے ہوئے قریب آیا تھا۔ اس نے اچانک گن پر ایک ٹھوکہ لگایا۔ پھر گھوم کر دوسری لگ منبر جمادی وہ بیچھے دیوار سے ٹکرایا۔ علی نے ایک ہاتھ سے گردن دہانچ لی "وہ تھوڑی دیر تک آزادی کے لئے جدوجہد کرتا رہا۔ پھر ٹھنڈا پڑ گیا۔ علی نے اسے فرش پر چھوڑ دیا۔ اس کی گن اٹھالی وہاں سے دے دے دمیں چلا ہوا ڈرائنگ دوم میں آیا وہاں افسر بیٹھا شراب لی رہا تھا۔ اس نے سر کھٹا کر پوچھا "کون ہے؟"

پھر علی تیمور کے ہاتھ میں گن دیکھ کر چونک گیا۔ نشے میں تھا مگر موت کو سمجھ سکتا تھا۔ اس کا اپنا دیوالیور سینٹر نیبل پر شراب کی بوتل کے پاس رکھا ہوا تھا۔ اسے اٹھانے کی مصلحت نہیں مل سکتی تھی۔ اس نے کہا "سز فٹا کیا حیات کر رہے ہو؟ ہمیں نقصان پہنچا کر بیٹے کے باہر جاسکے لیکن اس شرار اور اس ملک سے باہر کیسے نکلے گا۔ اسرائیلی اٹھلی ہنس اور پولیس بہت ہوشیار ہے۔ عمل سے کام لیا اور اپنے کمرے میں جا کر آرام کرو۔"

وہ سینٹر نیبل کے پاس آیا۔ گن چھپکے کر اس نے دیوالیور اٹھایا۔ پھر شراب کی بوتل افسر کی طرف بھجواتے ہوئے بولا "اسے چند سیکنڈ میں لی جاؤ اور خالی کر دو۔ انکا کمرے کو گولی مار دوں گا۔"

افسر نے بوتل پر پھر دیوالیور کو دیکھا کچھ کتنا چاہتا تھا علی نے

دیوالیور کی بال اس کی کپٹی سے لگادی وہ بوتل کو حل کر اپنے منہ سے لگا کر غصہ لگے۔ پھر سانس لینے کے لئے رکاوٹوں نے فرنگ پر اٹھ کر ایک بار بار ڈالا۔ وہ سہم کر پھر بیٹے لگا۔ ایک منٹ کے اندر ہی علی نے اس سے بوتل خالی کرادی۔ خاص طور پر اس کے اندر ایک بھری تھی وہ پکڑا کر صوفے پر گر کر اچھر وہاں سے لڑھکا ہوا فرش پر آکر چاروں شانے جت ہو گیا۔

اس نے تین سپرداوں کو بے کار کر دیا تھا۔ اب تین کتے وہ گئے تھے وہ تیزی سے چلا ہوا بیٹے دوم میں آیا وہاں سے ایک تکیہ اٹھایا پھر پڑے میں آکر دیکھا۔ دو خوشخوار کتے ٹھل رہے تھے۔ اسے دیکھ کر غزائے لگے۔ اس نے دیوالیور کو کھینچنے سے روک کر فائر کیا۔ ایک فائر پھر دوسرا فائر۔ دونوں کتے جو اس پر پھینکے کو آ رہے تھے ان کی گھاس پر گر کر کچھ دیر تپتے رہے پھر ہمیشہ کے لئے ساکت ہو گئے۔

کھینچنے سے سائینٹر کا کام کیا تھا۔ فائرنگ کی آواز برائے نام ابھری تھی۔ اس نے بیٹے کے اندر آکر مختلف کوریڈور اور کمرے سے گزر کر پچھلے حصے کا دردناک کھولا۔ بیٹے کے پچھلے احاطے میں ایک کتا بھونک رہا تھا۔ تیسری گولی نے اس کی آواز بھی ہمیشہ کے لئے ختم کر دی۔

اب راستہ صاف تھا۔ کوئی اسے روکنے والا نہیں تھا۔ وہ اس رہائش گاہ سے نکل کر کسی بھی جا سکتا تھا لیکن کوئی بات ٹھک رہی تھی۔ وہ سوچتا ہوا اپنے بیٹے دوم میں واپس آیا۔ پھر ٹھکنے والی بات سمجھ میں آئی۔ وہ ہاتھ دوم میں آیا وہاں اس کے آگے ہوئے کپڑے ایک طرف رکھے تھے۔ یودی جاسوس کتوں کو وہ کپڑے کو سمجھا کر وہاں پہنچ جاتے جہاں بھی وہ چپا ہوتا۔ وہ تمام کپڑے لے کر بکس میں آیا پھر کیس کے چولے میں اس سب کو بٹا کر رکھ کر دیا۔

وہ بظاہر ایک سیدھا سادا سا محرزہ رہنے والا ایڈی فشر تھا لیکن لاشعور میں جو ذہانت اور غیر معمولی صلاحیتیں چھپی ہوئی تھیں وہ بے اختیار اس کے عمل کے دوران ظاہر ہوتی تھیں اور ایسا اس لئے تھا کہ علی نے اس کی شخصیت تبدیل کرتے وقت اس کی تمام خوبیوں اور صلاحیتوں کو بھال رکھا تھا۔ اس نے رہائش گاہ کو چھوڑنے سے پہلے دیوالیور کو ایک طرف چھپکے دیا۔ یہ بھی اس کی خاندانی عادت کا ایک حصہ تھا۔ میں "مونیا" اس "اور علی تیمور بھی اپنے پاس بھتیار نہیں رکھتے تھے۔ ضرورت کے وقت دشمنوں کے ہی بھتیار استعمال کرتے تھے پھر انہیں بیک وقت دیتے تھے۔

اس وقت رات کے دس بجے تھے۔ یودی خیال خرابی کرنے والے بے مورد گن اور الپا زیادہ اہمیت راتناما کو دے رہے تھے۔ گولڈن برنیز نے کہا تھا "راتناما کے چور خیالات پڑھنے سے ایڈی فشر کے حوصلے میں بہت کچھ معلوم ہو جائے گا۔"

پھر یہ یقین تھا کہ ایک افسر اور دو سپاہی مسلح ہیں اور احاطے میں تین خوشخوار کتے ہیں۔ سوتہ کو بیٹے کے اندر جا سکتا تھا وہاں

سے باہر نکل سکتا تھا اور وہ یہ بھی جانتے تھے کہ ایڈی فشر کو راتناما نے اپنے زہر اثر رکھا ہے۔ وہ خوشی عمل کی صلاحیتوں کو زہر اثر رکھا تھا جو چھوڑ کر نہیں جائے گا۔

اس نے سوچ لیا تھا کہ پناہ لینے کے لئے بیت المقدس جائے گا۔ وہ مقام یودیوں، عیسائیوں اور مسلمانوں کے لئے یکساں مقدس تھا۔ وہاں پہنچ کر وہ خدا سے پوچھتا چاہتا تھا "تین کون ہوں؟ یودی؟ عیسائی؟ یا مسلمان؟"

وہ رہائش گاہ سے نکل کر ایک شاہراہ پر پہنچ گیا۔ بے شمار گاڑیاں آتی جاتی دکھائی دے رہی تھیں۔ رستوران اور تفریح گاہوں میں اچھی خاصی رونق تھی۔ سڑکوں کے سائین بورڈز سے پتا چلا کہ وہ شہر نے تانیا ہے۔ یہ شہر شری ایب اور حیفہ کے درمیان مغربی ساحل پر تھا۔

اب نے تانیا سے بیت المقدس جانے کا مسئلہ تھا۔ چاہے نہیں تین کس وقت وہاں سے روانہ ہوتی تھی۔ بس اور کیسی کے ذریعے بھی وہ جا سکتا تھا لیکن بس ایسی کاناں ہیں یہ معلوم نہیں تھا۔ وہ سوچتا ہوا ایک بار کے سامنے آیا وہاں بڑے امیر کیر لوگ ہوش میں اندر جا رہے تھے اور دھو ش ہو کر باہر آ رہے تھے۔ انہیں دیکھ کر یہ تدبیر سوچیں کہ کسی مدھوش سے دوستی کر کے یا اسے آگاہ کر اس کی گاڑی استعمال کی جا سکتی ہے اس گاڑی میں وہ یہ دھوکہ تک کا سز کر سکتا ہے۔

وہ بار کے اندر آیا وہاں یاد آیا کہ اس کے پاس ایک ڈالر ایک پونڈ یا ایک بھی اسرائیلی شقال نہیں ہے۔ وہ خالی جب چلا آیا ہے۔ جب سے وہ راتناما کے ساتھ رہتا چلا آ رہا تھا اسے کبھی رقم کی ضرورت نہیں پڑی تھی۔ وہ ٹیلی فنی کے ذریعے کسی بھی ملک کی کرنسی حاصل کر سکتا تھا۔ بہت دنوں بعد علی کو پتا چلا کہ آج اسے اپنی حکمت عملی کے ذریعے رقم حاصل کرنی ہوگی۔

وہ در تک نظریں دوڑانے لگا۔ کچھ لوگ کاؤنٹر کے ساتھ گئے بیٹھے تھے اور لی رہے تھے۔ حال میں میزوں کے اطراف بیٹے والوں اور پلانے والوں کا میلہ سا لگا تھا۔ صرف ایک شخص میز پر تھا نظر آیا۔ اس کے پاس کوئی حینہ ساقی بن کر نہیں جا رہی تھی۔ جب کہ وہ اپنے لباس سے اور انگلیوں میں پٹنی ہوئی ہیرے کی انگوٹھیں سے مالدار اماسی لگ رہا تھا۔

علی تیمور آہستہ آہستہ چلا ہوا اس کے سامنے آیا "پھر بولا "کیا میں یہاں بیٹھ سکتا ہوں؟"

آگے کی حد تک نشے میں تھا۔ اس نے نشے میں ڈوبی ہوئی نہیں سے اسے دیکھا پھر کہا "یہ راتناما ہے۔ میز میرے باپ کی جاگیر ہے۔ یہاں کوئی بھی جاگ نہیں سکتا ہے۔"

علی تیمور بیٹھ گیا۔ اس شخص نے کہا "اب تم پوچھو گے کیا اس بوتل سے تھوڑی سی پکٹ ہو تو میرا جواب ہوگا یہ بوتل کسی کے باپ کی نہیں ہے۔ اسے میں نے خریدا ہے۔"

"میں شراب نہیں پیتا ہوں۔"

"آں؟" اس شخص نے علی تیمور کو حیرانی سے دیکھا پھر بیٹے ہوئے پوچھا "بیٹے نہیں ہو تو یہاں کیا سونگھتے آئے ہو؟"

"میں باہر ہٹ ہاتھ پر کھڑا اس شیشے سے جھانک رہا کہ تماشہ دیکھ رہا تھا۔ میں بیٹے والوں پر ایک کمانی لکھتا ہوتا ہوں۔ یہاں ہر میز پر بیٹے والوں کے ساتھ پلانے والی حینہ ساقی ہیں لیکن تمہارے ساتھ کوئی نہیں ہے۔ یہ حیرانی کی بات ہے اور میں حیرانی دور کرنے آیا ہوں۔"

وہ دو گھونٹ لی کر بولا "میں کیا جواب دوں؟ تم بیٹے نہیں ہو اور میرا جواب نشے کی حالت میں سمجھ میں آتا ہے۔ بس اتنا سمجھ لو کہ میں کسی حینہ کو کھٹ نہیں دیتا ہوں۔ میں نے بار کے مالک سے کہہ دیا ہے کہ ہر ایک کوئی لڑکی میری میز پر نہیں آئے گی۔"

"کیوں نہیں آئے گی؟"

"نشہ بہت اچھا ہوتا ہے اور بہت برا بھی ہوتا ہے۔ اچھا اس لئے ہوتا ہے کہ آدمی فکر اور پریشانی سے نجات حاصل کر لیتا ہے۔ برا اس لئے ہوتا ہے کہ مدھوشی میں اپنی خبر نہیں ہوتی اور کوئی بھی نازک اندام حینہ لوٹ کر چلی جاتی ہے۔"

"جب تمہارے پاس کوئی آتی نہیں ہے تو کیسے لوٹ کر چلی جاتی ہے؟"

"میں تم سمجھ نہیں پاؤں کیونکہ تم بیٹے نہیں ہو۔"

"میں کچھ لوں گا۔ تم بولو تو سہی۔"

وہ بولا "آؤ یہ ایک درد بھری داستان ہے۔ تم کمانی لکھتا چاہتے ہو اس لئے جسٹس شاہراہوں۔ میں اپنی بیوی سے بہت محبت کرتا تھا اور اس سے شادی کرنا چاہتا تھا۔"

"تم بیوی سے محبت کرتے تھے اور اس سے شادی کرنا چاہتے تھے۔ بیوی سے کیا بار بار شادی ہوتی ہے؟"

"بہتی سمجھا کر۔ جب میں شادی کرنا چاہتا تھا تب وہ میری بیوی نہیں تھی۔"

علی تیمور نے سر ہلا کر کہا "چھا، سمجھ گیا۔"

وہ پھر دو چار گھونٹ پینے کے بعد بولا "اور جب وہ میری بیوی بن گئی تو میں اس سے شادی نہ کر سکا۔"

"یہ شرابی فلسفہ ہے کیا؟ اس کا مطلب کیا ہوا؟"

"بہتی سمجھا کر۔ شادی کا مطلب ہے خوشی۔ میں اسے بیوی بنانے کے بعد اس کے ساتھ کوئی خوشی نہ مناسکا۔ وہ بلڈ پریشر کی مرہض تھی۔ دو بار ہارٹ انجک ہو چکا تھا۔ جب وہ سہاگ کی بیج پر پہنچی تو خوشی کے مارے دوران خون بڑھ گیا۔ تیسرا ہارٹ انجک ہوا اور وہ پھولوں کی بیج پر مر گئی۔"

اتنا کہہ کر وہ بولے لگا۔ علی تیمور نے پریشان ہو کر کہا۔ "کیا کار رہے ہو؟ یہاں تماشہ بن جاؤ گے۔"

ایک ویٹر آگے کیس کا پتلا لاکر رکھ رہا تھا۔ اس نے کہا "صاحب! آپ پریشان نہ ہوں۔ یہاں سب جانتے ہیں کہ مسٹر نوڑ کو چوتھے طبقے سے اپنی بیوی یاد آئے گئی ہے۔"

ڈیڑ چلا گیا۔ علی نے کہا "مسٹر یوزا مرنے والی کی یاد دل سے نہیں جانے کی لگیں روئے سے وہ واپس نہیں آئے گی۔"
وہ روئے ہوئے یوزا "اسی بات کا تو تھا ہے کہ وہ مرنے کے بعد بھی واپس آتی ہے۔"
"کیا؟" علی نے شدید حیرانی سے آنکھیں پھاڑ کر پوچھا "وہ واپس آتی ہے؟"

"ہاں" آتی ہے جاتی ہے، پھر آجاتی ہے۔"
"اس کا مطلب ہے وہ مری نہیں تھی۔ ابھی زندہ ہے۔"
"وہ مر چکی ہے۔ اس کے ثبوت کا میری آنکھوں کے سامنے قبر میں اتار دیا گیا تھا۔ مرنے والی کے ماں باپ اور رشتے دار بھی اس کی موت کی تصدیق کریں گے۔"
اس نے بیٹے کے جام کو ہونٹوں سے لگا کر خالی کیا پھر بوتل کھول کر پانی پیا۔ بیگ بنانے لگا۔ علی تیسرے کہا "تم قبل بیگ بناتے ہو۔ اس حساب سے یہ تمہارا دوسرا بیگ ہے۔ بس کو تم نے بت نہ پائی ہے۔" نہیں کچھ تو ہوش میں رہنا چاہئے۔"
"میں دوش میں ہوں اور تمہیں اپنی جگہ دردناک کہانی سنا رہا ہوں۔ میں غایت کردوں گا کہ وہ مر چکی ہے اور یہ بھی ثابت کردوں گا کہ وہ مجھ سے ملتی ہے۔ ابھی تم میرے ساتھ چلو میں تمہیں اس سے ملواؤں گا۔ پھر تمہیں یقین آئے گا کہ وہ مجھ سے کچھ عبت کرتی ہے۔ قبر سے نکل کر میرے پاس چلی آتی ہے۔"
"میں تمہاری دانف سے ضرور ملوں گا۔ اس سے کب ملاؤں گے؟"

میں نے کہا "ابھی ملاؤں گا۔ ذرا مہر کرو۔"
وہ غناخت پنے لگا۔ ایک سی سانس میں جام خالی ہو گیا۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھا۔ پھر لڑکھائی۔ میز کا سارا لے کر جھٹکتے ہوئے یوزا "میں نشے میں نہیں ہوں۔ اگر تم نے زیادہ پانی پی ہے تو آؤ مجھے تمہام لو۔ میں تمہیں سنبھال کر لے چلوں گا۔"
علی تیسرے اسے تمام لیا۔ پھر سارا دے کر بارے باہر جانے لگا۔ وہ بیڑا رہا تھا۔ "دراصل اس سے ملنے کی خوشی برداشت نہیں ہوتی۔ ابھی وہ ملے گی یہ سوچ کر مجھے نشہ آجاتا ہے۔ ورنہ میں نشے میں نہیں ہوں۔"

وہ دونوں بارے باہر آئے۔ یوزا نے ایک سفید کار کے پاس آکر کہا "تم بچپن سیٹ پر بیٹھو۔ میں اگلی سیٹ اپنی دانف کے لئے خالی رکھتا ہوں۔"
"کیونکہ وہ کہاں ہے؟"

"ذرا مہر کرو۔ اور آرام سے بیٹھو۔"
وہ بچپن سیٹ پر بیٹھ گیا۔ اسے بروٹم تک جانے کے لئے ایک گاڑی کی ضرورت تھی اور وہ گاڑی اسے ملنے والی تھی۔ اس گاڑی کو غلط میں حاصل کرنا مناسب نہیں تھا۔ پتا نہیں وہ مرنے والی کب اور کہاں اگلی سیٹ پر آکر بیٹھ جاتی۔
یوزا نے ذرا سوچ کر بیگ میں بیٹھ کر گاڑی کو اشارت کیا۔ علی نے

پوچھا "تم اس حالت میں گاڑی چلاؤ گے؟"
وہ کار آگے بڑھاتے ہوئے یوزا "میں ہر رات اسی حالت میں ذرا سوچ کر کرتا ہوں۔"
"معلوم ہوتا ہے تمہاری بیوی قبر سے نہیں آئے گی تم مجھے ذرا سوچ کر کے ذریعے قبر میں لے جاؤ گے کیا تمہیں گھر کا راستہ یاد ہے؟"

"یاد ہے۔ میں قتل ایب میں رہتا ہوں اور پینے کے لئے نے تانیا شہر آتا ہوں کیونکہ وہ نے تانیا اور قتل ایب کے درمیان کثیر نظر آتی ہے پھر میری کار میں آکر بیٹھ جاتی ہے۔"
علی تیسرے دونوں ہاتھوں سے اپنے سر کو تھام کر کہا "ایہ لگتا ہے جیسے مجھے نشہ ہو گیا ہے۔ میرا سر تیز رہا ہے۔"
یوزا نے کہا "تمہیں زیادہ نہیں پینا چاہئے تھا۔ ہر حال میں تمہیں سنبھال کر لے جاؤں گا تم کہاں رہتے ہو؟"

یوزا نے ہنستے ہوئے کہا "بہت چڑھ گئی ہے اپنا گھر بھی بھولا گئے ہو۔"
وہ اپنا کب سنجیدہ ہو گیا۔ کار کی رفتار سست کرتے ہوئے یوزا "دیکھو وہ پتلی ہے۔ سامنے دیکھو۔"
یوزا نے بیٹل لائسنس کی روشنی میں دور سڑک پر وہ کھڑی ہوئی تھی۔ اس نے سفید یکسی پتلی ہوئی تھی اور وہ سفید یکسی یوں لگ رہی تھی جیسے وہ کفن سیت قبر سے اٹھ کر آئی ہو۔

یوزا نے قریب پہنچ کر گاڑی روک دی۔ پھر اگلی سیٹ دردناک کھول دیا۔ وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی آئی۔ پھر کار میں آکر بیٹھنے بیٹھنے رک گئی۔ علی تیسرے کچھل سیٹ پر دیکھ کر یوزا "یہ کون ہے؟" یوزا نے کہا "ایک بے چارہ ہے" اتنی پانی ہے کہ اپنا گھر بھولا گیا ہے۔ ذرا لگ گیا تھا کیا تمہیں اعتراض ہے؟"
وہ یوزا "بے شک! اعتراض ہوتا چاہئے۔ میاں بیوی کے درمیان کسی تیسرے کا کیا کام؟"

"میری جان! ہم اسے بچپن سیٹ پر چھوڑ دیں گے یہ قمار رات یہاں سوتا رہے گا اور ہم اپنے بیڈ روم میں رہیں گے۔"
"ذرا لائٹ آن کرو میں اسے دیکھنا چاہتی ہوں۔"
یوزا نے کار کی اندرونی لائٹ آن کی۔ روشنی ہوتے ہی آئے وہاں علی تیسرے کو دیکھ کر چونک گئی۔ علی مدہوش بنا ہوا تھا وہ اودھ کھلی آنکھوں سے ایسے دیکھ رہا تھا جیسے نشے کی زیادتی سے پورا طرح آنکھیں نہیں کھول رہا ہو۔

وہ اگلی سیٹ پر بیٹھتی ہوئی یوزا "کیا تمہارا ساتھی مجھ سے بات کر سکتا ہے؟"
یوزا نے کار آگے بڑھاتے ہوئے کہا "کمال ہے" اتنی دیر تک ہم بیٹے رہے تھیں نے اس کا نام نہیں پوچھا۔ کیوں مسٹر اٹھار نام کیا ہے؟"
علی تیسرے نشے میں بیڑا لے لگا "نام صرف گاڑ کا ہوتا ہے"

ہمارا اتھار نام ہوتا ہے گرمت جاتا ہے۔"
"تم جھوٹ بولتے ہو" میری زومیل کا نام نہیں مٹ سکتا۔ دیکھو یہ اپنے نام کے ساتھ قبر سے اٹھ کر میری محبت میں آئی ہے۔"
علی نے کہا "آہ! آج آنکھوں سے دیکھ کر یقین ہو گیا کہ بیویاں مرنے کے بعد بھی جیسا نہیں جھوڑتی ہیں۔"

وہ یوزا "کواس مت کرو۔ میں اپنے یوزا کو پرانی عورتوں سے جانتی ہوں۔ یہ بارش پیتے وقت اسی لئے کسی حینہ کو لفت نہیں دیتا کہ پینے کے بعد میں اس کے پاس آتی ہوں۔"
یوزا نے کہا "ذرا لگ! تم ہر رات آتی ہو۔ مجھے بیڈ روم میں لے جا کر سلاتا ہو لیکن خود میرے ساتھ نہیں سوتی ہو۔ صبح اٹھ کر دیکھتا ہوں تو غائب ہو جاتی ہو۔ آخر مجھے شادی والی خوشی کب ملے گی؟ میری زندگی میں کب ساگ رات آئے گی؟"
وہ یوزا لگا۔ دو میلانے کہا "تم جذباتی ہو رہے ہو۔ گاڑی روکو۔ ورنہ اسے کہیں ٹکرا دو گے۔"

"میں اسے ٹکرا کر مراؤں گا" تمہاری قبر کا پردہ بن جاؤں گا۔"
"میں کہتی ہوں آنسو پونچھو۔ ورنہ غائب ہو جاؤں گی۔"

وہ آنسو پونچھنے لگا۔ علی سوچ رہا تھا۔ آخر یہ دونوں کیا چیز ہیں؟ جب یوزا کے دماغ پر شراب چڑھ جاتی ہے تب یہ حینہ بیوی بن کر آتی ہے۔ فراز ہے اسے دھوکا دیتی ہے۔ ظاہر ہے ایک امیر کبیر

محض کو لوٹنے کے لئے دھوکا دیتی رہتی ہے۔
نشے میں انسان کی عجیب حالت ہوتی ہے۔ وہ مدہوش ہو جاتا ہے۔ کچھ سوچنے سمجھنے کے قابل نہیں رہتا لیکن کارڈرائیو کرتے وقت وہ غیر شعوری طور پر محتاط رہتا ہے۔ شاید اس لئے کہ وہ اندر ہی اندر موت سے ڈرتا ہے۔ کوئی حادثہ نہیں چاہتا۔ مرنا نہیں چاہتا۔ یوزا نے اگرچہ تیز رفتاری سے کار چلائی مگر سلاستی سے فل ایب کے بچنے میں پہنچ گیا۔ پورج میں کار روک کر یوزا "میرے احباب دوست! تم اسی کار میں رات گزارو۔ میں اپنی دو میلانے ساتھ۔"

دو میلانے بات کاٹ کر کہا "میں یوزا یہ تمہارا اسمان ہے۔ اسے بھی اندر لے چلو۔ یہ دوسرے بیڈ روم میں پڑا رہے گا۔"
یوزا نے کار سے نکل کر لڑکھائی ہوئے بچپن سیٹ کا دروازہ کھولا۔ علی بھی ڈنگا ہوا باہر آیا۔ پھر دونوں ایک دوسرے کو سارا دیتے ہوئے ڈنگا گئے ہوئے بچکے کے اندر آئے۔ دو میلانے کے پیچھے تھی۔ وہ ایک بیڈ روم کے پاس پہنچ کر یوزا "سمان کو اس کمرے میں جانے دو۔"

یوزا علی کو دہاں چھوڑ کر دو میلانے کا سارا لے کر اپنے بیڈ روم میں جانے لگا۔ علی نے کمرے میں آکر دروازے کو بند کیا۔ پھر وہاں کھڑا رہا۔ اسے یاد آ رہا تھا جب دو میلانے پہلی بار کار کے اندر روشنی میں اسے دیکھا تھا تو ایسے چونک گئی تھی جیسے اسے ایڈیٹر

کتابیات پبلی کیشنز

اشنانا اشنانا

قیمت: ۲۵ روپے

ڈاک فرج: ۱۰ روپے

قیمت: ۲۵ روپے

ڈاک فرج: ۱۰ روپے

اشنانا اشنانا کی دوسری کتابیں شائع ہو چکی ہیں

اشنانا اشنانا کی دیگر تصانیف بھی ہم سے مل سکتی ہیں

○ دارگ کا بدن = ۲۵ روپے

○ کشمیر کی گلی = ۲۵ روپے

○ شہزادی کا نیلام = ۲۵ روپے

○ داستان عور = ۲۵ روپے

○ بالا خانے کی دہلیں = ۲۵ روپے

○ ڈاک فرج کی کتاب = ۲۵ روپے

ملنے کا پتہ

کتابیات پبلی کیشنز

کی حیثیت سے پہچانتی ہو۔

یہ بات اسے کلک رہی تھی۔ پھر وہ دھپلا کا فراڈ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ وہ بونزی کی بیوی بن کر کہاں کس لئے آتی ہے؟

وہ دوا نہ کھول کر باہر آیا۔ پھر دے پھر دے توں ہوا وہ دوسرے بیڑہ دم کی کھڑکی کے پاس آیا۔ دھپلا بیٹھے کے جام میں ایک بیگ بناتا ہوئے بونز سے کہہ رہی تھی۔ ”اب اس کے بعد بیٹھے کو نہ مانگا۔ تم زیادہ پیو پھر شکایت کرتے ہو کہ میں تمہیں چھوڑ کر چلی جاتی ہوں۔“

اس نے شراب کا جام بونز کو دیا پھر کہا ”تم پیو رہو۔ میں تمہارے سہمان کو دیکھ کر آتی ہوں۔ شاید اسے کسی چیز کی ضرورت ہو۔“

علی تقریباً دوڑتا ہوا دوسرے بیڑہ دم میں آیا۔ ہاتھ دم میں بچھ کر اس نے شاد کو کھول دیا۔ پھر ہاتھ دم کا دوا نہ بند کرتے ہوئے کمرے میں آیا۔ وہاں بھی اس نے ایک کھڑکی کے سامنے بیٹھا۔ دوڑتے ہوئے کمرے سے باہر آیا۔ کوریڈور میں آکر ایک قہری زینے کے پیچھے چھپ گیا۔ اس نے وہی تیزی دکھائی تھی۔ اگر ذرا بھی دیر ہوتی تو اس سے سامنا ہو جاتا۔

زینے کے پیچھے آتے ہی اس نے دیکھا ”دھپلا اس کے بیڑہ دم کا دوا نہ کھول کر جھانک رہی تھی پھر وہ اندر گئی۔ علی اسے بہتر پر نظر نہیں آیا۔ ہاتھ دم کے دوا نہ کے پاس آکر شاد سے بات کرنے کی آواز سننے لگی۔ یہ بات سمجھ میں آئی کہ وہ شکم کرنے کے لئے حمل کر رہا ہے۔

دھپلا نے ہاتھ دم کے دوا نہ کو باہر سے بند کر دیا۔ پھر کمرے کے باہر آکر اس دوا نہ کے چٹنی بھی باہر سے لگا دی۔ اپنی دانت میں اس نے علی کو ہاتھ دم میں بیڑہ دم میں قید کر دیا اسے یہ یقین ہو گیا کہ قیدی سہمان باہر نہیں نکل سکے گا۔ وہ اطمینان سے چلتی ہوئی بونز کے پاس آئی۔ وہ آخری جگہ حلق سے اٹارنے کے بعد بستر چاروں شانے جت ہو گیا تھا۔ نشہ پوری طرح غالب آیا تھا۔ وہ بڑبڑا رہا تھا۔ اس کی آواز ذوقی جاری تھی۔ دھپلا نے اس پر ایک نظر ڈالی پھر ٹیلیفون کے پاس ٹکر رہی اور اٹھایا اور نمبروں کے نشن دبانے لگی۔

رابطہ قائم ہو گیا تو وہ بولی ”ہیلو میں ہوں انجیلہ آفسر آن اسٹیشن ڈیوٹی چیف سے بات کرو۔“

چند سیکنڈ کے بعد چیف کی آواز سنائی دی۔ ”ہیلو انجیلہ؟“

وہ بولی ”ہیلو چیف، کیا رانا کے ساتھ آنے والے ایڈیٹر فشر کو آزاد چھوڑ دیا گیا ہے؟“

”ہرگز نہیں۔ تم جانتی ہو رانا اور فشر کو نے تانیا کے ایک بیٹلے میں نظر بند رکھا گیا ہے۔“

”لیکن وہ میرے بھائی بونز کے بیٹلے میں ہے۔“

کے احاطے میں تین خورخوار تھے ہیں پھر وہ باہر کیسے نکل سکتا ہے؟“

”میں نہیں جانتی“ وہ کیسے نکل گیا لیکن میں نے اسے ہاتھ دے اور بیڑہ دم میں قید کر دیا ہے۔ آپ فوراً اگر اسے حراست میں لیں۔“

اس نے تھوڑی دیر تک دوسری طرف کی باتیں سنیں پھر رہیور رکھ کر پلٹ گئی۔ اس کے ساتھ ہی اس کی چٹ نکل گئی۔ دوا نہ پر علی تیسرے کھڑا ہوا تھا۔ وہ پریشان ہو کر بولی ”تم باہر کیسے آئے؟“

وہ اس کی طرف بڑھتے ہوئے بولا ”میں ایک بیٹلے کی طرح ہوئی۔ جب تک اپنی اصلیت کو نہیں پائیں گا کوئی بیٹلے نہیں کر سکے گا۔“

پھر وہ قریب آکر بولا ”یہ بونز تمہارا بھائی ہے۔ پھر تم اسے دھوکا دینے سے روکو؟“

”میرا بھائی ایک بے کی طرح معصوم ہے۔ ہم نہیں چاہتے یہ حسین عورتوں کے قریب میں آئے۔ میں اپنی بہن سے بڑی، تک مشابہ ہوں۔ یہ نئے میں نے اپنی بیوی دھپلا جھانک رہی ہوش میں رہے تو مجھ سے متاثر نہیں ہوتا۔ میں جانتی ہوں یہ اسے شادی کرے لیکن میری بہن مرنے کے بعد بھی اس کے حوا پر چھاتی ہوئی ہے۔ یہ وہ شہنشاہی میں کسی سے شادی نہیں کرے گا۔ البتہ نئے میں بھانجے۔ اس لئے میں دھپلا بن کر اسے بچاتی ہوں۔“

”تم اپنے بھائی کی بھتیجی جانتی ہو۔ تم دل کی انجی ہو۔“

میرے لئے یہی کہیں ہو؟ کیوں مجھے کرنا کرنا جانتی ہو؟“

”میں ایسا نہیں کروں گی تب بھی تم اس ملک میں کیسے چھ کر نہیں رہ سکو گے۔ یہاں کی پولیس“ اٹھلی جنس اور فوج سے کہ نہیں بچ سکتا۔“

”لیکن میرا جرم کیا ہے؟“

”جرم تو میں نہیں جانتی اتنا جانتی ہوں کہ ایک نئی چیز جاننے والی کے ساتھ آئے ہو۔ اس لئے ہم نہیں چاہیں گے کہ کسی دشمن خیال خزانہ کرنے والے کے ہاتھ لگ جاؤ اور وہ تمہارے ذریعے رانا تک پہنچ جائے۔“

”میں رانا کے ساتھ نہیں رہوں گا۔ جب تک بھاگتا ہوں اور جہاں تک بھاگ سکتا ہوں“ اس سے دور بھاگتا رہا گا۔“

”میں اتنی بات ہے؟ رانا کے ساتھ رہنا نہیں چاہتے پہلے بتایا ہو۔ تمہاری بہن اٹھلی کا الگ انتظام کر سکتے ہیں۔“

”سوری میں آسمان سے گزر کر سمجھ رہی ہوں اٹھلی نہیں چاہتا۔ وہ جانے کے لئے پلٹ گیا۔ انجیلہ نے بڑی پھرتی سے اٹھ کر کی ایک اور کھولا۔ اس میں سے ایک رونا رونا ٹکڑے کے ہاتھ ڈالا۔ علی نے پلٹ کر دوا نہ کو ایک لات ماری۔ وہ بچا ہوا دوا نہ کے بند ہونے سے اس کا ہاتھ اندر بچھ گیا تھا۔ علی نے

سے پاؤں نہیں ہٹایا تھا۔ وہ تکلف کی شدت سے بلبل رہی تھی۔ دوسرے ہاتھ سے اسے بھی کھولنے کی کوشش کر رہی تھی۔ بھی علی کے پاؤں پر کرائے کے ہاتھ ماری تھی۔ اسے ایسے لگ رہا تھا جیسے فلاں پر ہاتھ ماری ہو۔

جب وہ بڑھ چلا ہو کر گرنے لگی تو علی نے دروازے پر سے پاؤں ہٹایا۔ اس میں سے رونا رونا نکال کر جھیر کر خالی کیا۔ تمام گویاں درجہ چپک کر اسے رونا رونا دیتے ہوئے بولا ”جاؤ اپنی بھرتی آؤ۔“ گویاں جن کرائے کوڑا کوڑا دے دیتے تھے۔

وہ اس کے ہاتھ پر رونا رونا رکھ کر جانے لگا۔ اس کا ایک ہاتھ دروازے کے اندر نہ کر رہی طرح ڈھکی ہو گیا تھا۔ دوسرے ہاتھ سے فلاں پر کرائے کے ہاتھ مارنے کا نتیجہ بھی برا نکلا تھا۔ وقتی طور پر دونوں ہاتھ بیکار ہو گئے تھے۔

دو تیزی سے چلا ہوا باہر آیا۔ باہر پولیس کی دو گاڑیاں نظر آئیں۔ وہ گاڑیاں احاطے کے اندر آ رہی تھیں۔ علی تیسرے دوڑتا ہوا احاطے کی دیوار کی طرف گیا۔ پولیس افسر نے بلند آواز سے کہا۔ ”وہ ایڈیٹر فشر جا رہا ہے۔ اسے روکو۔“

ایک گاڑی ریورس گیس میں احاطے کے باہر گئی۔ دوسری گاڑی سے سپاہی نکل کر علی کی طرف دوڑنے لگے۔ وہ بھول کر احاطے کی دیوار پر آیا پھر دوسری طرف کو سرک پر بھاگنے لگا۔

احاطے کے باہر آنے والی پولیس گاڑی گیس پیل کر آگے بڑھی۔ وہ بھی آگے آگے دوڑتا جا رہا تھا۔ گاڑی کی آٹھ سیٹ پر بیٹھے ہوئے افسر نے میکانیوں کے ذریعے کہا ”ایڈیٹر فشر یہ تھماری اہوائی ہے گاڑی کی رفتار سے نہیں دوڑ سکو گے خود کو تھامنے والے کرو۔“

لیکن وہ حیرت انگیز تیز رفتاری سے دوڑ رہا تھا۔ افسر کا بھی یہ خیال درست تھا کہ وہ گاڑی سے تیز نہیں بھاگ سکے گا لیکن اس کا ذہن بجلی کی تیزی سے چاؤ کے راستے نکال رہا تھا۔ اس نے دور تک دوڑنے کے بعد اچانک ایک بیٹلے کے احاطے میں چھلاک لگا دی۔

گاڑی رک گئی۔ بھاگنے والا نہیں رہا۔ تیز بھاگنے والی گاڑی سے سپاہی اتر کر اس بیٹلے کے احاطے میں جانے لگے۔ بیٹلے کا بیڑہ دوا نہ کھلا ہوا تھا۔ وہ سب دوڑتے ہوئے اندر آئے۔ اندر بیٹھی ہوئی عورتوں نے چٹنا شروع کر دیا۔ ایک بولی کہ ”یہ کہاں کا قانون ہے کیا پولیس والے اجازت لے کر نہیں آتے؟“

افسر نے کہا ”ہمیں افسوس ہے۔ ہم مجبور ہیں۔ ایک جرم میں آیا ہے۔“

”میاں کوئی نہیں ہے۔“

افسر نے سپاہیوں سے کہا ”وہ بیٹلے کے پچھلے راستے سے نکل گیا ہو گا۔ کم آن۔ ایک سپاہی جانے اور گاڑی کو پچھلے راستے پر لائے۔“

وہ سب بیٹلے سے نکل کر دوسرے راستے کی طرف دوڑنے لگے۔ انجیلہ پولیس کی دوسری گاڑی میں بیٹھ کر آئی۔ اسے پتا چلا فشر

گاڑی میں آنے والے سپاہیوں کو پیدل بنا چکا ہے۔ وہ بولی ”چیف! وہ بت چلا لاک ہے۔ ایسے ہاتھ نہیں آئے گا۔ پیر پیرلی جیسی جانتے والوں کو اٹھارہ کرو۔“

چیف نے کہا ”۱۳ بھی میں بھی سوچ رہا تھا۔ ہمارا کوئی ٹیلی بیٹھی جانتے والا فشر کے اندر جا کر اسے قرار ہونے سے روک سکتا ہے۔“

وہ وہاں ٹیلی فون کا ریسیور اٹھا کر نمبروں کے نشن دبانے لگا۔ اور بے مورگن اور الپا دہ رانا کے معاملے میں مصروف تھے۔

کوئلن برنیز نے بھی ایڈیٹر فشر کو رانا کا ایک تابعدار سمجھ کر زیادہ اہمیت نہیں دی تھی۔ ان کی ساری توجہ رانا کا اپنا دنا دنا بنانے کے لئے تھی۔ پھر رانیال کی بخاری ان کا قیمتی وقت خالص کر رہی تھی۔ بے مورگن آٹھہ کسی قریب سے بچنے کے لئے رانا کے

دماغ میں پیرا دین کر بیٹھا ہوا تھا۔ الپا دہ رانیال اسے صبح چار بجے رانا کے دماغ میں جا کر بے مورگن کو ڈیوٹی سے فارغ کرنا تھا۔

رات کے ایک بجے ٹیلیفون کی کھنٹی بجنے لگی۔ الپا دہ رانیال میں تھی لیکن دماغ کو پڑا دے بجلی تھی کہ کوئی غیر معمولی بات ہو تو آٹھ کل جائے۔ اس نے فوراً ہی آنکھیں کھل گئیں۔ اس نے

ریسیور کان سے لگایا۔ پھر کہا ”ہیلو؟“

دوسری طرف سے آواز آئی ”میں اٹھلی جنس کا ڈائریکٹر جنرل بول رہا ہوں۔ مجھے رپورٹ ملی ہے کہ ایڈیٹر فشر رانا کو چھوڑ کر اس بیٹلے سے بھاگ گیا ہے۔ میں نے تصدیق کرنے کے لئے اس بیٹلے میں فون کیا۔ وہاں کھنٹی بجتی رہی لیکن ہمارے کسی پیرا دہ رانیال نے فون اٹینڈ نہیں کیا۔ شاید فشر نے ایک افسر اور دو سپاہیوں کو قتل کر دیا ہے۔“

الپا نے پوچھا ”اور وہ تین کسے؟ کیا فشر نے انہیں بھی ختم کر دیا ہے؟“

”نہا ہے۔ ان کھنوں کی زندگی میں وہ باہر قدم نہیں رکھ سکتا تھا۔“

”اچھا میں دیکھتی ہوں۔“

وہ رہیور رکھ کر سوچنے لگی۔ ایڈیٹر فشر کی آواز اور لے کر یاد کرتے کرتے خیال خزانہ کی پرواز کرتے ہوئے اس کے دماغ تک پہنچ کر واپس آگئی۔ ایسا ایسا وقت ہوتا ہے جب کوئی سانس روک لیتا ہے۔

الپا بہتر سے اٹھ کر آئینے کے پاس آئی پھر اپنے بالوں کو برش کرتے ہوئے سوچنے لگی ”ایڈیٹر فشر کا دماغ حساس نہیں ہے۔ جب وہ رانا کے ساتھ میاں پہنچا تھا تب میں نے انٹرپوٹ پر فشر کو آزاد کیا تھا۔ مجھے اس کے دماغ میں جگہ مل گئی تھی۔ اطمینان ہو گیا تھا کہ اس کے اندر کسی وقت بھی پہنچا جا سکتا ہے پھر اچانک تبدیلی کیسے آگئی؟ وہ کونسا کام کر رہے ہوگا؟“

پھر الپا نے سوچا ”فشر کے دماغ میں کوئی پینے یا نہ پینے، رانا ضرور پہنچ سکتی ہے کیونکہ فشر اس کا معمول اور تابعدار ہے۔ اگر

میں رانما کی سوچ اور لہجہ اعتبار رکھوں تو وہ سانس نہیں روکے گا، وہ رانما کی سوچ اور لہجے کو اعتبار کر کے وہاں پہنچ کر وہاں پہنچ گئی۔ علی کی سانس رکی ہوئی تھی۔ وہ حیران رہ گئی۔ پول بل کی کچھ میں آئی کہ وہ رانما کے توحی عمل سے نجات حاصل کر چکا ہے۔ الپا گولڈن برنز کو رپورٹ دینے کے لئے کپیڈ ٹرکے پاس آئی۔

علی کو یہ علم نہیں تھا کہ الپا اس کے داغ میں دوبار آنے کی کوشش کرتے ہوئے ناکام ہو چکی ہے۔ اس نے الپا کا راستہ روکنے کے لئے سانس نہیں روکی تھی۔ دراصل وہ پولیس والوں سے چھپنے کے لئے ایک جگہ تاریکی میں لیٹا ہوا تھا۔ سیاہی قریب ہی ادھر ادھر اسے تلاش کر رہے تھے۔ وہ چاہتا تھا سیاہیوں کو اس کے سانس لینے کی آواز بھی سنائی نہ دے اس لئے اس نے سانس روک لی تھی۔

پھر وہ آہستہ آہستہ سانس لینے لگا۔ اس وقت وہ ایک سرونٹ کو مار ڈکی چھت پر لیٹا ہوا تھا۔ کوئی تیس قدم کے فاصلے پر ایک بہت بڑی کوٹھی تھی۔ وہ دیکھتا ہوا چھت کے کنارے آیا۔ نیچے کوئی سیاہی دور تک نظر نہیں آتا تھا۔ شاید وہ واپس ہو کر چلے گئے تھے۔ اس نے ذرا دیر تک انتظار کیا پھر چھت سے اتر کر نیچے آیا۔

پولیس والے بھی چلاک تھے۔ وہ تاریکی میں چھپے ہوئے تھے۔ انہیں نے اچانک ہی اس پر چلاک لگائی لیکن اسے جڑ نہ سکے۔ وہ متنبہ نہ رہا تھا۔ کسی کولات کھونے مارا تھا کسی کو دونوں ہاتھوں سے اٹھ کر پکڑ لیا تھا۔

پولیس کار میں بیٹھا ہوا چیف ریسور کان سے لگائے سن رہا تھا۔ دوسری طرف سے اس کا سینزور فسر کہہ رہا تھا۔ ”بھی رپورٹ ملی ہے کہ ٹیلی پیٹھی جانے والے فسر کے داغ میں نہیں پہنچ سکتے۔ یہ حکم دیا گیا ہے کہ فسر کو گولی مار کر زخمی کر دو تاکہ اس کے داغ میں جگہ مل سکے۔“

چیف نے ریسور رکھا اور اپنا رپورٹ کال کر سپاہیوں کی طرف دوڑتے ہوئے بولا ”بہت جاؤ۔ میں ناکر رہا ہوں۔ فسر کو زخمی کرنا ضروری ہے۔ دوڑو۔“

علی نے یہ سنتے ہی کوٹھی کی طرف دوڑ لگا لی۔ فائرنگ سے بچنے اور چھپنے کی وہی ایک جگہ تھی۔ ٹھیک ہی آواز کے ساتھ ایک گولی سنائی ہوئی اس کے قریب سے گزر گئی۔ دوسری بار فائرنگ کی آواز گونجی اس کے ساتھ ہی علی نے فضا میں اچھل کر جیسے غوطہ لگایا پھر لی دی لاؤنج کے شیشے کو توڑا تو ہوا کوٹھی کے اندر آ رہا۔

کوٹھی کے اندر جیسے زلزلہ آیا۔ وہاں رہنے والے ایک مرد اور ایک عورت کی گرجتی ہوئی آواز سنائی دی۔ ”کون ہے؟“

علی تائیلین پر آکر گر رہا تھا۔ وہ فرار ہی اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اب اسے کوٹھی کے کینوں سے بھی مشتاق تھا لیکن جب وہ زمین ایک کمرے سے نکل کر اس کے سامنے آئے تو وہ حیرانی سے انہیں دیکھتا رہ گیا۔

اس نے آج تک ہوا جیسے انسانی دیوتوں نہیں دیکھے تھے۔ اس نے بابا صاحب کے ادارے میں سوسانہ اور جبرائیل کو دیکھا تھا۔ ان سے دوستی بھی تھی۔ وہ پارس کی طرح سوسانہ کو آبا جان کہتا تھا لیکن ابھی خود کو بھولا ہوا تھا۔ ادھر سوسانہ اور جبرائیل اسے نہیں پہچان سکے تھے کیونکہ علی کی شخصیت اور صورت بدلی ہوئی تھی۔

فی الوقت وہ ایک دوسرے کے لئے اجنبی تھے اور کوئی اجنبی شیشے توڑ کر گھر میں گھس آئے تو وہ دشمن سمجھا جاتا ہے۔ جبرائیل نے اس کی ٹھوڑی کے نیچے طعن کو دبوچ لیا۔ علی نے سانس روک لی۔ جبرائیل کے منہ پر کراٹے کا ہاتھ مارا۔ وہ ہاتھ فولادی تھا۔ جبرائیل کو ذرا تکلیف پہنچی۔ اس نے برداشت کرتے ہوئے علی کو اوپر اٹھالیا۔ اس کے پاؤں زمین سے اٹھا ڈیڑھے۔

ان ہی لمحات میں الپا نے علی کے داغ میں آنا چاہا مگر پھر ایک بار سوچ کی لہر اس واپس آگئیں کیونکہ علی اپنی گردن چھڑانے کے لئے سانس روکے ہوئے تھا۔ وہ چیف کے داغ میں آکر لی ”تم نے گولیاں ضائع کی ہیں۔ وہ زخمی نہیں ہوا ہے۔ اس نے سانس روک لی ہوئی ہے۔“

چیف نے کہا ”ادام اپری مشکل ہے۔ وہ سوسانہ اور جبرائیل کی کوٹھی میں چلا گیا ہے۔“

الپا نے کہا ”وہ گاؤں ہاری پوری کوشش ہی تھی کہ رانما اور فسر کو ان انسانی دیوتوں سے دور رکھا جائے تاکہ سوسانہ تک نہ پہنچ پائیں۔ ہم رانما کو لے آنا ہے۔ کھائے گئے تھے۔ کہاں لے آنا اور کہاں تل آئیے۔ وہ کینٹ فٹر ایک طویل فاصلے کے کمرے کے آواز کاؤں کے گھر میں گھس گیا ہے۔ اسے کسی بھی طرح وہاں سے نکالو۔“

”میں مادام! میں سپاہیوں کے ساتھ کوٹھی کے اندر جا رہا ہوں۔“

وہ سپاہیوں کے ساتھ کوٹھی کے دروازے کی طرف جانے لگا۔ علی نے جبرائیل کے شیشے میں اپنے ہاتھ پاؤں ڈھیلے چھوڑ دیئے۔ سانس تو پیلے ہی روکی ہوئی تھی۔ جبرائیل نے سمجھا کہ اس کا دم نکل گیا ہے۔ اس نے علی کو ایک طرف پیچھک دیا۔

وہ فرش پر گر کر ہی اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ جبرائیل نے اسے تھوڑا سمجھا تھا۔ محو نے فضا میں اچھل کر اس کے سینے پر ایک فلائنگ کک ماری۔ وہ پیچھے کی طرف لڑکھڑا کر لی دی سے ٹکرایا اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکا۔ لی دی کے ساتھ فرش پر گر پڑا۔

سوسانہ دلچسپی سے یہ مقابلہ دیکھ رہی تھی۔ وہ حیرانی سے بولا ”عجب ہے۔ میں پلے پلے جا رہی ہوں۔ کسی کے مقابلے میں کرتے ہوئے دیکھ رہی ہوں جبرائیل!“

جبرائیل نے کہا ”اوہ سوسانہ! تم نے یہ نہیں دیکھا کہ اس جوان نے ماسٹر وانسو روکی کے انداز میں لگ ماری ہے۔ رنگ کے

دوران جب ماسٹر م دوںوں پر حملے کرتا تو ہم سنبھل نہیں پاتے تھے۔“

سوسانہ نے علی کو قریبی نظروں سے دیکھا۔ پھر جبرائیل سے کہا۔ ”یہاں ہے تو تم حشاد دیکھو میں اس سے مقابلہ کروں گی۔“

وہ مقابلے کے لئے ڈٹ گئی۔ علی نے دونوں ہاتھ اٹھا کر کہا۔ ”پلیز بچھو دشمن نہ سمجھو۔ میں ایک دشمن ٹیلی پیٹھی جاننے والی کے شیشے سے نکلنے کے لئے پناہ لینے آیا ہوں۔ اگر تم دونوں بددی ہو تو مجھے مجبوراً یہاں سے بھی بھگانا ہو گا اور اگر بددی نہیں ہو تو فار گاؤں ایک مینی مدد کرو۔ میں بھی تمہارے کسی کام آسکتا ہوں۔“

سوسانہ اور جبرائیل نے ایک دوسرے کو سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ پھر بولی ”کیا چاہتے ہو؟“

کالی بلی کی آواز سنائی دینے لگی۔ علی نے کہا ”میں کی پولیس مجھے گرفتار کرنے آئی ہے جبکہ میں نے کوئی جرم نہیں کیا ہے۔“

”اگر تم مجرم نہیں ہو تو تمہیں کوئی ہاتھ نہیں لگائے گا۔ آؤ ہمارے ساتھ چلو۔“

علی ان کے ساتھ بیرونی دروازے کی طرف جانے لگا۔ کال بلی کی آواز دھتے دھتے سے آ رہی تھی۔ علی نے پوچھا ”کیا وہ تمہارے کئے ہوئے مجھے گرفتار نہیں کریں گے؟“

جبرائیل نے کہا ”ہم انہیں سمجھا دیں گے۔ وہ باتوں سے نہیں سنبھیں گے تو باتوں سے ضرور سمجھ لیں گے۔“

اس نے دروازے کے پاس آکر اسے کھولا۔ باہر اٹلی جنس کا چیف ایک پولیس افسر اور کئی سپاہی کھڑے ہوئے تھے۔ چیف نے اپنا کارڈ دکھا کر کہا۔

”میں اٹلی جنس ڈیپارٹمنٹ کا چیف ہوں۔ یہ جوان ایڈی فسر تمہارے گھر کا شیشہ توڑ کر اندر آیا ہے، ہم اسے گرفتار کرنے آئے ہیں۔“

سوسانہ نے پوچھا ”کیا ہمارے گھر کا شیشہ توڑنے اور یہاں گھس کرنے کے جرم میں گرفتار کرنا چاہتے ہو؟“

افسر نے کہا ”یہ واقعی جرم ہے۔ آپ بھی مانتی ہیں۔“

”مانتی ہوں اور اس جوان کی عقلی کو معاف کرتی ہوں۔ ہمارا مہمان کے بعد یہ جرم نہیں رہا۔ لہذا اسے گرفتار نہ کرو۔“

افسر نے چیف کو دیکھا پھر کہا ”مادام! ہم معاف کر سکتے ہیں مگر یہ ہمارا بھی جرم ہے۔ ہمیں امید ہے، تم قانون کے تقاضے پورے کرنے سے ہمیں نہیں روکی۔“

جبرائیل نے کہا ”اس نے ہمارے گھر میں پناہ لی ہے۔ لہذا ہم بھی قانون کے تقاضے پورے کرنے کے لئے اس کا جرم معلوم کریں گے۔“

”سسر جبرائیل! تم نے وعدہ کیا تھا کہ ہمارے ملکی معاملات میں مداخلت نہیں کرو گے۔ بیشتر ملکی معاملات راز میں رہتے ہیں۔ یہ جوان ہمارے ایک راز سے تعلق رکھتا ہے۔ تمہیں اپنے وعدے کا پابند رہنا چاہئے۔“

جبرائیل نے علی سے پوچھا ”کیا تمہارا تعلق اس ملک سے ہے؟“

اس نے انکار میں سر ہلا کر کہا ”میں امریکا سے آیا ہوں اور مجھے یہاں آئے ہوئے چوبیس گھنٹے نہیں ہوئے ہیں۔“

جبرائیل نے افسر سے کہا ”جب یہ تمہارے ملک سے تعلق نہیں رکھتا ہے تو تمہارے ملکی معاملات سے کیسے تعلق رکھتا ہے؟“

”یہ غیر ملکی جاسوس ہے۔ ہمارے ملک کو نقصان پہنچانے آیا ہے۔“

”یہ جھوٹ ہے۔ رانما نامی ایک عورت نے مجھے ٹیلی پیٹھی اور توحی عمل کے ذریعے اپنا تابعدار بنایا ہے۔ میرے ذہن سے میری پچھلی زندگی بھلا دی ہے۔ جب میں اپنے آپ کو نہیں پہچانتا ہوں تو اس ملک کے خلاف کیا خاک جاسوسی کروں گا۔“

چیف نے کہا ”سسر جبرائیل! یہ جھوٹ بول رہا ہے۔ ہم اپنے خیال خواتی کرنے والوں کے ذریعے اسے جھوٹا ثابت کر دیں گے۔“

سوسانہ نے کہا ”ہمارے خیال خواتی کرنے والے بھی دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کر دیتے ہیں۔ اس لئے ٹیلی پیٹھی جاننے والوں کو زحمت نہ دینا۔ یہ جوان جھوٹا فریبی ثابت ہو گا تو ہم خود اسے تمہارے حوالے کر دیں گے۔“

اسی وقت لپٹی نے جبرائیل کے اندر آکر کوڈر زوا کے پھر کہا۔

مارشل آرٹ

کھدے لیے اپنی اہ۔۔۔۔۔
دروں کی حفاظت کیجیے



ابتداء سے ایک ہیلاٹ تک

مارشل آرٹ

کھدے لیے اپنی اہ۔۔۔۔۔
دروں کی حفاظت کیجیے

- اس کتاب میں تمام مشقوں کی تفصیلات ہیں جو ایک ہیلاٹ تک کی ہیں۔
- ان مشقوں میں ان مشقوں کے نام ہیں جو ایک ہیلاٹ تک کی ہیں۔
- ۴۵۰ سے زائد مشقیں۔
- ہر مشق کو مکمل طور پر تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔
- قیمت ۳۰ روپے

۴۵۰ سے زائد مشقیں

قیمت ۳۰ روپے

”میں دوسری جگہ مصروف ہوں۔ صرف خیریت معلوم کرنے آئی ہوں۔“
 وہ بولا ”متم خیریت سے ہیں۔ یہ نوجوان تازہ کام کا باعث بنا ہوا ہے۔ یہ بیوروں سے بھاگ کر ہمارے پاس پناہ لینے آیا ہے۔ یہ افسران سے گرفتار کر کے لے جاتا چاہتے ہیں۔“
 علی نے پوچھا ”یہ نوجوان کہاں سے آیا ہے؟ کیا نام ہے اس کا؟“

”نام ہے ایڈیٹور اور کہتا ہے کسی رانا نے تو خیریت عمل کے ذریعے اس کی یادداشت کم کر دی ہے۔“
 علی نے خوش ہو کر کہا ”خدا! ایچ لاکھ لاکھ شکر ہے جو یہ جبرائیل! میں جو کہہ رہی ہوں اسے سن کر خوشی کا اظہار نہ کرنا۔ یہ نوجوان ہمارا علی تیمور ہے۔“

جبرائیل نے حیرانی سے علی کو دیکھا۔ سوسائٹ پولیس افسر سے باتیں کر رہی تھی۔ جبرائیل نے کہا ”تم زیادہ بحث نہیں کریں گے۔ ہمارا فیصلہ ہے کہ یہ نوجوان ہمارے پاس رہے گا۔ اگر تم لوگ فوراً واپس نہ گئے تو ایک ایک کی گردن توڑ دوں گا۔“
 چیف نے کہا ”تم جارہے ہیں۔ ہمارے بڑے تم سے منہ لیں گے۔“

”جائے سے پہلے ایک وارننگ سن لو۔ اس نوجوان کے داغ میں تمہارا کوئی ٹیلی پیجی جانے والا نہ آئے۔ ہمارے خیال خدائی کرنے والے ہمیں باخبر رکھیں گے اگر کوئی چھپ کر آئے گا اور اسے نقصان پہنچائے گا تو جواباً تمہارا جو نقصان ہوگا اس پر تمہارے تمام بیورو کی اکبریں ماتم کرتے رہ جائیں گے۔ ناکٹ لاسٹ۔“

جبرائیل نے دروازہ بند کر دیا۔ بند دروازے کے باہر پولیس والوں کے قدموں کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ وہ واپس جا رہے تھے۔ جبرائیل دروازے کے پاس سے پلٹ کر سوسائٹ کے پاس آیا۔ پھر بولا ”یاد ہے، اس نوجوان نے ماشروائٹس روکی کے اندام میں مجھے فلائنگ کلب ماری کی؟“

وہ بولی ”یاد ہے مگر تم یاد کیوں دلا رہے ہو؟“
 اس نے کہا ”یہ تمہارا دوسرا بھائی علی تیمور ہے۔“
 ”کیا؟“ سوسائٹ نے حیرانی سے چیخ کر علی کو دیکھا۔
 علی علی کے داغ میں کہہ رہی تھی۔ ”بے ایم! تم جگہ جگہ مجھے ہو۔ میں جلدی تمہاری پچھلی زندگی یاد دلاؤں گی۔“

اس نے پوچھا ”تم کون ہو؟“
 ”میں تمہاری ماں ہوں۔ میرا نام علی ہے۔ ابھی اس سے زیادہ نہ پوچھو۔ میں اس بات کا انتظام کرنے جا رہی ہوں کہ رانا اور دوسرے دشمن ٹیلی پیجی جاننے والے خاموشی سے تمہارے اندر ہتھیار چھپائیں۔ میں جلدی آؤں گی۔ یہ سامنے تمہاری بہن سوسائٹ ہے۔“
 اوپر جبرائیل نے سوسائٹ کو بتایا کہ علی کی حقیقت درحقیقت نے

بتائی ہے۔ سوسائٹ خوشی سے دوڑتی ہوئی آئی اور علی سے پلٹ کر ایسے وقت روٹوٹ بن کر محبت منگی رہی تھی۔ وہ خوشی سے لگتی تھی مگر گلے والے کی سانس رکنے لگتی تھی۔
 ایسے وقت پارس بھی سوسائٹ سے دور بھاگتا تھا لیکن اچانک میں پھنس گیا تھا۔ پناہ دہائی کی ایک ہی صورت تھی اس سانس روک لی۔۔۔۔۔ یہ لوگ کے ماہر جانتے ہیں کہ سانس روک سے قوت برداشت میں اضافہ ہوتا ہے۔
 وہ سانس روک کر بہن کی پہلوانی محبت کو برداشت کر رہا تھا دوسری طرف اچانک میں قائم بھی پہنچ رہا تھا۔ الپا پارس داغ تک آئی تھی اور سانس روکنے کے باعث اس کی سوچ کی لہر واپس چلی تھی۔

میں نے محل پر وہ میں لال بل کے پاس ایک چھوٹا سا کرایہ پر حاصل کیا اور وہاں ایک عام شہری کی حیثیت سے رہا۔ ایک طویل مدت کے بعد اپنے باپ دادا کا لباس شلوار لپٹنے لگا۔ ایک ایسی عوامی طرز زندگی اختیار کی کہ دشمن اور دور نما دشمن بھی مجھے فریاد علی تیمور کی حیثیت سے پہچان نہیں دیتے تھے۔

یہ ہم سب کے لئے بڑے شرم کی بات ہے کہ میں اپنے وطن میں اپنے لوگوں کے درمیان نہ چھپا رہا تھا کیونکہ میرا خلاف محاذ آرائی شروع ہو چکی تھی۔ بڑے بڑے سرمایہ دارا جاگیردار سمجھے گئے تھے کہ میں پاکستان میں رہ گیا تو وہ دنیا سے جا نہیں گیا۔ ناجائز ذرائع سے حاصل ہونے والی دولت سے ہم ہو جائیں گے۔

انہوں نے ملک کے بڑے بڑے اخبارات میں میرے خلاف بیانات شائع کرانے کی کوششیں کیں لیکن اخبارات کے ذمہ داروں نے کہا ”فریاد علی تیمور ایک کشش، ایک خیالی کردار ہے اگر وہ حقیقت ہے اور وہ اس ملک میں ہے تو قانون کے حافظہ گرفتار کریں۔ عدالت تصدیق کرے کہ وہ ایک زندہ کردار ہے اپنے اخبارات میں اچھا خاصا مواد شائع کریں گے۔“

دیوے اور دیوی والوں نے بھی مجھے ایک زندہ کردار کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ اگرچہ جیتنے والوں میں الا قوامی شہادہ اور نے مجھے اور سوسائٹ کو دی اسکرین پر پیش کیا تھا اور وینج کے بھی مناظر پیش کئے تھے لیکن یہ اس بات کا ثبوت نہیں کہ وہی فریاد پاکستان میں ہے۔ اگر کوئی فرانس کے فریاد وینج میں ہے تو یہ ملک سے باہر کا معاملہ ہے۔

اپنی بہن شاز کے دروازے پر میں نے عوامی عدالت کی تھی لیکن وہاں عوامی عدالت کی کوئی نہیں تھی تھی۔ دروازے کے سامنے راجا منصور علی اس کا ایک جوان بیٹا بیوروں کا ایک ایجنٹ جان شیراز موت کے گھاٹ اتارے تھے۔ جن پولیس افسران اور اعلیٰ عہدیداران کے سامنے آیا

تھا انہوں نے میرے خوف سے یہ رپورٹ پیش کی تھی کہ وہ تین پاکستان کے بدترین دشمن تھے۔ انہیں کسی نے قتل نہیں کیا تھا انہوں نے خودکشی کی تھی۔
 جو صاحبان اقتدار تھے انہیں مجھ سے اور مجھے ان سے کوئی شکایت نہیں تھی۔ اپوزیشن والے مجھے اپنا حامی بنا کر میری ٹیلی وژن کے ذریعے حکمران پارٹی کی کردوایا ثابت کرنا چاہتے تھے۔ میں نے اپوزیشن کے ایک لیڈر سے کہہ دیا تھا کہ مجھے اور میرا پاکستانی کو حکومت وقت سے وفاداری کہنی چاہئے۔ اگر اپوزیشن عوام کی حمایت سے حکومت بنالے تو ہم ان کے وفادار رہیں گے۔ یہ بدورت کا تقاضا ہے جو حکومت کر رہے ہیں، انہیں پانچ برس تک کام کرنے دیا جائے۔ وہ کام ہوں گے تو اگلے انتخابات میں عوام انہیں کرسی سے اتار دیں گے۔

میں خیال خدائی کے ذریعے پارس کے پاس آیا۔ میرا بیٹا بیورو کے نام سے پاکستان آیا تھا اور اپنی پہلی شادی کو بھی کے سامنے والی کو بھی میں قیام کر رہا تھا۔ اس کو بھی کے مالک کا نام آنر بیورو تھا۔ ہم نے آنر بیورو اور اس کی وائف پر تو خیریت عمل کیا تھا اور ان کے داغوں میں یہ نقش کر دیا تھا کہ بیورو ذرا ان کا اپنا بیٹا ہے۔

جان شیراز کی بیٹی روزینہ ایک بیورو منصوبے کے تحت آئی تھی۔ اس نے بھی آنر بیورو کے ہاں قیام کیا تھا۔ پارس کو دوست بنا تھا۔ پھر یہ بدورتی بڑی منگی پڑی تھی۔ اس نے اپنے باپ جان شیراز کو اپنی آنکھوں کے سامنے مرتے دیکھا تھا۔ پھر پارس کی دوستی سے قہر کے اپنے باپ کی لاش دہاں سے لے لی تھی۔

ہم نے روزینہ کو جانے دیا۔ کیونکہ وہ بیوروں کا ایک ناکام مو تھا۔ ہمیں ان کے بڑے بڑے مہموں سے نمٹنا تھا۔ اس مقصد کے لئے پارس میری ہدایت کے مطابق ایک کارڈرائیو کرتا ہوا اور ہر سچے ہندو بیورو اور ایک دھاساز کہانی میں پہنچ گیا۔

اس دھاساز کہانی کا مالک چودھری حاکم علی حاکم تھا۔ وہ اسلام آباد میں رہتا تھا۔ اس کی ایک بیٹی اور ایک بیٹا ڈاکٹر تھے۔ ان دونوں کا قیام لاہور میں تھا کیونکہ وہ اپنی عمرانی میں اہولیت تیار کرتے تھے۔ پارس ڈرائیو کرتا ہوا انھیں لیبارٹری کے بڑے آہنی گیت کے سامنے پہنچا۔ سڑک گاڑنے پر پوچھا ”آپ کون ہیں؟ کس سے ملنا چاہتے ہیں؟“ میں اس کے داغ میں پہنچ گیا۔

پارس نے کہا ”میں ایک میڈیکل آفیسر ہوں۔ میرا نام عامر من ہے۔“

وہ گاڑ بیکن کی طرف جانے لگا۔ اس کے خیالات بتا رہے تھے کہ وہ دھاساز کہانی کے مالک کے بیٹے ڈاکٹر نعمان حاکم کو ایک میڈیکل افسر کی آمد کی اطلاع دینے جا رہا تھا۔ اس نے بیکن میں آکر فون پر رابطہ قائم کرنے کے بعد کہا ”جناب! ایک میڈیکل افسر عامر حسن آپ سے ملاقات کرنا چاہتے ہیں۔“
 ڈاکٹر نعمان نے کہا ”آہ! تو۔۔۔“

میں نعمان کے اندر بھیج گیا۔ وہ ریسپورڈر رکھ کر سوچ رہا تھا۔ ”یہ عامر حسن کوئی نیا میڈیکل آفیسر ہے۔ میں چلی بار یہ نام سن رہا ہوں۔ ڈیڑی کے نائیک کی ہے کہ کسی نے اپنی شخص پر مجھ سانس کیا جائے۔ فریاد علی تیمور کی کو بھی اپنا آواز کا ریکارڈ کرنا چاہیے۔“
 اس نے انٹر کام کا ریسپورڈر اٹھایا۔ پھر دوپٹن باری باری دہانے کے بعد انتظار کیا۔ دوسری طرف سے ایک نسوانی آواز آئی۔ ”ہیلو!“

نعمان نے کہا ”صوفیہ! ایک نیا میڈیکل آفیسر آیا ہے۔ میرے جیسر میں داخل ہونے والا ہے۔ جو غیر قانونی آئٹم ہے اسے د خانے میں پہنچا دو۔“

صوفیہ نے کہا ”بھائی جان! اطمینان رکھیں۔ ابھی لیبارٹری میں کوئی قابل گرفت آئٹم نہیں ہے۔ سب د خانے میں ہے۔ بانی دیوے سے تیار محبت کون ہے؟“
 ”تم اپنے جیسر میں رہو۔ میں خفیہ نائیک آن رکھوں گا۔ تم اس کی باتیں سن سکو گی۔“

اس نے ریسپورڈر رکھ دیا۔ پھر دروازے پر دستک سننے ہی خفیہ نائیک کے بہن کو آن کرتے ہوئے ٹیلی فون کے ریسپورڈر اٹھایا۔ حالانکہ فون کی گھنٹی نہیں بجی تھی۔ کسی نے فون کے ذریعے کال نہیں کیا تھا لیکن وہ آنے والے افسر کے سامنے اپنی مصروفیات بتانا چاہتا تھا۔

میں نے اسے صرف دو سیکنڈ کے لئے غائب داغ بنایا اور اس کے ہاتھ سے ٹیلی فون پلگ کے تار کو کھینچ دیا۔ پلگ اپنے سوچ بڑے سے نکل گیا۔ پھر میں نے ہاتھ سے ریسپورڈر مقرر کر کے حاضر داغ بنایا۔ اس نے میرے ریسپورڈر اٹھا کر سوچا ”میں نے افسر کی آمد سے غیر شعوری طور پر کچھ غور ہو گیا ہوں۔ کمال ہے ریسپورڈر ہاتھ سے چھوٹ گیا۔“

دوسری بار سوسائٹ کی آواز سنائی دی۔ اس نے کہا ”تم ان؟“ یہ کہہ کر ریسپورڈر کان سے لگا کر لے لے گا پارس دروازہ کھول کر اندر آیا۔ ڈاکٹر نعمان نے ہاتھ کے اشارے سے اسے کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے فون پر کہا ”ہاں ہاں میں جانتا ہوں کہ ہماری دوا میں معیار ہیں۔ بے ادب اور چالوں اور دواؤں کی دکانوں میں کیوں کہ نظر آتی ہیں؟ اس لئے کہ ہم سرکاری اور پرائیویٹ ڈاکٹروں کو کیٹیں نہیں دیتے ہیں۔ یہ تمام ڈاکٹر اپنے مریضوں کے فحشوں میں ہماری دوا میں نہیں لگتے ہیں۔ بے ہمارے مریض وہی دوا میں خریدتے ہیں جس کا مشورہ ان کے ڈاکٹر دیتے ہیں۔ اس لئے ہماری لیبارٹری کی اہولیت مارکیٹ میں بہت کم نظر آتی ہیں۔“
 پھر وہ کان سے ریسپورڈر لگائے۔ ”ہوں ہوں ہاں ہاں“ یوں کہنے لگا جیسے دوسری طرف کی گفتگو سن رہا ہو۔ پھر وہ بولا ”آپ درست کہتے ہیں ہمارے ملک میں رشوت کے بغیر کوئی کام نہیں چلا۔ بہت نقصان اٹھانے کے بعد یہ عمل آئی ہے کہ رشوت کا نام

پل کر "نذرانہ" کر دیا جائے اور صرف ڈاکڑوں کو ہی نہیں انکار ہی کرنے والے افسروں کو بھی نذرانہ پیش کیا جائے۔ جی! بالکل ٹھیک۔ ایسا تو کرنا ہی ہوگا۔ ہم دو اڈوں کی قیمت بڑھا دیں گے جو رقم رشت کے طور پر دیں گے، وہ گاؤں کی جب سے وصول کر لیں گے۔ ہوں ہوں ہاں! "چھائیں پھر فون کوں گا۔"

یہ کہہ کر اس نے رسیور رکھ دیا۔ پھر پاس سے ہنسنے لگا۔

"اس ملک میں شراعت اور ایمان داری سے کا دبا رکھنا تقریباً ناممکن ہے۔ منافع تو دور کی بات ہے۔ کا دبا رکھنا لگا ہوا ہوتی رقم بھی ڈوب جاتی ہے۔ اگر ڈاکڑوں اور متعلقہ افسروں کو رشتہ دو تو کا دبا چنک جاتا ہے اور منافع آسمان تک پہنچ جاتا ہے۔ بالی دی دے مسٹر! آپ کون ہیں؟"

پاس نے مسکرا کر کہا "ہیٹ پر ڈیوٹی دینے والے گاؤں نے تمہیں بتایا تھا کہ میرا نام عامر حسن ہے اور میں۔۔۔"

وہ بات کاٹ کر بولا "آپ میڈیکل آفیسر ہیں۔ آپ سے مل کر بڑی خوشی ہوئی۔"

اس نے مصافحے کے لئے میز کے ادھر سے ہاتھ بڑھا دیا۔

پاس نے دوسرے کہا "معاف تو بعد میں بھی ہو جائے گا۔ پہلے ٹیلی فون کا پلگ لگاؤ۔ آخر تک تک مرہ فون پر بدحواسی سے باتیں کرتے رہو گے؟"

اس نے چونک کر پلگ کی طرف دیکھا پھر بولا "یہ پلگ تو گواہ ہوا تھا۔ یہ کب نکل گیا؟"

"یہ اس وقت بھی نکلا ہوا تھا جب تم بدوح سے باتیں کر رہے تھے۔"

ڈاکٹر نعمان نے ناگواری سے پوچھا "کیا تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ پلگ لگا ہوا نہیں تھا اور میں پوچھی کہ اس کو کہا تھا؟"

"تم کو اس نہیں کر رہے تھے۔ فون کے برائے مجھے جیسے نئے افسر کو سمجھا رہے تھے کہ اگر میں رشتہ خور ہوں تو مجھے یہاں سے معقول رقم ملے گی۔ اور اگر ایمان دار ہوں تو مجھے معلوم ہو جائے کہ آج تک تم نے کسی کو رشتہ نہیں دی۔ کا دبا رکھنا نقصان اٹھا رہے تھے اور اب رشتہ کے لین دین پر مجبور ہو رہے ہو۔ یعنی پتہ بھی تمہاری اور پتہ بھی تمہاری۔"

وہ ہچکچاتے ہوئے بولا "دیکھئے۔ آپ مجھے غلط سمجھ رہے ہیں۔"

"مجھے وہ فون کا پلگ صحیح سمجھا رہا ہے۔"

اسی وقت صوفیہ جیمز کا پچھلا دروازہ کھول کر آئی اور آتے ہی سوچ بڑے سے دور پڑے ہوئے پلگ کو دیکھا پھر اپنے بھائی کو گھورتے ہوئے کہا "بھائی جان! لیبارٹری میں آپ کی ضرورت ہے۔ فوراً جائیں۔"

وہ اٹھتے ہوئے بولا "صوفیہ! یہ مسئلہ۔"

وہ بات کاٹ کر بولی "پلیز بھائی جان! آپ فوراً جائیں۔"

وہ تیزی سے چل رہا تھا۔ پچھلا دروازہ سے چلا گیا۔ صوفیہ پاس

کو گہری نظروں سے دیکھتی رہی اور الونک جیمز کے پاس آئی پھر وہاں بیٹھ کر بولی "کون ہو تم؟"

وہ مسکرا کر بولا "یہ پوچھ کر تم اپنے بھائی کی طرح غلطی کر رہی ہو۔ وہ خفیہ مائیک جو اس میز کے نیچے ہے اس کا تار ڈھیلا ہو کر جھول رہا تھا۔ جب میں یہاں آکر بیٹھا تو یہ مائیک جھولنے ہوئے میرے پاس سے آکر لگا۔ یہ دیکھو۔"

اس نے میز کے نیچے سے مائیک کو کھینچ کر دکھایا، وہ بولی "تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ میں اس کے ذریعے تمہاری گفتگو سن رہی تھی؟"

وہ بولا "یہ انسانی فطرت ہے کہ وہ کہہ دے کہ میں داخل ہو کر پہلے وہاں بیٹھنے ہوئے اجنبی کو دیکھتا ہے لیکن تم نے یہاں قدم رکھتے ہی اس پلگ کو دیکھا جو ہماری گفتگو کا موضوع بنا ہوا تھا۔"

وہ کرسی کی پشت سے نیک لگا کر بولی "تمہیں میڈیکل آفیسر نہیں، جاسوس بننا چاہئے تھا۔"

"اور تمہیں ڈاکٹر نہیں، مس یونی کوئی کھانا چاہئے تھا۔"

"پوشٹ اپ! مجھے سے فری ہونے کی کوشش نہ کرو۔"

"کیا تم بھی مسکراتی ہو؟ اگر نہیں تو میں تمہیں مسکراتے پر مجبور کر دوں گا۔"

"تم میڈیکل آفیسر ہو اس لئے لگاؤ کر رہی ہو۔ ورنہ میرے آدمی تمہیں اٹھا کر باہر پھینک دیتے۔ مجھ سے صرف کام کی باتیں کرو۔"

"پہلی کام کی بات یہ کہ تمہارا اندازہ درست ہے۔ میں میڈیکل آفیسر نہیں، واقعی جاسوس ہوں۔ یہ ہمارا سرکاری شناختی کارڈ۔"

اس نے ایک شناختی کارڈ اس کی طرف پھینکا۔ صوفیہ نے اسے اٹھا کر پڑھا، ذرا پریشان ہوئی پھر مستعمل کر بولی "میں آنے کا مقصد کیا ہے؟"

وہ بولا "پولیس والے یہاں سے زیادہ دور نہیں ہیں۔ میرا شکل ملتے ہی یہاں چھاپا ماریں گے۔"

"اگر سر جے وارنٹ لائے ہو تو دکھاؤ اور پولیس والوں کو شکل دو۔ ہمارے ہاتھ صاف ہیں۔"

"میں جانتا ہوں لیبارٹری کی تلاشی لینے سے وہ غیر قانونی آٹم نہیں لے گا جو وائٹس میں حل کیا جاتا ہے۔"

"جب جانتے ہو کہ کچھ نہیں لے گا تو کیا رشتہ کا مال کمانے آئے ہو؟"

وہ مسکرا کر بولا "اتنا جذباتی مال سامنے ہو تو کون نہیں کمانے گا۔"

"تم حد سے بڑھ رہے ہو۔ تمہارے اعلیٰ افسران کو یہاں بلاؤں یا شراعت سے خودی جاؤ گے؟"

اس نے فون کا رسیور اٹھایا۔ پاس نے کہا "پہلے پلگ لگاؤ۔"

وہ رسیور کو کریڈل پر پٹخ کر کر رہی سے اٹھی۔ پھر قالین پر

پلگ اٹھا کر سوچ بڑے میں لگے لگے۔ پاس نے کہا "تمہاری لیبارٹری کا ایک خاص ملازم ہمارا تجربہ ہے اس نے بتایا ہے کہ خانے کا چور دروازہ کہاں ہے اور کیسے کھلتا ہے۔"

صوفیہ پلگ بڑے پر چلی رہی۔ کچھ دھک سے نہ گیا تھا۔ لاکھوں روپے کا غیر قانونی آٹم وہاں چھپا کر رکھا گیا تھا۔ اس نے پلگ لگا کر وہاں سے اٹھتے ہوئے پاس کو چور نظروں سے دیکھا پھر کرسی پر آکر بولنے لگی "جیسے پہلے پڑی ہو۔"

پاس نے کہا "شاید تم اسے محض دھمکی سمجھو۔ اس لئے بتا دوں کہ ایک چھوٹے سے کمرے میں ایک میز پر ٹیلی فون سیٹ رکھا ہوا ہے۔ دراصل وہ ٹیلی فون نہیں ہے۔ تلاشی لینے والوں کو کہہ دیا جاتا ہے کہ ٹیلی فون خراب ہے۔ حقیقتاً اس کا تعلق چور دروازے سے ہے۔ جب رسیور اٹھا کر ڈبلی زبردون زبردون نکل گیا جاتا ہے تو چھوٹے سے کمرے کی ایک دو دروازوں میں تقسیم ہو جاتی ہے۔ ملازم ٹنگ دروازے کی طرح کھل جاتی ہے۔ کیا میں یہ خانے کے بارے میں بھی بتاؤں؟"

وہ کرسی کی پشت پر رکھے ہوئے توتلے سے چرے اور گردن کا پینہ پونچھنے لگی۔ پاس نے کہا "میں انٹری جان ہوں۔ صرف سنا ہے کہ شاپ میں اتنی آگ ہوئی ہے کہ دوسرے کمرے میں بھی پینہ آتا ہے۔ پینہ شاپ کا ہے یا میرے حساب کا؟"

وہ مسکرا کر گھاسا صاف کرتے ہوئے بولی "اتنی گہری معلومات کے بغیر تم پولیس بائیں کے ساتھ دھناتے ہوئے یہ خانے تک پہنچ جاتے لیکن تم نے ایسا نہیں کیا۔ اس کا مطلب ہے، سمجھوتے کی گنجائش ہے۔ بولو کیا چاہتے ہو؟"

"ابھی ذرا دیر پہلے میں نے کہا تھا کہ مسکراتا نہیں جانتی ہو تو میں تمہیں مسکراتے پر مجبور کر دوں گا۔"

یہ سنتے ہی وہ مسکراتے لگی۔ پاس نے کہا "میں آئینہ ہو تو دیکھو۔ مسکراتے ہوئے چرے پر ہمارے قربان ہو رہی ہیں۔"

"میں صرف ڈیوٹی اور می کے سامنے کبھی بھی مسکراتی ہوں ورنہ بھائی جان کو بھی خاطر میں نہیں لاتی۔"

"میں مجھے خاطر میں لاری ہو؟"

"پلیز مجھے اور مسکراتے پر مجبور نہ کرو۔ تم عاشق مزاج ہو، میں نہیں ہوں۔ کام کی بات کرو۔"

"میں لوہے سے فولاد بن کر ہوں۔ اور حسن سے پھول کی زبان میں گفتگو کرتا ہوں۔ کام کی بات تمہارے باپ سے ہوگی۔ تم بتاؤ آج رات کا کھانا کس ہوٹل میں کھاؤ گی؟"

"میں ایسی لڑکی نہیں ہوں۔"

"پھر کیسی ہو؟ شریف، نیک اور پاکیزہ؟ کیا مرنے کے بعد میری جنت میں جاؤ گی؟ اور بات میں انجن اور انکھل ملا کر؟"

صوفیہ کو گہری نیند ملا کر انہیں وقتی طور پر مرض کی تکلیف سے نجات دلا کر اور دائمی طور پر نئے کاغذی بنا کر تم جنت کا سر فیصلہ حاصل کر رہی ہو؟ کس عزت دار بن رہی ہو؟ اگر ہر رات کسی کے

ساتھ نہ کلا کرتی رہو تو یہ صرف تمہارا گناہ ہو گا میری دوا نہیں فروخت کر کے تم پوری قوم کی مجرم بن چکی ہو۔ پھر دعوئی ہے کہ ایسی لڑکی نہیں ہو۔"

وہ بولی "ہاں میں ایسی نہیں ہوں۔ آج تک کسی کو میلی نیت سے اپنا ہاتھ پکڑنے نہیں دیا۔ قوم کے حق میں تم مجھے مجرمہ کہہ سکتے ہو لیکن تم سے انتہا کرتی ہوں کہ مجھے گناہ کرنے کے لئے نہ کہو۔ میرے یہ خانے کا مال چھوڑ دو اور چھوڑنے کی قیمت بتاؤ۔"

"میں نے قیمت بتادی ہے اور تمہیں یہ بھی بتاؤں گا کہ تمہارا باپ براہ لاکھوں روپے کا منافع حاصل کرتے رہنے کے لئے کتنا کر سکتا ہے۔ اتنا کہ وہ ڈاکٹر بننے کو جوتے مارے گا اور ڈاکٹر بننے کو بازار کا مال بنا دے گا۔"

پھر وہ کرسی سے اٹھ کر بولا "تمہارے سامنے میرا شناختی کارڈ پڑا ہوا ہے۔ یہ ثبوت ہے کہ میں سرکاری جاسوس ہوں لیکن نہیں ہوں۔"

صوفیہ نے اسے چونک کر سوالیہ نظروں سے دیکھا، وہ بولا۔

"میں لیبارٹری میں یہ خانے کا راز بتانے والا کوئی خبر نہیں ہے۔"

وہ کرسی سے اٹھ کر بولی "پھر تمہیں چور دروازے کا علم کیسے ہوا؟"

وہ خاموشی سے پلٹ کر دروازے کی طرف جانے لگا۔ صوفیہ نے بڑی پھرتی سے دروازہ کھول کر ریوالتور نکالتے ہوئے کہا "مرک جاؤ ورنہ گولی مار دوں گی۔"

وہ دروازہ کھول کر بولا "یہ خانے کے راز دار کو یہاں سے زندہ نہیں جانا چاہئے گولی مار دینا چاہئے۔ لیکن ریوالتور خالی ہے۔"

اس نے باہر جاتے ہوئے دروازے کو بند کر دیا۔ صوفیہ نے جلدی سے ریوالتور کو چیک کیا۔ وہ خالی تھا۔ دروازے میں جھانک کر دیکھا۔ وہاں گولیاں پڑی ہوئی تھیں۔ وہ جلدی جلدی ریوالتور کو لوڈ کرنے لگی۔

باہر کار اشارت ہونے کی آواز آ رہی تھی۔ اس نے فوراً ہی انٹر کام کا بٹن دبا کر ریوٹی گیت کے مسلح گاؤں سے رابطہ کیا۔ وہ کہتا چاہتی تھی کہ گاؤں گیت نہ کھولے۔ کار میں جانے والے کو پکڑ لے، وہ تھاننا چاہے تو اسے گولی مار دے لیکن رابطہ قائم ہوتے ہی اس نے کہا "گیت کھول دو۔ مسٹر عامر حسن باہر جا رہے ہیں۔"

وہ رسیور رکھ کر ریوالتور لئے تیزی سے چلتی ہوئی دروازہ کھول کر باہر آئے۔ دروازے میں آئی۔ دور آہنی گیت کھل گیا تھا اور پاس ذرا پیو کر آہا ہوا باہر جا رہا تھا۔ تب اسے یاد آیا کہ اسے مسلح گاؤں سے کہنا تھا کہ وہ اور کچھ اور کہہ کر کہتی تھی۔

تھیر کمان سے نکل گیا تھا۔ وہ جانے والا تھا۔ نہیں پلگ لگا سکتا تھا لیکن جاسوس نہ ہوتے ہوئے بھی پولیس میں خبری کر سکتا تھا۔ یہ خانے میں رکھا ہوا لاکھوں کا مال پکڑا سکتا تھا۔ اب دانشمندی یہی تھی کہ تیزی سے یہ خانے کا مال کسی دوسری جگہ منتقل کیا جائے۔ وہ دو ٹوٹی ہوئی اپنے بھائی ڈاکٹر نعمان کی طرف جانے لگی۔

جب وہ باس سے ہٹ کر رہی تھی تب میں نے اس کے بھائی کو آواز دیا تھا۔ اس نے چھوٹے کمرے میں جا کر مخصوص نمبر ڈائل کئے تھے۔ چور دوڑا نہ کو کھلا تھا۔ پھر پڑول لے کر خانے میں گیا تھا۔ وہاں اس نے ایٹون کے تمام میٹس اور اکل کے کنکڑوں پر پڑول چمڑا دیا۔ پھر خانے کے فرش سے چور دوڑا نہ تک پڑول کی دھار بنا ہوا آیا۔ اس کے بعد ماٹس کی تلی جلا کر اندر پھینک دی اور چور دوڑا نہ کو کھلا چھوڑ کر چھوٹے کمرے سے باہر گیا۔

جب صوفیہ دوڑتی ہوئی بھائی کی طرف آ رہی تھی تب ہی شور سنا دیا۔ لیبارٹری میں کام کرنے والے بھاگ رہے تھے اور آگ لگ گئی تھی۔ ایک اسٹنٹ نے صوفیہ سے کہا "یہ خانے میں آگ لگی ہے۔ جتنے کے شعلے بھڑک رہے ہیں۔ اسے کوئی بجھا نہیں سکتا۔ آپ فائر ریڈ کو فون کریں۔"

وہ پلٹ کر دوڑتی ہوئی اپنے دفتری کمرے کی طرف جانے لگی۔ وہاں نعمان پہلے ہی پہنچا ہوا تھا۔ اس نے میری مرضی کے مطابق ٹیلی فون کا تار کاٹ دیا تھا۔ صوفیہ نے دفتری کمرے میں پہنچ کر ریسپونڈر اٹھایا پھر کان سے لگا کر فائر ریڈ کے لئے نمبر ڈائل کرنا چاہا تو پتا چلا فون خاموش ہے۔ وہ دوڑتی ہوئی نعمان کے دفتری کمرے میں آئی وہاں بھائی نے بتایا کہ فون ناقابل استعمال ہے۔

وہ بے جان سی ہو کر کرسی پر بیٹھ گئی۔ چند لمحوں تک میرے دو سری طرف بھائی کو سختی اور سوچتی رہی پھر فضا میں گھونسا دکھا کر بولی "آئی ہیٹ یو! میں تمہارا سر توڑ دوں گی۔ تمہیں دفعہ نہیں چھوڑوں گی۔"

نعمان نے جراتی سے پوچھا "میں نے کیا کیا ہے؟ مجھے غصہ کیوں دکھا رہی ہو؟"

"میں تمہیں نہیں اس بدعاش کو کہہ رہی ہوں۔ اسے کہیے معلوم ہوا کہ یہاں خانہ ہے اور خانے میں لاکھوں روپے کا غیر قانونی مال رکھا ہوا ہے؟ اس کے یہاں سے جاتے ہی آپ کیسے لگ گئی۔ ٹیلیفون بیکار کیسے ہو گیا؟ کیا وہ جاؤ گے؟ جاؤ گے۔"

وہ کہنے لگے چونکہ گئی پھر سیر ہاتھ مار کر بولی "وہ فراہم علی تیمور تھا۔"

"فراہم؟" نعمان نے سہم کر کہا "ڈیڈی نے کہا تھا ہم ہو شیار رہیں۔ فراہم علی تیمور کسی وقت بھی ہمارا حامی نہ کر سکا ہے۔ ہمارا کاروبار تباہ کر سکا ہے۔ ہمیں کنگال بنا سکا ہے۔"

صوفیہ نے پوچھا کیا تم نے اپنا روبرو خالی رکھا تھا؟

"نہیں، وہ پوری طرح لٹو تھا۔"

"کیا تم نے ٹیلیفون کا ٹیگ ہٹایا تھا؟"

"نہیں، میں جراتی ہوں کہ وہ دیکھے الگ ہو گیا تھا۔"

ساری جاوہری صرف ٹیلی فون سے ڈر رہے ہو سکتے ہیں۔ ڈاکٹر نعمان نے اٹھتے ہوئے کہا "ہم قریبی فیکٹری یا پبلک کال آفس سے ڈیڈی کو فون کر سکتے ہیں۔"

صوفیہ بھی اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ جب وہ باہر نکلے تو فائر ریڈ کی ایک گاڑی اماٹس میں آ رہی تھی۔ لیبارٹری انچارج نے کسی دوسری جگہ سے فون کر کے ٹیگ بھانے والوں کو بلایا تھا۔ وہ بہن بھائی اچھی طرح سمجھ گئے تھے کہ آگ بجھ جائے گی مگر ایک پیسے کا مال بھی سلامت نہیں لے گا۔

چودھری حاکم علی حاکم اسلام آباد میں تھا۔ اپنے ڈرائنگ روم میں چند اہم افراد کے ساتھ بیٹھا بائیں کر رہا تھا اور بات بات پر قہقہے لگا رہا تھا۔ ان اہم افراد میں ایک بین الاقوامی تجارتی مراکز کا خاص نمائندہ تھا۔ دوسرا پاکستان میڈیکل ایسوسی ایشن کا چیئر مین اور تیسرا لندن کی ایک بہت بڑی دوا ساز کمپنی کے مالک جان اسمتھ کیکریٹری تھا۔

کیکریٹری نے کہا "مسٹر حاکم! ہم بین الاقوامی تاجروں کی برادری سے تعلق رکھتے ہیں۔ ہماری منتوں سے دنیا کے تمام ملکوں کو استحکام حاصل ہوتا ہے۔ ہم جب اپنی بات سنوے پر آتے ہیں تو بڑے بڑے ملکوں کے حکمران مجبور ہو کر ہمارے مطالبات تسلیم کر لیتے ہیں۔ امریکا سے لے کر یورپ اور ایشیا تک کے تمام حکمرانوں کو یہ الٹی ٹیم دیا گیا ہے کہ فراہم علی تیمور کو اگر ہمارے تجارتی معاملات میں مداخلت سے روکا نہ گیا اور اسے پاکستان سے نکالا نہ گیا تو احتجاج کے طور پر ہمیں ممالک کی بڑی بڑی دوا ساز کمپنیاں بند کر دی جائیں گی اور نائی گرائی ڈاکٹر نال کریں گے۔"

بین الاقوامی تجارتی مراکز کے نمائندہ نے کہا "یہ بہت بڑی دھمکی ہے۔ ہمیں ممالک کی اہم دوا ساز کمپنیاں بند ہو جائیں گی تو مارکیٹ میں دوا نہیں ختم ہو جائیں گی۔ فراہم علی تیمور تمام دنیا کے غریبوں اور بیماروں کا قاتل اور جلا کھلائے گا۔"

حاکم علی نے ہنسنے ہوئے کہا "بے شک، فراہم کو اپنی ٹیگ نالی برقرار رکھنے کے لئے ہماری عداوت سے باز آنا ہو گا۔"

تاہم کیا فرانس کے تاجروں کے ساتھ دیکھیں گے؟

جان اسمتھ کے کیکریٹری نے کہا "نہیں۔ فرانس میں فراہم کی پوری ٹیملی رہتی ہے۔ وہاں کے تاجروں کے صوبوں پر ٹیلی فون کی چوڑی کوارس لگتی رہتی ہیں۔ وہ بچا رہے مجبور ہیں۔ دیے ایک فرانس کے ساتھ نہ دینے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ دیے ابھی ہمارے پاس جان اسمتھ آپ سے ضروری باتیں کرنے والے ہیں۔ انہوں نے کہا تھا کہ پاکستانی وقت کے مطابق باہر بجے فون کریں گے۔"

چودھری حاکم علی نے کہا "باہر بج کر دس منٹ ہو چکے ہیں فون آتا ہی ہو گا۔"

پھر چودھری نے چونک کر فون کو دیکھا اور کہا "واہ، مسٹر اسمتھ کا نام لیتے ہی فون کی گھنٹی بجنے لگی۔"

چودھری کے سامنے بیٹھے ہوئے تین افراد نے جراتی سے فون کر لیا۔ چودھری کو دیکھا کہ فون کی گھنٹی نہیں بج رہی تھی۔ میں گھنٹی اس کے داغ میں بجا رہا تھا۔ کیکریٹری نے کہا "مسٹر حاکم! فون تو خاموش ہے۔"

چودھری نے ہنسنے ہوئے کہا "کیا میرے کان بج رہے ہیں؟ تب جب گھنٹی صاف سنا دے رہی ہے۔"

اس نے ریسپونڈر اٹھا کر کان سے لگایا اور پھر کہا "ہیلو، میں چودھری حاکم علی ہوں۔"

میں نے اس کے بیٹے ڈاکٹر نعمان کے لہجے میں کہا "میں نعمان ہوں۔"

"ہاں بیٹے، گلوبل سم فریٹ ہے؟"

اس کے سامنے بیٹھے ہوئے افراد کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ فون کی گھنٹی بجی، کس سے کال نہیں آئی پھر بیٹے سے رابطہ کیسے ہو گیا؟

میں نے چودھری کی کھوپڑی میں مدد کر کہا "فریٹ نہیں ہے ہمارے لیبارٹری کے خانے میں آگ لگ گئی ہے۔ پچیس لاکھ روپے کا مال جل گیا ہے۔"

وہ ایک لمحے میں نہیں آ رہا ہے۔

"آپ فور ایماں آفس، یقین آجائے گا۔"

ہے۔

"آپ ناراض نہ ہوں۔ ہمارے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ فون کی گھنٹی اور فون سے آنے والی آواز جھوٹ ہے۔۔۔ ممکن ہے وہاں آگ نہ لگی ہو۔ آپ کو کوئی نقصان نہ پہنچا ہو۔"

چودھری نے ذرا اطمینان کی سانس لی۔ پھر دونوں ہاتھ دعا کے لئے اٹھا کر بولا "خدا کرے یہ جھوٹ ہو۔ آپ لوگوں کی باتوں سے حوصلہ مل رہا ہے۔"

اسی وقت فون کی گھنٹی بج چڑی۔ چودھری چونک کر سیدھا بیٹھ گیا۔ ان تینوں کو دیکھتے ہوئے بولا "آپ لوگ گھنٹی کی آواز سن رہے ہیں؟"

ایک نے کہا "جی ہاں۔ شاید مسٹر اسمتھ کال کر رہے ہیں۔"

چودھری حاکم علی نے ریسپونڈر اٹھا کر کہا "ہیلو، چودھری حاکم ہوں۔"

دوسری طرف سے بیٹے کی آواز سنا دی۔ "ہیلو ڈیڈی! بہت بری خبر ہے۔"

وہ بھول کر بولا "تمہید نہ بناؤ۔ کام کی بات فوراً بولا کرو۔ کیا ایسا ایک منٹ پہلے تم نے مجھے فون کیا تھا؟"

"جی نہیں۔ ہمارے دونوں فون کے تار کٹے ہوئے ہیں۔ میں دوسری جگہ سے فون کر رہا ہوں۔ ہمارے خانے میں آگ لگ گئی ہے۔"

باپ نے کہا "بھگدھے کیسے کہہ سکتے ہو کہ پہلے فون نہیں کیا تھا جبکہ کیا تھا اور مجھے یہ بری خبر سنا دی تھی کہ ہمارا پچیس لاکھ کا نقصان ہو چکا ہے۔"

جاری رہے۔

”تو پھر مجھ سے متعلق دوستی کرو اسرائیلی صحت کاروں کو منافع میں ایک شنگ بھی نہ دو۔ میری جنگ یہ ہے کہ یہودیوں کو پاکستانی کرنسی تو کیا پاکستان کی ایک چٹکی مٹی بھی نہ ملے۔“

”لیکن اسرائیلی صحت کاروں سے قانونی معاہدہ ہو چکا ہے کہ ہم ان کے فارمولے کے عوض منافع کا چوتھا حصہ دیا کریں گے۔“

”میں اسرائیلی صحت کاروں کو مجبور کروں گا کہ وہ معاہدہ منسوخ کریں اور جب میں معاہدہ منسوخ کروں گا تو تمہیں بھی پاکستانی کرنسی میں چار کروڑ نہیں، صرف ایک کروڑ دوپے ملیں گے۔“

”یہ تو عظیم ہے۔“

”اس حلقے سے کم ہے جو تم اور چوہدری پاکستانی قوم پر کرتے آ رہے ہو میں تمہیں سوچنے کا موقع دے رہا ہوں پھر کسی وقت آؤں گا۔“

”میں خاموش ہو گیا۔ وہ غلامیں نکٹا رہا پھر اس نے آواز دی۔“

”مسٹر فراڈ! آپ موجود ہیں؟“

”میں نے جواب نہیں دیا۔ شیر نے کہا ”مسٹر اسمتہ! مجھے تمہیں مسٹر فراڈ کا کیا چاہیے؟“

”اس نے شیر کو میرے خیالات اور ارادے بتائے۔ اس نے کہا ”جو شخص آپ کی پیشانی سے لہو بہا سکتا ہے وہ آپ کے کاویار کا تمام منافع خیر ذکر لے سکتا ہے۔ فراڈ نے شرافت کا ثبوت دیا ہے اگر وہ آپ کی لیبارٹری پر آگ لگا کر جاتا تو آپ کیا بکا کر لیتے؟“

”میرا مشورہ ہے آپ اسے دوست بنا کر رکھیں۔“

”وہ سوچ میں پڑ گیا۔ میں نے بھی اسے سوچنے کا موقع دیا تھا اس لئے وہاں سے چلا آیا۔ چوہدری کے پاس آکر دکھا ”وہ کاڈر انیو کرنا ہو اور ذرا آباد سے گزر رہا تھا۔ اپنی لیبارٹری بیچنے میں اسے ابھی کافی وقت لگنا تھا اس دماغی طور پر اپنی جگہ حاضر ہو گیا۔“

”دروازے پر دستک ہو رہی تھی۔ میں جا رہا تھا کہ اندھ کر بیٹھ گیا۔ بہت عرصہ پہلے میری پہچانی ہوئی تھی۔ بتایا تھا کہ میں ایک چارواکی پر پیدا ہوا تھا۔ لگ بھگ باہر جا کر قوم اور اس پرگ کے ایسے نرم گرم اور ملائم سرسبز پر سونا رہا تھا۔ ایسی شاہانہ زندگی گزارا تھا کہ اندھ کر اپنے وطن کی بجائی (چارواکی) کو بھول گیا تھا۔ اب میں دیکھی ہوئی دیکھی ہوئی بستر تکیے کلاف اور معمولی طرز کا فرنیچر خرید کر لایا تھا۔ دیکھی ہوئی تقریباً تیس برس پہلے کی زندگی گزارتے ہوئے بہت اچھا لگ رہا تھا۔“

”میں نے اندھ کو دروازہ کھولا، مالک مکان چوہدری کرامت اللہ کھڑا ہوا تھا، بڑے صاف سے تھا۔ مجھے دیکھتے ہی بولا ”آؤ بی بیج تو میں نے محلے والوں کی ایسی کی تمہی کوئی ہے۔ یہ میرے پیچھے بڑھ گئے تھے کہ میں نے کسی چمڑے (خماؤدی) کو مکان کیوں دیا ہے یہاں سب بیوی بیٹے والے رہتے ہیں۔ جوان گریاں ایک دروازے سے دوسرے دروازے آتی جاتی ہیں۔ اپنے کرایہ دار کو یہاں سے

ٹھاکر۔“

”میں نے کہا ”چوہدری صاحب! اندر آجائیں۔ آپ بہت کم ہیں ٹھنڈا پاناؤں گا۔“

”وہ اندر آکر بولا ”میں نے صاف صاف کہہ دیا ہے، میرا کام ہے، میں کسی کو بھی کرائے پر دے سکتا ہوں۔ جس نے ماں کا دل پیسا ہے وہ میرے بندے کو یہاں سے نکال کر کھائے۔“

”پھر وہ رازداری سے ڈھکی آواز میں بولا ”آؤ کوڈر اگر ذرا نرم ہو پڑتا ہے۔ میں نے بعد میں نرمی سے کہہ دیا ہے کہ ایک دو مہینے میں شادی کرلو گے، ایسی لڑکی پسند کر رہے ہو۔“

”ابھی بھی کمال کرتے ہیں چوہدری صاحب! ایسا کہنے کی ضرورت تھی؟“

”ایسا کہنے سے محلے والوں کی تسلی ہو گئی ہے پھر میں تمہارا باپ کی جگہ ہوں۔ تمہاری اتنی عمر ہو گئی ہے اور اب تک نکواری بیٹھے ہو۔ نکواری تو لڑکیاں بیچتی ہیں اس محلے میں سولہ برس لے کر چالیس برس تک کی لڑکیاں نکواری ہیں اور رشتوں انتقام میں ماں باپ پر ہونے لگی ہیں۔ پچھلے برس ایک لڑکی والدین کا بوجھ بٹا کرنے کے لئے خود کشی کر لی، ایک اور لڑکی گھر بھاگ گئی۔ اگر تمہارے جیسے لوگ شادی نہیں کریں گے تو چاروی لڑکیاں کہاں جائیں گی؟ اور اسلام میں تجویز کیا رہا ہے زندگی گزارنے کی اجازت نہیں ہے۔ تم مسلمان ہو شادی کرو۔ نیکی بھی ہوگی۔ یہاں جس لڑکی جس گھر کی طرف اٹھائے گا وہاں شادی ملے کرادوں گا۔“

”میں نے کور سے ایک ٹھنڈی بوتل نکال کر کہا ”میرے سر دیوں میں کیسی پلاسٹک ہوں۔ کیونکہ میرے ہاں چائے اور کھانے کا انتظام نہیں ہے۔ میں نے آپ سے کہا تھا میرے لئے کسی ملا کا بندوبست کریں جو کھانا پکائے اور گھر کی صفائی کرے۔“

”ملازم ہوتی مشکل سے ملتے ہیں۔ بیوی آسانی سے مل جا ہے۔ آج کو آج ہی دس دن آجائے گی۔ جب گھر گرہنی کا آرام سکتا ہے تو ایک ملازم کی تلاش محض حثیت ہے اور یہ بوتل دالے جاؤ۔ میں تمہارے گھر جانے اسی وقت بیوں کا جب دس دن کی۔“

”آپ تو میری شادی کے پیچھے بڑھ گئے ہیں۔ یہ بھی نہیں جانتے ہیں اچھا ہوں یا بد معاش؟ اگر بد معاش ہوں تو کسی لڑکی کی زندگی برباد کر کے بھاگ جاؤں گا پھر محلے والے آپ کو پکڑیں گے۔“

”میری فکر نہ کریں، میں اللہ کے بھروسے پر نیکی کر رہا ہوں۔ میرا ایمان ہے کہ نیکی کا پھل ملتا ہے یہ کیا کہ ہے کہ نیکی کا پھل ضرور کسی شریف زادی کو مل جائے۔“

”پھر وہ صوفے سے اٹھ کر بولا ”کوئی جلدی نہیں ہے۔ اچھ طرح سوچو اور اس پہلو سے سوچو کہ ایسی لڑکی نے خود کشی کی تھی جسے تم نے دس دن پہلے سے انکار کیا تھا یا انکار کر دے تو آجکل میں چپ کر رہنے کی گھر سے بھاگ جائے گی یا اپنی ماں

دے دے گی۔“

”کہہ کر وہ چلا گیا۔ میں نے دروازے کو بند کرتے ہوئے سوچا۔ ”میں نے ایک جذباتی مسئلے میں الجھا لیا ہے۔ یہ تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ میں شادی کیوں کا لیکن یہ میرے ملک کا بہت ہی اہم مسئلہ تھا۔ غربت اور جینے کے محالیت کے باعث شریف زاداں گھر بیٹھے بیٹھے بوڑھی ہو جاتی تھیں یا خاندانوں اور برادریوں میں لڑائی جھگڑوں کے باعث وہ سدا نکواری رہ کر دنیا سے اٹھ جاتی تھیں۔“

”میں نے چوہدری کرامت اللہ کے خیالات پڑھتے ہوئے سوچ رہا تھا ”یہ تیسرا کرایہ دار ہے اس سے پہلے میں نے اور دو کرایہ داروں کی اسی محلے میں شادیاں کرائی ہیں یہ تیسرا بھی راضی ہو جائے گا تو ایک اور لڑکی عزت و آبرو سے اپنا گھر مالے گی۔“

”میں نے محسوس کیا چوہدری کے اندر آتسو پیچھے ہوئے ہیں وہ سوچ رہا تھا ”شبیبی! تیرے ساتھ جو زیادتی ہوئی اس کی خلاق اسی طرح کر سکتا ہوں کہ آخری سانس تک دوسرے گھروں کی بیٹیوں کو دس یا تار نہیں سسرال میں آباد کرتا رہوں۔ میں کیا ہوں، میری اوقات کیا ہے۔ میں تیرے سسرال والوں کے ہماری محالیت پورے نہ کر سکا، اس نوجوان نے شادی سے انکار کر دیا تو اپنی توہین اور باپ کی عداوت کو برداشت نہ کر سکی اور چھت کے نیچے سے گلے میں بھند ڈال کر مر گئی۔ میری بیٹی! میں تیرے ساتھ ہونے والی زیادتی کی خلاق کیا رہوں گا۔“

”میرے دل پر چوٹ سی گئی۔ وہ خود کشی کرنے والی لڑکی چوہدری کی اپنی بیٹی تھی۔ تب ہی وہ مجھے کہہ رہا تھا کہ اچھی طرح سوچو اور اس پہلو سے سوچو کہ ایک ایسی لڑکی نے خود کشی کی تھی جسے تم نے دس دن پہلے سے انکار کیا تھا۔ چوہدری کے ان تھوڑے کے پیچھے ایک مظلوم باپ کے دل کا درد و کرب چھپا ہوا تھا۔ اسے برا انکار کرنے والا جوان اپنی بیٹی کا قاتل دکھائی دیتا تھا۔“

”میں نے مظلوم کیا، وہ نوجوان کون تھا جس نے شبیبو کو خود کشی پر مجبور کیا تھا؟ چوہدری کی سوچ نے بتایا وہ چوہدری کے گھر کے سامنے ہی دو منزلہ مکان میں رہتا ہے۔ اس علاقے میں اس نوجوان شاید کے باپ کے مزید چار مکانات ہیں جن سے ماہانہ پانچ ہزار روپے کی تنفیہ ہے جبکہ چوہدری کے دو ہی مکانات تھے۔ ایک میں وہ بیوی بچوں کے ساتھ رہتا تھا۔ دوسرا مکان اس نے مجھے کرائے پر دیا تھا۔ اس حساب سے پانچ مکانات والا شاید باپ زیادہ حیثیت والا تھا اور اپنے اگلوتے بیٹے کی شادی وہاں کرنا چاہتا تھا جہاں سے ہوجیز میں ایک مکان یا کوٹھی لے کر آئے۔ یہ مکانات اس کا ذریعہ معاش تھے اسے محنت نہیں کرنی پڑتی تھی گھر بیٹھے ہزاروں روپے ملتے رہتے تھے، اس کا بیٹا شاید بھی کام چور تھا اور باپ کے تقویٰ قدم پر چل رہا تھا۔“

”میں نے چوہدری کے ذریعے ان باپ بیٹے کے دماغ میں جگہ

بنائی پھر یہ ملے کیا کہ انہیں اچھا سبق سکھائیں گا۔ چوہدری اپنے علاقے کی تمام شریف زادیوں کو ساکن بنانا چاہتا تھا۔ میں نے یہ بھی ملے کیا کہ اس تم رسیدہ باپ کے ارادوں کو پورا کروں گا۔ وقت ملتا رہا تو ان گھروں میں کسی نہ کسی طرح رشتے بنجاتا رہوں گا اگرچہ معاشرے کے دکھ درد کا علاج کرنے کا موقع مجھے نہیں ملتا ہے پھر بھی کوشش کروں گا۔“

”اور چوہدری حاکم علی حاکم لیبارٹری پہنچ گیا تھا اور وہاں اپنی پہلی تباہی کا نظریاتی آنکھوں سے دیکھ چکا تھا۔ خالے کی آگ اس بری طرح بجلی کی کہ اور لیبارٹری اور ادویات کے گروام کو بھی اپنی لپیٹ میں لے چکی تھی، سب کچھ جل چکا تھا۔ دوا کی ایک کشتی، ایک کبیروں یا ایک گولی بھی نہیں بچی تھی۔“

”چوہدری حاکم نے اپنے اندر سورج کے مطابق ایس بی اور اخباری صحائف کو بکھیرا تھا۔ ایس بی کو وہ سرکاری شناختی کارڈ دکھایا جسے پارس نے جاسوس کے طور پر صوفیہ کو دیا تھا اس کاڈ میں جو تصویر لگی تھی پارس وہی چوہدری کا تھا۔ سہرڈنٹ آف پولیس نے کہا ”چوہدری صاحب میں اس شخص کو تلاش کروں گا لیکن آپ فراد کا نام لے رہے ہیں اس سے یقین سے کہتا ہوں فراد نے کسی کو اتلا کارنامہ کیا یہاں بیچھا ہوگا۔ یہ تصویر والا نوجوان نہیں کہیں نہیں ملے گا۔“

”اخباری صحائف نے کہا ”میں لیبارٹری کی تباہی کی رپورٹ تصویروں کے ساتھ پہلے صفحے پر شائع کریں گے لیکن فراد اور ٹیلی بیٹھی کا ذکر نہیں کریں گے۔“

”چوہدری حاکم نے پوچھا ”کیوں ذکر نہیں کریں گے؟“

”اس لئے کہ اخباریں دنیا جان کی بجائی خبریں شائع ہوتی ہیں۔ ہم فراد اور ٹیلی بیٹھی کا ذکر کر کے اپنے اخبار کو کشش بخیز نہ بنائیں گے۔ یہ اخبارات کے اکاؤنڈ اور ایڈیٹروں کا فیصلہ ہے۔“

”صوفیہ نے کہا ”تمہاری جلی ہوئی لیبارٹری اسی بات کا ثبوت ہے کہ ٹیلی بیٹھی کشش نہیں ہے اور فراد علی بیور خیالی کردار نہیں ہے۔“

”ایک صبحانی نے کہا ”ٹھیک ہے، اگر پولیس والے فراد کو گرفتار کر لیں گے اور عدالت میں ثابت ہو جائے گا کہ فراد ایک زندہ کردار ہے تو ہم اس کے خلاف وہ سب کچھ لکھیں گے جو آپ چاہتی ہیں۔“

”اخبارات کے رپورٹرز اور فوٹو گرافرز چلے گئے۔ چوہدری حاکم نے ایس بی سے کہا ”آپ قانون کے محافظ ہیں۔ اتنے بڑے افسر ہیں اگر آپ فراد کو گرفتار نہیں کریں گے تو ہم انصاف مانگنے لگے گا۔“

”ایس بی نے کہا ”فراد کی بہن شاہید کے دروازے پر تمہیں قتل ہوئے، وہاں بڑے بڑے افسران اور مسلح سپاہی موجود تھے اور سب بے بس تھے کیونکہ انہیں قتل کرنے والا آنکھوں کے سامنے نہیں تھا ان کے دماغوں میں تھا اور انہیں خود اپنے آنکھوں سے مرنے پر

پوچھتی ہوں کیا تم اسنے کم عرف ہو کر لڑکی ہاتھ نہ آئے تو اس کے گھر میں آگ لگا دیے ہو؟ تمہارا جواب میں نہیں میرے ڈیڑی نہیں گئے جواب دو۔

اس نے ریسور باپ کی طرف بڑھا دیا۔ باپ نے اسے لے کر کان سے لگایا۔ میں نے کہا ”چوہدری! میں ایک بیک وقت دو جگہ ہوں۔ تمہارے بیٹے کے داغ میں بول رہا ہوں اور اپنے ریسور کے ماؤتھ میں ہیں تمہارے کان میں اپنی آواز سنا رہا ہوں۔“

باپ بیٹے نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ میں نے کہا ”اور میں تمہاری حرکتیں بھی دیکھ رہا ہوں۔ اگر تم دونوں اپنی طبعی حرکتیں جینا چاہتے ہو اور ابھی حرام موت نہیں مرنا چاہتے تو میرے ساتھ ساتھ بولو کہ صوفیہ سن سکے۔“

چوہدری نے کہا ”پلیز مسٹر فراد! پہلے میری دو باتیں سن لو۔“ ”چوہدری! اب ایک لفظ بھی اپنی طرف سے نہ کہنا۔ اب جو بول رہا ہوں اسے نعمان زبان سے دہرائے گا اور تم خاموش رہو گے چلو نعمان بولو کہ تم کم عرف ہو اور یہ چاہتے ہو کہ صوفیہ فراد سے دوستی کر کے پچیس لاکھ کا نقصان پورا کر سکے۔“

میں اس کے داغ میں تھا وہ میری بات سے انکار نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے کہا ”صوفیہ! میں کم عرف ہوں اور چاہتا ہوں کہ تم فراد سے دوستی کر کے پچیس لاکھ کا نقصان پورا کر سکو۔“

میں نے اس کے داغ سے نکل کر چوہدری کے داغ پر قبضہ

بیٹے جاتے جاتے رک گئے۔ فون کی طرف دیکھنے لگے صوفیہ نے ریسور اٹھا کر کان سے لگایا پھر کہا ”ہیلو؟“

میں نے اس آواز اور لہجے میں اسے مخاطب کیا جسے پارس نے اس کے سامنے اختیار کیا تھا۔ میں نے کہا ”ہیلو صوفیہ! میں تمہارے داغ میں بھی آکر بول سکتا تھا لیکن یہ معلوم کرنے کے لئے فون پر بول رہا ہوں کہ فون کے جو تار کاٹنے گئے تھے جو ڈیڑی کے ہیں یا نہیں؟ پھر تمہارے باپ اور نعمانی کو بھی معلوم ہونا چاہئے کہ میں جسیں یاد کر رہا ہوں وہ چاہیں تو فون پر میری آواز سن سکتے ہیں۔“

چوہدری حاکم علی نے پوچھا ”کس کا فون ہے؟“

وہ بولی ”فراد۔“

نعمانی دوبارہ کرسی پر بیٹھ گیا۔ باپ نے ریسور کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا ”مجھے بات کہنے دو۔“

وہ ایک دم سے پھر کر بولی ”آپ کس رشتے سے بات کریں گے؟ کاہنہ کی سلامتی کے لئے داماد نہیں گے یا بیٹی کا گناہ؟“ ”چوہدری نے گرج کر کہا ”نوشٹ اپ! میں تمہاری زبان سمجھنے لوں گا۔“ ”تو بتاؤ تم دیر سے باپ بیٹے کی چل رہی ہے۔ جو کہنا چاہتے تھے وہ صاف طور سے کہ نہیں پارہے تھے۔ بھائی جان نے ابھی کہا تھا کہ میں فراد کی دعوت قبول کر لیتی تو ہماری لیبارٹری میں آگ نہ لگتی۔“

پھر وہ ریسور کے ماؤتھ میں پر جبکہ کر بولی ”میں فراد سے

تمہارا ہونٹ بن جائے تو یہ رشتہ ہمیں ارب پتی اور کھرب بنادے گا۔“

وہ بولی ”ڈیڈ! آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ فراد آپ کی عمر کا سنا ہے اس کے دو بیٹے جوان ہیں۔“

”جوان ہیں تو کیا ہوا؟ کیا جوان بیٹوں کے باپ شادی نہ کرتے؟ تم جذبات سے نہیں عقل سے سوچو“ کا رو بار شادی ایسی ہی ہوتی ہیں۔“

”میں عقل سے ہی سمجھ کر کہہ رہی ہوں باپ کی عمر اور سے شادی نہیں کروں گی۔“

نعمان نے کہا ”آپ دونوں ایسے بحث کر رہے ہیں جیسے فراد نے صوفیہ کا رشتہ مانگا ہو۔ باپ! دی وے ہمارے پاس جو آئیاتھ سرے پاؤں تک جوان تھا۔ کیا خلی بیٹی ایسا علم ہے جو آدمی سدا جوان رکھتا ہے؟“

”میں آئے والا فراد کا آلہ کار ہو گا۔“

”جو کوئی بھی ہو وہ فراد کی طرف سے ہمیں کھانے کی دعوے رہا تھا۔ تم نے دعوت کو ٹھکرایا اس کے بعد ہی اس نے خانے میں آگ لگائی اور ہمیں اتنا بڑا نقصان پہنچا کر چلا گیا۔“

”اگر میں دعوت قبول کر لیتی تو؟“

نعمان نے میز پر ہاتھ مار کر کہا ”تو میں یقین سے کہتا ہوں ہمیں پچیس لاکھ روپے کا نقصان نہ ہوتا۔“

وہ بولی ”کیا یہ غیرت مند بھائی کہ رہا ہے، کیا پچیس لاکھ بچانے کے لئے یا وہ رقم واپس حاصل کرنے کے لئے مجھے فراد پاس چھوڑ کر آؤ گے بولو آؤ گے۔ وہاں چھوڑ دو؟“

نعمان نے کہا ”ڈیڈ! یہ خواہ خواہ جوش میں آ رہی ہے، آؤ گے کاٹنے کو لپک رہی ہے۔“

”کیا کہا! میں کاٹنے کو لپک رہی ہوں کیا مجھے نہیں کہہ رہے ہو؟“

باپ نے کہا ”ایزی صوفیہ! ایزی۔ اپنے باپ اور بھائی کو فائدہ سمجھو۔ ہم دنیا والوں کے سامنے پچیس لاکھ کے نقصان کا وار کر رہے ہیں ورنہ پچیس لاکھ ہماری بیٹی کے سامنے کچھ نہیں ہیں۔“

ہے ہم اس موضوع پر مزید گفتگو نہ کریں۔“

نعمان نے کہا ”گفتگو نہیں کریں گے تو کسی نتیجے پر بھی نہیں پہنچیں گے۔ اور فراد ہمارے اعصاب پر سوار رہے گا۔ آئندہ ہمیں نقصان پہنچانا رہے گا۔ ابتدا پچیس لاکھ سے ہوئی ہے۔“

جائے اتنا کہاں ہوگی۔“

باپ نے کہا ”متم نکال ہو جائیں گے“ شاندار کو ٹھیلو اور کاروں سے نکل کر فٹ پاتھ پر آجائیں گے صوفیہ کو آرام سے سوچنے دو کہ سمجھوتے کا جو کسی راستہ رہ گیا ہے اس پر ہمیں چاہئے یا نہیں۔“

وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا، نعمان بھی باپ کے ساتھ اٹھ گیا۔ وہ بیٹی رسی اور یہ سمجھتی رہی کہ باپ بھی جی چاہتا ہے کہ معاملہ نظروں میں نہیں کہ رہا ہے۔ اسی وقت فون کی گھنٹی بجنے لگی۔

مجبور کرتا رہا تھا۔ کیا افسران ثابت کر سکتے ہیں کہ وہ قتل کے چارے تھے؟ وہ تو افسروں کے سامنے خودکشی کر رہے تھے اور قانون کے مطابق ان افسران کو خودکشی کی ہی رپورٹ پیش کرنی پڑی۔ اسی طرح کیا آپ ثابت کر سکتے ہیں کہ اس لیبارٹری کو فراد نے جلا کر خاک کیا ہے؟ ہمیں ثبوت اور کوئی چاہئے اس کے بغیر میں آپ کے کسی کام نہیں آسکوں گا۔“

چوہدری کے بیٹے والا نعمان نے کہا ”آپ سے ہمارے ورینہ تعلقات ہیں۔ آپ ہماری خاطر رازداری سے چپ چاپ فراد کو تلاش تو کر سکتے ہیں؟ اس کا چٹھکا تو معلوم کر سکتے ہیں؟“

”رازداری، ہمارے تمہارے درمیان ہو سکتی ہے۔ ٹیلی بیٹھی جانے والے کے سامنے کوئی راز راز نہیں رہتا۔ کیا تم میں سے کوئی جانتا تھا کہ وہ تم سب کے داغوں میں پھنچ جائے گا؟ کیا یہ یقین سے کہہ سکتے ہو کہ اچھی وہ ہمارے درمیان نہیں ہوگا اور آئندہ مجھے نقصان نہیں پہنچائے گا؟ میں دردی آتا رہوں گا استغفار سے دوں گا لیکن اسے تلاش نہیں کر سکوں گا۔“

وہ سو رہی کہ کر چلا گیا۔ تین باپ بیٹا اور بیٹی دفتری کمرے میں تھوڑی دیر تک چپ بیٹھے رہے پھر باپ نے کہا ”خلی بیٹی بہت ہی خطرناک علم ہے۔ بڑی سرطاقتیں بھی فراد سے نکلتی ہیں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا میں کیا کروں؟ اس کے خوف سے نیند نہیں آتی بھوک نہیں لگتی۔ کسی بات پر ہنسنے ہنسنے سمجھا جاتا ہوں وہ موت کی طرح آتا جاتا ہے۔“

صوفیہ نے کہا ”آج تک میں نے اس کا ذکر نہ کیا تھا، اب اتنی زبردست تباہی دیکھ کر میرا سکون بھی غارت ہو گیا ہے۔ اگر اس کا رو بار میں کر دوں گا منافع نہ ہو تو انہماک سے چھوڑ دیتے۔“

چوہدری نے کہا ”فراد کو صرف یہ اعتراض ہے کہ یہودی پاکستان سے اپنا منافع لے جاتے ہیں۔“

نعمان نے کہا ”فراد سے سمجھوتے کا کوئی راستہ نکالنا چاہئے۔“

صوفیہ بولی ”کیا ہمیں پتا ہے وہ کپا عیاش ہے۔ مجھے آج رات کھانے پر بلا رہا تھا۔“

چوہدری حاکم نے چپک کر پوچھا ”کیا وہ ہمیں ڈنر کے لئے کہہ رہا تھا اور تم نے انکار کر دیا؟“

”ہاں اور کیا کرتی کیا تم کو اس کے پاس چلی جانی؟“

”بیٹی! وہ کھانے پر بلا رہا تھا۔ کھانے کے ساتھ ہمیں تو نہیں کھا لیتا۔ تم مسجد اور ہوڈرا سوچو، ملاقات کا سلسلہ جاری رہتا تو حقیقت سامنے آ جاتی کہ تم سے ملاقات کرنے والا محض آلہ کار ہے یا خود فراد ہے۔“

نعمان نے کہا ”ایک بار صرف ایک بار یہ یقین ہو جائے کہ تم سے ملنے والا فراد ہے تو اسے گولی مارنے میں دیر نہیں لگے گی۔“

چوہدری نے بیٹے سے کہا ”تمہارا خون گرم ہے۔ صرف گولی مارنے کی بات نہ سوچو۔ اگر وہ صوفیہ کو پھنسا کر لے لیا اور

معاشرتی جبر کے خلاف ایدہ جنا کا قلم تیغ برہنہ بن جاتا ہے

ان کی کتاب



سکياں
مہرتے ہوئے مظلوموں
کے لیے ان کی تحریکیں
مرتب کا درجہ
رکھتی ہیں

زاہد کے فاضول کا یہ مجموعہ
شاہزادہ اور امجدی مظلوم
خون خیمین حاصل کیا ہے

اُردو افسانے میں
زاہد جانا
کا نام اور کام
کسی تعارف کے
محتاج نہیں

قیمت پرہیز و بے ڈاک سچ رہا ہے
نہ پیش بھی معنی زور
بھینے پر ڈاک خرچ صاف

کتابیات کی نشر و پراش کے لیے لکھی گئی ہے

”کون باپ؟“
 ”جنہیں آپ فرما دیتے ہیں اور دشمن سمجھتے ہیں“ انہوں نے
 مجھے بتایا ہے۔“
 ”تو مان لے کر دے گا“ مجھ کو تمہارے دو باپ ہیں۔“

میں نے کہا، ”میری خبر نہ رکھو۔ لندن اور قتل ایب کے بینک اکاؤنٹس کی خبر لو۔ وہ لاکھوں پونڈز اور کروڑوں سیال تم نے پاکستان کی زمین پر رہ کر کمائے ہیں۔ وہ پاکستان کی دولت ہے۔ قوم

”میرا پاسپورٹ
لے کر نپولینک ایجنٹ کے پاس جاؤ اور کسی بھی پہلی فلائٹ سے
سے دو نوک فیلہ کروں گا۔ اگر انہوں نے ہمیں مکمل تحفظ نہ دیا تو
میں انہیں اس کے سامنے ٹھیکے دیں گے۔“

اس بات پر سب ہنسنے لگے۔ بزرگ خاتون نے کہا۔ ”یہ بڑی بات ہے کہ برسوں امریکا میں رہ کر بھی تم اپنیوں میں آگئے ہو۔“

مجھے اپنے ساتھ اس مکان میں لانے والے جوان نے کہا۔ ”اسی باپ فرما رہے تھے کہ یہاں ان کا اپنا گھر نہیں ہے۔“ بزرگ نے کہا۔ ”ہم ہیں۔ اپنا بنائے گا جہیز ہو تو لوگ اپنے بنتے ہیں۔“

اسی وقت ایک جوان لڑکی چھوٹی سی لڑائی میں چائے اور ناشتا لے کر آئی۔ چھپرے سے مجھے سلام کیا پھر چھائی کی دُش بڑھا کر بولی۔ ”یہ لاہور کی خاص مٹائیں میں سے ایک ہے۔ اسے جیسا کہتے ہیں۔“

میں پلیٹ میں سے مٹائی کا ایک کٹوا لیتے ہوئے لڑکی کے خیالات پڑھنے لگا۔ بات تو پہلے ہی سمجھ میں آگئی تھی۔ اس کے خیالات نے تصدیق کر دی کہ مجھے کونواہ سمجھ کر خاطر ودارات ہو رہی ہیں۔

میں ان کی خوش فہمی فوراً ہی ختم کر سکتا تھا لیکن پہلے میں نے لڑکی کے خیالات اور جذبات پڑھے۔ اس کا نام کشور فاطمہ تھا۔ وہ بی اے کی طالبہ تھی اور کالج کے ایک نوجوان اقبال سے محبت کرتی تھی والدین کے حکم سے مجبور ہو کر وہ میرے سامنے ناشتے کی لڑائی لے کر آئی تھی۔

اس کی سوچ نے بتایا کہ اقبال بھی اسے دل وجان سے چاہتا ہے لیکن اس کے اور اقبال کے بزرگوں کے درمیان بہت پرانا خانہ دانی بھڑکا ہوا تھا۔ اقبال نے طے کیا کہ بزرگوں کی ضد اور اکر ختم کرنے کے لئے وہ گھر سے بیوگ جائیں گے۔ جب لڑکی والدین کو بدنامی کا احساس ہو گا اور لڑکے والدین کو اکلوتے بیٹے کے ہاتھ سے جانے کا صدمہ ہو گا تو وہ پرانی ٹھکسی پٹی دشمنی سے باز آجائیں گے۔

ابھی وہ دونوں مجبور تھے۔ اقبال ابھی کالج میں زیر تعلیم تھا آمدنی کا کوئی ذریعہ نہیں تھا اور گھر سے باہر دونوں کے لئے پناہ کی کوئی جگہ نہیں تھی۔ اس لئے وہ پریشان تھے اور سوچ رہے تھے کہ محبت سے لے کر شادی کی منزل تک کیسے پہنچ جائے؟

بزرگ خاتون نے کہا۔ ”یہ میری بیٹی کشور فاطمہ ہے۔ بی اے کے آخری سال میں ہے۔ ہر سال اول آتی ہے۔ جب دوسو کا امتحان دیا تھا تو صوبے بھر میں اول پوزیشن حاصل کی تھی۔“

کشور کے والد نے مجھ سے پوچھا۔ ”تم امریکا میں کیا کرتے تھے اور اب یہاں کیا کرنے کا ارادہ ہے؟“

”میں وہاں نجوی تھا۔ دوسروں کو قسمت کا حال بتاتا تھا۔“ بزرگوں نے مجھے بے یقینی سے دیکھا۔ پھر خاتون نے ناگواری سے پوچھا۔ ”نجوی؟“

”جی ہاں۔ آپ نے یہاں فٹ بالچہ بڑ دیکھا ہو گا۔ طوطا فال نامہ کھولتا ہے۔ یہاں کے نجوی بہت چھوٹے اور کمتر سمجھے جاتے ہیں۔ لیکن امریکا میں یہ ایک نئی اور انوکھی چیز ہے۔ جب میں نیویارک میں ’فلاڈلفیا اور شکاگو کے فٹ بالچہ پر طوطے کے ذریعے فال نامہ کھولتا تھا اور قسمت کا حال بتاتا تھا تو لوگوں کی بیہوش لگ

جاتی تھی۔ وہاں میں نے لاکھوں ڈالر کمائے ہیں۔“

”لیکن یہاں قسمت کا حال بتانے والے نجوی اور طوطے فال کرتے ہیں۔ سوسائٹی میں ان کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔“

”مگر آپ لوگوں سے رشتے داری ہو جائے گی تو سوسائٹی میری حیثیت ہوگی۔ میں امریکا سے آیا ہوا نجوی کملاؤں گا۔“

”رشتے داری کی بات نہ کرو۔ ہم خاندان میں اپنی جیسی فہم اڑانا چاہتے۔ تم پردی ہو۔ پردی کی طرح رہو۔ ہمارے لاشی کو خدمت ہو تو کرنا۔ ہم تمہارے کام آئیں گے۔“

میں ”شکر ہے“ کہتے ہوئے اٹھ گیا۔ کسی نے نہیں پوچھا کہ یہ کیوں اٹھ گیا اور میں اتنی جلدی کیوں جا رہا ہوں۔ کشور فاطمہ نے کہا۔ ”چائے پی لیں۔“

ماں باپ نے بیٹی کو گھور کر دیکھا۔ میں نے کہا۔ ”تم نے جہیز کھلایا ہے اس کی لذت اور محاسن یاد رکھوں گا۔ میری دعا ہے تمہارا اقبال بلند رہے۔“

کشور فاطمہ نے چونک کر مجھے دیکھا۔ میں پلیٹ کر تیزی سے ہڑ ہوا باہر آ گیا۔ چائے کی طلب باقی رہی۔ میں لال چل کر طرف ہوا کسی ہوٹل میں چائے پی سکتا تھا۔ کچی کے سرے پر ایک صاحب مکان کے دروازے پر کھڑے ہوئے تھے۔ انہوں نے مسکرا کر آکر بڑھتے ہوئے سلام کیا پھر معاف کرتے ہوئے کہا۔ ”آپ مجھے فہم جانتے ہیں آپ کو جانتا ہوں۔ آپ کا نام ارسلان ہے اور آپ چوہدری کریمت اللہ کے کرائے دار ہیں۔ چوہدری صاحب آپ بڑی تحریفیں کر رہے تھے۔“

میں نے انکار سے کہا۔ ”میں ایک ناچیز بندہ ہوں کسی تحریف کے قائل نہیں ہوں۔“

”امی آپ تو چھپے رسم ہیں۔ امریکا سے آئے ہیں۔ کرا جا رہے ہیں؟“

”ذرا چائے پیئے جا رہا ہوں۔“

”کیوں خرمندہ کرتے ہیں۔ محلے داری بھی کوئی چیز ہوتی ہے آپ ہمارے ہوتے ہوئے دکان کی چائے پیئیں گے۔ دیے ایک بات سمجھ میں نہیں آئی۔ ابھی آپ امجد صاحب کے مکان سے نکل کر آ رہے ہیں۔ کیا انہوں نے چائے کو بھی نہیں پوچھا؟“

”پوچھا تھا۔ میں نے بمانہ کر دیا کہ چائے نہیں پیتا ہوں۔“

”رہے دیں ارسلان صاحب۔ آپ ہم سے زیادہ امجد صاحب کو نہیں جانتے۔ وہ جھٹل دیکھتے ہیں کسی سے کام لکھتا ہے۔ جس کا نام نہ لگے اسے اپنی کو بھی نہیں پوچھتے۔ کیا آپ کو یہ بات معلوم ہے؟“

”کون سی بات؟“

”میں کہ ان کی لڑکی کشور فاطمہ ایک لڑکے سے چھپی ہوا ہے۔ لڑکے کا نام اقبال احمد ہے۔“

دروازے کے پیچھے سے ایک خاتون کی آواز آئی۔ ”چھوڑیں سہلی کے ابا کالج جانے والی لڑکیاں ایسے ہی محلے کلا

ہیں۔ ہم نے تو اپنی دونوں بیٹیوں کو مشرقی تعلیم دی ہے۔ روڑے نماز کی پابند ہیں۔ جس گھر میں بیادہ کر جائیں گی اسے جنت بنا دیں گی۔“

سہلی کے ابا نے کہا۔ ”ارے میاں ارسلان! میں بھی سہلی کا ہوں۔ دروازے پر ہاتھیں کر رہا ہوں۔ اندر آؤ، ہمیں پینے کے لئے حزن بڑھانے کی۔“

میں نے پوچھا۔ ”کیا واقعی آپ کی بیٹیاں روڑے نماز کی پابند درویشہ شمار ہیں؟“

”بے شک۔ یہ تو سارا عملہ جانتا ہے۔“

”لیکن اسی محلے کے ایک میاں بیوی جو دوسری گلی میں رہتے ہیں وہ آپ کی بیٹیوں کی برائیاں کر رہے تھے۔ اب میں ان کی تمام باتیں نہیں سنا سکتا۔ گھر وہ دعویٰ کر رہے تھے کہ آپ کی بیٹیوں کا رشتہ بھی نہیں آئے گا اور وہ عمر بھر کنواری ہی بیٹھی رہیں گی۔“

وہ غصے سے گالیاں دیتے ہوئے بولے۔ ”وہ کون لوگ ہیں ذرا مجھے ان کے نام یاد گھر کا نمبر بتائیں؟“

میں نے کہا۔ ”بتانے سے کیا ہو گا۔ کیا آپ امجد صاحب کے سامنے کشور فاطمہ کی برائی کریں گے؟“

”مجھے کیا پڑی ہے کہ میں ان کی بیٹی کے عیب نکالوں اور جھڑا شروع کروں۔“

”اسی طرح وہ لوگ بھی آپ کے سامنے آپ کی بیٹیوں کے عیب بیان نہیں کریں گے۔ وہ آپ سے ٹھٹھے بن کر بولیں گے جیسے آپ کشور کے والدین کے سامنے محاسن سے بولتے ہیں۔“

وہ ناگواری سے بولے۔ ”کیا تم ہمیں طعنہ دے رہے ہو؟“

”نہیں۔ میں تو سمجھا رہا ہوں۔ جب تک آپ دوسرے کی بیٹیوں پر کچڑا چھالتے رہیں گے دوسرے بھی کیسے سے آنے والے شے کو آپ کے دروازے تک پہنچنے نہیں دیں گے اس محلے میں لکھ ہمارے معاشرے میں یہی ہو رہا ہے۔ کہیں کچڑا چھالی جارہی ہے اور بات ابھیں جارہی ہے۔ کیسے خاندانی غرور اور برادری میں جھگڑوں کے بانے پائیاں کرا رہے ہیں۔ آپ بزرگوں کو

ہیں۔ ہم نے تو اپنی دونوں بیٹیوں کو مشرقی تعلیم دی ہے۔ روڑے نماز کی پابند ہیں۔ جس گھر میں بیادہ کر جائیں گی اسے جنت بنا دیں گی۔“

دلوں سے کدورت نکالنا چاہئے ورنہ معصوم بیٹیاں بھی سامان نہیں بن سکیں گی۔“

میری بات پوری ہونے سے پہلے ہی وہ اندر گئے پھر دروازے کو بند کر لیا۔ مجھے کچھ میں تھا چھوڑ دیا۔ اس گھر کی بھی بڑھ چائے میرے ہونٹوں سے دور ہو گئی۔ میں مسکراتا ہوا آگے بڑھ گیا۔

ایک ہوٹل میں پہنچ کر کمرے کو چائے لانے کے لئے کہا پھر کشور کے باپ کے دربار میں پہنچ گیا۔ وہ اپنی بیوی سے کہہ رہا تھا۔ ”ہم حقیقت سے آگے نہیں چرا سکتے۔ ہماری بیٹی کے ساتھ اقبال کا لیا ایا جاتا ہے۔ پتا نہیں محلے والے کیسے جاسوسی کرتے ہوئے اقبال تک پہنچ گئے ہیں اور اب بچے بچے بدنام کر رہے ہیں۔“

بیوی نے کہا۔ ”آپ مردوں کو خاندانی جھگڑے بڑھانے میں بڑی مداخلت نظر آتی ہے۔ آپ بیٹی کے باپ بن کر سوچیں۔ کیا اقبال کے باپ سے صلہ نہیں ہو سکتی؟“

جشید نے کہا۔ ”ای! آپ ابو کو دشمنوں کے سامنے بھجنے کو کہہ رہی ہیں۔ میں ٹوٹنا چاہتا ہوں، بھٹکانا نہیں جانتا۔“

ماں نے کہا۔ ”تو بڑا غیرت والا ہے۔ تیری بیوی ہمیں باتیں سن کر کھینکے چلی گئی۔ وہاں جا کر کہتی ہے ہم ہاتھ جوڑ کر اسے لینے آئیں گے تو وہ آئے گی، نہیں تو اس کی جوتی بھی نہیں آئے گی۔ تو غیرت والا ہوتا تو اسے آنے پر مجبور کرنا۔ مگر ہم سے کہتا ہے کہ ہم باکر اسے لائیں۔ جب تو ٹوٹنا چاہتا ہے، بھٹکانا نہیں جانتا تو سرسال میں کیوں جھٹکتا جاتا ہے؟“

”ای! آپ کہاں کی بات کماں لے جاتی ہیں۔“

میں نے باپ کو بولنے پر مجبور کیا۔ ”وہ بولا۔ ”ہم سو کے کھینکے جائیں گے، ہاتھ جوڑ کر اسے لائیں گے۔ شرط یہ ہے کہ تو اقبال کے گھر جا۔“ اس سے دوستی کر۔ اس کے باپ کو بول کہ میں ان سے ملنا چاہتا ہوں۔“

پھر میں جشید کے دربار میں آیا۔ اسے سوچنے پر مجبور کیا۔ ”اگر میں اقبال کے گھر جائے اسے انکار کروں گا تو اسی کو بھی میری بیوی کو منا کر یہاں نہیں لائیں گے۔ بیوی کی خاطر ہمیں کے معاملے میں

کالی کہانیاں

- ☆ جبرائیل
- ☆ جادو
- ☆ ارواح
- ☆ شیطان ازم
- ☆ ذہانت
- ☆ حفاظت
- ☆ اسرار
- ☆ طرز و مزاج

- ☆ ایک انسانی کردار جو زندہ ہو گیا تھا۔
- ☆ ایک حیرت انگیز عقیدہ جو اپنی ہیئت بدل سکتا تھا۔
- ☆ ایک جھول سا دی جس کے پاس پراسپین ڈولر کا نقشہ تھا۔
- ☆ وہ شخص جسے حالت ادوی کا لڑا لیا تھا۔
- ☆ ایک بڑا راز پر بند جس کے پاس مادرانی حالتیں تھیں۔
- ☆ ایک تھیں کے اندر ایک جی بند تھا۔
- ☆ وہ اشتیاقی عزم جس نے زندگی میں کوئی نیک کام نہیں کیا تھا۔

☆ حقیقت ۔۔ وہ مڑو ہے

☆ حقیقت کا بیان دماغ کا بیان نہ ہو بلکہ بیان

☆ مکتبہ نفسیات • بڑے محل نمبر ۹۴۳ • کراچی

نرم پر ہنسی ہو گا۔

جیشہ کی مال خوش ہو کر اپنے شوہر سے کہہ رہی تھیں "آپ اقبال کے باپ سے ملنا چاہتے ہیں۔ میرے لئے اس سے بڑی خوشی کوئی نہیں ہو سکتی۔ آپ یقین کریں مجھے کہ ہر گھر میں لڑکیاں دیکھ کر ہول آتا ہے کہ ہماری کشور بھی بیٹی نہ رہ جائے۔ خدا کے لئے آپ ادا افتخار فیصلہ پر قائم رہیں۔"

وہ بول رہی تھی اور کشور کا باپ سوچ رہا تھا "میرے منہ سے بے اختیار بات کیسے نکل گئی کہ میں دشمن سے ملنا چاہتا ہوں؟ شاید خدا کو یہ منظور ہے۔ میرے اندر بھی بے چینی تھی کہ بھڑا جیسی جوان بیٹی جلد از جلد اپنے گھر کی ہو جائے۔ اچھا ہے اس طرح پرانی دشمنی ختم ہو جائے گی۔ میں اسی فیصلہ پر عمل کروں گا۔"

میں نے کشور کے داغ میں جھانک کر دیکھا۔ وہ دروازے کی آڑ میں کھڑی والدین کی باتیں سن رہی تھی اور خوش ہو رہی تھی۔ میں نے پچھلے سے کہا "میری دعا ہے کہ تمہارا اقبال بلند رہے۔"

وہ چونک گئی۔ اس کی سمجھ میں یہی آیا کہ اسے میری دعا یاد آ رہی ہے۔ وہ دل پر ہاتھ رکھ کر دل میں بولی "دعا دینے والے تو کسے دیتے جاتے۔"

میری بہن شادیہ بچن میں مصروف تھی۔ ٹیلیفون کی گھنٹی سن کر بیٹی نے بولی "شینہ اڈھو کس کا فون ہے؟"

شینہ ذرا تنگ دم میں آئی۔ پھر ریپور اٹھا کر بولی "ہیلو!"

دوسری طرف خاموشی رہی۔ اس نے پوچھا "ہیلو کون ہے؟"

پھر جواب نہیں ملا۔ وہ ریپور رکھ کر بچن میں آئی۔ شادیہ نے پوچھا "کون تھا؟"

بیٹی نہیں تھا۔ میں نے دوبار پوچھا۔ جواب نہیں ملا تو ریپور رکھ دیا۔

"یاد ہے تمہارے فراد اہلوں نے کیا سمجھا تھا؟ دشمن ٹیلی فنی جتنی جانتے والے چپ چاپ فون پر آواز سننے ہیں پھر داغ میں بیچ جاتے ہیں۔ اس لئے فون پر آواز بدل کر بولنے کی پریکٹس کرو۔"

"امی! میں نے پریکٹس کی تھی۔ مگر مجھ سے نہیں ہوتا۔ لہجہ بدل کر بولنا سراسر اداکاری ہے اور مجھے اداکاری نہیں آتی۔"

"اپنی حفاظت اور سلامتی کے لئے وہ سب کچھ سیکھنا چاہئے۔ تو جیسے نہیں آتا۔ تمہارے اماں کو ساتھ لے کر ہماری نگرانی کریں گے؟"

"امی! میں پھر کوشش کروں گی۔"

وہ ہمزی کات کر ماں کے پاس رکھتی ہوئی بولی "میں لبرٹی مارکیٹ جانا چاہتی ہوں۔ کچھ کتابیں اور کیٹ خریدوں گی۔"

"ضرور جاؤ۔ مگر بھائی کو ساتھ لے جاؤ۔"

وہ کامران کے پاس آئی۔ اس کے لہجہ سے کتاب جھین کر بولی "جب دیکھو پڑھتے رہتے ہو یا سانسٹی جڑوات کرتے رہتے ہو۔ چلو مارکیٹ چلیں۔"

کامران نے اس سے کتاب جھین کر کہا "امی! کتنی ہیں مجھے پارس بھائی اور علی بھائی کی طرح علم حاصل کرنا چاہئے۔ ہر مذہب ہونا

چاہئے۔ میں ان کی طرح ہر مذہب کا شہسوار بنوں گا۔"

"میرے اچھے بھائی! ضرور سن جانا۔ مگر تم کوئی دیر کے لئے چلا آئی مجھے تمنا نہیں جاتے دین گی۔"

"انجینبات ہے میں لباس تبدیل کر کے آتا ہوں۔"

وہ اپنے بند دم میں آئی۔ اس نے آئینے کے سامنے ہلکا سا میک اپ کیا۔ بالوں کو برش کیا۔ پھر باہر نکل کر کیراج سے کار نکالے گئی۔ سامنے والی کوٹھی کی چھت پر پارس کھڑا ہوا تھا۔ اس نے شینہ کو دیکھ کر سوچا "میں تمہاں جا رہی ہوں؟ یا اپنے غشی سے متاثر ہے کہ بچے تمہاں بہر نہ جایا کریں۔"

ایک منٹ کے بعد کامران آکر کار میں بیٹھ گیا۔ شینہ ڈرائنگ کرتی ہوئی جانے لگی۔ پارس کو اطمینان نہیں ہوا "کامران سڑا اٹھا۔ برس کا تھا، اپنی بڑی بہن کی خاطر خواہ حفاظت نہیں کر سکتا تھا۔ وہ چھت سے اتر کر گئے آئے۔ پھر کار میں بیٹھ کر اسے ڈرائیو کر ہوا اٹھا۔ شینہ کی کار نظروں سے اوجھل ہو گئی تھی۔ وہ کار کی رفتار بڑھاتا ہوا لبرٹی مارکیٹ کے سامنے آیا۔ ٹر اور کامران نظر نہیں آ رہے تھے۔ تاہم کچھ دیر تک گئے تھے۔

پارس نے ایک جگہ کار روکی۔ پھر اپنی کلائی کی گھڑی کی چال دیکھ کر ہلچل کر اسے مخصوص انداز میں تھماتے لگا۔ میں خیال ڈھال رہی تھی۔ وہ کار کی رفتار بڑھاتا ہوا لبرٹی مارکیٹ کے سامنے آیا۔ ٹر اور کامران نظر نہیں آ رہے تھے۔ تاہم کچھ دیر تک گئے تھے۔

پارس نے ایک جگہ کار روکی۔ پھر اپنی کلائی کی گھڑی کی چال دیکھ کر ہلچل کر اسے مخصوص انداز میں تھماتے لگا۔ میں خیال ڈھال رہی تھی۔ وہ کار کی رفتار بڑھاتا ہوا لبرٹی مارکیٹ کے سامنے آیا۔ ٹر اور کامران نظر نہیں آ رہے تھے۔ تاہم کچھ دیر تک گئے تھے۔

پارس نے ایک جگہ کار روکی۔ پھر اپنی کلائی کی گھڑی کی چال دیکھ کر ہلچل کر اسے مخصوص انداز میں تھماتے لگا۔ میں خیال ڈھال رہی تھی۔ وہ کار کی رفتار بڑھاتا ہوا لبرٹی مارکیٹ کے سامنے آیا۔ ٹر اور کامران نظر نہیں آ رہے تھے۔ تاہم کچھ دیر تک گئے تھے۔

پارس نے ایک جگہ کار روکی۔ پھر اپنی کلائی کی گھڑی کی چال دیکھ کر ہلچل کر اسے مخصوص انداز میں تھماتے لگا۔ میں خیال ڈھال رہی تھی۔ وہ کار کی رفتار بڑھاتا ہوا لبرٹی مارکیٹ کے سامنے آیا۔ ٹر اور کامران نظر نہیں آ رہے تھے۔ تاہم کچھ دیر تک گئے تھے۔

پارس نے ایک جگہ کار روکی۔ پھر اپنی کلائی کی گھڑی کی چال دیکھ کر ہلچل کر اسے مخصوص انداز میں تھماتے لگا۔ میں خیال ڈھال رہی تھی۔ وہ کار کی رفتار بڑھاتا ہوا لبرٹی مارکیٹ کے سامنے آیا۔ ٹر اور کامران نظر نہیں آ رہے تھے۔ تاہم کچھ دیر تک گئے تھے۔

پارس نے ایک جگہ کار روکی۔ پھر اپنی کلائی کی گھڑی کی چال دیکھ کر ہلچل کر اسے مخصوص انداز میں تھماتے لگا۔ میں خیال ڈھال رہی تھی۔ وہ کار کی رفتار بڑھاتا ہوا لبرٹی مارکیٹ کے سامنے آیا۔ ٹر اور کامران نظر نہیں آ رہے تھے۔ تاہم کچھ دیر تک گئے تھے۔

پارس نے ایک جگہ کار روکی۔ پھر اپنی کلائی کی گھڑی کی چال دیکھ کر ہلچل کر اسے مخصوص انداز میں تھماتے لگا۔ میں خیال ڈھال رہی تھی۔ وہ کار کی رفتار بڑھاتا ہوا لبرٹی مارکیٹ کے سامنے آیا۔ ٹر اور کامران نظر نہیں آ رہے تھے۔ تاہم کچھ دیر تک گئے تھے۔

پارس نے ایک جگہ کار روکی۔ پھر اپنی کلائی کی گھڑی کی چال دیکھ کر ہلچل کر اسے مخصوص انداز میں تھماتے لگا۔ میں خیال ڈھال رہی تھی۔ وہ کار کی رفتار بڑھاتا ہوا لبرٹی مارکیٹ کے سامنے آیا۔ ٹر اور کامران نظر نہیں آ رہے تھے۔ تاہم کچھ دیر تک گئے تھے۔

پارس نے ایک جگہ کار روکی۔ پھر اپنی کلائی کی گھڑی کی چال دیکھ کر ہلچل کر اسے مخصوص انداز میں تھماتے لگا۔ میں خیال ڈھال رہی تھی۔ وہ کار کی رفتار بڑھاتا ہوا لبرٹی مارکیٹ کے سامنے آیا۔ ٹر اور کامران نظر نہیں آ رہے تھے۔ تاہم کچھ دیر تک گئے تھے۔

پارس نے ایک جگہ کار روکی۔ پھر اپنی کلائی کی گھڑی کی چال دیکھ کر ہلچل کر اسے مخصوص انداز میں تھماتے لگا۔ میں خیال ڈھال رہی تھی۔ وہ کار کی رفتار بڑھاتا ہوا لبرٹی مارکیٹ کے سامنے آیا۔ ٹر اور کامران نظر نہیں آ رہے تھے۔ تاہم کچھ دیر تک گئے تھے۔

پارس نے ایک جگہ کار روکی۔ پھر اپنی کلائی کی گھڑی کی چال دیکھ کر ہلچل کر اسے مخصوص انداز میں تھماتے لگا۔ میں خیال ڈھال رہی تھی۔ وہ کار کی رفتار بڑھاتا ہوا لبرٹی مارکیٹ کے سامنے آیا۔ ٹر اور کامران نظر نہیں آ رہے تھے۔ تاہم کچھ دیر تک گئے تھے۔

پارس نے ایک جگہ کار روکی۔ پھر اپنی کلائی کی گھڑی کی چال دیکھ کر ہلچل کر اسے مخصوص انداز میں تھماتے لگا۔ میں خیال ڈھال رہی تھی۔ وہ کار کی رفتار بڑھاتا ہوا لبرٹی مارکیٹ کے سامنے آیا۔ ٹر اور کامران نظر نہیں آ رہے تھے۔ تاہم کچھ دیر تک گئے تھے۔

پارس نے ایک جگہ کار روکی۔ پھر اپنی کلائی کی گھڑی کی چال دیکھ کر ہلچل کر اسے مخصوص انداز میں تھماتے لگا۔ میں خیال ڈھال رہی تھی۔ وہ کار کی رفتار بڑھاتا ہوا لبرٹی مارکیٹ کے سامنے آیا۔ ٹر اور کامران نظر نہیں آ رہے تھے۔ تاہم کچھ دیر تک گئے تھے۔

پارس نے ایک جگہ کار روکی۔ پھر اپنی کلائی کی گھڑی کی چال دیکھ کر ہلچل کر اسے مخصوص انداز میں تھماتے لگا۔ میں خیال ڈھال رہی تھی۔ وہ کار کی رفتار بڑھاتا ہوا لبرٹی مارکیٹ کے سامنے آیا۔ ٹر اور کامران نظر نہیں آ رہے تھے۔ تاہم کچھ دیر تک گئے تھے۔

پارس نے ایک جگہ کار روکی۔ پھر اپنی کلائی کی گھڑی کی چال دیکھ کر ہلچل کر اسے مخصوص انداز میں تھماتے لگا۔ میں خیال ڈھال رہی تھی۔ وہ کار کی رفتار بڑھاتا ہوا لبرٹی مارکیٹ کے سامنے آیا۔ ٹر اور کامران نظر نہیں آ رہے تھے۔ تاہم کچھ دیر تک گئے تھے۔

میں نے ان دونوں پر نظر رکھ سکتا تھا۔

میں نے کامران کے خیالات پڑھے۔ وہ سوچ رہا تھا "بابی مجھے کہاں لے جا رہی ہیں۔ میں بابی سے بامبار پوچھنے کی کوشش کرتا ہوں مگر جانے کیا بات ہے کہ نہیں پوچھ رہا ہوں۔"

اس کا مطلب یہ تھا کہ وہاں دو دشمن خیال خزانہ کرنے والے تھے۔ دوسرے نے کامران کے داغ کو اپنے تابو میں رکھا تھا۔ میں نے پارس کے پاس آکر دیکھا۔ وہ ٹرنگ پولیس کے ایک سپاہی کو لفٹ سے قلم اسٹوڈیو کی طرف لے جا رہا تھا۔ اس طرح وہ لٹان روڈ پہنچ گیا تھا۔ میں نے کہا "اسی راستے پر سیدھے ٹھوکر کی سمت جاؤ۔"

وہ سپاہی قلم اسٹوڈیو کے سامنے آکر تارک تیزی سے ڈرائیو کرتے ہوئے شینہ کی کار تک پہنچنے کی کوشش کرنے لگا۔ اس راستے پر کئی کلومیٹر ڈرائیو کرنے کے بعد شینہ نے ایک جگہ کار روک دی۔ اس کار کے سامنے ایک سوزوکی دیکھن گھڑی ہوئی تھی۔ شینہ اور کامران حمزہ ہو کر کار سے اتر کر دیکھن کی طرف جا رہے تھے۔ میں نے ان کے ذریعے دیکھن کا نمبر پڑھ لیا۔

وہاں تین افراد تھے "انہوں نے شینہ اور کامران کو اندر بٹھایا پھر ایک ایک سرخ نکالی۔ وہ دونوں کو انجکشن لگانا چاہتے تھے، میں نے دونوں کو چند دھڑ پر مجبور کیا لیکن شینہ کو سینٹال کو کامران کو انجکشن لگا دیا۔ کامران کو بچانے آیا تو شینہ کے بازو میں سوئی چھوڑ دی گئی۔ دوسرے نے ہی میں وہ بے ہوش ہو گئے تھے۔

میں نے پارس کو دیکھن کا نمبر پڑھ کر کہا "تم قریب بیچ رہتے ہو؟"

وہ بولا "آپ نے پھر اپنی کوٹھالی کی گھڑی کی چال دیکھ کر ہلچل کر اسے مخصوص انداز میں تھماتے لگا۔ میں خیال ڈھال رہی تھی۔ وہ کار کی رفتار بڑھاتا ہوا لبرٹی مارکیٹ کے سامنے آیا۔ ٹر اور کامران نظر نہیں آ رہے تھے۔ تاہم کچھ دیر تک گئے تھے۔

وہ بولا "آپ نے پھر اپنی کوٹھالی کی گھڑی کی چال دیکھ کر ہلچل کر اسے مخصوص انداز میں تھماتے لگا۔ میں خیال ڈھال رہی تھی۔ وہ کار کی رفتار بڑھاتا ہوا لبرٹی مارکیٹ کے سامنے آیا۔ ٹر اور کامران نظر نہیں آ رہے تھے۔ تاہم کچھ دیر تک گئے تھے۔

وہ بولا "آپ نے پھر اپنی کوٹھالی کی گھڑی کی چال دیکھ کر ہلچل کر اسے مخصوص انداز میں تھماتے لگا۔ میں خیال ڈھال رہی تھی۔ وہ کار کی رفتار بڑھاتا ہوا لبرٹی مارکیٹ کے سامنے آیا۔ ٹر اور کامران نظر نہیں آ رہے تھے۔ تاہم کچھ دیر تک گئے تھے۔

وہ بولا "آپ نے پھر اپنی کوٹھالی کی گھڑی کی چال دیکھ کر ہلچل کر اسے مخصوص انداز میں تھماتے لگا۔ میں خیال ڈھال رہی تھی۔ وہ کار کی رفتار بڑھاتا ہوا لبرٹی مارکیٹ کے سامنے آیا۔ ٹر اور کامران نظر نہیں آ رہے تھے۔ تاہم کچھ دیر تک گئے تھے۔

وہ بولا "آپ نے پھر اپنی کوٹھالی کی گھڑی کی چال دیکھ کر ہلچل کر اسے مخصوص انداز میں تھماتے لگا۔ میں خیال ڈھال رہی تھی۔ وہ کار کی رفتار بڑھاتا ہوا لبرٹی مارکیٹ کے سامنے آیا۔ ٹر اور کامران نظر نہیں آ رہے تھے۔ تاہم کچھ دیر تک گئے تھے۔

وہ بولا "آپ نے پھر اپنی کوٹھالی کی گھڑی کی چال دیکھ کر ہلچل کر اسے مخصوص انداز میں تھماتے لگا۔ میں خیال ڈھال رہی تھی۔ وہ کار کی رفتار بڑھاتا ہوا لبرٹی مارکیٹ کے سامنے آیا۔ ٹر اور کامران نظر نہیں آ رہے تھے۔ تاہم کچھ دیر تک گئے تھے۔

وہ بولا "آپ نے پھر اپنی کوٹھالی کی گھڑی کی چال دیکھ کر ہلچل کر اسے مخصوص انداز میں تھماتے لگا۔ میں خیال ڈھال رہی تھی۔ وہ کار کی رفتار بڑھاتا ہوا لبرٹی مارکیٹ کے سامنے آیا۔ ٹر اور کامران نظر نہیں آ رہے تھے۔ تاہم کچھ دیر تک گئے تھے۔

وہ بولا "آپ نے پھر اپنی کوٹھالی کی گھڑی کی چال دیکھ کر ہلچل کر اسے مخصوص انداز میں تھماتے لگا۔ میں خیال ڈھال رہی تھی۔ وہ کار کی رفتار بڑھاتا ہوا لبرٹی مارکیٹ کے سامنے آیا۔ ٹر اور کامران نظر نہیں آ رہے تھے۔ تاہم کچھ دیر تک گئے تھے۔

وہ بولا "آپ نے پھر اپنی کوٹھالی کی گھڑی کی چال دیکھ کر ہلچل کر اسے مخصوص انداز میں تھماتے لگا۔ میں خیال ڈھال رہی تھی۔ وہ کار کی رفتار بڑھاتا ہوا لبرٹی مارکیٹ کے سامنے آیا۔ ٹر اور کامران نظر نہیں آ رہے تھے۔ تاہم کچھ دیر تک گئے تھے۔

وہ بولا "آپ نے پھر اپنی کوٹھالی کی گھڑی کی چال دیکھ کر ہلچل کر اسے مخصوص انداز میں تھماتے لگا۔ میں خیال ڈھال رہی تھی۔ وہ کار کی رفتار بڑھاتا ہوا لبرٹی مارکیٹ کے سامنے آیا۔ ٹر اور کامران نظر نہیں آ رہے تھے۔ تاہم کچھ دیر تک گئے تھے۔

وہ بولا "آپ نے پھر اپنی کوٹھالی کی گھڑی کی چال دیکھ کر ہلچل کر اسے مخصوص انداز میں تھماتے لگا۔ میں خیال ڈھال رہی تھی۔ وہ کار کی رفتار بڑھاتا ہوا لبرٹی مارکیٹ کے سامنے آیا۔ ٹر اور کامران نظر نہیں آ رہے تھے۔ تاہم کچھ دیر تک گئے تھے۔

وہ بولا "آپ نے پھر اپنی کوٹھالی کی گھڑی کی چال دیکھ کر ہلچل کر اسے مخصوص انداز میں تھماتے لگا۔ میں خیال ڈھال رہی تھی۔ وہ کار کی رفتار بڑھاتا ہوا لبرٹی مارکیٹ کے سامنے آیا۔ ٹر اور کامران نظر نہیں آ رہے تھے۔ تاہم کچھ دیر تک گئے تھے۔

وہ بولا "آپ نے پھر اپنی کوٹھالی کی گھڑی کی چال دیکھ کر ہلچل کر اسے مخصوص انداز میں تھماتے لگا۔ میں خیال ڈھال رہی تھی۔ وہ کار کی رفتار بڑھاتا ہوا لبرٹی مارکیٹ کے سامنے آیا۔ ٹر اور کامران نظر نہیں آ رہے تھے۔ تاہم کچھ دیر تک گئے تھے۔

وہ بولا "آپ نے پھر اپنی کوٹھالی کی گھڑی کی چال دیکھ کر ہلچل کر اسے مخصوص انداز میں تھماتے لگا۔ میں خیال ڈھال رہی تھی۔ وہ کار کی رفتار بڑھاتا ہوا لبرٹی مارکیٹ کے سامنے آیا۔ ٹر اور کامران نظر نہیں آ رہے تھے۔ تاہم کچھ دیر تک گئے تھے۔

وہ بولا "آپ نے پھر اپنی کوٹھالی کی گھڑی کی چال دیکھ کر ہلچل کر اسے مخصوص انداز میں تھماتے لگا۔ میں خیال ڈھال رہی تھی۔ وہ کار کی رفتار بڑھاتا ہوا لبرٹی مارکیٹ کے سامنے آیا۔ ٹر اور کامران نظر نہیں آ رہے تھے۔ تاہم کچھ دیر تک گئے تھے۔

تمہارے باپ کی اعلیٰ شخصیات کے بعد دیکرے خود کشی کرتی رہیں گی۔"

اس فوجی افسر نے کہا "یہ تو زیادتی ہے۔ یہ شرارت اسرائیلیوں نے۔"

میں نے کہا "ٹھ! زیادہ نہ بولو۔ امریکی اور اسرائیلی اکابرین آپس میں فیصلہ کریں۔ موت اور تباہی یا زندگی اور سلامتی؟"

اس فوجی افسر نے پراسر ہولی میں کو میری وارنگ سنائی۔ پھر ماسٹر نے جان لیوڑا کو بلایا اور اسے میری وارنگ سنائی۔ لیوڑا نے اسرائیلی حاکم کے داغ میں آکر کہا "تم اپنی مصیبت ہمارے سر کیوں ڈالو گے؟ تم نے فراد کے عزیزوں کو اغوا کیوں کر لیا ہے؟"

"ہم نے کسی کو اغوا نہیں کر لیا ہے۔"

"خٹائی کی ایک حد ہوتی ہے۔ ہٹ دھرمی کرتے رہو گے تو ہمارے تمہارے ام عید اراں بے موت مارے جائیں گے۔"

وہ بولا "میں بہت سے معاملات کا علم نہیں ہوتا۔ شاید گولڈن ہرنز نے اغوا کر لیا ہو۔ ہم ان سے بات کریں گے۔"

"تمہارے باپس کرنے تک آؤ۔ تمہاں گناہ کر جائے گا۔"

"تم فراد سے رابطہ کرو۔ اس سے وعدہ کرو کہ اس کے عزیزوں کو ہم ڈھونڈ نکالیں گے۔ وہ ہمیں لمبی مہلت دے۔"

میں سوسانہ اور جبرائیل سے کہہ رہا تھا "تمہاری لسٹ میں وہاں کی جتنی بڑی ملیں اور فیکٹریاں ہیں۔ ان میں سے ایک بڑی مل کو میں منٹ کے بعد تارک کر دوں۔"

جبرائیل نے کہا "میں اس کام کے لئے تمہاں ہوں گا۔ سوسانہ یہاں علی تیمور کی نگرانی کرے گی۔ وہ تو بچی نیند میں ہے۔ بیدار ہونے کے بعد اسے اپنی اصلیت اور پچھلی زندگی یاد آجائے گی۔"

میں نے لیلیٰ کو مخاطب کر کے پوچھا "علی پر عمل کرتے وقت کوئی مداخلت تو نہیں ہوئی تھی؟"

وہ بولی "ہم مطمئن ہیں۔ میرے عمل کے وقت سلطانہ اور سلمان اس کے داغ میں چھپے ہوئے تھے۔ کوئی دشمن خیال خزانہ کرنے والا علی کے اندر چھپا ہوا نہیں تھا۔"

"چلو اچھا ہے۔ تم ابھی جبرائیل کے پاس رہو گی۔ وہ ایک مشن پر جا رہا ہے۔ کوئی گروپ ہو تو مجھے اطلاع دینا۔ سلطانہ سے کہو وہ سوسانہ کے پاس رہے۔"

اسی وقت میں نے برائی سوچ کی لہروں کو محسوس کیا اور سانس روک لی پھر دوسری بار سانس لیا تو وہی سوچ کی لہریں واپس آئیں۔ میں نے پوچھا کون ہو تم؟"

"میں جان لیوڑا ہوں۔ آپ کی یہ بات درست ہے کہ آپ کے دشمن ٹیلی جیٹھی جانتے والے امریکا اور اسرائیل میں ہیں۔ ہم قسم کھا کر کہتے ہیں کہ یہ اسرائیلیوں کی شرارت ہے۔ ان کی سزا ہمیں نہ دین ہمارے کسی بے گناہ عید اراں کو موت کی سزا نہ دیں۔"

وہ بولا "میں مطمئن ہیں۔ میرے عمل کے وقت سلطانہ اور سلمان اس کے داغ میں چھپے ہوئے تھے۔ کوئی دشمن خیال خزانہ کرنے والا علی کے اندر چھپا ہوا نہیں تھا۔"

"چلو اچھا ہے۔ تم ابھی جبرائیل کے پاس رہو گی۔ وہ ایک مشن پر جا رہا ہے۔ کوئی گروپ ہو تو مجھے اطلاع دینا۔ سلطانہ سے کہو وہ سوسانہ کے پاس رہے۔"

اسی وقت میں نے برائی سوچ کی لہروں کو محسوس کیا اور سانس روک لی پھر دوسری بار سانس لیا تو وہی سوچ کی لہریں واپس آئیں۔ میں نے پوچھا کون ہو تم؟"

"میں جان لیوڑا ہوں۔ آپ کی یہ بات درست ہے کہ آپ کے دشمن ٹیلی جیٹھی جانتے والے امریکا اور اسرائیل میں ہیں۔ ہم قسم کھا کر کہتے ہیں کہ یہ اسرائیلیوں کی شرارت ہے۔ ان کی سزا ہمیں نہ دین ہمارے کسی بے گناہ عید اراں کو موت کی سزا نہ دیں۔"

وہ بولا "میں مطمئن ہیں۔ میرے عمل کے وقت سلطانہ اور سلمان اس کے داغ میں چھپے ہوئے تھے۔ کوئی دشمن خیال خزانہ کرنے والا علی کے اندر چھپا ہوا نہیں تھا۔"

”ثابت کر دو کہ یہ اسرائیلیوں کی شرارت ہے یا میرے عزیزوں کو گھرواپس پھانسی۔“

”ثابت کرنے یا عزیزوں کو دھوڑنے کا لے لئے بہت کم وقت دیا ہے آپ نے اور اب تو پندرہ منٹ رہ گئے ہیں۔ ہمیں یہودیوں سے منہنے کے لئے کم از کم چار گھنٹوں کی سہولت دو۔“

”گھڑی دیکھو، میں مزید ایک گھنٹے کی سہولت دے رہا ہوں“ اب جاؤ۔“

میں نے سانس روک لی۔ وہ داغ سے نکل گیا۔ میں سوچنے لگا کسی بے گناہ کو سزا نہیں دینا چاہئے۔ آخر کس ملک کے خیال خونی کرنے والے میرے خلاف ایسا کرنے کی جرات کر رہے ہیں؟

مجھے یاد آیا۔ دو دن پہلے چوہدری حاکم علی حاکم، جان امتہ سے ملنے لندن گیا تھا۔ ان دونوں سے کچھ معلوم ہو سکتا تھا میں چوہدری کے پاس گیا۔ وہ ایک منگے ہوئی میں ایک مگنی کال گرل اور مگنی شراب سے اپنا دل بھلا رہا تھا۔ اس کے اطمینان سے ظاہر تھا کہ اس کی سلامتی کی خاطر خواہ ضمانت دی گئی ہے۔

اس کے چور خیالات نے بتایا۔ جان امتہ نے یقین دلایا ہے کہ دو تین دن میں پاکستان سے فرار کے قدم اکھڑ جائیں گے اور وہ چوہدری کے کسی ملکی یا غیر ملکی بینک اکاؤنٹ پر ہاتھ نہیں ڈال سکے گا۔“

چوہدری نے پوچھا تھا ”ایسے کیا اقدامات کئے جارہے ہیں کہ زبردست کھانے والا افراد میدان چھو کر بھاگ جائے گا؟“

اسمتم نے کہا تھا ”یہ نہ پوچھو۔ میں کیجہ بتاؤں تو فرماؤ کہ معلوم ہو جائے گا۔ اس کے خلاف کیس چلائیں جیل جی بی جی کیونکہ وہ تمہارے داغ میں آتا رہتا ہے۔“

جان امتہ کو خوش فہمی تھی کہ میں اس کے داغ میں نہیں آتا ہوں۔ میں نے اس کے خیالات پر دھمے چا چلا ایک اسرائیلی خیال خونی کرنے والے نے اس سے رابطہ کیا تھا اور اسے یقین دلایا تھا کہ فرار آئندہ کسی کی صنعت کو نقصان نہیں پہنچائے گا۔

گولڈن برینز ایسی چالیں چل رہے ہیں کہ فرار مجبور ہو کر صرف پاکستان نہیں چھوڑے گا بلکہ اپنے دونوں انسانی دلوں کو بھی اسرائیل سے واپس بلا لے گا۔

جان امتہ نے پوچھا تھا ”تمہارے گولڈن برینز آخر کیا کرنے والے ہیں؟“

خیال خونی کرنے والے نے کہا ”مسٹر اسمتہ! یہ نہ پوچھو“

فرار کسی ذریعے سے تمہارے داغ میں آکر بہت کچھ معلوم کر لے گا۔ پھر تمہارے منصوبوں کو ناکام بنائے گا۔ ذرا صبر کرو۔ جلد ہی بہت کچھ سامنے آجائے گا۔ فرار نے پہلے کبھی ایسی بات نہیں کہانی ہوگی۔“

یہ خیالات پڑھ کر یقین ہو گیا کہ یہودیوں نے میرے خلاف ایسی چال چلی ہے۔ میری بہن کے بچوں کو اغوا کر کے مجھے کھڑا اور

بے بس بنادے ہیں۔ اگر میں ضد میں آکر شینہ اور کارمان کو سلامتی کو خطرے میں ڈالتا۔ کارمان کی جان جانی یا شینہ کی عزت جانی تو میں بہن کو موت دکھانے کے قابل نہ رہتا۔

میں پارس کے پاس آیا۔ وہ اس سوڈی دکن کے پاس کھڑا تھا۔ جس میں شینہ اور کارمان کو وہ لے جا رہے تھے۔ اس نے کہا ”پاپا! شاید انہیں پچا چل گیا تھا کہ میں تعاقب میں ہوں۔ انہوں نے میرے پیچھے سے پہلے گاڑی بدل دی ہے۔ پتا نہیں کس گاڑی پر لے گئے ہیں۔ میں کی کو میٹر آگے جا کر دیکھ آیا ہوں۔“

”بیٹے! وہیں کسی آبادی میں رہو۔ شینہ اور کارمان کو جوڑ دے۔ ہوش آتا۔۔۔ میں معلوم کرنے کی کوشش کروں گا کہ وہ کبھر پہنچائے گئے ہیں۔ پھر میں آکر تمہیں بتاؤں گا۔“

میں اپنی جگہ حاضر ہو گیا۔ پریشانی سے سوچنے لگا۔ کیا شاہینہ بچوں کے اغوا کی اطلاع دینا چاہتے؟ مجھے معلوم تھا وہ رو کر اپنا حال کر لے گی۔ اس کے باوجود یہ بات زیادہ دیر چھپائی نہیں جا سکتی تھی آخر کار اسے معلوم ہو جاتا تھا۔

میں بہن کو بتانے سے پہلے ایک بار شینہ اور کارمان کے پاس گیا۔ وہ بیہوش تھے۔ ان کے داغ سے کچھ معلوم نہ ہو سکا۔ مجھ پر مجبور ہو کر بہن کے پاس گیا۔ پھر ایک دم سے اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ وہ بھی بے ہوش تھی نہ آٹھ کھول سکتی تھی نہ میں اس کے ذریعہ کچھ دیکھ سکتا تھا۔

شینہ اور کارمان کے بعد اس کے دو اور بچے تھے۔ ایک دوسرے کی گتھ اور چھ برس کا بچہ۔ میں نے فوراً ان کی خبر لی۔ وہ دونوں اپنی وادی کے پاس گئے ہوئے تھے۔

اور جبرائیل میری ہدایت کے مطابق ایک کھلی چھت والی کمرے میں بٹھا تو اس کی اور سوسائے کی نگرانی کرنے والوں نے پولیس۔ اعلیٰ افسر کو اطلاع دی۔ اس افسر نے ایک فوجی افسر کو اطلاع دیا کیونکہ دلوں کا معاملہ فوج کے ہاتھ میں تھا۔ دونوں اسرائیلی دلوں کو گھیرنے، پابند کرنے اور ان کی رہائش گاہ تک انہر محدود رکھنے کے لئے فوجی جوان پیش مسلح اور مستعد رہتے تھے۔

نگرانی کرنے والوں نے بتایا کہ جبرائیل جان کی طرف جا رہے ہیں۔ اسیب اور جانہ ایک دوسرے سے ملے ہوئے شہرے جانہ میں مصطفیٰ ملیں اور فیکٹریاں گھس۔ وہ سمجھ گئے کہ فرار کے چیلنج کے مطابق جبرائیل کسی مل کو جاہ کرنے جا رہا ہے۔ اس کی اس کے ڈیش بورڈ کے خانے میں وائرلیس رکھا ہوا تھا۔ اس وائرلیس سرخ بلب آن آف ہو رہا تھا۔ جبرائیل نے اسے آن کیا۔ ایک فوجی افسر کی آواز آ رہی تھی ”ہیلو، ہیلو، جبرائیل اپنی رہائش گاہ واپس جاؤ۔ تم جانہ کے مل اسرائیل داخل نہیں ہو سکتے۔“

جبرائیل نے جواب نہیں دیا۔ وائرلیس سیٹ کو آف کر دیا۔ جب وہ جانہ کے مصطفیٰ خانے میں پہنچا تو دور دور تک فوجی جوان جدید ہتھیاروں کے ساتھ دکھائی دے رہے تھے۔ وہ سب اس حلقہ کرنے کے لئے تیار تھے۔ اپنے افسران کے حکم کے منتظر تھے۔

جبرائیل نے ایک مل کے گیٹ کے سامنے کار روک دی۔ پہلی ڈکھا سارے باہر نکلے اور فوجیوں کے سامنے دونوں ہاتھ اٹھا کر فرسے ہوئے۔ میں مل کے اندر چھپتی ہوں۔

ایک فوجی افسر نے لٹکارتے ہوئے کہا ”جبرائیل! بندوبست کی دو رکھو! تم پر اثر نہیں کریں گی لیکن یہاں سیکڑوں رائلٹیں اور بے مشین گولیں ہیں۔ سیکڑوں بڑوں گولیاں جنہیں چھپتی گولیں بے زیادہ سے زیادہ مقدار میں تیار اب اسے کرنے کے غلامات ہیں۔ سرے پاس تک تمہارا گوشت کھل جائے گا۔ خود جانہ کے دشمن نہ ہو۔ واپس چلے جاؤ۔“

وہ کار سے نکل کر باہر آیا۔ پھر دونوں ہاتھ اٹھا کر بولا ”اپنے انوں سے کہو! یہاں آکر میری اور کار کی تلاش لیں اور اطمینان لیں کہ میں یہاں اپنے ساتھ خرب کبھ کاری کا کوئی سامان نہیں ہوں۔“

چار جوان اپنے افسر کے حکم سے اس کے پاس آئے۔ دو نے اس کی اور دوسرے کار کی تلاش لی۔ پھر انہوں نے افسر کے پاس آکر ”وہ منتا ہے اس کے پاس کوئی اسلحہ نہیں ہے۔“

افسر نے پوچھا ”تم یہاں کیوں آئے ہو؟“

جبرائیل نے کہا ”میں تب کو چشم دید کوہا بتانے آیا ہوں کہ اس کی تاشی کے وقت میں تمہارے سامنے منتا کھڑا ہوا تھا اور میں مل کے احاطے میں قدم بھی نہیں رکھا تھا۔“

”تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ تمہارے سامنے بے گناہ کھڑے رہو گے کیا ہو جائے گی؟“

”میں ہاں بتائی کاغذ دار خود مل مالک ہے۔ ہمارے یہاں اسلحہ آنے سے پہلے ہی مالک نے اتنی ہی مل کے خاص خاص مل میں ایسے طاقتور ہم چھپا کر رکھ دئے تھے جو خفیہ سوچ پورڈ مشک ہیں۔ اس نے اپنی وائری میں لکھا ہے کہ مل میں ہونے اجل سازی بھی پڑی تھی تو وہ نبوت باہر آنے سے پہلے ہی مل تیار ہو گا۔ وہ وائری مل مالک کے بیڈ روم میں رکھی ہوئی۔“

لٹائیل مالک کے داغ پر بقیہ بتا چکی تھی اس نے سوچ پورڈ ایک فوجی کو دیا۔ مل کے ایک حصے میں ہم کا زبردست دھماکا اس حصے کی ہر چیز پر پڑے پڑے ہو کر نقصان اڑنے لگی۔ اس فوجی اپنی پوزیشن چھوڑ کر مل کے احاطے سے دور بھاگنے کے بعد دوسرے دھماکے ہو رہے تھے۔ آگ کے شعلے آسمان طرف پک رہے تھے۔ جبرائیل اپنی جگہ دونوں ہاتھ اٹھا کر کھڑا ہوا تھا۔ دھماکوں کے باعث مینٹوں کے پڑے دور تک بے تھک اس کے جسم پر بھی آکر گ رہے تھے گوشت اور اس میں کھس رہے تھے۔ وہ دو انگلیاں اپنے جسم میں چوست کے ان ہڈوں کو نکال کر پھینک رہا تھا۔ ہاتھ اٹھا کر کھڑا ہوا تھا۔ یہ وہ کچھ ہوا تھا اس کا منصوبہ میں نے اس وقت بنایا تھا۔ یہ فیصلہ کیا تھا کہ اسرائیلی مصنوعات پاکستان میں نام بدل کر

نہیں آئیں گی۔ اگر کوئی چالاکی کی گئی تو یہودی صنعت کاروں کو نقصان اٹھانا پڑے گا۔ لٹائیل مسلمان نے مل مالک کے داغ پر بقیہ جہاں خود اس کے ہی ہاتھوں سے وہ تمام ہم خاص جگہوں پر چھپا کر رکھ دئے تھے۔ آج دشمنوں نے مجھے مجبور اور بے بس بنانے کے لئے میری بہن اور بچوں کو اغوا کیا تو میں نے انتقامی کارروائی کا یہ پہلا نمونہ پیش کر دیا۔

یہ سب کچھ منصوبے کے مطابق ہوا تھا لیکن میری بہن شاہینہ کو اغوا کر کے انہوں نے مجھے کسی حد تک توڑ دیا تھا۔ اتنی بڑی دنیا میں دی ایک ایسی بہن تھی جسے میں نے اب بہن کرگو میں کھلایا تھا۔ آج اس پر مینٹوں کے پازاؤٹ رہے تھے۔ پہلے شوہر مارا گیا پھر میری اغوا ہوئے اور اب دشمن اسے بھی کیوں لے گئے تھے اور اس یقین کے ساتھ لے گئے تھے کہ میں اپنی بہن کی زندگی کبھی واؤ پر نہیں لگاؤں گا۔ مجھے ان کی شرائط کے سامنے جھکنا ہی پڑے گا۔

یہ بڑی زبردست چال تھی۔ واقعی میں بہن کی زندگی واؤ پر نہیں لگا سکتا تھا۔ مجھے ان سے بہن کا مطالبہ کرنے سے پہلے کوئی ایسا جو اپنی قدم اٹھانا تھا جس کے نتیجے میں وہ شاہینہ، شینہ اور کارمان کو واپس کرنے پر مجبور ہو جاتے۔

میں نے سونیا کے پاس آکر اسے تمام روادار بتائی۔ اس نے سن کر ایک ہاتھ سے سر تھام لیا پھر کہا ”یہ کیا ہو گیا فرماؤ تو وہ شاہینہ کو حاصل کرنے کے بعد فرعون بن جائیں گے۔“

”میں اسی لئے شاہینہ کا مطالبہ کرنے ان کے پاس نہیں جا رہا ہوں۔ وہ سمجھ رہے ہیں ابھی مجھے اپنی بہن کے اغوا کا علم نہیں ہے۔ علم ہو گا تو میں ضرور ان کے پاس آؤں گا۔ جب تک وہ میرے مطالبے کا انتظار کر رہے ہیں تب تک ہمیں کچھ کرنا پڑتا ہے۔“

وہ اندھ کر شلنے لگی۔ تیزی سے سوچنے لگی پھر کر بولی۔ ”فورا کسی کو آلا کر لیا کہ اسے شاہینہ کی کو بھی کے اندر بھجو۔ اس کے ذریعے شاہینہ، شینہ اور کارمان کے بدن سے اترے ہوئے کپڑے منگواؤ۔ مسلمان کو اپنے پاس بلاؤ۔ وہ یہ کام کرے گا۔ تم اسلحہ جنس کے اعلیٰ افسر کو دوست بناؤ یا آلا کار۔ اس کے ذریعے تین شکاری گتے حاصل کرو۔ ان تینوں کی اترا انہیں سکھاؤ۔ وہ ضرور تمہیں اور پارس کو ان تینوں تک پہنچائیں گے۔“

اس نے بڑی تیزی سے سوچا تھا اور خوب سوچا تھا۔ شکاری کتوں کے ذریعے پیچھے کی بات میرے داغ میں بھی آسکتی تھی مگر پریشانی کے باعث میں ہر پہلو پر غور کرنے کے قابل نہیں رہا تھا۔ یہ دشمنوں کی کامیابی تھی کہ وہ ایسی چالوں سے میرے ذہن کو متاثر اور مفلوج کر رہے تھے۔

میں نے مسلمان کے پاس آکر اسے سمجھایا کہ اسے کیا کرنا ہے۔ اس نے کہا ”تب جلد آجلہ کتوں کو شاہینہ بہن کی کو بھی کے سامنے لائیں۔ اس کے سامنے والی کو بھی مسٹر آرنڈسوزا کی ہے جہاں پارس کا قیام ہے۔ میں آرنڈسوزا کے داغ پر بقیہ جہاں کر

میں نے مسلمان کے پاس آکر اسے سمجھایا کہ اسے کیا کرنا ہے۔ اس نے کہا ”تب جلد آجلہ کتوں کو شاہینہ بہن کی کو بھی کے سامنے لائیں۔ اس کے سامنے والی کو بھی مسٹر آرنڈسوزا کی ہے جہاں پارس کا قیام ہے۔ میں آرنڈسوزا کے داغ پر بقیہ جہاں کر

میں نے مسلمان کے پاس آکر اسے سمجھایا کہ اسے کیا کرنا ہے۔ اس نے کہا ”تب جلد آجلہ کتوں کو شاہینہ بہن کی کو بھی کے سامنے لائیں۔ اس کے سامنے والی کو بھی مسٹر آرنڈسوزا کی ہے جہاں پارس کا قیام ہے۔ میں آرنڈسوزا کے داغ پر بقیہ جہاں کر

شاہینہ کے گھر میں لے جاؤں گا اور ان تینوں کی اترن حاصل کرلوں گا۔

میں نے اٹھلی جنس کے اعلیٰ افسر کے پاس آکر اسے مخاطب کیا۔ اسے داغ میں اپنی موجودگی کا یقین دلایا۔ وہ پریشان ہو کر بولا۔

”کیا مجھے سے کوئی غلطی ہوئی ہے؟“

”نہیں میں ایک معاملے میں تمہاری مدد چاہتا ہوں۔“

”میں حاضر ہوں۔ آپ کا کام کر کے مجھے خوش ہوگی۔“

”اس معاملے کو خفیہ رکھنا ہوگا۔ مجھے یقین جاسوس کنوں کی ضرورت ہے۔ جو بوسوگٹھ کر اپنے ہارٹ تک پہنچ جاتے ہیں۔“

”معاملا کیا ہے؟“

”دشمنوں نے میری بہن اور دو جوان بچوں کو اغوا کیا ہے۔ ان تینوں کو لاہور شہر کے مضائقہ علاقوں میں کسی چھپایا گیا ہے۔“

افسر نے کہا ”میں سمجھ گیا۔ کیا ان تینوں کے بدن کی اترن ہے؟“

”جی ہاں، آپ کو گھبرگ کی ایک کوٹھی کے سامنے وہ کپڑے مل جائیں گے لیکن بڑی رازداری سے کنوں کو لے جا کر انہیں تلاش کرنا ہوگا۔ آپ کے گھمے کے کسی بھی فرد کو یہ معلوم نہ ہو ورنہ دشمنوں کو خبر ہو جائے گی۔“

”آپ اطمینان رکھیں۔ میں مکمل رازداری سے کام کروں گا۔ آپ موجود رہیں اور گھبرگ کی کوٹھی تک مجھے گائیڈ کریں۔“

اسی وقت سلطان نے میرے پاس آکر کہا ”فراہم بھائی! آپ کوئی دوسری تدبیر آنا نہیں۔ شکاری کے کام نہیں آئیں گے۔“

میں نے پوچھا ”کیا بات ہے؟“

”میں آنرڈ یوزا کو بہن شاہینہ کی کوٹھی میں لے گیا تھا۔ اس کے ذریعے پتا چلا۔ تینوں کے ہاتھ دھم میں جتنے آمارے ہوئے لباس تھے انہیں پہلے ہی ہلا کر رکھ کر دیا گیا ہے۔“

دشمنوں نے پھر مجھے بری طرح ناکام بنا دیا تھا۔ میں نے اعلیٰ افسر سے کہا ”آپ کے تعاون کا شکریہ۔ دشمنوں نے وہ تمام کپڑے جلا دیے ہیں۔ آپ کے گھمے کام نہیں آئیں گے۔ ہماری ملاقات پھر کبھی ہوگی۔ خدا حافظ۔“

میں سونپا کے پاس آیا۔ اسے دشمنوں کی تیزی اور چالاکی بتائی۔ اس نے کہا ”میں بڑی دیر سے ہر پہلو پر غور کر رہی ہوں۔ طرح طرح کی تدبیر سوچ رہی ہوں لیکن تدبیر عمل کرنے سے ناظر خواہ نتیجہ نہیں نکلے گا۔ اس بار یہودیوں نے ہمیں بری طرح ہتھیار لایا ہے اور یہ سب چھ گولڈن برنز کی ذہانت اور چال بازیوں سے ہو رہا ہے۔“

”میں پہلے ایسے ہی کسی برے وقت کے حلقہ سوچنا تھا اور شاہینہ سے دور رہتا تھا تاکہ دشمن بہن کے رشتے کو میری کمزوری سمجھ نہ سکیں۔ آج وہ بھی کر رہے ہیں۔“

میں کہتے کہتے رک گیا۔ سانس بھی روک لی۔ پرانی سوچ کی لہر

محسوس ہوئی تھی۔ پھر میں نے سانس لی تو اسی سوچ نے ”شاہینہ۔“

میں نے پھر سانس روک لی۔ اس کے بعد سونپا سے با چاہتا تھا۔ پھر ایک سوچ کی لہر نے کہا ”شاہینہ۔“

دشمن کو اس سے زیادہ کہنے کی ضرورت ہی نہیں تھی جانتے تھے کہ میں بہن کا نام سننے ہی اس کے پاس جاؤں گا کہ اغوا کا طمع ہو جائے گا۔

اور واقعی اب میں انجمن بن کر نہیں رہ سکتا تھا۔ میں کے پاس آیا۔ وہ ہوش میں تھی اور دوسری تھی۔ اس کی ہتھاکہ اس کے داغ میں کسی نے آکر کھدائی تھائی تھائی اور اب بھی اغوا گئے تھے ہیں اور اب اس کا بھائی فرہاد ان میں سے زندہ سلامت واپس نہیں لے جاسکے گا۔

میں نے مزید مطمئن کیا۔ وہ گہری تاریکی میں فرش پر پڑا تھی۔ اس کے ہاتھ پیچھے کی طرف بندھے ہوئے تھے۔ دونوں کو بھی رسیوں سے باہر کاٹا تھا اور منہ پر ٹیپ چسپا کیا گیا کسی کو مدد کے لئے نہیں پکار سکتی تھی۔

میں نے اسے مخاطب کیا ”شاہینہ! میں تمہارا بھائی ہوں۔“

وہ دوتے دوتے چوک گئی۔ سر اٹھا کر تاریکی میں گھوم بولی ”بھائی جان! میری ٹینڈ اور کارمان کو بچائیں۔ مجھے بتائیں وہ کہاں ہیں اور کس حال میں ہیں؟“

”خدا نے چاہا تو وہ خیریت سے ہوں گے۔ میں ابھی پاس جا کر آتا ہوں۔ تم آئسو نے ہاتھ جوٹنے سے کام لو۔“

”میرے آئسو قہم جائیں گے۔ آپ بچوں کے بارے میں خبر نہ لیں۔“

”میں ابھی آتا ہوں۔“

میں ٹینڈ کے پاس آیا۔ وہ اور کارمان ہوش میں آئے۔ دونوں بھی رسیوں سے بندھے ہوئے تھے۔ ان کی آنکھوں بندھی ہوئی تھیں اور منہ پر ٹیپ لگے ہوئے تھے۔ وہ بڑے سے میرا انتظار کر رہے تھے۔ انہیں یقین تھا کہ ماموں کو خیر دشمنوں کو سخت سزا میں دے کر انہیں قید سے نکال لے گئے۔

مجھے عداوت سی ہوئی۔ دونوں بچوں کو مخاطب کرنے نہیں ہوا۔ میں نے ایک اسرائیلی حاکم کے پاس آکر صفحہ۔

”کیوں میرے قہر غضب کو بھڑکا رہے ہو۔ میری بہن اور فرہاد ہاگہ۔ ورنہ میں۔“

وہ بات کاٹ کر بولا ”ورنہ تم کچھ نہیں بگاڑ سکو گے۔ سر کرنا کر مر جاؤ گے۔ تمہارے جیسے لوگوں کو آگے کہتے ہیں کہ رتی گل بھی بڑل نہیں گئے۔“

”میں ابھی جلا نہیں ہوں۔ باقی ہوں۔ ابھی ایک لک

نہیں پیش کیا تھا۔ یہ کچھ بھی نہیں ہے۔ اگر تینوں کو فوراً رہا نہ کیا گیا ذہن ملک اسرائیل کی اینٹ سے اینٹ بنادوں گا۔“

فرہاد! اس میں دو۔ اب تمہارا مقدمہ گولڈن برنز کی عدالت میں ہے۔ تم دیکھ رہے ہو نہیں کیپٹن زورائی دی کے سامنے ہوں۔ مجھے تمہارا ہی انتظار تھا۔ آؤ میں تمہیں گولڈن برنز کی عدالت میں لے جاتا ہوں۔“

اس نے لی دی کو آن کیا۔ پھر کیپٹن زورائی دی کے لئے گئے۔

سکرین پر تحریر ابھرنے لگی ”ٹینشن گولڈن برنز! افراد حاضر ہے۔“

وہ تحریر مٹ گئی۔ پھر گولڈن برنز کی طرف سے تحریر ابھرنے لگی۔ اسکرین پر لکھا ہوا تھا ”آؤ ایک دن پہاڑ کے نیچے آئے۔“

خروج آئی کیا۔ تم نے اپنی بہن کے دووازے پر ایک عدالت تم کی تھی۔ ایک عدالت ہماری بھی ہے۔ اس عدالت میں مارے خلاف سے شمار الزامات ہیں۔“

وہ تحریر مٹ گئی۔ دوسری تحریر ابھرنے لگی ”تم نے ہماری پہلی لی بیٹی جانے والی شیا کو اغوا کیا۔ اسے محبت کا فریب دیا اور اس سموت کا سبب بن گئے۔ تم نے ہمارے بیٹا اپنی اسفندیا کو بھی روایا اور چار گولڈن برنز کو بھی بیرونی سے قتل کیا۔“

تیسری تحریر اسکرین پر نظر آئی ”یہ تو چند بڑے بڑے کس ہیں ان کے تم بھرم ہو۔ ان کے علاوہ کچھ بچیس برسوں میں تم یا مارے لوگ یہاں آتے رہے ہیں ہماری حسدانات پہنچاتے ہے اور بے شمار جرائم کے مرتکب ہوتے رہے۔“

یہ تحریر مٹ گئی۔ چوتھی تحریر نظر آئی ”تمہارا آواز ترین جرم ہے کہ تم ہمارے اینجنوں کو قتل کر رہے ہو اور ہماری مستنوں کو

تباہ کر دینا چاہتے ہو۔ راجا مفدر علی، جان شیراز کے بعد چہدری حاکم علی حاکم کے پیچھے بڑے ہو اور ابھی کچھ دیر پہلے تم نے ہمارے ملک کی ایک بہت بڑی لک تباہ کر دیا ہے۔“

”میں بہت ہو چکا۔ اس کے بعد اب کچھ نہیں کر سکو گے۔ اگر اب بھی دعویٰ ہے کہ کچھ کر سکتے ہو تو ضرور کر گزرا لیکن پہلے ایک تمنا یاد رکھو۔ ہم ابھی دکھائیں گے۔ اسے دیکھ کر تم ہمارے سامنے کھٹنے ٹیک دو گے۔ اس تمنا سے پہلے ہماری چند شرائط۔“

”جب تمہیں یقین ہو جائے کہ تم ہمارے سامنے منطوق ہو چکے ہو تو پہلی شرط یہ ہوگی کہ اپنے دونوں دلوں کو ہر اس سے لے جاؤ۔ دوسری شرط یہ کہ فوراً پاکستان سے نکل جاؤ۔ تیسری شرط ہوگی کہ تم تمہارے دونوں بیٹے سونپا اور تمہارے خیال خوانی کرنے والے کبھی ہمارے کسی معاملے میں مداخلت نہیں کریں گے اور آخری شرط یہ کہ تم خیال خوانی چھوڑ دو گے اور سونپا کے ساتھ گوشہ نشین ہو جاؤ گے۔ کیا تم اپنی سفاکی میں کچھ کتنا چاہتے ہو؟“

وہ اسرائیلی حاکم میرا جواب کیپٹن کے ذریعے پہنچانے لگا۔ میں نے کہا ”تمہیں صرف ایک نصیحت کرنا ہوں۔ عارضی کاسابلی کے نشے میں کوئی غلطی نہ کریں ورنہ بیچتار نہ بیچتار نہ کبھی مہلت نہیں ملے گی۔ میری بہن اور دونوں بچوں کو زندہ سلامت رکھنا۔ خداخواستہ ان کی جان کو کچھ ہوا تو تمہارے ملک کو دینا کے نقشے سے مٹا دوں گا۔“

گولڈن برنز کی طرف سے تحریر ابھرئی ”تمہاری نصیحت بھی پڑھ لی اور تمہاری پکا نہ دھکی بھی۔ اب ہماری عدالت جس فیصلے

مقبول تاول نگار ایچ اقبال کی دوتی کتبیں۔ ہر کتاب میں دو مکمل تاول

عمرات سیریز

عجیب ہنگامے

ایک جلد میں

پیمود سیریز

ریکارڈ کی چوری

ایک جلد میں

پانچواں کام

موت کا راستہ

صفحات: ۳۲۰ - قیمت: ۲۵/- روپے

ڈاک مشین کی تاول - اردو - دونوں تاول ایک ساتھ دیکھنے پر ڈاک خرچ - اردو

کتابیات پبلی کیشنز

پر عمل کر رہی ہے۔ اسے دیکھنے کے لئے شینہ کے پاس جاؤ۔ دیش
آل۔“

اسکرین سادہ ہو گیا۔ میں فوراً ہی شینہ کے پاس آیا۔ وہ کسی
گاڑی میں بیٹھی ہوئی تھی۔ آنکھوں پر پٹی باندھی تھی اس لئے دیکھ
نہیں سکتی تھی۔ منہ پر نیپ چکا ہوا تھا۔ بول نہیں سکتی تھی۔ کانوں
میں مدلی ٹھوس دی گئی تھی وہ گاڑی سے باہر کی آواز نہیں سن سکتی
تھی۔

میں نے کہا: ”بیٹی! جو صلہ رکھو۔ میں تمہارے پاس ہوں۔“
اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ میں نے محسوس کیا کہ میری
سوچ کی لہروں کو نہیں سن رہی ہے۔ میں نے پوچھا: ”کیا تم میری
باتیں سن رہی ہو؟“

وہ خاموش رہی۔ اس کا مطلب تھا کہ دشمن خیال خالی کرنے
والوں نے بری طرح اس کے دماغ کو بکڑ لیا تھا۔ اس طرح قبضہ
بنایا تھا کہ میں نے اس کی تھوڑی سی سوچ پڑھ کر اس کی موجودہ
حالت کو سمجھا تھا۔ پھر اس کی سوچ کی وہ کڑور لہریں بھی خاموش
ہو گئی تھیں۔

ابھی میں اس کی دماغی حالت کو سمجھ رہی تھا کہ اس نے
سائنس روک لی۔ میں دماغی طور پر اپنی جگہ حاضر ہو گیا۔ میں ابھی
طرح جانتا تھا، شینہ سائنس روکنے کے عمل سے واقف نہیں ہے،
دشمن خیال خالی کرنے والوں نے مجھے اس کے دماغ سے نکالنے
کے لئے ایسا کیا تھا۔

میں نے اسرائیلی حاکم کے پاس آکر پوچھا: ”وہ لوگ شینہ کو
کہاں لے جا رہے ہیں؟“
اس نے کہا: ”میں نہیں جانتا۔ ابھی گولڈن برنز سے معلوم
کرنا ہوں۔“

اس نے لی وی کو آن کیا۔ پھر کمپیوٹر کو آپٹ کیا، اسکرین پر
تحریر نظر آئی: ”نیشن گولڈن برنز! فرما دو چہ رہا ہے، شینہ کو وہ لوگ
کہاں لے جا رہے ہیں؟“

وہ تحریر مٹ گئی۔ گولڈن برنز کی جوابی تحریر نظر آئی: ”ہم
تائیس نیٹو فریڈ کو یقین نہیں آئے گا۔ پھر بھی بتا دیے ہیں۔ شینہ
کو اس کے گھر پہنچایا جا رہا ہے۔“

میں نے پوچھا: ”میں کیسے یقین کروں؟“

میرا سوال اسکرین پر دکھائی دیا۔ دوسرے جواب ملا: ”تم
لاہور میں ہو۔ بن کے گھر جاؤ اور آنکھوں سے دیکھو۔ شینہ وہاں
چنے والی ہے لیکن تم اس کے دماغ میں نہیں پہنچ پاؤ گے۔ دیش
آل۔“

اسکرین سادہ ہو گیا۔ میں وہاں سے آنر ڈیوڈ کے دماغ میں
آ گیا۔ میں اسی کے ذریعے دیکھ سکتا تھا کہ دشمن کس حد تک بچ بول
رہے ہیں۔ میں ڈیوڈ کو کوٹھی سے باہر لایا اور اس کے ذریعے

دائیں بائیں دور تک دیکھنے لگا۔

کبھی کبھی کوئی گاڑی نظر آتی تھی پھر شاہینہ کی کوٹھی
سامنے سے گزر جاتی تھی۔ پتا نہیں شینہ کو کس گاڑی میں بٹھا
تھا۔ اسے گھر پہنچ دیکھ کر اطمینان ہوتا تو میں شاہینہ کو یہ خبر
خبری سنا سکتا تھا۔

اگرچہ دشمنوں سے ایسی مہمانی کی امید نہیں تھی۔ میں یہ
رہا تھا کہ وہ مجھے بچانے کے لئے شینہ کو وہاں لا رہے ہیں اگر
خود اسے دیکھنے آؤں۔ اسی لئے انہوں نے مجھے اس کے دماغ
نکال دیا تھا۔

بڑے انتظار کے بعد ایک گھنٹہ گزرنے والی گاڑی شاہینہ کی
کے سامنے چند سینکڑوں کے لئے رکی۔ اس کا سائینڈ ٹک دروازہ
شینہ کو کھارے کے برابر کھل گیا۔ پھر گاڑی تیزی سے آگے چلا
میں نے ڈیوڈ کو اس کی طرف دوڑایا اس کی زبان سے
”میری بیٹی شینہ! کارمان کہاں ہے؟“

وہ اچانک ڈیوڈ کو روکے اور اس کے نشانے پر کھٹے ہوئے
”خبردار! آگے نہ بڑھنا۔ گولی مار دوں گی۔“

میں نے ڈیوڈ کو روک دیا۔ دشمنوں نے اس کی آنکھوں
پٹی کھول دی تھی۔ اسے آزاد کر دیا تھا اور اسے ایک روٹ
دے دیا تھا۔ وہ ہاتھ میں روٹ اور لئے دوڑتی ہوئی اپنی کوٹھی
احاطے میں آئی پھر پلٹ کر ڈیوڈ کو دیکھتے ہوئے بولی: ”فرار
تجور! میں تم سے مخائب ہوں۔“

میرے دماغ میں خطرے کی گھنٹی بجنے لگی۔ میں نے اس
ہاتھ سے روٹ اور پھینکے کے لئے اس کے دماغ میں جانے کی کو
کی مگر ناکام رہا۔ میری سوچ کی لہریں واپس آ گئیں۔

وہ بول رہی تھی: ”تم نے ہم یودیوں کے خلاف اپنی ہر
دروازے پر عدالت قائم کی تھی۔ ہمارے ایجنٹ راجا صفدر
جان شیراز اور راجا صفدر کے جوان بیٹے کو اسی عدالت میں
مارا تھا۔ آج اسی عدالت میں، تمہاری بہن کے دروازے
تمہاری بہن کی بیٹی کو سزا موت دی جا رہی ہے۔“

شینہ نے روٹ اور کی نال کو اپنی چٹائی سے لگایا۔ میں نے اس
کے دماغ میں پہنچنے کی کوشش کی اور ناکام رہا۔ وہ بولی: ”یہ
انتقام کا پہلا نمونہ ہے۔ اگر تم نے ہمارے سامنے کھٹنے نہ لگے
ہماری شہادت پر عمل نہ کیا تو اس کے بعد کارمان اور کارمان
تمہاری بہن اپنے ہی دروازے پر ماری جائے گی۔“

یہ کہتے ہی اس نے ٹھیکہ داروں۔ ٹھیکوں کی آواز کے ساتھ
وہ زمین پر گر کر ترخے لگی۔ میں ایک دم سے چیخ پڑا۔ جس
میں تمام ہاں کی دیوار سے سر ٹکرائے گئے۔

”ہائے میری بہن! میں تجھے کیا مرنہ دکھاؤں گا۔“

میں نے زندگی میں کئی بار ذہنوت غمو کر س کھا تیں۔ کبھی
ایسا بھی ہوا کہ دشمنوں کو مجبور اور بے بس سمجھ کر دھوکا کھایا اور
ان کے مقابلے میں بری طرح شکست کھائی اور یہ زیادہ پرانی بات
نہیں ہے جب ایک دشمن ٹکلی بچتی جائے والی نے مجھے گولی مار دی
تھی اور میری موت یقینی ہو گئی تھی۔ اگر مجھے فوری طور پر باہر
کے تھریٹن ٹھیس میں نہ پہنچایا جاتا تو آج میں اس دنیا میں نہ ہوتا۔

اگر میرے مقتدر میں کاسپالی اور کارمانی ہے تو کاسپالی اور
شکت بھی ہے لیکن ایکی ناقابل برداشت شکست کبھی نہیں کھائی
جیسی یودیوں نے مجھے دی تھی۔ انہوں نے میری ہی بہن کے
دروازے پر میری بہن کی بیٹی شینہ کو خود کشی پر مجبور کیا تھا اور میں
انتہائی بے بسی سے دھکے کھاتا تھا۔

مجھ سے برداشت نہ ہوا تو میں نے دیوار سے سر ٹکرایا۔ ایک
بار نہیں کئی بار ٹکرایا۔ میرے حلق سے چھپیں نکلتا چاہتی
تھیں۔ دو تار چٹنا کر دور کی غلامت ہے اور مردانگی کے خلاف
ہے۔ میں نے جیڑوں کو اپنے اندر چکر دیا۔ البتہ سر ٹکرانے سے باز
نہ آیا۔ ایسا شدید غصے میں کیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اندر کا غماز
نکل گیا۔ میں لڑکھارہ بنی پر گر پڑا۔ کھٹے پر لو کے دھبے دیکھ کر پتا
چلا بیٹھانی سے خون بہہ رہا ہے۔

میں نے آنکھیں بند کر لیں۔ گہری گہری سانس لینے لگا۔ یہ
بات ہوتے سمجھ میں آئی کہ خود کو کھٹے میں زیادہ زخمی کون کا تو
سانس روکنے کے قابل نہیں رہوں گا۔ یہ بھی خیال تھا کہ پارس
ملتان دوا پر شینہ اور کارمان کو تلاش کرتا پھر رہا ہے۔ اس بار باپ
کے ساتھ بیٹا بھی ناکام رہا تھا۔

میں نے سائنس روک لی، پرائی سوچ کی لہریں محسوس ہوئی
تھیں۔ ہو سکتا ہے میرے اینڈ میں سے کوئی مجھ سے رابطہ کرنا
چاہتا ہو لیکن دشمن بھی ہو سکتے تھے۔ وہ دیکھنا چاہتے ہوں گے کہ
انہوں نے جو انتہائی کارروائی کی ہے۔ میری بھانجی کو مار ڈالا ہے تو
مجھ پر اس کا رد عمل کیا ہوا ہے۔

دوسری بار بھی میں نے پرائی سوچ کی لہروں کو محسوس کیا۔
لیکن سائنس روکنے سے پہلے سلمان نے کوڈ دروازہ کھلے۔ اسے
پچھاننے کے باوجود میں نے سائنس روک لی۔ وہ چلا گیا۔ میں نے اس
کے دماغ میں جا کر کوڈ دروازہ کھلے پھر کہا: ”اپنے تمام خیال خالی
کرنے والوں سے کہہ دو۔ کوئی میرے دماغ میں نہ آئے۔ سونہ
ماری کھٹکے کے دوران دشمنوں کو میرے اندر چھپ کر رہنے کا
موقع مل جائے گا۔ پھر اندر چھپ کر میرے دماغ میں زلزلہ پیدا کیا
جاسکتا ہے۔“

”مجھ بات ہے صرف اتنا بتا دیں گیا آپ کی بھانجی شینہ کو
قتل کیا گیا ہے؟“

”میں کیسے معلوم ہوا؟“

”ایک اسرائیلی حاکم نے قاتحانہ انداز میں جناب علی اسد اللہ

تحریری کو فون پر اطلاع دی ہے۔“
”ہاں یہ درست ہے، تم لوگ محتاط رہو۔ ایک دوسرے کے
دماغ میں زیادہ دیر نہ کر دشمنوں کو اور موقع نہ دو۔ خدا حافظ۔“

میں دماغی طور پر حاضر ہو گیا۔ میرے سر میں درد ہو رہا تھا۔ میں
فرسٹ ایڈیاکس ٹانگہ آئیے کے سامنے آیا۔ بیٹھائی اور چہرے سے
لو پو پچھ کر زخم کو صاف کیا پھر دروازا کراس پٹی چکا دی۔ مجھے یہ
خیال سنا رہا تھا کہ اپنی بہن کو شینہ کی موت کی اطلاع کیسے دوں گا۔
جب میرا دل ٹکڑے ہو رہا تھا تو بہن کی کیا حالت ہوگی۔

دوبے یہ دردناک اطلاع دونوں یا نہ دونوں اس کے پاس جانا
ضروری تھا۔ وہ اور کارمان دشمنوں کی قید میں تھے۔ جب میں پچھل
بار شاہینہ کے پاس گیا تو وہ ہوش میں تھی لیکن کسی ناریک چار
دیواری میں تھی اس نے دو دوکر مجھ سے کہا تھا کہ میں اس کے
بچوں کی حفاظت کروں۔ میں نے ان کی حفاظت کا وعدہ کیا تھا اور
ناکام رہا تھا۔

آخر میں نے دل کڑا کر کے خیال خالی کی پرواز کی۔ شاہینہ
کے دماغ میں پہنچا پھر واپس آیا۔ وہ بیوش تھی۔ پتا نہیں دشمنوں
نے اسے کیوں ہوش سے بیدار کر دیا تھا۔ اس کا بیٹھنا میرا بھانجا
کارمان بھی کیسے بے ہوش پڑا تھا۔

فی الحال دشمنوں کی کیا چال سمجھ میں آ رہی تھی کہ وہ شاہینہ
اور کارمان کو اغوا کر کے اس شہر سے یا اس ملک سے دور کیسے لے
جا رہے تھے۔ انہیں اس لئے بے ہوش کر دیا تھا کہ ہم ان کے
دماغوں میں نہ کران راستوں کو معلوم نہ کر سکیں جہاں سے وہ لے
جائے جا رہے تھے۔ پتا نہیں انہیں کہاں پہنچایا جا رہا تھا۔ اگر دشمن
انہیں ملک سے باہر لے جا رہے تھے تو سب سے قریب ترین ملک
ہندوستان تھا اور ہندوستان سے یودیوں کے تعلقات بڑے
دوستانہ تھے۔

گولڈن برنز نے دھمکی دی تھی کہ پہلے شینہ کو قتل کیا گیا ہے۔
اگر میں پاکستان سے واپس نہ گیا اور یودی ایجنٹوں کے لئے پاکستان
میں مصیبت بننا پڑا تو وہ شینہ کے بعد کارمان کو ختم کر دیں گے اس
کے بعد بھی میں نے ان کی شرائط پر عمل نہ کیا تو وہ میری بہن شاہینہ
کو بیدار کر کے قتل کر دیں گے۔

میری بہت بڑی کڑوری ان کے ہاتھ آگئی تھی۔ اتنی بڑی دنیا
میں وہی ایک بہن تھی جسے میں نے بیٹی کی طرح گود میں کھلایا
تھا۔ انہوں نے اسے چھین کر چھپے میرے اندر سے کھینچ نکال لیا
تھا۔ یہ بڑی آزمائش کی گھڑی تھی۔ مجھے اس نتیجے پر پہنچنا تھا کہ
بھانجے اور بہن کو بھی قربان کر دوں یا یودیوں کے سامنے کھٹے ٹیک
دوں؟

اگر میں ان کی شرائط مان لیتا، پاکستان چھوڑ دیتا۔ سومانہ اور
جبرائیل گرانٹ کو اسرائیل سے واپس بلا لیتا اور پاکستان کو یودیوں
کی تجارتی منڈی بننے دیتا تو وہ میرے بھانجے اور بہن کو قتل نہ

کرتے۔ انہیں زندہ رہنے دیتے لیکن اپنی قید سے رہا نہ کرتے۔ میری بہن کو بیٹھ میری کمزوری بنا کر اپنی قید میں ایسی جگہ رکھتے جہاں میں کبھی پہنچ نہ پاتا۔

میں نے سونیا کو مخاطب کیا، ”وہ بولی، ”مجھے افسوس ہے فرہاد! انہوں نے معصوم شہید کی زندگی بچھن لی۔ ابھی مسلمان نے بتایا ہے کہ کارمان اور شاہینہ بے باق ہیں۔ دشمنوں نے انہیں دوسری بار بے ہوش کیا ہے۔ اس کے پیچھے کوئی خاص مقصد ہوگا۔“

”شاید وہ اسے کوٹک سے باہر لے جا رہے ہیں۔ ان کی بے ہوشی کے باعث ہم معلوم نہیں کر سکتے کہ انہیں کہاں لے جایا جا رہا ہے؟“

”یہ ہمارے لئے برا ہو رہا ہے۔ وہ شاہینہ کو ہمارے خلاف زبردست مہم بنا کر رکھیں گے۔ جب تک ہم شاہینہ اور کارمان کو رہائی نہیں دلا میں گے تب تک ہمیں یہودیوں کے اٹھانوں پر پناہنا ہوگا۔“

”کم کیا کہتی ہو؟“

”لی الی الحال ہم خاموشی اختیار کریں۔ یہودیوں سے رابطہ نہ کریں۔ کوئی دماغی رابطہ کرنا چاہے تو ہم سانس روک لیں۔ اپنے تمام خیال خواتین کرنے والوں سے دھمک دے کہ وہ باہر نکلے تب آپس میں بھی خیال خواتین نہ کریں۔ تم سب میرے پاس بھی نہ آؤ۔ دوسرے دشمنوں کو ہمارے اندر آکر خاموشی سے ہماری گفتگو سننے کا موقع مل جائے گا۔“

”لیکن باہر نکلنے کے اندر مجھے اپنوں میں سے کسی کی ضرورت پیش آ سکتی ہے۔“

”کوئی بھی ضرورت ہو تو جناب علی احمد اللہ حمزوی صاحب سے رابطہ کر دو اور ان کے پاس ضروری پیغام چھوڑ دو۔“

میں نے اس سے رابطہ ختم کر دیا۔ سونیا کے شور سے یہ بوجھ لگا ہوا کہ ابھی یہودیوں سے بحث و تکرار نہیں ہوئی۔ اگر وہ اپنی شرائط منوانے کے لئے ہم میں سے کسی کے دماغ میں بھی آئیں گے تو ہم سب سانس روک لیں گے۔ یوں جب تک میری ہاں یا نہ کا جواب نہیں ملے گا تب تک وہ کارمان اور شاہینہ کو نقصان نہیں پہنچائیں گے۔ انہیں قتل کرنے کے لئے کم از کم باہر چلیں گے۔

میں پارس کے پاس پہنچا کہ اسے بتا دوں، شہینہ پر کیا گزری ہے اور آئندہ اس کی پھولی اور پھولی زاہد بھائی پر کیا گزرنے والی ہے۔ جب وہ ملتان روڈ پر ٹھوکر کی طرف جاتے ہوئے دشمنوں کو تلاش کر رہا تھا تب میں نے اسے ایک گاڑی کا رنگ اور نمبر بتائے تھے۔ وہ اس گاڑی کو تقریباً ایک گھنٹہ تک تلاش کرتا رہا مگر ناکام رہا۔ دوسرے کلومیٹر تک جانے کے بعد وہ وہ گاڑی نظر نہیں آئی تو یہ بات سمجھ میں آئی کہ دشمن پیچھے کسی آبادی میں نہ جگے ہیں یا کسی نچے راستے پر مڑ گئے ہیں۔

وہ واپسی پر چھوٹی بڑی آبادیوں میں جا کر ڈھونڈنے لگا۔ ایک

جگہ دور درختوں کے پیچھے ایک گروام نما بڑی سی چار دیواری نظر آئی۔ ذرا قریب جانے پر اس رنگ اور نمبر کی گاڑی نظر آئی۔ اس نے ایک جھاڑی کے پیچھے اپنی کار کھڑی کی پھر جھپٹا ہوا گروام کی طرف جانے لگا۔

ایسے ہی وقت ایک ہیلی کاپٹر کی آواز سنائی دی۔ گروام کے پیچھے کھینوں کا سلسلہ تھا۔ فصل کٹ چکی تھی اس لئے وہ کھیت دور تک وسیع و کھلی میدان ہو گئے تھے۔ کھیتوں سے آئے والا ہیلی کاپٹر اس میدان میں اترا ہوا تھا۔ گروام سے تین آدمی باہر آکر ہیلی کاپٹر کو دیکھ رہے تھے۔ پارس ان کے پیچھے ایک دیواری آؤٹس کڑا ہو گیا تھا۔ ان میں سے ایک کہہ رہا تھا ”یہ وقت سے پہلے چلا آیا ہے۔ وہ عورت تو یہی نیند سوری ہے اور اس کے بیٹے پر تو یہی عمل ہو رہا ہے۔“

”کیا تمہارے دماغ میں وہ بول رہی ہے؟“

”ہاں میرے منہ سے کہہ رہی ہیں کہ ہیلی کاپٹر والوں کو تو اسے کھینے تک روکا جائے۔“

پارس نے سمجھ لیا کہ شاہینہ یا شہینہ پر تو یہی عمل ہو چکا ہے چونکہ اس شخص نے عورت سے کہا تھا اس لئے وہ شاہینہ ہو سکتی تھی۔ پھر یہ بھی کہ تھا کہ اس کے بیٹے پر عمل ہو رہا ہے یعنی کارمان بھی وہاں تھا۔

مشکل یہ تھی کہ وہ دونوں اپنی رہائی کے لئے پارس کے ساتھ تعاون نہیں کر سکتے تھے۔ وہاں نافل پڑے ہوئے تھے۔ وہ دشمنوں سے دو دو ہاتھ کرتے ہوئے ہاں بیٹے کو اپنی کار تک نہیں پہنچا سکتا تھا۔ گروام کے اندر کچھ اور لوگ تھے۔ پھر ہیلی کاپٹر کے ذریعے آنے والوں نے تعداد میں اضافہ کر دیا تھا۔

وہ دیواری کی آڑ سے نکل کر دوسری طرف جانا چاہتا تھا اسی وقت میں اس کے پاس پہنچ گیا۔ اس نے کہا ”میں پھولی اور کارمان ہیں۔ دشمنوں کی تعداد کافی ہے۔ ان کے علاوہ کوئی خیال خواتین کرنے والی ایک شخص کے دماغ میں ہے کہ انہیں گائیڈ کر لیں۔ کوئی دوسرا نیلی بیٹی جانے والا کارمان پر عمل کر رہا ہے اور پھولی پر تو یہی عمل ہو چکا ہے۔“

میں نے کہا ”بیٹے! بدلتی یہودیوں نے شہینہ کو مار ڈالا ہے“ مجھے بہن کے سامنے بڑی شرمندگی ہوئی۔ اب ان دونوں کو ہر حال میں یہاں سے زندہ سلامت لے جانا ہوگا۔“

کوئی شخص ہیلی کاپٹر سے اتر کر گروام کی طرف آ رہا تھا، میں نے کہا ”وہ جو آ رہا ہے“ وہ گروام کے لوگوں سے باتیں کرے گا۔ ان کے اندر رہنے والی اس آنے والے کے دماغ میں جانے گی۔ تم ان کی باتیں سنو کہ میں بھی اس کے دماغ میں پہنچ سکوں۔“

پارس وہاں چھپا رہا، ہیلی کاپٹر سے آنے والے نے ایک شخص سے مصافحہ کرتے ہوئے کوڈ روڈز اچھلے۔ ”میں گلاب کے دس سے آیا ہوں۔ جینیٹی کا پھول لے جاؤں گا۔“

ہندوستان کا قومی پھول گلاب ہے اور پاکستان کا قومی پھول

جینیٹی۔ یہ واضح ہو گیا کہ وہ ہیلی کاپٹر ہندوستان سے آیا ہے اور اس میں شاہینہ اور کارمان کو لے جایا جائے گا۔ گروام کے ایک شخص نے کہا ”جینیٹی سوری ہے“ اس کے بیٹے پر عمل کیا جا رہا ہے۔ کم از کم رکھنا انتظار کرنا ہوگا۔“

آنے والے نے کہا ”میں رٹناؤ بھجر کے دما ہوں۔ یہاں ہماری پرواز غیر قانونی ہے۔ آدھا گھنٹہ بہت ہوتا ہے۔ ہم خطرات میں گھر گئے ہیں۔ پلیر جلدی کر۔“

میں بھجر کے دما کے اندر پہنچ گیا تھا۔ ایک دشمن خیال خواتین کرنے والی کہہ رہی تھی ”بھجر! اور نے کی کوئی بات نہیں ہے۔ یہاں دو نیلی بیٹیاں جانے والے تمہاری مدد کے لئے موجود ہیں۔“

وہ مسکرا کر بولا ”مجھے بتایا گیا تھا کہ نیلی بیٹی جانے والے مجھ سے دماغی رابطہ قائم کریں گے۔ میں تمہاری آمد سے مطمئن ہوں۔ پھر بھی یہاں کے سراغ رسانوں سے ٹکرائے بغیر جلد سے جلد چلے جانا دارا شہنشاہی ہوگی۔“

”میں پوری کوشش کر رہی ہوں۔ ذرا انتظار کرو۔ ابھی آتی ہوں۔“

وہ پہلی گئی۔ میں نے اس کے خیالات پڑھ کر معلوم کیا۔ وہ ایسا ہیلی کاپٹر لایا تھا کہ پاکستان میں پکڑا جاتا تو یہ ثابت نہ ہوتا کہ وہ بھارت سے آیا ہے۔ دما کا قلعہ اب وہاں کی فوج سے نہیں تھا۔ اس کے ساتھ دو مسلح محافظ اور ایک پائلٹ تھا اور وہ سب غیر فوجی تھے۔

رٹناؤ بھجر کے دما نے پیچھے آنے والے ایک مسلح گاڑی سے کہا ”پائلٹ سے جا کر کہہ دو۔ ذرا در پڑے گا۔“

گاڑی نے کہا ”سر! پائلٹ بہت گھبرا ہوا ہے۔“

وہ بولا ”خاتون! اسے حوصلہ دو اور بتاؤ کہ ہمارے ساتھ نیلی بیٹی جانے والے موجود ہیں، گھبرائے کی ضرورت نہیں ہے۔“

وہ جانے لگا، میں نے پارس سے کہا ”کسی طرح ہیلی کاپٹر کے قریب پہنچیں۔ مسلح گاڑی کو روک کر رہا ہوں۔“

پھر میں نے سلمان اور سلطانہ کے لئے جناب علی احمد اللہ حمزوی صاحب کو پیغام دیا کہ شاہینہ اور کارمان تو یہی نیند میں ہیں۔ تیز پوری ہوئے سے پہلے انہیں زرا نہیں لایا جاسکتا ہے اور دشمنوں کے تو یہی عمل کا توڑ کیا جاسکتا ہے۔ یہ جلد سے جلد کیا جائے۔

انہوں نے فرمایا ”بیٹے! اللہ نے چاہا تو دشمنوں کے عمل کا توڑ ہو جائے گا۔ تم اپنا کام کرو۔“

میں نے پارس کے پاس آکر کہا ”ہر گرجاؤ، ہیلی کاپٹر کی طرف نہ جاؤ۔ تمہاری پھولی اور کارمان پر تو یہی عمل کا توڑ ہونے والا ہے۔ اس عمل کے دوران کسی کو ان کے قریب جانے نہ دو۔ گروام کے اندر پہنچو۔“

وہ پھر گروام کی طرف جانے لگا۔ میں نے ایک شخص کے

ذریعے گروام کے مزید تین آدمیوں کے دماغوں میں جگہ بنائی پھر مسلح گاڑی کے پاس پہنچا۔ وہ پائلٹ کو تسلیاں دے رہا تھا اور پائلٹ پریشان ہو کر کہہ رہا تھا ”ہماری کھیتی کے مالک کو اگر معلوم ہو گا کہ میں ایک رٹناؤ بھجر کے کمنے سے غیر قانونی پرواز کے لئے ہیلی کاپٹر لے آیا ہوں تو میری نوکری چلی جائے گی، وہ مجھے جیل پہنچا دے گا۔ یہاں کوئی گزیر ہو سکتی تو بھجر کیا کرے گا؟ میں نہیں جانتا کہ نیلی بیٹی جانے والے کتنے بار واپس آئے ہوتے ہیں۔“

میں مسلح گاڑی کو ہیلی کاپٹر سے اتار کر لیٹے۔ اس نے میری مرضی کے مطابق نیچے آکر چھوڑ دی تھی گاڑی میں کھول دیا۔ جب سے دھماکا لگا کر اسے نیکی میں ڈال کر پوری طرح بجھکا پھر چھوڑ دیا۔ سے بیٹھے ہوئے آدھے دھماکا کو نیکی کے اندر اور آدھے دھماکا کو نیکی سے باہر رکھا اس کے بعد لاٹکڑ لگایا۔

انگ دھماکا میں لگی۔ پھر اس کے شیلے پلٹے ہوئے نیکی کے اندر گئے۔ گروام کے دروازے پر چار افراد کھڑے بائیں کر رہے تھے۔ یکایک قیامت کا دھماکا ہوا۔ چاروں کے قدیم اکلڑ گئے۔ وہ اچھل کر زمین پر گر پڑے۔ ہیلی کاپٹر کے پر پٹے اڑ گئے تھے۔ شیلے آسمان کی طرف جا رہے تھے اور اس کے ٹکڑے گروام کی طرف آ رہے تھے۔ ان میں مسلح گاڑی اور پائلٹ کے ٹکڑے بھی شامل تھے۔ میں نے اس کے دما کے دماغ پر قبضہ کیا۔ اس نے رٹناؤ بھجر کی طرف کر پھلے اس شخص کو گولی ماری جس کے دماغ میں کوئی خیال خواتین کرنے والی آئی تھی۔ پھر اس نے دوسرے پر قاتل کیا۔ تیسرے نے کے دما کو شوٹ کرتے ہوئے کہا ”پاکل ہو گیا ہے۔ دوست بن کر ہمیں مارنے آیا ہے۔“

میں نے تیسرے کے دماغ پر قبضہ جاکر اسے پارس کی طرف دوڑایا پھر اس کی زبان سے کہا ”میں فرہاد بول رہا ہوں“ یہ گمن تمہارے لئے ہے۔“

اس نے دور سے گمن اچھالی۔ پارس جہاں چھپا ہوا تھا وہاں قریب ایک اسٹریچر پر شاہینہ اور دوسرے اسٹریچر پر کارمان تھا۔ دونوں نافل پڑے ہوئے تھے۔ ایک شخص شاہینہ کا نشانہ لے رہا تھا۔ پارس نے اسے گولی ماری۔ اوپر بوجھ آیا تھا۔ پارس کی گولیوں سے چھلنی ہو رہا تھا۔ یہودی خیال خواتین کرنے والوں کو کہیں ہو گیا تھا کہ شاہینہ اور کارمان ان کے ہاتھوں سے نکل جائیں گے۔ اس لئے وہ ان دونوں کو ختم کرنا چاہتے تھے۔ اپنے آواز کا دھماکا کے اندر دھماکا کرنا پڑا نشانہ ملے کر رہے تھے اور اپنے ایک ایک آواز کا رے محروم ہوتے جا رہے تھے۔

آخر میدان صاف ہو گیا، میں نے کہا ”بیٹے! ابھی پھولی اور کارمان کو ہاتھ نہ لگاؤ۔ شاید سلمان اور سلطانہ ان پر عمل کر رہے ہیں۔ میں ابھی معلوم کرتا ہوں۔“

میں نے سلمان کے پاس آکر کوڈ روڈز ادا کئے پھر پھر چھپا دیا۔ شاہینہ اور کارمان پر عمل ہو رہا ہے؟“

اس نے کہا ”ہم نے دشمنوں کے تو یہی عمل کا توڑ کر دیا

ہے۔ اس کے بعد ہم ان کے داغوں میں یہ نقش کرنا چاہتے تھے کہ وہ پرانی سوچ کی لہروں کو محسوس کرتے ہی سانس روک لیا کریں لیکن ہمیں اس کا موقع نہیں ملا۔ دشمن خیال خوانی کرنے والے آ رہے تھے اور ان کی سانسیں روک کر انہیں مار ڈالنا چاہتے تھے۔ میں کامران کے داغ پر اور سلطانہ شاہینہ کے داغ پر پوری طرح قبضہ تباہ ہوئے ہیں۔ دشمن غصہ غصہ کر آ رہے ہیں اور ناکام ہو کر جا رہے ہیں۔

”ان کی حفاظت کرتے رہو۔ میں ابھی آتا ہوں۔“

میں نے پارس سے کہا ”اے بیچو! اور کامران کو اٹھا کر کامران لے جاؤ۔ لیکن تمہارے پاس رہے گی۔ کوئی گروہ ہوگی تو تجھے اطلاع مل جائے گی۔“

میں نے پہلی کو پارس کے پاس جانے کے لئے کہا پھر اسرائیل کے ایک اعلیٰ حاکم کو مخاطب کیا ”تم لوگوں نے میری بھانجی کو قتل کر کے ایک کینکس دکھادی۔ اب میری انتقامی کارروائی کے لئے سنبھل جاؤ۔ ایک لمحہ بھی ضائع نہ کیجئے۔ گولڈن برنز سے رابطہ کرنا۔“

اس نے رابطہ کیا۔ کیپوٹر کے ذریعے گولڈن برنز کی طرف سے اسکرین پر تحریر ابھری۔ میں نے اعلیٰ حاکم کے ذریعے خبر کو پڑھا۔ وہاں لکھا تھا ”ہمیں اطلاع مل گئی ہے۔ فرہاد نے اپنی بہن اور بھانجے کو ہمارے آرمیوں سے چھین لیا ہے۔ اس سے کہہ دو یہ عارضی کامیابی ہے۔ اس کے ٹیلی جیتھی جاننے والے کب تک شاہینہ اور کامران کی حفاظت کریں گے۔ ہمارے ٹیلی جیتھی جاننے والے ہر دو منٹ کے بعد ان دونوں کے داغوں میں جاتے رہیں گے۔ فرہاد کی اتنی بڑی کمزوری کو ہم ہاتھ سے جانے نہیں دیں گے۔“

میں نے کہا ”جب تک دشمن میری بہن اور بھانجے کے داغوں میں آتے رہیں گے تب تک تمہارے ملک کی ایک ایک ٹل اور فیکٹری تباہ ہوئی رہے گی۔ ایک نمونہ دیکھ لو میں پھر آؤں گا۔“

ہم نے سوسائڈ اور جبرائیل کو اسرائیل بھیجے سے پہلے ہی ملوں اور فیکٹریوں کے مالکان کو دباؤ میں لایا۔ ان کا رتا ہوا تھا اور ان کے ذریعے ان کی ملوں میں کمی متواتر ہو رہی تھی۔ چھپا کر رکھ دئے تھے۔ پہلی بار اسی طریقہ کار کے مطابق ایک بہت بڑی مل کو ہم نے تباہ کیا تھا۔ اس بار پھر ایک مل کی بادی آئی۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ وہاں کے بے گناہ مزدور مارے جائیں۔ اس لئے میں نے مل مالک کے ذریعے خطرے کا سائرن آن کرایا۔ تمام مزدور مشینوں کو بند کر کے دوڑتے ہوئے مل سے باہر جانے لگے۔ سیکورٹی گارڈ خطرے کے متعلق معلوم کرنے کے لئے مالک کے دفتر کی طرف جا رہے تھے۔ اسی وقت وہاں پہلا دھماکا ہوا۔ جاتی رہ گئے تھے وہ اپنی جانیں بچانے کے لئے باہر دوڑتے ہوئے جانے لگے۔ اس کے بعد وقفہ وقفہ سے دھماکے ہوتے چلے گئے۔

میں نے اعلیٰ حاکم کے ذریعے گولڈن برنز سے کہا ”تمہارے

ٹیلی جیتھی جاننے والے ہر دو منٹ کے بعد میری بہن اور بھانجے کے داغ میں جائیں گے اور میں ہر دو منٹ کے بعد ایک ایک مل اور فیکٹری کو تباہ کر رہا ہوں گا۔ اب بولو یہ سودا منظور ہے؟“

اسکرین پر تحریر ابھری ”یہ ہمیں منظور نہیں ہے۔ ہم اپنا جینچ وہاں لیتے ہیں۔ تمہاری بہن اور بھانجے کے داغوں میں کوئی نہیں جائے گا۔“

میں نے پوچھا ”اگر کوئی وہاں چھپ کر رہے گا تو؟“

”ہم وعدہ کرتے ہیں۔ کوئی وہاں چھپ کر بھی نہیں رہے گا۔“

میں نے وہاں اسکرینوں کو تمام دھواؤں کو سنا۔ وہ کامران کے داغ میں تھا۔ میں نے کہا ”اگر کوئی یہاں چھپا ہوا ہے تو گولڈن برنز کے پاس احکامات حاصل کرنے کے لئے جائے۔“

میں بات میں سلطانہ کے داغ میں آ کر کہہ دی۔ اسے بھی تمام حالات بتا دیے۔ وہ دونوں مطمئن ہو کر شاہینہ اور کامران کے داغوں پر عمل کرنے لگے۔ پارس ان ماں بیٹے کو گھر لے آیا تھا۔ وہ دونوں آرام سے اپنے بیڈ پر تھے۔ پہلی ان کے اندر آتی جاتی تھی اور یہ معلوم کرنے کی کوشش کرتی تھی کہ دشمن خیال خوانی کرنے والے تو زندہ کر رہے ہوں۔

اس کو بھی کے سامنے احاطے کے اندر شیشہ کی جولاں پڑی ہوئی تھی اسے پولیس والے لے گئے تھے۔ پڑوسیوں نے بتایا تھا کہ وہ فرہاد ملی تیوری بھانجی کی لاش ہے۔ پولیس افسران میرا انتظار کر رہے تھے میں نے ایک افسر کے اندر آ کر کہا ”میں فرہاد ملی تیوری بول رہا ہوں۔ میری بہن کی کو بھی کے سامنے مسٹر آرنلڈ سوزا رچے ہیں۔ ان کا بیٹا پیڑھ سوزا آپ کے پاس آ رہا ہے۔ لاش اُس کے سپرد کریں۔“

پارس وہ لاش گھر لے آیا۔ پڑوسیوں کی مدد سے چھینو عینین کے انتظامات کرنے لگا۔ ایک گھنٹے بعد شاہینہ اور کامران تو خیمہ بند سے بیدار ہو گئے۔ سلمان اور سلطانہ نے ان کے داغ کو لاک کر دیا تھا کہ کوئی دشمن خیال خوانی کرنے والا انہیں ٹرپ نہ کر سکے اس کے ساتھ ہی شاہینہ کے اندر بڑے سے بڑے صدمے کو برداشت کرنے کا حوصلہ پیدا کر دیا تھا۔

جب اسے بیٹی کی میت کے پاس لایا گیا تو اس نے آنسو بہائے لیکن صدمے سے غمگین نہیں ہوئی۔ میں اس کے داغ میں آ کر اسے تسلیاں دیتا رہا۔ اس نے مجھ سے شکایت نہیں کی اور نہ ہی شرمندہ ہونے لگا کہ میں اس کی بیٹی کی حفاظت نہ کر سکا۔ اسے یقین تھا جس طرح میں نے اپنے بہنوئی کے قاتلوں سے انتقام لیا تھا انی طرح خیمہ کے قاتلوں کو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔

میں نے شاہینہ اور کامران کو آزایا تھا۔ وہ پرانی سوچ کی لہروں کو محسوس کرتے ہی سانس روک لیتے تھے۔ اگرچہ وہ ہوا کے مابین نہیں تھے لیکن عام لوگ بھی بعد میں سیکنڈ سانس روک لیا کرتے ہیں۔ شاہینہ اور کامران کے داغوں میں یہ بات بھی نقش کی گئی تھی کہ وہ ماں بیٹے مع و شام سانس روکنے کی مشق کیا کرتا

میں نے پھر اسرائیلی اعلیٰ حاکم کے ذریعے گولڈن برنز کو مخاطب کیا اور کہا ”میری بہن اور میرا بھانجا محفوظ ہیں۔ تمہارے ٹیلی جیتھی جاننے والے ان کے داغوں میں نہیں آتے۔ میں نے بھی جوابی کارروائی نہیں کی۔ پھر کسی مل یا فیکٹری کو تباہ نہیں کیا ہے۔“

گولڈن برنز کی طرف سے تحریر ابھری ”مسٹر فرہاد! بہن اور بھانجے کو پاکر تم بھی مطمئن ہو اور ہم بھی مطمئن ہیں کہ ہماری ایڈمزیز تباہ نہیں ہوں گی۔ اگر ہم تم اسی طرح دانشمندی اور سمجھوتے سے کام لیتے رہے تو کسی کو کسی سے شکایت نہیں رہے گی۔“

میں نے کہا ”دانشمندی تو ہم لوگوں کو جھوکر نہیں مگوری۔ تم اپنی مائیں کو دانشمندی کہتے ہو۔ اگر میری بہن اور بھانجا ابھی تمہارے شکنجے میں رہتے تو فرعون بن کر بائیں کرتے۔ کیا اب مجھے مجبور کر سکتے ہو کہ میں پاکستان چھوڑ دوں؟“

”مسٹر فرہاد! یہ وقت دقت کی بات ہوتی ہے۔ کسی کوئی غالب آتا ہے اور کسی کوئی باذی بیت لیتا ہے۔ ہم اپنی تباہی سے سبق سیکھ رہے ہیں، تم اپنی بھانجی کی موت سے نصیحت حاصل کرنا۔ آئندہ پھر تمہاری کوئی کمزوری ہمارے ہاتھ آ سکتی ہے۔“

”اور تم نے دیکھا کہ میں خیمہ کے قتل ہوئے اور بہن بھانجے کے اغوا ہوئے پھر تمہارے پاس مگر گزرائے نہیں آیا۔ تم بھی نصیحت کرنے کے بہانے نہ کرو گزرائے۔ میں خیمہ کے خون کا بدلہ لوں گا۔ اگر اندھا صدمہ انتقام لوں تو کسی بے گناہ بھی مارے جائیں گے۔ اس لئے میرا انتقام دوسری نوعیت کا ہو گا۔“

اسکرین پر تحریر ابھری ”تم کیا کرنا چاہتے ہو؟“

”دیکھا ہوا اقتدار یہ نہیں بتا تا کہ وہ کس طرح بگڑے گا۔ آگے آگے دیکھو تو آگے کیا؟“

اسکرین پر جوابی تحریر ابھری تھی۔ میں نے اعلیٰ حکام کے ذریعے اسے نہیں پڑھا وہاں سے چلا آیا کہ انہیں میری طرف سے جواب ملے اور وہ یہ سوچ کر الجھتے رہیں کہ نہ جانے میں آئندہ کیا کرے والا ہوں۔

○☆☆○

علی تیوری نے آنکھیں کھول دیں۔ تو خیمہ بند سے بیدار ہو گیا۔ وہ مسٹر چارولڈ شاہینہ چت پڑا ہوا چھت کو تک رہا تھا اور سوچ رہا تھا کس کمال ہوں؟

وہ اندھ کر بیٹھ گیا۔ اسے یاد آ رہا تھا کہ پہلے تو خیمہ عمل کے قتل پہلی تیوری کی شخصیت بھلا دی تھی۔ تب سے وہ خود کو بھولا ہوا ہے۔ پہلے یہاں کارلو کی حیثیت سے نئی زندگی شروع کی پھر راتما کے پکس پڑا کر اپنی فیکٹریں کیا تھا۔

اب اپنی اصلیت یاد آئے کے بعد اسے یہ سب کچھ یاد آ رہا تھا۔ پہلے اس پر عمل کرتے ہوئے اس کی یادداشت میں جان کارلو راتما آئی فیکٹری کے تمام واقعات کو آدھ رکھا تھا۔ اب

اسے یہ بھی یاد آ رہا تھا کہ وہ راتما سے بچھا چھڑا کر پولیس والوں سے مقابلہ کرتا رہا۔ سوسائڈ اور جبرائیل کی کو بھی میں آ گیا تھا۔

اسی وقت بیڑیوم کا دروازہ کھلا۔ سوسائڈ اندر آئی۔ سوسائڈ دیکھ کر کہتے ہوئے ہلا ”اوہ ہائی ڈارلنگ! آج جان!“

سوسائڈ دونوں بائیں پھیلا کر آگے بڑھی۔ وہ پیچھے ہٹ کر بولا ”تم سے گلے ملنے ہی ساقوں طبق روشن ہوا ہے۔“

وہ مسکرا کر بولی ”میں اپنی قوت سے نہیں محبت سے ملوں گی۔“

آؤ۔“

آج جان نے اسے کھینچ کر گلے لگا لیا۔ وہ سانس روک کر بولا۔

”تمہیں اپنی قوت کا اندازہ ہی نہیں ہوتا ہے مجھے معاف کر دو۔“

اس نے ہنسنے ہوئے اسے چھوڑ دیا پھر کہا ”اے! تم نے کہا تھا تم ٹھیک صبح چھ بجے بیدار ہو جاؤ گے۔ جاؤ غسل کرو۔“ میں ناشائلی تھی۔

وہ سب پہلی کو پاکستانی زبان میں اسی کہتے تھے۔ ایک گھنٹے بعد جب وہ غسل وغیرہ سے فارغ ہو کر ناشائلی کچا تو پہلی اس کے پاس آئی۔ اسے تمام حالات بتائے ”تمہارے پاپا اور پارس پاکستان میں ہیں۔ یہودیوں کے ایک ایجنٹ نے تمہارے پھوپھا کو پہلے قتل کیا۔ تب سے تمہارے پاپا اس مشن پر ہیں کہ یہودیوں کا کوئی مال پاکستان میں نہیں پہنچے۔ یہودیوں کے اور پاکستان سے یہودیوں کے تمام دلالوں کو باہر کر دیں گے یا انہیں ملک چھوڑنے پر مجبور کر دیں گے۔ اسی جھگڑے میں یہودیوں نے تمہاری پھوپھی زاد بہن خیمہ کو قتل کر دیا ہے۔“

پہلی نے اسے تمام دھواؤں تفصیل سے سنائی۔ انہوں نے کہا۔

”آپ پاپا کو بتادیں کہ میں بیدار ہو گیا ہوں اور ان سے موجودہ مسائل پر باتیں کرنا چاہتا ہوں۔“

پہلی نے مجھے اطلاع دی۔ میں نے بیٹے کے پاس آ کر کہا ”مجھے خوشی ہے کہ تم نے دشمنوں کے سر پر سوار ہو کر انہیں کھولی ہیں اور خود کو بچا چکا ہے۔ جب یہودیوں کو تمہاری موجودگی کا علم ہو گا تو ان کے ہوش اڑ جائیں گے۔ تم بڑے جکدوں میں پڑ کر یہاں پہنچے ہو۔ خدا اجر کرتا ہے بہتری کے لئے کرتا ہے۔“

”پاپا! خیمہ کا خون رائیگاں نہیں جائے گا۔“

”ہاں بیٹے! میں نے گولڈن برنز سے کہا ہے کہ اندھا صدمہ انتقام لوں گا تو کسی بے گناہ مارے جائیں گے۔ اس لئے میرے انتقام کی نوعیت دوسری ہوگی۔“

”آپ کیا کرنا چاہتے ہیں؟“

”ان کے خیال خوانی کرنے والوں کو فٹم کیا جائے۔ پہلی جیٹھی کے ہتھیاروں سے محروم ہوتے رہیں گے اور خیمہ کے قتل کو یاد کر کے توبہ کرتے رہیں گے۔“

”ٹھیک ہے پاپا! میں یہاں ان کے ٹیلی جیتھی جاننے والوں تک پہنچنے کی کوشش کر رہا ہوں گا۔“

”کاپتہ تقدیر نے تمہیں یہاں پہنچا دیا ہے۔ اب ہم تم گولڈن برنز

کو تلاش کر دے وہ قہر میں چھ ہیں۔ ایک کا بھی سراغ لے گا تو
 باقی باجنگ تک پہنچا آسمان ہو جائے گا۔
 "نساء اللہ میں ان کی شررگ تک ضرور پہنچوں گا۔"
 میں نے پوچھا "تم نے جو جان کارلو اور ایڈی شفر کی زندگیاں
 گزار دی ہیں وہ سب تمہیں یاد ہیں؟"
 "جی ہاں" ایک ایک بات یاد ہے۔
 "اپنے ذہن میں رانما کی آواز اور لہجے کو دہراؤ۔ میں سن رہا
 ہوں۔"

علی نے رانما کا قصہ کہ کیا۔ پھر اس کی آواز اور لہجے کو یاد کرتے
 ہوئے سوچ کے ذریعے دہرائے لگے۔ جس طرح ہم ٹیلی فون کے
 ذریعے کسی کی آواز سن کر اس کے داغ میں پہنچ جاتے ہیں اسی
 طرح علی تیمور کی سوچ ٹیلی فون کی طرح واضح طور پر رانما کی آواز
 اور لہجہ پیش کر رہی تھی۔ ایسا ہر ایک کی سوچ کے ذریعے نہیں
 ہو سکتا۔ جس کی یادداشت مضبوط اور مستحکم ہوگی، اسی سے
 دوسروں کی آواز اور لہجہ پوری وضاحت سے سنا جاسکتا ہے۔
 بہر حال علی کی غیر معمولی یادداشت کے سبب رانما کے داغ میں
 پہنچ گیا۔

اس کے اندر پہنچ کر خیالات بڑھنے سے پتا چلا کہ اس کا داغ
 میدان جنگ بنا ہوا ہے۔ اس کی سوچ نے کہا "ہیروڈوں نے اپنے
 ہاں مجھے پناہ دی لیکن کافی میں کافی کمزوری کی دوا ملا کر پلا دی اور
 میرے کمزور داغ پر قبضہ کر کے غریبی عمل کرنے لگے۔ بعد میں پتا
 چلا، دانیال کے مداخلت کرنے کے باعث بے مورگن کا عمل کام
 رہا ہے۔"

رانما کی سوچ وی بتا رہی تھی جو اس پر گزرتی رہی تھی۔ ملپا
 بھی اس کے داغ میں چھپی ہوئی تھی۔ بعد میں الپا نے انکر کہا۔
 "رانما! تمہارے داغ میں جان لیوا بھی آ رہا ہے۔ اگر فہاد کو
 معلوم ہو گا کہ تم ذہنی انتشار میں مبتلا ہو، ابھی تم پر کوئی غریبی عمل
 نہیں کر سکتے تو وہ فہاد بھی تمہارے داغ پر قبضہ جمانے کی
 کوشش کرے گا۔ تمہیں کسی کی طرف سے اندیشہ ہو تو مجھے بتاؤ
 میں تمہاری حفاظت کروں گی۔"

رانما کی سوچ نے بتایا کہ یہودی خیال خواتین کرنے والوں میں
 بے مورگن اور الپا باری باری اس کے داغ میں موجود رہتے
 ہیں۔ دوسری طرف جان لیوا کے دو خیال خواتین کرنے والے پاسکو
 روٹ اور فریڈرک باری باری موجود رہتے ہیں۔

میں جس وقت اس کی سوچ پڑھا تھا اس وقت بھی اسرائیلی
 اور امریکی ٹیلی جیٹھی جانتے والے دہاں موجود تھے۔ الپا کہہ رہی
 تھی "میں جان لیوا کے خیال خواتین کرنے والوں کو سمجھاتی ہوں"
 وہ رانما کے داغ سے نکل جائیں۔

پاسکو روٹ نے کہا "ایک حکم دینے والے انتظار کے بعد رانما
 ذہنی انتشار سے نکل آئی ہے۔ دیکھو یہ صحیح ترتیب سے اپنے
 موجودہ حالات کے متعلق سوچنی باری ہے۔ اب اسے قابو میں

کرنے کا وقت آیا ہے تو تم ہمیں جانے کو کہہ رہی ہو۔"
 یہ درست تھا کہ اس کا ذہنی انتشار ختم ہو گیا تھا اور وہ
 تحریک پر اپنے موجودہ حالات بیان کر رہی تھی۔ دشمن بے سمجھ
 تھے کہ وہ مارشل ہو کر خود ہی بے تمام باجنگ سوچ رہی ہے۔
 میرے داغ میں یہ بات آئی کہ جب دانیال نے یہودیوں
 غزائی کی ہے اور رانما پر ہونے والے عمل کو کام بنایا ہے تو
 دانیال کو سزا دی گئی ہوگی۔ اسے دماغی کمزوری میں مبتلا کیا گیا
 تاکہ وہ دوبارہ رانما کے داغ میں نہ پہنچے۔

میں نے رانما کی سوچ میں کہا "دانیال چوری سے میرے
 آیا تھا۔ وہ بے مورگن کے عمل کو کام بنانے کے بعد خود عمل کر رہا
 ایسے ہی وقت الپا پہنچ گئی تھی۔"
 میں نے یہ کہہ کر رانما کو دانیال کی آواز اور لہجے کے
 سوچنے پر مجبور کیا۔ وہ سوچنے لگی۔ چونکہ ٹیلی جیٹھی جانتی تھی
 دوسروں کے لہجوں کو یاد رکھنے کی عادی تھی اس لیے صحیح طور پر
 لہجے کو یاد کر رہی تھی۔

میں اس لیے کو گرفت میں لیتے ہی دانیال کے داغ میں
 گیا۔ اسرائیلی فوجی جوازوں نے اسے ایک بندہ موم میں قیدی
 رکھا تھا۔ بے مورگن نے ایک بار اس کے داغ میں آکر
 "دانیال! میں گولڈن ریفری کی طرف سے یہ کہنے آیا ہوں کہ فہاد
 کی سزا موت ہوتی ہے لیکن تمہیں موت کی سزا دی جائے
 ہمارے ٹیلی جیٹھی جانتے والوں میں سے ایک کم ہو جائے گا
 ہمارے ملک کا نقصان ہے۔ ہم تمہیں نہیں ماریں گے بلکہ
 برین واش کریں گے تمہارے داغ سے غزائی ختم کریں گے
 وغزائی کوٹ کوٹ کر بھڑیں گے۔"

دانیال کے خیالات پڑھ کر معلوم ہوا کہ برین واش کر کے
 کی شخصیت تبدیل کی جائے گی۔ ایسا اب تک اس نے نہیں
 تھا کہ تمام یہودی ٹیلی جیٹھی جانتے والے ایک طرف شاہ
 کامران کے داغوں میں تھے۔ باقی بے مورگن اور الپا
 بحرانی کر رہے تھے۔

گولڈن ریفری کا خیال یہ ہو گا کہ ہم میں سے کوئی دانیال
 معاملات تک نہیں پہنچے گا۔ لیکن میں پہنچ گیا تھا اور یہودیوں کی
 کہ ان کے ایک ایک ٹیلی جیٹھی جانتے والے کو ختم کروں
 سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اپنی موجودہ حکمت عملی کے نتیجے میں
 جلدی ایک شکار کے پاس پہنچ جاؤں گا۔

میں نے دانیال کے داغ پر قبضہ بنایا۔ پھر اس کے
 چل کاٹنے والا چاقو پکڑ لیا۔ اس نے چاقو کی نوک کو ٹھیکہ
 جگہ سینے میں پیوست کر دیا۔ پھر اسے صحیح کر باہر نکالا اور
 پیوست کیا۔ وہ فرش پر گر کر ترسے لگا۔ اس نے مدد کی
 سانسوں کو دہاں لانے کی کوشش کی لیکن مقدہ کے کھانے
 کہیں ہوئی سانسیں ختم ہو چکی تھیں۔ میں اس کے آخری
 کے بعد واپس آیا۔

دو سزا خوار رانما تھی۔ وہ ایک طویل انتظار کے بعد ذرا مارشل
 دی تھی۔ فوجی جوان ایک ٹرالی میں کھانے کے سامان لائے
 تھے۔ ان میں سے ایک دوا خانے کے پاس کھڑا ہو گیا۔ اگرچہ رانما
 نے جان کا خلعو نہیں تھا۔ جان لیوا دغیو بھی اسے زندہ
 لایا۔ واپس حاصل کرنا چاہتے تھے لیکن علی تیمور کے فرار ہونے
 فوجی گاڑی بڑھائے گئے تھے۔

رانما نے خود کو ایڈی شفر کی تیمور کی پوری ظاہر کیا تھا۔ اس
 نے ایڈی شفر بھی تھا کہ جس طرح ایڈی شفر پولیس کا پیرا توڑ کر فرار
 ہے۔ اسی طرح رانما کو بھی وہاں سے لے جاسکتا ہے۔ اس نے
 انما کے آہ پاس سے پولیس کو پتا کر فوج کا پیرا کیا تھا۔
 کھانے کی ٹرالی رانما کے سامنے لا کر رکھی گئی تو اس نے پوچھا
 کیا ہے؟

فوجی جوان خاموش کھڑا رہا۔ الپا نے اس کے داغ میں کہا۔
 رانما کو کوئی سوال نہ کرو۔ فوجی گاڑی کو ٹکے بن کر رہیں گے۔
 اس نے پوچھا "کیا میرے داغ میں دشمن چھپے ہوئے ہیں؟ تم
 بے پاد دشمن اور کون ہو گا۔ تم لوگوں نے کافی میں دوا ملا کر میرے
 داغ کو کمزور بنایا تھا۔ کیا تم نے یہ نہیں سوچا تھا کہ میری کمزوری
 نہ تھا انما کو دوسرے بھی مجھے نہیں کریں گے۔"
 "جو ہو گیا تھا۔ بھول جاؤ۔ تمہیں مزید توانائی کے لیے کچھ کھانا
 اچھا ہے۔"

"یہ کھانا توانائی کے لیے ہے یا پھر مجھے کمزور بنانے کے لیے؟"
 "تم فضول بحث کر رہی ہو۔ میں تمہارے داغ پر قبضہ جاکر
 میں زہریلی کھانا کھاتی ہوں۔"
 جان لیوا کا قبضہ سنا دیا۔ اس نے کہا "الپا! میں بھی رانما
 اندر موجود ہوں۔ تمہیں اس کے داغ پر قبضہ جمانے میں مدد
 ہے۔ یہ ہمارے ملک سے آئی ہے۔ ہماری اسی میں ہے کہ اسے
 رہے خواتین کرو۔"

الپا نے کہا "میں بھی تمہارے ملک سے آئی ہوں۔ یہاں جتنے
 اور جیٹھی جانتے والے ہیں وہ سب تمہاری ٹرانز فائر مشین سے
 زہر کر آئے ہیں۔ یہ تمہیں کے لئے دعوے کرتے رہو گے؟"
 "یہ تو اے والا وقت بتائے گا۔ ایک دن تم بھی میرے پاس
 کی۔ لیکن اعلان رانما کے لئے ہماری کو ششیں جاری رہیں گی۔"
 "کو ششیں جاری رکھنے کے لئے اسے زندہ رکھنا ضروری ہے
 زندہ رکھنے کے لئے اس کا کھانا جینا لازمی ہے۔"

لیوا نے کہا "تو پھر اس کی بات مان لو۔ فوجی گاڑی کو بولے کا
 اور وہ رانما کو تائے گا کہ اس کے لئے کچھ کھانے کو لایا ہے۔
 ہرگز سے کہ گاڑی پر کھانا پہلے خود خود آ کر کھا کر دکھائے اور
 ٹھاکہ ملے گا۔"
 الپا نے کہا "یہ گاڑی بولے گا تو تم اس کے داغ میں جاکر کوئی
 کی دکھاؤ گے۔"
 "کھانا کی دکھانا ہوتی تو رانما کے داغ میں وہ کبھی بہت کچھ

کر سکتا تھا۔ رانما کی زندگی جتنی تم لوگوں کے لئے اہم ہے اتنی
 ہمارے لئے بھی اہم ہے۔"

"مجھے بات ہے یہ گاڑی اسے مطمئن کرے گا۔"
 الپا نے گاڑی کے داغ میں جاکر حکم دیا۔ میں انتظار کر رہا تھا۔
 تیموری دیر بعد گاڑی نے رانما سے کہا "میںم اب یہ سینڈویچز ہیں۔ یہ
 دودھ اور دو ٹین ہیں۔ تم اس میں سے جو اٹھا کر مجھے دو گی میں
 اسے کھا کر دکھاؤں گا۔"

رانما نے ایک سینڈویچ اٹھا کر اسے کھانے کو دیا۔ میں گاڑی
 کے داغ میں پہنچ گیا تھا۔ اس نے ایک ہاتھ سے سینڈویچ لیا۔
 دوسرے ہاتھ سے ریڈیو نکال کر کہا "میں یہ کھاتا ہوں" تم کوئی
 کھاؤ۔"

یہ کہتے ہوئے اس نے قاز کیا۔ الپا نے گاڑی کے داغ میں انکر
 قبضہ بنانا چاہا۔ میں نے کہا "الپا! میں فہاد علی تیمور بول رہا
 ہوں۔ اپنے گولڈن ریفری کو یہ خوشخبری سنانا کہ میں نے ایک بھائی
 کے بدلے تمہارے دو ٹیلی جیٹھی جانتے والوں کو قتل کیا ہے۔ اپنے
 باقی ٹیلی جیٹھی جانتے والوں کی بھی حفاظت کر کے دیکھ لو۔ سب ایک
 ایک کر کے مارے جائیں گے۔ مرنے والوں کی قبرت میں تمہارا
 نام بھی ہے۔"

میں نے گاڑی کے ذریعے دیکھا "رانما کا قبضہ تمام ہو چکا تھا۔ میں
 اعلیٰ حاکم کے پاس آیا۔ وہی ایک حاکم ایسا تھا جو گولڈن ریفری سے
 رابطہ قائم کر رہا تھا۔ میرا اندازہ درست نکلا۔ الپا اس کے پاس آئی
 تھی اور اسے گولڈن ریفری سے رابطہ قائم کرنے کو کہہ کر رہی
 تھی۔ حاکم نے پوچھا "تم خود رابطہ کیوں نہیں کر رہی ہو؟"

وہ بولی "میں اپنی رہائش گاہ میں نہیں ہوں۔ کس دوسری جگہ
 ہوں اور کبھی نہ فریو سنا سنا لے کر نہیں گھومتی ہوں۔ پلیز جلدی
 کرو۔"

جلدی رابطہ ہو گیا۔ الپا نے حاکم کے ذریعے بتایا کہ فہاد نے
 رانما کو ختم کر دیا ہے۔

گولڈن ریفری کی طرف سے اسکرین پر تحریر ابھری "میں چند
 منٹ پہلے دانیال کی موت کی بھی اطلاع ملی تھی۔ ہم سوچ بھی نہیں
 سکتے تھے کہ فہاد اتنی تیزی سے چند منٹ کے اندر دو خیال خواتین
 کرنے والوں کو ختم کر دے گا۔ یہی مشکل ہے۔ ہم اس کے خلاف
 کوئی بڑا قدم نہیں اٹھا سکتے۔ لیکن حال تم بے محتاط رہو۔ تم اپنی
 رہائش گاہ میں واپس جاؤ۔ ہم اپنے دوسرے خیال خواتین کرنے
 والوں کو حکم دے رہے ہیں کہ وہ کس مصروف نہ رہیں اور تاکہ
 ثانی اپنی رہائش گاہوں سے باہر نہ نکلیں۔"

اسکرین پر دوسری تحریر ابھری۔ گولڈن ریفری نے اعلیٰ حاکم سے
 کہا "فہاد کے ستارے اچھے ہیں۔ اس کی بہن ہمارے ہاتھ سے
 نکل گئی اور اسے واپس لی گئی۔ وہ اس منور کی بہت بڑی کمزوری
 تھی۔ جب تک اس کی کوئی بڑی کمزوری ہاتھ نہ آئے تب تک
 ہمارے ٹیلی جیٹھی جانتے والوں کی سلامتی خطرے میں رہے

گی۔ ہمیں نئی حکمت عملی سے کام لینے ہوئے افراد سے کسی طرح سمجھو تاکرنا ہوگا۔ اس سے رابطہ کرو اور کوہم اس سے دوستانہ ماحول میں گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔

میں نے اپنی موجودگی ظاہر نہیں کی۔ علی تیمور کے پاس آکر اسے رانا اور دانیال کے متعلق بتایا پھر کہا ”تمام یہودی خیال خوانی کرنے والوں کو ان کی رہائش گاہوں تک محدود کیا جا رہا ہے۔ اب وہ میری کوئی دوسری بڑی کمزوری اپنے ہاتھ میں رکھنا چاہتے ہیں۔“

علی نے کہا ”آپ کی دوسری بڑی کمزوری میں اور پارس ہیں۔ اسٹاک سلمان، آئی سلطانی، ائی، اما اور جو جو دشمنوں سے کوئی بھی ان کے شکبے میں آئے گا تو آپ مجبور ہو جائیں گے۔ دشمن بیشہ گہری سمجھوتوں کے رشتوں اور لوگوں کے رشتوں کو کمزوری بنادیتے ہیں۔“

”یہ اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہے کہ اب تک تم میں سے کوئی ان کے ہاتھ نہیں آیا۔ یہ سچ ہے کہ اللہ اس پر مہربان ہوتا ہے جو بیدار ذہن اور نیت صاف رکھتے ہیں۔“

”یہ بھی حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو آزمائشوں میں ڈالتا ہے۔ اور ان کے مبرا اور ایمان کی چٹکی کو آتاتاہے۔ میں اسرائیل میں ہوں۔ یہودیوں کے درمیان ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ ان کے شکبے میں آبادی تو یہ آپ کے لئے اور میری اما کے لئے ناقابل برداشت ہو جائے گا۔ میری التجا ہے کہ ایسا بھی ہو جائے تو اما کو تجربہ ہونے پائے اور آپ دشمنوں کے سامنے ہتھیار نہ ڈالیں۔“

”اللہ ہمیں اپنی امان میں رکھے۔ میں جا رہا ہوں، پھر تم سے رابطہ کروں گا۔“

”ہاں! ایک منٹ۔ مجھے مانی کے متعلق بتائیں۔ ائی کہہ رہی تھیں وہ جان لہذا کی سرپرستی میں ہے اور ایک دن ٹرانسافر مشین سے گزرے گی۔“

”یہ درست ہے۔ پہلے ہم نے سوچا کہ مانی پر جب چاپ عمل کرے آئے اس کی اصل شخصیت یاد دلائی جائے، لیکن لہذا اس کے داغ میں آتا جاتا رہتا ہے۔ وہ اسے سونا ثانی کی حیثیت سے پہچان لے گا۔ اسی لئے وہ بدستور سلوانہ کے نام سے پہچانی جاتی ہے۔“

”ہاں! ایسا ضروری ہے کہ وہ ٹیلی پیٹھی سکھے۔ وہ اس علم کے بغیر ہی دوستوں کے لئے محبت اور دشمنوں کے لئے قنات ہے۔“

”یہ درست ہے۔ لیکن ایک غیر معمولی علم آسمانی سے حاصل ہوا ہے تو اسے حاصل کرنے وہ یہ نہ سوچ کہ ٹرانسافر مشین کے ذریعے اس کا برین بدل جائے گا۔ جو اور ایسا کاربن آپریشن کیا گیا۔ اس کے باوجود جو جو نے ہمیں اور اپنے اپنی یہودی قوم کو پہچان لیا۔ تم ثانی کی فکر نہ کرو۔“

میں داغی طور پر اپنی جگہ حاضر ہو گیا۔ کھانے کا وقت گزر چکا

تھا۔ ہموک گگ رہی تھی۔ میں نے پارس کے پاس جا کر پوچھا ”کیا کر رہے ہو؟“

”آپ کا انتظار کر رہا تھا۔ میں پیڑ ڈیسوا کے روپ میں پہلے اور کامران کو رہائی دلا کر لایا ہوں۔ دشمنوں کی نظروں میں نمایاں اور پولیس والے بھی طرح طرح کے سوالات کر رہے ہیں۔“

”پہلے میں دوسوا تیس نمبر کے کمرے میں ہوں۔ پیڑ ڈیسوا ایک اپ آتارہا ہے۔ ہاں! کارنگ کالا کیا ہے۔ آنکھوں پر بیڑ لگائے ہیں۔ کیا یہ بگنی کی تبدیلی چلی گی؟“

”چلی گی۔ میں آدھے گھنٹے کے اندر آ رہا ہوں۔ ایک ریڈ کار حاصل کرو۔ ہم کسی ہوٹل میں پاکستانی کھانا کھائیں گے۔ میں نے مکان سے باہر نکر دوڑاؤں سے تالا لگایا۔ پھر میں پر آکر ٹیکسی کا انتظار کرنے لگا۔ لاہور میں ٹیکسیاں بہت کم ہیں۔ کہیں کہیں نظر آتی ہیں۔ میں نے سوچا دس منٹ میں ٹیکسی لی تو رکشا میں چلا جاؤں گا۔“

ایک بٹاکا فحش میرے قریب آکر بولا ”بھائی جان! ملتان میرا اچھا کاردار ہے۔ میں میرا مال خریدنے آیا تھا۔ کسی میری اپنی چرائی۔ اس میں پورے پچیس ہزار روپے تھے۔ میرے پاس واپسی کا کارڈ بھی نہیں رہا۔ اگر آپ میری مدد کریں تو۔۔۔“ وہ بولتا جا رہا تھا۔ میں نے اس کے خیالات چھ لے لئے۔ اس نے ہیک ماٹنے کا یہ طرہ آزمایا تھا۔ میں نے کہا ”میرے ساتھ قلعہ چلو۔ وہاں پچیس ہزار کی چوری کی رپورٹ درج کرواؤ۔ تھانیدار دوست ہے۔ وہ ہمیں ملان جائے والی بس میں بٹھاوے گا۔“

منٹ میں گھر پہنچ جاؤ گے۔“

”ہاؤڈی! میں رپورٹ درج کر چکا ہوں۔“

”تم نے رپورٹ نہیں لکھوائی ہے۔ چوری نہیں ہوئی رپورٹ کیسی؟ دراصل تم اتنے لوگوں سے ملاتے ہو کہ ان چہرے تمہیں یاد نہیں رہے۔ دو دو پہلے میں سے تمہیں میں دے۔ ایک ہفتہ پہلے تم مجھ سے دس روپے لے گئے تھے۔ یاد آتا؟ وہ پریشان ہو کر مجھے پہچاننے کی کوشش کرنے لگا۔ میں نے ”نہیں پہچان سکو گے۔ جس کی عادت نے تمہاری یادداشت کمزور کر دی ہے۔“

”ہاؤڈی! امد نہیں کرتے نہ کرو۔ مگر ایک عزت دار کو؟“

”نہ بولو۔“

میں نے اس کے منہ پر ایک اٹا ہاتھ مارا۔ وہ لوکڑا کر پیچھے ہٹنے میں سبک مارنے کے انداز میں ٹکرائے۔ میں نے اس کے منہ پر ٹھوک ماری ”لوگ دوڑتے ہوئے آتے لگے۔ ان میں سے دو محتاج تھے۔ انہوں نے مجھ پر حملہ کیا۔ میں نے ان کی پٹائی کر دی۔ لوگوں نے انہیں پکڑ کر ایک طرف بنایا۔ ایک پوچھا ”آخر بات کیا ہے؟“

میں نے کہا ”یہ شخص مختلف علاقوں میں جا کر ہتھوڑا

ہٹانے سے تیار ہے۔ اب واپسی کا کارڈ نہیں ہے۔ ایسے ہیے غیرت صرف ملائیں کو نہیں۔ پورے پاکستان کو بھی بدنام کرتے ہیں۔ بیوی نکلوں سے آنے والوں کے سامنے بھی اسی طرح ہاتھ پھیلاتے ہیں اور ہیکل مل جاتے تو چرس پیٹتے ہیں۔“

مارکھانے والے نے کہا ”اے جے جی ہو گا تو تیرا۔۔۔“

وہ میرے باپ تک پہنچنے والا تھا۔ اس سے پہلے میں نے داغ قبضہ جاکر اس کی زبان کا ہاتھوں کے سچ دیا دیا۔ وہ تکلیف سے ٹھٹھا گیا۔ میں نے کہا ”بھائی! میری باتوں کا یقین نہ ہو تو اس کی شلوار کے نیچے میں دیکھو۔ اس نے جس کی پٹیا چھپا کر رکھی ہے۔“

وہاں کالج کے طلبہ بھی تھے۔ انہوں نے اسے چاروں طرف سے گھیر کر کھڑا ”شلوار نکھلو۔“

میں نے کرتے سے ہونے ایک رکھنے کو روکا۔ وہ لوگ اس کے پیچھے سے دبا برآمد کر رہے تھے۔ میں رکھنے میں بیٹھ کر پل کاٹنی نیکل چلا آیا۔ پارس انتظار کر رہا تھا۔ میں اس کے ساتھ کار میں بیٹھ گیا۔ وہ کار اشارت کر کے آگے بڑھاتے ہوئے مسکرا کر بولا۔

”ہماری زندگی بھی عجیب ہے۔ برسوں گزر جاتے ہیں اور باپ بیٹے مل نہیں پاتے۔ لاہور میں اتنے دنوں سے ہیں اور آج ایک ساتھ بیٹھے کاموں مل رہا ہے۔“

میں اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر قریب ہو گیا۔ پھر اسے چوم کر بولا ”تیس سال میں ایک دو دن کے لئے ایک جگہ ملنا چاہئے۔ ہمارا فرادوچ بہت زبردست قلعہ بن چکا ہے۔ وہاں پورے خاندان کو جمع ہو کر جشن منانا چاہئے۔“

”آپ پورے خاندان کو ایک جگہ جمع کریں گے تو مصیبت میں پڑ جائیں گے۔“

”کسی مصیبت؟“

وہ مسکرا کر بولا ”جی کہ تینوں بیویاں ایک جگہ ہوں گی تو آپ کسی کی طرف جائیں گے؟“

میں نے زوردار قبضہ لگاتے ہوئے اس کے شانے پر ہاتھ مارا۔ اس نے رنگ چوک کے قریب ایک گلی میں کار روک دی پھر کہا ”یہ جو دائیں طرف ہوئی ہے، میں یہاں کھانچا ہوں۔ بڑا لذت بخش ہوتا ہے اور یہ سامنے چن آؤں کریم والے ہیں۔ ان کی آنکس کریم بھی کھانے سے تعلق رکھتی ہے۔“

ہم کار سے نکل کر ہوٹل میں آئے۔ منٹن فورم اور شامی کباب دھیمو کا آمزادہ کیا کہ یہ کھانے ہمیں باہر نصیب نہیں ہوتے تھے۔ میں نے گھڑی دیکھ کر کہا ”اس وقت لندن میں دن کے گیارہ بجے ہوں گے۔ مجھے وہاں کے ایک بینک میں کام ہے، میں ابھی آتا ہوں۔“

میں چوہدری حاکم علی حاکم کے داغ میں پہنچ گیا۔ وہ لندن میں اپنے بڑے پائرسٹریبان اسمتھ کا مسلمان تھا اور یہ معلوم کرنے گیا تھا کہ فرادو کو کس طرح پاکستان سے نکالا جائے گا۔ پھر اس کے کاردار اور دولت کی کس طرح حفاظت کی جائے گی؟

جان اسمتھ نے اسے یقین دلایا تھا کہ یہودی افراد کے خلاف ایسی چالیں چل رہے ہیں جن کے نتیجے میں وہ پاکستان سے بھاگ جائے پھر کسی یہودی ایجنٹ کو برطانیہ نہیں کرے گا۔ چوہدری حاکم میرا یہی انجام دیکھنے کے لئے لندن میں عیش و عشرت کے دن رات گزار رہا تھا۔

میں نے اس پر قبضہ جمایا۔ وہ ضروری کاغذات لے کر ایک بینک میں پہنچا۔ وہاں اس کے باج لاکھ پونے تھے اس نے صرف ایک ہزار پونڈ وہاں رہنے دیے۔ باقی تمام رقم نکال کر دوسرے بینک میں آیا۔ وہاں اس کی بیٹی صوفیہ کا اکاؤنٹ تھا۔ اس نے وہ تمام رقم بیٹی کے اکاؤنٹ میں جمع کرادی پھر جان اسمتھ کے پاس آکر بولا ”میں نے ابھی بینک سے تمام رقم نکال کر صوفیہ کے اکاؤنٹ میں جمع کر دی ہے۔ یہ دیکھو اس بینک سے رقم نکالی اور اس ڈیپازٹ رسید کے ذریعے رقم بیٹی کے اکاؤنٹ میں ڈال دی ہے۔“

جان اسمتھ نے بینک اور ڈیپازٹ رسید دیکھی۔ اسی وقت میں نے حاکم علی کے داغ کو آزاد چھوڑ دیا۔ وہ رو کھلا کر سوئے گا۔

”میں یہاں کیسے پہنچ گیا؟ ابھی تو ہوٹل کے کمرے میں تھا۔“

اسمیتھ نے پوچھا ”تم نے چار لاکھ لاکھ نانوں ہزار پونڈ اپنی بیٹی کے اکاؤنٹ میں کیوں جمع کر کے؟“

وہ بولا ”میں نے تو جمع نہیں کئے۔“

اسمیتھ نے اس کی چپک بک اور ڈیپازٹ سلپ اس کے سامنے رکھتے ہوئے پوچھا ”کیا زیادہ پل گئے ہو۔ ابھی خودی کہہ رہے تھے اور خود انکار کر رہے ہو۔“

اس نے وہ بینک اور رسید دیکھی۔ پھر تقریباً چپٹے ہوئے بولا۔

”نہیں! یہ میں نے نہیں کیا ہے۔ میں تم سے کہہ چکا ہوں کہ صوفیہ میرے خلاف ہو گئی ہے اور فراد کی حمایت میں ہو گئی ہے۔ پھر میں دشمن بیٹی کے اکاؤنٹ میں اتنی رقم کیوں جمع کروں گا۔“

”کیا تم نے یہ ہوش دھواں میں نہیں کیا ہے؟“

”میں نے نہیں دیکھا بھی نہیں کیا ہے۔ یہ کیسے ہو گیا؟“

وہ دونوں ایک دوسرے کو کٹھنے لگے۔ دونوں سوچ رہے تھے، ایسا ٹیلی پیٹھی کے ذریعے ہوا ہے اور فراد ان کے پاس موجود ہے۔ اسمتھ نے پوچھا ”کیا جو میں سوچ رہا ہوں وہی تم بھی سوچ رہے ہو؟“

چوہدری حاکم نے کہا ”تم سوچ رہے ہو اور میں یقین سے کہتا ہوں۔ فراد مجھے نکال بنانے کے لئے ایسی حرکتیں کر رہا ہے۔ مسٹر اسمتھ! ابھی میرے ساتھ بینک چلو۔ جہاں صوفیہ کا اکاؤنٹ ہے۔ وہاں ہم نیچرے درخواست کریں گے کہ وہ ڈیپازٹ سلپ کینسل کر دے اور رقم مجھے واپس دے دے۔“

”ہوش کی باتیں کرو۔ جو رقم صوفیہ کے نام جمع ہو چکی ہے اسے صرف صوفیہ ہی اپنے بینک اور اپنے ہتھوڑے نکال سکتی ہے۔“

”اس کا مطلب ہے کہ میں لندن میں نکال ہو چکا ہوں۔“

”رقم برائے ہاتھ میں نہیں ملے گا۔ پاکستان جا کر بیٹی کو اپنے

اعتماد لو۔ اس کا ایک چمک چمک بھر دولت مند بنادے گا۔
”تم مجھے جھوٹی تسلیاں دے رہے ہو۔ فریاد نے اس یقین کے ساتھ بری تمام رقم صوفیہ کے اکاؤنٹ میں منتقل کرانی ہے کہ اب سدا میری دشمن بنی اس کی صفی میں رہے گی۔ تم نے بڑے یقین سے کہا تھا کہ وہ پاکستان سے بھاگ جائے گا۔ یہ ہماری حفاظت کرنے والے یہودی آخر کیا کر رہے ہیں؟“

وہ رپورڈ اٹھا کر بولا ”میں ابھی مل ایب کے پارنٹر سے بات کرتا ہوں۔“

ہم باپ بیٹے کی میز پر کھانا لایا تھا۔ میں کبھی دماغی طور پر حاضر ہو کر کھانا خاؤ اور کبھی چوہدری اور اسٹھ کے پاس بیٹھ جاتا تھا۔ میں جانتا تھا، قل ایب سے کیا جواب ملے گا۔ میں نے جس بل کو کم کے دھماکوں سے تباہ کیا تھا اس کا مالک لندن کے جان اسٹھ کا پارنٹر تھا اور مل کے ساتھ اس مالک کے بھی پیچھے آؤ گئے تھے۔

ہم کھانے کے بعد چن آئی کرم کھانے گئے وہاں بیٹھ کر میں چوہدری کے دماغ میں گیا۔ وہ دو ہفتہ خاؤر دو سال سے آٹسو پوچھتے ہوئے کہ ہا تھا ”تمہارا یہودی پارنٹر خرام موت مر گیا۔ اس کی کروڑوں شیاں کی بل تباہ ہو گئی۔ وہاں پاکستانی حساب سے میرے چالیس لاکھ دو بے جمع ہیں۔ پتا نہیں وہ چالیس لاکھ اب ہیں بھی یا نہیں؟ جب فراڈ کروڑوں کی بل کو دھوئیں کی طرح اڑا سکتا ہے تو میری رقم کی کیا اہمیت ہے؟ یہ میری کم ہمتی ہے کہ میں نے تم لوگوں سے دوستی اور فریاد سے دشمنی کی۔ اب میں واپس جاؤں گا اور فراڈ کے قدموں میں گر کر معافی مانگوں گا۔ تمہارے قدم تو نہیں نظر آتے نہیں ہیں۔ میں کہاں کروں گا اور کہاں معافی مانگوں گا؟“

میں نے صوفیہ کے پاس بیٹھ کر اسے مخاطب کیا ”وہولی ”ہیلو“ یا! میں دن رات اپنے دماغ میں آپ کا انتظار کرتی رہتی ہوں۔ کیا بہت مصروف تھے؟“

”ہاں بنی! ایک بری خبر ہے۔ تمہارے ڈیڑی نے لندن میں یہودیوں سے مل کر مجھے پاکستان سے بھاگنے کا پروگرام بنایا اور مجھے مجبور کرنے کے لئے میری بھانجی کو گھبر میں قتل کرا دیا۔“

”وہ خدا! یہ میں کیسں رہی ہوں۔ مجھے یہ سن کر شرم آ رہی ہے کہ میرے باپ کی سازش سے آپ کے خاندان پر اتنا برا ظلم ہوا ہے۔ یا! کبھی سامنا ہوا تو میں آپ سے نظرس نہیں ملا سکتوں گی۔“

”تم جذباتی ہو رہی ہو۔ یہ آٹسو پوچھو۔ میرے لئے یہ بہت ہے کہ تم ظالم کو ظالم کہہ رہی ہو۔ اگر میں کوئی انتہائی کارروائی کروں تو کیا تم شکایت کرو گی؟“

”ہرگز نہیں یا! میں آپ کے ساتھ ہوں اور ابھی اپنے باپ کا گھر چھوڑ کر جاری ہوں۔“

وہ اندھ کر گڑی ہو گئی ”میں نے کہا ”رک جاؤ“ میں یہ کو بھی اور دواؤں کی ٹیکری تمہارے دم کراؤں گا۔ لندن میں تمہارے باپ کے اکاؤنٹ میں پانچ لاکھ پوڑ تھے۔ میں نے چار لاکھ خانوے بزار

پوڑا اس کے اکاؤنٹ سے نکلا کر تمہارے اکاؤنٹ میں جمع کرادیا۔ میں پاکستان میں جو دولت اور جائداد وہ دے بھی تمہارے ہوگی۔ میں دونوں باپ بیٹے کو نکال بنا رہا ہوں۔ میں میرا انتہا ہے۔ اب تباہ بنی اور بنی کی حیثیت سے باپ اور بھائی کے کیا جذبات ہیں؟“

”غرت، غرت اور صرف غرت! جب سے آپ نے میرا خیر کو بگایا ہے تب سے میں ان دونوں کو پاکستان کا غدار اور یہودیوں کا ظالم سمجھتی ہوں۔ انہوں نے آپ کی بھانجی کو نہیں قتل کرایا ہے۔ میں ان کے لئے مر چکی ہوں۔ اب وہ آپ پر زور سے بھی قتل کر کے آئیں گے تو میں ان سے کوئی رشتہ نہیں رکھتی۔“

وہ آگے بھی کچھ اپنے جذبات کا اظہار کرتی مگر ایک سانس دیکھ کر کچھ ہی دیر وہ سانس دوشدان سے آیا تھا۔ صوفیہ دوڑتی دوڑانے کے پاس آئی۔ اسے کھولنا چاہا تو تباہ چلا۔ وہ باہر سے کود گیا۔

میں ایک دم سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ پارس نے پوچھا ”کیا پایا؟“

”ہیے! جلدی چلو۔ صوفیہ کی جان خطرے میں ہے۔“

پارس نے فوراً ہی اٹھ کر ڈاکٹر پر چاس کاؤنٹ پینک۔ دوڑتے ہوئے کار میں آئے۔ اس نے زور پڑھتے ہوئے سے گلی سے کار نکالی پھر پوچھا ”چوہدری حاکم کی کوئی شاما کالونی میں ہے؟“

”ہاں“ اس کے کمرے کو باہر سے بند کر دیا گیا ہے اور دوشدان سے ایک سانپ کو اندر پینک کیا ہے۔

میں پھر صوفیہ کے پاس آیا۔ وہ ایک میز پر چڑھ کر سہمی نظروں سے ادھر ادھر دیکھ رہی تھی۔ سانپ دکھائی نہیں دے تھا مگر کمرے میں قہقہوں نے کہا ”یہی! حوصلہ کرو۔ تم نہیں ہو۔ میں تمہارے ساتھ ہوں۔“

اس نے پوچھا ”کیا آپ ٹیلی فنی کے ذریعے دوا کھلا سکتے ہیں؟“

”ذرا مضبوطی میں تمہارے بھائی سے کھلواتا ہوں۔“

میں اس کے بھائی نعمان کے دماغ میں پہنچا۔ وہ غلاتے۔ قہقہوں میں ایس ایچ او کے ساتھ بیٹھا چائے پی رہا تھا۔ اس کی ہانے بتایا کہ اس نے بن کو راستے سے بٹانے کے لئے ایک سپر کی خدمات حاصل کی ہیں۔ اسے سمجھا دیا کہ وہ باہر سے دوا بند کر کے دوشدان سے ایک ڈیڑھ لاکھ سانپ پینک دے۔

میں نے اسے اٹھا کر کھڑا کر دیا۔ وہ میری مرضی کے مطابق ایس ایچ او سے بولا ”آئی فو ایرو خیر مجھے لامنت کر دیا ہے۔ نے بن کے کمرے کا دروازہ باہر سے بند کر کے اندر ایک ڈیڑھ لاکھ سانپ چھڑا دیا ہے۔ آپ کے پاس اس لئے مگر بیٹھا ہو تھا کہ پر قتل کا الزام نہ آئے۔ یہ سمجھا جائے کہ کیس سے سانپ آیا

اور اسے ڈنکے کے وقت میں آپ کے پاس بیٹھا چائے پی رہا تھا۔“

میں نے یہ دھوڑتے ہوئے اپنی کوٹھی کی طرف جانے لگا۔ اس سے پہلے کہ کوٹھی میں پہنچے گئے میں نے پارس سے کہا ”میں اندر جاؤں۔ جس کمرے کا بھی دروازہ باہر سے بند ہو۔ اسے کھول کر صوفیہ کو باہر نکالو۔ میں اس کے بھائی کو یہاں لا رہا ہوں۔“

پارس دوڑتا ہوا کوٹھی کے اندر گیا۔ اسی وقت ایک کمرے سے صوفیہ کی چیخ سنائی دی۔ پارس ادھر گیا۔ ایک سپر دروازہ کھول کر کمرے میں جا رہا تھا کہ سانپ کو پکڑ کر پارے میں دبا دیکھ کر۔ جب پارس وہاں پہنچا تو صوفیہ فرش پر پڑی اڑیاں رکڑ دی تھی۔ اس نے قریب بیٹھ کر پوچھا ”سانپ نے کہاں کاٹا ہے؟“

اس نے ایک پیر کی طرف اشارہ کیا۔ پارس فرش پر دوڑا تو ہو گیا۔ ایک پیر میں سانپ کے ڈنکے کا نشان تھا۔ وہ نشان پر اپنے ہونٹ رکھ کر ہرجوڑنے لگا اور ایک طرف ٹھوکتے لگا۔

سپیرے نے سانپ کو گردن سے پکڑ لیا تھا۔ اسے پارے میں رکھتے ہوئے کہہ رہا تھا ”یہ بہت زہریلا ہے۔ ہرجوڑنے والا بھی ختم ہو جاتا ہے۔ نعمان باؤ نے کہا تھا، کسی کو معلوم نہ ہو۔ کیسے معلوم ہو گا؟ تو زہر کھانے کا کمرے سے زندہ نہیں نکلے گا۔“

وہ پٹالے کرہٹتے ہوئے باہر جانے لگا۔ باہر سے نعمان دوڑتا آیا تھا۔ دروازے پر دونوں ایک دوسرے سے ٹکرائے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پٹالے اٹھوں سے نکل کر فرش پر گرے ہی کھل گیا۔

سانپ پھر آزاد ہو گیا۔ میں نے کوٹھی کے کوریڈور میں آکر دیکھا۔ نعمان اور سپیرا ایک دوسرے کے بالکل قریب فرش پر پڑے ہوئے تھے اور ان کے سروں کے پاس سانپ پھن اٹھا ہے۔ کھل مارے بیٹھا ہوا تھا۔

اس کا چہرہ نعمان اور سپیرے سے صرف ایک بالشت کے فاصلے پر تھا۔ سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ دونوں میں سے کسے ڈنکے لگا۔ نعمان کی ٹھٹھی بندھی ہوئی تھی۔ سپیرا کوئی متحرک نہ ہوئے اپنا ایک ہاتھ آہستہ آہستہ اٹھا رہا تھا کہ سانپ کو گردن سے پکڑ لے۔

میں نے اپنے پیچھے دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز سن سنی۔ پلٹ کر دیکھا۔ ایس ایچ او ”دو سپاہیوں کے ساتھ تیزی سے آیا تھا۔ ایک نے میرے پاس آکر پوچھا ”نعمان کہاں ہیں؟“

پھر اس کی نظر خود ہی نعمان اور سپیرے پر پڑی۔ نعمان سانپ کو دیکھ رہا تھا اور قہقہے کہتے ہوئے کہہ رہا تھا ”میں صوفیہ کو مارنا چاہتا تھا۔ مگر مجھے ڈنکے ڈنکے لگے۔ سانپ بھاگا۔“

ایس ایچ او نے ہولسٹر سے ریولور نکال کر سانپ کا نشانہ لیا۔ ایس ایچ او نے نعمان کو ڈس لیا۔ سپیرے نے بڑی بھرتی سے اس کی گردن پکڑ لی۔ پولیس افسر نے کہا ”اسے پارے میں ڈالو اور نعمان کو پکڑو۔ جلدی کرو۔“

دو سانپ کو پارے میں رکھتے ہوئے بولا ”یہ سانپ بہت زہریلا ہے۔ میں اس کا زہر نہیں نکال سکتا۔ اسے اسپتال لے

جاؤ۔“

اسی وقت پارس صوفیہ کو بازوؤں میں اٹھائے کمرے سے باہر آیا پھر بولا ”میں نے زہر چوس لیا ہے۔ اسے فوری طبی امداد کی ضرورت ہے۔“

وہ بولا ”ہاں باہر جا رہا تھا۔ پولیس افسر نے کہا ”رک جاؤ“ پہلے مجھے معلوم ہونا چاہئے یہاں کیا ہو رہا ہے؟“

میں نے کہا ”آئی فو ایرو پہلے معلوم کرنا ضروری نہیں ہے۔ پہلے طبی امداد ضروری ہے۔“

پارس باہر جا چکا تھا۔ میں دوڑتا ہوا اس کے پیچھے آیا۔ وہ کار کی کچیل سیٹ پر صوفیہ کو لٹا رہا تھا۔ میں نے اسٹیرنگ سیٹ سنبھال لی۔ دو سپاہی نعمان کو اٹھا کر جیب میں ڈالنے سے جارہے تھے۔ آئی فو سپیرے کی گردن پکڑ کر باہر لا رہا تھا۔ اس نے میری طرف ہاتھ اٹھا کر حکم دیا ”اسے رگ جاؤ۔ ہماری گاڑی کے پیچھے چلو۔“

میں نگار اشارت کر کے احاطے سے باہر آیا پھر رفتار بڑھاتا چلا گیا۔ پولیس والے میرے پیچھے آنے لگے۔ ہم نے صوفیہ کو قریبی اسپتال میں پہنچا دیا۔ پارس پر زہر نے اثر نہیں کیا تھا لیکن اسے نشہ ہو گیا تھا۔ ایک ڈاکٹر صوفیہ کو اینڈ کر رہا تھا۔ میں نے دوسرے ڈاکٹر سے کہا ”اس جوان نے اس لڑکی کا زہر چوس کر قہقہے دیا ہے، پلیر اسے بھی انجکشن لگا دیں۔“

پارس ایک بیڈ پر لیٹ گیا۔ دو سپاہی نعمان کو لارہے تھے۔ پولیس افسر نے ڈاکٹر سے کہا ”اسے بھی سانپ نے ڈس لیا ہے۔ پلیر اسے بھی اینڈ کریں۔“

ڈاکٹر نے ایک نرس کو سرخ دی کہ وہ پارس کو انجکشن لگائے۔ پھر وہ نعمان کو پکڑ کر لے گیا۔ اس کی نبض دیکھی۔ اس کے بعد کہا ”سورہ یہ مر چکا ہے۔“

پولیس افسر نے مجھے قہقہے سے دیکھ کر پوچھا ”اوسے تو کون ہے؟ بڑی تیزی دیکھا کہ ادھر آیا ہے۔“

میں نے کہا ”تیزی نہ دکھا۔ آؤ وہ بن بھی اپنے بھائی کے ساتھ مر جاتی۔“

”تو نے پولیس والوں کی تیزی نہیں دیکھی ہے۔ قہقہے چل“

ابھی تجھے دکھا رہا ہوں۔“

میں نے پارس کی طرف دیکھ کر کہا ”تم آرام کو میں ابھی آتا ہوں۔“

افسر نے ہنستے ہوئے کہا ”چھا“ قہقہے سے واپس آنے کا یقین ہے۔“

پھر اس نے ڈاکٹر سے کہا ”میں سپاہیوں کو بھیجتا ہوں۔ وہ لاش کو پوسٹ مارٹم کے لئے لے جائیں گے۔“

اس کے دونوں سپاہی میرے دائیں بائیں آکر کھڑے ہو گئے۔ ایک نے حکم دیا ”چلو۔“

میں ان کے ساتھ باہر آیا۔ سپیرا جیب کے راؤ کے ساتھ ہتھکڑی کے ذریعے بندھا ہوا تھا۔ افسر نے سپاہی سے کہا ”اس

میں نے کہا ”میں شرافت سے چل رہا ہوں یہی بہت
 ہے۔ سورنہ جھکڑی پہنانے سے پہلے گرفتاری کا وارنٹ دکھانا
 ہوگا۔“

سپاہی نے حکم کے مطابق راؤ میں پھنسی ہوئی بھجکڑی
 کھلی۔ اس کا ایک حصہ سپرے کی کلائی میں تھا۔ سپاہی نے دوسرا
 حصہ اپنی کلائی میں پس لیا۔ پولیس افسر دوسرے سپاہی کے ساتھ
 اگلی سیٹ پر چلا گیا۔ تھوہ دوسرا سپاہی جب ڈرائیو کرنے لگا۔
 انہیں اطمینان تھا کہ میں جب کے پیچھے ایک سپاہی کی عمرانی میں
 سپرے کے ساتھ قیدی باندھا ہوں۔

میں نے دوسرے کے دماغ پر قبضہ نہ کیا۔ پہلا سپاہی دماغی طور پر آزاد ہو کر خود کو جھکڑی میں دیکھ رہا تھا۔ سیرا آلہ کار سپاہی انہیں رگیدتا ہوا حالات میں لے گیا۔ اس نے آہنی سلاخوں والا دروازہ کھول کر پہلے اپنے ساتھی سپاہی اور سپیہ کے کو اندر کیا پھر خود اندر ہو گیا۔ سلاخوں کے درمیان سے ہاتھ باہر نکال کر تالا لگایا۔ اس کے بعد چابی مجھے دیتے ہوئے بولا "یہ چابی لیجئے، ہم یہاں آرام سے ہیں۔"

اس کے بعد میں نے صوفیہ کو قتل کرنے کی سازش کے الزام میں نعمان اور سپیرے کے خلاف ایف آئی آر کھوائی۔ تمام ضروری کاموں سے نمٹ کر میں نے انفرکواس کی جگہ سے اٹھایا۔ پھر وہاں سے چلا آیا اور حالات کے اندر سپیرے اور دو سیاہیوں کے پاس پہنچا دیا۔ حالات کے دوانے کو دوبارہ منتقل کیا۔ پھر اس کے دربار کو آزاد چھوڑ دیا۔

وہ چکر اکر رہ گیا۔ اس نے چاروں طرف گھوم کر حوالات کو اور سپاہیوں کو دیکھا پھر بوجھا ”ہم یہاں کیسے آ گئے؟“

”میں وہ ہوں جسے دنیا کی کوئی پولیس آج تک ہتھکڑی نہیں پہنا سکی۔ تم لوگ یہ دودی پھن کر گاؤں دار کیوں بن جاتے ہو؟“

اس نے پریشان ہو کر پوچھا ”کون ہو؟“
 ”میں کون ہوں؟ اگر میں دولت مند ہوں تو مجھ سے بہار
 رشتہ لوگے اگر میری پہنچ تھوڑی ہے تو میرے سامنے
 ہاتھ جوڑ لوگے اگر میں عام فشری ہوں تو مجھے اپا من کی پابا
 دوگے اور ذہن سے ماروگے تم پوچھتے ہو میں کون ہوں؟ کار
 میری حیثیت اور میری اوقات کے مطابق کون سا بدلے۔“

میں تھا نے۔ باہر آ کر ایک رکشہ میں بیٹھ گیا۔ اصرار پھیلنے لگا۔
میں صوفیہ کو ہوش آگیا تھا وہ بستر پر لیٹی ہوئی دوسرے بند پر پار
کو بڑی اچانکتی سے دیکھ رہی تھی۔ ڈالنے اس سے کہا تھا "اسم
جو ان نے زہر کو تھمارے جسم میں پھیلنے نہیں دیا۔ اسے جس کا
تھوک دیا۔ سب بے زہر تھا۔ پتا نہیں یہ زہر کو کون لگائے۔
بعد کے زندہ رہ گیا ہے۔"

پارس نے تپنے پر سر جھما کر صوفیہ کو مسکراتے ہوئے دیکھا پھر کہا "ڈونٹ ڈری۔ میں بالکل ٹھیک ہوں۔ بس ذرا دھبی دیا سے مدد ہوئی ہے۔"

ڈاکٹر مسکراتے ہوئے چلا گیا۔ صوفی نے کہا ”تم نے میرے لئے جان کی بازی لگادی۔ کون ہو تم؟“

”طارق“ مجھے طارق کہتے ہیں۔ فرہاد صاحب کے لئے کام کر ہوں، انہوں نے اطلاع دی تھی کہ تم خطرے میں ہو۔ بس مجھ پر خطرے سے کھینک چکے ہیں۔“

نہ زہر کا نتیجہ ہے یا تمہارے گورے گورے پاؤں کو منہ لگانے کا نشہ

پارس نے پوچھا "کیا تمہیں معلوم ہے، سانپ تمہارے
کمرے میں کیسے آیا تھا؟"

”وہ سپیرا تھا، کہہ رہا تھا۔ میں زہر چوسنے کے بعد زندہ نہیں رہوں گا۔“

”انفیس باپ اور بھائی کہتے ہوئے مجھے شرم آتی ہے۔“
 ”کچھ بھی ہو، تم سے خون کا رشتہ ہے۔ تمہیں یہ سن کر صدمہ
 ہو گا کہ اس سانپ نے نعمان کو ہلاک کر دیا ہے۔“

”صدہ بھائی کی موت کا نہیں ہے۔ جو زہرہ میرے لئے لایا تھا، وہی اس کی ہلاکت کا سبب بن گیا۔ ہاں صدہ یہ ہے کہ مجھے بھائی کی دشمنی کی ساری خبر ملے۔“

”ہاں۔ یہ بڑی بد قسمتی ہوتی ہے۔ اگر باپ اور بھائی کا چار نہ ملے“

”جانتی ہوں، اگر مجھے پایا کی محبت اور سہرستی نہ ملتی تو میں صدمے سے مر جاتا۔ اے انا کہا، ہم؟“

”تو کوئی نہیں جانتا کہ وہ کس وقت کہاں ہوتے ہیں۔“

11-15-44

”واقعی پایا کے دکھ کا اندازہ کوئی نہیں کر سکتا۔ میں مانتی ہوں پایا کو ہم سے ماننے کے لئے منظر عام پر نہیں آنا چاہئے۔“

”کیا تم کمزوری محسوس کر رہی ہو؟“

”کمزوری تو نہیں، البتہ زبان کا ذائقہ کچھ عجیب سا ہو گیا ہے۔“

”تم بھی دو ابی تھی، وہ کڑوی لنگی نہ میٹھی نہ چمکی نہ کیسی۔ شاید یہ زہر کا کاثر ہے، تمہاری زبان کیسی ہے؟“

”میٹھی ہے۔ سنا ہے میٹھی زبان جس زبان سے لگتی ہے اسے بھی مٹھا بنا دیتی ہے۔“

بننا شرارت کے موڑ میں تھا۔ اس لئے میں صوفیہ کے دماغ سے چلا آیا۔ انکیزہ جزل آف پولیس مجھ سے تعاون کر رہا تھا۔ میں ایک بار اس سے رابطہ کر چکا تھا۔ اس نے وعدہ کیا تھا کہ ملک میں ہونے والے جرائم کے متعلق وہ مجھے اطلاع دیتا رہے گا کہ کہاں کیا ہو رہا ہے۔

لیکن حکومت وقت کے چند اکابرین ایسے ہوتے ہیں جو قانون کو



نظر انداز کر کے پولیس کو اپنے مفاد کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ پولیس کے جو افسران قانون کو نظر انداز نہیں کرتا چاہے ان کا تدارک کر دیا جاتا ہے یا مجبوراً ان کے مفاد میں ملازمت سے برطرف کر دیا جاتا ہے۔

میں انسپکٹر جنرل آف پولیس کے داغ میں پہنچا۔ وہ اپنی کھٹی کے ڈرائنگ روم میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے سامنے نور الدین بھویاں اپنے دو خواروں کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ نور الدین بھویاں کے چار ٹرک لاہور سے کراچی اور کراچی سے لاہور والے جاتے اور لاتے تھے۔ اپنے علاقے میں اس کی بڑی دھاک تھی ہوتی تھی۔ بچپن ایش میں اس نے غذا گردی کے تمام پھنکڑے استعمال کر کے ایک امیر وادار ٹھنڈا پلوان کو ایم پی اے بنا دیا تھا۔ تب سے وہ اسمگلنگ کے دھندے میں اپنے ہاتھ لگے کرتا چلا رہا تھا۔

میں آئی جی پولیس کے داغ میں وہ نور الدین بھویاں کی باتیں سن رہا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا "جناب بندہ پورہ ہیں۔ ہم تو آپ کے تابعدار ہیں۔ سلام کرنے کے لئے حاضر ہوتے ہیں۔"

آئی جی کو فٹ محسوس کر رہا تھا۔ ایسے لوگ اس کے دفتر میں بھی قدم رکھنے کے جرات نہیں کرتے تھے۔ کیا یہ کہ گھر کے ڈرائنگ روم میں آکر سامنے بیٹھ گئے تھے۔ آئی جی نے کہا "آپ مقصد بیان کریں۔"

"دو بیان کیا کرنا ہے جی۔ عرض کرنا ہے۔ آپ نے اشرف مانجھے کا ٹرک پکڑا کر اس کی خوش کر دیا ہے۔ وہ بچپن ایش میں اپوزیشن کے لئے کام کر رہا تھا۔ یہ تو وقت و وقت کی بات ہے۔ اگر اپوزیشن والے حکومت بنائے میں کامیاب ہو جاتے تو اشرف مانجھے میرے ٹرک پکڑا دیتا۔ آپ تو جانتے ہیں حکومت بدلتی ہے تو چور بد معاشرہ، اسمگلر اور پولیس والے بھی بدل جاتے ہیں۔"

"بھویاں صاحب! آپ مقصد بیان کریں۔"

"دو بیان کیا کرنا ہے جی۔ عرض کرنا ہے۔ باہر کی اسکالچ شراب کراچی آئی ہے۔ ہم اپنے ٹرکوں میں کراچی سے لاہور لاتے ہیں۔ آپ نے اشرف مانجھے کا ٹرک پکڑا کر اس کی خوش کر دیا۔ مگر بندہ پورہ آپ کے ایک انسپکٹر نے میرے دو ٹرک پکڑ لئے ہیں۔"

آئی جی نے کہا "میں نے پولیس افسران کو حکم دیا ہے کہ کسی کے ساتھ رعایت نہ کی جائے۔"

"بے شک کسی کے ساتھ رعایت نہ کی جائے۔ مگر ہم "کسی" تو نہیں ہیں۔ ہم ٹھنڈا پلوان ایم پی اے کے خاص افساس بندے ہیں۔ ان کے رشتہ پیڑ ہیں۔ ان کے دس راس (دست راست) ہیں۔"

"دس راس ہوں یا میں راس۔ جب تک فراہمی تیور صاحب اس ملک میں ہیں تب تک کسی ایم پی اے اور ایم این اے کے تابا نہ احکامات کی قیبل نہیں ہو سکے گی۔"

"یہ فراہمی تیور صاحب کون ہیں؟"

"یہ ٹیلی بیسی جانتے ہیں۔ ہمارے ہمارے داغوں کے اندر

کھس کر جموت اور سچ ایمان اور بے ایمانی کا حساب کرتے ہیں اور اس کے مطابق خبروں کو سزا دیتے ہیں۔"

"جناب ایسی باتیں کر رہے ہیں۔ بھلا داغ کے اندر کوئی کھس سکتا ہے؟ یہ جو دیوانوں پر اشتہارات لکھے ہوتے ہیں۔ عامل شاہ کوڑے والا یا پروفیسر امجد علی۔ حضرات کے عامل۔ ہر آرزو پوری ہوگی۔ محبوب قدموں میں ہوگا۔ آپ بھی کسی عامل فریاد کے چکر میں آ گئے ہیں۔"

"جب آپ چکر میں آئیں گے تو دن میں بھی تارے نظر آجائیں گے۔"

"بندہ پورہ میں سمجھ گیا۔ آپ ہال رہے ہیں۔ ذرا آپ ایم پی اے صاحب کے نمبر ملائیں۔ آپ ہماری نہیں سنتے؟ اوپر سے آنے والا حکم میں کس گئے۔"

"میں نہیں آپ کہہ رہا ہوں۔ بھویاں صاحب کہہ کر تمہیں اپنے سامنے بیٹھنے کی اجازت دی ہے۔ صرف اس لئے کہ ایم پی اے کے حوالے سے آنے ہو۔ ورنہ تمہاری اوقات کیا ہے؟ مجھے نمبر ملانے کو کہہ رہے ہو۔ میں تمہارے باپ کا نوکر ہوں؟ چلو اٹھو یہاں سے۔"

وہ اپنے خواروں کے ساتھ اٹھتے ہوئے بولا "بندہ پورہ آپ تو لال پیٹے ہو رہے ہیں۔ ہم نے دن رات ایک کئے ہیں۔ جان کی بازیاز لگا کر ٹھنڈا پلوان کو حکومت کے اندر کھلایا ہے۔ اس کا مطلب یہ تو نہیں ہے کہ آپ ہماری بے عزتی خراب کریں۔ اوکوئی بات نہیں۔ آپ خوش رہیں۔ ہم تو شام ہونے سے پہلے دونوں ٹرک چھڑائیں گے سلام ملتے۔"

وہ اپنے خواروں کے ساتھ چلا گیا۔ آئی جی اس بات پر تھک رہا تھا کہ جنہیں گردن سے پکڑ کر تھالے لایا جاتا ہے اور لات جوتے بارے جاتے ہیں۔ وہ اسے ایم پی اے اور ایم این اے کے ٹی پر انسپکٹر جنرل آف پولیس کا بھی لٹا نہیں کرتے ہیں۔ ایسے ہی ذلت آمیز حالات سے دوچار ہو کر پولیس افسران بدلتے ہوئے وقت کے تقاضے پورے کرتے ہیں اور قانون کے حافظ ہو کر قانون شکن کھاتے ہیں۔

میں نے اسے مخاطب کیا تو وہ چونک کر بولا "فراہ صاحب! آپ؟"

"جی ہاں۔ آپ واقعی فرض شناس ہیں۔"

"آپ میرے خیالات دھڑکے کچھ نہیں جانتے ہیں کہ یہ عارضی فرض شناسی ہے۔ ابھی اوپر سے حکم صادر ہوگا اور مجھے بھویاں جیسے اسمگلر کے سامنے شرمندہ ہو کر اس کے ٹرکوں اور ڈرائیوروں کو ہار کرنا ہوگا۔"

"آپ فکر نہ کریں! اپنے فرائض انجام دیتے رہیں۔ میرے ہوتے ہوئے نہ آپ کا تدارک ہوگا اور نہ ہی عمدہ سے نیچے گر جائے گا۔"

"میں اللہ کے بعد آپ ہی کے مجبورے پر دیانت داری سے

فرائض ادا کر رہا ہوں۔"

"آپ کوئی اہم اطلاع دینے والے تھے۔"

"ہر کام کے سلسلے میں بے شمار اطلاعات ہیں۔ کیا آپ موجودہ کس سے قانع ہو گئے ہیں؟"

"ہاں۔ یہودیوں کو ذرا ٹھنڈا کر دیا ہے۔ چوہدری حاکم علی باپس ہو کر لندن سے واپس آ رہا ہے۔ نعمان مرکا ہے۔ اب نعمان لیبارٹری کی واحد مالکہ صوفیہ ہوگی اور یہودیوں کو اپنے کاہنارے ایک پیک بھی نہیں دے گی۔"

"آپ نے وقتی طور پر یہودیوں کو ٹھنڈا کر دیا ہوگا۔ لیکن وہ درپردہ آپ کے خلاف مصروف ہیں۔ اب وہ ایک ایسے ایجنٹ کو لا رہے ہیں جو گاکا ہر ہے۔ اس کے کئی خاص خوار بھی سانس دینے کا ہنر جانتے ہیں۔ آپ ان کے داغوں میں نہیں جا سکیں گے۔"

"وہ ایجنٹ کون ہے؟"

"اس کا نام حنفہ خان ہے۔ پشاور جیل میں ہے۔ کل صبح ہا کیا جائے گا۔ رہائی کے بعد وہ کچھ ایسی امداد میں کرے گا کہ آپ صوبہ سرحد جانے پر مجبور ہو جائیں گے۔"

"صوبہ سرحد میرا صوبہ ہے۔ میرے ملک کا ایک فولادی صوبہ ہے۔ میں دشمنوں کے مجبور کرنے سے پہلے ہی خود اپنی خوشی سے وہاں جاؤں گا۔"

"یہودیوں کی پلاننگ ہے کہ آپ پنجاب سے نکل کر سرحد جائیں گے تو انہیں یہاں سے سرے سے قدم جانے کا موقع ملے گا۔ وہ یہاں بھی ایسے ایجنٹوں کو لائیں گے جن پر آپ کی ٹیلی بیسی اثر نہیں کرے گی۔"

"میں جانتا تھا وہ کچھ ایسی ہی چالیں چلیں گے۔ آپ نے بڑی اہم باتیں بتائی ہیں۔ میں محتاط رہوں گا۔ حنفہ خان کے متعلق کچھ اور بتائیں۔"

وہ کچھ بتاتا چلتا تھا "اسی وقت فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ اس نے ریسیور اٹھا کر کہا "ہیلو۔ میں آئی جی اکبر زبانی بول رہا ہوں۔"

دوسری طرف سے آواز آئی "تم اکبر زبانی نہیں ہو۔ مگر آئی جی ہمارے دم سے ہو۔ اگر تم مجھے آواز سے نہیں پہچانتا ہے تو سنو میں ایم این اے امان اللہ نیازی بول رہا ہوں۔ ہم چار ایم این اے اور چار ایم پی اے اسمبلی میں ایک آواز اٹھائیں گے تو تمہاری شامت آ جائے گی۔ فرض شناسی اچھی ہوتی ہے مگر ہمارے بندے کو تو پریشان نہ کرو۔ ابھی اسی تاہم دونوں ٹرک اور ان کے ڈرائیوروں کو چھوڑ دو۔"

آئی جی نے سوچ کے ذریعے پوچھا "اب بتائیں فراہ صاحب! میں کیا کروں؟"

"آپ کہہ دیں کہ ان کے حکم کی قیبل ہو رہی ہے لیکن فراہ وہ تمام مال شرابی گا کہوں تک پہنچے نہیں دے گا۔"

میں ایم این اے امان اللہ نیازی کے داغ میں پہنچ گیا۔ وہ

آئی جی کی باتیں سن رہا تھا۔ جب میرا نام آیا تو اس نے کہا "تم فراہ کی آڑے کر زیادہ ایماندار نہ نہ دکھاؤ۔ فراہ یہودیوں کے بڑے بڑے معاملات میں الجھا ہوا ہے۔ یہ معمولی سے دو ٹرک کے کس میں اسے کوئی دلچسپی نہیں ہوگی۔ تم وہ کہو جو ہم کہہ رہے ہیں۔"

اس نے ریسیور رکھ دیا۔ میں نے آئی جی کے پاس آکر پوچھا "وہ دونوں ٹرک کہاں ہیں؟"

"سیرانی دے پر چوکی سے تین کلومیٹر کے فاصلے پر ہیں۔"

"جس انسپکٹر نے انہیں پکڑا ہے۔ اسے آپ حکم دیں کہ پہلے ایک ٹرک کو جانے دے۔ اس کے پندرہ منٹ بعد دوسرے ٹرک کو چھوڑ دے۔"

آئی جی نے اس سے رابطہ کیا۔ میں اس انسپکٹر کے پاس پہنچ گیا پھر اس کے ذریعے ٹرک کے ڈرائیور کو کیڑی آواز سنیں۔ ان کے داغوں پر قبضہ جمار ٹرک کو وہاں سے چلنے دینے کیلئے پچھلے حصے اٹھا۔ میرے حکم کے مطابق گئے کے ڈبے کھول کر شراب کی بوتلیں کھولنے لگا۔ ٹرک کے پچھلے حصے کی چار دیواری اور فرش پر شراب انڈیلنے لگا۔

پھر میں نے ڈرائیور کو قایم کیا۔ وہ ٹرک کو مین روڈ سے اتار کر ایک میڈانی حصے میں لے گیا۔ وہاں اسے روک کر اس نے کئی بوتلیں کھول کر اگلے حصے میں ہر طرف شراب چھڑک دی۔ یونٹ کھول کر انجن پر بھی کئی بوتلیں توڑ دیں۔ پھر باجس کی ٹیلی جلا کر اسے ٹرک کے اندر پھینک کر کیڑے کے ساتھ بھاگتا ہوا دروازے لگا۔ ٹرک سے الگ کے شعلے برک رہے تھے۔ وہ شعلے دھستے اور چلتے جا رہے تھے۔ پھر پھول کی ٹکلی کے پھٹنے سے ایک زبردست دھماکا ہوا۔ کیڑے ڈرائیور سے پوچھا "استاد! تم نے الگ کیوں لگائی؟"

ڈرائیور نے اس سے پوچھا "تو نے شراب کی تمام بوتلیں کیوں توڑ دیں۔ پورے ٹرک کو خراب نہ لادیا۔ اب استاد کے لئے ایک چٹنی شراب توڑک لیتا۔"

"استاد! بھویاں صاحب اتنے جوتے ماریں گے کہ شراب سے زیادہ فائدہ ہو جائے گا۔"

میں نے دوسرے ٹرک کے ڈرائیور اور کیڑے کے پاس آکر دوسری طرف اختیار کیا اور اسے بھی تمام بوتلیں سمیت تباہ کر دیا۔ پھر میں نے ایم این اے کے پاس آکر دیکھا۔ وہاں ایم پی اے کے ٹھنڈا پلوان اور اسمگلر نور الدین بھویاں بیٹھے ہوئے تھے اور بھی چند بڑے بڑے لوگ موجود تھے۔ بھویاں کہہ رہا تھا "آپ لوگوں کے حصے کی بوتلیں تو پھینچا کرنا ہوں۔ آج اسکالچ دھسکی کی ٹی کھپ آ رہی ہے۔ آج رات میری طرف سے بیٹے کی دعوت ہے۔ چرٹے بے حساب ہوں گے۔ آپ رنج کے بیٹے گئے۔"

ایک نے کہا "ہاں بھئی! ایک ٹپ میں میں لاکھ روپے کی بیڑ دھسکی اور برانڈی آئی ہے۔ تم رنج کے نہیں پلاؤ گے تو زیادہ آئی جی پلائے گا۔"

اس بات پر سب قہقہے لگاتے تھے۔ میں نے وہاں ایک ایک کے اندر پہنچ کر تھوڑا تھوڑا سا زلزلہ پیدا کیا۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھ اٹھ کر صوفوں پر اور فرش پر گر کر رہ گئے۔ نہ کوئی یاد کرنے لگا۔ انہیں یوں لگا رہا تھا جیسے قیامت آگئی ہے۔ زمین اور ہوری ہے اور آسمان نیچے آ رہا ہے۔ تکلیف کی شدت سے وہ چیختے بھی رہے۔ کتنے ہی ملازم آکر انہیں سنبھالنے لگے۔

میں نے ایک ملازم کی آواز سنی پھر اس کے ذریعے کہا ”اٹھو اور میری باتیں سنو۔ میں فریادیں تھوڑی اس ملازم کی زبان سے بول رہا ہوں۔“

وہ سب پریشان ہو کر ملازم کو کتنے لگے۔ میں نے ایم این اے ایم این ایڈی کو مخاطب کیا اور کہا ”تم سمجھتے ہو، افراد یودیوں کے بڑے بڑے معاملات میں الجھا ہوا ہے۔ اسے بھونپناں کے دو ٹکڑوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہوگی۔ تم یہ سیاحی لوگ اسٹیبل میں پہنچ کر جیسے عوام کے معاملات میں دلچسپی نہیں لیتے ویسے ہی میرے متعلق سوچ لیا کہ تم عوام میں کتنے کا زہر پھیلاؤ گے اور میں اسے معمولی سی بات سمجھ کر نظر انداز کر دوں گا۔“

وہ بولا ”جناب فرما صاحب! اب پرے آنے والی شراب بہت مہنگی ہوئی ہے۔ اسے عام لوگ خرید نہیں سکتے۔ یہ تو صرف شرفا کے لئے منگوائی جاتی ہے۔ آپ یورپ امریکا میں رہتے ہیں۔ وہاں ہر گھر میں شراب پل جاتی ہے۔ آپ کو تو اس معاملے میں فراخ دل ہونا چاہئے۔“

میں نے کہا ”یورپ اور امریکا میں سٹور کا گوشت اور دوسرے حرام کھانے ملتے ہیں۔ کیا میں فراخ دل ہو کر تمہارے جیسے شرفا کو حرام کھادیں؟ کیا تم نہیں جانتے کہ میں اور میرے خاندان کے افراد اور بابا صاحب کے ادارے سے تعلق رکھنے والے نہ کبھی شراب پیتے ہیں اور نہ حرام کھاتے ہیں۔“

بھونپناں نے کہا ”بہنہ پرور! آپ ہم پر اعتراض کرنے آئے ہیں۔ جن ملکوں میں رہتے ہیں وہاں کے لوگوں کو شراب نوشی سے کیوں نہیں روکتے ہیں۔“

”وہاں شراب نوشی غیر قانونی نہیں ہے اور پاکستان میں غیر قانونی ہے۔ تم لوگ اسٹیبل میں قوا میں بنائے ہو۔ جاؤ اور شراب نوشی کو قانوناً جائز قرار دو۔ پھر میں کچھ نہیں کہوں گا۔ عوام خود ہی جوئے ماریں گے۔“

”جناب درست فرماتے ہیں۔ مگر کچھ تو خیال کریں۔ یہاں ہر شہر میں اور ہر بڑے گھر میں پل جاتی ہے۔ آپ کس کس کو روکیں گے؟“

”مجھے ہر فرد کو روکنے کی کیا ضرورت ہے۔ میں شراب کی پلائی ہی روک دوں گا۔ جیسے آج میں نے بھونپناں کے شراب سے بھرے ہوئے دونوں ٹرک تباہ کر دیے۔“

نور الدین بھونپناں نے چیخ کر کہا ”کیا! میرے دونوں ٹرک تباہ کر دیے؟“ میں ”یہ بھوت ہے۔ تم یہاں ہو اور ہمارے ٹرک تمہیں

جالیس کھو میزور ہو۔ تم اپنا ہی بلڈ پریشر والا مذاق نہ کرو۔“

”جاؤ اپنے ٹرکوں کی خبر لو اور اسپتال میں داخل ہو جاؤ۔ آج تمہیں ٹرک سمیت تقریباً تمہیں لاکھ روپے کا نقصان پہنچ چکا ہے۔ اب میں اس ملازم کے دماغ سے جا رہا ہوں۔ آئندہ ایسی اسٹنگل سے پہلے اپنے نقصانات کا حساب کر لیا کرو۔ تم میں تو لوگوں کا پچھرا نہیں چھوڑوں گا۔“

پھر میں نے ایم این ایڈی سے کہا ”تم تمام ایم این اے اے تھو ہو کر ملک کو بنا سکتے ہو مگر اپنے اتحاد سے ملک کو کاٹوڑتے ہو۔ میں تمہیں وارننگ دیتا ہوں آگئی جی جیسے تمام دیانت دار افسران کے خلاف کوئی سیاسی دباؤ نہ ڈالو۔ ورنہ لوگ تمہاری قبر پر پھول چڑھانے لگیں گے۔“

میں نے آگئی جی کے پاس آکر تمام روداد سنائی۔ وہ خوش ہو کر بولا ”خدا کی قسم فرما صاحب! آپ یہاں اپنی حکومت بنائیں تو یہ ملک جنت نظیر ہو جائے۔“

”خداوند کریم نے مجھے یہ علم کسی ایک ملک تک محدود رہنے کے لئے نہیں دیا ہے۔ میں جب تک ہوں اپنے طریقے کار سے پاکستانی عوام کو یہ بتاؤں گا کہ صرف سیاست دان اور پولیس والے دیانت داری سے اپنے فرائض انجام دیں تو یہاں کرپشن رہے گا نہ منگائی رہے گی۔ سوال پیدا ہوا ہے کہ بڑے کو اچھا کیسے بنایا جائے؟ صرف اللہ تعالیٰ ہی راہ راست پر چلا آئے۔ کلام پاک میں واضح طور پر یہ کہا گیا ہے کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہارا کار صرف ہدایات دیتا ہے۔ لوگوں کو راہ راست دلانا ہمارا کام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدایات دیں اور اسوۂ حسنہ سے نیکی اور راستی کا درس دیا۔ جسے اللہ نے ایمان کی توفیق دی، وہ ایمان لائے۔ بانی مکراہ رہے۔ میں بھی خدا کا ناچیز بندہ ہوں۔ میں راستہ دکھا سکتا ہوں، راستے پر چڑھ چلا نہیں سکتا۔“

”آپ درست فرماتے ہیں۔ یہ دنیا ایک تماشہ گھر ہے۔ یہاں کا لے بھی ہیں گورے بھی، اچھے بھی ہیں برے بھی، انسان بھی پر شیطان بھی۔ ہماری یہ دنیا ایک دوسرے کے تضاد سے بنائی گئی ہے۔ تضادات کے باعث یہاں طرح طرح کے واقعات، جذبات اور احساسات پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ یہ نہ ہوں تو دنیا جنت بن جائے۔ اور اگر یہ جنت بن جائے تو پھر عاقبت میں جنت کی کشش نہیں رہے گی۔“

میں نے پوچھا ”آپ مزہ خان کے متعلق بتا رہے تھے؟“

”وہ تھیں یادوں کا بہت بڑا دستک۔ جدید ہتھیار سرحد پار سے علاقہ غیر میں آتے ہیں۔ وہاں سے پاکستان کے ہر بڑے شہر میں پہنچائے جاتے ہیں۔ کراچی میں ان ہتھیاروں کی زیادہ کھپت ہے۔“

”کیا یہی دے سے ال لے جایا جاتا ہے؟“

”جی ہاں، دہرائی راستے سے بھی اسٹنگل ہوتی ہے۔ مزہ خان چو فٹ کا سمٹ مند جوان ہے۔ عمدہ صحت کے باعث عمر کا کچھ

نہیں سمیٹا جاسکتا ہے۔ اپنے ٹینگ میں ایسے جوانوں کو رکھتا اندازہ ہے جو اس کی طرح جھڑو کرانے کا فن جانتے ہیں اور یوگا کی مشقتیں کرتے رہتے ہیں۔ ٹینگ کا کوئی جوان نشہ نہیں کرتا ہے۔ اگر کوئی لٹکی کی حالت میں چڑھا جائے تو اسے گولی مار دیتا ہے۔“

آگئی جی نے پشاور میں اس کی کوٹھی کا پتہ اور نوٹس لے لیا۔ میں نے اسے یادداشت میں محفوظ کر لیا پھر کہا ”میں جا رہا ہوں۔ آپ سے ہر کسی وقت رابطہ کروں گا۔“

میں نے اپنی مشابہت کو مخاطب کیا، اس سے کہا ”ضروری سامان باندھو۔ اور میری آبادی کی ہوئی بستی فرما دو۔ میں اپنے بیٹے کے ساتھ کچھ عرصہ رہو، خطرات ٹل جائیں گے تو واپس آجائے۔“

وہ جانے سے انکار کرنا چاہتی تھی ”میں نے کہا“ میں کچھ نہیں سنوں گا۔ بیٹے کی زندگی عزیز ہے اور مجھے پریشانیاں سے بچانا چاہتی ہو تو تیار ہو جاؤ۔ میں کچھ دنوں کے لئے لاہور سے باہر جا رہا ہوں۔ اب تمہارے پاس سوچ کے ذریعے سلمان آیا کرے گا اچھا خدا حافظ۔“

میں نے سلمان سے کہا ”شاہین اور کامران کو پاکستان سے فرائض لے آؤ۔ میرے دلچسپ انہیں خبریت سے پہنچاؤ۔ سڑک کے دوران تم میں سے کسی نے کسی خیال خوانی کرنے والے کو مار بیٹے کے باغوں میں موجود رہنا چاہئے۔ کوئی پرائم پیش آئے تو مجھ سے رابطہ کرو۔“

اس کے بعد میں نے پارس کے پاس آکر کہا ”میں پشاور جا رہا ہوں۔ تمہارے اٹکل سلمان تم سے رابطہ کریں گے تم ان کے تعاون سے چوبیسری حاکم علی کا کاؤ باری صوفیہ کے نام منتقل کرو اور پھر میں اٹکل پورام بتائیں گا۔“

میں سلمان اور پارس کو تمام اہم ذمے داریاں سونپ کر پشاور کی طرف روانہ ہو گیا۔



علی تھوڑے عرصے میں بیدار ہوئے کے بعد سوسانہ اور جبرائیل کے ساتھ صرف دو گھنٹے گزارے تھے۔ جب میں نے اسے بتایا کہ میں نے خیال خوانی کرنے والے دایاں اور رائی کو بیٹھ کے لئے قلم کھینچا ہے تو اس نے فیصلہ کر لیا کہ سوسانہ اور جبرائیل سے دور رہنا چاہئے۔ یودی جاسوس اب اس رہائش گاہ کی کڑی نگرانی کریں گے۔

میں کو ہنگامی تھی۔ وہ عارضی میک اپ کر کے وہاں سے نکل آیا۔ لپٹی لپٹی اس کے پاس آکر پوچھا ”کیا ارادہ ہے؟“ میں نے اچانک نکل پڑے۔ تم نے کچھ تو سوچا ہو گا۔“

”نی انٹیلی میا سوسا ہے کہ مجھے تھما رہا چاہئے۔ میں سوسانہ کے ساتھ رہتا تو وہ مجھ سے اپنی محبت چھپانے کتنی اور دشمنوں کو شہر ہونا کہ مجھ سے کوئی گمراہ گڈو ہے اور میں فرما علی تھوڑی کیم کا کوئی خاص آدمی ہوں۔“

”تم نے ٹھیک سوچا۔ لیکن یہاں کس حیثیت سے رہو گے؟ کہاں بننا لو گے؟ کیا بابا صاحب کے ادارے سے تعلق رکھنے والوں سے رابطہ کرو؟“

”آپ ادارے میں جائیں۔ وہاں سے معلومات حاصل کریں کہ یہاں ہمارے سراغ رسالوں میں کتنے افراد سرکاری عہدوں پر ہیں۔ جو سب سے اہم عہدہ پر ہو گا میں اس کی جگہ رہوں گا۔ وہ عہدہ دار ایسا ہو کہ میری طرح قد اور جسامت ہو۔ اور چھوٹا ایسا ہو کہ بکلی پلاسٹک سرجری سے میں اس کا ہم شکل بن جاؤں۔ یہاں ہمارے پلاسٹک سرجری کے ماہر کا بھی پتا تھا۔“

لپٹی نے بابا صاحب کے ادارے کے ماہرین سے رابطہ کیا۔ وہ ادارے کے ایسے تمام افراد کا ریکارڈ چیک کرنے لگے جو اسرائیل میں یودی بن کر کسی نہ کسی اہم سرکاری عہدوں پر کام کر رہے تھے اور ہمارے ادارے کے لئے جاسوسی کے فرائض انجام دے رہے تھے۔ ادارے کے ماہرین نے علی تھوڑی تصویر سامنے رکھ کر ان سراغ رسالوں کی تصویریں سے موازنہ کیا۔ پھر انہوں نے بتایا ”دو سراغ رسالے علی سے برائے نام مشابہت رکھتے ہیں۔ بہت معمولی سرجری کے بعد علی ان کا ہم شکل ہو سکتا ہے ان میں سے ایک انٹیلی جنس کے شعبے میں ہے، دوسرا الیکٹرونکس انجینئر ہے۔“

لپٹی نے آکر علی سے کہا ”ہمارا جو آدمی انٹیلی جنس میں ہے۔ اس کی ایک بیوی اور چھ برس کی ایک بیٹی ہے۔ اگر تم اس کا بہرہ و اختیار کر دو گے تو بیوی اور بیٹی کے ساتھ رہنا ہو گا اور یہ ایک

صبیحہ بانو

کے مکمل سب سے پہلے

چھٹا وا

اردو میں سب سے زیادہ شائع ہونے والی سرگزشت



غلامت ہوگی۔

اس نے پوچھا "ایلیٹریٹیکل انجینئر تیار رہا ہے؟"
"اس انجینئر کا نام کارمن ہیرالڈ ہے۔ فی الحال کنوارا ہے
لیکن اس کی اپنے سینئر انجینئر کی بیٹی سے شادی ہونے والی ہے۔"

"مجھے خطرے کی بات ہے۔"
"لیکن شادی ابھی نہیں ہوئی ہے۔ تم کارمن کی جگہ لے کر
اس شادی کو مال کئے ہو۔ اتفاق سے کارمن بھی لڑکیوں سے دور
رہنے کا عادی ہے۔ ایک اور بات تمہاری موافقت میں ہے۔ وہ
ایسپورٹس میں ہے۔ یوگا کا ماہر ہے۔ پندہا پیلے ایسے تمام سرکاری
ملازمین کا کامیاب کیا گیا جو گا کے ماہر ہیں۔ گولڈن ریفر ایلٹی کلتا
چاہے تھے کہ ان سانس روکنے والوں میں کوئی دشمن کا وہی نہ ہو۔
ایک یہودی خیال خالی کرنے والے نے کارمن کو بھی حکم دیا تھا کہ
وہ سانس نہ روکے اور اسے خیالات نہ دے۔"

علی نے پوچھا "یعنی کارمن کے خیالات پر مجھے جانچنے ہیں اور
گولڈن ریفر اس سے مطمئن ہیں۔"
"ہاں۔ ہمارے وہ تمام سراغ رساں جو اسرائیل میں سرکاری
معدول پر ہیں ان پر پہلے ہی توی عمل کیا گیا ہے۔ ان کے چور
خیالات کے خازن کو لاگ کر دیا گیا ہے۔ خیال خالی کرنے والے
مطمئن ہو جاتے ہیں کہ انہوں نے دور تک اپنے معمول کے
خیالات پڑھ لئے ہیں۔ میں نے تم پر بھی عمل کرنے دقت بھی کیا
ہے اگر کوئی دشمن تمہارے خیالات جبراً پڑھنا چاہے تو ضرور پڑھے
گا لیکن چور خانے تک نہیں پہنچ پائے گا۔ جہاں تک پیچھے گا دین
تک تمہارے خیالات کی انتہا سمجھے گا۔"

علی نے ہلٹنگ سرجری کے ماہر کی رہائش گاہ میں کارمن سے
ملاقات کی۔ اس سے گفتگو کر کے اس کی آواز اور لہجے کو خود اس
کرنا یاد اور اس کے متعلق ضروری معلومات حاصل کرنا رہا۔
کارمن اپنے بارے میں بہت کچھ بتاتا رہا۔ لیکن کچھ ایسی باتیں بھی
ہوئی ہیں جو دوسروں کو بتائی نہیں جاتیں۔ وہ باتیں ایس اس کے
دماغ سے معلوم کر رہی تھی اور علی کو بتائی جا رہی تھی۔ اس دوران
اس کے چہرے پر سرجری ہو رہی تھی۔ کارمن اپنے ڈیپارٹمنٹ کے
تمام جوینر اور سینئر انجینئرز کی تصویریں لے کر آیا تھا۔ وہ ایک البم
میں تھیں۔ سینئر انجینئر کی بیٹی پامیلا کی بھی کئی تصویریں تھیں جس
سے کارمن کی شادی ہونے والی تھی۔

علی نے تمام چہرے ذہن میں نقش کر لئے۔ چونکہ کارمن
سنجیدہ تھا۔ ہر ایک سے بے تکلف نہیں ہوتا تھا اس لئے ایسی
عادت نے علی کے لئے آسانی پیدا کر دی تھی۔ بہت کم لوگوں سے
اس کا واسطہ پڑنے والا تھا۔

پروگرام کے مطابق کارمن رات کے آٹھ بجے اپنی کار میں
دوبارہ اس رہائش گاہ میں آیا جہاں علی اب کارمن بن چکا تھا۔
سرجری کے ماہر نے کارمن کے چہرے پر معمولی سی تبدیلی کی تاکہ وہ
اب کارمن ہیرالڈ نہ رہے۔ جو جو کو یہ دے داری دی گئی کہ وہ

کارمن کے دماغ میں رہے گی اور سرحد پار کرنے میں اس کی
کرے گی۔ قتل ایب سے لبنان اور دمشق کی سرحدیں قریب
تھیں۔ کارمن ایک سیاہ رنگ کی گاڑی میں بیٹھ کر دمشق کی
کی سمت روانہ ہو گیا۔

کارمن نے اپنے بیٹکے میں کوئی مستقل ملازم نہیں رکھا
دفتر کا ایک چراسی منج وشم اگر کھر کی صفائی اور دوسرے کام
کرنا تھا۔ کارمن رات کا کھانا خود پکا کر کھاتا تھا۔ منج کا کام
چراسی تیار کرنا تھا۔ دوپہر کو دفتر کی ہوسٹل میں کھانا یا آکر
جس طرح مسلمان بچے کو اور عیسائی آوار کو کچھنی مانتے ہیں
طرح یہودی بچے کے دن کچھنی کرتے ہیں۔ وہ بچے کی رات کو
اور تقریباً گھنٹوں میں گزارا تھا اور ہفتہ کی منج دیر تک
رہتا تھا۔

اسی معمول کے مطابق علی رات کے کھانے کے لئے ایک
سائیز ہوٹل میں آیا۔ سمندر کے ساحل پر بڑی بوقت تھی۔
سمندر، حسن، موسیقی اور شراب و شاپ کی رنگینیاں حد نظر تک
بکھری ہوئی تھیں اور یہ تمام رنگینیاں بہت مٹکی تھیں۔ مزہ
دولتد ہی وہاں پیش کر سکتے تھے۔ ہر دولت مند کے ساتھ ایک
حسینا تھیں۔ علی تیمور کے پاس بھی ایک آئی۔ اس کا
معدرت چاہے ہوئے اسے واپس کر دیا۔

وہ ایک بالگونی میں بیٹھا کھانے سے پہلے سوپ پی رہا تھا
سوچ کے ذریعے علی سے کہہ رہا تھا "اسی! یہ اچھا ہی ہو گا کہ
ایلیٹریٹیکل انجینئر کی حیثیت میں ہوں۔ آپ کارمن سے رہا
کریں! میان زمین و آقا اور خفیہ رہائش گاہیں کتنی ہیں
کہاں کہاں ہیں۔ کیونکہ ان خفیہ مقامات تک بھی جلی کا کھنچ
پہنچایا گیا ہو گا۔"

"میں تمہاری بات سمجھ رہی ہوں۔ تم نے بہت دور کی رہا
ہے۔ ہمارا دھیان اور ہمیں کیا تھا کہ گولڈن ریفر جس خفیہ اڈے
میں بھی جاتے ہوں گے وہاں جلی کا کنکشن ضرور ہو گا۔"
"جی ہاں ای! ہوسکتا ہے جلی کا کنکشن پہنچانے والے افراد
اور ملازمین کو یہ نہ معلوم ہو کہ وہ کوئی خفیہ اڈا ہے وہاں گولڈ
ریفر آکر بیٹھے ہیں لیکن جلی جہاں جہاں خرچ ہوتی ہے ان تمام
جگہوں کا حساب جلی کے شیعے کے ذہن میں ضرور ہو گا۔"

علی کا دماغ کہاں سے کہاں پہنچ رہا تھا۔ ملٹی تفصیلات حاصل
کرنے کا کارمن کے پاس جلی تھی۔ وہ سوپ پینے کے بعد کھانے
آؤر دینے لگا۔ اسی وقت پیچھے سے ایک لڑکی نے کہا "میرے
بھی کھانے کا آؤر دو۔"

علی نے سر کھرا کر دیکھا۔ پامیلا مسکرا رہی تھی۔ پھر وہ انجینئر
دکھاتے ہوئے ہوئی "جانتے ہو؟ میں کب سے تلاش کر رہی ہوں
جناب یہاں بیٹھے ہیں۔"

وہ سانسے آکر میز کے دوسری طرف بیٹھ گئی۔ میرے کھانا
آؤر دے کر رخصت کیا پھر پوئی "کل تم نے کہا تھا کہ فرائنڈ

انٹ میں میرا دو گے کسی ہوٹل میں نہیں کھاؤ گے۔"
یہ بات علی کو معلوم نہیں تھی کہ کارمن ایسا کہہ چکا ہے۔ وہ
اتنا بے ہوش ہوا "بے شک کہا تھا کہ آج کی رات باہر نہیں
کلن گاؤں۔ کوئی بدلتی فیصلہ تو نہیں تھا۔ میں نے فیصلہ کیا کہ میں
نے فیصلہ کر لیا۔"

"واہ! کتنی آسانی سے کہہ رہے ہو۔ میں نے دو بار تمہارے گھر
ڈن کیا پھر خود وہاں گئی۔ مگر وہاں نہ لگاؤ تھا۔ میں سمجھ گئی تھی کہ وہاں
بے کریاں خائف فریق کے لئے آئے ہو۔ آخر تم مجھ سے کتراتے
کیوں ہو؟"

"تم مجھے کئی برس سے دیکھتی اور سمجھتی آ رہی ہو۔ میری کوئی
گرتی فریب نہیں ہے۔ میں کسی لڑکی سے بات تک نہیں کرتا۔ ہاں
تمہاری عزت کرنا ہوں کیونکہ تم میرے سینئر انجینئر کی بیٹی ہو۔"

"یعنی مجھ میں اور کوئی دخل نہیں ہے۔ میرے حسن و شاپ پر
انہوں مرتے ہیں اور تمہیں کوئی کشش نہیں ملتی۔ کیا تمہیں
احساس ہے کہ اس طرح تم میری انٹ کرتے ہو؟"

"انٹ کی بات نہیں ہے۔ میں شاعرانہ عاشق مزاج نہیں
ہوں۔ ایلیٹریٹیکل انجینئر ہوں۔ جلی کے جھنگے کھاتا ہوں مجھے حسن کے
بیٹے نہیں لگتے۔"

"تمہاری اس سادگی اور شرافت پر مری ہوں اور خوب سمجھتی
ہوں کہ شادی کے بعد آخری سانس تک میرے ہی رہو گے کوئی
دوسری چیز تمہیں مجھ سے چھین نہیں سکے گی۔"

"پلیز پامیلا! شادی کی بات نہ کرو۔ کیجیائے کہ آتا ہے۔"
"تم عجیب مرد ہو۔ آخر شادی سے بھاگتے کیوں ہو؟"
"اس لئے کہ میں تمہاری عزت کرتا ہوں۔"

وہ کھنگلا کر کہنے لگی "بیٹھے بیٹھے بولی "اوہ کارمن! تمہارا بھی
جواب نہیں ہے۔ میرے بھولے شہزادے! عورت اپنی عزت آؤر
اپنا سب کچھ اپنے محبوب کو سونپنے کے لئے ہی شادی کرتی ہے۔"

وہ بولا "شادی کا مطلب ہے خوشی۔ اگر عورت اپنی آؤر کسی
کے حوالے کرتی ہے تو یہ خوشی کی نہیں شرم کی بات ہے۔"
"اوہ گاڈ! میں تمہیں کیسے سمجھاؤں یہ شرم کی نہیں بلکہ ایک
جیاہ عورت کے لئے فخر کی بات ہے۔ تم اس مسئلے پر بات نہ ہی کرو
تو بہتر ہے۔"

"بات کیسے نہ کروں؟ تمہارے ڈیڑی بھی یہی کہتے ہیں 'میری
بیٹی سے جلدی شادی کرو' میں تمہیں پرائیویٹ ایلیٹریٹیکل
ڈیپارٹمنٹ کا انجینئر بنانا دوں گا۔"

"تھیک تو کہتے ہیں۔ ڈیڑی وہاں کے بیڑ آئی وہ ڈیپارٹمنٹ
ہیں۔ وہاں ٹرانسفر ہو کر پیش کر دو گے۔ تنخواہ بڑھے گی، پولیس اور
ایک ملکی دالوں کا خافز حاصل ہو گا۔"

علی سوچ میں رہ گیا۔ کارمن نے پرائیویٹ ایلیٹریٹیکل
ڈیپارٹمنٹ کا ذکر کیا تھا لیکن اس وقت علی نے دور تک نہیں سوچا
تھا کہ ڈیپارٹمنٹ خفیہ اڈوں تک جو جلی کی سپلائی ہوتی ہے اس کا

حساب کتاب پرائیویٹ ایلیٹریٹیکل ڈیپارٹمنٹ میں رہتا ہو گا۔
یہاں کھانے کی نرالی لے آیا تھا اور ان کے درمیان میز پر مختلف
ڈشیں رکھ رہا تھا۔ علی کو سونپنے کا موقع مل گیا تھا۔ یہ بات تکلف
وہ تھی کہ اس پرائیویٹ ڈیپارٹمنٹ تک پہنچنے کے لئے پامیلا سے
شادی کرنا ہوگی۔ کیواسی خفیہ شعبے کا ردو نہ صرف پامیلا ہی کھل
سکتی تھی۔

یہاں چلا گیا۔ پامیلا بڑی محبت سے علی کو دیکھ رہی تھی۔ پھر علی
"کارمن! تمہارے جیسے فرشتے کو کہا ہوں سے بھری ہوئی دنیا میں
پیدا نہیں ہونا چاہئے تھا۔ میں تمہاری میں کتنی بار تمہارے قریب
آئی۔ تمہیں طرح طرح سے ہٹک جانے پر آمادہ کرنا چاہا۔ مگر تم
مضبوط قوت ارادی کے مالک ہو۔ تمہاری یہی خوبیاں مجھے اور
دیوانہ بنا دیتی ہیں۔"

وہ کچھ نہ بولا، چپ چاپ کھاتا رہا، پامیلا نے پوچھا "کیا تم
چاہتے ہو کہ شادی سے انکار کرو اور میرے ڈیڑی میری شادی کسی
دوسرے سے کروں؟"

"ہرگز نہیں۔ میں یہ برداشت نہیں کروں گا کہ شادی کے بعد
کوئی دوسرا تمہاری عزت آتا رہے۔"

وہ اپنی بیٹائی پر ہاتھ مار کر بولی "تارگا ڈسک" عزت کی بات نہ
کرو۔ صرف شادی کی بات کرو۔ ویسے تمہاری اس بات سے ظاہر ہوتا
ہے کہ تم مجھے اپنی عزت سمجھتے ہو اور مجھے کسی دوسرے کے حوالے
ہوتے نہیں دیکھنا چاہتے۔"

علی نے دل میں کہا "میں وہ خفیہ شعبہ کسی دوسرے کے
حوالے ہوتے دیکھنا نہیں چاہتا۔ لیکن ترقی پا کر اس شعبے میں ٹرانسفر
ہونے کی شرط بہت کڑی ہے۔ میں کیا کروں؟ یہ حینہ گولڈن ریفر
تک پہنچنے کی میز میں بن گئی ہے۔"

پامیلا نے پوچھا "کیا سوچ رہے ہو؟"
"سوچتا ہوں شادی کروں گا تو تمہارے ساتھ وہ۔۔۔۔۔"
وہ بات کاٹ کر بولی "اسے خبردار عزت د آؤر کی بات نہ کرو
ورنہ میں کالج کی پلیٹ افکار اپنے سر پر ماروں گی۔"

"میں دوسری بات کر رہا ہوں۔"
"ہاں کوئی بھی خوش کرنے کی بات کرو۔"
"سوچتا ہوں، اگر میں تمہیں بھاگ کر لے جاؤں۔ اس کے بعد"

وہ پھر بات کاٹ کر بولی "جب شادی ہو سکتی ہے تو بھاگ کر لے
جانے کی کیا ضرورت ہے؟"

"مجھے فرض کرو، اگر میں بھاگ کر لے جاؤں۔"
"پھر فرض کرتی ہوں، پھر؟"
"پھر تمہارے ڈیڑی کیا کریں گے؟"

"تمہارے خلاف کیس کریں گے جس میں پکڑاؤ میں گئے پھیل
بجواد میں گے۔ وہ اپنی بے عزتی برداشت نہیں کریں گے۔"
"تمہیں بھاگ کر لے جانے سے ان کی بے عزتی کیسے ہوگی؟"
"کیسے نہیں ہوگی؟ دنیا کے کسی کی میں تمہارے ساتھ بھاگ

جانے کے بعد عزت کے قابل نہیں رہی ہوں۔

اس لئے کہ بھگا لے جائے والا عزت

ہامیلا نے دونوں مٹھیاں بچھ کر زور کی چیخ ماری۔ سب لوگ

لوگ ان کے قریب آرہے تھے۔ ہوٹل کا منیجر دوڑتا ہوا آیا پھر

وہ تیزی سے پلٹ کر جانے لگی۔ علی نے فوراً کھانے کا بل ادا

وہ قریب آکر بولا ”مہیں مجھ پر غصہ آ رہا ہے۔ لیکن تم سے

اس نے دانت پٹتے ہوئے کھوم کر اسے دیکھا۔ کچھ لٹنے کے

سمندر کے ساحل پر دور تک بڑی بڑی سرچ لائٹس کی

وہ کسی حسینہ کے ساتھ نہیں چلتا تھا۔ کجا یہ کہ اس کے پیچھے

وہ بڑی دور تک آگے پیچھے چلتے رہے۔ ساحل کی مدفق پیچھے رہ

92

علی اسے ایک طرف دھکا دے کر آگے بڑھتے ہوئے

ہٹ گیا۔ وہ ریت پر اوندھے مٹنہ گر پڑا۔ دو بد معاشوں نے پیاد

وہ دونوں پامیلا کو چھوڑ کر اس کے طرف لپکے۔ مگر اتنی

پامیلا حیرانی سے علی کو دیکھ رہی تھی۔ اس نے صرف اُس

مین ہو مگر میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ اتنے زبردست ہو۔“

سینہ پر کی مہ جیسے انگریز اس کے ہاتھ لگا کر کہنے لگے۔

ۛ اب سے پہلے زانمانے اسے تہذیب کی جنت سے نکالا

اس نے ہامسا کرنا، کہ کلاہ ۱۰۰ کھینچ کر لے،

جادی۔

ابن علیؑ کے "حق" اور "مجھ" میں فرق ہو گیا

”جس نے ہم شادی کی بات پھر کسی دن کریں گے۔“

۵۰ اچھا ہوتا کہ پامیلا کے سامنے پارس ہوتا۔“

بیرا کھانے کی ڈشیں رکھ کر چلا گیا۔ علی نے کہا ”پامیلا! میں

خاموشی سے انتظار کروں گی۔“

شعبے میں رہتا ہے۔ وہاں پامیلا کا باپ ہیڈ آف دی ویس پارٹمنٹ

”نہیں۔ کارمن نے بتایا ہے کہ وہ حساس دماغ کا مالک

علی نے کہا ”وہ چاہتا ہے“ میرا اس کی بیٹی سے شادی کروا کر پھر

ہیں۔ ان ہی میں سے کوئی خفیہ اڈا گولڈن رائیڈ کا ہو گا۔“

”ای! کچھ تو سوچیں۔ شادی کے بعد وہ میری بہن بن جائے گی۔“

”درست کہتے ہو۔ یہ عمل تہذیب اور انسانیت کے خلاف

”کیا وہ میرے پاس آکر اسلام قبول کر لے گی؟ میری اولاد کو

بتانے سے بھی کسی پر جبر نہیں کیا جاتا۔“

م بہت ذہین ہو۔ اپنے طور پر لولی ایسا راستہ نکالو کہ کسی الجھاوے کے بغیر حل ملے۔

ذہن پر ذرا زور ڈالتے سے مجھ میں آیا۔ بات حیا اور شرافت

دوران نظریں اٹھا کر دیکھتی تھی۔ پھر اس انتظار میں چپ رہتی تھی

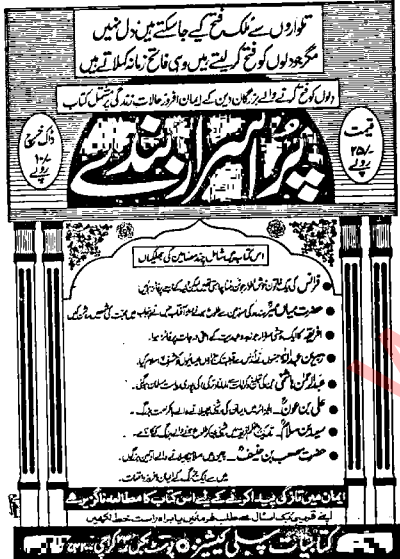
دول کو فتح کرنے والے بزرگمان دین کے ایمان افروز حالات زندگی پر مشتمل کتاب

● رحمتی و ایمنی کی خاطر جو کچھ کہتا ہوں اسے سنا لیں۔

● رحمتی و ایمنی کی خاطر جو کچھ کہتا ہوں اسے سنا لیں۔

میرے ایک بھائی کے اہل خانہ فوتات۔

{93}



کی کیا بات ہے؟“

”وہی بتا رہا ہوں ذرا تحمل سے سنو۔ میرے والدین مجھے بڑی بزرگی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ وہ میرے قبل کا حال بتائیں۔ بزرگی کی پیش گوئیاں اکثر درست ہوا کرتی ہیں۔ انہوں نے میرا زانچہ بیکار کیا کہ اسے کام میں کلا۔ یہ بڑے بیوں والا ہے۔ آخری عمر تک خوشحال رہے گا۔ اس کی زندگی صرف ایک سی بری گھڑی آنے کی، جب یہ شادی کرے گا۔“

آزائش بہ سخت ہے کیا تم میرے بغیر چالیس راتیں گزار لو گے؟

”میں سوچتی تھی شادی کے بعد تمہارے بغیر ایک کُل نہیں
گزاروں گی لیکن تم جان کی بازی لگا کر مجھ سے شادی کر گئے۔ اگر

میں نے یہ بات کو نہ مارا اور ایک کمرے میں رہنے کی آرزو کی تو تم
 زندگی سے محروم ہو جاؤ گے۔ میں تمہیں ہمیشہ کے لئے کوہودوں
 گی۔ لہذا تمہیں ہمیشہ حاصل کرتے رہنے کے لئے میں چالیس راتوں
 کی جدائی برداشت کروں گی۔ آزمائش پوری ہونے تک سیکے میں

”نہیں پامیلا! بزرگ نے کہا تھا ہماری ازدواجی زندگی کا مسئلہ راز میں رہے۔ کسی پر ظاہر نہ ہو۔ تم سیکے میں رہو گی تو یہ راز تمہارے والدین اور دنیا والوں پر ظاہر ہو جائے گا۔“

”وہ گزالیہ تو واقعی سخت آزمائش ہے۔ ہم ایک دوسرے کے سامنے وہیں گے اور دور سے ایک دوسرے کو دیکھ کر ترستے رہیں گے۔ ایک گھر میں رہ کر الگ الگ کمرے میں سوئیں گے۔“

”ہاں ایسی ہی پابندیوں اور غیبتوں سے گزرنے کا نام آزمائش ہے۔“

اس لئے تم سے دور رہتا تھا اور باتیں بنا کر شادی کا مسئلہ ٹال دیا کرتا تھا۔

”ہاں اب تمہاری مجبوری مجھ میں آ رہی ہے۔“
”میں نے تم سے محبت کر کے ظلم کیا ہے۔ تم آزمائش میں
پڑ گئی ہو۔“

جنت میں بڑی بڑی آناٹوں سے گزرتا پڑتا ہے۔ ایک یہ بھی سکی۔ میں ابھی سے خود کو ذہنی طور پر اس کے لئے آمادہ کرتی رہوں گی۔“

”نہیں۔ ٹیکسی میں آئی تھی۔ کیا ہم کار میں ایک ساتھ بیٹھ سکتے ہیں؟“

”یہی باتیں کرتی ہو۔ ایک ساتھ بیٹھ سکتے ہیں۔ ایک گھر میں
 رہ سکتے ہیں۔ ایک دوسرے کے ساتھ رہ سکتے ہیں۔“

”ہرگز نہیں۔ میں اپنے جذبات کو آگ لگا دوں گی۔ ہر خواہش کو پھل دوں گی۔ لیکن تمہاری ہلاکت کا سبب نہیں بنوں گی۔ تم ہو تو سارا جہان ہے۔ میں تمہارے بغیر زندہ نہیں رہوں گی۔“

”وہ اپنے طور پر درست کہہ رہی تھی۔ علی اپنے طور پر سوچ رہا

وہ اس کے ساتھ کوٹھی کے اندر آیا۔ اس کے والدین
 ڈرائنگ روم میں موجود تھے۔ انہوں نے بڑی محبت سے علی کا
 استقبال کیا۔ اس کی نمی نے کہا "میںے کار میں! ابھی تمہاری ذکر
 ہو رہی تھی۔" یہ جھوٹا آج کے روز میں تھا۔ یہ حصار کا لکھنؤ

ملی نے کہا "سرا یہ بات خیر ہے۔ میں دور کی سوچتا ہوں۔ میری محدود تنخواہ ہے۔ چھوٹا سا بنگلا ہے۔ پامیلا ولسن بن کر

ہاں دس ہزار شیکال کی آمدنی ہوگی۔ تمہیں رہائش کے لئے ایک
 بڑی کوٹھی ملے گی۔ میں نے تمہارے پدموشن اور ٹرانسفر آڈر کے
 اخراجات تیار کر رکھے ہیں۔ میں کل مہینے کی اخراجات لے کر خود مختلہ

”تھینک یو سر! آپ میرے لئے بہت کچھ کر رہے ہیں۔“

95

95

”میں تم سے کہتا ہوں میری بیٹی سے شادی کرو۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ میں زبردستی کر رہا ہوں۔ میری بیٹی کے لئے بے شمار رشتے آتے رہتے ہیں۔ دراصل میرا خفیہ شعبہ بہت اہم ہے۔ سو ہاں بڑی بڑی سفارش کے باوجود کسی کو ملازمت نہیں ملتی۔ جسے ملازمت دی جاتی ہے۔ اس کی بڑی سخت نگرانی ہوتی ہے۔ پچھلے چھ برسوں میں تمہاری سختی سے نگرانی ہوئی رہی۔ تمہارے متعلق ہر طرح سے اطمینان حاصل کیا گیا۔ آخر میں فیصلہ ہوا کہ میں تمہاری ضمانت لوں تو تمہیں اس شعبے میں منتقل کر دیا جائے گا۔ میں انہیں یقین دلانا چاہتا ہوں کہ تم میرے ماتحت ہی نہیں رہا رہو گی۔ اس لئے قابل اعتماد ہو اور اسی لئے میں نے تمہاری ضمانت لی ہے۔“

”مرا میں آپ کے طریقہ کار کو اچھی طرح سمجھ گیا ہوں۔ آج اسی لئے حاضر ہوا ہوں کہ جلد سے جلد شادی ہو جائے۔“

”میں نے کہا یہ تو بڑی خوشی کی بات ہے۔“

”علی نے پوچھا ”کیا یہ شادی کل ہو سکتی ہے؟“

”کل اپنی جلدی؟“

”کیا حرج ہے۔ میں زیادہ دھوم دھام اور نمائش نہیں چاہتا۔ بس سادگی سے پامیلا کو ملین بنا کر لے جانا چاہتا ہوں۔“

پامیلا خوش ہو گئی۔ مگر اتنی ہوئی وہاں سے چلی گئی۔ راجر موس نے کہا ”ہمیں رشتے داروں کو اور بڑے بڑے افسران کو انوائٹ کرنا ہو گا۔ اس میں وقت لگے گا۔“

”وقت تائے کی تیار میں وقت لگے گا۔ اس کی کیا ضرورت ہے؟“

”مجھے یہ فون پر انوائٹ کریں۔ رشتے داروں اور افسروں سے کہیں یہ سمرائز صبح ہے۔ آپ سمرائز دیں گے تو یہ نئی بات ہوگی لوگ انجوائے کریں گے۔“

پامیلا نے دروازے پر آکر باپ سے کہا ”ڈیڈی! انو آکر خوشی میں چائے لاری ہوں۔“

باپ نے قہقہہ لگا لگا پھر کہا ”دلہا دلہن نماز بنا کر آئے ہیں۔ تمہاری نہیں چلی گی۔ پامیلا کی ہئی! تم کیا کہتی ہو؟“

”جو بیٹی نے کہہ دیا وہی ڈن ہے۔“

راجر موس ریسپور انڈیا کر فبر وائل کرنے لگا۔ چائے آئے تب اس نے کئی رشتے داروں کو سمرائز صبح کی خوشخبری سنائی اور انہیں شادی میں شریک ہونے کی دعوت دی۔ علی چائے پی کر رخصت ہوا۔ پامیلا اس کے ساتھ کار تک آئی اور پوئی ”آج تم نے ساری دنیا کی سریتیں مجھے دی ہیں۔ اگر پابندی نہ ہوتی تو میں تمہیں اپنی دھڑکنوں سے لگا کر یاد رکھتا۔“

وہ کار میں بیٹھتے ہوئے پولا ”کل پہلی رات ہوگی۔ ہم کل سے ایک ایک رات کا حساب کریں گے۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے چالیس راتیں گزر جائیں گی۔ آج آخری بار گزشتہ کہہ رہا ہوں۔ کل سے الوداعی شب بھر گئے کی ضرورت نہیں ہوگی۔“

وہ کار اشارت کر کے کوٹھی کے احاطے سے باہر آیا۔ لیٹی نے آکر کہا ”میں بڑی دیر سے پامیلا کے داغ میں تھی۔ اس کے

خباثات رکھتے کر پتا چلا۔ تم نے شادی کے بعد بھی پامیلا کی عزت اور برقرار رکھنے کے لئے بڑی ذہانت کا ثبوت دیا ہے۔ سو واقعی تمہاری دانائی کو خوب سمجھتی ہیں۔“

وہ پولا ”ہی! اب میرا خمیر مطمئن ہے۔ میں اسے محبت فریب دے رہا ہوں لیکن یہ فریب اس کی حیا کی سلامتی کے لئے ہے۔“

”بابا شائینا! تم آج کے جوانوں کے لئے روشنی کا یہ ہو۔ خدا تمہیں صحت و سلامتی اور خوشحالی دیتا رہے۔“

”امین!“

”امی! اگلے شادی ہوگی۔ پرسوں خفیہ شعبے میں میری ڈیوٹی شروع ہوگی۔ آپ کی مصروفیات بڑھ جائیں گی۔ یہاں ہمارے بڑے جاسوس ہیں انہیں الٹ رہنے کو کہہ دیں۔ کسی وقت بھی کسی ضرورت پر پہنچیں گے۔“

”وہی علی تھا جس نے غیر معمولی ذہانت سے سیکورٹرز ذریعے ٹرانسپارمر مشین کو تباہ کیا تھا اور پھر ایک بار اس کی بہتر حکمت عملی تیار کی تھی کہ جلد یا بدیر وہ گولڈن برنز کی شہرگ۔“

پچھتے والا ہے۔



چوہدری حاکم علی حاکم اہل قضا اور جوان بیٹی کی موت کا سوا منہا تھا۔ ایسے وقت صوفیہ رنگین لباس پہن کر ہنسی مکر تفریح کے لئے جایا کرتی تھی۔ اس کے ساتھ پارس ہوتا چوہدری نے غصے سے پوچھا ”تمہیں شرم نہیں آتی؟ جوان بھائی! موت پر خوشیاں منائی ہو۔“

”جان کا دشمن مرنے تو خوش ہوتی ہے؟“

”انوس ہو۔ آپ پولیس کی رپورٹ اور سپرے کا بیان سن۔“

”ہیں۔ آپ کا بیٹا جس سانپ سے مجھے ہلاک کرنا چاہتا تھا خود سے حرام موت مر گیا۔“

”تم جھوٹ ہے۔ تم سب میرے بیٹے کے دشمن ہو جاؤ۔ میں نے تمہیں کسی کا برا نہیں چاہا۔ کسی سے دشمنی نہیں کی۔ پھر میرے دشمن کیوں بن جاتے ہیں؟“

اکثر لوگ اپنی مصیبت کے وقت بھول جاتے ہیں کہ دوسروں کے لئے کسی طرح مصیبت بنے رہے ہیں۔ دینا والا شانے کے لئے کہتے ہیں کہ انہوں نے کبھی کسی کا برا نہیں چاہا۔ لوگ ان کا برا چاہتے ہیں۔

صوفیہ نے کہا ”دواؤں میں نشہ آور چیزوں کی ملاوٹ کیا سے دشمنی نہیں ہے؟ کیا آپ فریاد سے دشمنی کے لئے لندن گئے تھے؟ کیا یہودیوں نے آپ کی خاطر فریاد کو پاکستان سے لے کر لے ان کی معصوم بھانجی کو قتل نہیں کیا؟“

”نہیں بیٹی نہیں۔ اس معصوم لڑکی کا قتل میری مرضی نہیں ہوا ہے۔ اپنے فریاد کو اپنے باپ کو بلاؤ۔ میں اپنی غلطیوں معافی مانگتا چاہتا ہوں۔ اگر تم نے اس کی معافی نہیں دلائی میرے بیٹے کے بعد مجھے بھی مار ڈالے گا۔ کیا تم ختم کلاؤ؟“

”ہو؟“

”میں باپ کو نہیں بلا سکتی۔ کوئی نہیں جانتا کہ وہ کہاں رہتے ہیں۔ دیکھئے انہوں نے مجھ سے کہا تھا کہ آپ ان کی چند شرائط پر قائل کریں گے تو پھر وہ آپ کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کریں گے۔“

”وہ شرائط کیا ہیں؟“

”پہلی شرط یہ کہ جس طرح آپ نے لندن میں اپنے اکاؤنٹ کی تمام رقم نکال کر میرے اکاؤنٹ میں جمع کر دی ہے۔ اسی طرح یہاں کے بینک سے اپنی تمام رقم نکال کر میرے حساب میں جمع کر دیں۔“

”وہ غصے سے پولا ”تو میری بیٹی نہیں ہے۔ فریاد سے مل کر مجھے نوٹ رہی ہے۔ اری کچھ تو خیال کر میں نے تجھے پیدا کیا ہے۔“

”آپ نے نہیں مانی ہے۔“

”مگر دودھ تو میں نے پلا کر پرورش کیا ہے۔ میرا مطلب ہے فیز سے دودھ پلایا ہے۔ اخلاقی تعلیم دلائی ہے۔ تجھے ڈاکٹر بنایا ہے۔ کیا اسی دن کے لئے کہ دشمن سے مل کر مجھے تباہ و برباد کرے۔“

”اس کا مطلب ہے؟“

”آپ باپ کی کوئی شرط نہیں مانیں گے؟“

”یہ تو مجھے بالکل ہی نکال بیاد ہے۔ والی شرط ہے۔ میری دولت کا بڑا دارا ہوں۔ یہ نکل جائے گی تو میں کیا کروں گا؟ کیا بیگم مانگوں گا۔“

”میں آپ کی ضروریات پوری کر دوں گی۔ آپ دنیا داری چھوڑ کر دن رات باپا کی اہلی میں مصروف رہا کریں گے۔“

”ابھی مجھے اتنے والا بنانا چاہیے ہے۔ چل بھاگ یہاں سے۔“

فریاد نے تجھے جی بٹایا ہے۔ اس رشتے سے وہ میرا بھائی ہوا۔ میں اپنے بھائی جان سے خود ہی بات کر دوں گا۔ بھائی بھائی کو معاف کر دیتا ہے۔“

اسی وقت احاطے میں کسی گاڑی کی آواز سنائی دی۔ چوہدری نے گاڑی سے کہا ”مجھے کہتے ہوئے شرم آتی ہے۔ سوہہ تمہارا عاشق کیا ہو گا۔“

”اس کا نام عاشق نہیں طارق ہے۔“

صوفیہ نے ٹھنکی کے پاس ”سوہہ۔ ایک دھمکن کار سے تین اہلی باہر آ رہے تھے۔ سوہہ پلٹ کر پوئی ”شاید آپ سے کچھ لوگ ملے آ رہے ہیں۔“

”پولا ”میں ایسے ملنے والوں سے تنگ آ گیا ہوں۔ میرے بیٹے کے پڑنے کے لئے آتے ہیں اور خوب کہاں کی چٹل جاتے ہیں۔“

اس کی بات سن کر سوہہ نے دو دنوں کا ایک دور دراز دھماکا جیسے ہوا۔ سوہہ نے فریاد کو قتل کیا۔ وہ تینوں اندر آ گئے۔ چوہدری نے ایک نے کہا ”چوہدری صاحب! ہم آپ کے خادم

فریاد ہوئے۔ یہ تو وہ ہماری طاقت کا اندازہ کر لے۔ میں نے صرف ایک لاکھ مار کر اسے توڑا ہے۔ ہم لوگ کے ماہر ہیں۔ فریاد کو چیلنج کرتے ہیں کہ تمہارا کچھ بگاڑ سکتا ہے تو بچ کر ڈر کر کھائے۔“

چوہدری نے خوش ہو کر پوچھا ”رحمت کے فرشتو! تم کون ہو؟ کیا اتنے طاقت ور ہو کہ فریاد تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا؟“

”چوہدری صاحب! آج سے وہ آپ کو بھی کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔ ہم تینوں آپ کے باڈی گارڈ ہیں۔“

”تم لوگ میری حفاظت کیسے کر گے؟ وہ تو میرے اندر آتا ہے۔“

”وہ آپ کو پریشان کرے گا۔ ہم اس کی منہ پوئی بنی صوفیہ کو پریشان کریں گے۔ وہ آپ سے کاروبار اور دواؤں کا فارمولا چھین کر صوفیہ کو دے گا۔ ہم یہ سب کچھ صوفیہ سے چھین لیں گے۔ وہ آپ کو قتل کرنا چاہے گا۔ ہم صوفیہ کا کام تمام کریں گے۔“

”دوسرے نے کہا ”یعنی یہودی فارمولوں سے صرف چوہدری حاکم علی حاکم دواؤں تیار کرے گا اور منافع کماے گا۔ کوئی دوسرا فائدہ اٹھانا چاہے گا تو موت اس کا مقدمہ بن جائے گی۔“

”میرے محافظ! اتنی دیر سے کیوں آئے ہو۔ دو دن پہلے آجائے تو میرا جان بٹا مارنا نہ جاتا۔ اس شیطان فریاد نے۔“

صوفیہ بات کاٹ کر پوئی ”ڈیڈی! ابھی آپ باپ کو بھائی جان کہہ رہے تھے اور اتنی جلدی کر گرت کی طرح رگسیدل رہے ہیں۔“

”بی بابا۔ وہ اور میرا بھائی جان؟ سانپ کسی کا بھائی نہیں ہوتا۔ ہاں تو میرے محافظ! مجھے بتاؤ ”تم لوگ اچانک خدا کی خدمت گاری طرح میرے پاس کہاں سے آئے ہو؟“

”ہم کچھ راز کی باتیں نہیں بتا سکتے۔ اس میں آپ کا فائدہ ہے۔ چوہدری صاحب! اویسے ہر طرح مطمئن رہیں۔ اس شخص پر لوگ کے ماہروں کی بہت بڑی نیم آتی ہے۔ ہمارا پاس بہت خطرناک یوگا ماہر ہے۔“

دوسرے نے کہا ”ہمارے کچھ بگاڑ کے ماہر فریاد کی بہن کی گھر گئے تھے۔ اس بیزل نے اپنی بہن اور بھائی کو کیس چھپا دیا ہے۔ لیکن وہ زیادہ دنوں تک نہیں چھپ سکیں گے۔ ہمارا پاس اس کی بہن بھائی اور صوفیہ کو بے غال بنا کر رکھے گا۔ اس شخص فریاد کے چاہنے والوں کا بیٹا حال کر دے گا۔“

چوہدری دل کھول کر قہقہے لگنے لگا اور کہنے لگا ”رحمت کے فرشتو! تم کہاں رہ گئے تھے؟ کوئی بات نہیں۔ دیر آتے آتے۔“

مطالعہ کرنے کے بعد اس نے فریاد کو قتل کیا۔ یہ سب کچھ اس نے فریاد سے



تتمتہ ۱۰ دسمبر ۱۰

ملک جیو لکچر ایڈیٹریز، لاہور

صوفیہ کو اٹھا کر لے جاؤ۔ اسے پر غمال بناؤ۔ فرما دیکھتے تھک دے گا۔

وہ غصے سے بولی ”آپ کو شرم نہیں آتی بد معاشوں سے کہہ رہے ہیں کہ جی کو اٹھا کر لے جائیں۔“

”مجھے شرم نہیں آتی“ اپنے ناجائز باپ کے ذریعے لندن کی میری تمام رقم اپنے اکاؤنٹ میں جمع کرالے۔ ٹیلی فون کے ذریعے میرے جوان بیٹے کو بلا کر آیا اور کہتی ہے سانب نے ڈس لیا۔ اگر یہ میرے محافظ نہ آتے تو مجھے بھی قتل کر دیتی۔ تو میری دولت اور جائیداد پر سانب بن کر بیٹھ گئی ہے۔ تم لوگ دیکھتے کیا ہو اسے اٹھا کر لے جاؤ۔“

باہر بھر کسی گاڑی کی آواز سنائی دی۔ چوہدری نے کھڑکی سے دیکھا۔ پارس آیا تھا۔ اس نے اپنی محافظوں سے کہا ”طارق آیا ہے۔“

”طارق کون ہے؟“

”میری بے حیا بیٹی کا عاشق ہے۔ اس کے ہاتھ پاؤں توڑ دو تاکہ وہ عاشقی بھول جائے۔“

ایک اجنبی محافظ تیزی سے چلتا ہوا باہر آیا۔ پارس کا رے اتر کر کوٹھی کے دروازے کی طرف بڑھ رہا تھا۔ وہ ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”مرک جاؤ اور ہمیں سے واپس چلے جاؤ۔“

پارس نے پوچھا ”ابس باؤں؟ کیا صوفیہ گھر میں نہیں ہے؟“

”ہے لیکن آئندہ تم اس سے نہیں ملو گے۔“

”کیوں نہ ملوں۔ کیا وہ تمہاری بہن ہے؟“

اس بات پر اس نے حملہ کیا۔ پارس نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اس نے دوسرا حملہ کیا۔ پارس نے دوسرا ہاتھ بھی پکڑ لیا پھر کہا ”تم واقعی غیرت مند بھائی ہو۔ بہن کی خاطر اپنی توڑ پھوڑ کے لئے آئے ہو۔“

اس نے دونوں ہاتھوں کو چھڑانے کی کوشش کرتے ہوئے کچھ لیا کہ فولادی شکنوں سے اپنا ایک ہاتھ بھی نہیں نکال سکے گا۔ وہ لٹ جاتا تھا۔ پارس نے اپنے سر سے اس کے سر پر ٹھکرائی تو پیلے آنکھوں کے سامنے قہقہے چلنے پھینکنے لگے۔ دوسری ٹھکرائی اندر چلا جھانکا۔ وہ تکلیف کی شدت سے مدد کے لئے پکارا جاتا تھا۔ ”مَدھو کوئی سی ٹی ٹی گھوڑی پر گھونٹا پڑا۔ کھلا ہوا سنا ایسے بند ہو کر ادھر بچے کے دانت آپس میں ٹکرائے اور ان کے درمیان زبان آگئی۔ وہ قلع بھار ڈر کر چلنے لگے۔“

اس کی چیخیں سن کر چوہدری کے دونوں محافظ چمک گئے۔ ایک نے دوسرے سے کہا ”جاؤ دیکھو۔ بلیک سیٹ ہو کر بڑوں کی طرح چیخ رہا ہے۔“

دوسرا دوڑتا ہوا گیا۔ صوفیہ نے کہا ”تم لوگوں کی شامت چینی ہے۔ طارق کوئی معمولی شخص نہیں ہے۔ میرے باپ کا ماتحت ہے۔“ پھر تو اس ماتحت کے ہاتھ پاؤں توڑ کر فرما کے پاس اسے تختے کے طور پر پارسل کر دوں گا۔“

اس کی بات ختم ہوتے ہی دوسرا ساتھی ٹوٹے ہوئے دروازے سے گزرتا ہوا صوفیہ کے قدموں کے پاس آکر فرس گر پڑا۔ اس کی ناک سے اور کھلے ہوئے منہ سے خون برہ تھا۔ صوفیہ خوشی سے مجھم گئی۔ قہقہے لگنے لگی۔ چوہدری نے ”اے محافظ بھائی! تم تو کہہ رہے تھے! فرما تمہارا کچھ نہیں بگاڑ گا۔ اس کے ایک ہندے نے تمہارے دو ہندوں کو ایک ہندہ اندر بچ کر دیا ہے۔“

محافظ نے زخمی ساتھی کو ٹھوکر مار کر پوچھا ”باہر کتنے دہ چیں؟“

پارس نے کمرے میں داخل ہو کر کہا ”میں اکیلا ہوں۔ اور دیکھو میں خالی ہاتھ ہوں۔“

وہ اپنے دونوں ہاتھ بڑھاتا ہوا اسے دکھاتا ہوا اس کے قہر آیا۔ محافظ نے اپنے دونوں ہاتھ بڑھا کر اس کی انگلیوں میں انگلیاں پھنسا لیں پھر دانت پیس کر بولا ”اب یہ انگلیاں ٹوٹ کر سی میر فولادی شکنوں سے آزاد ہوں گی۔“

اس نے ذرا قوت لگا کر پارس کی انگلیوں کو موڑنا چاہا۔ پھر کہہ وہ آہنی سلاخوں کو موڑنے کی حماقت کر رہا ہے۔ اس نے پھر قوت صرف کی مگر پارس اطمینان سے کھڑا ہوا صوفیہ سے پوچھ رہا ”یہ مرے کون ہیں؟“

صوفیہ نے کہا ”یہ دعویٰ کرتا ہے کہ یوگا کا ماہر ہے۔ اسے طاقت کا مظاہرہ کرتے ہوئے دروازہ توڑ کر آیا ہے۔ یہ کہتا ہے کہ اس کا پاس اس سے بھی زیادہ طاقتور اور یوگا کا ماہر ہے۔ یہاں سے روکنے والوں کی بہت بڑی ٹیم آئی ہے۔ باپا کو مجبور اور بے کرنے کے لئے ان کے آدمی شاید پینہ پائی اور ان کے بیٹے کا سراز انوار کرنے گئے تھے۔ لیکن باقی اپنے بیٹے کے ساتھ کہیں چلے ہیں۔ اب یہ مجھے لے جا کر باپا کو مجبور کرنا چاہتے ہیں۔“

چوہدری نے محافظ سے کہا ”اے محافظ بھائی! تم ان کی بات کیا سن رہے ہو۔ اس کی انگلیاں توڑ دو۔“

وہ پریشان ہو کر بولا ”میں اب دوسرا داڑا استعمال کروں گا۔ اس نے دوسرا داڑا استعمال کرنے کے لئے اپنی انگلیاں چھڑا چاہا۔ اب پارس نے انھیں بکڑ لیا۔ وہ تڑپ کر دونوں ہاتھ کو آزاد کرانے کی کوشش کرنے لگا۔ پارس نے ذرا اور سختی بکڑ لیا تو وہ چیخ کر بولا ”چھوڑ دو۔ میں بہت برا آدمی ہوں۔ میرے چھوڑ دو۔“

وہ سر سے ٹھکرائی ہاتھ چھڑا چاہتا تھا۔ پارس نے انگلیاں زوردار جھکا دیا۔ کڑا کڑا کر انگلیاں ٹوٹنے کی آواز سن آئی۔ وہ قلع بھار ڈر کر چیخ کر چوہدری کا ماتحت بھی مکمل کیا تھا مگر اس سے چیخ نہیں نکل رہی تھی۔ ایک ہاتھ نکل گئی تھی۔

صوفیہ خوشی سے ہلکے ہلکے ہورہی تھی۔ پائل پن میں باپ کو کر پارس سے لپٹ گئی تھی اور دل کھول کر قہقہے لگا رہی تھی۔ پارس نے اس کے آنکھوں کو چھوڑ دیا تھا۔ اس کی دونوں ہتھیلیاں

انگلیاں ڈھیلی ہو کر جھول رہی تھیں۔ وہ لڑکھڑاتا ہوا پیچھے جا کر دوبار سے لگ گیا تھا۔

پارس نے کہا ”تم تینوں یوگا کے ماہر ہو۔ مگر اس حالت میں سانس نہیں دے سکو گے۔ اگر فرما صاحب تمہارے داغوں میں انھیں گے تو ان کا راس تہ کیسے دو گے؟ چوہدری صاحب کی حفاظت کیسے کرو گے؟“

چوہدری آگے بڑھ کر بولا ”ارے یہ تمہارے سامنے نوٹ ہے تو میرے فرما بھائی کے سامنے کیا نہیں گئے۔ ان گد جوں کو تو جتا نہیں ہے کہ فرما بھائی نے میری صوفیہ کو اپنی بیٹی بنایا ہے۔ اس رشتے سے وہ میرے بھائی جان ہیں۔“

صوفیہ نے کہا ”میں تمہاری بیٹی نہیں ہوں۔ تمہاری بیٹی تو وہ تھی جسے تم ان غنڈوں کے ذریعے اغوا کر رہے تھے۔ میرے پاپا تمہارے پیسے بے غیرت کے بھائی ہوتی نہیں سکتے۔“

”بیٹی! زبان کو لگا دو۔ باپ کتنا ہی برا ہو اسے برا نہیں کہتے۔“

”بیٹی! مانتے ہو کہ تم بڑے ہو؟“

”برا تھا۔ اب نہیں ہوں۔ اب بد معاشوں کی کزوریوں نے اور بھائی جان کی طاقت نے مجھے انسان بنادیا ہے۔“

پارس نے پوچھا ”کیا انسان ہونے کا ثبوت دو گے؟“

”مشروروں کا۔ آزاد کر دیکھ لو۔“

”ابھی اپنے وکیل کو بلاؤ یا اس کے پاس جاؤ اور تمام کاروبار صوفیہ کے نام لگ دو۔“

”میاں صاحب! اسے کسی انسان سے اس کا سب کچھ چھین لینا انسانیت نہیں ہے۔ تم غیر انسانی آزمائش کے ذریعے مجھ سے انسان ہونے کا ثبوت مانگ رہے ہو۔“

”میں ثبوت انسان سے نہیں سودیوں کے دلال سے مانگ رہا ہوں۔“

صوفیہ نے کہا ”بڑے میاں! تم جب تک اپنی دولت اور جائیداد میرے نام کر کے یہ ثابت نہیں کر گئے کہ اب سودیوں کے دال نہیں رہے۔ تب تک میں تمہیں ڈیڑی نہیں کھوں گی۔“

”اچھا اچھا۔ ٹھیک ہے، مجھے سوچنے کا وقت دو۔“

وہ وہاں سے جانے لگا۔ دونوں مار کمانے والے بھی باہر چلے گئے تھے۔ پارس اور صوفیہ نے پوچھ میں آکر دیکھا۔ وہ تینوں ٹوٹے ہوئے کے بعد گاڑی میں بیٹھ کر جا رہے تھے۔ چوہدری حاکم علی بھی ان کے ساتھ گاڑی میں بیٹھ کر بولا ”مجھے اپنے پاس سے ملاؤ۔ میں کھال ہوا نہیں چاہتا۔ مجھے دشمنوں سے بچاؤ۔“

وہ چلا گیا پارس نے کہا ”تمہارا باپ نہیں سدھرتے گا۔“

وہ گردن میں بائیں ڈال کر بولی ”تم کیا پڑھو۔ اس ذریعہ سے ہن کا ذہن بھروسہ لیا۔ میری جان بھائی۔ آج میری عزت بچانے کے لئے تم زبردست غنڈوں سے ٹکرائے۔ کیا یہ ثبوت نہیں ہے کہ تم مکمل دل اور جان سے چاہتے ہو؟“

اُردو ادب کا نیا سُرُخ

آپ کے جانے پہچانے شہر ادیب اثر نعمانی کے قلم سے

مختصر ہی مختصر

طنز و مزاح سے لابلاب ایک ٹھیکہ دہانی ناولوں کے دلچسپ سلسلے کی چار کتابیں

گھر کی مہر عی

قیمت ۲۰ روپے ۰ ڈاک خرچ ۱۰ روپے

حکیمی ٹکسی

قیمت ۲۰ روپے ۰ ڈاک خرچ ۱۰ روپے

بے وقوف

قیمت ۲۰ روپے ۰ ڈاک خرچ ۱۰ روپے

آپ کے سر پر

قیمت ۲۰ روپے ۰ ڈاک خرچ ۱۰ روپے

آپ کے سر پر

دوست ہیں ایک ساتھ مٹانے پر ایک حسرت قح

پیر کا بیات جی کی شیرازہ کی کہانی

"یہ ثبوت نہیں ہے کیونکہ فرائض ادا کرنے والے باڈی گارڈز بھی ایسا کرتے ہیں۔"

"مگر تمہاری طرح جان پر نہیں کھلتے میں تو تم پر حق من اور دھن سے خدا ہو گئی ہوں۔ مجھ سے شادی کرو گے؟"

پارس نے اپنی گردن سے اس کی ہانپوں کو الگ کیا پھر کوٹھی کے اندر جاتے ہوئے بولا "میں خاندان بدوش ہوں۔ فراد صاحب کے حکم سے ملک اور ضرر دلتا ہوں۔ آج یہاں ہوں، کل پانچ نہیں کہاں پہنچوں گا۔ جس کا کہنا نہ ہو وہ مگر کیا بھائے گا۔"

"میں پاپا سے کہوں گی، وہ تمہیں میرے نام کر دیں گے۔ انہیں ہزاروں ماتحت مل سکتے ہیں۔ مجھے تمہارے جیسا جیون ساتھی نہیں ملے گا۔"

"اپنے پاپا سے کبھی میری فرائض نہ کرنا۔ کیونکہ میں خود ان کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ وہ ہم جہیں ہیں جان دے۔ تم ان سے ان کی جان نہ لکنا۔"

"میں تم مجھے نہیں چاہتے ہو؟"

"تمہیں کون کافر نہیں چاہے گا۔ تم حسین ہو، جوان ہو اور ایک ذہین لڑکا ہو۔ تم پر تو لوگ مرے ہوں گے لیکن میں زندہ رہتا چاہتا ہوں۔"

وہ ایک صوفیہ پر بیٹھ گئی۔ ناراض ہو کر دوسری طرف منہ پھیر لیا۔ اسی وقت عثمان نے پارس کے پاس آکر گورڈز کو ادا کئے پھر کہا "تمہاری پھوپھی اور کاروان کو فراد دیکھ روانہ کر دیا ہے۔ تم سناؤ گلیا میری ضرورت ہے؟"

پارس نے مختصر طور پر بتایا کہ یہاں یوگا کے ماہرین کی ٹیم پہنچی ہوئی ہے۔ وہ پھوپھی، کاروان اور صوفیہ کو انوارا کے لپاکو بھجور کرنا چاہتے تھے۔ اب پھوپھی اور کاروان کی طرف سے اطمینان ہو گیا تھا، صوفیہ کے لئے اندیشہ نہ رہے۔

عثمان نے پوچھا "گلیا صوفیہ کو بھی کسی پناہ گاہ میں پہنچایا جائے؟"

"پاپا چاہتے ہیں یہ اپنی لیبارٹری میں بہترین دوا میں تیار کرے اور اپنا کاروبار خود سنبھالے۔ لیکن یہودی اپنی دواؤں کا فارمولا صوفیہ کو استعمال نہیں کرنے دیں گے۔ وہ جانتے ہیں انہیں پاکستان سے ایک پیسے کا بھی منافع حاصل نہیں ہو کرے گا۔"

"گلیا یہودیوں سے مقابلہ جاری رہے گا۔"

"جی ہاں۔ آپ ذرا چوہدری حاکم علی کے پاس جائیں۔ وہ یوگا ٹیم کے کسی پاس سے ملے گا۔"

مسلمان چاہا۔ پارس نے صوفیہ کو دیکھ کر پوچھا "تم نے منہ کیوں پھیر لیا ہے؟"

"میرے منہ پھیرنے سے تمہارا کیا بائے گا۔"

"منہ اوھر سے گاتو مجھے نظر نہیں آئے گا۔"

"مجھے دیکھ کر کیا کہو گے۔ میں تمہارے قابل نہیں ہوں۔"

"صوفیہ! میری شرافت کو سمجھو۔ میں تمہیں محبت کا فریب

دے کر کچھ روز کی عیاشی نہیں چاہتا۔ فراد صاحب نے مجھے تمہاری جان کا نہیں عزت کا بھی محافظ بنایا ہے۔"

وہ سمجھ نہ ہوئی۔ منہ پھیرے بیٹھی رہی۔ پارس نے کہا "جو کا پیسا آیا تھا۔ سوچا تھا یہاں کچھ کھانے کو ملے گا۔ کوئی نہیں" میں کسی بول میں جا کر۔"

وہ فوراً اٹھ کر بولی "اوہ خدا! میں بہت خود غرض ہوں۔ دل کی باتیں کرتی رہی اور تمہیں ایک مجلس پانی کے لئے پوچھا۔ سو سو ری طارق! مجھے بھی جھوٹا لگ رہی ہے۔ میں کرم کر کے لاتی ہوں۔"

وہ تیزی سے چلتی ہوئی کچن میں آئی۔ فریج سے کھانا چیزیں نکال کر کرم کرنے لگی۔ وہ ایک خشک مزاج لیدی ڈانکر پارس کے آنے سے روٹاں کی ہوا پھلنے لگی تھی۔ نگاہوں میں رنجش تھی۔ اب اس دنیا میں صرف دو باتیں نہیں رہیں۔

پارس نے اسے سوتے سے جگا دیا تھا۔ جگا دینے کے بعد سے انکار کر رہا تھا۔ ایک پہلو سے صوفیہ کو اپنی توہین کا دور دورے پہلو سے اس کی شرافت اور نیک نیتی کی بوری تھی۔ اور یہ شرافت اسے پارس کا اور دیوانہ بنادی اسے خوشی بھی تھی اور غصہ بھی آ رہا تھا۔ عورت بھی عجیب ہے۔ عزت پر ہاتھ ڈال تو فراد کرتی ہے۔ ہاتھ کھینچ لو تو کھینچ

○●○

میں نے پشاور کی زمین پر قدم رکھا۔ گویا جانا بولوں کا تاریخ کے صفحات پر آگیا یہاں دنیا کی بے شمار جگہوں میں آگیا۔ چٹانوں کی جانا بولوں کے آگے دم نہ مار سکیں۔ آریا "ارانی ہن، ترک، منگول، منغل اور آخر میں فرنگی۔ ان تمام قوموں پر پورے ہندوستان پر اپنی تہذیب کا اثر ڈالا۔ لیکن پشاور اندازہ نہ ہو سکے۔ یہ اب بھی اپنا لباس پہنتے ہیں۔ اپنی کپڑے پرکتے ہیں۔ اپنے رسم و رواج پر قائم رہتے ہیں۔ دوسرے تہذیب نہیں اپناتے۔ دوسروں کو اپنی تہذیب کا سراپہ دینے محبت ملے تو گلے لگتے ہیں۔ نفرت ملے تو تاریخ کو ادا ہے" انہو سکندر اعظم سے لے کر فرنگیوں تک کے قدم اپنی زمین سے دھبے۔ میں جس شہر میں جاتا ہوں، منہ سے اور آواز دہ ہوتیوں کرتا ہوں لیکن لاہور میں ایک رات میں نے انہیں۔ ایک ایسی سرائے میں گزار دی تھی جہاں ایک منجی کے مرا روئے لے جاتے تھے۔ پشاور میں بھی میں نے ایک سرائے قائم کیا۔ ایسی جگہ رہنے سے اپنے وطن کے لوگوں کو قریہ دیکھنے اور سمجھنے کے مواقع ملتے ہیں۔

میں نے ایک منجی پر آرام سے لیٹ کر آئی جی سے را کہا "میں پشاور میں آ گیا ہوں۔ آپ یہاں کے جیلر سے فون کریں۔ اگر بات نہ کرنا چاہیں تو رات گھر کے نمبر کے دروازے

بہن! جی نے ریسورٹا گھر نمبر ڈائل کرتے ہوئے کہا "میں سمجھ گیا ہوں۔ جیلر کی آواز سناتا چاہتے ہیں۔"

"میری طرف فون کی کھنٹی بجنے کی۔ کسی نے ریسورٹا گھر کا نمبر دیا۔ جیلر پشاور۔ میں مقدس خان ولد مقدس خان جیلر ہوں۔"

میں مقدس خان جیلر کے داغ میں پہنچ گیا۔ آئی جی نے پوچھا۔ "خارجہ کے ساتھ ولایت کیوں تباہ ہو؟"

وہ بولا "نہ تو ایسا ہوا۔ اس کا نام بھی مقدس خان ہے۔" ریف کی سزا کاٹنے آیا ہے۔ اس کا نام بھی مقدس خان ہے۔ آئی جی نے کہا "واقعی ٹریڈنگ ہے۔ جیلر بھی مقدس اور قاتل بھی مقدس۔ لوگ آپ کو قاتل سمجھ کر فون کرتے ہوں گے۔"

"جی ہاں۔ اس قاتل کی بیچ بہت اوپر تک ہے۔ کوئی نہ کوئی باتری اسے فون پر بلاتا ہے۔ اسی لئے میں ولایت کے ساتھ اپنا ہوتا ہوں تاکہ میں جیلری سمجھا جاؤں۔ یہ کتنی توہین کی بات ہے۔ قاتل بدعاش کا نام مقدس خان ہے۔ بائی وے! آپ کون

ہیں؟"

"میرا نام بھی مقدس خان ہے۔"

"یہ کتنی ہی آئی جی نے ریسورٹا رکھ دیا۔ جیلر نے دو چار بار جیلر کا نمبر پھر ریسورٹا رکھ کر پڑھ دیا "میرے والدین نے میرا بہترین نام لکھا ہے۔ اگر اسے رجسٹر کر دیتے تو پھر کوئی یہ نام نہ رکھ سکتا۔"

پارسی بائیں ایک میں ہی مقدس رہتا۔"

میں خاموشی سے اس کے خیالات پڑھ رہا تھا۔ پتا چلا کہ حمزہ ان کی رہائی کا ابازت نامہ آیا ہے۔ کل صبح نو بجے اسے رہا کر دیا گیا۔"

وہ کاشف اور بیون ایم ایم جیسے جدید ترین ہتھیاروں کا منکر تھا۔ ناگم ہم اور ریکوٹ کنٹرولر سے ملاست ہونے والے دن کا ملازمت تھا، قاتل کر چکا تھا۔ اس پر کئی مقدمات تھے۔ لیکن یہی اثر دماغ اور ایسے رعب و دہرے والا شخص تھا کہ اس کے لاف فوس ثبوت ہونے کے باوجود کسی بھی مقدمے کا فیصلہ نہیں دیا جاتا۔

اس کے متعلق مشور تھا کہ جو پولیس افسر اسے گرفتار کرنا نہ دے وہ دونوں میں مارا جاتا تھا۔ جو بھی جج اس کے خلاف فیصلہ سناتا تھا اس کے بیوی بچوں میں سے کسی کو انوارا کر لیا جاتا۔ کوئی سرکاری دیکھ اس کے خلاف بولنے کے لئے عدالت میں نہیں آتا۔ غدا اسی لئے کسی مقدمے کا فیصلہ نہیں ہوتا تھا۔ اس کے خلاف جتنے فوس ثبوت ہوتے تھے انہیں بیڑی راز داری سے ضائع کر دیا جاتا تھا۔

اس کے متعلق مشور تھا کہ جو پولیس افسر اسے گرفتار کرنا نہ دے وہ دونوں میں مارا جاتا تھا۔ جو بھی جج اس کے خلاف فیصلہ سناتا تھا اس کے بیوی بچوں میں سے کسی کو انوارا کر لیا جاتا۔ کوئی سرکاری دیکھ اس کے خلاف بولنے کے لئے عدالت میں نہیں آتا۔ غدا اسی لئے کسی مقدمے کا فیصلہ نہیں ہوتا تھا۔ اس کے خلاف جتنے فوس ثبوت ہوتے تھے انہیں بیڑی راز داری سے ضائع کر دیا جاتا تھا۔

میں نے ایک منجی پر آرام سے لیٹ کر آئی جی سے را کہا "میں پشاور میں آ گیا ہوں۔ آپ یہاں کے جیلر سے فون کریں۔ اگر بات نہ کرنا چاہیں تو رات گھر کے نمبر کے دروازے

والوں کے لئے بند رکھتا تھا۔ اس کی ایسی ہی ملا جلیوں کو دیکھ کر یہودی اس کی پشت پناہ کر رہے تھے۔ ایک جیلے پولیس افسر شاہ خان نے اس خطرناک قاتل اور اسلحہ کو گرفتار کر کے آجی ملاخوں کے پیچھے پہنچا دیا تھا۔ حمزہ خان بننا ہوا اور یہ کتا ہوا جیل میں آیا تھا "شاہ خان ابھی تم جوان ہو، تمہیں دیکھ کر پتا چلا کہ جیلر یا دیکھا۔ لہذا تمہارا دل رکھنے کے لئے یہاں آگیا ہوں۔ جب چاہوں گا یہاں سے چلا جاؤں گا۔"

شاہ خان نے کہا "تمہارے خلاف ایسے فوس ثبوت حاصل کر چکا ہوں کہ اب ان ملاخوں کے پیچھے سے پھانسی کے پھندے تک ہی پہنچو گے۔"

حمزہ خان یوں بھی دنیادی بنگاموں سے دور رہنے اور تنہائی میں آرام کرنے کے لئے کبھی بھی جیل میں آتا تھا۔ وہاں اس کے پیش آرام کی تمام چیزیں میا کی جاتی تھیں۔ اس کے احکامات کے مطابق اس کے حواری قاتل کے باہر واردات کرتے تھے۔ قتل و غارت گری کی واردات کا الزام اس پر عائد نہیں ہوا تھا۔ کیونکہ قانون کی آنکھیں ایسے وقت اسے جیل کی چار دیواری میں دیکھتی تھیں۔ ڈی ایس ای شاہ خان نے اس کے خلاف تمام ثبوت اپنے اعلیٰ افسر کو دے دیے تھے تاکہ باقاعدہ قانونی کارروائی کی جا سکے۔ اعلیٰ افسر نے کہا "شاہ خان، تم نے اسے گرفتار تو کر لیا ہے لیکن پچھلے دو افسروں کا انجام معلوم ہے؟ انہوں نے حمزہ خان کو جیل پہنچایا اور خود دوسری دنیا میں پہنچ گئے۔"

"میں جانتا ہوں" میرا بھی یہی انجام ہو سکتا ہے۔ لیکن رابہم میں سے کسی کو تو تیسری سے موت کا جتنی قول کرنا چاہئے۔ اگر میں نے بھی... دیکھا تو پولیس ڈیپارٹمنٹ کی ضرورت کیا رہے گی؟ کیا صرف اس لئے کہ ہم دویاں بہن کر تنخواہ لیتے رہیں؟"

"بہت جو شیلے ہو۔ اس لئے کہ تمہارے پوی کی نہیں ہے۔ ہمارے ہیں۔ جب کوئی قاتل ہمارے کسی نیچے کی کینٹی پر رہا اور رکھتا ہے تو ہماری دہری اور فرض شای ہوا ہو جاتی ہے۔ ویسے تمہیں حق پہنچتا ہے کہ اپنے حوصلوں کو آزمائے۔ جاؤ اور ضرور آزمائے۔ لیکن میں تمہارے حق میں دعا نہیں کر دوں گا۔ کیونکہ حمزہ خان کے خلاف دوا بھی قبول نہیں ہوتی ہے۔"

شاہ خان کو بعد میں معلوم ہوا کہ حمزہ خان کی جزیں کتنی گہری ہیں اور کتنی دور تک پہنچی ہوئی ہیں۔ اس کے خلاف جتنے ثبوت فراہم کئے گئے تھے وہ تمام ثبوت اس کیس کی فائل کے ساتھ چوری ہو گئے تھے "میرا جی کی بات تھی کہ پولیس ڈیپارٹمنٹ کے ایک دفتر سے چوری ہوئے تھے۔"

شاہ خان نے اپنے اعلیٰ افسر سے پوچھا "کیا قاتل اسے تسلیم کرتی ہے؟"

"تسلیم کرنا چاہئے۔ پولیس والوں کے گھروں میں بھی چوریاں ہوتی ہیں۔"

”سراولوں میں چور نہ ہو تو کھروں میں چوری نہیں ہوتی۔“

”شاہ خاں! تم کچھ زیادہ بول رہے ہو۔ جاڑیہاں سے۔“

وہ اپنے سینٹر کو سلیوٹ کر کے چلا آیا۔ یہ بات اسے تکلیف پہنچا رہی تھی کہ اعلیٰ افسر کشمیری سے ایمان ہو۔ اسے سلیوٹ کرنا پڑتا ہے اور ان کی بے ایمانیوں کے باعث ایک ایسا تدارک فرما کر مجرموں کے سامنے سرحد کا پڑتا ہے۔ شاہ خاں کو مزہ خان کا رولینز آؤر لے کر جیل کے پاس جانا پڑا۔ مزہ خان نے مسکرا کر کہا ”تم نے جن باتوں سے مجھے گرفتار کیا تھا انہی باتوں سے میری رہائی کا پروانہ لے کر آئے ہو۔ ابھی تجھیں عقل آئی ہے یا نہیں؟“

وہ بولا ”شیطان طاقتور ضرور ہوتا ہے لیکن کبھی بھی انسان سے اپنا ضرور ہے۔ جن خفیہ ذرائع سے تم کو کامیابیاں حاصل کرتے ہو پہلے میں ان ذرائع کو ناپو کھوں گا پھر تم سے سمجھوں گا۔“

وہ نئے عزام کے ساتھ وہاں سے چلا گیا۔ مزہ خان نے جیل سے کہا ”یہ جوان افسر بدعت والا ہے۔ مگر عقل والا نہیں ہے اور اس کے تئیں بتاتے ہیں اسے عقل سمجھی نہیں آئے گی۔ خبر جانے دو رہائی کی بات کرو۔“

”خان خاں! تم تو جیل کے قواعد جانتے ہو۔ قیدیوں کو صبح نو بجے رہا کیا جاتا ہے۔“

”گوئی بات نہیں۔ ہم کو جلدی نہیں ہے۔ میرا آدمی لوگ کو فون کرو۔ صبح گاڑی لے کر آئے گا۔“

اس کی رہائی کے لئے ایک رات رہ گئی تھی۔ ایسے ہی وقت میں جیلر کے خیالات چھ کر مطبوعات حاصل کر رہا تھا۔ جیلر نے مزہ خان کے ایک دست راست سے فون کے ذریعے رابطہ کیا۔ اسے بتایا کہ مزہ خان رہا کیا جا رہا ہے۔ وہ صبح گاڑی لے آئے۔

یہ مجھے معلوم ہو چکا تھا کہ اس کے تمام حواری اور دست راست کو گا کے ماہر ہیں۔ اس لئے میں نے اس دست راست کے داغ کو نہیں چھوڑا۔ جیلر کے خیالات سے معلوم ہوا کہ مزہ خان کا جوان بیٹا میردراز خان رگین مزاج ہے۔ گرمیں کا موسم لندن میں جیس اور جینڈا وغیرہ میں گزارا ہے۔ ”جن کل پاکستان میں ہے۔ باب چاہتا تھا کہ بیٹا اس کی طرح پوگا میں سمارت حاصل کر لے لیکن اسے شراب اور خباب کا چمکا کر گیا تھا۔ جو کچھ چار بیٹیوں پر ایک ہی بیٹا تھا۔ اس لئے بیٹے پر سختیں نہیں کرتا تھا۔ اسے اتنی بات سے زیادہ چاہتا تھا۔ کسی حد تک اس کے لاؤ پیارے ہی اسے گمراہ کیا تھا۔“

جیلر نے میری مرضی کے مطابق فون پر میردراز خان سے رابطہ کیا اور کہا ”تمہارے لئے خوشخبری ہے۔ تمہارا بابا جانی کل صبح رہا ہوا ہے گا۔“

وہ بولا ”ٹھیک ہے۔ میں کل صبح گاڑی لے آؤں گا۔“

”نہیں چھوٹے خان! تم نہ آنا۔ خان خاں نے تمہیں اطلاع دینے کو نہیں کہا تھا۔“

”میں جانتا ہوں۔ بابا جانی مجھے جیل کے دروازے سے دور

رکھنا چاہتے ہیں۔ ٹھیک ہے، میں نہیں آؤں گا۔“

میں اس جوان میردراز خان کے داغ میں پہنچ گیا۔ وہ نامی ایک گاؤں میں اپنی والدہ اور بہنوں سے ملاقات کر رہا تھا۔ اسی شام بخار آنا چاہتا تھا۔ ماں نے اسے روک لیا تھا پھر بتایا کہ بابا جانی سے ملنے جا رہا تھا۔ وہ صبح رہا ہو رہے ہیں۔ وہ اپنی آبائی حویلی سے نکل کر کار کے ذریعے بخار کی روانہ ہو گیا۔ میں نے ماں سے کہنے کے خیالات چھ کر معلوم کیا کہ مزہ خان کچھ زیادہ محتاط ہو گیا ہے۔ مگر کیا جیل کا کام کھانا ہے۔ یہ اندیشہ ہے کہ کوئی کھانا پینے کی چیزیں ضرور ملانے والا مل سکتا ہے۔ اسے داغی اور جسمانی طور پر کمزور ہے اس لئے اس کا پرکھا جا رہا ہے۔ اسے خود پرکھا کر اس کے کھانا یا کرنا تھا۔

گویا وہ میری وجہ سے اندیشوں میں گمراہ ہوا تھا۔ بہت محتاط رہ کر مجھ سے ٹکرانے پر آمادہ ہوا تھا۔ ایک بات وہ بھی کہ میں راہ چلتے کسی بھی شخص کے داغ پر قبضہ نہ کرنا۔ اسے مار سکتا ہوں۔ اسے زخمی کر کے اس کے داغ میں جبکہ بائیں سکہ میں ابھی یہ طریقہ آزمایا نہیں چاہتا تھا۔ ہو سکتا تھا کہ اسے اس پہلو سے بھی اپنے بچاؤ کا انتظام کیا ہو۔ پھر یہ کہ فورا چھینڑا مناسب نہیں تھا۔ میں اُسے اندیشوں، دواؤں اور اپنی بدگمانیوں میں مبتلا رکھنا چاہتا تھا۔ انہوں سے بدگمانی اس لئے میں اس کے انہوں کے دماغوں پر قبضہ نہ کر سکتا تھا۔ مزہ خان تھا۔ میردراز خان رات کے آٹھ بجے بخار پر پہنچا۔ مزہ خان دست راست نے اس سے کہا ”جھوٹے خان! تم کو ادھر رہنا تھا۔ بابا جانی غصہ کرے گا۔“

”کیوں غصہ کرے گا؟ کیا میں بیٹا نہیں ہوں۔ کیا میرا دل سے ملنے کے لئے تڑپا نہیں ہے۔ تم لوگ گھومت کرو۔ جانی کو سمجھاؤں گا۔“

اس رات وہ اپنی کوٹھی میں ایک معشوق کو بلانا چاہتا تھا۔ اسے اسے متوجہ نہیں دیا۔ اسے جلدی ملنا دیا۔ پھر اس پر بخار کیا۔ اس کے داغ میں یہ نقش کیا کہ وہ شراب نہیں پئے۔ نشہ نہیں کرے گا۔ پرانی سوچ کی لہروں کو محسوس کرتے ہی روک لیا کرے گا۔ صرف سونیا کی آواز اور لہجے کو اپنے محسوس نہیں کرے گا۔

پھر یہ حکم دیا کہ وہ اپنے داغ میں کوڑا غمزدہ دونوں ذرا زور تھری سنتے ہی خود کو بھول جائے گا۔ خود فراموشی کے جو حرکتیں کرے گا وہ حرکتیں اسے ہوشمندی کے وقت ہی کریں گی۔ وہ دوبارہ کوڑا غمزدہ دونوں ذرا زور تھری سن ہوش و حواس میں آئے گا۔ خود کو پہچانے گا لیکن خود فراموش ہو جائے گا۔

اس کے بعد میں ڈی ایس بی شاہ خاں کے داغ میں میری آواز سنتے ہی چونک کر غلاموں میں نکلے گا۔ سوچنے لگا

”وہ میرے اندر سے آ رہی ہے؟“

”ہاں! میں فریڈی تھورنٹس ہاں رہا ہوں۔“

وہ خوش ہو کر بولا ”کیا واقعی؟ میں اتنا خوش نصیب ہوں کہ پھر سے پاس آئے ہیں؟“

”میں تمہاری ایمانداری اور فرض شناسی کا انعام بن کر آیا ہوں۔ میں مزہ خان کے سامنے تمہارا سر جھکائے نہیں دوں گا۔“

وہ ایک کھانسی کا صلہ دیتے دیتے مگر ضرور دیتا ہے۔ میں نے پوچھا ”کیا تم چاہتے ہو اس جرم کو رہائی نہ ملے؟“

”جے جے ایک میں قانون کی سرحدیں چاہتا ہوں۔“

”شاہ خاں! تمہارے ملک کا قانون کون کی گواہی دے گا۔“

”میں تمہارے تم فواد کو نہیں کٹ سکتا۔ اس کے خلاف ثبوت فراہم کرنا میرے لئے مشکل ہے اور تمہارے بڑے وہ ثبوت ضائع کرتے ہیں۔“

”مجھے بھی کیا کرنا چاہئے؟“

”مجھ سے کوئی کٹنے کے لئے لوہا نہ چاہئے۔ شیطان کو مارنے کے لئے شیطان ہی چلنا چاہئے۔“

”آپ مجھے ایسا مشورہ دیں کہ میں قانون کے مطابق عمل کرتے ہوئے کامیابی حاصل کروں۔“

”بے شک بھی کامیابی حاصل نہیں ہوگی۔ تم محنت کرتے رہو۔ تمہارے بڑے اس محنت کو مٹی میں ملا دے رہے ہیں۔ ذرا مٹی سے سوچو۔ تمہارے اعلیٰ افسران غیر قانونی حرکتیں کر کے زمین کو کھنڈ دیتے ہیں۔ یعنی وہ دودی پتھر کو جرم کرتے ہیں۔ اگر یہی قانون سے ذرا ہٹ کر ایسی چال چلو کہ مجرموں کی کامیابیاں یوں میں بدل جائیں۔ مزہ خان کو رہائی کا حکم ملنے کے بعد بھی سے رہائی نہ ملے تو یہ تمہاری اور قانون کی جیت ہوگی۔“

”بات سمجھ میں آ رہی ہے۔ آپ مجھے گائیڈ کریں۔“

”اب سے پہلے یہ سمجھ لو کہ یہودیوں کے ٹیلی بیسی جاننے لے تمہارے داغ میں ابھر کر غیر قانونی حرکتیں کرنے پر مجبور رہتے ہیں۔ اگر تم پرانی سوچ کی لہروں کو محسوس کرتے ہی سانس روک لو گے تو وہ جھین اپنے اشد دل پر نہیں نکال سکیں گے۔“

”میں دشمنوں کی سوچ کی لہروں کو کیسے محسوس کر سکتا ہوں؟“

”تم آرام سے بہتر پریکٹ چاہو۔ اور مجھے خودی عمل کرنے داناں ملے۔ تمہارا داغ حساس ہو جائے گا۔ تمہارے جیسا محنت مند جوان آسانی سے ایک منٹ تک سانس روک سکتا ہے۔“

”وہ راستہ ہو گیا۔ بہتر آرام سے لیٹ کر اس نے جسم کو ڈھیلا کر دیا۔ وہ دن کو میری طرف مائل کر دیا۔ میں نے بڑی آسانی سے اسے اپنے معمول کر کے اس کے داغ کو محسوس کیا کہ وہ آئندہ پرانی سوچ کی لہروں کو محسوس کرے گا اور سانس روک لیا کرے گا۔ صرف دنیا کی آواز اور لہجے کو محسوس نہیں کرے گا۔ اور یہ بھی حکم دیا کہ قانون کی بالا دستی کے لئے بھی قانون سے ہٹ کر بھی عمل کرے گا۔“

یہ عمل کرنے کے بعد میں بھی اپنے داغ کو دوبارہ دے کر سو گیا۔ اس سرائے میں میرا لگ کر انہیں تھا۔ وہاں ہر کمرے میں چار یا چھ مسافر رہا کرتے تھے۔ میں محتاط رہ کر دوسروں سے الگ تنگ زندگی گزارتا تھا لیکن اس سرائے میں ’میں ایک معمولی سا‘ عام سا مسافر تھا۔ وہاں میرا دل چوری ہو سکتا تھا مگر جان کا خلعہ نہیں تھا۔

صبح پانچ بجے میری آنکھ کھلی گئی۔ میں سونیا کا لہجہ اختیار کر کے میردراز خان کے پاس آیا۔ اسے نیند سے بیدار کیا پھر اس کے اندر کوڑا نمبروا گئے۔ انہیں سننے ہی وہ داغی طور پر غائب ہو گیا۔ خود کو بھول گیا۔ بہتر سے اٹھ کر اسٹور روم میں آیا۔ وہاں کچھ ہتھیار اور مختلف قسم کے بم رکھے ہوئے تھے۔ اس نے وہ دودھ اور ریموٹ کنٹرول کو اٹھایا پھر کوٹھی کے باہر گیا۔ پورے دو گھنٹوں کھڑی تھیں۔ ایک شیراز اور دوسری ہنڈا ایکڑا دھکی۔ ان دویں سے کوئی ایک گاڑی مزہ خان کے لئے جانے والی تھی۔

میردراز خان نے اسے پاس نظر سے دوڑا نہیں۔ اتنی صبح کوئی نظر نہیں آ رہا تھا۔ اس نے باری باری دونوں گاڑیوں کے نیچے جا کر ایک ایک بم کو وہاں باندھ دیا۔ پھر ہر نکل کر کوٹھی کے اندر گیا۔ ریموٹ کنٹرول کو اس لباس کی جیب میں رکھا جسے وہ پہن کر جانے والا تھا۔ پھر میں نے اسے ایک کرسی پر بٹھا کر کوڑا نمبروا دیا۔ وہ فورا داغی طور پر حاضر ہو گیا۔ ٹھوڑی دیر پہلے اس نے جو بھگہ کیا تھا وہ اسے یاد نہیں رہا تھا۔

میں نے غسل وغیرہ کے بعد لباس تبدیل کیا۔ پھر بھائی پراٹھے اور انڈوں کے آلیٹ کا ناشپاٹا۔ اس کے بعد جانے کی کمریوراز خان کے پاس پہنچ گیا۔ وہ بھی ناشپاٹے وغیرہ سے فارغ ہو رہا تھا۔ میں نے کوڑا نمبر کے ذریعے اسے قائل کیا۔ اس نے میری مرضی کے مطابق ریسپورٹ افکار جیلر کے نمبروا کل کیے۔ رابطہ قائم ہونے پر بھائی ہوئی آواز میں بولا ”میں مزہ خان کا دست ہے، اس سے بات کرنا مل سکتا ہے۔“

دوسری طرف سے کہا گیا ”بولو آن پلیز۔“

بیٹا باپ کے انتظار میں ریسپورٹ کان سے لگا پئے بیٹھا رہا۔ اسے خبر نہیں تھی کہ وہ باپ سے باتیں کسے والا ہے اور اپنی آواز اور لہجہ بدل چکا ہے۔ ٹھوڑی دیر بعد مزہ خان کی آواز سنائی دی ”ہیلو“ میں مزہ خان ہوں۔ تم کون ہے؟“

”میں بھی تمہارا مافیہ قہمیادوں کا اسمگلر ہے۔ تمہارا جیل میں رہنے سے میرا مال کا ڈھانڈا بڑھ جاتا ہے۔ میرے کو بہت منافع ہوتا ہے۔ میں تم سے عرض کرتا ہوں، تم ادھر چل میں رہو باہر میرے کو دھندا کر لے دو۔“

مزہ خان نے گواہی سے پوچھا ”خبر کا کچھ! تم کون ہے؟“

”میں تمہارا بچہ ہے۔ خود کو خبری مت بولو۔ ہم کو اپنا بچہ سمجھ کے دھندا کر لے دو۔ نہیں کہنے دے گا تو تمہارا زندگی کا خلاص ہو جائے گا۔“

حزہ خان نے ریسور کو غصے سے کریٹل پر فٹ کیا۔ جیلر نے پوچھا "کیا بات ہے خان خاں؟"

"مذہب معلوم کون بڑول کا بچہ ہے۔ فون کا اوپر دھکی دیتا ہے" ہم باہر جا کر دیکھئے گا اس کا شامت آیا ہے۔"

جیلر کے پاس سے پھر میردراز خان کے پاس آیا۔ وہ ریسور رکھ کر فون کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ مجھے اس کے ڈیرے گاڑی اشارت ہونے کی آواز سنائی دی۔ اس نے کڑکی کے پاس ہٹ کر دیکھا۔ حزہ خان کا دست راست کار کی اسٹیرنگ سیٹ پر تھا۔ پیچھے دو گمنام بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ اپنے مالک کا استقبال کرنے کیلئے کی طرف جا رہے تھے۔

اس وقت آٹھ بجنے والے تھے۔ میں نے میردراز خان کے اندر اس کی اپنی سوچ کے ڈیرے لے کر "جیل میاں سے پندرہ منٹ کے فاصلے پر ہے۔ میں ٹھیک ساڑھے آٹھ بجے میاں سے نکلوں گا۔ بابا جانی کے آدمیوں کی نظروں سے چھپ کر جیل سے دور رہوں گا۔ مجھے اس بات کا خاص خیال رکھنا ہے کہ وہاں کسی کو میری موجودگی کا علم نہ ہو۔"

میں اسے ضروری باتیں سمجھا کر دماغی طور پر حاضر ہو گیا۔ سرائے کی چارپائی پر بیٹھ کر زیادہ دیر خیال خوانی کے باعث میں دوسرے مسافروں کی توجہ کا مرکز بن جاؤں۔ لوگ مجھے حیرانی سے دیکھتے اور سوچتے کہ میں بے حس و حرکت ایک سی جگہ جم کر کیوں بیٹھا ہوں؟

ایک رات سرائے میں گزارنے کے بعد دانشمندی یہی ہوتی کہ کسی ہوٹل میں قیام کروں تاکہ بند کرے کے اندر کوئی مجھے مزاحمت نہ دے دیکھ سکے۔ میں نے چھوٹی سی اپنی میں اپنا سامان رکھا۔ پھر سرائے کے مالک سے مصافحہ کر کے ایک چھوٹے سے رہائشی ہوٹل میں گیا۔ کمرے کے دروازے کو اندر سے بند کر کے گھنٹی دیکھی ساڑھے آٹھ ہو چکے تھے۔

پہلے میردراز خان کو دیکھا۔ وہ کار ڈرائیو کرتا ہوا کوٹھی کے احاطے سے نکل رہا تھا۔ اس کے خیالات نے بتایا کہ وہ بڑی راز داری سے جیل کی طرف جا رہا ہے۔ وہاں اپنے لوگوں کی نظروں سے چھپنے کی حتی الامکان کوشش کرے گا۔

میں نے شاہ خان کو مخاطب کیا پھر کہا "فون پر حزہ خان سے بات کرو۔ اسے بتاؤ کہ جیل کے باہر اس کی زندگی ختم ہو جائے گی۔ اسے سلاخوں کے پیچھے رہنا چاہئے۔"

وہ ریسور اٹھا کر فہرذاً نکل کر تھے ہوئے بولا "معاملہ کیا ہے؟"

"میں قحویہ دیر بعد بتاؤں گا۔"

رابطہ قائم ہو گیا۔ جیلر کی آواز سنائی دی۔ شاہ خان نے اپنا نام بتا کر کہا "میں حزہ خان سے بات کرنا چاہتا ہوں۔"

چند لمحات کے بعد حزہ خان کی آواز سنائی دی۔ وہ پوچھ رہا تھا۔ "جیلر آفسر بولو کیا بات ہے؟"

"خان خاں! ابھی ایک منٹ پہلے کسی انجینی نے مجھے فون کیا۔"

وہ بولا تھا جیل کے باہر حزہ خان کے لئے موت ہے۔ وہ حیات کا ہے تو باقی زندگی جیل کے اندر رہے۔"

وہ بولا "میں سمجھ گیا۔ اس خبر کا بچے نے میرے کو بھی ڈر کے اوپر دھکی دیا تھا۔ تم فکر مت کرو آفسر! تم میرا مخالف ہو میرے کو خطرے سے آگاہ کیا۔ میں تم سے بہت خوش ہے۔ پھر کو خدا مت کا موقع دو۔ میں تمہارا بہت کام آئے گا۔"

"خان خاں! میں رشوت نہیں لیتا۔ یہ تم اچھی طرح سمجھ گئے ہو۔ میں نے تمہیں اس لئے خطرے سے آگاہ کیا ہے کہ تم رہو اور میرے ہاتھوں عدالت میں پہنچ کر سزائے موت پاؤ۔"

اس نے زوردار قہقہہ لگایا پھر کہا "شاہباش آفسر شاہباش! بہت دیر ہے ارادے کا پکا ہے۔ میں تم سے بہت خوش ہے۔ باہر آئے گا تو تم سے ملاقات کرے گا۔"

اس نے ریسور رکھ دیا۔ شاہ خان نے پوچھا "فردا صبح واقعی اس کی جان کو ختم ہے؟ مجھے اس کی حفاظت کے لئے چاہئے؟"

"یہی کوئی بات نہیں ہے۔ تم اور حزہ جاؤ۔ میرا وعدہ محفوظ رہے گا۔ میں ابھی تمہارے پاس آؤں گا۔"

میں نے جیل کے پاس آکر دیکھا۔ نو بجے تھے۔ چنبر پر مجھے تھے۔ حزہ خان رخصت ہونے کے لئے جیل سے مصافحہ کر رہے تھے۔ وہ کہہ رہا تھا "خان خاں! ہم آپ کے خادم ہیں۔ رہ کر کے لئے جیل کے بیرونی گیٹ تک جاؤں گے۔"

وہ تمام سرکاری ملازم حزہ خان کے آس پاس چلے ہوئے کی طرف جانے لگے۔ میں میردراز خان کے پاس آیا۔ اور اپنی ہارنیل سے بہت دور کڑکی کی تھی۔ وہاں سے پیدل آئے اس کے باپ کے لئے آئی ہوئی ہنڈا ایکڑوٹ سے زوردار ہونے لگی۔ جیسے ہی گیٹ کا چھوٹا دروازہ کھلا، میں نے دروازہ ایکشن پر مجبور کیا۔ اس نے نہ موت کنٹرول کا رخ ہنڈا ایک طرف کیا پھر ایک ٹپک کو دبا دیا۔ اس کے ساتھ ہی ایک زور دھماکا ہوا۔ حزہ خان گیٹ کے چھوٹے دروازے سے ہٹ کر آتا چاہتا تھا، دھماکا ہوتے ہی الٹ کر پیچھے دوبارہ جیل کے آگے گرا۔

اس کا دست راست اور ایک گمنام میں گیٹ کے پاس بھی چھلانگیں لگا کر جیل کے احاطے میں چلے آئے۔ دوسرا اپنے مالک کے لئے کار کا دروازہ کھولنے کے لئے وہیں موجود اب بے وجود ہو کر رہ گیا تھا۔ کار کے ساتھ اس کے بھی چڑھ گئے تھے۔

میں نے دروازہ خان کو اس کی کوٹھی کی طرف روانہ کیا۔ اس کے پاس آیا۔ اس کی سوچ تاریکی تھی کہ حزہ خان بہت ختم ہے "موت سے نہیں ڈرتا۔ خطرات سے کھیلنے کا مادی ہے۔ وقت حواس باختہ ہو گیا تھا۔ کیونکہ ایسا چاہک ہوا تھا۔ وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ کوئی دشمن اپنی دہری دکھائے

میرحزہ خان جیسے خطرناک شخص کی چھ لاکھ کی گاڑی کو تباہ کر دے گا۔ جیلر نے ہینٹ پوچھتے ہوئے کہا "خان خاں! خدا کا شکر ادا کرو۔ سچہ کرو، اگر چند سیکنڈ پہلے باہر جاتے اور اس گاڑی میں بیٹھ جیتا ہوتا؟"

دست راست نے کہا "آپ کے ایک باڈی گارڈ کے نزدیک ہو گئے ہیں۔"

میرحزہ خان غلام میں تک رہا تھا۔ اس کی دماغی حالت کسی تھی یہ میں معلوم نہیں کر سکتا تھا۔ لیکن چہرے کا پینہ بتا رہا تھا کہ وہ ریٹان ہو گیا ہے۔ وہ فرش پر سے اٹھ کر اپنے لباس کو بھڑانا ہوا جیلر کے دفتر کی طرف جانے لگا۔ جیلر نے ایک سپاہی سے کہا۔ "دوڑ کے جاؤ خان خاں کے لئے ٹھنڈی بوتل لے آؤ۔"

"نہیں....." حزہ خان نے دہانے ہوئے کہا "ٹھنڈا بوتل میں بھی ساش ہو سکتا ہے۔ اور میرا پاس سے یہ بھیجنا پڑے۔ ابھی میرے کو سمجھ دو کون دوست ہے کون دشمن ہے؟"

پھر اس نے اپنے دست راست سے کہا "اے شیراز! جاؤ جلدی جاؤ۔ کشمر صاحب کو، آئی جی صاحب کو بولو۔ اور میرے ساتھ میں کیا ہوتا ہے۔ اپنا حواری لوگ کو دشمن کا پیچھے دو ڈاؤ۔ جو میرا دشمن کو چکڑے گا، میں اس کو پاکستان کا کرٹھی میں قتل دے گا۔"

شیراز ریسور اٹھا کر کشمر کے فہرذاً نکل کر کے لگا۔ میں دروازہ خان کے پاس آیا۔ وہ اپنی کوٹھی میں دایاں آگیا تھا۔ میں نے اس کے ڈیرے فون پر آئی جی سے رابطہ کیا۔ اس کی آواز سننے۔ پھر ریسور رکھ دیا۔ آئی جی کے خیالات بدھنے لگا۔ قحویہ دیر بعد ہی فون کی گھنٹی سنائی دی۔ آئی جی نے ریسور اٹھا دیا۔ دوسری طرف سے کشمر نے کہا "سینٹرل جیل کے سامنے میرحزہ خان کی کار کو بم سے اڑا دیا گیا ہے۔ آپ وہاں فوراً پہنچیں۔ میں بھی آ رہا ہوں۔"

"میں ابھی میاں سے نکل رہا ہوں۔"

وہ ریسور رکھ کر بیڑا لے لگا "کیا مشکل ہے۔ حزہ خان ہمارے ملک کا بدترین مجرم ہے۔ لیکن اسے دی آئی جی ٹرٹمنٹ دینا چاہئے ہے۔ اگر مجھے معلوم ہو تاکہ یہودیوں سے رشوت لینے کے بعد ان کا غلام بن جاؤں گا اور سلامتی کی یہ دودی بہن کر بدترین مجرموں کا خدمت گار بن جاؤں گا۔ تو میں بھی رشوت قبول نہ کرتا۔"

میں نے اس کی سوچ میں پوچھا "کیا میں اس غلامی سے آزاد نہیں ہو سکتا؟"

"نہیں ہو سکتا۔ میری بیٹی لندن میں اور بیٹا شکاگو میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ ان کے اخراجات ایک ایسا یہودی سرمایہ دار برداشت کر رہا ہے جسے میں نہیں جانتا۔ اگر میں فرض شناسی دکھائوں گا تو وہاں میری بیٹی اور بیٹے سلامت نہیں رہیں گے۔ مجھے دیکھنا ہی پڑے گا کہ جب تک میں ان کا وقار دہوں گا میرے دل میں کتنے دایاں عیش و آرام سے محفوظ رہیں گے۔ ورنہ ان کی لاشیں میاں پہنچیں گی۔"

جاگوسی ڈائجسٹ کا دلچسپ ترین سلسلہ

انسان کی ترقی و تہذیب کے حیات افروز واقعات صدیقوں سے زندہ ایک پراسرار شخص کی آپ بیتی، ہوا جس کی دوست تھی، مہمند رجس کے لیے آغوشِ مادر تھا، آگ اس کے بدن کو تودیتی تھی۔

وہ کہانی جس نے اپنے وقت میں مقبولیت کے ریکارڈ توڑ دیے

پانچ حصوں میں مکمل

قیمت فی حصہ ۲۵ روپے • ڈاک خرچ فی حصہ ۱۰ روپے

ایک ایسی کہانی جس نے اپنے وقت میں مقبولیت کے ریکارڈ توڑ دیے

رشت خوری نے اسے بری طرح پھانسی لیا تھا۔ اسے دلدل سے نکالنے میں بڑا وقت لگنے والا تھا۔ فی الحال حمزہ خان سے منشا تھا۔ میں کھنڈر کے پاس آیا۔ وہ ایک گاڑی کی بچھلی سیٹ پر بیٹھا ہوا جیل کی طرف جا رہا تھا۔ اگلی سیٹوں پر سپاہی ڈرائیور اور باڈی گاؤز بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے کھنڈر کے ذریعے ڈرائیور کی آواز سنی پھر آئی جی کے پاس گیا۔ وہ بھی اپنی گاڑی کی بچھلی سیٹ پر بیٹھ کر جا رہا تھا۔ میں نے اس کے ذریعے بھی اس کے ڈرائیور کی آواز سنی۔

کھنڈر اور آئی جی اپنی اپنی گاڑیوں میں آگے پیچھے سینٹیل جیل کے گیٹ کے پاس بیٹھے گاڑیوں کو گیٹ سے ڈرا دھکڑا لیا پھر حمزہ خان کی تباہ شدہ گاڑی کو دیکھا۔ کھنڈر نے کہا ”خان خان کا کوئی زبردست دشمن پیدا ہو گیا ہے۔ ہمیں اس کی حفاظت کا مکمل انتظام کرنا ہو گا۔“

آئی جی نے کہا ”میں خان خان کو اپنی نگرانی میں یہاں سے لے جاؤں گا۔ وہ جہاں جانا چاہے گا اسے سخت فالت پھیناؤں گا۔“ وہ دونوں اپنے سپاہیوں کے ساتھ سیٹ کے چھوٹے دواڑے سے گزر کر محل کے احاطے میں چلے گئے۔ میں۔۔ ایک ڈرائیور کے داغ پر بیٹھ بھاگ گاڑی کی پٹرول کی تنگی کی پاس لے گیا۔ اس نے جیب سے چاقو نکال کر اسے کھولا پھر اس کی نوک سے تنگی میں ننھا سا سوراخ کر دیا۔

اس کے بعد ڈرائیور کو دوسری گاڑی کے پاس لے گیا۔ اس گاڑی کا ڈرائیور بان سگریٹ کی دکان کے پاس کھڑا سگریٹ سلگانے کے لئے دوا سلائی خرید رہا تھا۔ ڈرائیور نے دوسری گاڑی کی تنگی میں بھی سوراخ کر دیا۔

اب دونوں گاڑیوں کی تنگیوں سے پٹرول چلی سی دھار کی صورت میں برہ رہا تھا۔ گاڑیوں کے نیچے سے ہوتا ہوا دھار جا رہا تھا۔ جیلر کے دفتر میں کھنڈر، آئی جی اور میر حمزہ خان کریبوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔ ذی ایس بی شاہ خان ان کے سامنے کھڑا ہوا کہ رہا تھا ”میں نے خان خانان کے خلاف نفوس ثبوت حاصل کئے تھے۔ سوچا تھا ایک خطرناک مجرم کو سزا سے موت ملے گی یا عمر قید۔“

کھنڈر نے شاہ خان سے کہا ”ایسی کو اس کہنے کا یہ کون سا وقت ہے۔ خان خانان کو یہاں سے بوجھانٹ لے جانے کی بات کرو۔ تمہارے آئی جی صاحب خان خانان کو اپنی نگرانی میں لے جائیں گے۔ تم بھی ان کے ساتھ۔“

شاہ خان نے کہا ”سر! میں خان خانان کو یہاں سے نہیں لے جاؤں گا۔“

وہ غصے سے اٹھ کر بولا ”تم میرے حکم سے انکار کر دو گے؟“

”تو سر! میں جو چیز افسر ہوں۔ جائز اور ناجائز ہر حکم کی تعمیل کرتا ہوں لیکن اس اوپر والے کا حکم ہے کہ خان خانان تمام عمر جیل میں رہے۔ ورنہ باہر عمر تمام ہو جائے گی۔“

حمزہ خان نے اپنی جگہ سے اٹھ کر کہا ”میر حمزہ خان دشمن کے دھماکے سے نہیں ڈرے گا۔ میں اندر تھا! باہر اس کا دوا چل

گیا۔ اس کے بعد اور کوئی دوا چھ پر نہیں چلے گا۔“

میں نے وہاں سے اگر ایک ڈرائیور کے داغ پر قبضہ بنایا۔ اس کے ہاتھوں سے اچھی کی تیلی جلا کر سڑک پر پتے ہوئے پٹرول پر پھینک دی۔ کیا بائیں آگ بھڑکی۔ پھر وہ آگ پٹرول کی دھار پر بجھتی اور بڑھتی ہوئی ایک گاڑی تک پہنچی۔ ایک دور در دھماکا ہوا۔ گاڑی کے جلتے ہوئے ٹکڑے دوسری گاڑی کے پتے ہوئے پٹرول پر آئے پھر دوسری گاڑی کے دھماکے سے قیامت مچادی۔

میں جیل کے اندر شاہ خان کے پاس آیا۔ وہاں بھی دھماکوں کی آواز سننے لگی۔ لپٹل مچادی تھی۔ وہ سب دفتروں سے نکل کر گیٹ کی سمت دیکھ رہے تھے۔ گیٹ کے اوپر جیل کی اوپری دیواروں کے اس پار آسمان سے باتیں کرتے ہوئے شعلہ دکھائی دے رہے تھے۔ گیٹ کا سپاہی دوڑتا ہوا آیا تھا اور ہاپتا ہوا کہ رہا تھا ”سر! ایک نہیں دونوں گاڑیوں میں دھماکے ہوئے ہیں۔ کھنڈر صاحب اور آئی جی صاحب کی گاڑیاں تباہ ہو گئی ہیں۔“

سب کے منہ حیرانی اور پریشانی سے کھلے رہ گئے۔ شاہ خان نے کہا ”خان خانان! دیکھو اور! دیکھو۔ موت تمہیں بار بار وارننگ دے رہی ہے۔ عدالت سے ملنے والے رہائی کے پروانے کے باوجود تم رہا نہیں ہو پاؤ گے۔ آگے تم سمجھو دار ہو۔“

میر حمزہ خان دیوار پر ٹکھنسا مارتے ہوئے بولا ”کیا ہوا ہے۔ آپ جیسے اعلیٰ افسروں کی گاڑیوں میں دھماکے ہو رہے ہیں۔ وہ دشمن نکلے ہوئے دل گردے والا ہے جو میرے جیسے خطرناک مجرم سے ٹکرا رہا ہے۔ پولیس کے اتنے بڑے بڑے افسروں کو چیلنج کر رہا ہے۔ کون ہے وہ؟ کون ہے وہ؟“

وہ دیوار پر ٹکھنسا مارتا رہا۔ آخر کتا جا رہا تھا۔ کون ہے وہ؟ کون ہے وہ؟“

کھنڈر، آئی جی اور ذی ایس بی شاہ خان نے اسے پکڑ لیا۔ کھنڈر نے مارتے مارتے اس کا ہاتھ لہلہا ہوا تھا۔ وہ اپنے لوگو آکھین پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہا تھا اور سوچ رہا تھا۔ پھر کیا گی خود کی تیوں سے چھڑاتے ہوئے بولا ”پکڑ لیا۔ دشمن کو پکڑ لیا۔“

کھنڈر نے پوچھا ”کیا یہ سچ ہے؟“

”میں سمجھ گیا کھنڈر صاحب! آپ انکوائری کرے گا تو معلوم کرنا ہو گا۔ میرا گاڑی میں کس نے بم رکھا؟ آپ کا گاڑی میں اور آئی جی صاحب کا گاڑی میں آگ کیسا لگ گیا؟ جب یہ تمام سوالات کا جواب نہیں ملے گا تو پھر ایک ہی جواب ہو گا۔ اور وہ جواب ہو گا فریاد علی تیور۔ فریاد۔ فریاد۔ اتنا بڑا زور وادوات فریاد کر سکتا ہے کوئی دوسرے کا مجال نہیں ہے۔“

آئی جی نے پوچھا ”تمہارا دھیان فریاد کی طرف کیوں گیا ہے؟ کیا اسے تم سے کوئی دشمنی ہے؟“

”آئی جی صاحب! فریاد کو تم سے بھی دشمنی ہے۔ ہم جس بارہ کا ایجنٹ ہے آپ بھی اُس کا دوا دار ہے۔ کھنڈر صاحب بھی اس کی حضوری کرتا ہے۔ فریاد ہمارا تمہارا اعمال نامہ پڑھنے کا واسطہ

اورہ آیا ہے۔ ابھی وہ پاور سے ملاقات کرو۔ اس کو فون کر کے بولو ہمارا تمہارا جان غدا میں ہے۔ اس کو بولو! ادھر آؤ! ہمارا مدد فرماؤ۔“

وہ مکمل کر بیرونی نہیں کہ رہا تھا۔ بیرونیوں کو باور کہ رہا تھا۔ میں نے ایک سٹاپائی کی زبان سے کہا ”میں فریاد علی تیور بول رہا ہوں۔“

سب نے چونک کر اُس سپاہی کو دیکھا، میں نے کہا ”یہ بیچارہ سپاہی فریاد نہیں ہے۔ میں اس کے داغ پر قبضہ جتا کر اس کی زبان سے بول رہا ہوں۔“

میں نے سپاہی کی گمن سے حمزہ خان کا نشانہ لیتے ہوئے پوچھا۔ ”موت تم سے کتنی دور ہے؟ میں چاہتا تو جیل کے کسی سپاہی کے ذریعے تم پر حملہ چلاؤں۔ تمہیں زخمی کرتا پھر تمہارے داغ پر حکومت کرنا۔ تمہاری بو کاگی مہارت دھری کی دھری رہ جاتی۔“

حمزہ خان پریشان ہو کر گن کی تال کو اپنی طرف دیکھ رہا تھا۔ وہ موت سے خوف زدہ نہیں تھا۔ پریشانی یہ تھی کہ زخمی ہو گا تو فریاد کا غلام بن جائے گا۔

میں نے کہا ”میں تمہیں زخمی نہیں کروں گا۔ تمہیں اپنا معمول اور آواز کار نہیں بناناؤں گا۔ تمہیں یہ دکھاناں کہ یو گاگی مہارت کے باوجود تم میری جوتیاں میں ہو۔ تم جیل سے باہر قدم نہیں رکھ سکو گے۔ میں تمہیں چوبیس گھنٹوں کی سہلت دیتا ہوں۔ اپنے بیرونی آقاؤں کی جتنی مدد حاصل کر سکتے ہو کرو۔ ان دوا علی افسروں کو بھی اتنی ہی سہلت دے رہا ہوں۔ کل صبح نو بجے تک تم تینوں کو اگر تمہیں ہو جائے کہ بیرونی آقا تمہارے کام نہیں آسکیں گے تو حمزہ خان تم کھنڈر اور آئی جی کے سامنے تحریری بیان دو گے۔ اپنے تمام چھوٹے بڑے جرائم کا اعتراف تحریری طور پر کر دو گے۔ کھنڈر اور آئی جی تمہارا تحریری بیان لے کر عدالت میں جائیں گے۔ جج صاحب کے سامنے وہ بھی بیرونیوں کے دلال ہونے کا تحریری طور۔ اعتراف کریں گے اور یہ سب کارروائیاں ذی ایس بی شاہ خان کی نگرانی میں ہوں گی۔“

وہ سب گم گم ہو کر میری باتیں سن رہے تھے۔ میں نے کہا۔ ”کل نو بجے میرے انکامات کی تعمیل نہ ہوئی تو میں سب سے پہلے حمزہ خان کو زخمی کر کے اس کے داغ پر قبضہ بنائوں گا۔ پھر تم تینوں کو پٹاڑے سے دوڑاتے ہوئے اسلام آباد لے جاؤں گا۔ وہاں قانون مارا دارے کی چوکت پر تم تینوں سمراتے مارتے مرناؤ گے۔ قانون شکن افسروں اور دلالوں کو قانون کی دہلیز پر ہی تماشا بن کر رکنا چاہیے تاکہ دوسرے ہجرت حاصل کریں۔ میں جا رہا ہوں، کل نکالوئے آؤں گا۔“

میں سپاہی کے داغ کو آزاد چھوڑ کر شاہ خان کے داغ میں آگیا۔ وہ بہت خوش ہوا تھا اور مطمئن تھا کہ ٹیڑھے راستے سے کسی قانون کی بالادستی بحال ہو رہی ہے۔ ورنہ کی عزت بھی بڑا زور نہ پگے۔ جتنیں وہ انتھک محنت کے باوجود بے نقاب نہیں

کر سکا تھا۔ وہ کل صبح بڑی آسانی سے بے نقاب ہو کر اپنی سزا کو پہنچنے والے تھے۔

شاہ خان نے آئی جی سے پوچھا ”سر! کیا میں جا سکتا ہوں؟“

کھنڈر نے کہا ”ہم پر مصیبت آئی ہوئی ہے اور تم چھٹی ٹانگ رہے ہو۔ مسٹر فریاد نے تمہیں ہماری نگرانی کے لئے مقرر کیا ہے۔ اس کا مطلب ہے مسٹر فریاد سے تمہارا رابطہ رہتا ہے۔“

”سر! آپ میری بات نہ کریں اپنی فکر کریں۔“

”فکر سے میری آجھی جان جا رہی ہے۔ کیا آج شام کو تم کسی وقت فریاد صاحب سے رابطہ کر سکتے ہو؟“

”اگر وہ میرے داغ میں آئیں گے تو میں آپ کا پیغام پہنچا دوں گا۔“

کھنڈر نے آئی جی اور حمزہ خان سے کہا ”میں کچھ ضروری باتیں کرنا چاہتا ہوں۔ آئیے ہم کس کے کمرے میں بیٹھیں گے۔“

جیلر نے ان کے لئے دفتر کے ساتھ والا کمرہ کھل دیا۔ ان تینوں نے اندر آکر دروازے کو بند کر لیا پھر کھنڈر نے آئی جی اور حمزہ خان سے کہا ”یہاں آرام سے بیٹھ کر صرف ایک سوال کا جواب سوچو کہ کل صبح نو بجے ہمارا انجام کیا ہو گا؟ سوسائٹی میں اور سرکاری شیعوں میں ہماری عزت ہے۔ کل وہ ہمیں ننگ کر کے عوام کے سامنے دوڑائے گا اور اقبال جرم کرائے گا تو ہم اور ہمارے بچے کسی کو کھنڈر دیکھانے کے قابل نہیں رہیں گے۔“

حمزہ خان نے کہا ”بے شک پریشانی کی بات ہے۔ میرا خلاف جتنا ثبوت تھا اسے آپ نے غلام کر دیا۔ اس کے باوجود کل وہ میرے کو زخمی کرے گا۔ میرے داغ میں گھسے گا اور میرے سے اقبال جرم کرے گا۔ یہ ٹیلی جنتی بہت جھجھال والا شیطانی حکم ہے۔ یہ تو میں اچھی طرح سمجھ گیا۔ فریاد ہم کو نہیں چھوڑے گا۔ ہم سب کو ذلیل کرے گا۔“

آئی جی نے کہا ”تم ذلیل ہو گے تو قیامت نہیں آئے گی۔ تم تو پہلے بھی بدنام قاتل اور مجرم تھے۔ عزت تو ہم عزت داروں کی جائے گی۔ جب میں پہلی بار بیرونیوں سے سوئے بازی کر رہا تھا تب میری بیوی نے سمجھا تھا، آپ تو ہوا کا نہیں، تم کھڑا کما نہیں گے۔ اپنے بچوں کو کھانا میں غلام لاؤں گے۔ امیں لندن اور شکاگو بھیجتا ضروری نہیں ہے۔ لیکن اُن دنوں میں اونچا ڈرا رہا تھا۔ میری بیوی مجھے داناں اور احمق نظر آ رہی تھی۔ جب مجھے تمہارے جیسے مجرموں کے سامنے جگہ کرنا پڑی تب میری برتری اور خود داری کو ٹھیس پہنچی۔ جب میں نے تمہارے خلاف ملنے والے تمام ثبوت کو منظر کشی کرنے سے انکار کیا تو دھکی دھکی گئی کہ میری بیوی لندن سے اور بیٹا شکاگو سے زندہ واپس نہیں آئیں گے۔ تب میرے ضمیر نے لامنت کی۔ میں نے جھوٹی نمائش اور جھوٹی شان و شوکت کے لئے اپنے بچوں کو بیرونیوں کے پاس گروی رکھ دیا ہے۔“

کھنڈر نے کہا ”جو ہو گیا۔ سو ہو گیا۔ جو ہونے والا ہے اُس کی

بات کریں۔ "مزہ خان نے کہا "ایک بات تو کا ہے۔ فراد ہم سب سے اقبال جرم کرائے گا۔ میں تو نہیں کرے گا کیا آپ کرے گا؟"

"میں کوئی اپنی خوشی سے اپنے جرائم قبول نہیں کرتا ہے۔ اس لئے وہ جہز ایسا کرانے گا۔ کیا یہودی آقا ہمیں تحفظ دیں گے؟"

"کیوں نہیں دے گا۔ ضرور دے گا۔ ہم اور آپ پاکستان میں یہودی برادر کا واسطے بہت اہم ہے۔ میرا دست راست ٹرانسپیر سے مشکو کرے گیا ہے۔ اسی وجہ سے آگے تیارے گا۔ آپ حوصلہ کرؤ ہم سب کو فراد کا ٹیلی پیجی سے تحفظ ملے گا۔ ضرور ملے گا۔"

میں بھی آئی جی اور بھی کشتہ کے چور خیالات پڑھ رہا تھا۔ کشتہ کو مزہ خان کی طرح یہودیوں پر مجبور ہوا تھا۔ لیکن آئی جی دل سے بچتا رہا تھا۔ اس نے کھڑی دیکھتے ہوئے کہا "دیکھ کر چندہ منٹ ہو چکے ہیں، میں منصف سردار علی خان کی عدالت میں جا رہا ہوں۔ ان کے سامنے اقبال جرم کروں گا۔"

وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ کشتہ نے اٹھ کر کہا "یہ آپ کیا کر رہے ہیں۔ اس کا انجام جانتے ہیں؟ کیا آپ اپنی جی اور بیٹے کی زندگی داؤ پر لگا رہے ہیں؟"

"میں نے یہودیوں کی پابندیاں قبول کرتے وقت یہ نہیں سوچا کہ میں ایک مسلمان کے ضمیر کو کچھ رہا ہوں اور پاکستان کے وقار کو نہیں بچتا رہا ہوں۔ کیا بیٹی اور بیٹا ہمارے مذہب اور ہمارے وطن سے زیادہ اہم ہیں؟ میں میں بیٹی اور بیٹے کی قربانیاں دے کر کفارہ ادا کروں گا۔ میرے اقبال جرم سے اور اولاد کی قربانیوں سے دوسرے پولیس والے فخرت حاصل کریں گے تو ہمارے ڈیپارٹمنٹ کے لئے یہ میرا بہترین عمل ہوگا۔" وہ کمرے کا دروازہ کھول کر باہر چلا گیا۔

مزہ خان نے کہا "بزدل کا بچہ۔ فراد کا خوف سے اقبال جرم کرتا ہے۔"

کشتہ نے پوچھا "کیا ہم فراد سے محفوظ رہیں گے؟"

"ضرور اسرائیل بہت چھوٹا ملک ہے۔ دنیا کا نقشے میں ناخن کے برابر ہے۔ مگر وہ امریکا جیسا سپر پاور کو کھاتا ہے۔ ہم دونوں اسرائیلیوں کا ایجنٹ ہے۔ جب امریکا کاچتا ہے تو کل نو بجے سے پہلے فراد بھی ناچے گا۔"

میں کشتہ کے داغ سے نکل آیا۔ انہیں اپنا اپنا مقدر آزمائے کے لئے چوس چوس گھنٹوں کی ملت دے چکا تھا۔ اس لئے مجھے مزہ خان کی باتوں پر غصہ نہیں آیا۔ میں آئی جی کے داغ میں آیا۔ وہ ایک ٹیکسی میں بیٹھا عدالت کی طرف جا رہا تھا۔ میں نے اس کی زبان سے کہا "ڈرائیور! راستہ بدل دو۔" ٹیکسٹ منٹ کی طرف چلے۔

ڈرائیور جیسی کروک کروا پس موڑنے لگا۔ آئی جی نے حیرانی سے سوچا "میں نے ارادہ کیوں بدل دیا ہے۔ اپنے کمر کی طرف کیوں

جا رہا ہوں؟"

میں نے کہا "مسٹر عدالت! اللہ! عدالت نہیں جاؤ گے۔"

وہ حیرانی سے بولا "کیا میرے اندر مسٹر فراد بول رہے ہیں؟"

"ہاں، میں ہوں۔ میں نے تمہاری ٹیک نیٹی پڑھ لی ہے۔ تم اپنی غلطیوں پر دل کی گواہی دے رہے ہو۔ اگر تمہیں یہودیوں کے شکبے سے رہائی مل جائے تو تم پولیس ڈیپارٹمنٹ کے فرض شناس افسرین کو قانون کی بلادستی قائم رکھتے ہو۔"

"خدا کا شکر ہے۔ آپ نے اپنے ظلم کے ذریعے میرے اندر کی سچائی کو پڑھ لیا ہے۔"

"تمہاری سچائی کا انجام تمہیں ملے گا۔ میں تمہاری جی اور بیٹے کو زندہ سلامت تمہارے پاس پہنچاؤں گا۔"

"کیا واقعی؟" وہ حیرت اور سترت سے غلامیوں کے ہم "ہاں، مجھے اپنی جی اور بیٹے کے سرپرست یہودیوں کے ہم اور بچے تیار کیا ان کی تصویریں ہیں۔"

"میں ان سرپرستوں کو کیس جانتا ہوں۔ ایک ٹڈل میں ہے۔ ہمارے اور یہودیوں کے درمیان رابطے کا ذریعہ بنتا ہے۔ جس اس کے ذریعے اپنی بات یہودیوں تک پہنچاتا ہوں اور یہودی بھی اپنا پیغام اسی کے ذریعے مجھے تک پہنچاتے ہیں۔"

وہ اپنی کونچھی کے سامنے بچھ گیا۔ ٹیکسی والے کو کرایہ دے کر رخصت کیا پھر اندر جا گئے۔ میں نے کہا "اس ٹڈل میں سے فون پر بات کرو۔"

اس نے کمرے میں آکر فون کا ریسیور اٹھایا پھر نمبر ڈاکی کرنے لگا۔ ٹھوڑی دیر میں رابطہ ہو گیا۔ دوسری طرف سے کمر عورت کی آواز سنائی دی۔ "ہیلو! میں سزارا بن بول رہی ہوں۔"

آئی جی نے کہا "سزارا بن! ایس دن بول رہا ہوں اور ایکس دن دن نوے سے بات کرنا چاہتا ہوں۔"

"پلیز بولہ آن۔"

میں سزارا بن کے داغ میں پہنچ گیا۔ اس کی سوچ نے بتایا کہ اس کے شوہر مارٹن کا کوڈ نمبر ایکس دن دن نوے۔ دونوں ملای یہودی تھے۔ یہاں جیسا بن کر رہتے تھے۔ آئی جی، کشتہ اور مزہ خان جیسے ایجنٹوں کے بیٹا مارٹن کے ذریعے یہودی کے سربراہ تک پہنچاتے تھے اور سربراہ کے احکامات اسی ٹڈل مارٹن کے ذریعے ان تینوں ایجنٹوں کو سنائے جاتے تھے۔ وہ سننے اور ان احکامات کی قبیل پالو کٹوں کی طرح کرتے تھے۔

مارٹن نے ریسیور کان سے لگا کر کہا "ہیلو! ایکس دن دن مجھے مزہ خان کے رائٹ ہینڈ نے بتایا ہے کہ فراد تم لوگوں کو پریشان کر رہا ہے۔"

آئی جی نے کہا "اس نے غلط بتایا ہے۔ مسٹر فراد پریشان نہیں کر رہے ہیں بلکہ ہماری آنکھیں کھول رہے ہیں۔ میں نہیں جا دوسرے مسلمانوں کی غیرت جاگے گی یا نہیں؟ لیکن مجھے یہودی کی غلامی کرتے ہوئے شرم آ رہی ہے۔ اپنے بیٹوں سے کہہ دو

آئی جی ہدایت اللہ آج سے اپنے ملکی قوانین کے خلاف کوئی کام نہیں کرے گا۔ اور قانون توڑنے والوں کو عدالت اور جیل میں پہنچائے گا۔ قانون توڑنے والوں کی فہرست میں تمہارا نام بھی ہے۔"

"متم۔ ہو ش میں تو ہو مسٹر ایکس دن؟"

"اب میں ایکس دن نہیں رہا۔ میں صرف پولیس ڈیپارٹمنٹ کا آئی جی ہوں۔"

"کلیا تم اپنی جی اور بیٹے کو بھول گئے ہو؟"

"میں نے ایمان اور فرض کے سامنے خون کے رشتوں کو بھولا دیا ہے۔ اب تم میری نہیں اپنی فکر کرو۔"

آئی جی نے ریسیور رکھ دیا۔ مارٹن نے ہیلو ہیلو کہہ کر آوازیں دہرائیں پھر ریسیور رکھ کر تیزی سے چلتا ہوا اپنے بیڈ روم میں آیا۔ وہاں دو دربار ایک ہدی سی تصویر لگی ہوئی تھی۔ اس نے تصویر کو ہٹایا اس کے پیچھے ایک بڑا سا ٹرانسپیر رکھا ہوا تھا۔ اس نے اسے اترتے کیا۔ اس کے خیالات بتا رہے تھے کہ یہودی تنظیم کا سربراہ وہی میں رہتا ہے۔

اس نے رابطہ قائم ہونے کے بعد سربراہ سے کہا "سزارا بنو رہی ہے۔ ٹھوڑی دیر پہلے میں سے آپ کو بتایا تھا کہ فراد نے پشاور سینٹرل جیل کے سامنے ہمارے تین اہم ایجنٹوں کی گاڑیاں تباہ کر دی ہیں اور پہنچ گیا ہے کہ مزہ خان رہائی کے حکم نامے کے باوجود جیل سے باہر نہیں نکل سکے گا۔ اب دوسری اطلاع یہ ہے کہ آئی جی ہدایت اللہ نے ہمارا آڈل کاربن کر رہے سے انکار کر دیا ہے۔ وہ کہتا ہے اپنے ملک کے خلاف کام کرنے والوں کو گرفتار کرے گا۔ اس نے مجھے بھی گرفتار کرنے کی دھمکی دی ہے۔ آپ کا بیڑ کریں مجھے کیا کرنا چاہئے؟"

"دوسری طرف سے پوچھا گیا۔" کیا اسے اپنے جوان بچوں کی فکر نہیں ہے؟"

"جی نہیں۔ وہ اپنے فرائض پر بچوں کو قربان کرنے پر آمادہ ہو گیا ہے۔ وہ اپنے بچوں کی وجہ سے ہمارے داؤ میں نہیں رہے گا۔"

"یہ تشویش کی بات ہے۔ تم اپنی رہائش گاہ میں ایسی کوئی چیز نہ رکھو جو تمہارے خلاف ثبوت بن جائے۔ جب وہ ثابت نہیں کرے گا کہ تم یہودی تنظیم کے ٹڈل میں ہو تو پھر گرفتار بھی نہیں کرانے گا۔"

اس نے رابطہ ختم کر دیا۔ سربراہ کے خیالات نے بتایا کہ پاکستان، بنگلہ دیش، سری لنکا اور افغانستان میں سراغ رسانی اور مالی مقاصد حاصل کرنے کے لئے یہودی تنظیم کا ایک دفتر دہلی میں قائم کیا گیا ہے۔ اس تنظیم کے چند بڑے داغ دہلی میں بینہ کر افغانستان، سری لنکا، بنگلہ دیش اور پاکستان کے ذریعہ ایجنٹوں کی راہنمائی کرتے رہتے ہیں۔

سربراہ نے ٹرانسپیر کو آف کر کے ان تین افراد کو دکھا جو

علم ہینارم پر ایک نئی کتاب

ایک ماہر ہینارم نے تحریر کیا ہے

ہینارم کا جدید حقیقت

قیمت ۲۰ روپے۔ ڈاک فرج ۱۰ روپے

اُردو زبان کی سب سے اہم علمی کی تحقیقی تصاویر بھی دی گئی ہیں۔



ہینارم کے بارے میں آج تک کی تمام تحقیقات کا مجموعہ جدید طریقے اور مشقیں کیسے مکمل لاکھ مل اور پورا پروگرام ہینارم کی مشقوں کے لیے مکمل لاکھ مل اور پورا پروگرام ہینارم کے موضوع پر ایک مکمل اور مستند کتاب جس میں مصنف کے ذاتی تجربے بھی شامل ہیں۔

ارڈر کا ڈویجیہ لے سیرا دائرہ اور مشقوں کو سمجھنے کے لیے تحقیقی تصاویر۔

لے کاہتہ

مکمل ہینارم کی حقیقت

قرب ہی صوفیوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ تینوں اس تنظیم کے بہترین داغ تسلیم کئے جاتے تھے۔ ان کی پلاننگ اور مشوروں کے مطابق بھارت کے ہندو ملکوں میں سازشی کارروائیاں کی جاتی تھیں۔ سربراہ نے ان تینوں پلان میگزین سے کہا ”ایک نیا مسئلہ درپیش ہے۔ آئی جی ہدایت اللہ پر حب الوطنی کا جنون سوار ہو گیا ہے۔ وہ آئندہ ہمارا اکل کاربن کر نہیں رہے گا۔ وہ ہمارے ٹل میں مارش کو گرفتار کرنے والا ہے۔ آئندہ وہ اپنے بچوں کی خاطر ہمارے دباؤ میں نہیں رہے گا۔“

ایک پلان میکر نے کہا ”اس کا مطلب یہ ہے کہ اسے فرادی پش پناہی حاصل ہو رہی ہے۔“
دوسرے پلان میکر نے کہا ”اور اس کا مطلب یہ بھی ہے کہ فراد آئی جی کے ذریعے مارش اور مارش کے ذریعے ہمارے درمیان پہنچ گیا ہے۔“

تیسرے پلان میکر نے بٹتے ہوئے کہا ”ہمارے درمیان پہنچنے سے کیا ہوتا ہے۔ ہم تینوں کو گامبر ہیں۔ وہ ہمارے سربراہ رابرٹ کے اندر جا سکتا ہے ہمارے اندر نہیں آسکتا۔“

مجھے یہ سن کر ہوا ہی ہوئی کہ وہ تینوں مجھ سے محفوظ رہیں گے لیکن دوسرے ہی لمحے میں سربراہ رابرٹ کے چور خیالات نے بتایا۔ ”یہ تینوں شراب پیٹے ہیں۔ عیاشی کرتے ہیں۔ بھلا سانس کیا روکیں گے۔ یوے بہت چالاک ہیں۔ ایسا کہہ کر فراد کو اپنے اندر آتے سے روک رہے ہیں۔“

میں نے تینوں کے داغوں میں باری باری جا کر دیکھا۔ واقعی وہ بڑی مکاری سے مجھے اپنے اندر آنے سے روکنے والے تھے۔ میں نے ان میں سے کسی کو بھی غائب نہیں کیا۔ رابرٹ نے کہا ”تم تینوں محفوظ رہو گے لیکن مجھے اس کے آنے کا پتا نہیں چلے گا۔“

ایک نے کہا ”اگر فراد ہمارے سربراہ کے داغ میں ہے تو ہم سے معاملات طے کرے۔ ہم بڑی آسان شرائط پر آئی جی ہدایت اللہ کی جی اور بیٹے کو بخفا پاکستان پہنچا دیں گے۔“

یہ بہت بڑی پیشکش تھی۔ میں آئی جی کے بچوں کی سلامتی چاہتا تھا لیکن اپنی موجودگی ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا۔ انہیں اپنی خوش فہمی میں جلا رکھنا دانش مندی ہوئی کہ میں ان کے داغوں تک نہیں پہنچ رہا ہوں۔

میں آئی جی ہدایت اللہ کے پاس آیا۔ وہ اٹھلی جس کے ڈائریکٹر جنرل سے رابطہ کر کے یہ کہنا چاہتا تھا کہ اسلام آباد میں رہنے والے ایک شخص مارش پر نظر رکھی جائے۔ ان میں بڑی کی عدم موجودگی میں ان کے بیٹے کی تلاش کی جائے۔ وہاں سے اس کے خلاف کچھ ثبوت مل سکتے ہیں کہ وہ یہودیوں کا ایک ٹل میں ہے۔ میں نے آئی جی کو ایسا کرنے سے روک دیا۔ اسے بستر لینے اور پھر سونے پر آمادہ کیا۔ جب اسے نیند آئی تو میں نے اسے اپنا

معمول بنایا۔ اس کے داغ کو حکم دیا کہ وہ اپنی سوچ کی لہروں کو محسوس کرے اور سانس روک لیا کرے۔ صرف سونیا کی آواز اور لیے میں جو سوچ کی لہروں آئیں انہیں محسوس نہ کرے۔

مجھے اس کے داغ کو لاک کرنا ہوا کہ یہودی خیال غرابی کرنے والے اس کے خیالات نہ پھٹ سکیں اور یہ نہ معلوم کہ کس طرح اس میں اس سے دائمی رابطہ رکھتا ہوں۔ جب یہ معلوم نہیں ہو سکا تو قی میں رہنے والے یہودی تنظیم کے سربراہ اور تینوں پلان میکر خوش فہمی میں رہیں گے کہ وہ لوگ میری ٹیلی جیٹی سے محفوظ ہیں۔ میں اسے تو یہی فائدہ مند کرمل میں مارش کے مزید خیالات پڑھنے لگا۔ چنانچہ اسلام آباد میں ایک بہت ہی چالاک اور تجربہ کار یہودی سراغ رساں اسے آہ ڈھکس رہے لیکن وہ سربراہ عبدالرحمان کے نام سے مسلمان بن کر زیر پوشا جاسوس اور ایک بیٹنگ میں رہتا ہے۔ اس کے ساتھ ایک بوڑھی جاسوس اور تین یہودی حسنین ڈوگل کی مسلمان بیٹیاں بن کر رہتی ہیں۔ یعنی ایک بیٹنگ میں ڈوگل سمیت پانچ جاسوس رہتے ہیں۔ اور پاکستانی اٹھلی جس والوں کو ان پر آج تک شبہ نہیں ہوا تھا۔

اے آؤ ڈوگل عرف سربراہ عبدالرحمان کے بیان کے مطابق وہ برسوں سے اپنی بیوی اور تین بیٹیوں کے ساتھ نیوا رگ میں رہتا تھا لیکن اب جوان بیٹیوں کو پاکستان میں بیابنا چاہتا تھا اور مغفل لڑکوں کی تلاش میں وہاں آیا تھا۔

دور دورہ اس کی یہ ذمہ داری تھی کہ وہ پاکستان کے اٹھلی پروگرام کی صحیح رپورٹ حاصل کرے اور اپنی پلانٹ سے ٹھکر رکھنے والے افسران سے دوستی کرے۔ دوستی کرنے کے لئے تیز حسیناؤں کو ذریعہ بناتا رہے اور یہ ظاہر کرتا رہے کہ اس کی لڑکیاں چند افسران سے متاثر ہیں اور کسی دوسری جگہ شادی نہیں کر چاہتی ہیں۔

بھارت اور اسرائیل نے لے کر امریکا تک یہ تشویش بکھائی تھی کہ پاکستان ایٹم بم بنا چکا ہے۔ جب کہ پاکستان کی فزکس سے بار بار یقین دہانی کرائی گئی کہ ہمارے سائنس دان امن سلامتی اور قومی مقاصد کے لئے مصروف رہتے ہیں۔ لیکن پراسن ایٹمی پروگرام دشمنوں کے ہنگامے میں بڑی کی طرح اٹھا۔

تھلا پاکستانی سراغ رساں خوب سمجھتے تھے کہ غیر ملکی جاسوس ہمارے ایسی پلانٹ پر نظر رکھتے ہیں اور ہمارے سائنس دانوں کو مصروفیات کے متعلق صحیح معلومات حاصل کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔ ایسے غیر ملکی جاسوس کبھی بکڑے جاتے ہیں کبھی ایسے آہنی پردوں میں چھپے رہتے ہیں کہ وہاں تک نظر نہیں پاتی ہیں۔ ان آہنی پردوں کے پیچھے دیکھ لیا تھا اور ابھی کچھ دیکھنا باقی تھا۔

ایسے دشمن سیکرٹ ایجنٹوں سے خاموشی اور جذباتی نہ ہوئی تھی کہ پاکستان ایٹم بم بنا چکا ہے۔ جب کہ پاکستان کی فزکس سے بار بار یقین دہانی کرائی گئی کہ ہمارے سائنس دان امن سلامتی اور قومی مقاصد کے لئے مصروف رہتے ہیں۔ لیکن پراسن ایٹمی پروگرام دشمنوں کے ہنگامے میں بڑی کی طرح اٹھا۔ تھلا پاکستانی سراغ رساں خوب سمجھتے تھے کہ غیر ملکی جاسوس ہمارے ایسی پلانٹ پر نظر رکھتے ہیں اور ہمارے سائنس دانوں کو مصروفیات کے متعلق صحیح معلومات حاصل کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔ ایسے غیر ملکی جاسوس کبھی بکڑے جاتے ہیں کبھی ایسے آہنی پردوں میں چھپے رہتے ہیں کہ وہاں تک نظر نہیں پاتی ہیں۔ ان آہنی پردوں کے پیچھے دیکھ لیا تھا اور ابھی کچھ دیکھنا باقی تھا۔

دانش مندی ہوئی۔ اگر میں یہودی تنظیم اور اسرائیلی حکمرانوں کو اس مسئلے میں داغ دیتا یا مکمل کرائی کارروائی کرتا تو میرے ہاتھ ایک یا دو دشمن جاتے یا بوشیار ہو کر میری پہنچ سے دور نکل جاتے۔ پھر کسی دوسرے روپ میں اسلام آباد پہنچ جاتے۔

میں نے ایک اسرائیلی حاکم کو مخاطب کیا۔ اس نے کہا ”فراد صاحب! آپ نے ہمارے دو ٹیلی جیٹی جاتے والوں کو ختم کر دیا۔ اپنی بھانجی کی ہلاکت کا انتقام لے لیا۔ اب کیا چاہتے ہیں؟“

”میں کیا چاہتا ہوں اور آئندہ کیا کرنے والا ہوں؟ یہ بتا کر تم لوگوں کو چکا اور دوشیار کرنا نہیں چاہتا۔ اگر یہ چاہتے ہو کہ میرے انتقامی روپے میں چلک پیدا ہو جائے اور تم لوگوں کو زیادہ نقصان نہ پہنچے تو فی الحال میری دو شرائط تسلیم کرو اور ان پر عمل کرو۔“

”ہو شراٹ کیا ہیں؟“
”ایک تو یہ کہ پاکستان میں تمہارے بٹتے زر خرید ایجنٹ ہیں ان کا ساتھ چھوڑ دو۔ ان کی پشت پناہی نہ کرو۔ ان کی کسی طرح بھی چھپ کر مدد کر کے تو تمہاری دو ٹیلی جیٹی سمجھ سے چھپی نہیں رہیں گی۔ میں حزن خان، کمشنر اور چودھری حاکم علی جیسے ایجنٹوں کو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔“

”مسٹر فراد! یقین کرو۔ پاکستان میں ہمارے جن ایجنٹوں کے نام! رہے۔ تو یقیناً ان میں سے کسی کو نہیں جانتا ہوں۔“
”تم نہیں جانتے ہو لیکن جو حاکم یا گولڈن برین پاکستان کے معاملات میں دھچکی لے رہے ہیں اچھی طرح جانتے ہوں گے۔ تم ان سے رابطہ کرو اور جو کہہ رہا ہوں اس پر فوراً عمل کرو۔“
”تمہاری دوسری شرط کیا ہے؟“

”ہاں اور ایک آئی جی ہدایت اللہ تمہارا زر خرید ایجنٹ تھا۔ اب وہ تمہارا دانا دار نہیں رہا۔ اس کی ایک بیٹی کو لندن میں اور ایک بیٹے کو شکاگو میں پر عمل بنا کر رکھا گیا ہے۔ ان دونوں کو از تائیں دشمنوں کے اندر بخفا پاکستان پہنچا دو۔“

”آپ میرے پاس موجود ہیں۔ میں گولڈن برنز سے رابطہ کرتا ہوں اور انہیں آپ کی شرائط بتاتا ہوں۔“

”میں بہت مصروف ہوں۔ ابھی جا رہا ہوں۔ تین گھنٹے بعد آئی جی کی بیٹی اور بیٹے کے پاس جاؤں گا۔ اگر ان کے ذریعے یہ معلوم ہو گا کہ انہیں واپس بھیجے کے انتظامات نہیں کئے جا رہے ہیں تو چار گھنٹے بعد تمہارا تیسرا ٹیلی جیٹی جاتے والا جہنم میں پہنچ جائے گا۔“

یہ کہہ کر میں خاموش ہو گیا۔ اس نے مجھے آواز دیں۔ جواب نہ ملا تو وہ گولڈن برنز سے رابطہ کر لگا۔ وہ چھ گولڈن برنز ایجنٹوں کو مجھے ہونے سمجھتا تھا۔ ہم اور ہماری خیال خوانی کی لہروں میں ٹھٹھکی تھی۔ لیکن مجھے یقین تھا کہ میرا بیٹا فی جلد ہی ان کی شمول تک پہنچ جائے گا۔

حاکم نے رابطہ قائم کرنے کے بعد گولڈن برنز تک یہاں بیٹام اور دھمکی پہنچائی۔ ایک گولڈن برین نے میڈیا اسکرین کے ذریعے

کہا ”ہمیں یقین کرنا ہو گا کہ وہ چار گھنٹے بعد ہمارے ایک اور ٹیلی جیٹی جاتے والے کو مار ڈالے گا۔ یہ دو ٹیلی جیٹی جاتے والوں کو ہلاک کر کے اس نے ہماری خوش فہمی ختم کر دی ہے۔“

دوسرے گولڈن برین نے کہا ”ہم اپنی کمزوریوں کو ابھی تک سمجھ نہیں پائے کہ فراد کہاں سے سرگ بنائے کہ ہمارے ٹیلی جیٹی جاتے والوں تک پہنچ جاتا ہے۔ جب تک ہمیں ان کی حفاظت اور سلامتی کا پورا یقین نہیں ہو گا تب تک فرادی شرائط پر عمل کرنا ہی پڑے گا۔“

تیسرے گولڈن برین نے کہا ”فی الحال ہم مجبور ہیں۔ آئی جی کی بیٹی اور بیٹے کو پاکستان پہنچا دیں گے۔ حزن خان اور کمشنر سے کہہ دیا جائے کہ ہم ان کی کوئی مدد نہیں کر سکیں گے۔ انہیں اپنے ٹیلی جیٹی جاتے والے عزیز ہیں۔“

میں دائمی طور پر حاضر ہو گیا۔ دھمکے کے کمرے سے نکل کر باہر سرک پر آیا۔ آئی جی تو یہی نیند پوری کر چکا تھا۔ میں سونیا کا لہجہ اختیار کر کے اس کے داغ میں گیا۔ اس سے کہا کہ وہ اپنی بیٹی اور بیٹے کی تصویریں لے کر کار میں باہر آئے۔ اس نے میری ہدایت پر عمل کیا۔ میں نے اس سے چوک یادگار میں ملاقات کی۔ اس سے ملاقات کرنے اور اس کے بچوں کی تصویریں لینے تک میں نے اسے غائب داغ رکھا تاکہ وہ مجھ سے بچان سکے اور اس کے ذریعے کوئی دشمن میرے ہوٹل تک نہ پہنچ سکے۔ وہ مجھے تصویریں دے کر چلا گیا۔ میں نے ہوٹل کے کمرے میں آکر ان تصویروں کو دیکھنے کے لئے کھینچے۔

پہلے تصویریں دیکھیں کہ بعد ان بچوں کے پاس جا کر معلوم کرنا تھا کہ انہیں والدین کے پاس پہنچانے کے انتظامات کئے گئے ہیں یا نہیں؟
میں نے ٹل میں مارش کے داغ میں جا کر اس کی سوچ میں کہا۔ ”مجھے معلوم کرنا چاہئے کہ ڈوگل ایٹمی پروگرام معلوم کرنے کے لئے طے کیا گیا ہے۔“

پاکستانی ایٹم بم کا ہوا ایسا تھا کہ بھارت اور اسرائیل کی نیندیں اڑی ہوئی تھیں۔ وہ کسی بھی قیمت پر یہ ثبوت چاہتے تھے کہ پاکستان ایٹم بم بنا چکا ہے۔ مارش بھی یہ معلوم کرنے کے لئے بے چین تھا۔ اس نے فون پر رابطہ کیا پھر کہا ”ہیلو اے آرا۔“

اے آرا ایک طرح کا کوڑا تھا۔ ڈوگل کے نام کے ابتدائی حروف بھی تھے اور اے آرا سے عبدالرحمان کا نام بھی سمجھا جاتا تھا۔ اس نے پوچھا ”اے آرا کیا ہو رہا ہے؟“
اس نے جواب دیا ”کو ششیں باری ہیں۔“

”صرف باری رہنے سے کامیابی نہیں ہوگی۔ مجھ سے رابطہ کرو۔“

دوسری بار رابطہ کرنے کا مطلب یہ تھا کہ ٹرانسپیر ہٹھوگی جائے پھر ٹرانسپیر ہٹھوگی ہونے لگی۔ مارش نے کہا ”تم جانتے ہو فراد پاکستان میں ہے۔ اگر اسے تم پر شبہ ہو گا تو تمہارے ساتھ

فون پر اطلاع دی گئی ہے کہ وہ پاکستان واپس جانے کے لئے تیار رہے۔ کسی بھی وقت کسی بھی فلاح کا نکتہ اس کے پاس پہنچ جائے گا۔ میں مطمئن ہو کر اپنی جگہ حاضر ہو گیا۔

ابھی کئی معاملات سے نمٹنا تھا۔ میں تھوڑی دیر کے لئے بیستر پر لیٹ گیا۔ کھانے کے بعد آرام کرنے کا موڈ ہو رہا تھا۔ میں نے آنکھیں بند کیں سوئے گا ارادہ نہیں تھا لیکن ذہن تھکا ہوا تھا۔ اس نے آنکھ لگ گئی۔

پاکستان آنے کے بعد چھوٹے چھوٹے بے شمار مسائل کا سامنا ہو رہا تھا۔ یہ چھوٹے چھوٹے مسائل بڑے مسائل کا پیش خیمہ ثابت ہو رہے تھے۔ مثلاً یہ ایک عام سی بات تھی کہ چوہدری حاکم علی حاکم دادوں میں ملاوٹ کرتا تھا۔ لیکن اس کے پیچھے ایک ناقابل برداشت حقیقت تھی کہ یہودی سرمایہ دار پاکستان کی دوا ساز کمپنیوں سے اچھا خاصا سامان چور دروازے سے حاصل کر رہے تھے۔ یہ نظر انداز کرنے والا مسئلہ نہیں تھا کہ مزہ خان جیسے خطرناک مجرم اپنے خلاف ثبوت غائب کر کے ہائی کا پروانہ حاصل کرتے تھے اور قانون کا مذاق اڑاتے تھے۔ تو یہ کرنے اور راہ راست پر واپس آنے والے آئی جی کے جوان بچوں کو یہی دیکھنا کہ ممالک میں پرغمال بنایا جاتا تھا۔

اور سب سے اہم مسئلہ یہ تھا کہ بھارت، اسرائیل اور امریکا ہمارے پراسان ایٹمی پروگرام کو تخریبی پروگرام ثابت کرنے پر تھے ہوئے تھے اور ہمارے ایٹمی پلانٹ کی کوئی کمزوری حاصل کرنے کے لئے انہوں نے بیکٹریائیوں کی ایک نئی اسلام آباد پلانٹ بنائی ہوئی تھی۔ میں ایک ایک طرف سے مت ہوا تھا لیکن یہودی بڑے ذہین ثابت ہو رہے تھے۔ ہر ایک طرف سے مات کھاتے تھے۔ دھوسری طرف سے پھر شہر دینے کی چال چلنے تھے۔

دو گھنٹے بعد میری آنکھ کھلی۔ میں نے ہوش کے لوازم کو چاٹنے لانے کے لئے کہا پھر منہ ہاتھ دھو کر چائے پینے بیٹھ گیا۔ ایسے وقت مسلمان نے اگر کوڑو روڑا اڑا کر اپنے پھر کہا "چوہدری حاکم علی بنے دشمنوں کی بنیاد میں ہے۔ وہ بنے دشمن ہو گا کے باہر ہیں۔ ان کے سربراہ کا نام بلال احمد عرف لے ہے۔ بیلے چوہدری سے کہا ہے کہ فرادیس کے داغ میں نقصان پہنچانے آئے تو اس سے کہہ دے کہ بیلے فرادیس کی سب بیٹی بنی صوفیہ کو اور اس کے عاشق کو نقصان پہنچانے گا۔

میں نے پوچھا "پارس کہاں ہے؟"

مسلمان نے کہا "میں نے پارس کو لے کے متعلق بتایا تھا۔ اس نے کہا ہے وہ اپنا اور صوفیہ کا چوہدری کر رہا ہے۔ گاہ بگی بیل دے گا۔ ایسے میں بیلے کسی کو نقصان پہنچانے کی دھمکی نہیں دے گا۔"

"فیک ہے پارس کو یہی کرنا چاہئے۔ اگر وہ علیہ تبدیل کر چکا ہے تو تم چوہدری کے اندر خاموش رہ کر بڑی سولت سے بیلے اور اس کے خوار یوں کو داغی کر دہریوں میں جھلا کرنے کی کوشش کرتے رہو۔"

مسلمان چلا گیا۔ میں کشتی کے پاس آیا۔ وہ مجر مزہ خان سے ملاقات کرنے چیل میں آیا تھا۔ وہ دونوں جیل کے دفتری کمرے میں تھے۔ مزہ خان بیوروں کو گایاں دے رہا تھا اور کہہ رہا تھا "خیر کاچر لوگ نے میں وقت پر ہمارا ساتھ چھوڑ دیا ہے۔ دوسرے مل میں بولتا ہے، ابھی فریاد کاچرا بھاری ہے۔ ابھی ہمارا کوئی مدد نہیں فرمائے گا۔"

کشتی نے کہا "یہ تمہارا ہوا۔ اب ہمیں تحریری طور پر اپنے جرائم کا اعتراف کرنا ہو گا۔ میری برسوں کی بنائی ہوئی عزت اور ظاہری شرافت خاک میں مل جائے گی۔ مجھے بھی قیدی بن کر اپنی جیل میں آنا پڑے گا۔"

مزہ خان نے کہا "اب ایک ہی راستہ ہے۔ ہم فرادے سے ملنا مانگے گا۔ تو یہ کرنے لگا۔ فتنیں کھا کر اے تین دن لائے گا کہ آخر شرافت اور ایمان داری سے زندگانی پر اصرار کرے گا۔"

"میں بھی یہی سوچ رہا ہوں۔ مگر فرادے سے رابطہ کیسے ہو گا؟" جیلر نے میری مرضی کے مطابق کہا "فرادے سے آج نہیں ہو گا۔ رابطہ ہو جائے گا۔ لیکن سوچ لو۔ وہ داغ میں کس کس معلوم کرنا گا کہ مجبور ہو کر دینی طور پر تو یہ کر رہے ہو یا دل سے راہ راست آ رہے ہو؟"

وہ بولا "مہم دل سے تو یہ کرے گا۔"

"کیا تم اسے داغ میں آئے دو گے؟ اپنے دل کا حال منظر کرنے دو گے؟"

"اس کا کیا ضرورت ہے۔ مرد کا زبان ایک ہوتا ہے۔ فرادے ہمارا زبان پر اعتماد کرے گا۔"

"میں مزہ خان! اس وقت فرادے میری زبان سے بول رہا ہے تم دو گے ہو۔ معافی کسی صورت سے نہیں ملے گی۔ کانڈ اور کم اور اپنے تمام برے اعمال کی تفصیل لکھتے جاؤ۔"

وہ بولا "میرا دل میرا اعتبار کرو۔ میں تمہارا تابعدار بن رہے گا۔ کانڈ کا اوپر میں لکھا کہ میرے کو خوار مت کرو۔"

"مزہ خان! اس کے بعد ایک نقطہ نہ بولنا۔ ورنہ میں جیلر رو اور دے تمہیں زخمی کر کے تمہارے داغ میں آؤں پھر تم جہنم ہو کر لکھتے جاؤ گے۔"

کشتی نے عاجزی سے پوچھا "فرادے صاحب! میرے لئے کیا ہے۔ آپ میرے اندر مگر معلوم کر سکتے ہیں کہ میں پوری چٹائی۔ میں نے بات کاٹ کر کہا نہیں تھوڑی دیر پہلے تمہارے خیالات پڑھ رہا تھا۔ تم یہودیوں سے دھوکا کھانے کے بعد فرادے ہو اور تمہاری توبہ میں ٹھوٹ ہے۔ ابھی میں کمزور ہونا اور یہودی غالب آجائیں تو تم پھر ان کے غلام بن جاؤ گے۔ کانڈ اور غم لو۔ اور اپنے تمام برے اور غیر قانونی اعمال لکھو۔ ایس بی شاہ خان آ رہا ہے۔ وہ تم دونوں کے اعمال نامے لے گا۔ پھر قانونی کارروائی کرے گا۔"

وہ دونوں مجبور ہو کر لکھنے لگے۔ میں نے شاہ خان کے پاس

اس سے کہا "ابھی جیل جاؤ۔ کشتی اور مزہ خان کے جرائم کا اعتراف نہ ان سے لو پھر ان کے خلاف قانونی کارروائی کرو۔"

اس نے ذمے داری سونپ کر میں اپنی جگہ حاضر ہو گیا۔ ہوش کے لوازم کو چاٹنے کا بل دیا پھر اس کے جانے کے بعد دروازے کو اندر سے بند کر لیا۔ واپس کر کر پیٹھ گیا۔ اب اس نے دھوکا دیا۔ اس نے اپنے کارارہ قانون کی نافرمانی کر دی۔

میں نے کشتی کو اندر سے بند کر دیا۔ ہوش کا سینہ کون ہو سکتا ہے؟ یہاں میرا کوئی شناسا نہیں تھا۔ ہوش کا سینہ ہر ایک کو لازم ہو سکتا تھا۔ کرسی سے اٹھ کر دروازے کے پاس پہنچا۔ میرے کھولنے سے پہلے بلا "کون ہے؟"

باہر سے ایک نسوانی آواز سنائی دی "امی مرہان! ہم یہ دروازہ تو کھولتے۔"

میں بولنے والی کے داغ میں پہنچ گیا۔ پتہ چلا وہ بازار حسن سے آئی ہے۔ ملائے کے قنایہ دار نے اسے حکم دیا ہے کہ وہ میرے کمرے میں جائے۔ بعد میں وہ سائپوں کے ساتھ آکر مجھے درکاری کے الزام میں گرفتار کرے گا۔ وہ حکم کی تعمیل کے لئے آئی تھی۔

میں نے اس کے اندر یہ احساس بڑی شدت سے پیدا کیا کہ اس کے پیٹ میں درد ہو رہا ہے۔ وہ میری مرضی کے مطابق دونوں انگوٹوں سے پیٹ پکڑ کر ہائے ہائے کرنے لگی۔ وہاں سے پلٹ کر لوٹنا ہی ہوئی زینے کے پاس آئی۔ زینے کے پچھلے حصے میں کاؤنٹر کے پاس قنایہ دار دو سائپوں کے ساتھ کھڑا ہوا تھا۔ اس نے اوپر دیکھتے ہوئے پوچھا "کیا ہوا؟"

وہ زینے پر سے آہستہ آہستہ اترتی ہوئی اور کراہتی ہوئی بولی۔ "میرے پیٹ میں بہت درد ہے۔ تکلیف برداشت نہیں ہو رہی ہے۔ مجھے اسپتال پہنچاؤ۔ جلدی کوسہ نہیں تو مراؤں گی۔"

قنایہ دار نے ناگواری سے ایک سائپ کو بولا "اسے باہر لے جاؤ کسی رشتہ جیسی میں بخدا۔ یہ خود چل جائے گی۔"

میں قنایہ دار کے داغ میں پیٹھ پڑاؤنگ کو دل ہی دل میں گایاں دے رہا تھا۔ یہ وہی قنایہ دار تھا جو غیر قانونی اسلحہ فروخت کرنے والے افغان مہاجرین کی پشت پناہی کرتا تھا اور ان سے اپنا دھندہ وصول کرتا تھا۔ ہوش کے اندر فائزنگ سے تین افغانی ہلاک ہوئے تھے جو قنایہ دار صرف زخمی ہوا تھا۔ اس زخمی کو اسپتال پہنچا گیا۔ اس نے قنایہ دار کو بیان دیتے ہوئے کہا تھا "فائزنگ کی دھمکے میں نہیں آئی۔ ہمارے سامنے کا داغ چل گیا تھا۔ یہ تھا اس انجی (فرادے) کے پیاس ہزار روپے ہضم کرنا چاہتا تھا۔ اس نے ہمیں راستے سے ہٹا رہا تھا۔"

قنایہ دار کو فائزنگ کے سلسلے میں تفتیش کرنی چاہئے تھی لیکن اس کے داغ میں میرے پیاس ہزار روپے کے نوٹ پھڑپھڑا رہے تھے۔ اس نے فوراً ہی منصوبہ بنایا کہ مجھے کسی الزام میں پھانس کر میں پھینک دوں۔ ہزار روپے وصول کرے گا۔ پھر مجھے چھوڑ دے گا۔ اس کا یہ منصوبہ ناکام ہو گیا تھا۔ وہ غصہ سے بڑبڑا ہوا چلا گیا۔

میں نے باہر آکر دروازے کو اندر سے بند کیا۔ اب وہاں خیال خونی کرنا مناسب نہیں تھا۔ وہ مجر مزہ خان کے لئے آسکتا تھا۔ میں ایک خوب صورت سے پارک میں آیا۔ تھوڑی دیر تک سوچ رہا پھر وہاں سے اٹھ کر مسجد مہابت خان کے ایک کمرے میں آکر بیٹھ گیا۔ یہاں کوئی بد اخلاقت نہیں کر سکتا تھا۔

اے آرزو کھس عرف سردار عبدالرحمان کارزار نہ کر رہا تھا۔ اس کے ساتھ انکی سیٹ پر بڑی جگہ جاسوس بیٹھی ہوئی تھی اور کہہ رہی تھی "یہ تدبیر ابھی ہے۔ بیرون کو کارکن ہادہ سرنگ کے ذریعے سرگرمی کے تحبا کو اس بجٹ کیا جاسکتا ہے لیکن بیرون کہاں لے گی؟"

ڈو کھس نے ہتے ہوئے کہا "یہ یورپ اور امریکا نہیں ہے جہاں بیرون بڑی تلاش کے بعد ٹیکوں ڈال رہی ہے۔ ہم راجا بازار جا رہے ہیں۔ وہاں ایک سینما کے پاس چنے اور سونگ پکلی کی طرح بیرون مل جاتی ہے۔"

وہ بولی "ہماری ٹیلا کا وہ سائنس دان عاشق کوڈلیف سرگرم دیتا ہے اور روزینہ سے پھانس رہی ہے۔ وہ دن مل جیتا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ میں دونوں براہِ خیر لے لوں گا۔"

وہ دروازہ پر گھبرا رہا تھا۔ بازار تک آیا۔ وہاں ایک جگہ کار روک کر بولا "تم یہاں بیٹھی رہو۔ میں بیرون کو فرشوں کو تلاش کرتا ہوں۔" وہ کار سے اتر کر ایک طرف جانے لگا۔ آگے جا کر ایک گلی میں عزمیہ منشیات فروخت کرنے والوں کو سانس بوز لگانے کی ضرورت نہیں پڑی۔ ان کا طبع اور رازداری کا انداز بتاتا ہے کہ مطلوبہ نشان سے حاصل ہو سکتا ہے۔

وہ ایک گلی سے ہوا ہوا دوسری گلی میں آیا۔ دکانداری کا وقت تھا۔ لوگوں کی اچھی خاصی آمدورفت تھی۔ اس بیٹھنے میں بیرون کو فرش آسانی سے نظر نہیں آسکتے تھے۔ وہ تیری گلی میں آیا۔ وہاں میں اس کے ذریعہ ایک سپرے کو دیکھا۔ وہ سربر سانپ کا پٹا دے رگے بین بجاتا رہا تھا۔ اسے دیکھتے ہی میں نے سوچا۔ سرگرمی میں سانپ کا زہریلا بجٹ کیا جاسکتا ہے۔

ڈو کھس نے میری مرضی کے مطابق سپرے کو روک کر پوچھا۔ "کیا سانپ کا قاتل دیکھتے ہو؟"

وہ سر سے پٹا ہاتھ اتارتے ہوئے بولا "جی صاحب! بڑے مزے کا قاتل شاہو آج ہے۔ آپ دیکھیں گے؟"

"پہلے یہ تازہ تمہارے پاس زہر لے سانپ ہیں؟"

"جی ہاں! زہر لے سانپوں سے چھلکتے ہیں۔ میرے پاس ایک نہیں ایک درجن سانپ ہیں۔"

"کیا ان سانپوں کا زہر مل سکتا ہے؟"

"ضرور مل سکتا ہے۔"

اس نے جب میں ہاتھ ڈال کر ایک شیشی نکالی۔ اس میں زہر رنگ کا رقیق ہادہ تھا۔ وہ شیشی کو ہلاتے ہوئے بولا "یہ برا زہر است زہر ہے۔ اس کا ایک چھوٹا سا قطرہ زبان کو چھوئے تو توندے کو

اچھی طرح تربیت کی بھی سلت نہیں ملتی۔ وہ دیکھتے ہی دیکھتے مر جاتا ہے۔
 ڈوگلے نے کہا "میں کسی کو مارنے کے لئے نہیں ایک دو اتیار کرنے کے لئے زہر چاہتا ہوں۔"
 اس نے جب سے ایک ہزار روپے کا نوٹ نکال کر اسے دیا۔
 سپرے نے خوش ہو کر نوٹ کو جھپٹ لیا۔ اسے جلدی سے تیر کر کے قیس کی اندرونی جیب میں چھپایا پھر وہ شیشی ڈوگلے کو دے دی۔
 ڈوگلے نے اسے کوٹ کی اندرونی جیب میں رکھا پھر وہاں سے پلٹ کر جانے لگا۔ میں نے اس کے دماغ کو آہستہ آہستہ آزاد چھوڑ دیا اور اس کی اپنی سوچ میں کہا "میں راجا بازار کے ایک راستے کے کنارے کار روک کر آیا ہوں۔ وہاں مسز دین انگریسی پریٹ پر بیٹھی میرا انتظار کر رہی ہیں۔"
 اس نے مسز دین اس بوڑھی جاسوس کو کہا جو مسز ڈوگلے کھاتی تھی۔ میں نے اس کی یادداشت سے یہ بھلا دیا تھا کہ اس نے زہر سے بھری ہوئی ایک شیشی خریدی ہے اور اسے کوٹ کی اندرونی جیب میں چھپا رکھا ہے۔
 اسے ایک افغانی لڑکا نظر آیا۔ اس کے ساتھ ایک چٹائی جو اب بھی تھا۔ ان کے پیچھے کپڑے اور طے جاتا تھا کہ وہ تلخ دھندلا کرتے ہیں۔ ڈوگلے نے ان کے قریب جا کر ٹوٹی پھوٹی اردو میں کہا "جو میں آتا ہے وہ تمہارے پاس ہے؟"
 چٹائی جو اب نے پوچھا "کیا آتا ہے؟"
 وہ بولا "فلٹی بیرونی نہیں آتا۔ مسز سپرے بیرونی آتا۔"
 جو اب نے افغان لڑکے کو اشارہ کیا کہ اس لڑکے سے بیرونی کی ایک دنیا نکال کر دی۔ ڈوگلے نے پچاس روپے دے کر وہاں خریدیں پھر انہیں کوٹ کی اوپری جیب میں رکھ کر اپنی گاڑی کے پاس لٹایا۔
 میں اسے چھوڑ کر نیلا کے پاس پہنچا۔ وہ اپنے عاشق کے ساتھ شکر پڑیاں کی پلندی پر کھڑی ہوئی اسلام آباد کی چنگائی ہوئی دو شہنشاہ دیکھ رہی تھی۔ اس کے عاشق کا نام حسن افغانی سے عاشق حسین تھا۔ میں اُس کی آواز سن کر اس کے دماغ میں آیا اور خیالات بڑھنے لگا۔
 وہ بہت ذہین نوجوان تھا۔ اسے سائنس کے موضوع سے بے حد دلچسپی تھی۔ اس کی دلچسپی اور ذہانت کے پیش نظر اسے ایٹمی پلانٹ کی لیبارٹری میں ملازمت دی گئی تھی۔ نام عاشق تھا لیکن وہ عاشق مزاج نہیں تھا۔ نیلا جیسی حسین اور نوجوان لڑکی کی طرف وہ خود راہل نہیں ہوا تھا۔ نیلا اسے اپنی طرف راہل کر رہی تھی۔
 وہ ابتدا میں اُس سے کسانے کی کوشش کرتا رہا پھر رفتہ رفتہ اُس سے متاثر ہونے لگا۔ وہ اچھی لگنے لگے۔ عاشق حسین اس کی آرزو کرنے لگا۔ لیکن یہ آرزو اسی حد تک تھی کہ وہ سامنے ہوئی تو اس کا ہاتھ تمام لپٹا لیکن اسے شدت سے طلب نہیں کرتا تھا۔ اُس کا ہاتھ تمام کر سچیدہ اور نرمل رہتا تھا۔

نیلا نے ایک دن ہزار ہو کر ڈوگلے سے کہا "وہ میرا ہاتھ اپنے پیرے پیرے جیسے پچ آگس کریم کون دونوں ہاتھوں سے تمام کر رہے ہیں اور انہیں دکھانے اور اسے ترپانے کے لئے ہاتھ چھڑائی ہوں تو وہ گدھا چھوڑ دیتا ہے۔ جب تک میں آگے نہ بڑھوں وہ مجھے ہاتھ نہیں لگاتا ہے۔ ایسے تو برسوں گزر جائیں گے اور اس کے عشق میں دیوانگی پیدا نہیں ہوگی۔ جب تک وہ جنوں نہیں بنے گا، جنوں میں لیبارٹری کی باتیں نہیں کرے گا۔"
 تب ڈوگلے نے یہ پلاننگ کی تھی کہ عاشق حسین کو اور دوسری لڑکی روزینہ کے محبوب کو نشے کا عادی ہونا چاہئے۔ عورت اور نشے میں یہ فرق ہوتا ہے کہ عورت دل کو لگتی ہے۔ نشہ مارا لگتا ہے۔ جو محبت میں نہیں جھکتے۔ وہ نشے میں اسیر ہو جاتے ہیں۔
 روزینہ اپنے شکار کے ساتھ کار میں بیٹھی پڑی سے اسلام آباد جا رہی تھی۔ اُس کے شکار کا نام محبوب علی تھا۔ وہ ایٹمی پلانٹ میں سائنس لیبارٹری کا انچارج تھا۔ وہاں سائنس دانوں کی ضرورت کی ہر چیز میسر آتا تھا اور ان چیزوں کا باقاعدہ حساب رکھا تھا۔ روزینہ کو اس سے یہ معلوم ہو سکتا تھا کہ انٹیم کی تیاری کے لئے محبوب علی کتنی یورینیم و فوہو میسر کر رہا ہے۔
 لیکن محبوب علی بھی حسین عورتوں کے معاملے میں جھرتا۔ روزینہ سے بہت زیادہ متاثر نہیں تھا۔ وہ ملے آتی تو اس کے ساتھ تفریح میں تھوڑا بہت وقت گزار لیتا تھا۔ اگر نہ آتی تو شکایت نہیں کرتا تھا۔
 روزینہ کی شکایت کر رہی تھی "میں کل تم سے ملنے نہیں آئی اور تم نے پوچھا کہ میں کون کیوں نہیں آئی؟"
 وہ دن مل کے بیٹھ سے ایک سگریٹ نکال کر سلگاتے ہوئے بولا "اس میں پوچھنے کی کیا بات ہے۔ تم اس لئے مجھ سے ملنے نہیں آئیں کہ ملاقات کا موقع نہیں ہوگا۔ یا کسی مصروفیت میں الجھ کر ہوگی۔"
 "ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ میں بیمار تھی۔ میرا فون نمبر تمہارے پاس ہے۔ تم سے اتنا بھی نہ ہوا کہ فون کر کے خیریت معلوم کر لیتے۔"
 "روزینہ! خیریت معلوم کرنا۔۔۔ تمہاری بیماری سے پریشان ہونا پھر تمہیں ڈاکٹر کے پاس لے جانا پڑی، اہم ذمے داری ہے۔ تم اپنی بیوی اور بچوں کے لئے یہ ذمے داریاں اور پریشانیاں اٹھا رہی ہو۔ اگر ہر حسین اور جوان لڑکی کی ذمے داری قبول کرنا ہو تو پھر کسی کام کا نہیں رہوں گا۔ اور سرکار نے میرے کام سے بڑے ایانٹ داری اور راز داری سے خوش ہو کر ہی ایک اٹھائے پانچا بنایا ہے۔"
 وہ اندر ہی اندر گڑھ کر رہ گئی۔ یہ یقین ہو گیا تھا کہ ایک بڑے سرکار داری ہے۔ اس پتھر کو موم کرنے کا پس ایک ہی طریقہ کیا تھا کہ اسے نشے کا عادی بنایا جائے۔ ڈوگلے نے اس سے کہا کہ وہ اپنے پرس میں دن مل کا پیکٹ چھپا کر لے جائے کی اور

دیکر محبوب علی کا پیکٹ اٹھا کر اپنے پرس میں رکھے گی اور پرس والا پیکٹ محبوب علی کے پاس رکھ دے گی۔ دوسرے دن نیلا بھی یہی کہنے والی تھی۔
 میں دانی طور پر مسجد میں حاضر ہو گیا پھر وہاں سے اٹھ کر باہر چلا۔ مسجد میں بیٹھ کر کسی کے خلاف کوئی کارروائی کرنا مناسب نہیں تھا۔ اگرچہ ڈوگلے ملک کا دشمن تھا اور ہمارے دین کا دشمن تھا۔ یہودی ہو کر مسلمان بنا ہوا تھا۔ اس کے باوجود میرے اندر کے ایمان نے کہا "مسجد مقام عبادت ہے۔ خوننی قاتلوں نے تو مسجدے میں بھی مومنین کی گردنیں کاٹی ہیں۔ اور میں کسی کافر کے ساتھ بھی ایسا نہیں کر سکتا۔ کیوں کہ میں خوننی نہیں ہوں۔"
 میں فٹ پاتھ پر چلا ہوا ایک بند دکان کے قریب پر اگرچہ تمہا۔ پھر ڈوگلے کے پاس آگیا۔ وہ گھر پہنچ گیا تھا اور بوڑھی جاسوس کے ساتھ رات کا کھانا کھا رہا تھا۔ ان کے ساتھ تیسری لڑکی بھی کھانے میں مصروف تھی۔
 میں نے ڈوگلے کو کھانے پر سے اٹھا دیا۔ بوڑھی نے پوچھا "کیا بات ہے کھانا پانڈ نہیں ہے؟"
 صحت پسند ہے۔ کھانا لذیذ ہو تو زیادہ نہیں کھانا چاہئے۔ بدبھی ہو جاتی ہے۔ میں اپنے بیٹہ دم میں جا کر ٹیبلٹ سگریٹ تیار کر رہا ہوں۔ مجھے ڈر ہے نہ کرنا۔"
 وہ اپنے کمرے میں آگیا۔ ایک میز پر سگریٹوں کے دو پیکٹ رکھے ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک عاشق حسین کا پرائز تھا اور دوسرا محبوب علی کے لئے تھا۔ پاس ہی ایک سرخ رنگی ہوئی تھی۔ وہ کوٹ کی اوپری جیب سے بیرونی کی پڑیاں نکال کر اُس کے صوف کو پانی میں گھول کر رقیق بنانا چاہتا تھا تاکہ اسے سرخ کے ذریعے سگریٹوں میں الجھ کر سکے۔
 اس نے اوپری جیب سے پڑیاں نہیں نکالیں۔ اندرونی جیب سے زہری شیشی نکالی پھر میز کے پاس آکر بیٹھ گیا۔ پہلے سگریٹوں کے پیکٹ کو کھولا۔ اس میں سے پانچ سگریٹ نکال کر میز پر رکھے۔ پھر زہری شیشی کو کھولا۔ سرخ انٹار کیشی کے زہر کو اس میں مخل کیا پھر ایک ایک سگریٹ اٹھا کر اُس کے تمباکو میں سونی پوسٹ کر کے اس زہر کو الجھ کر لے لگا۔
 اس کام سے فارغ ہو کر اس نے شیشی کو بند کیا۔ اسے کوٹ کی اندرونی جیب میں رکھا پھر وہاں سے اٹھ کر دوڑا دھول کھول کر بولا "ایک کپ چائے مل سکتی ہے؟"
 بوڑھی نے کہا "ضرور آجی لاتی ہوں۔"
 وہ میز کے پاس آکر بیٹھ گیا۔ وہاں سے ایک سگریٹ کو اٹھا کر ہوتل میں دیا پھر اسے لاٹرنے سے کھانسی لینے لگا۔ پہلی کھانسی محسوس ہو کر تمباکو کا مزہ کچھ اور ہو گیا ہے۔ نشہ کرنے والوں کے لئے یہی تھی۔ اور ان کو کھانا سونو تھا۔ ڈوگلے شراب اور سگریٹ کا عادی تھا۔ اس لئے اُس سگریٹ کے نرے میں اگر توڑی سی کڑواہٹ تھی تو وہ بھی اچھی لگ رہی تھی۔

اچھی نہ لگتی، تب بھی میں اسے کھانے پر مجبور کرتا رہتا۔ جب وہ خودی دلچسپی سے پینے لگا تو میں اسے چھوڑ کر بوڑھی جاسوس کے پاس آگیا۔ اس وقت نیلا اور روزینہ بھی آگئی تھیں۔ روزینہ کھانے کی میز پر بیٹھ کر ایک پیٹ میں سالن لینے ہوئے بولی "بڑی بھوک لگی ہے۔ بدبھگت محبوب علی عشق کے معاملے میں تو بالکل گدھا ہے۔ اس پر تجویز بھی ہے۔ کبھی کسی رستوران میں نہیں جاتا ہے۔ آؤ نیلا! تم بھی شروع ہو جاؤ۔"
 وہ مسکراتے ہوئے بولی "میرا وہ بڑا فراخ دل ہے۔ میں اس کے ساتھ کھا چکی ہوں۔"
 بوڑھی ایک پانی چائے لے کر ڈوگلے کے کمرے کی طرف جا رہی تھی۔ نیلا نے کہا "مئی! میری بائیں آنکھ پھٹک رہی ہے۔ یہ غصہ کی علامت ہے نا؟"
 مئی نے کہا "سب کھنے کی باتیں ہیں۔ جوانی میں میری آنکھ پھٹتی تھی تو دل بیٹھک نوجوان سمجھتے تھے میں آنکھ مار رہی ہوں۔" تینوں لڑکیاں ہنسنے لگیں۔ وہ چائے لے کر کمرے میں آئی پھر ڈوگلے کے سامنے میز پر پانی رکھ کر بولی "جو میں میں عجیب ہو ہے۔ کیا بیرونی لی رہے ہو؟"
 "ہاں نشلا سگریٹ آزار ہا ہوں۔"
 "کیسا لگا رہا ہے؟"
 "ایسا سرور محسوس کر رہا ہوں کہ لفظوں میں بیان نہیں کر سکتا۔"
 میں نے بوڑھی جاسوس کو بھی پینے پر آمادہ کیا۔ وہ میز پر سے ایک سگریٹ اٹھا کر بولی "توڑا میں بھی دیکھوں، کیسا سرور ہوتا ہے۔"
 وہ سگریٹ سلگ کر کھانے لگی۔ میرا خیال تھا "زہر فورا اثر کرے گا اور کھانسی لگنے والا اس کی کھانسی محسوس کرے گا۔ اس کے برعکس ڈوگلے ابھی تک زندہ تھا اور صرف نشے میں مست ہو رہا تھا۔
 تھوڑی دیر میں بوڑھی جاسوس بھی مستی میں آنے لگی۔ میں



نے تیسری لڑکی کو کمرے میں لا کر اسے بھی ایک سگریٹ بنے پر مجبور کیا۔ نیلا ہاتھ دھو میں تھی۔ میں نے دودھ کے بوتل تک بھی وہ سگریٹ نہ پینا دیا۔ کمرے کی محدود فضا میں دھواں ہی دھواں نظر آ رہا تھا۔ میں جس کے داغ سے نکل جا تھا۔ وہ ٹھن سے پریشان ہو کر باہر چلی جاتی تھی۔ لیکن سگریٹ نہیں چھوڑتی تھی۔ اس کا نشہ مست کر رہا تھا۔

میں حیران تھا۔ میری محنت رائیگاں جا رہی تھی۔ وہ چاروں زندہ تھے۔ نیلا ہاتھ دھو سے باہر آکر بارگاہی سے پوچھا: "کیسی بو پھیلی ہوئی ہے۔ تم سب جماعت سگریٹ کیوں پتی رہی ہو؟" میں نے نیلا کو سگریٹ نوشی پر مجبور نہیں کیا۔ میری کوششوں کا خاطر خواہ نتیجہ نہیں نکلا تھا۔ میں اپنی جگہ حاضر ہو گیا۔ ایک سپاہی میرا بازو پکڑ کر جھجھوٹے ہوئے پوچھ رہا تھا۔ "اے ادمر کیوں بیٹھا ہے؟ کیا ارادہ ہے؟"

آس پاس کی دکانیں بند ہو گئی تھیں۔ میں ایک دکان کے تھڑے پر بیٹھا ہوا تھا۔ ایسے وقت دکانوں کے آگے تو زکوٰۃ جیروں کرنے والے ہی موقع کی تاک میں بیٹھے رہتے ہیں۔ سپاہی شبہ کرنے میں حق بجانب تھا۔ میں نے اٹھتے ہوئے کہا "میں ذرا تھک کر بیٹھ گیا تھا۔"

میں نے کہا "اس نے پوچھا 'ایک سگریٹ ہو گا؟'" میں نے جب سے دس کا ایک نوٹ نکال کر دیا پھر آگے بڑھ گیا۔ اب اطمینان سے ہوئی کے کمرے میں بیٹھ کر ڈوگر اور اس کی باسو فیملی سے نمٹنا چاہتا تھا۔ یہ بات کبھی میں اپنی تھی کہ پیسے نے ڈوگر سے فروزا کیا تھا۔ زہر کے بجائے کوئی نشی چیز دے گیا تھا۔

میں ہوئی میں آیا۔ میری عدم موجودگی میں ملازم صفائی کر گیا تھا۔ کرا صاف ستھرا نظر آ رہا تھا۔ میں بستر پر گر لیٹ گیا پھر خیال خرابی کی پرواز کرتا ہوا ڈوگر کے داغ میں پھنسا چاہا تو اس کا داغ نہیں ملا۔

میں فوراً اٹھ کر بیٹھ گیا۔ زہر نے اب اثر دکھایا تھوڑے مہر کا تھا۔ میں بوڑھی جاسوس کے داغ میں آیا۔ وہ زندہ تھی مگر فرشتے پر پڑی ہوئی اڑیاں رگڑ رہی تھی۔ تیسری لڑکی کی بھی یہی حالت تھی۔ دونوں کی سانسیں رک رک کر آ رہی تھیں۔ دودھ نہ نکلا کو جھجھوڑ کر کہہ رہی تھی "مجھے پچاؤ نہیں تو میں بھی مر جاؤں گی۔ گاڑی نکالو مجھے اسپتال لے چلو۔"

نیلا دودھ ہوئی باہر جانے لگی۔ دودھ نے باہر جانے سے پہلے پلٹ کر کمرے میں دیکھا۔ کئی اور اسی تیسری لڑکی کے دیدے پھیل کر سائت ہو گئے تھے۔ ان کی موت دیکھ کر وہ چیخ پڑی۔ دودھ ہوئی ایک کمرے سے دوسرے کمرے میں آئی وہاں سے اپنی ہوئی کوریڈور میں پہنچی۔ اس کا سر پکڑا رہا تھا۔ آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا رہا تھا۔ باہر نیلا کار کے پاس کھڑی کہہ رہی تھی "جلدی آؤ۔ اسپتال قریب ہی ہے۔"

وہ کہتے کہتے دک گئی۔ دودھ باہر آمدے میں آتے ہی پکڑا کر گرد پڑی تھی۔ وہ دودھ کی دلی زہر کے پاس آئی۔ اس کی سانسیں ایک ایک کر آ رہی تھیں۔ نیلا نے پوچھا "آخر یہ کیا ہوا ہے؟ کیا کھانے میں کوئی زہریلی چیز تھی؟"

زہر نہ کتنا چاہتی تھی کہ سگریٹ زہریلا ہے لیکن زبان نہیں ملی رہی تھی۔ نیلا کو سگریٹ کے بارے میں کچھ معلوم نہیں تھا۔ لیکن اس نے بڑی دیر تک دھوئیں سے بھری ہوئی فضا میں سانس لی تھی۔ جب دودھ نے اس کے سامنے دم توڑا تو وہ ایک دم سے اپھل کر کھڑی ہو گئی۔ ایک سمت دودھ کی ہوئی کوٹھی کے احاطے سے باہر جاتی ہوئی چیختی گئی "پچاؤ مجھے پچاؤ۔ سب مر گئے ہیں بھی مرنے والی ہوں۔"

ایک بار بھولان میں زہریلی گیس پھیل گئی تھی۔ اس زہریلی فضا میں سانس لینے والے سیکڑوں لوگ مر گئے تھے اور ہزاروں ابلج ہو گئے تھے۔ نیلا کچھ دیر تھی کہ اس کے گھر کی اور شاہی شہر کی فضا بھی زہریلی ہو گئی ہے۔ اسی لئے ایک کے بعد ایک مرنا جا رہا ہے اور اب اس کی باری ہے۔ بدحواسی میں وہ کار کو بھول گئی تھی اور دوسرے لئے چینی ہوئی دودھ کی باری تھی۔ اسی وقت میری خیال خرابی کا سلسلہ ٹوٹ گیا۔ دودھ زہر سے دستبردار ہو رہی تھی۔

میں بستر سے اٹھ کر دودھ زہر کے قریب آیا پھر پوچھا "لوگوں ہے؟"

ایک رعب دار آواز سنائی دی "پولیس۔ دودھ زہر کھول۔" میں اس کے داغ کا دودھ کو بھول کر اندر گیا۔ وہ دھوپ تھا اندر تھا جس نے پہلی بار ایک طوائف کے ذریعے مجھے جھانسنے کی کوشش کی تھی۔ اسے جب سے معلوم ہوا تھا کہ میرے پاس پچاس ہزار روپے ہیں تب سے وہ یہ جین ہو گیا تھا۔ مجھ سے دس تین ہزار وصول کرنے کے بھنڈوں کو آنا رہا تھا۔

میں نے معلوم کیا۔ اس بار وہ کس طرح مجھے پھانسا چاہتا ہے؟ پتا چلا۔ میری غیر موجودگی میں ہوئی کا جو ملازم کمرے کی صفائی کے لئے آیا تھا۔ تھا اندر اس نے اس کے ہاتھوں سے بیرونی کے دس پانچ پانچ کے پیچے رکھوائے تھے۔ یہیں مجھ پر کسین ہو گیا تھا کہ میں بیرونی فروش ہوں۔

کیا مشکل ہے۔ میں ایسے دشمنوں سے نمٹ رہا تھا۔ ہر پاکستان کا اہم پر تلاش کرنے آئے تھے اور اہم ہم کی تلاش انہیں پنہم میں پتھاری تھی۔ دوسری طرف اپنے ہی ملک کے قانون کے رشت خور محافظ میرے پیچھے چڑے ہوئے تھے۔

میں نے تھا اندر اس کے داغ پر قبضہ جما کر دودھ زہر کو کھولا۔" سپاہیوں نے بولا "ادھر کو! اس کی اچھی آنا ہوں۔" وہ کمرے میں آیا۔ پانچ کے پیچے جگ کر بیرونی کے دس پانچ نکالے پھر انہیں اٹھا کر باہر چلا گیا۔ میں نے دودھ زہر کو اندر سے بند کر لیا۔ میرے کمرے کی صفائی ہو چکی تھی۔

وہ دودھ زہر کے باہر اپنے ماتحت سپاہیوں کے ساتھ کھڑا ہوا تھا۔ اس کے دونوں ہاتھوں میں بیرونی کے سفید سنوف سے بھرے ہوئے دس بیگ تھے۔ سپاہی اسے حیرانی سے دیکھ رہے تھے۔ ایک سپاہی نے پوچھا "جناب! یہ کیا؟ آپ غیر قانونی مال باہر لے آئے اور مجھے پکڑنا چاہتے تھے اسے کمرے کے اندر آزاد چھوڑ دیا؟"

وہ کڑک کر بولا "تھانے دار تم ہو یا میں ہوں؟" "آپ ہیں جناب۔" "تو پھر میرے پیچھے آؤ۔"

وہ آگے بڑھ گیا۔ تمام سپاہی اس کے پیچھے ہو گئے۔ وہ آگے پیچھے چلتے ہوئے کاؤنٹر کے پاس پہنچے۔ تھانے دار نے فیبر سے کہا۔ "اپنے ملازم عبداللہ کو بلاؤ۔"

فیبر نے ملازم کو بلانے والی گھنٹی بجائی پھر پوچھا "جناب! یہ تو راجٹ پاؤڑ ہے۔ کیا ہوئی ہے برآمد ہوا ہے؟"

"تم آنکھوں سے دیکھ رہے ہو کہ میں یہاں سے خالی ہاتھ گیا تھا۔ واپسی میں یہ زہریلے نشے کے بیکیٹس میرے ہاتھوں میں ہیں۔ تم لوگوں نے اپنے ہاتھوں میں یہ دھندلا شروع کیا ہے۔"

"نہیں جناب! کوئی مسافر اپنے سامان میں چھپا کر لے جائے تو ہم کیسے دیکھ سکتے ہیں اور کیسے پکڑ سکتے ہیں؟ یہ کس کمرے سے برآمد ہوا ہے؟"

اسی وقت ملازم عبداللہ نے آکر سلام کیا۔ تھانے دار نے اس سے پوچھا "کیا تم نے یہ پاؤڑ کرا نمبر سات میں لے جا کر پھینکا تھا؟"

عبداللہ نے پریشان ہو کر تھانے دار کو پھر فیبر کو دیکھا۔ فیبر نے زانٹ کر کہا "جواب دو؟"

وہ تھانے دار سے بولا "جناب! آپ مجھ سے کیوں پوچھ رہے ہیں؟ آپ نے حکم دیا تھا کہ میں سات بیگ کمرے کی صفائی کرنے جاؤں اور پاؤڑ کی یہ تھیلیاں پانچ کے پیچے چھپا کر رکھ دوں۔" بے شک تھانے دار نے ہی ایسا کرنے کا حکم دیا تھا۔ وہ ایک اہل ملازم تھا۔ پولیس والوں کے حکم سے انکار کر کے حالات میں لات جوتے نہیں کھاتا چاہتا تھا۔ لہذا اس نے حکم کی تعمیل کی تھی۔ بیرونی کے بیکیٹس کو میرے پانچ کے پیچے چھپا دیا تھا۔

تھانے دار خود پر کبھی الزام نہ لیتا کہ مجھے پھانسنے اور مجھ پر کس پانے کے لئے اس نے ہوئی کے ملازم کو ایسا کرنے پر مجبور کیا تھا۔ لیکن میں اس کے داغ پر چھپا ہوا تھا۔ اس نے میری مرضی کے مطابق کہا "پچاؤ تو میں نے تمہیں حکم دیا تھا؟"

عبداللہ نے دونوں ہاتھ جوڑ کر کہا "خسور! آپ تاک ہیں۔ آپ پاتے ہیں، میں آپ کے سامنے جھوٹ بولنے کی جرات نہیں کر سکتا۔"

فیبر نے اسے ایک ہاتھ مارے ہوئے پوچھا "ذلیل کہنے! تو یہ کہہ رہا ہے کہ ان پکڑ صاحب سات نمبر کے مسافر کو جھوٹے الزام میں پھانسا چاہتے تھے۔ اور جب پھانسا چاہتے تھے تو اس مسافر کو مال کے ساتھ پکڑ کر کیوں نہیں لائے؟"

تھانے دار نے کہا "اس غریب کو نہ مارو۔ یہ میرے منہ پر بیج کہہ رہا ہے۔ اور میں بے آدہ کی قدر کرنا چاہتا ہوں۔"

فیبر نے تعجب سے پوچھا "کیا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ آپ نے ہی یہ مال وہاں رکھوایا تھا؟"

"جی ہاں، میں نے عبداللہ کو حکم دیا تھا۔ میں بہت ذلیل اور کمینہ ہوں، میں اس شریف مسافر کو پھانسا کر اس سے کچھ رقم وصول کرنا چاہتا تھا۔"

پھر اس نے اپنے سپاہیوں سے پوچھا "کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟"

تمام سپاہی الجھن میں پڑ گئے۔ وہ جانتے تھے کہ ان کے افسر نے مال کھانے کے لئے ایسا کیا تھا۔ اور وہ تمام سپاہی اس کے اس جرم میں شریک تھے اب وہ اقرار کرنے سے ہچکچا رہے تھے کہ انہوں نے قانون کی دی ہوئی وردی پھن کر ایسا جرم کیا تھا۔

تھانے دار نے زانٹ کر پوچھا "کو کچ اور جھوٹ کو جھوٹ بولا کرو۔ ہاں تو بولو۔ ہم سب ایسی ذلیل حرکت کر رہے تھے؟"

ایک سپاہی نے سرگوشی کے انداز میں کہا "جناب! جو ہو گیا اسے جانے دیں۔ تھانے چلیں۔"

تھانے دار نے کہا "ہاں مجھے تھانے لے چلو۔ مجھے گرفتار کر لو۔ میں تم سب کو گرفتار کروں گا۔ ہم سب مجرم ہیں۔ اگر تم نے ایک دوسرے کو گرفتار کر کے تھانے نہ پھنچا تو ہمیں یہ وردی پسٹہ کا حق نہیں ہے۔"

دوسرے سپاہی نے پریشان ہو کر کہا "جناب! آپ کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں ہے۔ ہم یہ باتیں تھانے چل کر کریں گے۔" "یہ باتیں تھانے چل کر کیوں کریں گے؟ کیا ہم کسی مجرم کو ہچکچا کر پھانسا کر نہیں لے جاتے ہیں؟"

"جی ہاں۔ ہچکچا کر پھانسا کر لے جاتے ہیں مگر....." وہ بات کاٹ کر بولا "اگر مگر نہ ہچکچا کر پھانسا کر لے گاؤ۔"

"جی۔ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟"

"زیادہ باتیں نہ کرو۔ پہلے اپنی وردی اتار دو۔ کیونکہ وردی میں ہچکچا کر پسٹے سے پولیس ڈیپارٹمنٹ کی توہین ہوگی۔" تھانے دار نے یہ کہتے ہوئے اپنی بیٹی اتاری۔ پھر ٹولی اور شرٹ اتار دی۔ ایک سپاہی نے عاجزی سے کہا "سر! ایسا کرنے سے ہم سب کی بے عزتی ہوگی۔ آپ ذرا فیبر صاحب کے کمرے میں چلیں۔ ہم وہاں....."

وہ پھر بات کاٹ کر ڈانٹتے ہوئے بولا "وردی اتارنے کے بعد

بے شک ہماری بے عزتی ہوگی لیکن وردی کی عزت رہے گی۔ کم
 اتن۔ جلدی کر۔ یہ وردی انا اور ہتھیاریاں ہنوں۔
 وہ سب حکم کے بندے تھے۔ مجبور ہو کر وردی انا رہے۔
 پھر انہوں نے ایک دوسرے کو ہتھیاریاں پتا نہیں۔ سب نے ہیروئن
 کے دو دو ایکس اٹھے پھر وہاں سے تھانے کی طرف جانے لگے۔
 ایسا منظر کسی نے نہیں دیکھا تھا۔ مجرموں کو پولیس والے
 ہتھیاریاں بنا کر لے جاتے ہیں۔ کبھی کوئی مجرم خود اپنے ہاتھوں سے
 ہتھیاریاں پہن کر تھانے نہیں جاتا۔ وہ ہمارے ملک کے پہلے مجرم تھے
 جو خود ہی ہتھیاریوں میں بندھے بازار سے گزرتے ہوئے تھانے
 بارے تھے۔

جو لوگ انہیں افسر اور سپاہیوں کی حیثیت سے جانتے تھے وہ
 ان کے ساتھ چلے ہوئے پوچھ رہے تھے ”کیا تم شاپہ ہے۔ آپ
 لوگ ہتھیاریوں میں ہیں؟ آپ لوگوں کو کس نے گرفتار کیا ہے؟“
 تھانے دار کہتا جا رہا تھا ”ہمیں ہمارے ضمیر نے گرفتار کیا
 ہے۔ اسے لوگو! اپنی زندگی میں کبھی کبھی اپنے ضمیر کے آواز سن لیا
 کرو۔ کبھی کبھی سچائی سے اپنا غائبہ کرنا اور توبہ کرتے رہو۔ خدا
 جہنم اور ہمیں ضرور معاف کرے گا۔“

تھانے پہنچے تک کچھ اخباری رپورٹر اور فوٹو گرافر بھی پہنچ گئے
 تھے۔ ان کی تصویریں انا رہے تھے۔ اور کیسٹ ٹیپ ریکارڈ میں
 یہ اقبال جرم ریکارڈ کر رہے تھے کہ انہوں نے ہیروئن کے ہتھیاریوں
 کے ذریعے ایک بے گناہ کو مجرم ثابت کرنا چاہا تھا۔ اس بے چارے
 کو قانونی گرفت میں لا کر اس سے ہماری رقم وصول کرنا چاہتے
 تھے رپورٹرز سوال کر رہے تھے ”کس بے گناہ شخص پر الزام عائد
 کرنے کی کوشش کی گئی تھی؟ وہ کس ہوئی؟ کس کس کرے میں
 ہے؟“

تھانے دار نے انہیں ہوٹل کا نام اور کمر نمبر بتایا۔ میں اس
 کے باغ کو آزاد چھوڑ کر اپنی چھوٹی سی اپنی انٹاکر اس ہوٹل سے
 نکل آیا۔ سر سے ہاتھوں کی وگ اتار دی۔ اس تبدیلی کے بعد کوئی
 مجھے دوسرے نہیں پہچان سکتا تھا۔ قریب اگر غور سے دیکھنے کے بعد
 شاید کوئی سمجھ جائے کہ میں سات نمبر کرے کا مسافر ہوں۔

میں نے دوسرے ہوٹل میں ایک کمر حاصل کیا۔ پھر کرے
 میں آکر دو روزے کو بند کر کے آرام سے بیٹھ گیا۔ اس تھانے دار
 کے ساتھ جو کچھ بھی ہوا تھا اسے وہی بھٹکتا والا تھا۔ میں نیلے
 پاس پہنچ گیا۔

اس کا بیاسی بیپ اے آرڈو گلس عرف سردار عبدالرحمان
 بوڑھی جاسوس اور دو نوجوان لڑکیاں سب کے سب ذہریلے
 سگریٹ کے کش لگاتے کے بعد اڑیاں دگر دگر کر رہے تھے۔ نیلا
 کے نصیب اچھے تھے۔ اس نے سگریٹ کو ہاتھ نہیں لگایا تھا اور نہ
 ہی اسے یہ معلوم تھا کہ ان چار افراد کو ذہریلے سگریٹوں نے مارا
 ہے اس نے بھی اتنے سارے افراد کو ایک ہی وقت میں کیے بعد

دگرے مرتے نہیں دیکھا تھا۔ اور جب دیکھا تو ہوش اڑ گئے وہ دم
 باغی سی ہو گئی۔ بدحواسی میں گھر سے نکل کر کھانا چلی گئی۔ ساتھ ہی
 چینی کچی ”بھانڈا“ کھینچے۔ بھانڈا میں مرنا نہیں چاہتی۔ میری مدد کرو۔
 وہ سمجھ گئی تھی کہ کھرکی محدود نقصان نہ پہنچا کیس پہنچا ہوگی،
 جس کے نتیجے میں وہ سب مر گئے تھے اور اب اس کی باری تھی
 کیونکہ وہ بھی ذہریلے دھوئیں میں سانس لیتی رہی تھی۔
 ایسے ہی وقت میں اس کے دماغ سے نکل آیا۔ پھر تقریباً تین
 گھنٹے بعد پھانچا تو اسے اسپتال سے چھٹی مل گئی تھی۔ ڈاکٹر نے اسے
 تسلی دی کہ اس کے اندر ذہریلے گیس کا شائبہ تک نہیں ہے۔ اس
 نے اسپتال پہنچتے ہی چار افراد کی موت کے متعلق بتایا تھا۔ پولیس
 والے اس کے بتائے ہوئے پتے پر اس کو بھیجی میں پہنچ گئے تھے۔

اس کو بھی میں خاص طور پر اٹلی جنس کے شعبے سے لا
 جاسوس آئے تھے۔ انہوں نے کئی دنوں سے نیلا اور روزینہ
 کو نظروں میں رکھا ہوا تھا کیونکہ وہ ایسی پلانٹ سے تعلق رکھتے
 والے ایک نوجوان اور ایک شادی شدہ مرد میں دلچسپی لے رہی
 تھیں۔ انہیں یقین کی حد تک شبہ تھا کہ وہ لڑکیاں غیر ملکی جاسوس
 ہیں۔ اس کو بھی اسے چار لاشیں برآمد ہوئیں۔ ایک ذہریلے شیشی
 اور ایک سرخ کے علاوہ ٹرانسپیرنٹ اور کچھ ایسے کاغذات ہاتھ آئے
 جن سے ثابت ہو گیا تھا کہ دو گلس یہودی تھا اور وہاں مسلمان بن کر
 رہتا تھا۔ اس کے ساتھ جو لڑکیاں تھیں وہ اس کے لئے جاسوسی
 کے فرائض انجام دیتی تھیں۔

ہمارے جاسوس نے سمجھ نہیں پایا ہے تھے کہ یہودی ڈوگلس اور
 اس کی ساتھیوں نے سگریٹوں کو سرخ کے ذریعے ذہریلا بنایا۔ پھر
 ان ذہریلے سگریٹوں کے کش کیوں لگائے۔ کیوں جان بوجھ کر موت
 کو دعوت دی اور نیلا کیسے پہنچ گئی۔ انہوں نے نیلا کو حراس میں
 لے لیا تھا اور اس سے طرح طرح کے سوالات کر رہے تھے۔

میرا کام ختم ہو گیا تھا۔ میں دفاعی طور پر حاضر ہو گیا۔ رات کے
 دس بج رہے تھے۔ میں پاس اور علی تیمور کی خیریت معلوم کر کے
 سونا چاہتا تھا۔ دروازے پر دستک سن کر اٹھ گیا پھر پوچھا ”کوئی
 ہے؟“

”میں ہوئی کا ملازم ہوں۔ کسی چیز کی ضرورت ہو تو
 فرمائیں۔“

میں نے کہا ”کسی چیز کی ضرورت ہوگی تو تیل بجا دوں گا۔“
 وہ چاہ گیا۔ میں اس کے اندر پہنچ گیا۔ میں یہ معلوم کرنا چاہتا
 تھا کہ وہ بغیر دماغ کیوں آیا تھا۔ کیا بھرگوئی چکر چلنے والا تھا؟ اس کا
 سوچنے نہ پڑا۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ وہ ہر سافر کے پاس
 اس طرح جاتا تھا اور اپنے لائق کسی خدمت کے لئے پہنچتا تھا
 یوں خدمت کرتے رہتے سے صاحب لوگ خوش ہو کر پانچ دو
 روپے بخشش کے طور پر دیا کرتے تھے۔
 وہ ضلع حوران کے ایک گاؤں سے ہیں ہزار روپے کما۔

آقا۔ اس کا باپ ایک زمیندار کا نور خان کا مقروض تھا۔
 پٹار میں اگر کوئی مقروض ہوتا تھا تو وہاں کے دستور کے
 ان ملاطفت میں زمیندار کا غلام بن جاتا تھا۔ پھر جب تک قرض کا ایک
 مطابق زمیندار ہوتا تھا۔ تب تک وہ زمیندار کے کچھن میں کام
 کرتا تھا۔ اس کے مویشیوں کی اور اس کے گھروالوں کی خدمت
 کرتا رہتا تھا۔ رات کو کچھن کی رکھوالی کرتا تھا۔ کبھی عید
 بزم میں ایک دن کی بھی چھٹی نہیں ملتی تھی۔

یہ قرض پچھلے دس برس سے چلا آ رہا تھا۔ ان غریبوں کے لئے
 میں بزارت بڑی رقم تھی۔ انہوں نے کبھی ایک ساتھ سو روپے
 اپنے ہاتھ میں نہیں پکڑے تھے۔ دوسرے زمیندار کے ہاتھوں میں
 سو پانچ سو اور ہزار کے نوٹ دیکھتے تھے۔ جب باپ مر گیا تو اس کی
 ماں زمیندار کی غلامی کرنے لگی، بیٹے نے بولی ”نور زمانا تم باہر
 ہاں زمیندار کی غلامی بہن کل باہاں دس برس کی ہے اور پانچ برس
 میں جوان ہو جائے گی تو کافر خان قرض کے بدلے تیری بہن کا
 ملا لے کرے گا۔ میری غیرت یہ گوارا نہیں کرے گی۔ میں انکار
 کروں گی تو تجھے باپ کا قرض ادا کرنے کے لئے ساری حیات غلام
 بن کر رہنا پڑے گا۔“

نور زمانا نے کہا ”بابا نے غلامی میں زندگی گزار دی۔ میں بھی
 گزاروں گا۔ پتا نہیں یہ بیس ہزار کتنے ہوتے ہیں اور یہ کہاں سے
 لے ہیں۔“

”ماتے بڑے شہوں میں ملے ہیں۔ تو حوصلہ کرے گا، شہر
 جانے گا۔ کس ملازمت کرے گا اور تنخواہ کے پیسے جمع کرے گا۔
 تو خود تو خود اس کے قرض ادا ہو جائے گا۔“

وہ ماں کی ہدایت کے مطابق ایک رات ہستی والوں سے
 چھپ کر وہاں سے چلا آیا۔ اگر کوئی اسے دیکھ لیتا اور کافر خان کے
 پاس پہنچ جاتا تو وہ نور زمانا کو باندھ کر لے آتا۔ زمینداروں کے
 خود ساختہ دستور کے مطابق مقروض خاندان کا کوئی فرد اپنا گھر چھوڑ
 کر دوسرے علاقے میں نہیں جاسکتا تھا۔

اس دستور کی یہ تاویل پیش کی جاتی تھی کہ اگر غلام بیمار
 ہو جائے تو اس کے باپ ماں بیٹا بیٹی یا بہن یا بھائی اگر بیمار کی جائے
 کلم کہے۔ زمیندار کافر خان مٹے بھی کہہ دیتا تھا ”تیرا خاندان
 مر گیا۔ تو خدمت گزار کی کے لئے آئی ہے۔ یاد رکھ جب تک
 زندہ اور نہیں ہوگا، تب تک تیرا بیٹا نور زمانا اور بیٹی کل جاہاں
 بہن سے باہر نہیں جائیں گے۔“

”خان! ہم پر رحم کرو۔ عہد میں میرا بھائی اور دوسرے عزیز
 مرنے لگے۔ میرے بچے اپنے ماموں وغیرہ سے تول لیتے ہیں۔“
 ”مر کر نہیں۔ رشتے داروں کو ملنا ہوگا تو وہ ادھر آئیں گے۔
 تمہارے مقروض بچے ادھر نہیں جائیں گے۔“
 کبھی بھائی بھتیجی کی شیں ہزار روپے کا پھاڑاں کے سرے
 لگتا تھا۔ نہ کافر خان ہستی کے باہر محنت مزدوری

کرتے دے گا۔ نہ کبھی قرض ادا ہوتا ہے۔ یہ کچھ سوچ سمجھ کر
 نے بیٹے کو ایک رات چپکے سے بھاگایا۔ دوسری صبح خان سے کہا۔
 ”بیٹا! آواز دہکا تھا، مجھ سے لڑا تھا۔ کل رات بھی مجھ سے بدکلامی
 کی۔ پھر رات کو جانے کب چلا گیا۔ صبح آگھ کھلی تو میں نے اسے
 تلاش کیا۔ ہستی والوں سے پوچھا لیکن اس کا پتا نہ چلا۔“
 کافر خان نے کہا ”مجھے انکو سمجھتی ہے۔ تو نے اسے بھاگایا
 ہے۔“

”تمہاری غلامی کی قسم۔ میں نے نہیں بھاگایا ہے وہ جیسا بھی
 تھا میرا بیٹا تھا۔ میں اس کے بغیر نہیں رہ سکتی تھی۔ پھر جان بوجھ کر
 اسے کیوں بھاگاتی۔ شاید وہ ماموں کے پاس گیا ہے ہو سکتا ہے
 واپس آجائے۔“

وہ بولا ”میں جاؤں تو اس کتے کے پیچھے اپنے آوی لگا دوں وہ
 اسے جہاں دیکھیں گے گولی مار دیں گے۔“

”نہیں خان! اعظم! میرا ایک بیٹا ہے اسے کچھ ہوگا تو میں
 مرناؤں گی۔“

”تو مر جائے گی تو قرضہ ادا کرنے کے لئے ایک تیری بیٹی وہ
 جائے گی وہ بیٹی بھی بھاگ گئی تو میری وصول کیسے ہوگی؟“

”نہیں! میری گل باہاں نادان ہے وہ گھر سے باہر نہیں جائے
 گی۔“

”آج نادان ہے کل جوان ہوگی اس کے بھی پر نکل آئیں
 گے۔ مجھے میری رقم کی ادائیگی کی ضمانت چاہیے۔ اس لئے ضمانت
 کے طور پر بیٹی کو میرے حوالے کر دے۔“

”نہیں خان! اعظم! میری معصوم بیٹی کو خاندانی نہ بنا۔ میرا بیٹا
 جب تک واپس نہیں آئے گا، جب تک قرضہ ادا نہیں ہوگا، میں
 زندہ رہوں گی اور تیری خدمت کرتی رہوں گی۔“

”کیا زندگی تیرے ہاتھ میں ہے کہ جب تک چاہے گی زندہ
 رہے گی۔ تو آج مر سکتی ہے، کل مر سکتی ہے۔ میں کل صبح تک
 صحت رہتا ہوں۔ بیٹے کو واپس لا یا قرضہ ادا کر دوں کل میں تیری
 بیٹی کو بڑی حوصلی پہنچا دوں گا۔“

وہاں سے بیس کلویں سردور شاہ خیل نامی ایک چھوٹا سا گاؤں
 تھا۔ وہ گاؤں اور آس پاس کی زمین کافر خان کی ملکیت تھیں۔ نور
 زمانا کی ماں نے اسے تھا وہاں قلعہ نما ایک حوصلی تھی۔ جہاں کافر
 خان کی اجازت کے بغیر پر بندہ بھی پر نہیں آ سکتا تھا۔ حوصلی کے
 چاروں طرف مسلح حواریوں کا پہرا رہتا تھا۔ یہ بھی اس تھا کہ جو
 مقروض غلام بے عادت کرنا چاہتے تھے انہیں حوصلی میں قیدی بنا کر رکھا
 جاتا تھا۔ ان قیدیوں میں صوم بھی ہوتے تھے اور عورتیں بھی ہوتی
 تھیں۔ ان سے الگ ایک بڑی حرم ہاں حسین اور جوان
 لڑکیاں رکھی جاتی تھیں۔ کافر خان نے اسی بڑی حوصلی میں محل
 باناں کو پہنچانے کی وہم مکمل دی تھی۔
 نور زمانا کو پتا نہیں تھا۔ اس کے شہر آنے کے بعد ماں اور

بہن پر کیا کر رہی ہے۔ وہ پڑھنا لکھنا نہیں جانتا تھا۔ کسی سے خط لکھوا سکتا تھا لیکن یہ اندیشہ تھا کہ جوابی خط کے پتے پر زمیندار کے آدمی اسے پکڑنے آجائیں گے۔ ماں نے سمجھا یا تھا جب تک قرعے کی رقم جمع نہ ہو جائے تب تک گھر کا رخ نہ کرنا۔

یہ نور زمان کی روداد تھی۔ اس کے خیالات مجھے یہ روداد سنار ہے تھے۔ ہمارے ملک کے بعض علاقوں میں انسانوں کو غلام بنانے کی روایت آج بھی قائم ہے۔ اور یہ ہم پاکستانیوں کے لئے بڑے شرم کی بات ہے۔ بعد میں جو معلومات حاصل ہوئیں ان کے مطابق تقریباً چار ہزار دو تان مجبور اور بے یا وعدہ و گار ہو کر غلامی کی زندگی گزار رہے تھے۔

ہو سکتا ہے حکومت نے ان مجبور و تانوں کی آزادی کے لئے احکامات جاری کئے ہوں اور ان پر عمل نہ ہو رہا ہو۔ مجھے پاکستان آنے کے بعد جو بنیادی خرابی معلوم ہوئی وہ یہ ہے کہ اوپر سے صادر ہونے والے احکامات کو پولیس والے سیواؤ کر دیتے تھے۔ جس حکم کی تعمیل سے منافع یا رشوت حاصل نہیں ہوتی تھی اس حکم کی تعمیل مجرموں کے اور اپنے مفاد کے مطابق کرتے تھے۔

میں نے آئی جی کو مخاطب کیا۔ اس نے خوش ہو کر کہا ”فراہد صاحب! میں کس زبان سے آپ کا شعر ہے ادا کروں؟ آپ کی مہربانی سے میری جی کل صبح اور پورا شام کو میاں بیچ رہے ہیں۔ میں آپ کا احسان زندگی بھر نہیں بھلاؤں گا۔ آپ نے مجھے یہودیوں کی غلامی سے نجات دلائی ہے۔“

میں نے کہا ”آپ نے یہودیوں کی غلامی سے نجات حاصل کی ہے لیکن ہماری قوم کے مجبور بندے اپنی جی قوم کے غلاموں کی غلامی میں زندگی بسر کر رہے ہیں۔ ان کی آوازیں بیٹوں اور بہنوں کی عزت و آبرو مٹی میں پانی رہتی ہے۔“

”آپ کن لوگوں کی بات کر رہے ہیں؟“

”صوبہ سرحد کے بعض علاقوں میں سیکڑوں ہزاروں غریب اور مجبور دو تان زمینداروں کی غلامی کرتے ہیں اور آپ کو خبر نہیں ہے؟“

”اچھا سمجھ گیا۔ لیکن جناب! حکومت نے دو تانوں اور محنت کشوں کے لئے ولیمز اسکیم جاری کی ہے۔ اس اسکیم کے مطابق انہیں پندرہ ہزار روپے ادا کئے جاتے ہیں۔“

میں نے پوچھا ”آپ کو یقین ہے کہ یہ پندرہ ہزار ہر مستحق تک پہنچ جاتے ہیں اور یہ رقم مستحقین کے ہمارے بے ایمانوں کے پاس نہیں پہنچتی ہے؟“

”آپ درست فرماتے ہیں۔ بے ایمانی ہو سکتی ہے۔ بلکہ پولیس والوں کے تعاون سے بے ایمانی رواج پاتی ہے۔ مجھے اپنے ڈیپارٹمنٹ کی بدنامی سے شرمندگی ہوتی ہے۔ مگر کیا کیا جائے۔ آدے کا آواہی نہیں چاہیے۔“

میں نے کہا ”ہم آپ تمام پولیس والوں کو صراطِ مستقیم پر

نہیں چلا سکتے، لیکن جہاں تک آپ کے اختیارات ہیں اور تک میری ٹیٹی جیتی تھی پہنچاتی ہے، وہاں تک ہم غلاموں کا اور مظلوموں کی دست گیری کر سکتے تھے۔“

”میں حاضر ہوں۔ آپ کی نظروں میں کوئی مجبور دو تان نہیں ہے؟“

”جی ہاں ایک لڑکا نور زمان بارہ برس کی عمر میں محنت کے ذریعے بیس ہزار روپے حاصل کرنے پشاور آیا۔ اس کا ایک زمیندار کا کافر خان کا مقروض تھا۔ وہ مرغیا تو قسروں کے اپنے مرحوم شوہر کی جگہ غلامی کرنے لگی۔ اس کا بیٹا نور مزدوری کرنے اور آقا تو احر کا کافر خان سے اس کی دس روپے بہن محل جاہاں کو منانت کے طور پر اپنی حویلی میں قید کر لیا۔ نور زمان سولہ برس کا جوان ہو گیا ہے۔ دن رات محنت کرتا ہوا ہے۔ اس نے اب تک صرف آٹھ ہزار روپے جمع کئے ہیں۔ کی بہن محل جاہاں پندرہ برس کی ہو چکی ہے۔ ایک آدھ برس کی جوانی کی بولی گاٹی بن چکی۔“

”بس فریاد صاحب! آگے نہ بولیں۔ آپ نے میری ہوا کو یہودیوں کے حصار میں بے آبرو ہونے سے بچایا ہے۔ یہ پرائیویٹوں کی عزتوں کا عطا ہونا نہیں چاہیے۔“

میں نے اسے بتایا کہ کافر خان خلیج حوران کے ایک افتادہ گاؤں جرگہ میں رہتا ہے۔ آئی جی نے ریسورٹ افکار کے ایک پولیس افسر سے رابطہ کیا۔ پھر اس سے کہا ”میں ہدایت اللہ بول رہا ہوں؟“

اس نے کہا ”السلام علیکم میرا میرے لائق کوئی خدمت آئی جی نے کہا ”جرگہ میں ایک زمیندار کا نام کافر خان کیا اسے جانتے ہو؟“

”جی ہاں! اچھی طرح جانتا ہوں۔ کافر خان ان کا مجر فہرست میں ہے جن پر ہم ہاتھ نہیں ڈال سکتے، کیونکہ اس علاقہ غیر ہے۔“

میں نے سوچ کے ذریعے آئی جی سے کہا ”آپ ام نور زمان کی باتیں نہ کریں۔ میں اس کے دماغ میں جا رہا ہوں۔ میں اس پولیس انسپکٹر کے پاس پہنچ گیا۔ دوسری طرز آئی جی کہ رہا تھا ”ٹھیک ہے۔ جب کافر خان کا تعلق علاقہ ہے تو میں پولیس ایجنٹ سے بات کروں گا، شعر ہے۔“

اس نے ریسورٹ رکھ دیا۔ انسپکٹر نے بھی مکرانے ریسورٹ رکھ کر سوچا ”پولیس ایجنٹ کافر خان کا کیا گاؤں کافر خان کی پہنچ بہت دور تک ہے۔“

وہ درست سوچ رہا تھا۔ علاقہ غیر ایک آزاد علاقہ ہے کے آزاد قبائلی کسی کے حکوم نہیں رہتے۔ کسی ملک کے نہیں مانتے۔ حکومت پاکستان کو ان قبائلیوں سے یا ان قبائلی حکومت پاکستان سے کوئی شکایت ہو یا کوئی باہمی مسئلہ کا کرنا ہو تو ان کے درمیان ایک پولیس ایجنٹ ہوتا ہے۔

میں نے اسے بتایا کہ کافر خان کے پشے ان کے ساموں سے جلی کاغذات تیار کر کے وہ ہر جی کے نام سے حکومت پاکستان کی ولیمز اسکیم سے پندرہ ہزار روپے وصول کر چکا ہے۔ اس رقم سے انسپکٹر باج ہزار اور کافر خان ہزار لڑکا کرنا تھا۔ دونوں اب تک انھوں روپے حاصل کیے تھے۔ نور زمان کے مرحوم باپ کے نام سے بھی پندرہ ہزار باج تھے اور وہ بے چارہ اس قریب سے بے خبر تھا۔ اسے یہ بھی پتا نہ تھا کہ اسے بڑے زمیندار اور پولیس والے کا کیا گاؤں۔ کافر خان پولیس والے کافر خان کا کچھ نہیں پتا کر سکتے تھے۔ میں نے آئی جی کو اس معاملے سے الگ کیا۔ یہ جرائم سے مجبور ہلا ن تھا جس کا قانونی طور پر بھی پولیس سے تعلق نہیں تھا۔ میں نے کے ذریعے کافر خان تک پہنچ سکتا تھا اور یہ ارادہ تھا کہ میں علاقے میں پہنچوں جہاں لا قانونیت ہر سو تھی اور کسی دوست یا ن کو کوئی بارہا ایسی ہی تھا جیسے کھل مارا ہوتا ہے۔ کوئی پوچھنے اور پکڑنے والا نہیں تھا کہ تم نے انسانی مکمل کیوں مارا ہے؟ میں نے معلومات حاصل کیں کہ حوران کے دور افتادہ گاؤں لڑکے یا کوچ سروس کی گاڑیاں کس وقت روانہ ہوتی ہیں۔ میں نے انسپکٹر بادشاہ خان کو سلا کر اس کے خوابیدہ دماغ میں یہ لایا کہ وہ کل دن یا تیارہ بجے تک جرگہ پہنچے گا۔

میں نے پارس اور علی تیمور سے باری باری رابطہ کیا۔ وہ دن اپنی اپنی جگہ دشمنوں سے مت رہے تھے۔ میں آگے چل کر اس کے دلچسپ واقعات پیش کروں گا۔ میں نے نور زمان کو دماغی دباؤ دیا کہ اسے کمرے میں بلا دیا۔ میں نے اس کے سوئچر اندر قیام کی جب میں اور اس کی دوسری اندرونی جب میں مائزلو پے ٹھونس دستہ وہ ہزار ہزار کے نوٹ تھے اس لئے بیٹوں میں مانگے۔ پھر میں نے اسے واپس بھیج دیا۔ وہ وہاں کے۔ جوئے سے اسٹور دوم میں آتا تھا۔ وہ وہاں پہنچ کر دماغی طور پر ہوا پھر چونک کر سوچنے لگا ”میں ابھی کہاں تھا؟ کیا کر رہا اس نے میری مرضی کے مطابق جیب میں ہاتھ ڈالا اور پھر

چونک کر نوٹ نکالے ہزار ہزار کے نوٹ دیکھ کر وہ ہلکا گیا۔ ایسے ہی نوٹ اندرونی جیب سے نکلے تو وہ بڑی دیر تک گم سم بیٹھا رہا۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا۔ اتنی دولت کیا غیب سے اس کے پاس آئی ہے۔ وہ انہیں جھٹکنے لگا اور گنتے گنتے روئے لگا۔ میرا بھی دل بھر آیا۔ اس پر بڑا ہار آ رہا تھا۔ بے چارہ زندگی میں پہلی بار آسروں سے دھندلائی ہوئی آنکھوں سے اتنی دولت دیکھ رہا تھا۔ جب اسے یقین ہو گیا کہ پورے بیس ہزار غیب سے مل گئے ہیں۔ تو وہ جلدے میں گر کر حیران رہی اعلیٰ سبحان ربی الا علیٰ ربی ربی ربی۔

میں نے آنکھیں بند کر لیں۔ دماغ کو دیا تے دیں۔ پھر میری نیند میں ڈوبنا چلا گیا۔ کسی سے محبت کو کسی کے برے وقت میں کام آوے۔ اسے گرداب سے نکال لاؤ تو جی ستر میں حاصل ہوتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی جو خوشنودی حاصل ہوتی ہے وہ ہر ایک کو نصیب نہیں ہوتی۔ نیکیاں کر کے سونے والا ہی جانتا ہے، اسے کتنی پرسکون اور مہم نیند آتی ہے۔

رات کے میں جب میری آنکھ کھل گئی۔ میں نے ٹیڈی کا غسل دیکھوئے فامغ ہو کر لباس تبدیل کیا۔ پھر اپنی کس اٹھ کر کازنٹر پر آیا۔ کازنٹر میں کو اطلاع دی کہ میں جا رہا ہوں۔ پھر پلوے اسٹیشن کے پاس آیا۔ ایک آرام دہ کوچ گاٹھ لے کر اپنی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ وہاں کئی مسافروں کے درمیان نور زمان بھی بیٹھا ہوا تھا۔

اس نے پچھلے ساڑھے چار برس سے اپنی ماں اور بہن کی صورتیں نہیں دیکھی تھیں۔ ابتدا میں انہیں یاد کرتے ہی ان سے ملنے کو دل تڑپنے لگتا تھا۔ پھر روزہ زمر آ گیا تھا لیکن اب قرعے سے بھی زیادہ رقم مل گئی تھی۔ میں ہزار میں دے دے تھے اور آٹھ ہزار اس نے محنت مزدوری سے جمع کئے تھے، یہ اٹھائیس ہزار ملے ہی وہ ماں کی آغوش میں بیٹھنے کے لئے بے چین ہو گیا تھا۔ اس نے ماں اور بہن کے لئے کچھ کپڑے اور دوسرے تھے بھی نہیں خریدے تھے، سوچا تھا کہ راستے میں کس بازار پر سے گاؤ خرید لے گا۔ اس کے اختیار میں ہوا تو وہ پروا نہ کر کے وہاں پہنچ جاتا۔

وہ جس قدر بے چین تھا، اتنی ہی سما ہوا تھا۔ یہ اندیشہ تھا کہ اس کے لباس میں بیچھی ہوئی دولت کوئی دیکھ نہ لے۔ اس پاس بیٹھتے ہوئے ہم سفراتے چور ڈاکو لگ رہے تھے۔ وہ جگہ بدلے کے لئے خالی سیٹوں پر نظرس دوڑا رہا تھا۔ میں نے اسے اپنے پاس آنے پر مجبور کیا میں کھڑکی کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے مجھ سے پوچھا ”برادر! آپ مجھے کھڑکی کے پاس بیٹھنے دیں گے؟“

میں نے اٹھتے ہوئے کہا ”ضرور میاں بیٹو۔“

وہ شعر بے ادرا کرتے ہوئے وہاں بیٹھ گیا۔ کھڑکی کے پاس بیٹھنے کا یہ فائدہ تھا کہ اس طرف کوئی بیٹھ نہیں سکتا تھا۔ اس کے دوسری طرف میں ایک ہم سفر تھا۔

پچھلی رات سے اس کی نیند اڑ گئی تھی۔ اتنی بڑی رقم لانے کے بعد اس کے اندر دلچسپی پیدا ہو گئی تھی۔ تجسس بھی تھا کہ اتنی بڑی

رقم اس کی دوجیوں میں کہاں سے آگئی؟ بس اتنا ہی سمجھ میں آیا کہ اللہ پتھر بھڑا کر دیتا ہے۔ آج اسے بھی اللہ تعالیٰ نے دیا ہے۔ اور یہ جھوٹ نہیں ہے۔ خدا عز و کریم نے دیا ہے۔ اسے دینے کے لئے کسی کو ذریعہ بنا دیا ہے۔ نور زمان اور اس کی ماں بہن کو مشکلات سے نکالنے کے لئے اسے مبعود نے بخت ذریعہ بنا دیا تھا۔ جب گاڑی چلنے لگی تو تازہ ہوا کے جھوکوں سے اسے نیند آنے لگی لیکن وہ سوٹا نہیں چاہتا تھا۔ دل میں خوف سایا ہوا تھا کہ آنکھیں بند کرے گا تو کوئی تمام رقم چرا کر لے جائے گا۔ یہ خوف ہوٹل میں بھی قائم رہا اس لئے وہ جاگتا رہا تھا۔

میں نے آہستہ آہستہ اسے ٹپکی جیتی کی لوری سنا کر سلا دیا۔ خوابیدہ شخص نصف مردہ ہوتا ہے۔ یہ عارضی موت تمام قلوب اور اندیشوں سے نجات دلا دیتی ہے۔ فکر اور اندیشے آدمی کو سونے نہیں دیتے۔ ایسی حالت میں جسے نیند آجائے وہ بہت خوش نصیب ہوتا ہے۔ نور زمان خوش قسمتی کی آغوش میں مرے سے سوتا تھا۔

سفر بڑے سکون سے جاری تھا۔ کئی گھنٹوں کے بعد گاڑی مردان کے ایک اسٹاپ پر رکی۔ ڈرائیور نے بتایا۔ گاڑی وہاں سے آدھے گھنٹے بعد روانہ ہوگی۔ میں نے نور زمان کو بگایا۔ وہ ہڑوا کر دونوں ہاتھوں سے لباس کے اندر ٹوٹے لگا۔ جب اسے اطمینان ہوا کہ رقم مودود ہے تو اس نے مجھ سے کہا "میں آخری دور تک سوتا رہا۔ ہم مردان ضلع میں پہنچ گئے ہیں۔"

میں نے کہا "کوئی کھانا؟"

میں گاڑی سے باہر آگیا۔ وہ بھی باہر آکر بولا "آپ کھانے کے لئے جاتیں؟ میں کچھ خریداری کروں گا۔"

وہ دوسری طرف چلا گیا۔ میں کھانے کے لئے ایک ہوٹل میں آیا۔ کھانے کے دوران نور زمان کے پاس جاتا آتا رہا۔ وہاں کے لئے سادے کپڑے اور بہن کے لئے رنگین کپڑے اور نقلی زیورات خرید رہا تھا۔ خوشی کے مارے اس کی ہموک اڑتی تھی۔ گاڑی کی روانگی کا بھی وقت ہو چکا تھا۔ وہ تمام سالانہ کے لڑائی سیٹ پر جا کر بیٹھ گیا تھا۔ میں دوپڑے اور اندون کا آئینٹ ہوا کر لے آیا اس کے پاس بیٹھ کر بولا "شواہ بھی شواہ۔ بڑی خریداری کی ہے؟"

وہ مسکرا کر بولا "پورے ساڑھے چار برس کے بعد گھر جا رہا ہوں اس لئے گھروالوں کے لئے کچھ خرید لیا ہے۔"

میں نے کانڈ میں لپٹے ہوئے پرانے پیش کئے "ہوا نہیں کھانا۔"

وہ جھجکتے ہوئے بولا "شکر یہ برادر! میں نے کھالیا ہے۔"

"میں نے بھی بیٹ بھر کر کھالیا ہے۔ تم نہیں کھاؤ گے تو یہ ضائع ہو جائیں گے۔"

کھانے کی اشتہا گھیز خوشبو اس کی ہموک پر ساری تھی۔ میں نے اس کے اندر پہنچ کر اسے کھانے پر مائل کیا۔ وہ بے اختیار

میرے ہاتھوں سے پرانے لے کر کھانے لگا۔ وہ جینس پر شرابا تھا لیکن کھانا جا رہا تھا۔ حیران ہو رہا تھا کہ ایک آنچ پرانے لے کر کیوں کھا رہا ہے؟

اس نے کھانے کے بعد کانڈ کو کھڑکی سے باہر دیکھا۔ صند پر بیٹھے ہوئے بولا "مجھے شرمندگی ہے؟ میں نے آپ کا ہاتھ کھالیا۔"

"کوئی بات نہیں۔ میں تمہارے لئے ہی لایا تھا۔"

"آپ کہاں جا رہے ہیں؟"

"جرم تک جانے کا ارادہ ہے۔"

وہ خوش ہو کر بولا "وہ میرا گاؤں ہے۔ میں بھی وہیں جا رہا لیکن آپ ادھر کے نہیں گئے۔ کیا ادھر کوئی عزیز یا دوست ہے؟"

"میرا کوئی نہیں ہے۔ چلی جا رہا ہوں۔ شہری بچا بچا ہزار ہو گیا ہوں۔ سنا ہے وہ بہت پرسکون علاقہ ہے۔"

"میرا گاؤں بہت خوب صورت ہے۔ بہاؤ، آبشار، دریا اور طرح طرح کے رنگ برنگ پھولوں کو دیکھ کر یوں لگتا ہے کہ زمین پر اتر آئی ہے۔ وہ مسکا ہے کہ آپ کو جنت لگے گی۔ جی ہستی ہے۔ میرے جذبات ہیں۔ آپ وہاں میرے مہمان رہیں گے۔"

"نہیں؟ میں تم پر بوجھ نہیں بنوں گا۔"

"برادر! اس علاقے میں کسی چٹان سے یہ نہ کہنا کہ بوجھ ہوتا ہے۔ وہ گولی ادا ہو گے۔"

میں نے ہنسنے ہوئے کہا "میں تمہارے ہاتھوں سے گولی مرنا نہیں چاہتا۔ اس لئے تمہاری میزبانی قبول ہے۔"

"شکر یہ برادر! ہماری ہستی میں تو وہ خاندان ہے مگر کھانے ہوٹل نہیں ہے۔ وہاں آپ کو کسی نہ کسی کامسمان بن کر رہنا خدا کا شکر ہے آپ مجھے مل گئے۔ مہمان اللہ کی رحمت ہوتا ہے۔ ہم جرگہ پہنچ گئے۔ یوں تو میں راستے میں خوب صورت دیکھا آیا تھا لیکن جرگہ کا حسن منفرد تھا۔ آنکھیں ہر طرف تھیں اور دیکھ دیکھ کر ہی نہیں بھرتا تھا۔ وہ علاقہ قدرتی حسن جس قدر مال مال تھا اس قدر وہاں کے لوگ غریب، بھوچار اور تھے۔ دور دور تک مٹی یا لکڑیوں سے بنے ہوئے چھوٹے کچے مکانات دکھائی دے رہے تھے۔ ایک چھوٹی سی باڑی کا بلندی پر ایک پتہ حویلی نظر آ رہی تھی۔ حویلی کے اطراف اونچے چٹان بنے ہوئے تھے۔ ہر چٹان پر دو سنگ ہرے دارک ہوئے تھے جو وہاں سے دوستوں اور دشمنوں کو دور سے آنے دیکھ سکتے تھے۔"

نور زمان نے ادھر اٹکی کا اشارہ کرتے ہوئے کہا "خان کی حویلی ہے۔ ظالم سے خدا سمجھے گا۔"

وہ تیزی سے قدم بڑھاتا ہوا اپنے گھر کی طرف جا رہا تھا سے بولتا جا رہا تھا "آج میرا پورا کتبہ قرآن کی لنت سے

مائل کر لے گا۔ میرے بابا کی روح کو سکون ملے گا۔ ظالم خان نے میرے بابا کو فکر اور پریشانیاں میں مبتلا کر کے مار ڈالا تھا۔ اس نے ہستی کے ایک شخص کو مخاطب کرتے ہوئے کہا "وہ دلدار! میرے کو شناخت کر۔ ام تیرا بچپن کا یار ہے؟"

نور زمان نے اس سے گلے ملے ہوئے کہا "اُسے زمان اتواؤنٹ کی طرح بلایا ہو گیا ہے۔ بچپان نہیں جاتا ہے۔"

"وقت ہے ہم سب کو بدل دیا ہے۔ ان سے ملو یہ میرے مہمان ہیں۔"

دلدار نے مجھ سے مصافحہ کیا پھر کہا "زمان! تیری ماں خان انظم کی حویلی میں ہے۔ تو جانتا ہے اسے آج وہی رات سے پہلے چھٹی نہیں ملے گی۔"

نور زمان نے کہا "میں گھر جا کر پہلے بہن سے ملوں گا۔ پھر ماں رکھ کر اس کے پاس حویلی میں جاؤں گا۔ آج خان انظم کا قہر آتا رہوں گا۔"

"تو پھر خدا کا واسطہ پہلے قرضہ اتار دے۔ تیری بہن گھر میں نہیں، خان انظم کی بڑی حویلی میں ہے۔"

"کیا بولتا ہے دلدار؟"

"سچ بولتا ہوں۔ تیرے میاں سے جاتے ہی خان انظم نے کہا تیری ماں کی دن تیری بہن کو بھی میاں سے ہونڈا دے گی۔ اس لئے اسے قحط کے طور پر قید کر لیا ہے۔ وہ علاقہ ٹھیکری بڑی حویلی میں ہے۔"

"تیری بہن کو اس نے علاقہ غیر میں پھنچا دیا ہے۔ نہیں میں اسے آج ہی واپس لاؤں گا۔"

وہ شے بوش اور بخون میں مجھے بھول گیا۔ دوڑتا ہوا حویلی کی طرف جانے لگا۔ میں نے اس کے پیچھے جاتے ہوئے اسے کنٹرول کیا اس کی سوچ میں کھپایا "مجھے بوش میں رہ کر یہ سمجھنا چاہیے، گاؤں خان کتا سنگدل قصابی ہے۔ اس کے خونخوار ہرے دار تھیں۔ گولیوں سے چھلٹی کر دیں گے۔"

اس نے کہا "میں اپنی جان دے دوں گا۔ وہ میری بہن کو اس بٹا حویلی میں لے گیا ہے جہاں سے کوئی لڑکی واپس نہیں آتی۔"

میں نے اس کی سوچ میں کہا "میں زہر دہوں گا اور عقل سے کام لیں گا تو گل جان غزت و آہوستہ واپس آئے گی۔"

وہ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا، سوچوں میں گم ہواڑی کے دامن میں آیا۔ وہاں ایک کیبن میں دو سنگ گاؤں تھے۔ ایک نے باہر آکر پوچھا "کون تو تم؟ ادھر کیوں آئے ہو؟"

"میں نور زمان ہوں۔ میری ماں سیدی بانو حویلی میں خدمت کر رہے ہیں۔ میں اپنی ماں اور خان انظم سے ملنے آیا ہوں۔"

میں اس گاؤں کے اندر پہنچ گیا۔ وہ کیبن کے اندر آیا۔ لاگے گاؤں نے پوچھا "یہ دونوں کون ہیں؟"

گاؤں نے اونچی آواز میں پوچھا "نور زمان تیرے ساتھ کون ہے؟"

"میرا عزیز مہمان ہے۔"

گاؤں نے ریسور انٹارک ہاؤس کی نصف بلندی پر تعمیر کی ہوئی حویلی میں کسی سے رابطہ کیا۔ اسے بتایا کہ نور زمان اپنی ماں اور خان انظم سے ملنا چاہتا ہے دوسری طرف سے کہا گیا "انتظار کرو۔"

میں حویلی کے اندر انتظار کرانے والے کے پاس پہنچ گیا۔ وہ کاغذ خان کا دست راست تھا۔ اس نے انتظار کام کے ذریعے کاغذ خان کو مخاطب کیا۔ پھر کہا "سیدی بانو کا فرزند نور زمان اپنے ایک مہمان کے ساتھ آیا ہے۔ وہ آپ سے اور سیدی بانو سے ملنا چاہتا ہے۔"

کاغذ خان کی غرائی ہوئی آواز سنائی دی "وہ خنزیر کا بچہ اتنے برس بعد آیا ہے۔ کیا قرآن کی رقم لایا ہے؟"

"میں نے یہ نہیں پوچھا ہے۔ ابھی پوچھتا ہوں۔"

"تم ریسور رکھ دو۔ میں بات کرتا ہوں۔"

کاغذ خان نے ریسور انٹارک بچے کیبن کے گاؤں سے کہا "اس سے معلوم کرو۔ کیا وہ قرضہ ادا کرے گا؟"

میں کاغذ خان کے خیالات پڑھ رہا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا "اگر وہ شہر سے اچھی کمائی کر کے آیا ہے تو قرضہ ادا کر دے گا۔ بڑی گریو ہوگی۔ چھوٹا خان، گل جانان پوچھا ہے۔ اس کے جوان ہونے کا انتظار کر رہا ہے۔ حرم سرا کی لڑکی ڈاکٹر نے کہا ہے کہ گل جانان کے لئے اور دو برس انتظار کرنا ہوگا اور یہ نور زمان ادا نہیں کئے لے آیا ہے۔"

ریسور سے گاؤں کی آواز سنائی دی "جناب عالی! یہ ابھی پورے میں ہزار ادا کرے گا۔"

وہ غرا کر بولا "ہوں! آتے دو۔"

اس نے پوچھا "مہمان کے لئے کیا حکم ہے؟"

وہ مجھے حویلی کے اندر بلاتا نہیں چاہتا تھا لیکن میری مرضی سے بولا "کیا ہماری قوم کی روایت نہیں جانتے ہو۔ ہستی میں آنے والا سب کا مہمان ہوتا ہے۔ اسے بھی آنے دو۔"

کیبن کے ایک گاؤں نے باہر آکر ہم سے کہا "اوپر چلو۔"

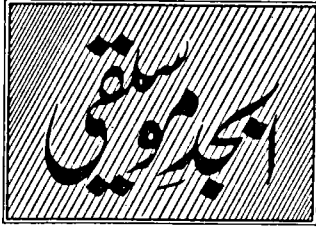
میں گاؤں اور نور زمان کے ساتھ ہاڑی راستے پر چڑھتے ہوئے دور دور تک دیکھنے لگا۔ وہاں کی ایک ایک جگہ کو ذہن نشین کرنے لگا۔ بلند چٹانوں پر گھن میں نظر آ رہے تھے۔ ہاڑی راستے کے ہر موڑ پر ایک کیبن تھا۔ گویا وہ چیک پوسٹ کے طور پر بنائے گئے تھے۔ گاؤں نے ہمیں پہلے چیک پوسٹ تک پہنچایا۔ وہاں ہماری چاند تلاش ملی تھی۔ ہمارے پاس کوئی اختیار نہیں تھا۔ میرے پاس نہیں ہزار اور نور زمان کے پاس سناٹا تھا ہزار چھ سو روپے تھے۔ چنگچنگ کے دوران ہاڑی کے دامن سے ایک فٹنی مرشد پر کار آ رہی تھی اور

جوئی کی طرف جاری تھی۔ ایک گاڑنے کا "ایک طرف دو باؤ۔
 مریٹا خانم آ رہی ہیں۔"
 یہ معلوم ہوا کہ مریٹا خانم کا نور خان کی چھوٹی بہن تھی اور
 وہ چھوٹا خان جو گل جاناں پر عاشق تھا وہ کا نور خان کا چھوٹا بھائی
 تھا۔ مریٹا کی گاڑی چیک پوسٹ پر آکر رک گئی۔ اگرچہ وہ ان
 زمینوں کی مالک تھی۔ کا نور خان کی بہن تھی لیکن خود کا نور خان کی
 گاڑی کو بھی آتے جاتے چیک کیا جاتا تھا۔ یہ اندیشہ تھا کہ کوئی
 دشمن گاڑی میں ناظم نوغہ چھپا کر رکھ سکتا ہے۔
 مریٹا چیکنگ کے دوران کار سے باہر آئی۔ وہ جتنی حسین
 تھی، اتنی ہی قدر آور اور بھور تھی۔ ابلے کینے چہرے پر سب کی
 سرفنی تھی۔ اس نے آنکھوں پر سے سیاہ گونگھس اڑاتے ہوئے
 چیک پوسٹ کے پاس کھڑے ہوئے لوگوں کو ایسی حیرت سے دیکھا
 جیسے کیرے کو ڈول کو دیکھ رہی ہو۔
 اس کی نظریں جھپٹے گزرتی ہوئی دوسری طرف جانا چاہتی
 تھیں۔ لیکن میری بیٹی کی محتاط طبیعت نے اس کی نگاہوں کو
 جکڑ لیا۔ وہ جیسے اپنے برابر نہیں سمجھتی تھی اسے دیکھنا بھی گوارا
 نہیں کرتی تھی۔ وہ مجھے بھی دیکھنا نہیں چاہتی تھی لیکن میری
 آنکھوں کی محتاط طبیعت سے آزاد نہیں ہو رہی تھی۔
 وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی میرے دوہرو آئی۔ اس کی آواز میں
 لاکھ درد و غم اور دہرہ ہوا تھا لیکن اس نے زبان کھلی تو آواز
 ڈوبنے لگی۔ وہ پچھلی پچھلی سی سرگوشی میں بولی "کون تو تم؟"
 میں نے اس کے اندر کہا "دو ہی ہوں جس کے لئے تم سوچتی ہو
 لیکن جسے تم سمجھ نہیں پاتی ہو۔"
 پھر میں نے زبوں سے کہا "میرا نام ارسلان ہے۔ میں اس
 نو زمان نور زمان کا مسلمان ہوں۔ خان اعظم سے ملاقات کرنے آیا
 ہوں۔"
 میں نے اس پر سے اپنی نگاہیں ہٹائیں۔ محتاط طبیعت ظلم ٹوٹ
 گیا۔ مریٹا نے چونک کر اس پاس دیکھا۔ اس کا دل زور زور سے
 دھڑک رہا تھا۔ یہ سوچ کر اسے فصد آ رہا تھا کہ ایک اجنبی کی
 آنکھوں میں گم ہو گئی تھی۔
 وہ تیزی سے چلی اور کار میں جا کر بیٹھ گئی۔ میں نے اس کی
 سوچ میں کہا "ارسلان کو کیوں۔"
 دولت اور دنیا والے اس کے گلوں تھے لیکن وہ دماغ کی محکوم
 تھی۔ اس نے بے اختیار جھنجھٹ دیکھا۔ پھر کار اشارت کر کے آگے
 بڑھ گئی۔ ذرا دور جا کر اس نے میری مرضی کے مطابق کار روکی۔
 کڑکی سے ہچاک کر کھینچ دیکھا۔ وہ مجبور ہو کر سونپنے لگی "میں اس
 کی طرف کبھی جاری ہوں۔ نہ تھا کہ ہزار سخت مزاحمتی کے باوجود
 دل کسی ایک کے لئے پاگل سا ہو جاتا ہے۔ کیا میں دیوانی ہو رہی
 ہوں۔ خواہ خواہ گاڑی روک کر اسے دیکھ رہی ہوں۔ یہ ملازم
 گاڑو وغیرہ کیا سوچتے ہوں گے۔"

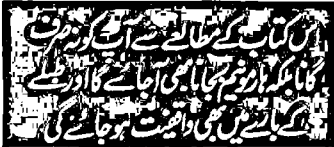
اس نے ہاتھ کے اشارے سے مجھے بلایا۔ ایک گاڑنے کے اندر
 "اور ہر جاؤ ناظم بلاتی ہیں۔"
 میں نور زمان کا ہاتھ پکڑ کر تیزی سے چلتا ہوا اس کے قریب
 آیا۔ یہ معلوم کر چکا تھا کہ دونوں بھائیوں نے اسے تعلیم کے لئے
 لندن بھیجا تھا۔ وہ پینٹل برس واپس آئی تھی۔ میں نے انگریزی میں
 کہا "دل کی بات زبان پر نہ لائی جائے تو اندر گھٹن بڑھ جاتی ہے۔"
 وہ بھی انگریزی میں بولی "یہ اچھا ہوا کہ تم یہ زبان بولتے ہو۔
 ورنہ میں اپنی انگوٹھ کے سامنے دل کی بات نہ کہہ پاتی۔ تم نے کیا
 ملاقات میں نہ جانے کیا یاد کروایا ہے۔"
 "میں یاد کر نہیں ہوں اور نہ ہی عاشق مزاج ہوں۔ مجھے کوئی
 عورت متاثر نہیں کرتی۔"
 "یعنی مجھ میں متاثر کرنے والی خوبیاں نہیں ہیں۔ تم میری
 توہین کر رہے ہو۔"
 "میں تمہارے بارے میں نہیں کہہ رہا ہوں۔ بھلا کیا
 ملاقات میں کیسے کہہ سکتا ہوں کہ تم میں کتنا کثرت ہے۔"
 "میں تمہیں بتاؤں گی کہ کیسے کثرت مارتی ہوں۔ انکی سیدہ
 بیٹھو۔"
 "میرا دہتان میزبان بھی بیٹھنے کا تو تمہاری برتری کو نہیں پپے
 گی۔"
 وہ بولی "یہ گاڑی کے پیچھے دوڑتا دوڑتا آئے گا۔ اس کی اوقات
 یہی ہے۔"
 "اس کی اوقات اتنی اونچی ہے کہ تم اس کے مسلمان کے لئے
 گاڑی سے اتر کر زمین پر آگئی ہو۔"
 "تم میری افسلت کر رہے ہو۔ جانتے ہو تمہارا انجام کا
 ہو گا؟"
 "کوئی اپنا انجام نہیں جانتا۔ تمہیں بھی اپنے انجام کی خبر
 نہیں ہے۔"
 وہ غصے سے کار کے اندر مچی۔ ڈلیش بورڈ کے ایک خانے کا
 کھول کر گمراہ ہوا اور اوروں کا دل اس کا خیال تھا جسے گولی مار دے
 میں مریٹاں گاؤ اس کے اندر سے میرا اثر اور میرا جادو بھی
 ہو جائے گا۔
 میں نے اس کی سوچ میں کہا "وہ مرنے کا تو میں ڈرا
 ہوا ہوں۔ اس کی محتاط طبیعت نے میں میری رگ رگ میں لوکا
 طرح دوڑ رہی ہیں۔ میں چاہتی ہوں یہ مجھے دیکھتا رہے اور نہ
 گھبراہٹ ہوئی رہوں۔"
 وہ ڈھیلی بڑھتی۔ دیوار کو واپس رکھتے وقت اس کی سوچ۔
 کہا "آہ کیا کروں۔ میرا دل اسے ملتا ہے۔"
 وہ فوراً ہی کار اشارت کر کے آگے چلی گئی۔ ایک دہتان کا
 اپنی کار میں نہیں بٹھا سکتی تھی۔ میں نے اس کی انا کوئی اگال مجھ
 نہیں کیا۔ ابھی وہ سڑک پر چکا تھا وہ ملاقات کے لئے کئی تھا۔

نور زمان نے میرے ساتھ چلتے ہوئے پوچھا "وہ کیا کہہ رہی
 تھی؟"
 "بہرہ رہی تھی میں اس کے ساتھ کار میں بیٹھ جاؤں گی کہ۔
 انگریزی بولتا ہوں تم گاڑی کے پیچھے دوڑتے ہوئے آؤ گے کہ نہ کہ تم
 قوی اور طاقتور لڑکی زبان بولتے ہو اور اس سے بہت کمتر ہو۔"
 "آپ اس کے ساتھ نہیں گئے۔ یہ بہت برا ہوا۔ وہ خان
 زادی ہے اپنی توہین کا بدلہ لے گی۔"
 "لے دو۔ پروانہ کرو۔"
 ہم باہری راستے پر چڑھتے چڑھتے جوئی کے بڑے گیٹ تک
 پہنچ گئے۔ ایک سیکورٹی افسر نے ڈیوٹی ٹوٹے سے ہمیں سر سے
 پاؤں تک دیکھا۔ کئی ہتھیار کی نشاندہی نہیں ہوئی۔ ہم دو سیکورٹی
 گاڑوں کے پیچھے چلتے ہوئے وسیع و عریض باغ سے گزرتے ہوئے
 جوئی کے اندر آئے۔ بڑے زبردست خانگی انتظامات تھے۔ اس
 کے باوجود میں ان کے آقا کا نور خان کے اندر پہنچا ہوا تھا۔ اگر
 ملازم غیرتے نور زمان کی بہن کو واپس لانے کا مسئلہ نہ ہوتا تو میں
 خان اعظم کو ملتی چلتے پر مجبور کر دیتا۔
 جوئی کی بیشک میں اس کے ملازم نے مجھ سے کہا "تم اوھر
 بنو اور تم نور زمان میرے پیچھے آؤ۔"
 میں ایک ایسی کرسی پر بیٹھا جس کی پشت دیوار سے لگی ہوئی
 تھی۔ کسی نئی جگہ اسی طرح بیٹھنا چاہئے۔ پیچھے سے دشمن کے تیلے
 کا خطرہ نہیں رہتا۔ میں دست راست کے دماغ میں پہنچ گیا۔ وہ نور
 زمان کو اپنے آقا کے پاس لے جا رہا تھا۔ ایک راہداری سے گزر کر
 دوسری تیزی راہداری میں چل رہا تھا۔ جوئی بہت بڑی تھی۔ آقا
 تک پہنچنے کا قافلہ بھی بہت تھا۔ آخر وہ ایک بڑی سی خواب گاہ میں
 پہنچ گئے۔
 کا نور خان شاہانہ طرز کے پلنگ پر شاہانہ انداز میں بیٹھا ہوا
 تھا۔ نور زمان نے جبکہ کر سلام کیا۔ وہ غرا کر بولا "تو ہمیں دھوکا
 دے کر فرار ہوا تھا۔ تیری اتنی جرات کیسے ہوئی؟"
 "خان آقا میں محنت مزدوری کرتے کیا تھا۔ یہ دیکھئے میں
 آپ کے پورے میں ہزار روپے لایا ہوں۔"
 اس نے لباس کے اندر سے نوٹوں کی گڈیاں نکال کر
 دکھائی۔ پھر کہا "آج میں قرض ادا کر رہا ہوں۔ میری ماں اور بہن
 کو کہا کریں۔"
 گاڑنے اسے گھور کر دیکھتے ہوئے کہا "دوسرے رقم کیا دکھاتا
 ہے۔ اوھر اور قرض کی رقم میرے قدموں میں رکھ دے۔"
 وہ دونوں ہاتھوں کی ظہتری پر نوٹوں کی گڈیاں رکھے آہستہ
 آہستہ چٹاوا قریب آیا پھر بولا "آقا حضور! یہ رقم قبول کریں۔"
 وہ گھٹ کر بولا "کیا تو نے سنا نہیں یہ رقم میرے قدموں میں رکھ
 دے۔"
 "معافی چاہتا ہوں آقا! نوٹوں پر ہمارے قاصد اعظم کی

موسیقی کے شائقین کے لیے اپنے طرز کی اچھوتی کتاب



سازوں کی نکت میں گانا کی شکل فن سے



سُرے، گیت، راگ، ٹھانڈا اور
موسیقی کے دیگر اسرار و رموز
آشکارا کرنے والی بھلا کا آمد کتاب

بڑھتی ہے نامور گلوکار اس کتاب کے بارے میں کہتے ہیں کہ

مہدی حسن کا تفصیلی تبصرہ

مع ان کی دست گین تصویب کے

اس کتاب میں ملاحظہ فرمائیں



قیمت ۲۰/- روپے ۵۰/- روپے
جس کی رقم بذریعہ منی آرڈر بھیجئے ہر ڈاک خرچ صاف

کتابیات پہلی کیشینز

پت: محکم نمبر ۱۳ سید منشی بیگم اسٹریٹ، انی چیمبر ڈوگر چار

تصویریں ہیں۔ میں انہیں قدموں میں نہیں رکھوں گا۔“
 نورزمان کا تکرار نظم سے عقیدت اور احترام کا جذبہ دیکھ کر
 دل خوش ہو گیا۔ کافور خان نے ایک مناجارہ رسید کیا۔ نورزمان کا
 منہ گھوم گیا۔ وہ لپٹ کر فرش پر گر پڑا۔ نوٹوں کی گڈیاں ادھر ادھر
 بکھر گئیں۔ پھر وہ جلدی سے اٹھ کر گڈیاں سمیٹ کر انہیں
 ہتھیلیوں کی نشتری میں سما کر دوبارہ اس کے دروازے گیا۔
 کافور خان نے کہا ”میں علاقہ غیر میں رہتا ہوں۔ وہاں بڑے
 بڑے ملکوں کے کرنسی نوٹ آتے ہیں۔ ان کے سامنے پاکستانی کرنسی
 کی کیا اہمیت ہے۔“
 اس نے دست راست سے کہا ”خجند خان! اسے ٹھوکر مار کر
 نوٹوں سمیت ہمارے قدموں میں گراد۔“
 میں نے دست راست خجند کو مارا کہ کیا وہ نورزمان کے پیچھے
 سے دوڑتا ہوا آکر فٹنگ ٹنگ کھارے۔ اس نے یہی کیا۔ دوڑتا ہوا
 آکر فضا میں چھلانگ لگائی۔ میں نے اسی لمحے میں اسے گھمایا۔
 فلائنگ کلک کافور خان کے منہ پر لگی۔ وہ لڑکھڑا کر پیچھے ہٹ گیا۔
 گیا۔ خجند فرخ پر اونٹ سے منہ کر رہا تھا۔ ادھر کافور خان غصے سے
 پاگل ہو گیا تھا۔ آج تک کسی نے اسے انگلی نہیں لگائی تھی۔ کیا یہ
 کہ ملازم نے منہ پر لات مار دی تھی۔
 اس نے گالیاں دیتے ہوئے کھینکے کے پیچھے سے بھرا ہوا ریو اور
 نکالا۔ خجند نے گڑگڑا کر کہا۔
 ”تم آقا رحم جاہیں نہ دانستہ۔۔۔“
 اس کی بات پوری نہ ہو سکی۔ کافور خان جنون میں ناز کرنا
 گیا۔ دست راست پہلی پہلی گولی میں غصہ اڑ گیا تھا لیکن وہ فضا میں
 فضا میں ناز کرنا گیا۔ یکے بعد دیگرے گولیاں اس کے جسم میں
 اتارتے ہوئے اپنا غصہ سڑکرنے کی کوشش کرنے لگا۔ پھر خالی
 ریو اور کھینچ کر اس نالاش پر مارتے ہوئے گمری سانس لینے لگا۔
 ایک دھمکی دہندے کی طرح اپنے لگا۔
 سیکیورٹی افسر دوسرے گاڑوں کے ساتھ دوڑتا ہوا وہاں پہنچ گیا
 تھا اور سیٹیٹ کر کے جراثی سے دست راست کی لاش کو دیکھ رہا تھا
 اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ آقا نے اپنے قابل اعتماد دست
 راست کو قتل کیا ہے۔ آقا نے گرج کر کہا ”اس ٹنگ حرام کی لاش
 کو حویلی کے پیچھے کھائی میں بیچ کر دو۔“
 وہ سب لاش اٹھا کر لے گئے۔ دو ملازم خون آلود قالین لے گئے۔
 کر لے گئے۔ دوسرے ملازم نیا قالین لا کر بچائے گئے۔ اس
 عرصے میں نورزمان ایک طرف سما کھڑا رہا۔ کافور خان آکھیں بند
 کر کے سوچ رہا تھا ”ابھی کسی کو معلوم نہیں ہے کہ میں نے منہ پر
 لات کھائی ہے۔ یہ نورزمان بھی باور نہ ہو جائے گا تو میری عزت رہ
 جائے گی۔“
 میں نے اس کی سوچ میں کہا ”مجھے لات کھا کر عقل سے سوچنا
 چاہئے کہ میں کا قید اعظم کو اور پاکستانی کرنسی کو اپنے قدموں میں لانا

چاہتا تھا، مجھے عبرت حاصل کرنا چاہئے۔“
 اس نے عبرت کے نام پر گندھی سی گالی دی۔ پھر ریو اور
 دوبارہ لوڑ کر نورزمان سے بولا ”ترم ادھر رکھ دے۔ تیری
 کل سیخ تیرے گھر پہنچ جائے گی۔ تیری ماں حویلی کے پیچھے کھاکر
 ہے۔ چل آ، میں تجھے اس سے ملا دوں گا۔ تو اس کے ساتھ
 راستے سے چلے جانا۔“
 وہ بولا ”آقا! میرا مہمان آپ کی بینک میں ہے۔ میں اس
 کے ساتھ جاؤں گا۔“
 ”اوہ۔ ہاں! میں تیرے مہمان کو بھول گیا تھا لیکن اب وہ
 مہمان ہے۔ اور اسے میں مہمان بنالوں۔ کیا اسے تو ساتھ
 جانے کی جرات کرے گا۔“
 نورزمان مجھے چھوڑ کر جاتا نہیں چاہتا تھا لیکن میں نے اس
 خیال خزانے کے ذریعے جانے پر مجبور کر دیا۔ وہ کافور خان کے
 جانے لگا۔ خان نے فیصلہ کیا تھا کہ نورزمان اور اس کی ماں کو
 بارگ کے راستے جانے دے گا پھر ان پر اپنے پالتو خنوزار
 چھوڑ دے گا۔
 وہ پچھلے لمحے میں اس کی ماں کو بلا لایا۔ دونوں ماں بیٹے ایک
 دوسرے سے لپٹ کر خاموشی سے روئے گئے۔ نورزمان نے کہا
 ”ماں! اب تیری آنکھوں میں آنسو نہیں آئیں گے۔ میں نے تم
 قرضہ ادا کر دیا ہے۔ کل ہماری محل جاتا بھی مگر آج آئے گی۔“
 میں نے کافور خان کے دماغ پر قبضہ کر لیا۔ اسے کون کے
 کے پاس لے گیا۔ چار بھوکے خنوزار کتے اتنی سلاخوں کے
 غراوے تھے اور بھوک رہے تھے۔ خان نے چاروں کو گولی مار دی
 ان کا بھونکا ہوا پیشے کے لئے ختم ہو گیا۔ وہ زیر زمین سیل سے باہر
 سیکیورٹی افسر دوسرے گاڑوں کے ساتھ پھروڑتا ہوا آ رہا تھا۔
 نے کہا ”واپس جاؤ۔ خطرے کی بات نہیں۔ میں ہوائی ناز کر رہا
 وہ سب واپس چلے گئے۔ کافور خان حویلی کے پیچھے برآمد
 میں آیا۔۔۔ وہاں ماں بیٹے اس کا انتظار کر رہے تھے۔ وہ انہیں
 لے کر باغ میں بارگ سے گزرتا ہوا پچھلے گیٹ پر آیا۔ ایک گاڑی
 بولا ”ابھی تک یہاں کے پیچھے پناہ د۔“
 ماں بیٹے گاڑوں کے ساتھ چلے گئے۔ وہ واپس زیر زمین سیل
 آیا۔ میں نے اس کے دماغ کو زبردستی ڈھیل دی۔ وہ آہستہ آہستہ
 کے پیچھے مڑ کر کھڑا ہو گیا کہ چونک گیا۔ پھر بڑبڑایا ”میرے ان
 ترین کتوں کو کس نے گولی ماری ہے؟“
 میں نے اسے ریو اور کی طرف متوجہ کیا۔ اس نے
 چپکے کیا۔ چھ گولیاں میں سے چار نکل چکی تھیں۔ تیسری مڑ
 دو گولیاں رہ گئی تھیں۔ اسی حساب سے چار کتے مارے گئے
 پھر بھی وہ مائے کو تیار نہیں تھا کہ اپنے ہاتھوں سے اپنے کتوں
 ہلاک کیا ہے۔
 اسی وقت مرتینا وہاں آئی۔ اس سے بولی ”برادر! میں
 ڈھونڈ رہی تھی۔ میں نے دس فائوٹی اور آڑیں سنی تھیں۔ یہاں

انہوں نے ہاتھ آقا کے قابل اعتماد خجند کو مار ڈالا ہے!“
 ”میں وہ قابل اعتماد نہیں رہا تھا۔ اس سے آگے کچھ نہ
 پہنچا۔“
 ”مریتا نے کتوں کو دیکھ کر پوچھا ”کیا تم نے۔۔۔؟“
 ”جھنڈا کر بولا ”کیا تمہاری عقل کہتی ہے کہ جن کتوں سے
 بے رحمت کرنا تھا انہیں گولی مار سکتا ہوں۔“
 ”نہیں۔ مگر کس نے گولی ماری ہے؟“
 ”مہمان ہے۔ ریو اور سے چلی ہیں مگر میں نے ناز نہیں کیا
 ہے۔“
 ”کیا تم نے کچھ دیر کے لئے یہ ریو اور کسی کو مارا تھا؟“
 ”ناکل نہیں یہ میرے ہاتھ میں تھا۔“
 ”مریتا نے اسے ایسے دیکھا جیسے بھائی کا دماغ چل گیا ہو۔ وہ
 ہوا ”خجند خان نے جنہیں کوئی ذہنی صدمہ پہنچایا ہے۔ میں نہیں
 نے تمہارا غصہ اور جنون دیکھتی آ رہی ہوں۔ کوئی سا بھی ہتھیار
 استعمال کرتے ہو تو ہوش میں نہیں رہتے ہو۔“
 وہ بولا ”مہم سب کی رکوں میں جھینگری خون ہے۔ تم بھی ایک
 خاص موقع پر جنون میں مبتلا ہو جاتی ہو اور جب ہوش میں آتی ہو تو
 نہیں یاد نہیں رہتا کہ جنون میں کیا کچھ کرتی رہی ہو۔“
 کافور خان کی سوچ نے بتایا۔ مریتا کو دلنشین بننے کے بعد
 ماں کی سیخ پر درود پڑتا ہے۔ وہ دوبارہ دلنشین بن چکی ہے۔ پہلی بار
 اپنے پہلے شہر کو پھولوں کی سیخ پر گولی مار دی۔ دوسری بار دوسرے
 شہر کو پھولوں کے ہلاک کر دیا۔
 ہوش میں آنے کے بعد اس نے یقین نہیں کیا کہ اپنے ہی
 ہاتھوں سے اپنا سماں اجاڑ چکی ہے۔ حقیقتاً وہ ایسی کنواری سماں
 کی خوش عوی میں کنواری رہ جاتی تھی اور جنون کی حالت میں
 ایک قتل کر کے کنواری بیوہ بن جاتی تھی۔
 مریتا کا کردار عجیب و غریب تھا۔ میں نے اچھی طرح اس کے
 خورخاٹات پر۔۔۔ بار بار پر۔۔۔ ہر بار یہی معلوم ہوا کہ اس نے
 کی قتل نہیں کیا ہے۔ اسے یہ یاد تھا کہ دوبارہ دلنشین بن چکی ہے۔
 اور یہی یاد تھا کہ ان دونوں متضاد جزائوں کو بھی دیکھا ہے جو اس کے
 دلنشین کرتے تھے اور سماں کی سیخ پر اپنی خیندھوئے تھے۔
 یہ خیندھوئے ہوئی کہ اس کی شادی دونوں بار اس علاقے سے دور
 اپنی رازداری سے باہر کی گئی تھی۔ اگر برادری میں شادی ہوتی اور
 دماغ کے باغے تو خاندانی عداوتیں بڑھتی جاتیں۔ اپنے ہی قبیلے
 میں کافور خان کے دشمنوں کی تعداد میں اضافہ ہو جاتا۔
 کافور خان اور اس کے بھائی ہرم خان عرف چھوٹا خان نے
 اپنا کھنڈیہ علاقہ میں دولت پائی کی طرح بھائی تھی۔ یورپ
 اور امریکہ کے تجربہ کار ڈاکٹروں سے اور ماہرین نفسیات سے معائنہ
 کرایا تھا۔ ماہرین کا مشفق فیصلہ تھا کہ مریتا کے دماغ میں کوئی
 پائلز ایسی ہے۔ اس نے شاید بچپن میں چھپ کر کسی دلن

کے ساتھ زیادتی ہوتے اور اس دلن کو قتل کرتے دیکھا ہے۔ یا
 اسی قسم کی کوئی فلم دیکھی ہے جو اس کے تحت الشعور میں گھسی
 ہوئی ہے۔ جب وہ خود دلن بنتی ہے تو عالم جنون میں وہی واقعہ
 دہرائی ہے۔
 ویسے میں نے خیال خزانے کے ذریعے اس کے لاشعور اور تحت
 الشعور کو اچھی طرح دیکھا تھا اور کوئی فلمی واقعہ اس کی یادداشت
 میں چھپا ہوا نہیں تھا۔ وہ یقیناً ایک پیچیدہ مسئلہ بن گئی تھی۔
 بہر حال حویلی کے اندر آ کر کافور خان کو یاد آ گیا کہ نورزمان اپنی
 ماں کے ساتھ کہاں گیا ہے۔ جبکہ وہ ماں پناہ حویلی کے پچھلے حصے میں
 تھے۔ اس نے پچھلے گیٹ کے سیکیورٹی گاڑوں سے پوچھا ”کیا تم نے
 سیکیورٹی گارڈ اور اس کے بیٹے کو دیکھا ہے؟“
 گاڑوں نے جواب دیا۔ ”آقا! آپ آئے کو کہاں لائے تھے۔
 مجھے حکم دیا تھا کہ میں انہیں پھاڑوں گے نیچے چھوڑ آؤں۔ میں نے
 حکم کی تعمیل کی ہے۔“
 کافور خان نے سوچتی ہوئی نظروں سے گاڑو کو دیکھا لیکن زبان
 سے کچھ نہیں کہا۔ وہ دل ہی دل میں اعتراف کر رہا تھا کہ اس سے
 کچھ بے گنی حقیقتیں سرزد ہو رہی ہیں۔ اس نے جنون میں آکر قابل
 اعتماد خجند خان کو قتل کیا تھا۔ اس کے بعد ہی چار کتے مر گئے تھے
 اور ماں بیٹے زندہ سلامت حویلی سے چلے گئے تھے چونکہ یہ سب کچھ
 غصے اور جنون سے شروع ہوا تھا اس لئے وہ پریشان ہو کر سوچ رہا
 تھا کیا بہن کی طرح اسے بھی جنونی درود پڑنے لگا ہے؟
 مریتا جو حقیقتیں کرتی تھی اسے بعد میں بھول جاتی تھی۔ کافور
 خان سوچ رہا تھا وہ بھی جو حقیقتیں کرتا رہا ہوں انہیں بھولتا رہا
 ہوں۔ بھائی اور بہن کا خون ایک ہے اور یہ خون اپنی اصلیت
 دکھا رہا ہے اور اصلیت یہ تھی کہ ان کا باپ جو بانی میں تپا کھل تھا۔
 بڑھاپے میں عمل پائیل ہو کر دماغی اپستال میں مر گیا تھا۔
 باپ کے زمانے سے یہ کڑیاں جوڑتے ہوئے تسلیم کرنا
 پڑ رہا تھا کہ پائیل باپ کے خون کا کوئی پائیل جراثیم اداوے کے لوہیں
 بھی پلا آتا ہے اور وہ جراثیم اب انڈے بن چکے پیدا کر رہا ہے اور
 انہیں بھی جنونی پائیل بناتا جا رہا ہے۔
 میں نے آہستہ آہستہ کن خیال خزانہ ختم کر دی۔ سرانجام دیکھا۔
 دروازے کے پرے کے پاس مریتا کھڑی ہوئی مجھے دیکھ رہی تھی۔
 نظرس ملتے ہی بینک میں داخل ہو کر بولی ”میں جانتی تھی تم حویلی
 میں آکر واپس نہیں جاؤ گے۔“
 ”کیا تم نے مجھے جانے سے روک لیا ہے؟“
 ”میرے برادر خان! اعظم کا حکم ہے کہ پہلی بار آنے والا اجنبی
 پہلے ہماری حویلی میں مہمان بن کر رہے گا پھر تین دنوں کے بعد ہستی
 کا کوئی بھی شخص اس اجنبی کو مہمان بنا سکتا ہے۔“
 میں نے کہا ”مہمان نوادہ میں دوسروں سے سبقت لے جانا
 اچھی بات ہے مگر مہمان ہے مہمان کے لئے آپس میں جھگڑے بھی

ہوتے ہیں گولیاں بھی چلتی ہیں۔“
 وہ ہنسنے لگا۔ ”تم پر گولی نہیں چلے گی۔ کسی میں اتنی جرات نہیں ہے کہ ہماری طرف آنکھ اٹھا کر بھی دیکھے۔ ہماری طرف اسلحہ اٹھانا تو دور کی بات ہے۔ ویسے تم بہت چھوٹے خیال کے آدمی ہو۔ ایک دہقان کے گھر جا رہے تھے۔“
 ”وہ دہقان میرا کوئی رشتہ دار نہیں ہے۔ ہاں انسانیت کا رشتہ ہے۔ سفر کے دوران آج ہی اس سے ملاقات ہوئی تھی۔ اگر میں اسے چور ذکر تمہاری گاڑی میں بیٹھ جاتا تو ایک غریب کا دل ٹوٹ جاتا۔“
 ”وہ غریب تمہیں چور کر چکا گیا ہے۔“
 ”وہ چور ذکر نہیں گیا۔ تمہارے بھائی کے حکم نے اسے ساتھ چور کرنے پر مجبور کر دیا ہے۔ ابھی تم نے ہی کہا تھا کہ انہی شخص پہلا اس حویلی میں مہمان رہتا ہے۔“
 ”یہ میرے لئے اچھا ہوا کہ تمہارے جیسا انگریزی بولنے والا اساتذہ مہمان آیا ہے۔ میں تمہارا روبرو ہی تھی۔“
 ملازم نے اتر کر ایک میز پر کھانا چن دیا گیا ہے۔ وہ بولی ”مسٹر ارسلان! میں نے دستور کے مطابق مہمان کو چائے یا شربت پیش نہیں کیا کیونکہ یہ سچ کا وقت ہے۔ کم آن باقی باتیں کھانے کی میز پر ہوں گی۔“

میں اٹھ گیا۔ اس کے ساتھ چلتا ہوا اینٹیک سے نکل کر ایک راہداری میں آیا۔ وہاں سے ڈانگ دوم میں پہنچا۔ حویلی پرانی تھی لیکن جدید فنی سامان سے آراستہ تھی۔ ہم میز کے اطراف بیٹھ گئے۔ مرہبان نے ملازم سے پوچھا ”غافل مہمان کہاں ہیں؟“
 ”آقا خان نے کہا ہے، ہموک نہیں ہے۔ آپ مہمان کا ساتھ دیں۔“

وہ انگریزی میں بولی ”برادر بہت پریشان ہے۔ ہم بھائی بہن آپس میں بہت محبت کرتے ہیں۔ ایک چھت کے نیچے چارہ کرا ایک دوسرے کے بغیر ایک لقمہ بھی منہ میں نہیں رکھتے ہیں۔ اگر ماہر نہ کہو تو میں برادر کو خود ہلا کر لاتی ہوں۔“

”بے شک، میں انتظار کروں گا جیسے خان اعظم سے ملاقات کر کے خوش ہوگی۔“

وہ کرسی سے اٹھ کر جانے لگی۔ اس کے خیالات کہ رہے تھے، وہ مجھے منگھو سے اور ظاہری شخصیت سے اونچے اسٹیشن کا آدمی سمجھتی ہے۔ اسی لئے میرے سامنے آتی ہے اور اپنائیت سے گفتگو کرتی ہے اور چاہتی ہے غریب اور غلاموں کی ہمتی میں میرے ساتھ کچھ اچھا وقت گزربانے لیکن چور خیالات کہ رہے تھے کہ وہ اونچے اسٹیشن کے لوگوں کو بھی خود سے کتر سمجھتی ہے کسی سے سیدھے منہ بات نہیں کرتی۔ اس کا دل اور داغ میری طرف جبکہ رہا تھا۔ اس لئے وہ مجھ سے فری ہو رہی تھی۔ وہ بھائی کے پاس آکر بولی ”برادر! تم جانتے ہو۔ میں تمہارے

بغیر کھانے کو ہاتھ نہیں لگاؤں گی۔ پھر بھی کھانے سے انکار کر دو؟“

”مرہبان! جب تم پروردہ پڑتا تھا تو میں پریشان ہونا تھا۔ قریب اسے باری سمجھ کر تمہارا خلیان کراتا پھرتا تھا لیکن اب تمہارے ہے کہ ہم ہمارے نہیں ہیں۔ ہمارے پاس باپ کا خون رنگہ رنگا ہے۔“

”یہ کیا کہہ رہے ہو برادر؟“

”شک کہ رہا ہوں۔ ذرا غور کرو۔ جس طرح جنوں کی جان میں تمہیں کچھ یاد نہیں رہتا“ اسی طرح مجھے بھی یاد نہیں رہتا۔ یاد نہیں آ رہا کہ میں نے کب اپنے کتوں کو گولی مار دی اور کچھ غلام ہاں بیٹے کو یہاں سے بھاگ دیا۔ تم دوش میں آکر سوچتی ہو سناگ کی بی بی کو لہا کیے قتل ہو گیا اسی طرح میں دوش میں سوچتا ہوں کہ کتنے شے مر گئے اور غلام کیسے آزاد ہو گئے؟“

”برادر! تمہاری بات دل کو کھینچ رہی ہے۔ بالکل میری طرح دورہ پڑ رہا ہے لیکن کھانا چور کرنے سے مسئلہ حل نہیں ہوگا۔ جیٹ بھرتے دین یا ہموک کریں، باپ کا خون! میں اسے آتارہا ہوں پر دورے پڑتے رہیں گے۔ ابھی تیرے تھے کہ چھوٹا خان ہے۔“

”کب تک محفوظ رہے گا۔ باپ کا خون اس کے لئے سمیت بن جائے گا۔“

”میں تنویر کنڈوں کو نہیں مانتی۔ عامل پروفیسروں کے تمہارا کیا خیال ہے؟ کیا ہمیں کسی بہت بڑے خاں سے رہنما چاہئے؟“

”کچھ نہ کچھ کرنا ہی چاہئے۔ خلیان کراتے رہتے تے امید رہتی ہے۔“

”ہم اس موضوع پر بعد میں باتیں کریں گے۔ مہمان کر رہا ہے۔“

”مرہبان! تم اسے بہت افسد دے رہی ہو کیا وہ ہماری جا کا آدمی ہے؟“

”بے شک تمہاری بہن کسی کتر ہونے کا بھی پند نہیں ہے۔ تم اس سے ایک بار ملاقات کرو۔ اگر وہ ہم سے برتر نہ ہو کتر نہیں لگتا ہے۔“

وہ اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ مرہبان کے ساتھ چتا ہوا ڈاں دوم میں آیا۔ میں نے آگے بڑھ کر اس سے مصافحہ کیا، وہ میرے برادر خان اعظم کا نور خان ہیں۔ یہاں سے علاقہ نم بڑے بڑے چنگیز خان اور ہلاک خان میرے برادر کے ما سر جھٹکے ہیں اور برادر یہ مسٹر ارسلان ہیں۔ خانے تعلیم ہیں۔ اس سے زیادہ میں نہیں جانتی۔“

ہم سب کھانے کی میز کے اطراف بیٹھ گئے، وہ بولا ”اپنے متعلق بتاؤ۔“

میں نے کہا ”میں ایک خاندان ہوں، جسک دنیا کے ہر بڑے شہر میں میری محل نما کوٹھیاں ہیں۔ فرانس میں میرا ایک ذاتی خیابہ اور دہلی کا چنڈو ہیں۔ لندن کے لاڈلز اور ڈیوک مجھ سے ملاقات کرنے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔ دنیا کے بڑے بڑے سیاست دان کوئی باندہم اٹھانے سے پہلے مجھ سے مشورہ کرتے ہیں۔“

”تم ایسا کیا کرتے ہو کہ دنیا کے بڑے بڑے لوگ تمہارے خدوں کے متعلق رہتے ہیں؟“

”میں بین الاقوامی شہرت رکھنے والا نجوی ہوں۔ سچی پیش گوئیاں کرتا ہوں۔ ایک پیش گوئی کے نتیجے میں ہزار پونڈ وصول کرتا ہوں۔ مجھے صرف دولت مند اور خاندانی لوگ ہی برداشت کرتے ہیں۔“

”کیا تم میرے اور مرہبان کے حالات زندگی جانتے ہو؟“

”کھانے کے بعد ضرور بتاؤں گا۔“

مرہبان نے کہا ”تم نے اپنے علم نجوم کے متعلق بڑے بڑے دعوے کیے ہیں۔ ایسے دعووں کو ذہنی مارنا بھی کتنے ہیں۔“

”کاؤر خان نے کہا ”میں جھوٹ اور فراڈ کو برداشت نہیں کرتا۔ اگر تم نے ہمارے خاں کے حالات غلط بتائے تو میں مستقبل کی پیش گوئی سننے سے پہلے ہی تمہیں گولی مار دوں گا۔“

میں کھانے کی پلیٹ ہٹا کر کرسی کو پیچھے سرکا کر کھڑا ہو گیا۔ پھر بولا ”کوئی غیرت مند پشمان مہمان کو گولی مارنے کی بات نہیں کرتا۔ اس کا مطلب ہے، میں مہمان نہیں ہوں، صرف ایک نجوی ہوں جس کے علم کی چابی آنا چاہئے ہو۔“

”مسٹر ارسلان! میرے برادر کے سامنے ٹیش میں نہ آؤ۔“

”مجھے غصہ نہیں آتا اور میں خان اعظم جیسے اکابرین کو غصہ رکھنے کی حماقت نہیں کرتا۔ میں نے صرف یہ مہمان کی کرسی چھوڑ دی ہے۔ میں اس وقت تک صرف ایک نجوی ہوں، جب تک تم دونوں کی پچھلی زندگی کے حالات نہیں بتاؤں گا تمہارے نمبر کا پی پی نہیں ہوں گا۔“

”کاؤر خان نے کہا ”ہم خاندانی لوگ اپنی غلطی کسی میں نہ مانتے کیونکہ ہماری غلطیاں بھی جائز ہوتی ہیں۔ میں نے مہمان کو گولی مارنے کی بات کہ کر غلطی کی لیکن جب کہہ دیا ہے تو وہ بات پتھر کی گیدو بن گئی ہے۔ تمہاری سلامتی اس میں ہے کہ کچھ باتیں بتاؤ۔“

”خاندان قلم گنگو اور اپنی بی بی آتش پیدائش وغیرہ بتاؤ۔“

اس نے ملازم کو کاغذ قلم لانے کا حکم دیا۔ میں ایک کرسی پر سر ہٹا کر بیٹھ گیا اور کاؤر خان کی کچھلی زندگی کے حالات اس کی سوچ کے ذریعہ پڑھنے لگا۔ ملازم نے کاغذ قلم لا کر دیا۔ میں اس پر خان کی آتش پیدائش وغیرہ لکھ کر زانچہ بیٹانے اور اس کے نام کے انوار شہزادہ کے ہمالے اس کے مزید خیالات پڑھنے۔ دونوں

بہن بھائی اپنی جگہ بیٹھ گئے دیکھ رہے تھے میرے علم کی زبان سننے کے لئے بے چین۔ وہ بول رہے تھے۔

میں نے نظرس اٹھا کر کاؤر خان کو دیکھا۔ وہ سیدھا ہوا، کمر بیٹھ گیا۔ میں نے کہا ”تمہارے خاں کی اکثر باتیں سب کے سامنے بیان نہیں کی جاسکتیں۔ کیا تمہاری بہن کے سامنے بیان کروں؟“

وہ اٹھ کر بولا ”میری خواب گاہ میں چار۔“

میں اس کے ساتھ جانے لگا، مرہبان نے کہا ”برادر! اگر تم اس کے علم سے مطمئن ہو جاؤ گے تو میں بھی تمہاری جگہ میں اپنے حالات معلوم کروں گی۔“

”بے شک مسٹر ارسلان تمہارے پاس بھی آئیں گے۔“

ہم ایک خواب گاہ میں آگئے۔ پھر دو سو فٹوں پر ایک دوسرے کے سامنے بیٹھ گئے، میں نے کہا ”یہ تو سب ہی جانتے ہیں کہ تمہارے لئے کسی کو قتل کرنا معمولی سی بات ہے۔ تم نے اپنی زندگی میں بے شمار قتل کیے ہیں لیکن ایک ہی ایک قتل ایسا ہے جس کے متعلق کوئی نہیں جانتا۔ وہ تمہاری زندگی کا پہلا اور آخری قتل ہے جسے تم نے سب سے چھپ کر کیا۔ ورنہ تم کسی سے نہ ڈرتے ہو اور نہ ہی کسی کے سامنے جواب دہ ہو۔“

اس نے مجھ سے پوچھا ”جب میں کسی سے ڈرتا نہیں ہوں تو میں نے چھپ کر وہ قتل کیوں کیا؟“

”تم اپنی ماں سے بہت محبت کرتے تھے۔ اتنی محبت کہ کسی بھی معاملے میں اس کا دل توڑنا نہیں چاہتے تھے اور تم جانتے تھے کہ اس قتل کا ظلم ہاں کو ہو گا تو اس کا دل ٹوٹ جائے گا۔ تم نے دوسرے نہیں بلکہ ماں کی محبت سے چھپ کر وہ جرم کیا۔“

”تم سچ بول رہے ہو، لیکن ماں کی وفات کے بعد میں اس قتل کو کیوں چھپا رہا ہوں؟“

”تم مرحوم ماں کا عکس اپنی بہن مرہبان میں دیکھ رہے ہو۔ ماں کی تمام محبت بہن کو دے رہے ہو۔ یہ سوچنے والے معلوم ہو گا تو وہ تمہیں اپنے باپ کا قاتل سمجھ کر نفرت کرے گی۔ نہ تم اس کی نفرت برداشت کرنا چاہتے ہو نہ اس کا دل توڑنا چاہتے ہو۔ تم نے ملے کر کیا ہے کہ جب بات چھپی ہوئی ہے تو چھپی ہی رہے۔“

”تمہارا علم تم خطرناک ہے۔ تمہیں معلوم ہو گیا ہے کہ میں اپنے باپ کا قاتل ہوں۔ تمہارا علم یہ بھی کہتا ہو گا کہ میں نے ایسا مجبور ہو کر کیا قتلہ خطرناک حد تک پائل ہو گیا تھا۔ اس نے ایک بار مجھ پر اور میری ماں پر قاتلانہ حملہ کیا تھا۔“

”تمہارا باپ مستقبل باکلی نہیں تھا۔ اس پر کبھی کسی باکلی پن کا دورہ نہ پڑا تھا۔ ورنہ وہ نارمل رہتا تھا اور اس نے کبھی تم پر یا تمہاری ماں پر قاتلانہ حملہ نہیں کیا تھا۔“

وہ غصے سے بھڑک کر بولا ”کیا میں جھوٹ بول رہا ہوں؟“

”تم جھوٹ بولنے سے دو کو گے تو میں زبان بند کر دوں گا۔ لیکن تم نے وارننگ دی ہے کہ میں خاں کے سچے حالات نہیں بتاؤں گا تو تم مجھے گولی مار دو گے۔“

”میں اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں۔ کیا تمہارا علم اور کچھ سچی

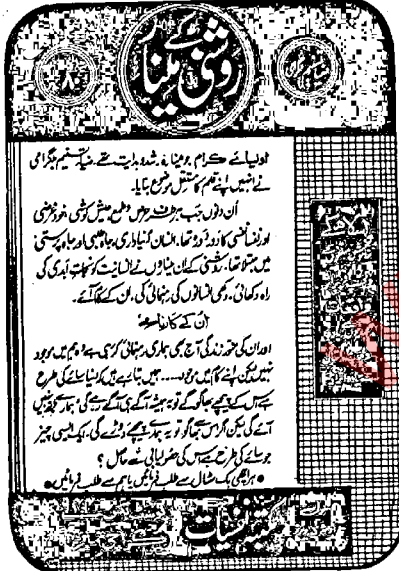
ہاتیں بول رہا ہے؟“
اب جو بحث ہوتی تھی، وہ بہت کڑوی اور زہریلی تھی۔ جسے وہ جانتا تھا۔ اور یہ برداشت نہیں کر سکتا تھا کہ دوسرا کوئی جان سکے۔ میرے منہ سے سچائی سن کر وہ غصے سے پاگل ہو جاتا اور اس کی پوری کوشش یہی ہوتی کہ میں وہاں سے زندہ واپس نہ جاؤں۔
میں نے اسے خود ہی سونے پر مجبور کیا۔ وہ سرتوڑکا سوچنے لگا۔ یہ کوئی بینا تھلیس برس پہلے کی بات ہے۔ فضا خانم کا حسن و جمال پورے علاقہ میں مشہور تھا۔ اس دور کا خانان اعظم شیر خان بھی اپنی ضد اور ہٹ دھرمی کے لئے دور تک بدنام تھا۔ کسی کی زمین حاصل کرنے کی ضد کرتا تو پہلے اس کی قیت لگاتا۔ زمین کا مالک فروخت کرنے سے انکار کرتا تو اسے گولی مار کر اس کے وارثوں کو دھمکیاں دیتا۔ وہ جان کے خوف سے زمین اس کے نام کر دیتے تھے۔

سرحد کے بار پاکستانی بستیوں میں یہ دھوم مچ گئی کہ خان انعم کو خان، مفتاحہ کو بیت کر لایا ہے۔ ان دنوں پاکستان و دہلی میں آتا تھا۔ جرگہ جڑوں ہندوستانی کلمات تھا۔ اس رات وہ فافا، شان سے دہلی کے کمرے میں آیا۔ وہ پھولوں کی بیج پر مچھلی اسے دیکھتے ہی اٹھ کر کھڑا ہوا چانک برات کے کر آیا تھا۔ اس گھر والوں کی سلامتی کے لئے کٹاج قبول کر کے آیا ہوں کٹاج جائز نہیں ہے۔ کیونکہ میں تیرے سوتیلے بھائی امجد خان ہونے والے بیچے کی ماں ہوں۔“

شیر خان پر جیسے بجلی گر پڑی۔ وہ گرج کر بولا ”کیا کیا کواں ہے؟“

دوسرے دن شام کو سولتا بھائی امجد خان آگیا۔ اپنے ساتھی
 زید کے قبائلی سرداروں کو لایا تھا۔ وہ ب ایک ہندو کے
 گھر کے خاندان کے منسے پر بحث کرنے گئے۔ ششیر خان کا دعویٰ تھا
 کہ وہ اس دنیا والوں کے سامنے ولین بن کر لایا ہے۔ اگر وہ ولین نہ
 بنے اس کی عزت خاک میں مل جائے گی۔ امجد خان کا دعویٰ تھا
 کہ نٹاس کے بچے کی ماں بھنے والی ہے۔ وہ اپنی عورت اور اپنا بچہ
 دوسرے کے حوالے نہیں کرے گا۔

اسے راستے سے ہٹانا یوں بھی آسان تھا کہ اس پر پاگل بن کر دوہرہ پڑتا تھا۔ پورے چاند کی رات کو وہ عجیب سے وحشت اور جنون میں مبتلا ہو جاتا تھا۔ قمری تاریخ کا حساب رکھتے ہوئے وہ پورے چاند کی رات سے پہلے فرنگی آقا سے دو دن کی جھپٹی لیا کرتا تھا۔ ایسا نہ کرتا تو پاگل بن کر انکشاف ہونے پر اسے لازماً موت سے نکال دیا جاتا۔



شمشیر خان نے کہا ”مجھے اب اس عورت کی طلب نہیں رہی۔ لیکن ساری دنیا کو معلوم ہو چکا ہے کہ وہ میری عورت ہے اور میں اس کا مالک ہوں۔ دنیا یہ نہیں جانتی کہ وہ تمہاری چیز ہے۔ اگر تم عقل سے کام لو تو دنیا والوں کے سامنے میرے مالکانہ حقوق کا بھرم رہے گا۔“

”وہ تمہاری خفا کو کبھی ہاتھ نہیں لگاؤں گا لیکن وہ دنیا والوں کی نظروں میں میری ملکیت بن کر اس حویلی میں رہے گی۔ وہ تمہاری امانت رہے گی لیکن تم دنیا والوں کے سامنے اسے اپنی ملکیت نہیں کہو گے۔ میراں کی چار دیواری میں اس سے عشق کرو گے۔ اس طرح وہ ہمیشہ تمہاری رہے گی اور میرے مالک و مختار ہونے کا بھرم بھی قائم رہے گا۔“

فیصلہ ہو گیا۔ منٹانے بھی اس فیصلے کو اس نے تسلیم کر لیا تھا کہ وہ امجد خان کے سوا کسی دوسرے سے راضی نہیں ہونا چاہتی تھی۔ اس فیصلے کے مطابق اسے شمشیر خان سے نجات مل رہی تھی اور اس کے سیکے والوں کی سلامتی کی ضمانت بھی وہی تھی۔

فیصلہ پر عمل ہونے لگا۔ سات ماہ کے بعد منٹانے کا نور خان کو جنم دیا۔ دنیا والوں کی نظروں میں وہ خاں اعظم شمشیر خان کا بیٹا تھا۔ وہاں کے دربار کے مطابق اس کی پیدائش پر خوب جشن منایا گیا۔ شمشیر خان نے شادی کی رات ایک ہزار ہوائی تازہ کرائے تھے۔ خاتم نے اس کے دواب میں بیٹے کی پیدائش پر دو ہزار ہوائی تازہ کرائے۔

شمشیر خان عورتوں سے نفرت کرنے لگا تھا۔ اس نے پھر کبھی شادی نہیں کی۔ اپنی دولت اور جائیداد کا وارث پیدا کرنے کے لئے ایک شریک حیات لازمی تھی لیکن عورت پر بھروسہ اٹھ گیا تھا۔ وہ سوچتا تھا جس سے شادی کرے گا وہ بھی خفا خان کی طرح نہ جائے کسی کی اولاد پیدا کرے گی اور اسے شوہر کے نام کرتی رہے گی۔ یہ بہتر تھا کہ وہ خفا خان سے دھوکا نہیں کھاتا تھا۔ بھائی کی اولاد کو اپنے نام کرنا تھا۔ دنیا والے بس نام اور دولت دیکھتے ہیں۔ اس کے پیچھے جو تماشے ہوتے ہیں انہیں دیکھ نہیں پاتے۔

اور ایک برس بعد پاکستان وجود میں آگیا۔ فرنگی بویا ہسٹریٹ کرپلے گئے۔ امجد خان اپنا بویا ہسٹریٹ کر خفا خان کے پاس حویلی میں آیا۔ اس دوران اس نے اچھی طرح فرنگی سیاست سیکھ لی تھی۔ ادھر ادھر پر ملک سے محبت اور اھر اسے روسی ایجنٹوں سے دوستی کر لی۔ قبائلی سرداروں کو روسی اسلحہ سپلائی کرنے لگا۔ ہتھیاروں کے سپلائی کی حیثیت سے اپنی ساکھ برقرار رکھی۔ تمام قبائلی سردار بدستور اس کے حمایتی رہے۔ ان حالات میں شمشیر خان اسے کوئی نقصان نہ پہنچا سکا۔

چار برس کے بعد خفا خان نے بیرم خان کو جنم دیا۔ دونوں بھائی اپنی اپنی جگہ دو بیٹوں کے باپ بن گئے۔ شمشیر خان ان دونوں

بہت پیار تھا۔ اس نے امجد خان کو بلا کر کہا ”ہم سب کو اپنا بڑا وقت بھی یاد رکھنا چاہیے۔ ہم نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی بہت کی ہے۔ توبہ کرتا ہوں۔ تم بھی توبہ کرو گناہ سے شادی کرلو۔“

امجد خان نے کہا ”جب تک وہ تمہاری بیوی کلماتی ہے، اسے شریک حیات نہیں بناؤں گا۔ کیا یہ نا انصافی تم ہے کہ وہ میری ہوئی ہے اور نام تمہارا ہوتا ہے۔ میں اتنا بے غیرت ہوں کہ اسے بیوی بنانے کے بعد تمہارے نام سے سفر رکھوں۔“

شمشیر خان کو آخری وقت خدا یاد آ رہا تھا۔ اسے آہ آہی تھی کہ جو دہرے ہوئے غلط ہو رہا ہے۔ اپنی غلطی کو کچھ یاد دہرے اٹلان نہیں کر سکتا تھا کہ وہ کا نور خان اور بیرم خان کا نہیں ہے۔ یہ بڑے شرم کی بات تھی دنیا والے رشتہ دنیا کیلئے بے غیرت کہتے رہتے۔

اس کی بنیاد نے طوالت اختیار کر لی۔ بھراس پر ناچا ہوا۔ اس مسئلے کے بعد وہ ہستہ ہو کر رہ گیا۔ اس کی جگہ امجد خان نے سنبھال لی۔ وہ قائم مقام خاں اعظم کلماتی لگا۔ مزید باقی کے بعد مرہٹا پیدا ہوئی۔ باہر والوں سے کافی عرصہ تک بات چیتی تھی کہ شمشیر خان ناچ زدہ ہے۔ اس نے مرہٹا کی پیدائش سے کسی نے بات نہیں بنائی لیکن شمشیر خان کی طویل علالت اور عرصہ چھپایا نہیں جاسکتا تھا۔ پھر امجد خان نے اس مسئلے کی تاج بادشاہت سنبھال لی تھی۔ لہذا اس کے بعد مزید اولاد کرنے کی محاش نہیں رہی تھی۔

شمشیر خان خفا کا کچھ نہیں لگتا تھا لیکن اس کی بنیاد اسے بد نصیب بناتا تھا۔ امجد خان اس سے دور رہنے لگا تھا۔ شکایت کرتی تھی ”کیا مجھ سے دل بھر گیا ہے؟ کیا میں گیارہ برس بوڑھی ہو گئی ہوں؟“

وہ جواب دیتا تھا ”برادر ناچ زدہ ہے۔ تو میرے بچے پیدا اسے باپ کا درجہ کیسے دے گی۔ دنیا والے اندھے اور اترتے ہیں۔“

”بچے پیدا کرنا ضروری نہیں ہے۔ تم محبت سے وقت گزارو گے لے میرے پاس آؤ گے۔“

”محبت سے وقت گزارتے گے کہ تمہارے جو تھی غلطی پیدا ہو کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہیں گے۔“

”اس کا مطلب ہے اب میں تمہارے بغیر تنہا رہا کروں گا۔“

”تمہاری کا دکھ مٹانے کے لئے تین بچے کافی ہیں۔“

”صاف کیوں نہیں کہتے کہ مجھ سے بیزار ہو گئے ہو۔“

”ہاں، بیزار ہو گیا ہوں۔ تمہارے عشق میں الٹی زندگی گزار رہی۔ اگر کسی سے باقاعدہ شادی کر لیتا تو میرے اولاد پیدا ہوتی رشتی۔ یہ میری بد بختی ہے کہ میں کسی کا باپ کلماتا ہوں۔“

”تم باپ کلماتا ہو۔ اگر تمہارا بھائی مر جائے تو تم اس کی جگہ پر نہیں بچھو شادی کر سکتے ہو۔ اس کے بعد جو اولاد ہوگی وہ تمہارے نام سے ہوگی۔ کا نور خان، بیرم خان اور مرہٹا بھی یہ نہیں رہیں گے تمہارے اپنے ہی رہیں گے۔“

”کیا تم چاہتی ہو کہ میں بھائی کو قتل کر دوں؟“

”وہ میرے حقوق مارتا رہا ہے۔ میرے بچوں کی ولایت کو قتل کر رہا ہے۔ آج وہ دوسرا مر چکا ہے۔ آجہا اور ارادہ لوگے تو مجھے نہیں اور تمہارے بچوں کو بہت بڑی مصیبت سے نجات مل جائے گی۔“

بھواس مت کر۔ وہ میرا بھائی ہے۔ ہم سوچتے ہیں مگر ایک یاپ کی اولاد ہیں۔ اس کی موت کا خوب نہ دیکھنا اور نہ ہی کوئی مائش کرنا۔ اگر سازشی موت ہوگی تو میں تمہیں زندہ نہیں بھروں گا۔“

خفا خان مجھ جتنی تھی کہ اس کے عاشق کا دل اس سے بھر گیا ہے اور وہ غلط نہیں سمجھ رہی تھی۔ امجد خان نے جب سے خاں اعظم کی جگہ سنبھالی تھی تب سے وہ وراثت اور اپنی آئندہ نسل کے مستقبل شدت سے سوچنے لگا تھا۔ اسے اولاد کی ضرورت تھی۔ لی اولاد کی جد اسے باپ کے اور دنیا والوں کو معلوم ہو کہ وہ بچے کا نور خان ہیں۔ کا نور خان، بیرم خان اور مرہٹا خون دوتے ہوئے بھائی تھے۔

خفا خان کی یہ مراد پوری نہیں ہو رہی تھی کہ شمشیر خان کو اپنی موت آئے۔ پھر امجد خان اسے اپنی شریک حیات بنا لے۔ اب اسے شریک حیات بننے سے زیادہ بچوں کے مستقبل کی فکر تھی۔ اگر امجد خان مستقل طور سے خاں اعظم بن جاتا اور دوسری لڑائی کر کے اولاد پیدا کرے تو وہ اولاد زمین جائیداد کی مالک ہوئی۔ غام کے تین بچے منٹل خاں اعظم کی اولاد کلماتے اور تمام زمین جائیداد کے محروم ہو جائے۔

شمشیر خان دس برس تک بہتر سے لگا رہا۔ آخر اسے موت آئی۔ کا نور خان اکیس برس کا ہو گیا تھا۔ پشاور سے دس ہفتے تھے کہ وہ آیا تھا۔ وہ دنیا داری کو اور خاص طور سے وراثت کے مسئلہ کو ذہن سے لگتا تھا۔ خفا اسے پشاور کے بچے پر خط لکھا کہ کئی گاؤں پر ستن پڑھاتی تھی کہ تقابلی ضروری نہیں ہے۔ اپنے آپ کے بعد خاں اعظم بننے کے گریسیک کر آؤ۔

وہ باپ کی وفات پر آیا۔ جبیر بھٹکین کے بعد امجد خان سے خاں اعظم کا نام دایاں واپس لینے کی بات کرنا چاہتا تھا لیکن کئی رات امجد خان پر ناچل چن کا دورہ پڑا۔ وہ پشاور سے پورے شہر کے ساتھ آیا تھا۔ اس نے دیکھا خاں چاچا کے پاگل ہیں کہوت مال اسے سنبھال رہی تھی اس سے لپٹ رہی تھی۔ اس کا سرسار تھی۔ اسے سینے سے لگا کر سرسار تھی۔ کا نور خان کے شہر شرمک حرکتیں نہیں۔

ان حرکتوں پر اس نے غصہ دکھایا تو اس نے اسے ساری روداد سنائی کہ کس طرح وہ بھائیوں کے درمیان اس کی زندگی برباد ہو گئی ہے۔ وہ ایک کی بیٹا تھی مگر بیوی نہیں تھی۔ دوسرا اس نے بیوی نہیں بنا سکتا تھا کہ وہ ایک کے نام سے منسوب ہو چکی تھی اس کی بیوی کلماتی تھی۔

کا نور خان کو اپنی اپنی کی مظلومیت کا احساس ہوا۔ یوں بھی وہ خفا کو ایک آئینہ میں سمجھتا تھا۔ پرستش کی حد تک اس سے محبت کرتا تھا۔ اس نے محسوس کیا تھا کہ محبت میں فریب کھانے کے باوجود وہ امجد خان کو دیوانہ وار چاہتی ہے۔ اس نے اس نے اس کی غیر موجودگی میں امجد خان کو ایسا انجکشن لگایا۔ جس سے اس کا دماغی توازن اور ہمزگیا۔

ایک پاگل خاں اعظم کی ذمہ داریاں نہیں سنبھال سکتا تھا۔ کا نور خان نے وہ ذمہ داریاں سنبھال لیں۔ اس نے ایسی چال چلی کہ کمرہ زوں روپے کی زمین جائیداد کے لئے خون خرابا نہیں ہوا۔ اس نے ایک باپ کو دفن کیا، دوسرے باپ کو پاگل بنا کر ایک کمرے میں قید کر دیا۔ اس پاگل قیدی کے پاس صرف ماں بیٹے جاتے تھے۔ اس نے بیرم خان اور مرہٹا کو تعلیم حاصل کرنے کے لئے لندن بھیج دیا۔ تاکہ ان بچوں کو ایک پاگل کے لئے اس کی دیکھی کا علم نہ ہو۔

وہ ماں کی غلامی میں اپنے باپ کو ہر ہفتہ پاگل بن کا انجکشن لگا رہا۔ جس کے نتیجے میں وہ ایک سال سے زیادہ نہ جی سکا۔ خفا کو کبھی معلوم نہ ہو سکا کہ اس کا پاگل عاشق سازشی موت مارا گیا ہے۔ اس کی یادیں آؤں بھاتے بھاتے ایک دن وہ بھی چل بسی اور یہ سچائی راز میں ہی رہی کہ وہ تینوں ایک پاگل باپ کے بچے تھے۔ دنیا والے ان تینوں کو دودھ شمشیر خان ہی کہتے آ رہے تھے۔

میں کا نور خان کے دماغ میں تھا۔ وہ میرے سامنے بٹھا ہوا تھا۔ میرے علم نجوم کی صداقت معلوم کرنے کے لئے وہ مجھ سے اپنے ماضی کے حالات پوچھ رہا تھا۔ اگر میں علم نجوم کے حوالے سے یہ سچ کہہ دیتا کہ وہ اور اس کے بھائی بہن کا جائز اولاد ہیں تو وہ اپنی توہین برداشت نہ کرتا۔ میری جان کا دشمن بن جاتا۔ یہ بھی نہ چاہتا کہ میں اس حویلی سے زندہ واپس جا کر اس کی پیدائش کا بھید کھول دوں۔

اس لئے میں اسے خودی بچھلی زندگی کے سچے اور کڑے واقعات یاد کرنے پر مجبور کیا تھا۔ جب اس نے ابتدا سے آخر تک سب کچھ یاد کر لیا تو میں نے اس کے دماغ کو ڈمیل دی۔ اس نے چونک کر بیٹھ دیکھا۔ میں نے کہا ”تم سوچ میں ڈوبے ہوئے تھے۔ اس لئے میں نے غائب نہیں کی۔ تم کچھ پریشان لگ رہے ہو۔“

”ہاں درست کہتے ہو۔ کیا اپنے علم سے میری پریشانی مٹا سکتے ہو؟“

”میں پریشانی بھی جاسکتا ہوں اور اس کا علاج بھی۔ اپنا ہاتھ

اس نے ہاتھ بڑھایا۔ میں اس کے ہاتھ کی ککیریں دیکھنے لگی۔
ہاتھ بہت مضبوط تھا۔ فولادی شکنجہ لگتا تھا۔ آخر ایک سنگدل قاتل
کا ہاتھ تھا۔ میں نے کہا ”تمہارے ساتھ کچھ عجیب سے حالات پیش
آ رہے ہیں۔ تم واقعی طور پر غافل ہو جاؤ ہو۔ کچھ الٹی سیدھی
حرکتیں کرتے ہو پھر جب ہوش میں آتے ہو تو خمیس یاد نہیں رہتا
کہ غفلت میں کیا کرتے رہے ہو۔“
وہ حیرانی سے بولا ”آخر میں ہے تم پر اور تمہارے علم پر۔ تم
بالکل سچی باتیں بتا رہے ہو۔ خدا کے واسطے یہ تباہ ک کیا یہ بیماری
ہے؟“

”میں بھی یہی سوچ رہا تھا۔“
میں نے انجان بن کر کہا ”یہ سمجھ میں نہیں آیا کہ باپ کے
خون کا اثر صرف تم پر کیوں ہوا ہے۔ تمہارے دوسرے بھائی بہن
کے ساتھ ایسا نہیں ہے شاید۔“
وہ بولا ”تم سے کوئی بات چھپی نہیں رہے گی۔ ابھی تم مر میرا
کی قسمت کا حال بتانے جاؤ گے تو تمہیں معلوم ہوگا۔ اس پر بھی کچھ
ایسا ہی پاگل پن کا دورہ پڑتا ہے۔ شاید میرا بھائی بہرہ خان ابھی
محفوظ ہے۔“

”تم مستقبل کی بات پوچھ رہے ہو۔ میں نے تمہیں ماضی کے حالات بتا کر اپنے علم کی سچائی ثابت کر دی اور تم سے کہہ چکا ہوں کہ قسمت کا حال بتانے سے پہلے پچیس ہزار پونڈ یعنی پاکستانی دس لاکھ روپے لیتا ہوں۔“

”یہ بہت ہیں، مگر میں دوں گا۔“

”مگر میں نہیں لوں گا۔ تم سے کچھ اور مانگوں گا۔“

”نہو لو کیا جانتے ہو؟“

”مجھے غریبوں کو عزت دے کر اور جینے کے تمام حقوق دلا کر روحانی سرتریں حاصل ہوتی ہیں۔“

”میرا بھائی محل جاہان پر عاشق ہو گیا ہے۔ اس کے جواں ہونے کا انتظار کر رہا ہے۔ میں اپنے بھائی کا دل نہیں توڑنا چاہتا۔ کچھ اور رائگ لو۔“

”میں نے ایک معصوم لڑکی کی عزت و آبرو بچانے کے لیے

”اس میں میری بھلائی کیسے ہے؟“

”سفر کے دوران تو زمان سے میری ملاقات ہوئی تھی مگر وہ نے اس کے ہاتھ کی لکیریں دیکھیں۔ اس کی قسمت کا حال معلوم کیا۔ چاہا اس کی بد قسمتی کے دن ختم ہو چکے ہیں۔ اس کی توبہ اور خوشحالی کے راستے میں جو بھی رکاوٹ بنے گا اس پر وارز آجائے گا۔“

پھر میں نے اس سے پوچھا ”کیا سوچ رہے ہو؟“
وہ چونک کر بولا ”میں تمہاری کسی بات سے انکار نہ
کر سکتا۔ تم جی جیٹھ گولی کرتے ہو۔ میں اپنے بھائی کی ہر ضرورت
کرتا ہوں لیکن محل جاننا کو حاصل کرنے کی شدت سے باز رکھتا
ہوں۔ تم یہ بتاؤ، ہم بڑو باپ کے خون کا اثر ہے کیونکہ ختم ہو گیا؟“
”میرے ایک مشورے پر عمل کرتے رہو گے تو سچی بات
کا دورہ نہیں پڑے گا۔“

دوسری طرف رابطہ قائم ہوا۔ اس نے کہا "میں خان! بول رہا ہوں۔ چھوٹے خان کو بلاؤ۔"

وہ انتظار کرنے لگا، کچھ ہلکا "تیلہ چھوٹے خان! یہاں خیریت سے ہو؟"

میرم خان نے جواب دیا "برادر کی محبت ہے۔ خدا کا ہے اور میں خیریت سے ہوں۔ حکم کدراورا!"

"تم کس چاہاں کو لے کر ابھی مینے پاس آؤ۔"

"کوئی بریٹانی ہے برادر؟"

وقت سے لوہے کی کسی چیز کو ہاتھ نہ لگاؤ۔ میرا حکم سن کر فرماؤ

”تمہارا حکم سر آنکھوں پر لیکن میں کیسے آؤں۔ ہماری

”اس سے کونھل جانوں گا ڈیڑھ بجائے اور خود گھوڑے پر اُٹے اور گھوڑے کی زین سے لوہے کی رکاب ہٹا دے۔“

اس نے ہمایوں کو یہ مشورہ دے کر بیورو رکھ گیا۔ پھر کہا ”میں تمہارے مشورے کو بہت معمول اور قابل عمل سمجھ رہا تھا مگر تو بہت مشکل ہے۔ ہم کسی قسم کا اسلحہ نہیں کھینچ سکیں گے۔ کسی مگر کے زنجیر پر لٹائی بھی نہیں رکھ سکیں گے کیونکہ وہ ب لوہے کے ہوتے ہیں۔ بیٹیرا نہ کپڑے کا مطلب ہے ہوا کہ ہم کسی بھی دشمن کے سامنے نئے رہیں گے۔“

”برادر ارسلان! خدا قسم تمہاری ہر بات اب ہمارے لئے پتھر کی لکیر بن گئی ہے۔ ہم تمہارے مشورے پر عمل کرتے رہیں گے۔“

وہ اچھل کر کھڑا ہو گیا، ایک دم سے شرمندہ ہو کر بولا "میں بہت نامور ہوں۔ ابھی یہ خانِ اعظم اپنے ہاتھوں سے کھانا لاکر مجھے کھائے گا۔ تم بیوقوفیں ابھی آتا ہوں۔"

میں اس کے اندر کہ مرید چور خیالات دھتکا جاتا تھا ایسے عقائد معلوم ہوا کہ ان کی دوسرا خیال خوانی کرنے والا بول رہا ہے۔ تم مجھ سے اس کے داغ میں پہنچا تو وہ کہہ رہا تھا "میں جا رہا ہوں۔ تم غیبت سے بیدار ہونے کے بعد معمول جاؤ گی کہ میں تمہارے داغ میں آتا ہوں۔"

اسی کے بعد خاموشی چھا گئی۔ وہ شاید چاہتا تھا۔ مرجینا کہہ کر
مجھے پہلے ہی شبہ تھا کہ وہ کسی کی معمول اور تابعدار

اب مرجینا کے دباغ میں اس کی آواز اور لہجہ سنتے ہی میں اسے پہچان گیا تھا۔ تارکین کو یاد ہو گا، جن دنوں مرینا کے کانامے عروج پر تھے اور وہ اپنے ہی ملک امریکا کے برین ماسٹر اور بلیک سیکٹر سے خیال خوانی کے ذریعے نگرار سی تھی۔ ایسے وقت اس نے بلیک سیکٹر کے تین خیال خوانی کرنے والے روکی، جی بی پاک اور باربرا گمن۔ کو ٹرپ کیا تھا۔ انہیں تارک قید خانے میں پھینکا تھا۔ میں نے ان تینوں کو تارک قید خانے سے نکال کر اپنے قبضے میں رکھا تھا۔

سے پیسے سے اسے بچا کر یہاں کو لوٹے پرست کی ضرورت

[illegible]

آزادی دی جائے اور انہیں بیش گمرانی میں رکھا جائے۔

میں سینہ میں ایک باران برخوبی عمل کیا کرتا تھا۔ وہ بدستور میرے معمول اور تابعدار تھے لیکن یہ نہیں جانتے تھے کہ وہ کسی کے زیر اثر ہیں۔ ان تینوں میں روکی پاہ صفت تھا۔ سکون سے ایک جگہ نہیں رہتا تھا۔ اسے ایک ہی جگہ رکھا جائے تو وہ ہزار ہوجاتا تھا۔ وہ انہی جنس والوں کی گمرانی میں نہ نہ سکا۔ ٹہلی بیٹھی کے ذریعے ان کے دماغوں سے کھلتا وہ فرار ہو گیا۔ پھر میک آپ کے ذریعے چوہیل کرپرس میں آزادی سے گھومنے لگا۔

وہ کئی بار لندن گیا۔ وہاں اس نے مرچینا کو دیکھا تھا اور پولی نظر میں اس پر مرچینا تھا۔ اس نے مرچینا سے دوستی کرنے کی کوشش کی لیکن ناکام رہا کیونکہ وہ سیاہ نام نیکو تھا اور اتنا قضا رہتا تھا کہ سرعام خیال خوانی نہیں کرتا تھا۔ یہ اندیشہ تھا کہ خیال خوانی کرتے ہوئے بھی بدقسمتی سے دشمنوں کی نظروں میں نہ آجائے۔

اس نے رات کے وقت اپنی ہاتھ میں بیٹھ کر خیال خوانی کی۔ مرچینا کی سوچ میں کہا "میں نے اس نیکو کا دل تو ڈبا ہے۔ کیا ہوا اگر۔۔۔" پھر محبت کرنے والا ہے۔

مرچینا کی سوچ نے غارت سے کہا "ملفت ہے ایسے کالے کی محبت پر۔ سیاہ رنگ کو کچھ کر اہانگی سی آتی ہے۔ میں اسے دیکھتا بھی گوارا نہیں کھوں گی۔"

روکی کو اپنی توہین کا احساس ہوا۔ وہ سمجھ گیا "حسینہ مغرور اور بد مزاج ہے۔ اب تک کسی کالے کو تو کیا گورے کو بھی منہ نہیں لگایا ہے لیکن جلد ہی ایک خیرودان سے شادی کرنے والی ہے۔

اس نے مرچینا پر بخوبی عمل کیا۔ اس کے دماغ میں یہ نقش کیا کہ وہ کبھی کسی کے ساتھ ساگ رات نہیں گزارے گی۔ پولی رات جو دہما اس کے کمرے میں آئے گا اور اسے ہاتھ لگائے گا تو وہ جنوں میں مبتلا ہو کر اسے قتل کرے گی۔ پھر ہوش میں آنے کے بعد قتل کے واقعے کو بھول جایا کرے گی۔ یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہے گا جب تک وہ نکلست تسلیم کرے روکی کی سیاہ آغوش میں آنے پر راضی نہیں ہوگی۔

یہ تمام باتیں میں نے روکی کے دماغ میں باکر معلوم کی تھیں۔ چونکہ وہ میرا معمول تھا اس لئے میری سوچ کی لہروں کو اس نے محسوس نہیں کیا۔ میں اس معاملے میں اس سے نمٹنا چاہتا تھا لیکن موقع نہیں ملا۔ کافور خان دو ملازموں کے ساتھ دو بڑی ٹرے میں کھانے کی کٹی ڈشیں لایا تھا۔ اس نے پھر شرمندگی ظاہر کرتے ہوئے کہا "کھاؤ برادر! آج سے تم میرے برادر ہو۔ میں بھی کھانے میں تمہارا ساتھ دوں گا۔"

مہ نے کھانا شروع کیا۔ میں نے اس کی سوچ میں کہا "یہ شہری مہمان ہے۔ تعلیم یافتہ ہے۔ کھانے کے وقت خاموش رہتا ہوگا۔ مجھے بھی خاموش رہنا چاہئے۔ یہ مخاطب کرے گا تو میں ہلاؤں گا۔" وہ خاموش رہا۔ میں اس کے بھائی بیرم خان کے پاس پہنچ گیا۔

وہ گھوڑے پر سوار ہو کر آ رہا تھا۔ اس کے پیچھے پچھرو میں گل بائیاں کچلی سیٹ پر بیٹھی تھیں۔ سب حواری اگلی سیٹوں پر تھے۔

بیرم خان سوچ رہا تھا "میں نے گل بائیاں جیسی لڑکی نہیں دیکھی۔ یوں تو کتنی ہی حسینائیں نظروں سے گزرتی رہی ہیں مگر ہر دل میں ساکنی ہے۔ برادر نے آج تک میری ہر ضد پر ہر کی سہہ نہیں کیوں گل بائیاں کو واپس بلایا ہے اور اس نے بڑا عجیب سا حکم دیا ہے کہ میں لوہے کا ہاتھ نہ لگاؤں۔ بھلا کیوں نہ لگاؤں؟ یہ تم سمجھ سے باہر ہے لیکن برادر دن کو رات بولے گا تو میں بھی رات بولوں گا۔ حکم کچھ میں آئے یا نہ آئے، میں عمل کرتا رہوں گا۔"

وہ آدھا فاصلہ طے کر چکا تھا۔ شام کا اندھیرا پھیلنے سے پہلے یہاں پہنچنے والا تھا۔ وہ بڑے بھائی کافور خان کا فرما ہر رات تھا لیکن گل بائیاں کے لئے بے چین ہو رہا تھا۔ سوچ رہا تھا برادر نے اس حسینہ کو واپس لے لیا تو بیٹے سے دل باہر آجائے گا۔ میں اس لڑکی کو نہیں چھوڑوں گا۔ برادر کے سامنے بھوک بڑا ہل کر دوں گی۔

میں نے کھانا ختم کرتے ہوئے کہا "خان! اطمینان رکھو، دونوں کی عادتیں ایک جیسی ہیں۔ کھانے کے دوران خاموش رہتے ہیں۔" وہ مسکرا کر بولا "تم آج آئے ہو مگر یوں لگتا ہے جیسے ہمارے ہی گھر اور ہمارے ہی خاندان کے گھر ہو۔ کیا آرام کو گھر ہے؟"

"میں صرف رات کو آرام کرتا ہوں۔ مگر مرچینا میرا انتظار کر رہی ہوں گی۔"

کافور خان نے ملازم سے کہا "کنیز کو پولو کو بی بی خانم کو خبر دے، مسٹر ارسلان آ رہے ہیں۔"

میں نے مرچینا کے پاس جا کر اسے قید سے بگاڑا۔ وہ آنکھیں کھول کر چند سیکنڈ تک خاموشی سے چہمت کو کھتی رہی۔ وہ خبری عمل کے مطابق بھول گئی تھی کہ روکی اس کے دماغ میں آیا تھا۔ ایک کنیز نے آکر اوب سے کہا "بی بی خانم! جناب ارسلان صاحب آنا چاہتے ہیں۔"

وہ جلدی سے اٹھ کر بیٹھ گئی، سوچنے لگی "اودہ میں کیسے سوچی تھی، میں تو ارسلان کا انتظار کر رہی تھی۔"

وہ کنیز سے بولی "مہمان کو یہاں لے آؤ۔"

وہ بستر سے اٹھ کر الماری کے پاس گئی۔ اپنی پند کا ہیزن لباس نکالا۔ پھر تھوڑے دیر میں چلی گئی۔ میں کنیز کے پیچھے چنا ہوا اس کی خواب گاہ میں آیا۔ کنیز نے کہا "آپ تعریف رکھیں۔ بی بی خانم ابھی آئیں گی۔"

میں ایک آرام دہ صوفے پر بیٹھ کر اس کی کچلی زندگی کے اہم واقعات معلوم کرنے لگا۔ مجھے ان مہن بھائیوں سے کوئی خاص دلچسپی نہیں تھی۔ میں صرف گل بائیاں کی آمیزہ مندانہ وابستگی اور نوروزان کے گھر والوں کی آزادی اور سلامتی چاہتا تھا۔ جب تک یہ مقصد پورا نہ ہوتا اس حویلی میں میرا مہمان بن کر رہنا ضروری تھا۔ وہ ہاتھ دو دم سے باہر آئی۔ اس نے غسل کیا تھا۔ اس کے

مورے اور سرخ چہرے پر شبنم کے موتی چمک رہے تھے۔ اس کا اہم عجیب کی کچھ یوں کی طرح لکھا ہوا تھا۔ اس نے کیلے دن پر لباس پہن لیا تھا۔ وہ لباس کیس کیس چمک رہا تھا۔ ایسا منظر دیکھنے والی نگاہیں بھی چپکے کھتی ہیں۔ وہ مسکرا کر بولی "برادر نے مجھے گولی نہیں ماری۔ اس کا مطلب ہے تم ماسی کی باتیں اور شبنم کی پیش گوئی بالکل درست کرتے ہو۔"

"چاہے میں کس حد تک درست کہتا ہوں۔ یہ تم سن کر ہی فیصلہ کر سکتی ہو۔"

"وہ سامنے صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولی "تو پھر نہاؤ۔"

"تم دوبار دہن بن چکی ہو اور دلہا بن کر آنے والے دو دروازوں کو قتل کر چکی ہو۔"

"یہ برادر نے بتایا ہو گا۔"

"تمہارا بھائی یا دوسرے لوگ یہ نہیں جانتے کہ قتل ہونے والوں نے اپنی موت سے پہلے تمہیں سنا گئے بنادیا تھا یا کنواری چھوڑا تھا۔"

وہ تو دہل کر بولی "آج تک کسی نے مجھے ہاتھ نہیں لگایا۔ میری مرضی کے بغیر وہ بھی مجھے نہیں چھو سکتی۔"

"بے شک تم ہوش دھواں میں رہو تو کوئی ہاتھ نہیں لگائے گا لیکن ساگ رات میں تم ہوش سے بے یارگی رہتی ہو۔ تمہیں یہ خبر نہیں رہتی کہ کسی کو قتل کرتی ہو پھر یہ کیسے خبر روکی کے قتل سے پہلے تمہاری عزت کا قتل ہو چکا ہوتا ہے؟"

پہلے تو وہ اس دلیل پر سوچی رہ گئی۔ پھر غصے سے بولی "تم مجھے داغ دیا کر رہے ہو۔"

"اگر دغا والے تمہارے بھائیوں کے خوف سے ایسا نہیں کہتے ہیں تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ایسا سمجھتے بھی نہیں ہیں۔"

وہ اپنی بے عزتی اور توہین کے احساسات سے پھٹ پڑنا چاہتی تھی چوکی میں اس کے دماغ میں یہ کراہے کنول کرتا جا رہا تھا۔ میں نے اس کی سوچ میں کہا "مجھے ارسلان کی باتوں پر غور کرنا چاہئے۔ دونوں باتوں سے منہ چھپا کر یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ ہم دغا سے چھپ گئے ہیں۔ دنیا والوں کو ہمارے وہ عجیب نظر آتے ہیں جو ہمیں نظر میں آتے۔"

وہ اپنے طور پر سوچنے لگی "یہ درست کہتا ہے۔ لوگ تو یہی سوچتے اور سمجھتے ہوں گے کہ دماغی طور پر ناگل رہ کر قتل کرنے والی غفلت میں ٹھٹھکی جاتی ہوگی۔"

اس نے مجھے گھور کر دیکھا، پھر پوچھا "تمہارا علم کیا کہتا ہے؟ کیا تمہارے دماغ لگ چکا ہے؟"

میں نے تمہارے بھائی کے سامنے بھی اتنی جی اور کڑوی حقیقت بیان کی کہ میں کوئی دوسرا اس کی جرات نہیں کر سکتا تھا۔

"تمہاری ایسی ہی بے باکیوں سے میں متاثر ہوں۔"

"تم جانتی ہو کہ تم پر باغی بن کا دودھ کیوں پڑتا ہے لیکن یہ حقیقت بھائیوں سے چھپائی ہو۔ تمہیں کسی طرح بتا چل گیا ہے کہ تمہارا باپ شیشہ خان نہیں بلکہ نیم پائل امیر خان تھا۔"

وہ بڑی حیرانی سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ پھر اس نے کہا "مائی گاڈ! تمہارا علم بہت خطرناک ہے۔ ہماری پیدائش ایک گالی ہے اور تمہیں اس گالی کا علم ہو گیا ہے۔ کیا تم اس صورت میں اس حویلی سے زندہ جاسکو گے؟"

"زندگی رہی تو چاہا جاؤں گا۔ ورنہ سمجھ لوں گا موت یہاں الٹی ہے۔ تم یہ بتاؤ، تمہیں یہ حقیقت کیسے معلوم ہوئی؟"

"میری ماں نے ایک دائری میں اپنے حالات لکھے تھے۔ وہ دائری میرے ہاتھ لگ گئی۔ میں نے اسے پڑھنے کے بعد جلدیا تاکہ بھائیوں کو اپنے ناباز ہوئے پر غصہ نہ آئے۔"

وہ صوفے پر سے اٹھ گئی۔ اپنے بستر کے پاس گئی۔ پھر کتنے کے پیچھے سے رپو اور نکال کر کٹے نشانے پر رکھتے ہوئے بولی "تم حویلی سے باہر جا کر ہم بن بھائیوں کے لئے بہت بڑی گالی بن جاؤ گے۔"

"تم مجھے گولی مارو گی تو کافور خان مہمان کو قتل کرنے پر غصہ کرے گا۔"

"میں کہہ دوں گی کہ تم مہمان سے شیطاں بن گئے تھے۔ میری عزت پر حملہ کر رہے تھے۔ اس لئے تمہارا کام تمام کر دیا ہے۔"

"میں نے تمہارے بھائی کو پاگل بنانے سے نجات حاصل کرنے کی ایک تدبیر بتائی ہے، تم بھی سن لو۔ تم تینوں مہن بھائیوں کو لوہے کی گولی جڑ نہیں چھوڑا چاہئے۔ ورنہ پھر وہی باغی بن اور دماغی غفلت کا دودھ پڑے گا۔ رپو اور لوہے کا ہے۔ اسے فوراً پیچک دو۔"

"جان بچانے کے لئے چنگانہ باتیں کر رہے ہو۔"

"میں چپکا نہیں چاہتا۔ آنکھ مارو، مرنادوں گا۔ رپو اور پیچک دو۔"

اس نے بے اختیار پیچک دیا۔ پھر چونک کر اسے اٹھا یا چاہتی تھی "میں نے دماغ پر پوری طرح قبضہ نہ کیا۔ رپو اور کے پیچھے سے تمام گولیاں نکال کر پٹنگ کے نیچے پھینک دوں۔ پھر رپو اور کو قاتلین پر ڈال کر اس کے دماغ کو آزاد کر دیا۔"

وہ رپو اور پر جھٹکی کی پوزیشن میں دماغی طور پر غائب ہوئی تھی میں نے اسی پوزیشن میں حاضر دماغ کیا۔ وہ ذرا سا چونکی پھر رپو اور اٹھا کر میرا نشانہ لینے ہوئے بولی "یہ میرے ہاتھ سے چھوٹ گیا تھا۔ اب تم اپنی زندگی سے چھوٹ جاؤ۔"

اس نے رنگر کر دیا۔ پہلے ایک بار پھر بار بار دیا۔ گولی نہیں نکلی۔ صرف کٹ کٹ کی آواز نکلی۔ اس نے حیرانی سے رپو اور کو

بتا رہا تھا۔ میرے غیر معمولی اور جرات انگیز علم کی تعریفیں کر رہا تھا۔ اپنے اور مرتبہ کے پاگل پن کا حوالہ دے کر کہہ رہا تھا "ایسے دورے تم پر بھی پڑتے ہیں کیونکہ ہماری روگوں میں ایک ہی باپ کا خون ہے۔"

وہ بولا "لیکن برادر! ہمارا باپ پاگل نہیں تھا۔ ہمارے چچا پاگل تھے۔"

جانا کو میرے پاس رکنے کی ایسی تدبیر بھی بنا سکتا ہے کہ میں پاگل بن اور معتبوں سے محفوظ رہ سکتا ہے۔"

کاؤر خان سوچنے لگا۔ پھر تائید میں سر ہلا کر بولا "یہ ممکن ہے وہ کوئی تدبیر بنا سکتا ہے۔"

اس نے ملازم کو بلا کر حکم دیا "ہیئر کو بلاؤ، بی بی خانم کے پاس جائے اور مہمان کو اصرار ملائے۔"

وہ بتاتا نہیں چاہتا تھا کہ جسے وہ پاگل چچا سمجھتا ہے وہی دراصل ان تیزوں کا باپ ہے۔ وہ بات بتاتے ہوئے بولا "ہمارے باپ اور چچا کا تو خون ایک تھا۔ ہم سب ایک دادا کی نسل سے ہیں۔ تم پر انہی دورہ نہیں پڑا ہے تو یہ نہ سمجھو کہ محفوظ ہو۔ مسٹر ارسلان نے کہا ہے کہ ہم لوہے کی کسی چیز کو ہاتھ نہیں لگائیں گے تو پاگل پن اور غائب دماغی سے محفوظ رہیں گے۔"

"یہ مسٹر ارسلان کون ہیں؟"

"یورپ کا ایک رئیس اعظم ہے۔ ابہر نجوی ہے۔ اتنی بھی پیش گوئیاں کرتا ہے کہ لندن کے لاڈلز اور ڈیوک اسے ایک پیش گوئی کا معاوضہ پچیس ہزار پونڈ یعنی دس لاکھ روپے ادا کرتے ہیں۔ انہی وہ ہمارے حالات زندگی بھی بتائے گا۔"

"تم نے کتنا معاوضہ دیا ہے؟"

"میں تو متناہگ معاوضہ دینا چاہتا تھا لیکن وہ صرف گل جاناں کی رہائی چاہتا ہے۔"

"اسے گل جاناں سے کیا دلچسپی ہے؟"

"اسے ہم سے دلچسپی ہے۔ وہ ہماری بھلائی چاہتا ہے۔ نور زمان اور گل جاناں کے ستارے ہمارے مخالف ہیں۔ میں انہی تمہیں بتا چکا ہوں کہ میں نے نور زمان اور اس کی ماں کو ہلاک کرنا چاہا لیکن پاگل پن اور غائب دماغی کے باعث اپنے چار بہترین خزانوار کتوں کو مار ڈالا۔ اپنے دست راست کو بھی قتل کر دیا۔ تم گل جاناں کو اپنے پاس رکھو گے تو خدا نخواستہ مصیبتوں میں مبتلا ہو جاؤ گے۔"

وہ فرش پر سے اٹھ گئی۔ ملازم کے پیچھے چلی گئی۔ ہیرم خان نے مجھ سے کہا "میں نے تمہاری بہت تعریفیں سنی ہیں۔ کیا میرے حالات زندگی بتاؤ گے؟"

"ضرور، خان اعظم نے تمہاری تاریخ پیدائش بتائی تھی۔ میں نے تمہارا زائچہ بنا کر حالات معلوم کئے ہیں۔ تمہارا برادر تمہارے لئے ایک مضبوط قلعہ ہے۔ کوئی اس قلعہ کی ایک اینٹ بھی ہلا نہیں سکتا۔ کوئی تمہاری طرف انگلی اٹھانے کی بھی جرات نہیں کرتا ہے۔ اس لئے کوئی برا دشمن آج تک تم سے نہیں ٹکرایا۔ اس کے علاوہ تم سونے کے جھولے میں جھولے ہو۔ اس لئے زندگی میں کبھی کسی چیز کی محسوس نہیں کی۔ تمہاری کچھ زندگی میں کوئی قابل ذکر واقعہ نہیں ہے۔"

"اور مستقبل؟"

"مستقبل بہت تشویشناک ہے۔"

کاؤر خان نے پریشان ہو کر مجھ سے پوچھا "کیا کہتے ہو برادر ارسلان!"

"میں تو کچھ نہیں کہتا۔ میری زبان سے منہ دھو رہا ہے۔ توام سے بیٹھو اور باتیں توجہ سے سنو۔"

دونوں بھائی ایک صوفے پر بیٹھ گئے۔ میں نے ان کے سامنے دوسرے صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا "میں نے خان اعظم سے کہا تھا کہ میں نے نور زمان کا زائچہ بھی بنا کر اس کے حالات معلوم کئے تھے اس کے ساتھ اس کی ماں اور بہن کے متعلق بھی بہت کچھ معلوم کیا تھا۔ گل جاناں ایک مسموم اور پاکیزہ لڑکی ہے۔ کوئی اس کے دامن کو میلا نہیں کر سکتا گا۔ اگر کوئی اس پر جبر کرے گا تو خدا ہی میں جلتا ہوا رہے گا۔"

"برادر! تم نے باپ بن کر میری ہر خواہش پوری کی ہے۔ گل جاناں کو کچھ سے ملو۔۔۔۔۔ میں اس کے بغیر نہیں رہ سکتا گا۔ اگر وہ دہقان کی اور ہمارے غلام کی بیٹی نہ ہوتی اور خاندانی لڑکی ہوتی تو میں اس سے شادی کر لیتا۔ میری بچہ میں نہیں آتا، میں تمہیں کیسے سمجھاؤں کہ وہ میرے لئے کیا ہے۔"

"میں نے تو کچھ نہیں کہتا۔ میری زبان سے منہ دھو رہا ہے۔ توام سے بیٹھو اور باتیں توجہ سے سنو۔"

دونوں بھائی ایک صوفے پر بیٹھ گئے۔ میں نے ان کے سامنے دوسرے صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا "میں نے خان اعظم سے کہا تھا کہ میں نے نور زمان کا زائچہ بھی بنا کر اس کے حالات معلوم کئے تھے اس کے ساتھ اس کی ماں اور بہن کے متعلق بھی بہت کچھ معلوم کیا تھا۔ گل جاناں ایک مسموم اور پاکیزہ لڑکی ہے۔ کوئی اس کے دامن کو میلا نہیں کر سکتا گا۔ اگر کوئی اس پر جبر کرے گا تو خدا ہی میں جلتا ہوا رہے گا۔"

"میں نے تو کچھ نہیں کہتا۔ میری زبان سے منہ دھو رہا ہے۔ توام سے بیٹھو اور باتیں توجہ سے سنو۔"

دونوں بھائی ایک صوفے پر بیٹھ گئے۔ میں نے ان کے سامنے دوسرے صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا "میں نے خان اعظم سے کہا تھا کہ میں نے نور زمان کا زائچہ بھی بنا کر اس کے حالات معلوم کئے تھے اس کے ساتھ اس کی ماں اور بہن کے متعلق بھی بہت کچھ معلوم کیا تھا۔ گل جاناں ایک مسموم اور پاکیزہ لڑکی ہے۔ کوئی اس کے دامن کو میلا نہیں کر سکتا گا۔ اگر کوئی اس پر جبر کرے گا تو خدا ہی میں جلتا ہوا رہے گا۔"

"میں نے تو کچھ نہیں کہتا۔ میری زبان سے منہ دھو رہا ہے۔ توام سے بیٹھو اور باتیں توجہ سے سنو۔"

دونوں بھائی ایک صوفے پر بیٹھ گئے۔ میں نے ان کے سامنے دوسرے صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا "میں نے خان اعظم سے کہا تھا کہ میں نے نور زمان کا زائچہ بھی بنا کر اس کے حالات معلوم کئے تھے اس کے ساتھ اس کی ماں اور بہن کے متعلق بھی بہت کچھ معلوم کیا تھا۔ گل جاناں ایک مسموم اور پاکیزہ لڑکی ہے۔ کوئی اس کے دامن کو میلا نہیں کر سکتا گا۔ اگر کوئی اس پر جبر کرے گا تو خدا ہی میں جلتا ہوا رہے گا۔"

"اور یہ بات تمہیں اس نجوی نے سمجھائی ہے۔ میں یہ سوچنے کی بھی جرات نہیں کر سکتا کہ تمہیں کوئی غلط سمجھائے گا تو تم غلام سمجھ لو گے، تم بہت اور فائدہ ہو برادر! لیکن....."

"جب کہنے اور فائدہ نہ ہو تو پھر لیکن کی کیا سمجھائیں ہے؟"

"جو نجوی پاگل پن سے محفوظ رہنے کی تدبیر بنا سکتا ہے وہ گل

جاناں کو میرے پاس رکنے کی ایسی تدبیر بھی بنا سکتا ہے کہ میں پاگل بن اور معتبوں سے محفوظ رہ سکتا ہے۔"

کاؤر خان سوچنے لگا۔ پھر تائید میں سر ہلا کر بولا "یہ ممکن ہے وہ کوئی تدبیر بنا سکتا ہے۔"

اس نے ملازم کو بلا کر حکم دیا "ہیئر کو بلاؤ، بی بی خانم کے پاس جائے اور مہمان کو اصرار ملائے۔"

وہ بتاتا نہیں چاہتا تھا کہ جسے وہ پاگل چچا سمجھتا ہے وہی دراصل ان تیزوں کا باپ ہے۔ وہ بات بتاتے ہوئے بولا "ہمارے باپ اور چچا کا تو خون ایک تھا۔ ہم سب ایک دادا کی نسل سے ہیں۔ تم پر انہی دورہ نہیں پڑا ہے تو یہ نہ سمجھو کہ محفوظ ہو۔ مسٹر ارسلان نے کہا ہے کہ ہم لوہے کی کسی چیز کو ہاتھ نہیں لگائیں گے تو پاگل پن اور غائب دماغی سے محفوظ رہیں گے۔"

"یہ مسٹر ارسلان کون ہیں؟"

"یورپ کا ایک رئیس اعظم ہے۔ ابہر نجوی ہے۔ اتنی بھی پیش گوئیاں کرتا ہے کہ لندن کے لاڈلز اور ڈیوک اسے ایک پیش گوئی کا معاوضہ پچیس ہزار پونڈ یعنی دس لاکھ روپے ادا کرتے ہیں۔ انہی وہ ہمارے حالات زندگی بھی بتائے گا۔"

"تم نے کتنا معاوضہ دیا ہے؟"

"میں تو متناہگ معاوضہ دینا چاہتا تھا لیکن وہ صرف گل جاناں کی رہائی چاہتا ہے۔"

"اسے گل جاناں سے کیا دلچسپی ہے؟"

"اسے ہم سے دلچسپی ہے۔ وہ ہماری بھلائی چاہتا ہے۔ نور زمان اور گل جاناں کے ستارے ہمارے مخالف ہیں۔ میں انہی تمہیں بتا چکا ہوں کہ میں نے نور زمان اور اس کی ماں کو ہلاک کرنا چاہا لیکن پاگل پن اور غائب دماغی کے باعث اپنے چار بہترین خزانوار کتوں کو مار ڈالا۔ اپنے دست راست کو بھی قتل کر دیا۔ تم گل جاناں کو اپنے پاس رکھو گے تو خدا نخواستہ مصیبتوں میں مبتلا ہو جاؤ گے۔"

میں نے کوئی ایسی تدبیر بناؤ کہ اس نامراد کی مراد پوری ہو جائے اور اس پر کوئی نصیبت نہ آئے۔"

"وہ سب کا مقصد رکنے والا کتا ہے کہ آدمی اپنے عمل سے قسمتی کو مال سکتا ہے۔ اگر تم اسے بچھڑا دیتے ہو تو ہاتھ نہ لگاؤ۔ بھول گئے ہو تو جنگ کرنا، لیکن خان اعظم کا تم دونوں بھائیوں کو بچھڑانا نہیں آتا۔"

"ذرا وضاحت سے بولو۔"

"جھوٹے خان، گل جاناں سے باقاعدہ نکاح پر حوا کر اسے شرک جہات بنا کر حاصل کر سکتے ہیں۔ اس کے سوا کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے۔"

کاؤر خان نے کہا "یہ ناممکن ہے۔ مسٹر ارسلان! وہ ہمارے خیر غلام کی بیٹی ہے۔ تمام قبائلی سردار ہم پر ہنس گے۔ ہم بچھڑو کر مر رہیں گے۔"

"تو پھر اسے ہاتھ نہ لگاؤ۔"

ہیرم خان نے بھائی سے کہا "وہ حاصل نہ ہوئی تو میں کمانا بیٹا چھوڑ دوں گا۔ کیا تم مجھے بھوکا پیاسا کر سکتے ہو؟"

"جان برادر! تم آگ سے کھینک کی ضد کو گھومے تو کیا میں کھینک کی اجازت دے دوں گا۔ تم ایک معمولی لڑکی کے لئے خطرات سے کھانا چاہتے ہو؟"

"میں نے ایک بار کہا تھا۔ مو خطرات سے کھیل کر ہی اپنی مراد کی تسلیم کراتے ہیں۔"

"یہ درست ہے لیکن جان بوجھ کر خطرات سے نہیں کھینا چاہئے۔ پھر گل جاناں ایسا فخر ہے جس سے کھیل کر تم شہرت، برتری یا اقتدار حاصل نہیں کر سکو گے۔"

"دل کا قرار تو حاصل ہو گا۔ وہ نہ ملی تو میرے پاؤں میں نامرادی کا گناہ جہتار ہے گا۔ میں سر اٹھا کر نہیں چل سکتا گا۔ ایک چھوٹی سی عمری جسے بھگائی رہے گی۔"

پھر وہ بولا "وہ برآمدے میں ہے۔ اسے سردی لگ رہی ہوگی۔"

اس نے ملازم کو بلا کر حکم دیا "گل جاناں کو کھل دو۔ نہیں ضرور اسے سامنے والے مہمان خانے میں لے جاؤ اور اس کے کمانے پینے کا خیال رکھو۔"

پھر وہ بولا "وہ برآمدے میں ہے۔ اسے سردی لگ رہی ہوگی۔"

اس نے ملازم کو بلا کر حکم دیا "گل جاناں کو کھل دو۔ نہیں ضرور اسے سامنے والے مہمان خانے میں لے جاؤ اور اس کے کمانے پینے کا خیال رکھو۔"

پھر وہ بولا "وہ برآمدے میں ہے۔ اسے سردی لگ رہی ہوگی۔"

اس نے ملازم کو بلا کر حکم دیا "گل جاناں کو کھل دو۔ نہیں ضرور اسے سامنے والے مہمان خانے میں لے جاؤ اور اس کے کمانے پینے کا خیال رکھو۔"

پھر وہ بولا "وہ برآمدے میں ہے۔ اسے سردی لگ رہی ہوگی۔"

اس نے ملازم کو بلا کر حکم دیا "گل جاناں کو کھل دو۔ نہیں ضرور اسے سامنے والے مہمان خانے میں لے جاؤ اور اس کے کمانے پینے کا خیال رکھو۔"

پھر وہ بولا "وہ برآمدے میں ہے۔ اسے سردی لگ رہی ہوگی۔"

اس نے ملازم کو بلا کر حکم دیا "گل جاناں کو کھل دو۔ نہیں ضرور اسے سامنے والے مہمان خانے میں لے جاؤ اور اس کے کمانے پینے کا خیال رکھو۔"

پھر وہ بولا "وہ برآمدے میں ہے۔ اسے سردی لگ رہی ہوگی۔"

اس نے ملازم کو بلا کر حکم دیا "گل جاناں کو کھل دو۔ نہیں ضرور اسے سامنے والے مہمان خانے میں لے جاؤ اور اس کے کمانے پینے کا خیال رکھو۔"

پھر وہ بولا "وہ برآمدے میں ہے۔ اسے سردی لگ رہی ہوگی۔"

اس نے ملازم کو بلا کر حکم دیا "گل جاناں کو کھل دو۔ نہیں ضرور اسے سامنے والے مہمان خانے میں لے جاؤ اور اس کے کمانے پینے کا خیال رکھو۔"

اپنی دولت اور طاقت سے نہیں روک سکتے۔ دنا میں بھی قبول نہیں ہوں گی۔ سلامتی اور خوش حالی کا ایک ہی راستہ ہے۔ گل جاناں کو عزت اور عظمت دو۔"

"ہم جوتے کو زیادہ سے زیادہ چمکا کر قابل دید بنا سکتے ہیں۔ لیکن اسے صرف پیروں میں ہی پہن سکتے ہیں۔ سر نہیں رکھ سکتے۔"

میں نے کہا "بہت افسوس ہے۔ میں اس سلسلے میں مزید کوئی مشورہ نہیں دے سکوں گا۔"

کاؤر خان نے کہا "کوئی بات نہیں۔ میں ملازم سے کتا ہوں وہ تمہیں مہمان خانے میں پہنچا دے گا۔"

ہیرم خان نے کہا "برادر! میں نے ادھر گل جاناں کو رکھا ہے۔"

میں نے کاؤر خان کی سوچ میں کہا "یہ معزز مہمان ہے۔ ہماری حویلی میں کی کرے ہیں۔ کسی میں رہ سکتا ہے۔"

اس نے ملازم کو بلا کر حکم دیا "مہمان کو میرے ساتھ والے کمرے میں لے جاؤ اور ہر ضرورت کا خیال رکھو۔"

میں ملازم کے ساتھ ایک کمرے میں آیا۔ پھر اس سے بولا۔ "مجھے فی الحال کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے۔ میں تھمائی چاہتا ہوں۔"

وہ چلا گیا۔ میں دروازے کو اندر سے بند کر کے دونوں بھائیوں کے درمیان بیٹھ گیا۔ کاؤر خان کہہ رہا تھا "ارسلان کتا ہے، گل جاناں کو صبح سے پہلے اس کے گھر پہنچا دو۔ ورنہ بڑی تباہی آئے گی۔"

ہیرم خان نے کہا "یہ مہمان جب سے آیا ہے نور زمان اور گل جاناں کی حمایت میں بول رہا ہے۔ اس کے پیچھے ضرور کوئی مقصد ہو گا۔"

"کوئی مقصد نہیں ہے۔ میری بات کو سمجھو۔ ارسلان کے مشورے کے مطابق گل جاناں صبح تک گھر بیٹھ جائے گی تو ہم تباہی سے محفوظ رہیں گے۔ اس کا مطلب ہے آج بھی یہ ایک رات تمہارے پاس ہے۔ وہ کتنی عمر کی ہے، کوئی بات نہیں۔ اسے شکار گاہ لے جاؤ۔"

"مگر وہ کتا ہے، کوئی اس کا دامن میلا نہیں کر سکتا گا۔"

"اس نے نور زمان کا زائچہ بنا کر اس کی بہن کے متعلق کچھ معلوم کیا ہے۔ بہن کا زائچہ نہیں بنایا ہے۔ پھر گل جاناں کون سی اللہ والی ہے کہ اسے ہاتھ لگا جائے تو بھلی کر پڑے گی۔"

ہیرم خان نے خوش ہو کر کہا "تم میرے دل کی بات کہہ رہے ہو۔"

وہ بولا "میں تسلیم کرتا ہوں ارسلان درست پیش گوئی کرتا ہے۔ لیکن ضروری نہیں کہ ہر پیش گوئی درست ہو۔ تم پورے انتظامات کے ساتھ شکار گاہ جاؤ۔ پھرے داری کے لئے ہوشیار بندوں کو رکھو۔ ذرا بھی خطرے کا احساس ہو تو موبائل ٹیلیفون پر

اپنی دولت اور طاقت سے نہیں روک سکتے۔ دنا میں بھی قبول نہیں ہوں گی۔ سلامتی اور خوش حالی کا ایک ہی راستہ ہے۔ گل جاناں کو عزت اور عظمت دو۔"

"ہم جوتے کو زیادہ سے زیادہ چمکا کر قابل دید بنا سکتے ہیں۔ لیکن اسے صرف پیروں میں ہی پہن سکتے ہیں۔ سر نہیں رکھ سکتے۔"

میں نے کہا "بہت افسوس ہے۔ میں اس سلسلے میں مزید کوئی مشورہ نہیں دے سکوں گا۔"

کاؤر خان نے کہا "کوئی بات نہیں۔ میں ملازم سے کتا ہوں وہ تمہیں مہمان خانے میں پہنچا دے گا۔"

ہیرم خان نے کہا "برادر! میں نے ادھر گل جاناں کو رکھا ہے۔"

میں نے کاؤر خان کی سوچ میں کہا "یہ معزز مہمان ہے۔ ہماری حویلی میں کی کرے ہیں۔ کسی میں رہ سکتا ہے۔"

اس نے ملازم کو بلا کر حکم دیا "مہمان کو میرے ساتھ والے کمرے میں لے جاؤ اور ہر ضرورت کا خیال رکھو۔"

میں ملازم کے ساتھ ایک کمرے میں آیا۔ پھر اس سے بولا۔ "مجھے فی الحال کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے۔ میں تھمائی چاہتا ہوں۔"

وہ چلا گیا۔ میں دروازے کو اندر سے بند کر کے دونوں بھائیوں کے درمیان بیٹھ گیا۔ کاؤر خان کہہ رہا تھا "ارسلان کتا ہے، گل جاناں کو صبح سے پہلے اس کے گھر پہنچا دو۔ ورنہ بڑی تباہی آئے گی۔"

تھا۔ پھر دس بیس ہوا تھا۔ بڑے بھائی سے یہ منظور کیا نہیں جا رہا تھا۔ وہ اسے اٹھ کر پچھلی سیٹ پر لے آیا۔ خرابی سے بولا ”گھڑی چلاؤ۔ حویلی میں چار ڈاکٹر کو بلاؤ۔“

گھڑی واپس مرکز حویلی کی طرف جانے لگی۔ کافور خان نے پوچھا ”یہ کیسے ہو گیا؟“

”آقا! ہماری سیکل کام نہیں کرتی ہے۔ پہلے تو چھوٹا آٹا شکار گاہ میں گیا۔ وہاں سے کل جاہان کو اور ہم کو لے کر ہسپتال میں گیا۔ کل جاہان کو کھانسی کی ماں اور بھائی کے حوالے کر کے ہسپتال سے باہر آیا پھر بولا کہ وہ معصوم لڑکی کو بے لباس کرنا چاہتا تھا اس کی سزا پانے کے لئے خود ہنگ ہو گیا۔ ہمارے کپڑے بھی اترواؤ۔ چاقو سے اپنے جسم پر زخم لگائے۔ ہم روکنا چاہتے تھے۔ وہ ہم کو بھی زخمی کر کے دور بھاگتا تھا۔“

کافور خان میں رہا تھا اور اس کا سر پکڑا تھا تھا میری پیش گوئی یاد آ رہی تھی۔ اسے اپنے الفاظ بھی یاد آ رہے تھے اس نے کہا تھا ”کل جاہان کو ہی اللہ والی ہے کہ اسے ہاتھ لگنے والے پر بجلی گر پڑے گی۔“

اور اب چھوٹے بھائی کی حالت دیکھ کر کافور خان پر بجلی گر رہی تھی۔ وہ قائل ہو رہا تھا کہ نور زمان اور گل جاہان کے دشمن ستارے ان بہن بھائیوں سے ٹکرا رہے ہیں۔ آئندہ ان غلاموں سے دور رہنا چاہیے۔

وہ سوچ رہا تھا اور اپنی مثال اتار کر بھائی کو اس میں پھیلا رہا تھا۔ حویلی کے دروازے کے سامنے گاڑی رک گئی۔ ایک خرابی ہوئی وہ دوڑا ہوا ڈاکٹر کے کوارٹر کی طرف گیا۔ کافور خان نے فوری طبی امداد حاصل کرنے کے لئے حویلی کے احاطے میں ایک ڈسپنسری قائم کی تھی اور ایک ڈاکٹر کو ملازم رکھا تھا۔

وہ بھائی کو اٹھ کر اپنی خواب گاہ میں لایا۔ ملازموں سے بولا۔ ”پانی گرم کرو۔ دوسرا بیٹر بھی لگاؤ۔ مہمان کو بواو خان اعظم بلانا ہے۔“

تمام ملازم احکامات کی قیبل کرنے لگے۔ ایک نے میرے دروازے پر دستک دی۔ میں نے دروازہ کھولا۔ اس نے کہا ”خان اعظم نے یاد کیا ہے۔ چوٹا خان بری طرح زخمی ہو کر آیا ہے۔ جلدی چلو۔“

میں کافور خان کی خواب گاہ میں پہنچا۔ اس نے بھائی پر سے کپل ہٹا کر زخم دکھائے تو میں نے شدید حیرانی کا ظہر کیا۔ وہ بولا ”میں نے بھی اپنے بھائی پر ظلم کیا ہے۔ ایک تو یہ زخموں سے مجھ پر ہے۔ پھر میں گاڑی عین وقت پر نہ روک سکا۔ اسٹرنگ بے قابو ہو گیا۔ یہ میری گاڑی سے ٹکرا کر بے ہوش ہو گیا۔“

میں نے ذرا غصہ دکھاتے ہوئے کہا ”میرے منع کرنے کے باوجود تم گاڑی میں بیٹھ گئے۔ تم نے لوہے کو تھکے لگایا۔ آخر نتیجہ دیکھ لیا۔ تم نے خود اپنی جان سے زیادہ عزیز بھائی کو گاڑی سے ٹکرا

مارا۔ تمہارے بھائی نے بھی میرے مشورے کے خلاف کوئی قدم اٹھایا ہو گا۔“

وہ اور ایک خرابی بتانے لگے کہ بیرم خان بری نیت سے کمر جاناں کو شکار گاہ لے گیا تھا۔ پھر چاکل سی اس کا داغ چل گیا اور وہ اس حالت کو پہنچ گیا۔ میں نے تمام دوداؤں کر کہا ”بہن میرے بڑا چاکل خان اعظم! اب میں یہاں نہیں رہوں گا۔ تم نے اور تمہارے بھائی نے اپنے مہمان کے ظلم کو جھوٹا سمجھا۔ میں مجبوری میں نظروں میں جھوٹا اور فریبی ہوں۔ مجھے یہاں نہیں رہنا چاہیے۔“

اس نے میرے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا ”تمہارا غصہ بجا ہے۔ خان اعظم کو کوئی آنکھ نہیں دکھا سکتا لیکن تم غصہ دکھا رہے ہو۔ کوئی بات نہیں۔ تم ہمارے لئے فرشتہ ہو۔ خان اعظم تم سے الگ کرتا ہے۔ ابھی جانے کی بات نہ کرو۔ ہم سب کو تمہاری بہن ضرورت ہے۔ میں وعدہ کرتا ہوں آئندہ ہم تمہارے مشوروں پر عمل کرتے رہیں گے۔“

ڈاکٹر آیا تھا۔ بیرم خان کے ایک ایک زخم کو صاف کر کے مرہم لگا رہا تھا۔ اس نے آنکھیں بھی لگایا۔ پھر کہا ”خان اعظم! اسے تھوڑی دیر میں ہوش آئے گا۔ میں بینک میں موجود رہوں گا۔“

وہ چلا گیا۔ کافور خان بھی بھائی کے قریب جا رہا تھا۔ کبھی آ رہا تھا۔ شفا دے رہی تھی کہ وہ ہوا تھا ”میں نے آج تک کسی دشمن کو معاف نہیں کیا۔ جس نے مجھ سے نہیں نقصان پہنچانا چاہا! میں نے اسے جہنم میں پہنچا دیا! میں ان دو کوڑی کے ذیل غلاموں کو بھی معاف نہیں کروں گا لیکن کیا کروں؟ میں کیا کروں؟“

میں نے کہا ”میں ان کے خال پر چھوڑ دو۔“

”کیسے چھوڑ دوں؟ وہ میری زمینوں پر رہتے ہیں گویا میرے بیٹے پر سوار رہتے ہیں۔ میں انہیں کیسے نظر انداز کر سکتا ہوں۔ ان سے سامنا ہو گا تو میری آنکھوں میں خون اتر آئے گا۔ میں ان سے کترا جاؤں گا تو میری عزت اور شان و شوکت دو کوڑی کی نہیں رہے گی۔ پولیس والے سرکاری عہدے دار جو مجھ سے مرعوب رہتے ہیں وہ طعنے دیں گے کہ ذیل غلاموں نے خان اعظم کو قتل ہو کر رکھ دیا ہے۔“

”میں تمہارا مہمان ہوں۔ اپنی آنکھوں سے تمہاری جانیں نہیں دیکھوں گا۔ تم ان کے خلاف جو کرنا چاہتے ہو میرے جانے کے بعد کرو۔“

”مسٹر ارسلان! میں ان کے خلاف کچھ نہیں کروں گا لیکن دوسرے لوگ ان سے دشمنی کریں اور انہیں قتل کریں تو اس کا الزام مجھ پر نہیں آئے گا۔“

”دشمنی اور قتل کرنے والے تمہارے ہی نمک خوار ہوں گے۔“

”بھائی نہیں۔ میرا اور میرے نمک خواروں کا ان سے کوئی جھگڑا نہیں ہو گا۔ تمہارے مشوروں اور اپنے ستاروں کی چال کے مطابق ہم دونوں بھائی ان غلاموں سے دور رہیں گے۔ ان کا نام بھی زبان پر نہیں لائیں گے۔ اب تم بتاؤ۔ اس کے بعد بھی ان کے منوں ستارے ہم سے ٹکرائیں گے؟“

میں نے نور زمان اور گل جاہان کے حوالے سے ان پر جو باتیں عام کی تھیں۔ وہ اپنی ہی چال کے ذریعے ان باندیوں سے تیزاؤ ہو رہا تھا۔ یہ سمجھ گیا۔ یہ خرواغ جاگیر اور اپنی انا اور برتری کی خاطر انتقامی کارروائی سے باز نہیں آئیں گے۔ میں نے کہا ”خان اعظم! میں نے پیش گوئی کی تھی کہ جو اس معصوم لڑکی کو نقصان پہنچائے گا خود نقصان اٹھائے گا۔ تم اس معاملے سے الگ ہو جاؤ۔ تمہارے بعد جو اس معاملے میں پڑے گا وہ بھگت لے گا۔“

بیرم خان کو ہوش آ گیا۔ وہ آنکھیں کھول کر سوچ رہا تھا ”میں کہاں ہوں۔ یہ تو برادر کا کمرہ ہے“ اور میں شکار گاہ میں تھا۔ کافور خان نے قریب آکر اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

”جاہان برادر! جو ملے کب شوٹ کر دیا جائے گا۔“

وہ تکلیف سے کہتا ہے ”میرے جسم سے ٹیسٹ اٹھ رہی ہیں۔ یہ سرخ مٹی جیاری ہے۔ میں زخمی ہوں، یہ سب کیا ہے؟ میں زخمی کیسے ہو گیا؟“

کافور خان اسے تمام دوداؤں بتانے لگا۔ میں بیرم خان کے داغ میں رہ کر ان تمام مناظر کی جھلکیاں پیش کر رہا تھا۔ جو اسے یاد نہیں رہے تھے۔ اسے کچھ کچھ یاد آ رہا تھا اور وہ حیرانی سے پوچھ رہا تھا۔ ”میں نے یہ پاگل ہیں کیسے کیا؟ اپنے ہاتھوں سے خود کو زخمی کیا۔ زخم کھانے کے باوجود میں ہوش میں کیوں نہیں آیا؟“

”تم نے مہمان کے مشوروں پر عمل نہیں کیا۔ گل جاہان کو گاڑی میں لے گئے۔ لوہے کو چھو لیا۔ مجھ سے بھی نادانی ہوئی، میں نے ہمیں اس لڑکی کو شکار گاہ لے جانے کی اجازت دی۔ اب ایسا نہیں ہو گا۔ ان غلاموں پر لعنت بھیج دو۔ ہم انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔“

وہ تکلیف سے بے چین ہو رہا تھا ”ڈاکٹر کو بلایا گیا۔ اس نے معائنہ کرتے ہوئے کہا ”پریشانی کی بات نہیں ہے۔ زخم تو تکلیف خور دیں گے آپ کا حکم ہو تو میں یخ کا انجکشن لگا دوں۔“

وہ بولا ”میرے بھائی نے بہت تکلیف برداشت کی ہے۔ اسے آرام سے ملا دو۔“

ڈاکٹر انجکشن لگا کر چلا گیا۔ کافور خان نے چھوٹے بھائی سے کہا ”آنکھیں بند کرو، آرام سے سو جاؤ۔ تمہارے دشمنوں کا آرام آنا سے تمام ہو جائے گا۔“

اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ کافور خان موبائل ٹیلیفون اٹھا کر میرے ساتھ باہر آیا۔ پھر مجھ سے بولا ”تم بھی آرام کرو۔ میں آج

رات بھائی کے ساتھ گیاروں کل صبح تم سے ملاقات ہو گئی۔ میں اپنے کمرے میں آیا۔ اس نے دوسرے کمرے میں جا کر فون کے ذریعے پوٹیلیکال بجٹ سے رابطہ کیا، پھر کہا ”پچاس ہزار کا سودا ہے۔“

”سودا بولو۔“

”جی کہ ہسپتال میں ایک نور زمان اور اپنی ماں اور بہن کے ساتھ رہتا ہے۔ ان تینوں کا ہتھکڑیاں انجام کیا جائے گا میں سودے کی رقم اتنی ہی بڑھا دوں گا۔“

”ٹھیک ہے۔ کل تک تینوں کی ننگہ پوٹی ہو جائے گی۔“

رابطہ ختم ہو گیا۔ میں پوٹیلیکال بجٹ کے داغ میں پہنچ گیا۔ اس کا نام زرتاج خان تھا۔ حکومت پاکستان کی طرف سے پوٹیلیکال بجٹ مقرر کیا گیا تھا لیکن وہ اپنے عہدے سے خوب ناجائز فائدے اٹھا کر تھا۔ قانون کی بالادستی اس دامن قائم رکھنا اور ترقیاتی منصوبوں پر عمل کرنا اس کے فرائض میں شامل تھیں وہ طاقت فہر کے قبائلی سرداروں کا بھی نمائندہ تھا۔ اس لئے دولتی حرکتیں کرتا تھا۔

وہاں کا قانون جس کی لاٹھی اسمبلی کی ہینس کے مصداق تھا۔ جس کے پاس دولت اور کارٹوس زیادہ ہوتے تھے وہی زیادہ بندے مار سکتا تھا۔ پوٹیلیکال بجٹ کی عمرانی میں چوری اور اسلگنگ کال محفوظ رہتا تھا۔ وہاں اغوا برائے آداؤں کے معاملات طے ہوتے تھے۔ ایفون، چرس، ہیروئن، اسلحہ اور چوری کی کاروں اور سوٹر سائیکلوں کا کاروبار اس قدر تھا کہ بڑے بڑے عہدے داروں کی روزانہ آمدنی تقریباً ایک لاکھ روپے تھی۔

جہاں مال و دولت کی فراوانی ہو۔ اسلحہ اور کارٹوس کا استعمال غیر قانونی نہ رہے اور جہاں محاسبے کا عمل نہ رہے۔ وہاں کا ہر عہدے دار اور ہر قبیلے کا سردار فرعون ہوتا ہے۔ ایسے تمام فرعوں کو پوٹیلیکال بجٹ زرتاج خان اپنے کنٹرول میں رکھتا تھا۔ ان کی ہر ناجائز بات مانتا تھا اور اپنی ہر ناجائز بات ان سے منواتا تھا۔ زرتاج خان کے بیوی بچے پشاور میں بڑی ریسانہ زندگی گزار رہے تھے۔ اس کے دو جوان بیٹے کالج میں تھے اور ایک جوان بیٹی اسکول میں پڑھ رہی تھی۔ وہ چودہ برس کی تھی یعنی گل جاہان کی ہم عمر۔ میں نے زرتاج خان کو اپنے بیوی بچوں سے رابطہ کرنے پر مائل کیا۔ اس نے فون کے ذریعے ان کی خیریت معلوم کی۔ میں اس کے بیوی بچوں کے داغوں میں پہنچ کر ان کے متعلق مزید معلومات حاصل کرنے لگا۔

اس کے بعد میں کافور خان کے پاس آیا۔ وہ اپنی خواب گاہ میں زخمی بھائی کے پاس کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ بھائی آنکھیں کے اثر سے سو رہا تھا۔ کافور خان اس سے اور مزید بے انتہا محبت کرتا تھا۔ وہ تمام رات بھائی کے پاس جاگنا چاہتا تھا۔ میں نے اس پر قبضہ ہٹا کر فون کا ریسپانڈر اٹھائے گا کہ پھر پوٹیلیکال بجٹ کے نمبر

148

تھا۔ وہ مسکرائے گی۔

میں نے خواب وہاں میں آکر اسے ہر دم خان کے حالات بتائے۔ وہ تمام حالات سننے کے بعد بولی "آخر اس گل جانان میں کون سے سرفراہ کے پر لگے ہیں" جس کے لئے میرا بھائی مصیبتیں اٹھا رہا ہے۔"

"تمہارا بھائی خود مصیبتیں اٹھا رہا ہے۔ وہ کیوں گل جانان کو طلب کر رہا ہے؟"

وہ بولی "ایسا تو ہی ہے۔ جاگیر دار جسے پسند کرتے ہیں اسے اغوا لیتے ہیں۔ گل جانان جیسی لڑکیوں کی عزت ہی کیا ہوتی ہے؟" "تم غور ہو کر ایسا کہہ رہی ہو؟"

"خاندانی عورتوں اور غلام عورتوں میں زمین آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ مٹی کے کپڑے پاؤں تلے آنے کے لئے ہی پیدا ہوتے ہیں۔"

"اور تمہاری جیسی حسینائیں حویلی کے مضبوط قلعے میں محفوظ رہتی ہیں۔"

"بے شک۔ کوئی ہماری آرزو مکمل کرنے کی جرات بھی نہیں کر سکتا۔"

"اگر کوئی تمہیں حاصل کرنے کی ضد کر لے تو؟"

"تو حویلی کی دیواریں اور دروازے بہت مضبوط ہیں۔ کوئی انہیں توڑ کر نہیں آسکے گا۔"

"آنے والے آتی جاتے ہیں۔ فواد کی دیواریں بھی ان کا راستہ نہیں روکتیں۔"

میں نے اس کی ریشی زلفوں کو مٹھی میں بیکر کر اپنی طرف کھینچ لیا۔ زلفوں سے اس لئے پکڑا کر غور کا سروہیں سے اونچا ہوتا ہے اور وہیں سے نیچا ہوتا ہے۔ میں نے اس کے لبوں پر خاموشی کی مہر لگادی کیونکہ غریبوں کے لئے وہیں سے پیار کے گلاب نکلتے ہیں اور خوش فہمیوں کے لئے وہیں سے پیار کے گلاب نکلتے ہیں۔ کسی ہستی کو یہ دعویٰ نہیں کرنا چاہئے کہ وہ ہمیشہ زبردستی ہے۔ یہ یاد رکھنا چاہئے کہ زیر بھی ہو جاتی ہے۔

حویلی میں کھڑا تھا۔ اس کے کینوں کا دعویٰ تھا کہ وہ حویلی نہیں قلعہ ہے۔ وہاں کوئی نقب نہیں لگا سکتا۔ جبکہ خوشخوار کتنے مارے گئے تھے، مسلح گارڈز خالی حویلی کے پہرے دار بنے ہوئے تھے۔ جب کینوں کا قلعہ ہوں تو ان کی موجودگی عدم موجودگی ہو جاتی ہے۔ وہ حویلی خالی تھی، کھوکھلی تھی۔ آہو نہ رہے تو مکان اور اجناس دونوں اندر سے کھوٹکے ہو جاتے ہیں۔

ہم رات کے تین بجے بچن میں آئے۔ مرجیانے کھانا گرم کرتے ہوئے کہا "میں نے خود اپنے لئے کبھی اپنے ہاتھوں سے نہیں پکایا۔ مگر تمہارے لئے یہ کام کر رہی ہوں۔ تم سچ کچ کوئی جادوگر ہو۔ پتا نہیں مجھ پر کیا جادو کیا ہے۔ اب میں تمہیں نہیں چھوڑوں گی۔ کینیں نہیں جانے دوں گی۔"

وہ میز پر کھانا لائے آئی۔ پھر میرے ساتھ بیٹھ کر کھاتے ہوئے بولی "تجربہ ہے آج حویلی کے اندر کوئی کینیا ملازمہ نہیں ہے۔ دونوں برادر مرگے ہیں۔ ہماری خیمہ میں ہیں۔ ہماری خیمہ میں کوئی قتل ہونے والا نہیں ہے۔"

میں چپ چاپ کھانا کھا رہا تھا۔ وہ بولتی رہی "یہ خواب جیسا لگ رہا ہے۔ جیسے کوئی دوستیہ محبوب کو اپنی خیمہ میں بلانے کے لئے سحر چھوکتی رہی ہو۔ تمام پہرے دار حرمزہ ہو کر سو گئے۔ وہاں اور وہاں محبوب کی آغوش میں پہنچ گئی ہو۔ یہ سب خواب میں ہوتا ہے۔ کیا میں خواب دیکھ رہی ہوں؟"

میں نے اس کے بھرے بھرے بازو میں چپکلی۔ وہ سرکاری بھرتے ہوئے بولی "ہائے" یہ کیا حرکت ہے؟

"تم نے تکلیف محسوس کی۔ اگر نگر میں ہوتی تو آٹھ کل جاتی۔ لیکن کرلو کہ بیدار میں مجھ سے مل رہی ہو۔ میں خواب یا آسب نہیں ہوں۔"

"میں دیکھ کر حیران ہوں۔ آج تک حویلی میں ایسا نہیں ہوا کہ سب یہاں سے چلے جائیں اور جو حویلی کے اندر ہیں وہ گھوڑے چ کر سو گئے۔ میرے غیرت مند بھائی ایسے تو نہیں ہیں۔"

"کو تو آئیں ان کی غیرت کے ساتھ جگا دوں؟"

وہ کان کو ہاتھ لگاتے ہوئے بولی "ہرگز نہیں۔ ہم دونوں کو زندہ دفن کر دیں گے۔"

میں نے کھانے کے بعد کہا "پارہیجنے والے ہیں۔ اپنی خواب گاہ میں جاؤ۔ مجھے بھی اپنے کمرے میں رونا چاہئے۔ تمہارے بھائی کسی وقت بھی بیدار ہو سکتے ہیں۔"

میں جانا چاہتا تھا۔ اس نے پیار سے راستہ روک لیا، پھر کہا "کاش ایسا ہوتا۔ ساری دنیا ایسی طرح سوتی رہ جاتی اور ہمیشہ کے لئے مل جاتے۔ سچ کتنی ہوں؟ تم سے الگ نہیں ہو سکتی۔" پھر اس نے مسکراتے ہوئے اپنی خواب گاہ کی طرف دھکا دیا۔ میں نے کہا "میں زندہ دفن نہیں ہونا چاہتا۔ یہ رات بھر آنے کی آج کے لئے شب بخیر۔"

میں نے اسے جدا ہونے پر مجبور کیا۔ وہ چلی گئی۔ میں اپنے کمرے میں آیا۔ دروازے کو بند کر کے مرجیانے کو اس کی خواب گاہ سے نکالا۔ اسے بچن میں لایا۔ وہاں کیرمیں آکر اسے بھرا ہوا ایک کین تھا۔ ایک خانے میں دیا سلائی کی کئی ڈیاں تھیں۔ اس نے تین آچس کی ڈیاں اٹھائیں۔ مٹی کے تیل سے بھرے ہوئے کین کو لیا۔ وہاں سے چلتی ہوئی اپنے بھائیوں کے کمرے میں آئی۔ پھر کمرہ کیوں کے پردوں اور سونوں پر تیل چھڑکتے گئی۔

اس کام سے فارغ ہو کر اٹھنے لے دیا سلائی کی ایک ڈیاں کاغذ خان کے سرانے رکھ دی۔ وہاں سے چلتی ہوئی میرے کمرے میں آئی یہاں بھی اس نے تیل چھڑک کر ایک ڈیاں کھدی۔ پھر اپنی خواب گاہ میں آگئی۔ وہاں بھی اس نے جبکہ جبکہ تیل چھڑک دیا۔

وہاں بچن میں آئی۔ کیرمیں آکر اس کی کین کو اس کی جگہ پر رکھ کر وہاں کی کینیں لائن کی چابی کھمکرائے پوری طرح کھول دیا۔ اس کے بعد اپنے کمرے میں جا کر ایک تیلی جلائی پھر اسے صوفے پر پھینک دیا۔ ایک دم سے آگ بھڑک گئی۔

میں نے اسے چھوڑ دیا۔ کاغذ خان کو بستر سے اٹھایا اس نے نیند کی حالت میں ایک تیلی جلا کر اسے پردے کے پاس پھینکا۔ اس کے ساتھ ہی میں نے اس کے داغ کو چھوڑ دیا۔ کیرم خان کو چٹایا۔ اس نے آکھیں کھول کر دیکھا۔ کمرے میں آگ بجھ چکی تھی اور کاغذ خان زخمی بھائی کو دونوں بازوؤں میں اٹھا کر باہر پھینچنا چاہتا تھا۔ اوپر میں اپنے کمرے میں آگ لگا کر بھانک رہا تھا۔ وہاں پر آیا۔ حویلی کے ایک حصے سے مرجیانہ دوڑتی آ رہی تھی۔ سب ہی چارے تھے، ہٹ! آہٹ! میں نے کہا "خودا باہر نکلو۔ پتا نہیں آگ اور کھان کھان بھڑکتے والی ہے۔"

کیرم خان آگ اور موت کو قریب دیکھ کر اپنے زخم بھول گیا تھا۔ بھائی کے بازوؤں سے اتر کر بھانک لگا تھا۔ ہم سب باہر آئے۔ ملازم اور مسلح گارڈز حویلی کے اندر بھڑکتے ہوئے شعلے دیکھ کر دوڑتے آ رہے تھے۔ کاغذ خان چیخ چیخ کر حکم دے رہا تھا "پانی لاؤ خودا آگ بجھاؤ۔ بڑا آگ اندر جاؤ۔"

وہ خود بھاگ کر باہر آیا تھا اور ملازموں کو بزدل کہہ رہا تھا۔ ملازم اور گارڈز اندر گئے پھر پلٹ کر آگے کیونکہ آگ بچن سے باہر آنے والی کینیں تک پہنچ گئی تھیں۔ ایسے قیامت کے شعلے بھڑک کر باہر آ رہے تھے جسے تیل کا کٹاؤں بھٹ بڑا ہو۔

ہم باہر احاطے میں بھی ٹھہر نہیں سکتے تھے۔ وہاں سے دوڑتے ہوئے احاطے کے باہر پہاڑی کے دامن کی طرف جا رہے تھے۔ دو گارڈز ان کی دو گانیاں احاطے سے نکال کر لے آئے تھے۔ ہم ان گارڈزوں میں بیٹھ کر پہاڑی کے نیچے آئے۔ پھر بہت دور جا کر گانیاں روک دی گئیں۔

ہم نے گانیاں سے نکل کر پہاڑی کی بلندی پر اس مغرور بلندو بالا حویلی کو دیکھا، جہاں دھماکے ہو رہے تھے۔ خانے میں اسلحہ اور بادو کا جو ذخیرہ تھا، وہاں تک آگ پہنچ گئی تھی۔ وہاں اسے طاقتور مرنے ہوئے تھے، جن کے پھٹنے سے حویلی کی دیواریں ریزہ ریزہ ہو رہی تھیں۔ دھماکوں کی آوازیں پتا نہیں کتنی دور جا رہی ہوں گی۔ بھتیجی کی عورتیں اور بچے خوف سے بچ رہے تھے۔ لوگ دوڑتے ہوئے آ رہے تھے۔ میں نے کوشش کی تھی کہ حویلی کے بے گناہ ملازم مارے نہ جائیں۔ اس میں ہوشیہ تک کا سیاسی ہوئی، سب ہی بچ کر نکل آئے تھے۔ کچھ زخمی ہو گئے تھے اور ان کے زخم قتلوشاک نہیں تھے۔

کیرم خان چکر کر زمین پر گر پڑا تھا۔ کاغذ خان دونوں ہاتھوں سے اپنا سر قسے بھائی کے سرانے بیٹھ گیا تھا اور مرجیانہ آکھیں پھانسنے کے کم کھدی حویلی کی تباہی دیکھ رہی تھی۔ ایسا ہولناک منظر

دیکھ کر کین بھائی نے سوال کرنا بھول گئے تھے کہ آگ کیسے لگی؟ کاغذ خان اپنے نقصان کا حساب کر رہا تھا۔ اس کے خیالات بتا رہے تھے کہ ایک خفیہ تجویز میں تقریباً اسی کا روپے نقد اور دس کلو سونے کے بیکٹ تھے جن کی اہمیت کروڑوں روپے تک تھی۔ لاکھوں کے نوٹ جل چکے، ہوں گے اور دھماکوں سے سونے کے بیکٹ ذرہ ذرہ ہو کر نہ جانے کہاں کہاں گئے ہوں گے۔ خانے میں بیٹھیں لاکھ کے گولہ بادو اور مختلف قسم کے ہتھیار تھے۔ ان میں سے کچھ بھی بچا نہ ہوگا۔ اور تو اوزدین پر زور لباں تھا، وہی رہ گیا تھا، باقی لباس بھی جل چکے تھے۔ کوئی تباہی یا تباہی تھی۔ چند منٹوں میں کنگال ہو کر رہ گئے تھے۔

پھر کاغذ خان نے اٹھتے ہوئے کہا "میرا منتر پڑھا ہے۔ کچھ میں نہیں آتا، یہ خدا میرے ساتھ کیا کرتا ہے۔ مجھ پر اتنا غلاب کیوں نازل کرتا ہے۔ اے سمان برادر! ابھی میری بات کا پرا نہیں مانو۔ میرا منتر خراب ہے۔ مجھ کو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم خوش قدم نہیں ہے۔ جب سے حویلی میں داخل ہوا ہے، مجھ پر عجیب و غریب مصیبتیں آ رہی ہیں۔ تم حویلی کے اندر آ کے ہم سب کو باہر کر دیا ہے۔ ابھی تم مجھ کو معافی دو، اور رخصت ہو جاؤ۔ میں میرانی کے قاتل نہیں ہوں۔"

مرجیانہ پریشان ہو کر کبھی مجھے اور کبھی بھائی کو دیکھ رہی تھی۔ وہ مجھ سے دور نہیں رہنا چاہتی تھی۔ بھائی کو ایسا ناقابل برداشت صدمہ پہنچا تھا کہ وہ میری حمایت میں کچھ بول نہیں سکتی تھی۔ پھر بھی وہ بات بناتے ہوئے بولی "مسٹر ارسلان! میرے برادر کے سینے میں بہت بڑا دل ہے۔ اتنا زبردست نقصان اور پریشانیوں کی وجہ سے میرانی سے انکار کر رہا ہے۔ جب اس کی پریشانی دور ہوگی تو یہ تمہیں بہت یاد کرے گا۔"

میں نے کاغذ خان کی سوچ میں کہا "سمان نے پریشانی دور کرنے کے لئے دو مشورے دیئے تھے۔ ہم دونوں بھائیوں نے ان پر عمل نہیں کیا۔ ایک تو بوسے کو چھو رہے ہیں اور دوسرے گل جانان کے خلاف انتقامی کارروائیوں سے باز نہیں آ رہے ہیں۔ مجھے عقل سے سوچنا چاہئے۔ یہ اتنی بڑی تباہی کس کی طرف سے نہیں ہے۔ کوئی دشمن میرے گھر کے اندر نہیں تھا اور آگ گھر کے اندر سے شروع ہوئی ہے۔ یہ غلاب ہے، قہرانی ہے۔ یہ گل جانان سے نکلنے کا عبرت ناک انجام ہے۔ مجھے عبرت حاصل کرنا چاہئے۔"

کاغذ خان سر پکڑ کر اپنے داغ میں اپنے ہی خیالات سن رہا تھا۔ ایک حواری نے کہا "آقا! یلیخون کال ہے۔"

وہ گاڑی کے اندر سے موبائل فون پر اٹھا کر لایا تھا۔ کاغذ خان نے ریسپونڈر اٹھا کر کہا "مکون بولنا ہے۔ جلدی بولو! ابھی میرا منتر خراب ہے۔"

دوسری طرف پوٹیلیک ایجنٹ نے کہا "تمہارے علاقے کے قہانے دار نے فون پر بتایا ہے کہ تمہاری حویلی جل رہی ہے اور

قیامت خیز دھماکے دور ہے۔ کیا یہ سچ ہے؟
 ”سچ ہے“ میں تباہ ہو گیا ہوں۔ میرے جسم پر صرف ایک کپڑا ہے اور بچہ باقی نہیں بچا ہے۔ اب میں بڑی حویلی میں جا رہا ہوں۔
 اُدھر آگے ملاقات کرو۔“

اس نے ریسور رکھ دیا۔ پولیس انسپکٹر ایک جپ میں سپاہیوں کے ساتھ آ رہا تھا۔ کافور خان نے ہاتھ اٹھا کر کہا: ”اے واہس جاؤ۔ اور مجھے پولیس کی ضرورت نہیں ہے۔ میں یہاں سے علاقہ غیر جا رہا ہوں۔“

اس نے ہیرم خان اور مرجینا کو گاڑی میں بیٹھنے کے لئے کہا۔ پولیس کی جپ قریب آ کر رک گئی۔ انسپکٹر نے جپ سے اتر کر سلام کرتے ہوئے کہا ”خان اعظم! ہم آپ کے تنگ خوار ہیں۔ ہمیں دشمن کا نام بتاؤ۔ ہم اسے.....“

اس نے زانت کر کہا ”زادہ مت بولو۔ تم لوگ سامنے کے مجرم کو چھوڑ کر پیچھے بے گناہوں کو پکڑو۔ میرے دشمن کو کیا پکڑو گے۔ اگر پکڑ سکتے ہو تو جاؤ اسے تلاش کرو۔ اس کا نام مقدور ہے۔“

یہ کہہ کر وہ گاڑی میں بیٹھ گیا۔ مجھے ان کے ساتھ جانے کا شوق نہیں تھا اور نہ ہی مرجینا کا عاشق تھا لیکن اس علاقے میں جانا چاہتا تھا جو پاکستان کے جسم سے ایک ناسور کی طرح چپکا ہوا تھا۔ میں نے دنیا میں بڑے بڑے جرائم کے علاقے اور جزیرے دیکھے ہیں۔ ایک یہ بھی دیکھنا چاہتا تھا اور اپنی بیاض کے مطابق کچھ کرنا چاہتا تھا۔

میں نے کافور خان کی وضاحت رگ پر اٹھی رکھی۔ اس کے بھائی ہیرم خان کو قاتل کیا۔ اس کی سوچ میں کہا ”سمان نے ہمارے ساتھ کوئی برائی نہیں کی۔ ہماری ہتھیاری کے لئے مشورے دیتا رہا۔ ہم نے مشوروں پر عمل نہیں کیا تو ہماری شامت آگئی۔ برادر اپنی تباہی کا غصہ اس پر امار رہا ہے۔“

اس نے بھائی سے کہا ”برادر! ایک گزارش ہے۔“

”بولو جان برادر!“

”سمان کو اور حمرت چھوڑو۔ لوگ باتیں باتیں گے کہ ہم نے تباہ ہوئے ہی سمان کو بوجھ کچھ کر پیچیک دیا۔“

”درست کہتے ہو۔ میرے منظر میں یہ بات نہیں آئی تھی۔ سمان کو چھوڑ دے نہیں جانا چاہئے۔“

وہ گاڑی سے باہر آیا۔ پھر مجھ سے بولا ”برادر! مجھے انسوس ہے میں نے عدسے کے باعث میرانی سے انکار کیا۔ تم مجھے پھر معافی دو اور میرے ساتھ چلو۔“

میں نے کہا ”میں معذرت چاہتا ہوں۔ ایک بار کسی کے دل سے نکل کر اس کے دواؤں پر نہیں جاتا۔“

”برادر! غصہ ٹھوک دو۔“

”مجھے غصہ نہیں ہے۔ دراصل میں خوش قدم نہیں ہوں۔“

خدا خواست بڑی حویلی میں کچھ گزرو ہوئی تو پھر کسی الزام آئے گا۔ اگر آپ میرے کام آنا چاہتے ہیں تو انسپکٹر سے کہہ دیں۔ مجھے پوٹیلو ایجنٹ کے دفتر تک پہنچا دے۔ میں اس کی اجازت حاصل کر کے ایک بار آزاد علاقے میں جانا چاہتا ہوں۔“

کافور خان نے سوچا۔ سمان اس ہستی سے چلا جائے گا تو یہ بدنامی نہیں ہوگی کہ اس نے میرانی سے انکار کیا ہے۔ وہ انسپکٹر سے بولا ”یہ میرا ممتاز سمان تھا۔ اسے آرام سے اور عزت سے زرتاج خان کے پاس پکڑاؤ اور میرا نام لے کر بولو“ اس کے ساتھ تعاون کرے۔“

وہ مجھ سے معافی کر کے اپنی گاڑی کی طرف گیا۔ مرجینا کوئی سے جھانک کر مجھے حسرت سے دیکھ رہی تھی۔ میں انسپکٹر کے ساتھ جپ میں آکر بیٹھ گیا۔ ہمارے راستے الگ ہو گئے۔ میں نے بوقت فیصلہ کیا تھا کہ ان کے ساتھ علاقہ غیر کی بڑی حویلی میں نہیں جانا چاہئے۔ وہاں بھی ان پر ہوشیار عذاب نازل ہونے والے تھے۔ میرے وہاں جانے سے یقین پختہ ہو جاتا کہ میں خوش قدم نہیں ہوں۔

وہاں ہستی والوں کی بھیڑ لگی ہوئی تھی۔ میں نے جپ میں جاتے ہوئے لوگوں کے درمیان نور زان کو دیکھا۔ وہ فیصلہ کر چکا تھا کہ یہ ہستی چھوڑ دے گا۔ شرمیں اس کی نوکری تھی۔ وہاں میں کے ساتھ وہاں جا کر رہنا چاہتا تھا۔ میں نے اس کی سوچ میں اس کے ارادے کو مستحکم کیا کہ وہ آج ہی یہاں سے روانہ ہو جائے۔ میں نے سوچ لیا تھا کہ وہ شرمینے کا تو میں آئی جی کے زور سے اسے بستر ملازمت اور بستر رہائش سموت فراہم کروں گا۔ دراصل گل جانان کم سنی میں ہی اتنی حسین تھی کہ دو چار برس میں اس کا حسن و شباب غریب بھائی کے لئے عذاب جان بن جاتا۔ شرمین بھی خان اعظم اور ہیرم خان جیسے درندوں کی کمی نہیں تھی۔ آگے جا کر انسپکٹر نے مجھ سے پوچھا ”تمہارا نام کیا ہے؟“

”ارسلان احمد نام ہے۔ رہائش لندن میں ہے۔ علم نجوم زریہ معاش ہے۔ بہت عرصے بعد پاکستان آیا ہوں۔ سرحدی علاقوں کی سیر کرنا چاہتا ہوں۔“

”میں نے صرف نام پوچھا تھا۔“

”تھانے دار صرف نام پوچھ کر نہیں رہ جاتا۔ ہمیں میرے نام سے بھلا کیا دلچسپی ہو سکتی ہے۔ تم پر ضرور معلوم کرنا چاہو گے کہ میں کون ہوں اور خان اعظم تک کیسے پہنچ گیا تھا۔ یہ بتا چکا ہوں کہ نبوی ہوں۔ خان اعظم نے اپنی قسمت کا حال معلوم کرنے کے لئے مجھے سمان بنایا تھا۔“

وہ طنز پر انداز میں بولا ”تم نے خوب قسمت کا حال بتایا حویلی ریزہ ریزہ ہو گئی۔“

”میں یہ نہیں جانتا تھا کہ ایسی ہولناک تباہی ہوگی ویسے میں نے تباہی کی پیش گوئی کی تھی۔“

میں میرے مستقبل کی پیش گوئی کر سکتے ہو؟“

”میرا پیشہ یہ ہے لیکن میرا معاوضہ بڑے بڑے رئیس ہی ادا کر سکتے ہیں۔ پھر پولیس والوں کے لئے پیش گوئی کیا کروں گا۔ تم لوگوں کا سنی حال اور مستقبل کے حالات تو پچھ پچھ جانتا ہے۔“

”تم ضرورت سے زیادہ بول رہے ہو۔ اگر خان اعظم کے سمان بنے تو زبان کھینچ لیتا۔“

”چلو پچھو تجھ پر ہے کہ زبان نہیں کھینچ سکو گے۔“

اس نے مجھے گھور کر دیکھا۔ پھر سختی سے ہونٹوں کو بھیج کر فاسٹ رہا۔ ایک گھنٹے بعد تھانے پہنچ کر جپ رک گئی۔ اس نے پڑائی سے کہا ”خان اعظم نے ہمیں پوٹیلو ایجنٹ کے پاس پہنچانے کا حکم دے کر معیت کر دی ہے۔ یہاں سے ایک سو دس میل کا سفر ہے۔ جپ میں پڑیاں دیکھنے لگیں گی۔ چلو آؤ میری کار میں چلو۔“

اس کے پاس تقریباً پانچ لاکھ روپے کی ہنڈا لگاؤ آرام دہ کار تھی۔ میں نے پچھلی سیٹ پر بیٹھتے ہوئے کہا ”میں پچھلی رات سے جاگ رہا ہوں۔ آرام سے نیند پوری کرنا چاہوں گا۔“

جب کار چل پڑی تو میں نے انسپکٹر کی سوچ میں کہا ”چھا ہے یہ سوجانے جانتا رہے گا تو اتنی سیدھی باتیں کہے گا اور میں خان اعظم کی وجہ سے برداشت کرنے پر مجبور رہوں گا۔“

پھر میں نے اپنے رابع کو ہدایت دی کہ میں آرام سے دو گھنٹے تک سوں رہوں۔ اس دوران کوئی غیر معمولی بات ہو، پچھلی سیٹ پر کوئی میرے قریب آنا چاہے تو بلیک سی آئٹ سے بھی میری آنکھ نکل جائے۔ اس کے بعد میں گہری نیند میں ڈوبتا چلا گیا۔

نا معلوم علاقہ تھا۔ انجینیئر مسرت تھا۔ انجانے کڑے تھے۔ کچھ فزینہ تھی کہ گاڑی کہاں کہاں سے گزر رہی ہے اور کہاں رک رہی ہے۔ انسپکٹر مجھ سے خارج کر رہا تھا۔ اس لئے اس نے کھانے پینے کے لئے بھی مجھے نہیں بچایا۔ اس کی مرمائی سے میں نے دو گھنٹے کی نیند پوری کر لی۔

میں نے آنکھیں کھول کر دیکھا۔ دور تک اونچی نیچے پہاڑیاں۔ ہزاروں پانیوں نظر آ رہی تھیں۔ کہیں کہیں ہنڈو کھائی دیتا تھا۔ میں نے کہا ”آگے کوئی ہستی آئے تو زوراً گاڑی روک لینا“ چائے پینا چاہتا ہوں۔“

وہ غرا کر بولا ”مجھے گاڑی روکنے کا حکم نہ دو۔ میں کسی کی بات برداشت کرنے کا عادی نہیں ہوں۔“

”خان اعظم کی باتیں برداشت کرتے ہو۔ پولیس کی وردی بہن کو گورنمنٹ کے بجائے علاقہ غیر کے سرداروں کی جی حضوری کہتے ہو۔“

اس نے اچانک ایک رنگ کار روک لی۔ پھر میری طرف گھوم کر بولا ”اب اگر تم نے ایک بھی توہین آمیز لفظ میرے خلاف کہا تو میں خان اعظم کو بھلی جاؤں گا اور تمہیں گاڑی سے اتار کر پٹائی بھی

کروں گا اور اس دیرانے میں چھوڑ کر بھی چلا جاؤں گا۔“

”میرے لئے اس سے زیادہ خوشی کی بات اور کیا ہوگی کہ تم اس وردی میں رہ کر خان اعظم کی غلامی پر شوق دو گے۔ اور خان اعظم کے سمان کو اس دیرانے میں پیچیدگی کرنا ہو گے۔“

وہ ریا اور نکال کر مجھے دکھاتے ہوئے بولا ”چلو آؤ میری گاڑی سے۔“

”یہ تمہاری گاڑی کیسے ہے؟ جب تم سچے سپاہی کی طرح خان اعظم کی غلامی سے باز آ رہے ہو تو رشوت کی کار پر بھی لغت بھیج دو۔“

”میاں خان اعظم اور قبائلی سرداروں کی تابعداری کے بغیر کوئی پولیس والا زندہ نہیں رہ سکتا۔ مجھے زندہ رہنا ہے اس لئے ہمیں برداشت کرنا ہوں۔ میں نے سوچا رہا اور کی دھمکی دے کر تمہاری زبان بند رکھوں گا مگر تم بڑے ہی ڈھپٹ ہو۔ چلو آگے ایک آبادی ہے۔ وہاں ہمیں گرم گرم چائے پلاؤں گا۔ مگر خدا کے واسطے دوستی کرلو اور مجھے طعن نہ دو۔“

میں نے کہا ”دوست آگے پیچھے نہیں ساتھ ساتھ بیٹھتے ہیں۔“

اس نے مسکرا کر معافی کیا۔ میں پچھلی سیٹ سے نکل کر اگلی سیٹ پر اس کے برابر آ گیا۔ جن لوگوں کو رشوت کی کمانی لگ جاتی ہے، وہ بعض طعن سن کر بھی باز نہیں آتے۔ میں اسے طعن دیتا رہتا تو میری زبان تھک جاتی لیکن وہ آخری سانس تک حرام کی کمانی سمیٹ سمیٹ کر بھی نہ تھکتا۔

اس نے ایک پر دو قہقہے میں کار روکی۔ میں نے کہا ”دیکھو“ میں طعن نہیں دے رہا ہوں۔ صرف اپنے خمیر کی بات کہہ رہا ہوں۔ تمہارے پیسے کی جائے تو کیا پانی بھی نہیں بیوں گا۔“

وہ مسکرا کر بولا ”چلو کسی سی۔ میں پولیس والا ہوں۔ سامنے والے کی جیب سے خرچ کرنا ہوں۔ آج تم سے چائے پانی لوں گا۔“

ہم نے ایک ہوٹل میں ڈک کر ناشتہ کیا۔ چائے پانی پھر میں نے دو جوڑے لباس بچوئے، جوتے، برائیں اور ضرورت کی چیزیں خریدیں۔ میری بھی اچھی حویلی میں جل گئی تھی۔ میں نے اس میں سے اپنے ہمیں ہزار روپے نکال کر رکھ لئے تھے۔ باقی چیزیں دانست جلتے کے لئے چھوڑ دی تھیں۔

ہم گیارہ بجے سرحدی چوکی پہنچ گئے۔ پوٹیلو ایجنٹ زرتاج خان وہاں ایک ڈاک بیٹنگ میں رہتا تھا۔ اس نے اپنے کمرے کی کھڑکی سے ہمیں آتے ہوئے دیکھا۔ کافور خان نے فون پر اطلاع دی تھی کہ اس کا ایک سمان آ رہا ہے۔ پھر مجھی وہ رہنما مجھے خوش آمدید کہنے کے لئے باہر نہیں آیا۔ اس علاقے میں وہ ایک گورنر سے بھی زیادہ اختیارات رکھتا تھا۔ دو قبائلی سردار اس کے کمرے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ایسے میں وہ ظاہر کر رہا تھا کہ اس کے پاس آنے والے کتر ہیں یعنی میں انسپکٹر کے ساتھ وہاں برآمدے میں

کھڑا رہ کر اس سے ملاقات کرنے کا خواہش مند ہوں گا۔
میں چاہتا تو اس کے دماغ میں گھس کر اسے دوڑاتا ہوا باہر
لے آتا لیکن ٹیلی میٹھی کا مظاہرہ مناسب نہیں تھا۔ اور یہ بھی
میرے مزاج کے خلاف تھا کہ میں انتظار میں کھڑا رہتا۔ میں نے
اس کی سوچ میں ہمدردی کے حوالے سے کہا "یہ مہمان
'صحت دور سے آیا ہے' اگر میں نے اسے ویلکم نہیں کہا تو ہمارے
علاقے سے باہر جا کر پریس والوں کے سامنے اچھی رائے پیش نہیں
کرے گا۔"

وہ اپنی اس سوچ سے قائل ہو کر اٹھ گیا۔ باہر رات دس بجے میں
آیا۔ اس نے اپنے اسے دیکھ کر سلیوٹ کیا۔ پھر میرا تعارف کرایا۔
اس نے مجھ سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا "خوش آمدید مسٹر ارسلان!
تشریف لائیں۔"

میں اس کے ساتھ کمرے میں آیا۔ اس نے دو سرداروں سے
تعارف کرایا پھر مجھ سے دریافت کرنے لگا کہ خان اعظم کی حویلی
کس طرح تیار ہوئی ہے؟ میں نے اسے وہاں کی تمام روداد سنائی۔
وہ اور دونوں سردار حیرت زدہ ہو رہے تھے کہ خان اعظم اور میر
خان پر پاگل بن کا دورہ کیوں پڑتا ہے۔ انہیں خبریوں نہیں ہوتی کہ
وہ اپنے ہاتھوں سے اپنے کتوں کو گولی مار دیتے ہیں۔ اپنے چاقو سے
خود کو زخمی کرتے ہیں۔ انہوں نے ایسی ہی غفلت کی حالت میں اپنی
حویلی کو آگ لگائی ہوگی۔ وہ تینوں اپنے طور پر صبح رائے قائم
کر رہے تھے۔

زرتاج خان نے کہا "مسٹر ارسلان! تم تو بہت پیچھے ہوئے
نہو ہو۔ کیا میرا ذاتی کچھ بھی بناؤ گے؟"

"نہو بناؤں گا۔ پہلے رہائش کی اطمینان بخش جگہ مل
جائے۔"

"یہ پورا علاقہ ہمارا ہے تو تمہارا بھی ہے۔ جہاں چاہو وہ سکتے
ہو۔ کو تو اس ڈاک پچھلے کا ایک کمرہ کھلوادو۔"

میں نے کہا "میں کسی غریب کسان یا مزدور کے گھر میں رہنا
چاہتا ہوں لیکن مہمان بن کر نہیں، میں اس گھر کے تمام اخراجات
برداشت کروں گا۔"

"میں اسے لوگ بڑے مہمان نواز ہوتے ہیں۔ وہ مہمانوں
سے پیسے نہیں لیتے۔ لیکن کسی غریب کو راضی کر لیا جائے گا۔ اس
سے چارے کی مدد بھی ہو جائے گی۔"

میں نے پوچھا "یہ رہائش علاقہ غیر میں ہوگی یا اسی علاقے میں؟"
"تم علاقہ غیر میں کس جگہ پر پھنسا چاہتے ہو۔ وہاں لا قانونیت
ہے۔ اندھی گولیاں چلتی ہیں اور وہ گولیاں دوست اور دشمن کی نیز
نہیں کرتی ہیں۔ تم اور میری رہو، اور نہ چاہو۔"

"میں اور میری جانا چاہتا ہوں۔ صرف تمہاری اجازت
چاہئے۔ اسی غرض سے ہزاروں میل دور سے آیا ہوں۔ علاقہ غیر
میں نہ رہا۔ وہاں کا پانی نہ پیا اور دوسروں کو پانی پلا کر نہ گیا تو

حسرت رہ جائے گی۔"

"ہماری کوشش یہی ہوتی ہے کہ مہمان کوئی حسرت
میں سے نہ جائے۔ یہ قائم کر لو اور درخواست لکھو کہ تم علاقہ
میں چند دنوں کے لئے جانا چاہتے ہو اور وقت پر مقررہ پوائنٹ
آجاؤ گے۔"

میں نے ایک عرضی لکھ دی۔ اس کے بعد کچھ کانفرنسی کا کردار
عمل میں آئی۔ اس نے پوچھا "تمہارے پاس کتنی رقم ہے؟"
"اکتیس ہزار روپے سے زیادہ۔"

"کتنی رقم لے جاؤ گے تو اپنے لئے بے شمار رہن بڑا
کرلو گے۔ ایک ہزار اپنے پاس رکھو اور تین ہزار میں جتنی کرنا
ادھر کوئی منگنی چیز خریدنا ہو تو میرا کارڈ اس علاقے کے سردار
دکھانا وہ مجھ سے فون پر رابطہ کرے گا۔ میں اس سے کہہ دوں گا
کہ تم تین ہزار تک جو چیز بھی خریدو گے اس کی ادائیگی میں کرنا
گا۔ مزید رقم کی ضرورت ہو تو وہ بھی وہاں مل جائے گی۔"

میں نے پوچھ لیا "ایک سو تیس ہزار روپے دے۔ اس نے
اپنا ایک کارڈ دیتے ہوئے کہا "میں بہت اہم ہے۔ تم جس قیدی
جاؤ گے وہاں کے سردار یہ کارڈ دیکھ کر تم سے تعاون کریں گے۔"
پھر اس نے ایک صلح تحت کو حکم دیا "مسٹر ارسلان کو جبر
میں علاقہ غیر لے جاؤ۔ اور پہلے جنوبی ہستی چھ جیل کے سردار
پاس پہنچا دو پھر واپس آجاؤ۔"

میں نے پوچھا "کیا میری رہائش کا انتظام وہاں کا سردار کر
گا؟"

"میں فون پر اسے تمام باتیں سمجھا دوں گا۔ تم اطمینان سے
جاؤ۔"

میں جب میں بیٹھ کر دوسرے دو بجے چھ خلیں کی ہستی میں بیٹھا
گیا۔ وہاں ایک قیدی کے سردار نے میرے لئے زیورست کھانے کا
انتظام کیا تھا۔ میں نے پیٹ بھر کر کھانا۔ ایک غریب کسان وہاں
موجود تھا۔ سردار نے کہا "تم اس کے گھر میں رہ سکتے ہو اور اب
تک رہو گے کھانے کا سامان میرے پاس ہے جائے گا۔"

میں سردار کی بات سے انکار کر کے پورے قیدیوں کو دشمن نہیں
بنا سکتا تھا۔ اس لئے راضی ہو گیا۔ کسان کا چھوٹا سا مکان ہائے
ساتھ چٹانوں کے سامنے میں تھا۔ قریب ہی ٹھنڈے پھینے پانی کا
چشمہ بہتا تھا۔ ندی کی چوڑائی پچاس گز ہوگی۔ اس پچاس گز کے
فاصلے پر یعنی ندی کے دوسرے کنارے پر پتھروں سے بنا وہ قید خانہ
تھا جہاں کچھ جوان لڑکے لڑکیاں اور بوڑھے قیدی بنا کر رکھے
تھے۔ جب بوڑھے کسان نے بتایا کہ وہ لوگ جس بے جا میں رکھے
گئے ہیں تو میں ندی کے پانی میں اتار کر ادھر جانے لگا۔ کمرانی آباد
نہیں تھی۔ درمیان میں صرف کمرنگ پانی تھا۔ جب میں نے نصف
ندی پار کر لی تو قید خانے کے سٹل پر سے داروں نے مجھے نشانہ
رکھتے ہوئے لکھا کہ وہ مقامی زبان میں بول رہے تھے۔ لیکن مجھ

میں ہمارے مجھے ندی پار کرنے سے منع کر رہے ہیں۔

میں نے ادنیٰ حجب سے پوچھ لیا "ایک کارڈ نکال کر اسے
مرے بلند کرتے ہوئے دکھایا، پھر کہا "یہ پوچھ لیا "ایک کارڈ
میں تمہاری زبان نہیں سمجھتا ہوں۔"

انہوں نے ان نظروں کو واپس اپنے شانوں سے لٹکایا۔ ایک
نہ کارے پر آکر کہا "میں تمہاری زبان سمجھنے والے دو چار ہی
ہیں کیا تم پوچھ لیا "ایک کارڈ کے نمائندہ ہو؟"

میں پانی سے نکلتا ہوا اس کے پاس آکر بولا "میں پوچھ لیا
ایک اور تمہارے سردار کا مہمان ہوں۔"

اس نے کہا "تم نے یہ کارڈ دکھایا۔ اس لئے ہم نے گولی نہیں
پائی۔ تم واپس جاؤ۔ آقا سے اجازت لے کر آؤ۔ مالک کی
اجازت کے بغیر اس کنارے پر آنے والوں کو گولی مار دی جاتی
ہے۔"

میں نے دور قید خانے کی طرف دیکھا۔ ایک روشندان جیسی
کڑی کی سلاخوں کے پیچھے سے ایک نوجوان اور ایک بوڑھا
حسرت سے اور رحم طلب نظروں سے مجھے دیکھ رہے تھے۔ میں نے
پہلے دوسرے کہا "مجھے بات ہے، میں اجازت لے کر آؤں گا۔"
میں واپس ہو گیا۔ پانی میں اتار کر پہلے کنارے کی طرف جاتے
ہے اس سٹل پر سے دار کے اندر پہنچ گیا۔ وہ قید خانہ کی سلاخوں
والی کڑی کے پاس آکر قیدیوں سے کہہ رہا تھا "ادھر گیا دیکھ رہے
ہو؟ تمہارا باپ نہیں تھا۔ تمہارے باپ یا سرپرست اگر تم آوا
کریں تو تمہیں رہائی ملے گی۔"

ایک جوان نے کہا "میں نے اپنے باپ کا چا اور فون نمبر
تمہارے آکا کو بتا دیا تھا۔ پلیز میرے ڈیڑی کو فون کو وہ میری رہائی
کے لئے ضرور تعاون دیں گے۔"

"تم سب کے ماں باپ اور سرپرستوں سے بات چل رہی
ہے مگر کوہ مقدس میں رہائی ہوگی تو رہائی ملے گی۔ موت ہوگی تو
موت ملے گی۔"

میں اس جہنم قیدی کے اندر آ گیا۔ اس کے خیالات سے پتا
چلا کہ وہ کچھ دودن سے وہاں قید ہے۔ کچھ ایسے بوڑھے اور جوان
ہیں جو چار چھ دنوں سے ہیں۔ وہاں تین لڑکیاں ہیں "ایک لڑکی کچھلے
دل سے ہے۔"

اس جوان نے میری مرضی کے مطابق اس لڑکی کو مخاطب
کئے ہوئے کہا "شینا! دو دنوں میں یہاں میرا دم گھٹنے لگا ہے۔ تم
دلہنوں سے کیسے رہی ہو؟"

دلہنوں نے مجھے دونوں کی امیدیں جی بھائی پڑتا ہے۔

میں شینا کے دماغ میں آیا۔ اس کے خیالات نے کہا۔ وہ
لڑکی آکا کے دل اور زندگی میں ہے۔ وہ شینا کے قریب آتا تو قیدی کی
تعلیم اور آگے بڑھنے کے لئے آتی تھی۔ ان کھڑکات کا تعلق
نہ تھا بھروسہ تھا اور وہ اس موضوع پر تھیں گھبراہٹ میں تھی۔

ایک پروفیسر اور چند طلباء طالبات کے ساتھ جی لیکن بدھستی سے
وہ ایک کھنڈر میں اپنے ساتھیوں سے پیچھے رہ گئی تھی۔ تصویریں
آٹار لی ہوئی، وہ دو دوسری طرف نکل گئی تھی۔ ایک ایک دو اشخاص نے
اسے پیچھے سے جکڑ لیا۔ اس کے منہ پر ہاتھ رکھ کر ہاتھوں میں ایک
سرج کی سوئی پوسٹ کر دی۔ پھر اسے ہوش نہیں رہا کہ وہ کہاں
سے کہاں پہنچائی جا رہی ہے۔

آکھ کھلی تو ایک بڑا گاڑی کی سیٹ پر بڑی ہوئی تھی۔ ہاتھ
پاؤں بندھے ہوئے تھے اور منہ پر نیپ چکا ہوا تھا۔ ایک جگہ گاڑی
دوڑ گئی تھی۔ دو خوشخوار قسم کے قابضین نے اس کے منہ پر سے
پٹی ہٹا کر اسے کچھ کھانے پینے پر مجبور کیا۔ وہ دوسری تھی اور پوچھ
رہی تھی "مجھے کہاں لے جا رہے ہو؟ مجھ سے کیا دشمنی ہے؟"
ایک نے کہا "ہم معلومات حاصل کرنے کے بعد ہی کسی پر
ہاتھ ڈالتے ہیں۔ ہمیں بتایا گیا ہے، تم ایک بہت بڑے مل اور زرکی
بانی ہو۔ تمہارا باپ تمہاری عزت بچانے اور رہائی دلانے کے لئے
کم از کم دس لاکھ روپے ضرور دے گا۔"

شینا نے کہا "میں نے انکار کیا تو دوسرے نے کہا "ابھی تمہاری
عزت اور جان دونوں سلامت ہیں۔ ہماری بائیں ہاتھی رہو گی تو اسی
طرح سلامت رہو گی۔ ورنہ تمہاری جان سے پہلے تمہاری عزت
جائے گی۔"

وہ عزت و آہود کی خاطر کھانے پر مجبور ہو گئی۔ پتہ خیل میں
اسے ہر طرف خوشخوار اور بے رحم چرے نظر آئے۔ ان کے سردار
نے کہا "ہمارا ایک نمائندہ تمہارے باپ سے معاملات طے کرے
گا۔ تمہارا باپ جتنی جلدی رقم ادا کرے گا۔ اتنی ہی جلدی تمہیں
رہائی نصیب ہوگی۔"

اس بات کو دس دن گزر چکے تھے اور اب تک اس کی رہائی
کے لئے رقم ادا نہیں کی گئی تھی۔ ایک ہفتے کی بھی خبر نہیں رہی کہ
شینا کا باپ کاروبار کے سلسلے میں گیا ہوا ہے۔ اور یہ پتا نہیں چل
ہا ہے کہ وہ کس ملک میں ہے۔

آٹھویں دن شینا کے سوتیلے بھائی سے رابطہ ہوا۔ نویں دن خبر
ملی کہ سوتیلے بھائی غنیم درانی رقم لے کر پشاور پہنچ گیا ہے۔ دسویں
دن کی صبح سردار نے شینا سے کہا "آج آخری دن ہے۔ کل
پچھ پیچھے تک رقم نہ ملی تو تمام قیدیوں کے سرداروں کو دعوے دی
جائے گی کہ وہ آئیں گے اور زیادہ سے زیادہ بولی دے کر تمہیں اپنے
میش کر دے گے لے لے جائیں گے۔"

میں ندی کے اس پار کسان کے گھر میں آ گیا۔ وہاں دو کمرے
تھے۔ ایک بڑا کمرہ میرے لئے مخصوص کیا گیا تھا۔ سردار کے ملازم
بستر چارپائی کی کرسیاں اور ڈیو پیسٹ دیکھا ڈر وڈیو وہاں لے آئے
تھے کمرے کو میری رہائش کے قابل بنا رہے تھے۔ میں خیال خوانی
کے لئے تنہا چاہتا تھا۔ اس لئے دیکھا کہ اسے ایک چتر پر آکر بیٹھ
گیا۔ میں نے سردار کے پاس پہنچ کر اسے اپنے نمائندہ سے

رابطہ کرنے پر بائیں کیا۔ اس نے فون کے ذریعے نمائندے کو مخاطب کر کے پوچھا "نیم درانی کیا بولتا ہے؟ آج رقم دے گا یا نہیں؟"

نمائندے نے کہا "یہ خنزیر کا بچہ معاملے کو ٹال رہا ہے۔ ادھر پٹار میں اپنے غنڈوں کے ساتھ آیا ہے۔ میں اسے دھمکی نہیں دے سکتا۔ اس سے ذہن سستی رقم نہیں لے سکتا۔ میں اس کو بس کے لئے غیرت دلاتا ہوں۔ وہ بے غیرت بولتا ہے، بس کو گولی مار دو" میں نمائندے کے پاس پہنچ گیا۔ سردار اس سے کہہ رہا تھا "ٹھیک ہے۔ دن لاکھ نہ دے، کل اس کی بس کی ٹیلا ہوگی۔ کوئی نہ کوئی اس کے دو چار لاکھ دے دے گا۔"

رابطہ ختم ہو گیا۔ میں نے نمائندے کو نیم درانی سے بات کرنے پر بائیں کیا۔ اس نے فون پر اسے مخاطب کیا "ہیلو درانی صاحب! میں اجنبی بول رہا ہوں۔"

دوسری طرف سے ریسپوررک دیا گیا۔ صاف ظاہر تھا۔ نیم درانی کو سوتیلی بسن کی رہائی سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ میں نے نمائندے کے ذریعے پھر رابطہ کیا۔ میں اس کی آواز نہیں سن سکا تھا اور سننا ضروری تھا۔ اس بار مجھے ہی دوسری طرف سے ریسپوررک اٹھایا گیا۔ میں نے نمائندے کی زبان سے کہا "شینا کے باپ سے ہمارا براہ راست رابطہ ہو گیا ہے۔ اگر اپنی بھلائی نہیں چاہتے ہو تو جنم میں جاؤ۔ اب میں فون نہیں کروں گا۔"

وہ بولا "مٹھو ریسپوررک نہ رکھنا۔ میں نے تمہیں منع کیا تھا کہ تم فیصل آباد کے فون پر کسی سے بات نہیں کرو گے۔"

میں نمائندے سے ریسپوررک رکھو کر نیم درانی کے داغ میں پہنچ گیا۔ اس کے خیالات نے بتایا کہ وہ ایک آوارہ اور عیاش نوجوان ہے۔ باپ دل کا مریض تھا "اس نے بیٹے کو دس لاکھ دے کر کہا تھا فوراً بسن کو واپس لے آؤ۔ لیکن وہ پچھلے نو دنوں سے ایک طرف باپ کو اور دوسری طرف اغوا کرنے والوں کو ٹال رہا تھا۔ اس نے نو لاکھ روپے اپنے اکاؤنٹ میں جمع کرائے تھے۔ ایک لاکھ روپے لے کر آوارہ دوستوں کے ساتھ پٹار آیا تھا۔ تاکہ باپ اس آسے میں رہے کہ شینا کی خاطر پٹار گیا ہے اور اسے واپس لے کر ہی آئے گا۔"

اس نے سوچا تھا۔ اغوا کرنے والوں کو رقم نہیں ملے گی تو وہ شینا کو گولی مار دیں گے یا اسے زندہ رکھنے کے قابل نہیں چھوڑیں گے۔ باپ کو بھی کی موت کی اور بے آبروئی کی خطرے کی تو وہ صدمہ برداشت نہیں کر سکتے گا۔ دل کا مریض ہے اسے بھی مرے میں دیر نہیں لگے گی۔

میں دائمی طور پر حاضر ہو گیا۔ سوچنے لگا "کیا کیا جائے؟ بے غیرت بھائی کو ابھی سزا دینے سے شینا کا مسئلہ نہیں ہوگا۔ اس علاقے میں ایک سردار میرا دشمن ہے گا تو تمام سردار بھی میرے دشمن بن جائیں گے، چاروں طرف دشمن ہوں گے تو یہی نتیجہ ہے

ذریعے اپنا بیانیہ نہیں کر سکیں گے۔ نیکڑوں ہزاروں گولیاں برسرِ بارود چار گولیاں مجھے ضرور لگیں گی۔

شام کے چھ بج رہے تھے۔ صبح بچے تک شینا کی تلاش تھی۔ ان درمیانی بارہ گھنٹوں میں اس کے لئے کچھ کر سکتا تھا۔ لے ہریلو سے غور کر رہا تھا۔ میں نے معلوم کیا تھا سردار اس کے اور باپ کو کاڈیو رکھا ہے۔ میں خان اعظم کی حویلی کی طرف میرا بھی دھماکہ کرتا تو پریٹیل ایجنٹ اور دوسرے تمام کاروبار پر شبہ کرتے کہ میں جہاں جاتا ہوں وہاں ایسی ہی بھینک پھیلے گی۔ آتا ہوں۔

رات دس بجے میں اس نتیجے پر پہنچا کہ یہاں صاحب اقتدار صرف سردار ہے۔ باقی سب غلام ہیں۔ وہ رات کو دن کتا ہے۔ سب ہی دن کتے ہیں۔ اگر میں اس ایک شخص کی کھوپڑی الٹ دوں۔ اسے ایک شریف اور مذہب انسان بنادوں تو اس کے پاس حکومت بھی شرافت دکھائے۔ پر مجبور ہو جائیں گے۔

جب وہ سونے کے لئے بستر آیا تو میں نے اس پر عمل کر لیا۔ اس کے داغ میں ہی نقش کیا کہ آئندہ وہ ایک ہاتھ میں شمشیر اور دوسرے ہاتھ میں دیو اور نہیں چکے گا۔ دو دلی حرکتوں سے باز آجائے گا۔ دیو اور بچیکہ کر صرف شیخ اور ایمان کا ہو کر رہے گا۔ موصوم اور بے گناہ انسانوں کو اغوا نہیں کرائے گا۔ جو اس کی زبان میں ہیں۔ انہیں رہا کر کے بحفاظت ان کے گھروں تک پہنچائے۔ انتظام کرے گا۔ آئندہ وہ میرا دوست بن کر رہے گا اور میرا مشوروں پر عمل کرتا رہے گا۔

میں نے اچھی اچھی باتیں اس کے ذہن میں نقش کر کے اسے سونے کے لئے چھوڑ دیا۔ پھر نیم درانی کے پاس پہنچا۔ وہ ایک بے ہوش کے کمرے میں دوستوں کے ساتھ بیٹھا شراب پی رہا تھا۔ میں نے اسے باپ سے فون پر باتیں کرنے پر مجبور کیا۔ اس نے دیکھ کر اٹھا کر نمبر ڈائل کئے۔ رابطہ قائم ہونے پر ایک ملازم کی آواز سنا دی "اس نے کہا "میں پٹار سے نیم بول رہا ہوں، اب کو فون دو۔" تو فون دیر بعد اس کے باپ وکیم درانی کی آواز سنا دی "بول رہا تھا۔" بیٹے! کوئی خوشخبری سناؤ۔ شینا کی جدائی نے مجھے بڑے لگا دیا ہے۔

"بس شینا کی بات کر رہے ہیں۔ وہ درندوں کی بستی میں ہے۔ اس کی آبرو کی دھجیاں اڑ چکی ہوں گی۔ وہ واپس آئے گی تو ہم بڑے داروں اور کاروباری عیالوں میں نہ دکھانے کے قابل نہیں بنیں گے۔ میرا نیک مشورہ ہے کہ آپ اس پر ناجتہ بڑھ لیں۔"

میں اس کے باپ وکیم درانی کے داغ میں تھا۔ وہ دل کا مریض تھا۔ میں نہیں چاہتا تھا وہ صدمہ سے مر جائے۔ اس کے اندر وہ کر حوصلہ پیدا کر رہا تھا۔ اس نے بیٹے سے کہا "کیا کہہ رہے ہو؟ ہوش میں ہو؟" "پہلے ہوش میں نہیں تھا۔ میں نے آپ سے کہا تھا کہ ایک

کار فریڈا چاہتا ہوں۔ لیکن آپ نے کار کے لئے مجھے پانچ لاکھ تقاضا نہیں دئے۔ اور بیٹی کے لئے دس لاکھ روپے نکال کر دے دئے۔ میں اس حق نہیں ہوں۔ میں نے ایک آبرو باختہ لڑکی کے لئے دس لاکھ ضائع نہیں کئے۔ وہ رقم اپنے اکاؤنٹ میں جمع کرادی ہے۔ آپ کو یہی مشورہ دینے کے لئے فون کیا ہے کہ آپ بیٹی کے لئے ہر گز نہیں۔ وہ ہمارے لئے مرچکا ہے۔ میں اسی لئے پٹار میں نہیں رہا کہ کسی طرح زندہ لوٹنے کی تو اسے گولی مار دیں گے۔ ایک مردہ کی ہڈیاں کھریں گے تو دنیا آپ کے غم میں شریک ہوگی۔ زندہ بیٹی کی ہڈیاں خوش ہوں گے تو دنیا والے اس پر کچھ اچھا نہیں سمجھیں گے۔ آپ واپس نہ آئیں۔ ممبر کریں اور اسے شرم سے مرنے دیں۔"

میں وکیم درانی کے اندر بھڑکنے والے غصے کو دبا رہا تھا۔ اس کی سوچ میں سمجھا رہا تھا "مجھے غصے اور جنم میں نہیں آنا چاہئے۔ مجھ آدمی سے کام لینے کا وقت ہے۔ مجھے اپنی بیٹی کی رہائی کے لئے خود رہا جانا چاہئے۔ میں اتنا بڑا نہیں ہوں کہ اپنی عزت اور غیرت کے لئے پٹار تک نہ جا سکوں۔"

اس نے ریسپوررک دیا۔ کچھ سوچا پھر ریسپوررک اٹھا کر نمبر ڈائل کیا۔ ایک اعلیٰ پولیس افسر سے رابطہ قائم کر کے اسے اپنے بیٹے وکیم کے حلقے بتایا کہ وہ پٹار کے ایک بھٹے میں ہے اس نے دس لاکھ فرازا کیا ہے۔ اسے پٹار پولیس کی مدد سے گرفتار کر کے فیصل آباد لے آئیں۔ افسر نے کہا "روانی صاحب! اطمینان رکھیں۔ وہ کچھ آپ کے سامنے ہوگا۔"

"میں شاید صبح تک یہاں نہ ملوں۔ آپ میری واپسی تک اسے رات میں رکھیں اس سے دس لاکھ روپے کا حساب لیں اور اسے ایسی سزا دیں کہ میری سوسائٹی میں بدنامی نہ ہو اور وہ بھی آئندہ اچھی حرکتوں سے قویہ کر لے۔"

اس نے رابطہ ختم کیا۔ پھر ایک مل اور دوست سے رابطہ کیا۔ اسے اپنے بیٹے کے حلقے بتایا دوست نے کہا "فی الحال بیٹے کو بھول جاؤ۔ اپنی شینا بیٹی کے لئے ہمیں خود رہا جانا چاہئے۔"

"میں نے اسی لئے فون کیا ہے۔ میرے پاس گھریں نقد چندہ لاکھ ہیں تمہارے پاس کتنی رقم ہے؟"

"میرے پاس بھی اتنی ہی رقم ہوگی۔ میں صبح کی تلاٹ میں دو بیٹیں بھی کر رہا ہوں۔ تم اغوا کرنے والوں کو اطلاع دو کہ رقم لے کر کہے ہو۔"

میں نے سردار پر جیسا تو یہی عمل کیا تھا۔ اس کے بعد رقم کی ادائیگی ضروری نہ ہوئی۔ تمام قیدی مفت میں رہا ہو جاتے۔ اس کے بعد وہیں سے سوچا وہ دونوں سرمایہ دار زیادہ سے زیادہ رقم لے آئیں تو کوئی حرج نہیں ہے۔ وہ رقم واپس جاسکتی تھی اور نیک کاموں میں خرچ بھی ہو سکتی تھی۔

اس رات میں اپنی کی خیریت معلوم کر کے آرام سے سو گیا۔ مگر صبح بولنے والا تھا جس کے لئے میدان ہموار کر دیا تھا۔ مگر پیش

وہ نہیں ہوا جس کی تدبیر کی جاتی ہے۔ کبھی کبھی تدبیر بھی اپنی ضد پوری کر لیتی ہے۔ دوسری صبح اس قبیلے کا سردار بدل گیا۔ جس پر تو یہی عمل کیا تھا، اسے قتل کر دیا گیا۔ اس کے بھائی جرار خان نے اسے قتل کر کے سرداری کا منصب سنبھال لیا۔

جرار خان پچھلے چھ برس سے افغانستان کے شمالی شرفرندہ میں تھا۔ یہ شہر دوسری سرحد کے قریب تھا۔ وہاں دوسری ایجنٹوں اور تحریک کاروں کی ایک جماعت میں شامل ہو کر سیاسی داؤ بچھ سکتا رہا تھا۔ وہاں رہ کر یہ سمجھ میں آیا کہ جب تک بھائی زندہ رہے گا اسے قبیلے کی سرداری نہیں ملے گی۔ وہ پچھلی رات اچانک قبیلے میں آیا تھا اور اپنے سردار بھائی کی زندگی کی حالت میں قتل کر کے اس کے سسٹن محافظوں کو پچاس پچاس ہزار روپے دیے اور انہیں اپنے اعتماد میں لے لیا تھا۔ پھر جمع ہوتے ہی اپنی سرداری کا اعلان کر دیا تھا۔

میں نیند سے بیدار ہوا تو میرزا کسان نے بتایا کہ قبیلے کا سردار بدل گیا ہے۔ میں نے مقتول سردار کے دست راست کے داغ میں پہنچ کر معلوم کیا۔ اس کی وفاداری بدل گئی تھی۔ اب وہ نئے سردار کا دست راست بن گیا تھا اور سردار جرار خان کو موجودہ آدمی کے ذرائع بتا رہا تھا۔ ان میں ایک موجودہ ذریعہ وہ تمام اغوا کے ہوئے قیدی تھے، جن سے لاکھوں روپے وصول ہونے والے تھے۔

جرار خان نے کہا "تمام قبیلوں کے سرداروں کے پاس اپنے آدمی روانہ کرنا۔ انہیں خوش خبری سناؤ کہ جرار خان سردار بن چکا ہے۔ اور اس خوشی میں چند حسدناؤں کو بھلائی کے لئے پیش کیا جائے گا۔ آج شام کے چھ بجے بھلائی شروع ہوگی۔"

میں غصا اور گنہگارم کہ کر قیدیوں کی رہائی کے لئے کو مشق کر دیا تھا۔ اب کسی خدشہ تک نکل کر سامنے آنے کی ضرورت تھی۔ میں نے سلمان سلطانہ، بیلی اور جو جو کو بلایا۔ انہیں سمجھا کر قیدیوں کو وہاں سے رہائی کیسے دلائی جاسکتی ہے۔ ہم نیک بیٹھی کے ہتھیار سے تمام دشمنوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے کیونکہ سلمان سلطانہ، بیلی اور جو جو یورپ کی میٹرز زبانیں جانتے تھے لیکن ایشیائی زبانوں کو بالکل نہیں سمجھ سکتے تھے۔

صرف ایک آسمانی تھی۔ افغانستان اور دوس کی سرحدوں سے انگریزی بولنے والے اسلحہ آتے جاتے رہتے تھے اور ان قبائلوں کو پونڈ اور ڈالروں کی صورت میں منافع پہنچاتے تھے۔ چرس اور ہیروئن کے جاتے تھے۔ اس لین دین میں وہاں کے سرداروں اور ان کے خاص حواریوں نے تو فوری موت انگریزی سیکھ لی تھی۔ میں نے اپنے خیال خوانی کرنے والوں کو اسی ایک زبان کے سارے جرار خان اور اس کے دو چار حواریوں کے داغوں میں پہنچا دیا۔ اور آپس میں ملے کر لڑا کہ جتنے دشمنوں کے اندر ہم پہنچ سکتے ہیں۔ انہیں آخر وقت تک زندہ رکھیں گے۔ تاکہ

کہنے کے ذریعے قیدیوں کو برا کرایا جاسکے۔
 پھر میں نے جرار خان کو مخاطب کیا ”ہیلو قاتل خان؟“
 اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنے سر کو تھام کر سوچا ”کیا میں
 اپنے اندر خود کو ہیلو کہہ رہا ہوں؟“
 ”تمہارے اندر ٹیلی ویشن کی جگہ کاظم بول رہا ہے۔“
 اس نے جراتی سے پوچھا ”ٹیلی ویشن؟“
 ”ہاں تم غلام غفر کے باہر چھ برس فرزند میں رہ چکے ہو۔
 روپیوں کے ایجنٹ بن کر آئے ہو۔ ٹیلی ویشن کے علم کے محتاج
 کچھ تو سنا ہوگا؟“
 ”ہاں۔ سنا ہے کوئی داغ کے اندر آکر بولتا ہے۔“
 ”تو پھر میں بول رہا ہوں۔ تم اتنی دیر سے کسی کی باتوں کے
 جواب میں بول رہے ہو؟“
 ”ہاں سمجھ گیا۔ تم کو ٹیلی ویشن جانتے والے ہو لیکن اوصہ
 کیسے آئے ہو؟“
 ”تمہاری عاقبت سنوارنے آیا ہوں۔ تم نے افواہ کرنے والوں
 کو قید کر رکھا ہے۔ ان میں جو حسین لڑکیاں ہیں ان کی بیٹیاں کرنے
 والے ہو۔“
 ”بے شک یہ تو وہی امی رہا ہے۔“
 ”اب نہیں ہوگا۔ انہیں آزاد کر دو۔“
 ”اے تم مجھے لاکھوں روپے پیسے دینے کو کہہ رہے ہو؟ کیا
 مجھے پاگل سمجھتے ہو؟“
 ”تم سے بڑا پاگل تو کوئی ہو نہیں سکتا۔ یہ دیکھو تم اپنے دست
 راست سے کہہ رہے ہو کہ تم سے کچھ فاصلے پر جو سب خوار کی کڑا
 ہے اسے گولی مار دی جائے۔“
 پھر میں نے اسے بولنے پر مجبور کیا۔ وہ اپنے دست راست
 سے بولا ”کیا تم میرے وفادار ہو؟“
 ”بے شک وفادار ہوں۔“
 ”کیا میرے حکم پر کسی کو بھی گولی مار سکتے ہو؟“
 ”حکم کرو آقا۔“
 ”وہ سامنے دلال بھڑی والا شخص کڑا ہے اسے گولی مار دو۔“
 دست راست نے پریشان ہو کر کہا ”آقا! وہ میرا بھائی ہے۔“
 ”میں نے حکم دیا ہے۔ رشتہ نہیں پوچھا ہے۔“
 ”آقا! ہم اپنی سلاحتی کے لئے ہتھیار اٹھاتے ہیں اور زندگی
 گزارنے کے لئے تمہاری غلامی کرتے ہیں۔ میرا بھائی بھی تمہارا
 وفادار غلام ہے۔ اگر اس کی وفاداری میں فرق آئے گا تو میں اسے
 ضرور گولی ماروں گا۔ تم اس کا قصور بتاؤ؟“
 جرار خان نے دوسرے خوار سے کہا ”یہ بحث کر رہا ہے تم
 حکم کی قید کر دو اس پر فائز کرو۔“
 خوار نے حکم کی قید کے لئے اپنی من سیدی کی لیکن اس
 سے پہلے کہ وہ گولی چلا تا دست راست نے اسے گولی مارنے سے

”ہاں۔ یہ وہی ہیں“ اور ہم انہیں حفاظت سے واپس لے
 جا رہے ہیں۔“
 ”کیا ان کے سر پرستوں نے رقم ادا کر دی ہے؟ لیکن رقم کی
 ادائیگی دوسرے ذریعے ہوتی ہے۔“
 ”میں نے دست راست کی زبان سے کہا ”ادائیگی ہو چکی ہے۔“
 کیا پانچ کیش جانتے ہو؟“
 ”وہ بولا ”یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے؟“
 ”میں نے کہا ”جاؤ پہلے مسٹر اسلمان کے تیس ہزار لے آؤ۔“
 وہ دست باؤس کے اندر گیا۔ اسلمان جرار خان پر قبضہ جمائے
 ہوئے تھا۔ میں نے کہا ”ان پانچ آٹھ کارڈوں میں سے ایک کم کرو۔“
 ایک خوار کی گولی مار کر اس دست راست کے داغ میں آؤ۔
 میں دوسری طرف مصروف رہوں گا۔“
 اسلمان نے ایک خوار کی خوشم کیا۔ اس کے اندر ٹیلی ویشن
 برقی جگہ دست راست کے داغ میں آئی۔ میں پو لیسٹیکل ایجنٹ کے
 پاس آیا۔ اس نے ایک آئرن سیف میں باہر لاکھ روپے دس ہزار
 پوٹ اور اٹھارہ ہزار ڈالر رکھے تھے۔ وہ ہر ماہ کے آخر میں ایسی نقد
 رقمیں لے جا کر شہر کے بینکوں میں اور کچھ کالی تجویروں میں جمع کرتا
 تھا۔ اس نے تمام رقم نکال کر ایک اپتھن میں رکھی اور اسے لے کر
 میرے ساتھ مجھ ویش آئینا۔ تمام گاڑیاں آئے پیچھے چلی گئیں۔
 ہم پانچ خیال خانی کرنے والے اپنی اپنی گاڑی میں بیٹھے ہوئے
 قیدیوں سے کہہ رہے تھے ”تم سب قیدی نہیں رہے۔ اب آزاد
 ہو۔ ہم تمہیں پشاور لے جا رہے ہیں۔ وہاں تمہارے سر پرستوں
 سے رابطہ کر کے انہیں بلا کر تمہیں ان کے حوالے کیا جائے گا۔“
 وہ آزادی کی خوشخبری سن رہے تھے اور خوش رہے تھے۔
 راستے میں کھاتے پیٹے بیٹھے بولتے جا رہے تھے۔ میں نے آئی جی کو
 اطلاع دی کہ میں مجرموں کو اغوا ہونے والوں کے ساتھ لا رہا ہوں۔
 ان میں مل اور سیم برائی کی بی بی شینا بھی ہے۔
 جب ہم پشاور شہر میں داخل ہوئے تو آئی جی نے پولیس ہائی
 کے ساتھ ہمارا استقبال کیا۔ میں نے سوچ کے ذریعے آئی جی سے
 کہا ”ان میں میرا ایک خاص بندہ اسلمان ہے جسے آٹھ کارڈ بنا کر
 محاسن سے اپنا کام نکالتا ہوں۔ آپ اسے زیادہ دیر نہ روکیں۔
 پو لیسٹیکل ایجنٹ کے پاس جتنی رقم ہے اسے قوی خزانے میں جمع
 کر دو۔“
 آئی جی نے مجھ کو کہہ کر پاس آکر پوچھا ”مسٹر اسلمان کون
 ہیں؟“
 ”میں نے گاڑی سے اتر کر مصافحہ کیا۔ پانچ مجرموں کی نشاندہی
 کی۔ انہیں پینکٹیاں پسائی گئیں۔ آئی جی نے مجھ سے کہا ”مسٹر
 اسلمان! تلافی کارروائی کرنے اور اغوا ہونے والوں کے
 کارندوں سے رابطہ کرنے میں گھنٹوں لگ جائیں گے۔ آپ میری

رہائش گاہ میں چل کر آرام کریں۔“
 میں نے جانے سے پہلے شینا کو بتایا کہ اس کے والد کس ہوٹل
 میں ہیں۔ کرا انمبر اور فون نمبر بھی بتایا۔ پھر پو لیسٹیکل ایجنٹ سے کہا۔
 ”تم بڑے عمدے پر ہو اپنے بچاؤ کی کوشش کرو گے لیکن تمہارے
 داغ پر فریاد علی تیور سوار ہے۔ تحریری طور پر اپنے تمام جرائم کا
 اعتراف کرلو۔ ورنہ فریاد کو اقبال جرم کرنا آتا ہے۔“
 میں نے آئی جی کی رہائش گاہ میں آکر غسل کیا۔ لباس تبدیل
 کر کے کچھ کھایا۔ پھر کمرے کا دروازہ بند کر کے نور زمان کی خبر لی۔ وہ
 ماں اور بہن کو لے کر پشاور آ گیا تھا۔ جس ہوٹل میں ملازم تھا۔
 اس کے مالک نے انہیں سرچھپانے کے لئے عارضی جگہ دے دی
 تھی۔ میں نے سوچ کے ذریعے آئی جی کو نور زمان کے متعلق تفصیل
 سے بتایا پھر کہا ”آپ ان کی رہائش کا انتظام کریں۔ پو لیسٹیکل
 ایجنٹ کے پاس میرے تیس ہزار روپے تھے۔ وہ رقم نور زمان کو
 دے کر اسے کاروبار کرنے کا مشورہ دیں۔“
 آئی جی نے وعدہ کیا کہ آج ہی ان کی رہائش کا معقول بندوبست
 ہو جائے گا اور نور زمان کو تیس ہزار روپے مل جائیں گے۔ پھر میں
 نے کہا ”آپ و سیم برائی کو بتادیں کہ فریاد نے ان سب قیدیوں کو برا
 کرایا ہے اور وہ تھوڑی دیر بعد ان کے داغ میں آکر ضروری باتیں
 کرے گا۔“

جاسوسی ادب کی میعاد کی کتابیں کم سے کم قیمت میں

جاسوسی ناولوں کے مقبول ترین مصنف ایچ اے اے اے اے

عمران سیریز

بے شک لڑکی (دوسری جلد)

ایک جلد میں دو کتابیں ۰ قیمت ۲۰ روپے

ہرمود سیریز

جاسوس شہزاد (ایڈیٹری بلیک)

ایک جلد میں دو کتابیں ۰ قیمت ۲۰ روپے

آج ہی طلب فرمائیے

کتابیات پبلی کیشنز پوسٹ بکس ۲۳ کراچی ۱

اس کے بعد پو پوٹیکل ایجنٹ کے پاس آیا وہ کسی جرم کو تسلیم نہیں کر رہا تھا۔ میں نے اس پر قبضہ نہ کیا۔ وہ کاغذ قلم لے کر اپنے ایک ایک جرم کی تفصیل لکھنے لگا۔ آخر میں تمام جرائم کو قبول کر کے اپنے دستخط لگے۔ ایک اعلیٰ افسر نے آئی جی کی موجودگی میں وہ اعتراف نامہ لے لیا۔

اس کے بعد پو پوٹیکل ایجنٹ نے آئی جی سے اجازت لے کر فون کے ذریعے کافور خان سے رابطہ کیا پھر کہا "میں ذرا تاج خان بول رہا ہوں۔ اب پو پوٹیکل ایجنٹ نہیں ہوں۔ فریاد علی تیرہ نے مجھے بے نقاب کر دیا ہے۔ شاید تم فریاد اور اس کی ٹیلی پیٹھی کے متعلق نہیں جانتے۔"

کافور خان نے کہا "میں نے کبھی ٹیلی پیٹھی کے متعلق کچھ نہ سنا تھا۔ میرا یہ علم پر کبھی نہیں کیا۔"

"خان اعظم! اسی بے یقینی نے تمہیں تباہ کیا ہے۔ تمہاری حویلی میں جو ارسلان نامی مسلمان آیا تھا۔ وہ تجوی نہیں بلکہ فریاد کا آلہ کار تھا۔ وہ تمہیں علم نجوم کے چکر میں ڈالتا رہا اور فریاد تم لوگوں کے داغوں پر قبضہ جگا کر جنرل کی حرکتیں کراتا رہا۔ تم نے اس کا معمول بن کر اپنے کتوں کو مار ڈالا اور نور زمان اور اس کی ماں کو رہا کر دیا۔"

کافور خان نے حیرانی سے پوچھا "کیا ہم ٹیلی پیٹھی کا شکار تھے؟"

"ہاں اسی ٹیلی پیٹھی سے محرمہ ہو کر بیرم خان نے خود کو بری طرح زخمی کیا اور تم تین بہن بھائیوں نے اسی علم کے ذریعے غائب داغ ہو کر اپنی حویلی کو آگ لگا دی۔"

وہ حیرانی اور بے یقینی سے سن رہا تھا۔ یقین آ رہا تھا مگر یقین نہیں کرنا چاہتا تھا کہ حویلی، سونا چاندی، بیرے جو اہرات اور کھڑوں کے قریب نقد رقم کو اپنے ہاتھوں سے آگ لگا چکا ہے۔

زور تاج خان نے کہا "سوچتے رہو۔ ابھی فریاد تمہارے داغ میں آ رہا ہے۔"

اس نے ریسور رکھ دیا۔ میں کافور خان کے اندر پہنچ گیا۔ وہ بڑی حویلی کے ایک بڑے شاندار کمرے میں اپنی بہن مریتا کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ بستر بیرم خان لٹا ہوا تھا۔ حویلی کی تباہی کی بعد وہ اپنی آدھی دولت اور جائیداد سے محروم ہو گئے تھے لیکن علاقہ غیر کی اس بڑی حویلی میں ابھی اتنی دولت تھی کہ وہ اب بھی غور سے سر اٹھا کر اور سینہ تان کر چل سکتے تھے۔

مریتا نے پوچھا "برادر! یہ فون پر ٹیلی پیٹھی کا کیا ذکر ہو رہا تھا؟"

کافور خان نے کہا "تم لندن اور بیرس میں رہ چکی ہو۔ کیا وہاں ٹیلی پیٹھی کا ذکر کبھی نہ سنا تھا؟"

"کیا بار سن چکی ہوں۔ وہاں اس موضوع پر معلومات کتابتیں شائع ہوتی ہیں۔ لیکن میں نے نہیں پڑھیں۔ یہ مجھے قصہ کہانیوں

والی بات لگتی ہے۔"

"ابھی پو پوٹیکل ایجنٹ کہہ رہا تھا 'فریاد نامی ایک ملوث جانے والا ہم سے پاگل پن کی حرکتیں کر رہا تھا۔ وہ مسلمان نبوی نہیں فریاد کا ایک آلہ کار تھا۔"

وہ جو کچھ فون پر میرے متعلق سن چکا تھا۔ وہ انہیں بتا رہا تھا۔ بیرم خان نے کہا "اب سمجھ میں آ رہا ہے۔ اس کم بخت نے ہم کو کازانچہ نہیں بنایا تھا۔ ہمیں ستاروں کی چال میں الجھا کر مہینوں جلا کر رہا تھا۔ اس نے ہمارے گھر میں اور ہمارے والد میں گھس کر بری طرح کیا ہے آخر اسے ہم سے کیا دشمنی ہے؟ کافور خان نے کہا "وہ بزدل دشمن ہے اس نے چھپ کر حملے کیے ہیں۔"

میں نے اسے مخاطب کیا تو وہ غلام میں گھٹے ہوئے ہوا ہوا میرے داغ میں فریاد آیا ہے؟"

"ہاں میں بول رہا ہوں۔ بزدل میں نہیں 'تم ہو۔ طاقت کے غرور میں غریبوں اور کمزوروں پر ظلم کرتے ہو۔ انہیں زندگی بھر کے غلام بنا لیتے ہو۔ ان کی خسین بہنوں اور بیٹیوں کو اغوا کرنا حرم سرا میں لے جاتے ہو۔"

وہ خاموشی سے سن رہا تھا۔ بیرم خان نے پوچھا "کیا فریاد دشمنی کے لئے آیا ہے؟"

میں نے بیرم خان کے پاس آ کر اس کی زبان سے کہا "میں فریاد ہوں۔ اور بیرم خان کی زبان سے بول رہا ہوں۔ تاکہ تم تینوں باتیں سن سکو۔"

میں نے زہری بزدلی والی باتیں دہرائیں اور کہا "تم لوگ منہ بزدل ہی نہیں 'بے ایمان بھی ہو۔ نور زمان سے میں بزار دہا وصول کرنے کے بعد ماں بیٹے کو مار ڈالنا چاہتے تھے۔ تم لوگ منہ بے ایمان ہی نہیں 'شیطان بھی ہو چودہ برس کی ایک معصوم لڑکا برباد کر دینا چاہتے تھے۔ پھر پوچھتے ہو مجھے تم سے کیا دشمنی ہے؟ جواب دو کہ ایک غریب نور زمان اور اس کی بہن سے مجھ پر دشمنی ہے؟"

کافور خان نے کہا "تم جن باتوں کو غلط سمجھ کر اعتراض کر رہے ہو 'یہ ہمارے علاقے میں صدیوں سے رائج ہیں۔ راجا اور راجا دور گزر گیا ہے لیکن جاگیرداروں کی حکومت اور دتاؤں کی حکومت کا دور رہا ہے اور رہا رہے گا۔"

میں نے کہا "فرعون اور حضرت موسیٰ کا دور بھی جا رہا ہے اور تمہارے جیسے فرعونوں کے لئے کوئی موسیٰ ضرور پیدا رہتا ہے۔"

"فریاد صاحب! ہماری طرح تم بھی اپنی ایک طاقت رکھتے ہو۔ تمہاری دنیا میں میں ہوتا آیا ہے اور ہو رہا ہے کہ ہم تمام طاقتور ہو۔ وہ سپرد زد کیوں نہ ہوں 'آپس میں ایک دوسرے سے لڑتے ہیں ایک دوسرے کے خلاف طاقت کا مظاہرہ کرتے ہیں لیکن

لوگوں کو حکم بنا کر رکھنے کے لئے بڑی طاقتیں ایک ہو جاتی ہیں۔ اور ایک دوسرے کی طاقت کو دگنا کر کے اپنی برتری قائم رکھتی ہیں۔ ہم اور آپ بھی ایک ہو سکتے ہیں ایک دوسرے کی طاقت کو دگنا کر سکتے ہیں۔"

"موسیٰ مجھے حکومت کرنے اور برتری قائم رکھنے کا شوق نہیں ہے۔"

کہوئی بات نہیں۔ ہم نے نور زمان اور گل جان کو دل و دماغ سے نکال دیا ہے۔ اب تو تمہیں ہم سے دشمنی نہیں رہے گی؟"

"دشمنی رہے گی۔ ابھی حساب باقی ہے۔"

"کیسا حساب؟"

"تم نے بڑی حرکتیں میں جو حرم سرا بنائی ہے۔ اسے آباد رکھنے کے لئے غریب کسانوں اور مزدوروں کے گھروں سے بو بیٹیاں اغوا کرائی تھو۔"

"ہم نے وہ عیش کدہ ختم کر دیا ہے۔"

"کیا اس مت کرو۔ میں چور خیالات پڑھ کر جھوٹ اور فریب کو سمجھ لیتا ہوں۔ اس وقت تمہاری حرم سرا میں ستائیس خسین غور تیں ہیں۔"

وہ ہچکچاتے ہوئے بولا "ہاں۔ مگر میں ان پر جبر نہیں کرتا ہوں۔ یہ راضی خوشی رہتی ہیں۔ میں ان میں سے ہر عورت کے بوڑھے والدین کو اپنا تین سو روپے دیتا ہوں۔"

"کیا تم اپنا تین سو روپے انہیں اپنی بیویوں کے لئے دے گئے؟"

وہ اچھل پڑا۔ شے داڑھا ہوا بولا "تو میری بہن تک پہنچ رہا ہے۔ سو کاچہ سے تو سامنے آ۔"

"کیا تم کوڑے کے لئے ہو؟"

وہ سینہ فٹوٹ کر بولا "ہاں سامنے آ۔ میں تجھے بتاؤں گا کہ میں کیا سو کاچہ ہوں۔"

"میں اپنی ماں کاچہ ہوں۔ تعجب ہے کسی مرنے تمہیں کیسے پیدا کیا ہو گا؟"

"آس؟" وہ پہلے تو بولنے لگا "پھر گرتے ہوئے بولا 'باتوں سے آلو جاتا ہے۔ خنزیر کے....."

گلیاں پوری ہونے سے پہلے ہی میں اس کی زبان دانتوں کے درمیان سے آیا۔ زبان کٹ کر آگ تو نہیں ہوئی۔ لیکن تکلیف دہ لہجہ ہوئی۔ وہ منہ پر ہاتھ رکھ کر اصرار سے دھر تڑپ کر جانے لگا۔

میں نے بیرم خان کی زبان سے کہا "برادر کو بولو۔ زبان سنبھال کر منہ کوڑے۔ ورنہ دوسری بار یہ کٹ کر آگ ہو جائے گی۔"

مگر اس نے لئے ہر عورت کو پانچ لاکھ روپے ادا کر دیں۔ وہ حیرانی سے چیخ کر بولی 'پانچ لاکھ! تم ایسی عورتوں کو پانچ لاکھ دینے کو کہہ رہے ہو 'جنہیں کبھی پانچ روپے بھی نصیب نہیں ہوتے۔"

"رقم نہ دیکھو۔ عورت ہو کر عورت کی آبرو کا حساب کرو۔ آبرو کو نہیں سمجھو گی تو میں تمہارے بھائیوں کی آنکھوں کے سامنے تمہیں کھٹے پر پھانسیں گا۔"

کافور خان اتنی دیر میں بولنے کے قابل ہوا۔ اس نے کہا۔ "مریتا! تم اس سے نہ بولو۔ میں فریاد سے کہتا ہوں، ان عورتوں کو ابھی حرم سرا سے نکال دوں گا۔ مگر اسے لئے انہیں کچھ رقم بھی دے دوں گا۔ اس کے بعد تم کبھی ادا نہ آنا۔"

"میں نے ہر عورت کے لئے جتنی رقم ضرور کر دی ہے۔ اتنی ہی دوں گے؟"

وہ بولا "تم بوش میں نہیں دیا دولت کو مٹی دھول سمجھتے ہو۔ ہر عورت کو پانچ لاکھ دینے کا مطلب یہ ہے کہ ستائیس عورتوں کو ایک کروڑ بیٹیاں لاکھ روپے ادا کئے جائیں۔ اور میرے پاس اتنی رقم نہیں ہے۔"

"تمہارے پاس اس سے زیادہ ہے۔ تمہاری علاقہ غیر کی ایک خفیہ تجوری میں اس بڑا تر پونڈ 'دولاک ڈالر' ستر لاکھ روپے پندرہ کھوسوئے کے بکٹ 'تقریباً پچاس لاکھ روپے کے بیرے جو اہرات' برسات کی سو ایکڑ زمین اور علاقہ غیر کی 'تیس ایکڑ زمینوں کے کاشتات ہیں۔ پشاور اور اسلام آباد کے بینکوں میں نوے لاکھ روپے بچھ رہے ہیں۔"

میں اس کی دولت اور جائیداد کا اتنا بڑا حساب بتا رہا تھا کہ اس کا منہ حیرت سے کھل گیا تھا 'پھر وہ بولا "تت..... تم کیسے جانتے ہو؟"

"میں کبہ چکا ہوں خیال خوانی کے ذریعے کسی کے بھی چور خیالات پڑھ کر اس کے دل کا اور تجوری کا راز معلوم کر لیتا ہوں۔ اگر تم نے ان تمام عورتوں کو مقررہ رقم ادا نہ کی تو میں تمہاری وہ تجوری خالی کر دوں گا۔"

"کیسے خالی کرواؤ گے؟ میرے سوا کوئی اس تجوری کو نہیں کھول سکتا۔ وہ مخصوص نبیوں سے کھلتی ہے اور وہ نمبر صرف میں جانتا ہوں۔"

میں نے کہا "تجوری کے پینڈل کے پاس ڈائمنڈ سٹم ہے۔ تم پہلے ڈبل زیرو ڈبل دن داخل کرتے ہو تو ایک منیجی سی سرخ روشنی آن ہوئی ہے۔ پھر تین دن بدون سکس دن نوڈاں کے پینڈل تمہارے ہو تو تجوری کھل جاتی ہے۔"

پھر اس کا منہ کھل گیا۔ وہ دو ڈواں ہاتھوں سے سر کو تھام کر بولا۔ "میرا سر پکرا رہا ہے۔ تم جاؤ گے۔ اسے اندر کی باتیں صرف جاؤ کے ذریعے یہ معلوم ہو سکتی ہیں۔ اگر تم مسلمان ہو تو تمہیں

162

صاحب کے متعلق بتائیں۔ آپ نے تو انہیں رو رو دیکھا ہو گا؟
وہ میرے متعلق بڑی دلچسپی سے سوالات کر رہا تھا۔ میں جواب دے رہا تھا۔ ایسے وقت اس کی بیٹی اچھے سے آنی پھر آتی جی سے بولی "اوہ ڈیڈ! یہاں تو تفریح کی کوئی جگہ نہیں ہے۔ لندن بہت یاد آتا ہے۔"

باپ نے اس سے میرا تعارف کرایا "یہ مسٹر فراد کے معتبر خاص ہیں مسٹر ارسلان" یہ میری بیٹی راہبہ ہے۔ لندن میں رہنے کے باعث نام سکڑ کر رالی ہو گیا ہے۔
رالی نے مجھ سے کہا "پھر تو تم فراد کے ساتھ ساری دنیا کی سیر کرتے ہو گے؟"

"جی ہاں یہ میری خوش قسمتی ہے۔"
"اور میری بد قسمتی ہے کہ لندن اور پیرس سے آگے نہ جاسکیں۔ ڈیڈ نے اچانک یہاں بالیاں۔"
"ڈیڈ نے یہ بھی بتایا ہو گا کہ یودی تمہاری جان کے دشمن ہو گئے تھے۔"

"میں نہیں مانتی۔ میں نے یودیوں کو قریب سے دیکھا ہے۔ ان کے مذہب کا اور ان کے لہجہ کا بہت مطالعہ کیا ہے۔ یودی بہت زیادہ مذہب اور انسان دوست ہوتے ہیں۔"
آئی جی نے ڈانٹ کر کہا "جو اس مت کرو۔ میں رشوت خوری کی سزا پا رہا ہوں۔ میں نے یہ نہیں سوچا تھا کہ میری بیٹی اور بیٹا یودیوں کی سرپرستی میں رہ کر اپنے مذہب کو بھول جائیں گے۔ تم بس بھائی جب سے آئے ہو یودیوں کے گمن گارے ہو۔"

"ڈیڈ! یہ تمہذیب کے خلاف ہے کہ آپ مسمان کے سامنے ڈانٹ رہے ہیں اور مجھے نالائق کہہ رہے ہیں۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ جو باپ کا نظریہ ہو وہ اولاد کا بھی ہو۔ میں بالغ ہوں مجھے اپنی رائے اور نظریے کے اظہار کا حق ہے۔ میں وہی بات کہوں گی جسے بہتر سمجھتی ہوں۔"

وہ پاؤں پٹختی ہوئی کوٹھی کے اندر دوئی جھے میں چلی گئی۔ آئی جی نے کہا "مسٹر ارسلان! میری بیٹی اور بیٹے اپنے دین اور قوم سے دور ہو رہے ہیں۔ میں آپ کے ذریعے فراد صاحب سے استعفا کرتا ہوں کہ میرے بچوں کے ذہن کو نیلی بیٹی کے ذریعے بدل دیں۔ انہیں ہمارے دین کی طرف لے آئیں" یہ مجھ پر ایک اور احسان ہو گا۔"

میں نے کہا "نیلی بیٹی اور توہمی عمل کے ذریعے وقتی طور پر اپنی طرف مائل کیا جاسکتا ہے۔ ہم صراطِ مستقیم پر چلنے کی دعا اس لئے مانگتے ہیں کہ صرف اللہ تعالیٰ ہی دعا قبول کرے اور راہِ راست پر لاتا ہے۔ آپ دعا کریں۔ فراد صاحب دعا کریں گے۔ ان سے رابطہ ہوئے تاکہ میں آپ کے بچوں کو سمجھاؤں گا۔"

اسی وقت وہ سیم درانی وہاں آیا۔ اس نے آئی جی سے کہا "میں فراد صاحب کی کوٹھی کے مطابق ایک چٹانوں نوجوان کو دو لاکھ

روپے دینے گیا تھا۔ لیکن وہ بہت خوددار ہے۔ اس نے اتنی ہی رقم لینے سے انکار کر دیا ہے۔ آپ میرے ساتھ چلیں اسے رقم لینے پر راضی کریں۔ اس سے کہا جاسکتا ہے کہ یہ رقم قرض ہے کاروبار چلنے کے لئے تو وہ قرضہ واپس کر سکتا ہے۔"

میں نے آئی جی سے کہا "اسے کسی بھی طرح سمجھا کر قرضی جاسکتی ہے۔ پلیز آپ درانی صاحب کے ساتھ جائیں۔ میں رالی کا مسئلہ حل کرتا ہوں۔"

وہ وہ سیم درانی کے ساتھ چلا گیا۔ میں رالی کے خیالات دہنے لگا۔ جیسے جیسے پڑھتا گیا "یادیں ہو آگیا۔ رشوت لینے والے اپنی اولاد کو ملک سے باہر بھیج کر یہ نہیں سوچتے کہ وہ صرف والدین اور وطن سے ہی نہیں اپنے دین سے بھی دور جارہے ہیں۔"

یودیوں نے رالی کو اپنے داخل میں رکھ کر اپنی تعلیمات کے ذریعے اس کا برہنہ داش کر دیا تھا۔ اس نے اور اس کے بھائی جادو نے ان کا مذہب قبول کر لیا تھا اور یہ بات اپنے باپ سے چھپائی تھی۔ اگر یہ بات میں آئی جی کو بتاتا تو وہ مدد سے آدھا ہو جاتا۔ اور پوری طرح شرم سے مرنے کے لئے یہ معلومات کافی تھیں کہ رالی کا فیٹر یودیوں کے جوانوں سے تھا اور وہ اس بے حیائی پر شرمناک نہیں تھی۔ کیونکہ مغربی سوسائٹی میں یہ شرم کی بات نہیں کہ وہاں جتنے بوائے فریڈز ہوتے ہیں ان کی اپنی حسین اور پرکشش کمالات ہیں۔

وہ دلدل میں اتنی دھنسی گئی تھی کہ اسے نکالا نہیں جاسکتا تھا۔ اس کے وجود سے کچھ صاف نہیں کی جاسکتی تھی۔ اگر مجھ کو وہاں اور وہ یودیوں سے باز آکر اسلام قبول کر لیتی تو اسے دین واپس مل جاتا مگر اب وہاں نہیں مل سکتی تھی۔

میں اپنے کمرے میں واپس آگیا۔ بے چارے باپ نے غلطیوں سے توبہ کر لی تھی لیکن توبہ کرنے میں دیر ہو جائے تو اندر ہو جاتا ہے۔ میں نے رالی کی سوچ میں کہا "مجھے ڈیڈ کی محبت اور شفقت کو سمجھنا چاہیے اور ان کی عزت کرنا چاہیے۔ میں پاکستان میں رہ کر خود کو یودی ظاہر نہیں کر سکتوں گی۔ یہاں کا بچہ مجھے بچہ مارے گا۔ بہتر ہے میں باپ کا دل نہ ٹوٹاؤں۔ مسلمان اور فراد بھائی جی کی کردہوں یا پھر مذہب کے واپس لندن چلی جاؤں۔" وہ سوچنے لگی "ضرور واپس جاؤں گی" یہاں تو قدم نہ اٹھا پاندیاں ہیں۔ پتا نہیں یہاں عورتیں کس طرح زندہ رہتی ہیں۔ ڈیڈ نے جانے کی اجازت نہ دی تو میں دھوکا دے کر بیٹی باؤں کی۔ خیالِ خوانی کا سلسلہ ٹوٹ گیا۔ دروازے پر دھک ہوئی تھی میں نے آگے بڑھ کر دروازہ کھولا۔ رالی کھڑی ہوئی تھی "اندرا کر بولی "تم میرا ایک کام کرو گے؟"

"کام میرے بس کا ہو گا تو ضرور کروں گا۔"
"مسٹر فراد سے میرا رابطہ کرواد۔"
"یہ بات تم اپنے ڈیڈ سے کہہ سکتی ہو۔ ان کا بھی رابطہ

ہمارے فراد صاحب سے رہتا ہے۔"
"میں ڈیڈ سے نہیں کہہ سکتی۔ میرا ایک پرسل براہ نام ہے۔"
"فراد صاحب میرے دماغ میں آئیں گے تو تمہارا پیغام پتہ پاؤں گا۔"

"تم نے فراد صاحب کو رو رو دیکھا ہے؟"
"نہی بار دیکھ چکا ہوں۔"
"وہ بوڑھے ہیں یا جوان؟"
"ان کے دو جوان بیٹے ہیں۔"

"جوان بیٹوں کے ہونے سے آدمی بوڑھا نہیں ہوتا۔ میں نے چندہاپیلے ساتھ فراد نے مونیا سے شادی کی ہے۔"
"تم چاہتی کیا ہو؟"

میں نے یہ سوال کرتے ہی چونک کر کہا "وہ فراد صاحب! آپ اتنے وقت پر آئے ہیں۔ یہ میرے سامنے آئی جی صاحب کی بیٹی رالی ہے" آپ سے باتیں کرنا چاہتی تھی۔ پھر میں جواب سننے کے انداز میں چپ ہوا اس کے بعد بولا "رالی! اپنی آواز سناؤ۔ کچھ بولو" وہ تمہارے دماغ میں آئیں گے۔"

وہ خوش ہو کر بولی "مسٹر فراد! میں تمہاری بہت بڑی فین ہوں تم سے ایک ذاتی مسئلے پر گفتگو کرنا چاہتی ہوں۔"
میں نے اس کے دماغ میں پہنچ کر کہا "اپنے کمرے میں چلو اور اپنا مسئلہ بیان کرتی رہو" میں منتارہوں گا۔"

وہ میرے کمرے سے نکل کر اپنے کمرے کی طرف جاتے ہوئے بولی "پہلے تم میرے خیالات پڑھ لو۔ میرے متعلق تمام معلومات حاصل کرلو۔ پھر آگے بات ہوگی۔"

میں تھوڑی دیر تک خاموش رہا پھر بولا "اچھا تو تم یودی بن گئی ہو۔ اور یہ چاہتی ہو کہ میں نیلی بیٹی کے ذریعے تمہارے باپ کو کتاب دماغ کروں اور تمہیں یہاں سے فرار ہونے کا موقع دوں۔"

"بے شک میں یہی چاہتی ہوں۔ اگر تم نیلی بیٹی کی آنکھ سے دیکھ سکتے ہو تو میرے حسن و شباب کو ضرور دیکھ رہے ہو گے۔ میں نے سنا ہے تم بے دل بیٹیک ہو۔ رہتیں مزاج ہو" میں اس ملک سے ہجرت نہ کر سکتی تھی ہمارے پاس آؤں گی اور تمہارا دل خوش کروں گی۔"

مگر میں نے کہا "یودیوں نے تمہیں زبردست باز آرتی بنا دیا ہے۔ مجھ کو جس ایوی ہوگی۔ شہر کسی کا جھوٹا نہیں لگتا اور تم تو ایسا جھوٹا لگتا ہو" جس پر بھی مجھے جھینسا پسند نہیں کرے گی۔ تمہیں یودی مکمل مہارک ہوں۔"

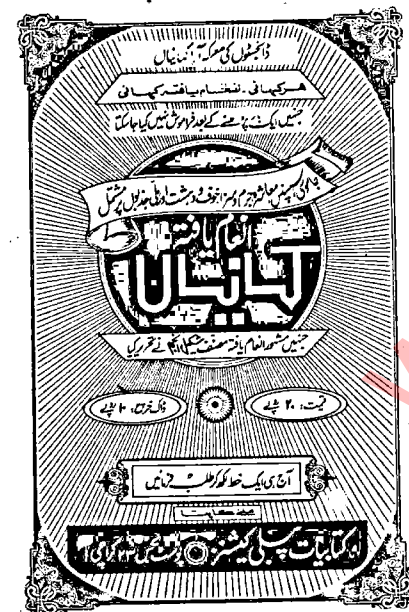
وہ اپنی توہین پر کھلم کھلائے لگی۔ میں اپنی جگہ حاضر ہو گیا۔ آئی جی کے آنے کے بعد میں نے رات کا کھانا کھایا۔ تھوڑی دیر تک گاڑن میں ٹھٹھا رہا پھر کمرے میں آکر دروازے کو اندر سے بند

کر کے سو گیا۔
میں نے دوسری صبح صبح میرے پاس پہنچ کر دیکھا۔ وہ اپنی حویلی سے نکل پڑی تھی۔ ایک کار ڈرائیو کرتی ہوئی میری طرف آ رہی تھی۔ اس کے خیالات نے بتایا کہ وہ اپنے بھائی سے اجازت لینے گئی تھی۔ پتا چلا وہ رات سکیں گیا ہے۔

بھائی کی عدم موجودگی میں اسے ایک تدبیر سوچی۔ اس نے ایک کانڈ پر لکھا "کافور خان! اس وقت میں نے تمہاری بہن کو غافل بنایا ہے اور وہ غفلت میں یہ خط تمہیں لکھ رہی ہے کہ فراد کو تم لوگوں پر بھروسہ نہیں ہے۔ پتا نہیں تم اس کی شرائط پر عمل کرو گے یا نہیں؟ اس لئے میں تمہاری بہن کو نیلی بیٹی کے ذریعے بر غمال بنا رہا ہوں۔ میری شرائط پر عمل کرو گے تو تمہاری بہن واپس کروں گا" خط راقم الحروف فرما۔"

اس نے یہ خط لکھ کر کانڈ کو اپنے بستر پر رکھ دیا۔ پھر وہاں سے چلی آئی۔ کمال کی چیز تھی مگر سے بھاگ کر آ رہی تھی لیکن بھائیوں کے قہر و غضب کو میری طرف موڑ دیا تھا کہ میں اسے غافل بنا کر لے جا رہا ہوں۔ اور وہ بے چاری اپنے ہوش و حواس میں نہیں ہے۔

وہ بے چاری شام کے پانچ بجے پتلاڑ پٹنی۔ میں نے اسے ایک رسٹ ہاؤس کی طرف ڈرائیو کرتے ہوئے آنے پر مجبور کیا تھا۔ اس رسٹ ہاؤس کا کرا میں نے آئی جی کے تعاون سے حاصل کیا تھا اور یہ کہ دیا تھا کہ فراد صاحب کی ہدایت کے مطابق مجھے وہاں



رہتا ہے۔

مریٹا مجھے دیکھ کر خوش ہو گئی، میرانی سے بولی "میں ادھر کیسے چلی آئی؟ کیا یہ تمہارے فراد صاحب کا کمال ہے؟"

"ہاں میرے صاحب نے مجھے بتایا ہے کہ تم بڑی چال بازی سے یہاں آئی ہو۔"

ہم باہمی کرتے ہوئے کمرے میں آئے، میں نے کہا "تم لمبی ذرا بیوی لگتے سے تھک گئی ہو۔ آرام سے لیٹ جاؤ۔ میں جا کر یہاں کے چوکیدار سے چائے لائے کو کہتا ہوں۔"

وہ بولی "ارسلان! میں معلوم کرنا چاہتی ہوں کہ میرے بھائی میرے متعلق کیا رائے قائم کر رہے ہیں۔ انہیں میرا خط ابھی ہے یا نہیں؟"

"طہیمان رکھو۔ فراد صاحب میرے داغ میں آئیں گے تو ان سے کہوں گا کہ وہ تمہارے بھائیوں کے پاس جا کر معلومات حاصل کریں۔"

میں کمرے سے باہر آیا۔ رشت ہاؤس کے پیچھے ایک کوارٹر میں جا کر چوکیدار کو چائے تیار کرنے کے لئے کہا۔ پھر خیال خوانی کی پرواز کرتے ہوئے کافور خان کے داغ میں پہنچنا چاہا تو اس نے فوراً ہی سانس روک لی۔

یاجیرت! یہ کیا ہو گیا؟ کافور خان نے میری سوچ کی لہروں کو محسوس کیا تھا۔ جبکہ اس کا داغ حساس نہیں تھا اور وہ یوگا کے سلسلے میں کچھ نہیں جانتا تھا۔

میں نے پھر خیال خوانی کی پرواز کی، میرم خان کے داغ میں آیا اور آتے ہی باہر نکل گیا۔ اس نے بھی سانس روک لی تھی۔ جب دونوں نے سانس روک کر میرا راستہ روکا تو بات سمجھ میں آئی۔ دونوں بھائیوں نے کسی خوبی عمل جاننے والے کو ڈھونڈ نکالا تھا اور اس کے عمل کے ذریعے اپنے اپنے داغ کو لاک کر لیا تھا۔

پتا نہیں کسی عالم کو کمال سے چلا لائے تھے۔ مگر اپنا پناؤ خوب کیا تھا۔ اب میں ان کے داغوں میں اور ان کی خوبی میں نہیں جاسکتا تھا۔ ان سے اپنی شرائط نہیں مناسکتا تھا۔ انہوں نے اپنی دولت اور جائیداد کو بڑی کامیابی سے محفوظ کر لیا تھا۔ اور میرے لئے چیلنج بن گئے تھے کہ میں اپنے علم سے ان کا کچھ نہیں بگاڑ سوں گا۔

مریٹا وہاں سے صبح ہی نکل پڑی تھی اگر وہ بھی وہاں ہوتی تو اس پر بھی خوبی عمل کیا جاتا۔ شاید میرے نصیب سے بچ کر رہتی تھی۔ چوکیدار نے آکر کہا "صاحب! دودھ ختم ہو گیا ہے۔ میں بازار سے لے کر آتا ہوں۔"

میں نے کہا "دھیرا دھیرا ہے۔ چائے کو چھوڑو۔ رات کا کھانا تیار کرو۔ ہم فوجی کھائیں گے۔ اس سے پہلے دستک نہ دینا۔"

میں نے کمرے میں آکر دروازے کو بند کیا۔ وہ بستر پر لیٹی ہوئی تھی میں نے اس کے پاس آکر کہا "فراہ صاحب نے عجیب کی باتی۔ تمہارے بھائیوں پر کسی نے خوبی عمل کیا ہے۔ لیٹی بیٹھ کر لہرس ان کے داغوں میں نہیں جاتی ہیں۔"

"تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ فراد صاحب آئندہ میرے بھائیوں کے داغوں میں نہیں جاسکیں گے؟"

"ہاں! انہوں نے بڑی چال بازی سے لیٹی بیٹھ کر راستہ روک دیا ہے۔"

وہ ہنسنے لگی، میں نے پوچھا "کیا ہوا؟"

وہ ہنسنے پھٹنے پھولنے "میرے بھائی لاکھوں کوڑوں میں ایک ہیں۔ فراد کے جادو کا توڑ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ہماری دولت اور جائیداد محفوظ ہو گئی ہے۔ تمہارے فراد صاحب میرے بھائیوں کو یہاں آنے سے بھی نہیں روک سکیں گے۔ ہماری یہاں کی جائیداد بھی محفوظ رہے گی۔"

وہ ہنس رہی تھی خوش ہو رہی تھی اور مارے خوشی کے کچھ مہراں ہوتی جا رہی تھی۔ مجھے پتا نہیں جا کہ کتنا وقت گزر گیا ہے۔ دروازے پر دستک سن کر یاد آیا کہ چوکیدار نے کھانا تیار کر لیا ہے اور ٹھیک فوجی دروازے پر آیا ہے۔ پھر میں نے خیال خوانی کے ذریعے بھی معلوم کیا کہ وہ بند دروازے کے سامنے کھڑا ہوا تھا۔ باہر چاندنی پھیلی ہوئی تھی۔ میں نے کمرے کی لائٹ آن نہیں کی۔ دروازے کو کھول کر پوچھا "دوئی تیار ہے؟"

"جی صاحب! اے آؤں؟"

میں کہنے والا تھا "اے آؤ" لیکن کہہ نہ سکا۔ اچانک غامض کی آواز کے ساتھ کہیں سے گولی سنائی دینی لگی۔ میں اچانک کر دوڑ کر فرش پر جا کر اے کمرے کی تاریکی میں مجھے بچا لیا تھا۔ لیکن وہ گولی تھی۔ اس کے بعد گولیوں کی بوچھاڑ ہونے لگی۔ چوکیدار کی سٹائی دی۔ میں فرش پر لڑھکتا ہوا آیا پھر دروازے کو ایک لالٹ ماری۔ وہ ایک دھڑاکے سے بند ہو گیا۔

باہر سے کافور خان کی آواز سنائی دی "فراد! میں نے قہقہے چوہے دان میں بند کر دیا ہے۔ اب تمہاری لاش ہی یہاں سے نکلے گی۔"

مریٹا دوڑتی ہوئی میرے پاس آئی۔ اسی وقت باہر سے کافور خان نے دروازے کو لالٹ ماری۔ دروازہ پھر کھل گیا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے نازک لالٹ ماری۔ پھر ایک گولی سنائی دینی لگی۔ مریٹا بھائی سے خوف زدہ ہو کر مجھ سے لپٹنے آئی تھی۔ گولی ان کی گئی۔ اس کے حلق سے آخری چیخ نکلی۔

دوسری بار مریٹا نے پناہ۔ خدا ایسا بھی بابر تو بچانے؟ تیسری بار بولیا آخری بار میں دعا رہ جاتی ہے۔

میں کافور خان اور میرم خان کے داغوں میں نہیں جاسکتا تھا۔ انہوں نے خود پر خوبی عمل کر لیا تھا۔ میری خیال خوانی کا راستہ روک دیا تھا۔ اتنے بڑے خطرے کو روکنے کے بعد وہ کسی وقت بھی ڈوبنے کے سکتے تھے۔ پھر ایسے وقت جبکہ ان کی بہن میرے پاس آئی تھی۔ وہ اس کا تعاقب کرتے ہوئے آسکتے تھے لیکن انہوں نے بہن کا تعاقب نہیں کیا تھا۔ اگر کرتے تو شام کے پانچ بجے ہی رشت ہاؤس میں مجھے گھیر لیتے۔ انہوں نے رات کو نو بجے مجھ پر حملہ کیا تھا۔ ایسے میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ انہیں کیسے معلوم ہوا کہ مریٹا رشت ہاؤس میں مجھ سے ملنے آئی ہے؟

اور انہیں یہ کیسے معلوم ہوا کہ رشت ہاؤس کے اس کمرے میں فراد موجود ہے؟ کافور خان نے پورے یقین سے کہا تھا "فراد! میں نے تمہیں چوہے دان میں بند کر دیا ہے۔"

اس کا یہ یقین ظاہر کر رہا تھا کہ کسی نے وہاں میری موجودگی کی اطلاع اسے دی تھی۔ صرف اتنی جی کو معلوم تھا کہ میں رشت ہاؤس میں ہوں۔ اور یہ بات اسے اتنی ہی سے معلوم نہیں ہوئی تھی جو احتمال انداز کا راز ہو تا ہے وہ لیٹی بیٹھنے کے ذریعے ہی معلوم ہوتا ہے۔ پھر کیا کافور خان سے کسی لیٹی بیٹھنے جاننے والے کا رابطہ ہو گیا ہے؟

میں ہوسکتا تھا۔ بات کچھ سمجھ میں آ رہی تھی۔ ان دونوں بھائیوں پر کسی پناہ گزینے والے نے عمل نہیں کیا تھا۔ میرا کوئی دشمن خیال خوانی کرنے والے داغوں میں قسمت سے کافور خان کے پاس پہنچا گیا تھا۔ پہلے اس نے دونوں بھائیوں کے داغوں کو لاک کر لیا تھا۔ پھر بھائیوں نے اسے مریٹا کی تصویر دکھائی، ہوگی اور وہ تصویر کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے اس کے داغ میں پہنچا ہوگا۔

اور میں مریٹا کے داغ کو لاک کر چکا تھا۔ دشمن خیال خوانی کرنے والے کو پہلے ناکامی ہوئی ہوگی۔ مریٹا نے سانس روک لی ہوگی۔ پھر دشمن کی سمجھ میں آیا ہوگا کہ فراد کی آواز اور لہجہ اختیار کرنا چاہتے۔ پھر وہ میری سوچ کا لہجہ اپنا کر مریٹا کے اندر آیا ہوگا۔ اس کے ذریعے معلوم ہوا ہوگا کہ میں رشت ہاؤس کے اس کمرے میں ہوں۔

بہر حال وہ اسی طرح کی معلومات حاصل کر کے مجھے گھیرنے اور قتل کرنے آیا تھا۔ کمرے کی تاریکی نے اس کی پہلی گولی سے مجھے بچا لیا تھا۔ مریٹا مجھ سے لپٹنے آئی تھی۔ گویا اس نے چارے نے گولیوں میں دوسری گولی سے مجھے بچا لیا تھا۔ تقدیر بدست نہیں چھاتی۔ یہ حالات کے رحم و کرم پر بھی چھوڑ دیتی ہے۔

میں سمجھ رہا تھا کہ مریٹا مجھ سے لپٹنے آئی تھی۔ نہیں وہ محفوظ کا سالن لائی تھی۔ اس وقت بھی وہ اینٹ کا جواب پتھر سے دینے کے لئے مجھے دھوکا دینے آئی تھی۔ اس کی آخری چیخ کے ساتھ وہ لڑاؤ مجھ پر آکر گر کر۔ پھر میں نے ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کیا۔

اسے گرفت میں لیتے ہی بولی "نار کیا۔ کافور خان کی چیخ سنائی دی۔ وہ اچھل کر برآمدے کے فرش پر گر کر۔ پھر زینے پر سے لڑھکتے ہوئے نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

چونکہ وہ چاندنی میں تھا۔ اس لئے میں نے اسے گولی کھا کر گرتے دیکھا تھا۔ گولی اس کی ران میں پھنسی ہو گئی تھی۔ وہ تکلیف کی شدت سے ٹوٹ رہا تھا۔ ایسے میں سانس نہیں روک سکتا تھا۔ اس کی سوچ کے ذریعے معلوم ہوا اس کے چھ مسلح ہاتھ ہیں جو رشت ہاؤس کے چاروں طرف موجود ہیں۔ اپنے آقا کے گرتے ہی وہ تمام ہاتھ تاخت نازک کرتے ہوئے رشت ہاؤس کے سامنے آ گئے تھے۔ ان میں سے دو ہاتھ اسے اٹھا کر لے جا رہے تھے۔ میں نے دوبارہ بولی "نازک کی جس کے پیچھے میں ہر برآمدے تک آنے کی جرات نہ کر سکے۔ شطرنج کی لمبا ہوا میدان جنگ" تمام میرے اس وقت تک لڑتے ہیں جب تک بادشاہ سلامت رہتا ہے۔ جب انہوں نے زخمی بادشاہ کو گاڑی کی پچھلی سیٹ پر ڈال دیا تو نازک کرنے والوں نے بھی میدان چھوڑ دیا۔ وہاں سے بھاگتے ہوئے گاڑی میں آکر بیٹھ گئے۔ کافور خان تکلیف سے کراہتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ "جلدی کرو۔ مجھے اسپتال پہنچاؤ۔ یہ گولی کٹاؤ۔ میں فراد کو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

میں رشت ہاؤس سے باہر آیا۔ ہر برآمدے میں چوکیدار کی اور مریٹا کی لاشیں پڑی ہوئی تھیں۔ مسلسل نازک کی آوازیں رات کو دور تک گونجنی لگی تھیں۔ قہقہے سے پولیس والے دوڑے آئے تھے۔ میں رشت ہاؤس کے عقب میں دوڑنا چلا گیا۔ کسی کی نظروں میں نہیں آیا۔ خواہ مخواہ قتل کے کیس میں الجھنا مناسب نہیں تھا۔

میں ایک رکشا میں بیٹھ کر ریلوے اسٹیشن کی سمت جانے لگا۔ راستے میں اتنی جی کو رشت ہاؤس کی روداد سنا آ گیا۔ اس نے کہا "میں وہاں کے معاملات سن رہا ہوں گا۔ یہ آپ نے اچھا کیا کہ ارسلان کو رشت ہاؤس سے ہٹا دیا وہ کہاں ہے؟ اسے میری کوٹھی میں رہنا چاہئے۔"

"میں اسے اپنے معاملات میں مصروف رکھوں گا۔ وہ یہاں دوسرے سوہو میں رہے گا۔ کسی کو نظر نہیں آئے گا۔ میں پھر کسی وقت رابطہ کروں گا۔"

میں ریلوے اسٹیشن کے قریب ایسی جگہ رکشا سے اتر گیا جہاں خاصی تاریکی تھی۔ میں نے کراہ ادا کیا۔ وہ آگے چلا گیا۔ میں نے آنکھوں سے ہنسنے لالٹ ماری۔ "موت نہیں بنادیں" مگر کی دگ آتاری! اس طرح چہرہ کی حد تک تبدیل ہو گیا۔ یہ احتیاط ضروری تھی۔ جو دشمن لیٹی بیٹھ جانے والا مریٹا کے ذریعے رشت ہاؤس میں میری موجودگی کو سمجھتا رہا تھا۔ اسے یقین ہو گا کہ فراد ابھی شاد میں ہے اور وہ یقیناً مجھے دوبارہ گھیرنے کی سازش کر رہا ہوگا۔ یہ گولی چال چل

کافور خان کے ساتھ اس کا بھائی بیرم خان نہیں تھا۔ کیوں نہیں تھا یہ جاننے کے لئے میں نے کافور خان کے خیالات پڑھے۔ اسے ایک اسپتال کے آپریشن تھیمیر میں پھنسا گیا تھا۔ اس پر بے ہوش طاری ہو رہی تھی۔ اس کے بے ہوش ہونے سے پہلے ہی میں نے معلوم کیا۔ اس کا بھائی بیرم خان دو مسلح ہاتھوں کے ساتھ رست ہاؤس کے پیچھے چوکیدار کے کوارٹر سے ذرا دور چھپا ہوا تھا۔ دشمن خیال خزانہ کرنے والے نے دونوں بھائیوں سے کہا تھا ”فریاد کچھ تو حاضریاں دے اور کچھ قسمت کا دعویٰ ہے۔ مضبوط حصار کو توڑ کر نکل جاتا ہے۔ اگر وہ رست ہاؤس سے بچ نکلے میں کامیاب ہو گا تو پچھلے حصے سے فرار ہو گا کیونکہ رست ہاؤس کے آگے کچھ فاصلے پر پولیس اسٹیشن ہے۔“

اس پلاننگ کے مطابق بیرم خان دور چھپا ہوا تھا۔ دشمن خیال خزانہ کرنے والے نے درست سوچا تھا۔ میں اسی راستے سے فرار ہوا تھا لیکن بیرم خان نے اپنی جگہ چھوڑ دی تھی۔ بڑے بھائی کو باپ سمجھ کر محبت کرتا تھا۔ اسے کوئی شک نہ تھا کہ میری بھائی کے پیچھے اسپتال پہنچ گیا تھا۔ کافور خان نے کراہتے ہوئے کہا تھا۔ ”جان برادر! تم نے غلطی کی۔ تمہیں وہاں فریاد کو ٹھیک کرنا چاہیے تھا۔“

”برادر! ابھی تمہیں خون کی ضرورت ہوگی۔ پہلے میں تمہیں خون دوں گا پھر اس دشمن کو جنم میں پچاؤں گا۔ وہ چھپ نہیں سکے گا۔ میں اسے ذبح کر دوں گا۔“

اس کے بعد کافور خان کو آپریشن تھیمیر میں لایا گیا تھا۔ میں اس کے خیالات پڑھ رہا تھا۔ اس کی سوچ میں پوچھ رہا تھا کہ اس کے دوست ٹیلی پیجی جانتے والے کا نام کیا ہے اور وہ کس ملک سے تعلق رکھتا ہے؟

وہ جواب نہ دے سکا۔ اسی وقت بے ہوش ہو گیا۔ اب مجھے کسی طرح بیرم خان کے دماغ میں پہنچنا تھا اور اس دشمن خیال خزانہ کرنے والے کو پھنسا دینا تھا۔ پھر یہ بھی فکر تھی کہ وہ کمینٹ نور خان کو اس شرمیں ڈکھائے گا تو اس کے پورے کنبے کو قتل کر دے گا۔ اس سے پہلے ہی دونوں بھائیوں کو اس شر سے بچا دینا یا اس کا قصہ تمام کر دینا ضروری تھا۔

اور میری چھٹی حس کہہ رہی تھی۔ یہ صرف دو بھائی دشمن نہیں ہیں۔ اس ٹیلی پیجی جانتے والے دشمن نے بتائیں اور کتنے جوانمردوں کو آلودہ کرنا کہ اس شرمیں پھیلایا ہے۔ ہو سکتا تھا میں بیرم خان کو فریب کرنے جاتا تو خود کسی اندیشے میں الجھ جاتا۔ اب مجھے چھوٹا چھوٹا قدم رکھنا تھا۔ ناپیدہ خطرات بڑھ گئے تھے۔

اس سربراہی میں چوٹا دینے والی شادی میں دلن پامیلا

تھی اور دلہا علی تیمور تھا۔ یہ شادی بڑی جلدی میں ہوئی تھی۔ جلدی اس لئے تھی کہ علی تیمور عرف کارمن بیراڈ شادی کے معاملے کو ایک مہرہ سے نال رہا تھا۔ جب اس نے اچانک شادی کا ارادہ کیا تو پامیلا کے ماں باپ نے پوچھا۔ ”جو میں تمہیں کے اندر شادی کیسے ہو سکتی ہے؟“

علی نے کہا ”رشتے داروں اور دوست احباب کو انوشیٹھ کارڈ بھیج دیا کی ضرورت ہے۔ آپ فون پر سربراہی میں کی دعوت دیں۔“

دراصل علی کو دلن سے دلچسپی نہیں تھی وہ جلد سے جلد وہاں کے ایک ریکریکل ڈیپارٹمنٹ کے پرائیویٹ شعبے میں پہنچنا چاہتا تھا۔ پامیلا کا باپ راجرموس اس پرائیویٹ شعبے کا انچارج تھا۔ اپنے ہونے والے داماد کو ترقی دلا کر اپنے شعبے میں لانا چاہتا تھا۔

اور علی کو جلدی تھی وہ اس خفیہ شعبے میں رہ کر بجلی کے کنکشن کے ذریعے گولڈن بریڈ کے خفیہ ڈاؤس تک پہنچنا چاہتا تھا۔ ادھر پامیلا نے سوچا کارمن (علی) بڑے انتظار کے بعد شادی کے لئے راضی ہوا ہے۔ اس لئے ایک دن کی بھی دیر نہ ہو۔ شادی فوراً ہو جائے۔

دوسری طرف پامیلا کے ماں باپ نے دیکھا۔ بیٹی کارمن کی دیوانی ہو رہی ہے اور کارمن نہایت ہی شریف نوجوان ہے۔ انہوں نے بھی دیر نہیں کی۔ دونوں کی شادی کر دی۔ علی پامیلا کو دلن سے کراہتے بیٹھے ملے آیا۔

شادی کا مطلب ہے خوشی، لیکن دلہا دلن کے درمیان پہلی رات کی خوشی نہیں تھی۔ علی نے پامیلا کو اپنی بیدار نشی سے لے کر جوان ہو کر شادی کرنے تک کی ایک من گھڑت کہانی سنائی تھی کہ دلن اسفندیار نے پیش گوئی کی ہے اگر کارمن شادی کی پہلی رات دلن کی سچ پر جائے گا تو میراٹے گا اور اگر اپنی موت کے خوف سے شادی نہیں کرے گا تو میراٹے گا تو میراٹے والی دلن میراٹے گی۔

من گھڑت کہانی کے مطابق دلن اسفندیار نے اس مسئلے کا یہ حل پیش کیا تھا کہ شادی کے بعد میاں بیوی چالیس راتوں تک ایک دوسرے سے دور رہیں اور اس کے بعد ازدواجی رشتہ قائم کریں و موت مل جائے گی۔

علی نے یہ کہانی اس لئے بنائی تھی کہ وہ دھوکے سے شادی کر رہا تھا۔ اسے گولڈن بریڈ تک پہنچنا تھا لیکن شادی کا فریب دے کر وہ پامیلا کی عزت سے کھیلنا نہیں چاہتا تھا۔ اپنا مقصد پورا کرنے تک وہ اس سے دور رہنا چاہتا تھا۔

اب وہ دلن بن کر کمرے میں آئی تو پاس ہوتے ہوئے بھی اس سے دور تھی۔ حسرت سے اپنے محبوب کو دیکھ رہی تھی۔ جواب شوہر بن گیا تھا اور وہ شوہر کے گلے نہیں لگ سکتی تھی۔ علی نے کہا ”میں تمہارے جذبات کو سمجھ رہا ہوں۔ تم بھی سمجھو کہ میں ایک مرد ہوں اور تم سے دوری کیسے برداشت کر رہا ہوں۔“

”تم زبردست قوت ارادی کے مالک ہو۔ مگر میں کمزور ہوں۔ تمہاری دیوانی ہوں۔ تمہارے ساتھ شادی کی رات کے کیسے کیسے رنگین خواب دیکھتی رہی ہوں۔ آج جاگتی آنکھوں سے سناگ کی جھجک آتی ہوں لیکن خواب کی تعبیر نہیں ملے گی۔ کیا ہم ایک ہی کمرے میں ثابت قدم رہ سکیں گے؟“

”ایک کمرے میں رہنا ضروری نہیں ہے لیکن ایک چھت کے نیچے رہنا ضروری ہے تاکہ رشتے داروں اور دوسرے لوگوں کو ہماری چالیس دنوں کی دوری دکھائی نہ دے۔“

”میں کل سے بت سوچتی رہی کہ تمہارے ساتھ ایک چھت کے نیچے دن کو کسی طرح گزار لوں گی۔ شاید رات نہ گزار سکوں۔ چالیس راتیں گزارنے کا ایک ہی طریقہ سمجھ میں آیا۔ میں اپنے ساتھ نیند کی گولیاں لاتی ہوں۔“

علی نے پریشان ہو کر اسے دیکھا پھر کہا ”نہیں پامیلا! میں نہیں چاہتا تھیں خواب آور دواؤں کی عادت نہ پڑ جائے۔“

”پڑے۔ دو۔ اسی طرح سوئے۔ دو۔ جاگتی رہی تو تمہیں بکاؤں گی۔“

”تصں اس معاملے میں فلواد ہوں۔ تم مجھے بکا نہیں سکو گی۔“

دیسے میں گمری نیند سونے کا طریقہ بتاتا ہوں۔ اس پر عمل کرو گی تو فوراً نیند آجائے گی۔“

”وہ طریقہ کیا ہے؟“

اس نے بتایا کہ کس طرح ہسٹریٹ کر جسم کو ڈھیلا چھوڑ کر کس طرح دماغ کو ٹھہر ٹھہر کر ہولے ہولے دیات دینی چاہئیں۔ پوری توجہ کے ساتھ دماغ کو دیات دی جائیں تو نیند آجائی ہے۔ اس دوران جلی نے آکر اس سے کہا ”میں پامیلا کے دماغ میں رہ کر یہ باتیں سن رہی ہوں۔ مجھے معلوم تھا کہ اسے آسانی سے نیند نہیں آئے گی۔ بہر حال اطمینان رکھو میں اسے خواب آور دوا استعمال نہیں کرنے دوں گی اسے اپنے طور پر سلا دوں گی۔“

پامیلا نے علی سے پوچھا ”کیا اس طریقہ سے تمہیں نیند آجائی ہے؟“

”بے شک میں آؤمہرہ طریقہ بتا رہا ہوں۔“

”اور اگر نیند نہ آئے تو؟“

”تصں دوسرے کمرے میں جا رہا ہوں۔ نیند نہ آئے تو مجھے آواز دینا۔ میں یہاں آکر تمہیں سلاؤں گا۔“

”تصں نیند سے کہہ رہے ہو تو جاؤ۔ میں سونے کی کوشش کرتی ہوں۔“

علی دوسرے کمرے میں گیا۔ پامیلا ساگ کی سچ پر آکر دلہا کے بھرتی ہوئی۔ دل اور دماغ پر کھوارے ہیں کا پوچھ رہا تھا۔ جب تک یہ لہجہ نہ آتا آئے نیند نہ آئی۔ خواہ وہ ہزار بار دماغ کو دیات دیتی ہمارا ساگن کی طرح جاگتی رہتی۔

تھک کر سلا دیا۔ وہ ذرا سی دیر میں گمری نیند سو گئی۔ اس نے علی کے پاس آکر کہا ”وہ بے خبر سو رہی ہے۔ میں ہر رات اسی طرح اسے سلا دیا کروں گی اور کوئی کام ہو تو بتاؤ۔“

”شکریہ ای! آپ آرام کریں میں صبح چھ بجے تک سوتا رہوں گا۔“

”تھک ہے میں سات بجے آؤں گی۔“ وہ جلی جلی۔ علی ایک ایسی چیز پر آرام سے نیم دراز تھا۔ اسے بھی سو جانا چاہئے تھا لیکن ماں کا انتظار تھا۔ رسوئی ہر رات گیارہ بجے اس کی تحریرت معلوم کرنے آتی تھی۔ کچھ دیر بیٹے سے باتیں کرتی تھی۔ پھر مطمئن ہو کر جلی جاتی تھی۔

وہ تھک وقت پر آئی۔ بیٹے نے سلام کر کے خیریت پوچھی اس نے ڈھیر ساری دعامیں دیں۔ پھر کہا ”تم مجھے دیکھ کر گھٹے تھے۔ میں صحت مند ہوں۔ تمہارے ساتھ جو میل کی دوڑ لگا رہی تھی۔ آج کل تین میل تک دوڑتی ہوں اور آؤمے کھتے تک سانس روکتی ہوں۔ کیا تمہاری مشقیں جاری ہیں؟“

”جی ہاں آج صبح آٹھ کر دوڑش کروں گا۔“

”بیٹے! آج تو ہسٹریٹ رات ہے۔ کیا میری ہوسو رہی ہے؟“

”جی ہاں۔ ابھی ای اسے سلا کر گئی ہیں۔“

”دیسے یہ مجھے پسند نہیں ہے۔ میرے ارمان دل ہی میں رہ جاتے ہیں۔ پہلے ٹائی کو بوسنا چاہا تو تم نے کہا دو برس بعد شادی کرو گے اور اب پامیلا سے شادی کر کے بھی اسے میری ہوس نہیں بنا رہے ہو۔“

”آپ جانتی ہیں میں اور ٹائی ایک دوسرے کو کس قدر چاہتے ہیں اور ہم ہر معاملے میں ایک دوسرے کے ہم مزاج ہوتے ہیں۔ وہ صرف وہی میری شریک حیات بنے گی۔ ہماری زندگی ازدواجی رشتے کا بہترین نمونہ ہوگی۔ جہاں آپ نے اتنا صبر کیا ہے۔ کچھ عرصہ اور صبر کر لیں۔“

”کچھ عرصہ کا مطلب پچیس برس بھی ہوتے ہیں۔“

”اما! اسے عرصہ نہیں مدت کہتے ہیں اور اتنی مدت نہیں لگے گی۔“

”تم کیسے کہہ سکتے ہو۔ ٹائی ادھر جان لیوڑا کی سرپرستی میں ہے۔ چاہئیں کب ٹرانسفا رمر مشین سے گزرے گی اور کب دوبارہ ہمارے ہاتھ آئے۔ تم انتظار میں بوسے ہو جاؤ گے اور میں دنیا سے گزر جاؤں گی۔ اپنی گود میں پوتے پوتیوں کو کھلانے کی حسرت بے گرجاؤں گی۔“

”میں یہ باتیں نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ کی مرضی ہوئی تو آپ اور سو برس نہیں گئیں گی۔“

”اچھا یہ بتاؤ شادی کے وقت دلن کیسے لگ رہی تھی؟“

”میں نے دلہا کی نظر سے نہیں دیکھا پھر کیا بتاؤں وہ کیسی لگ رہی تھی؟“

”بیٹے! اتنی شرافت اچھی نہیں ہوتی۔ پھر اسے دلہن سمجھنا کوئی بد معاشی نہیں ہے۔ تم نے قانون کے مطابق شادی کی ہے۔ میری ایک بات مان لو۔“

”بات ماننے والی ہو تو حکم دیں۔“

”کیا ان تم سے غلط بات منوائے گی؟“

”آپ حکم دیں گی کہ میں پامیلا کو چھ آپ کی بہنو یادوں۔“

”وہ جگہ ہے۔ تم چائیے اسے انکار کر رہے ہو۔“

”میں اس کنواری کی بہتری کے لئے کر رہا ہوں۔“

”کیا بہتری کر رہے ہو؟ اپنا مقصد پورا ہونے ہی اسے روکنے اور آپس بھرنے کے لئے چھوڑ جاؤ گے پامیلا کے دل میں بیٹھ کر ستمو تمہیں اپنی ماں کی دھڑکنیں اور محرومیاں سنائی اور دکھائی دیں گی۔ جب بھی تمہارے پیلا بچھ سے دور ہو جاتے تھے۔ میں ویران ہو جاتی تھی۔ تم یہی ویرانی میری سو کے نصیب میں لکھنے والے ہو۔ وہ تمہارے نام پر بیٹے اور مرے لکے ہے اور تم اسے اندر سے مار کر جاؤ گے۔“

”وہ! آپ! اب مجھے جذبات میں ابھاری ہیں۔“

”میں جذبات سے نہیں اخلاق اور انسانیت کے حوالوں سے بول رہی ہوں۔“

”انسانیت کا تقاضا ہے کہ میں اسے حقیقت بتا دوں چا نہیں حقیقت معلوم ہونے کے بعد اس کے دل میں میری محبت رہے گی یا نہیں لیکن کام بگڑ جائے گا۔“

”کام نہیں بگڑے گا۔ میرا مشورہ ہے، جب تک گولڈن برنز کا سراغ نہ ملے اپنی حقیقت چھپاؤ۔ کامیاب ہونے کے بعد میری سو کو دھوکا دے کر نہ جاؤ۔ اسے صاف صاف بتا دو کہ تم مسلمان ہو۔ اگر وہ راضی خوشی اسلام قبول کرے گی تو تم اسے ساری زندگی کے لئے قبول کر دو گے۔ مجھے یقین ہے جب اسے معلوم ہوگا کہ تم نے اس کی عزت رکھنے کے لئے اسے قریب دیا تھا تو وہ ضرور تمہاری عزت کرے گی۔“

”اور اگر عزت نہیں کرے گی۔ محبت کے بجائے دشمنی پر آمادہ ہوگی تو پھر میں اسے چھوڑ کر مرد پوش ہو جاؤں گا اور میاں سے چلا جاؤں گا۔“

”ہاں اپنی اصلیت ظاہر کرنے کے بعد تمہارا اخلاقی فرض ادا ہو جائے گا۔“

”آپ بہت اچھی ہیں! میں آپ کے مشورے پر عمل کروں گا۔“

”میں اپنی سو کے خوابیدہ دماغ کو چوم کر ابھی آتی ہوں۔“

رسوئی دہاں سے خیال ڈھانی کی پرواز کرتے ہوئے پامیلا کے دماغ میں پہنچ گئی۔ وہ اسے مخاطب نہیں کر سکتی تھی کیونکہ کارمن کی کوچہ ماں نہیں تھی۔ وہ سناں کی حیثیت سے پتہ بول نہیں سکتی تھی۔ پھر یہ کہ وہ ٹیلی ویژن کے ذریعے سلامتی گئی تھی۔ اسے مخاطب

نہیں کیا جاسکتا تھا۔

اور اس کی یہ خاموشی سود مند ثابت ہوئی۔ اس وقت پامیلا کے خوابیدہ دماغ میں کوئی بول رہا تھا۔ ”آج تمہاری ساگ رات ہے اور تم آدھی رات کو ہی سو گئی ہو۔ یہ معاملہ کیا ہے؟“

پامیلا کی خوابیدہ سوچ نے پوچھا ”تم کون ہو؟“

اس سوال نے رسوئی کو سمجھایا کہ دماغ میں آنے والا پامیلا کے لئے انجینی ہے اور آج پہلی بار اس کے پاس آیا ہے۔ آنے والا کہہ رہا تھا ”میں کوئی بھی ہوں تم مجھے نہیں جانتی ہو اور نہ ہی کبھی جان سکو گی۔“

رسوئی نے پامیلا کے دماغ کو اپنے قلوب میں رکھتے ہوئے اس کی سوچ میں کہا ”اپنے حلقے سے تباہ نہ ہو۔ یہ تو تباہ دیکھ کر بھیجے جاتے ہو؟“

”میں تمہارے باپ کو بھی نہیں جانتا تھا۔ شام کو تمہارے بیٹے کے سامنے شادی کی چل پل دیکھی۔ وہاں اعلیٰ حکام اور اعلیٰ فوجی افسران کی بھی گاڑیاں کھڑی ہوئی تھیں۔ اس سے اندازہ ہوا کہ اس بیٹے کا کس راجرموس بہت اہم شخص ہے۔ جس کے گھر اسرائیل کی بڑی بڑی شخصیتیں پہنچی ہوئی ہیں۔“

وہ ایک ذرا توقف سے بولا ”پھر میں تمہاری شادی میں بن بلائے مسلمان کی طرح گیا۔ یہ معلوم کیا کہ تمہارا باپ الیکٹرک ٹیل ڈیپارٹمنٹ کے ایک خفیہ شعبے کا انچارج ہے۔ یہ بڑی جراتی کی بات ہے۔ بجلی کے شعبے کے ایک عہدیدار کے ہاں اس ملک کے تمام خالص ٹیکنکس جمع ہو گئے ہیں۔ میں نے تمہارے باپ کے دماغ میں جانا چاہا اس نے سانس روک لی۔“

پھر وہ ذرا رک کر بولا ”پھر میں تمہارے دلہا کے پاس گیا۔ اس نے بھی سانس روک لی۔ دوسرے تمہارے دماغ میں جگہ مل گئی۔ کیا یہ حیرانی کی بات نہیں ہے کہ ایک ہی ڈیپارٹمنٹ کے سرورٹا دیو گے کے باہر ہیں۔“

رسوئی نے پامیلا کے ذریعے کہا ”اس میں تعجب کی بات کیا ہے۔ کیا ایک پولوان کسی جوان پولوان کو اپنا داماد نہیں بناؤ؟ کیا ایک سی گھر میں دو چار سیاست دان نہیں ہوتے؟“

”ایسا ضرور ہوتا ہے لیکن تمہارے لئے حاکموں اور جنرلوں کے رشتے آ رہے تھے تمہارے باپ نے کارمن کو کیوں داماد بنا لیا جس کا کوئی خاص خاندانی بیک گراؤڈ نہیں ہے۔“

”کارمن میری پسند ہے۔ میرا محبوب ہے۔“

”میں نے شام کو تمہارے چور خیالات پر سے تھے۔ کوئی خاص راز کی بات معلوم نہ ہو سکی۔“

”تم کیا معلوم کرنا چاہتے ہو؟“

”جو معلوم کرنا چاہتا ہوں، وہ تمہارا دماغ نہیں بتائے گا۔ مجھے شبہ ہے کہ تمہارے دماغ کو لاک کیا گیا ہے۔ میں ابھی تم پر عمل کروں گا، تمہیں اپنی معمولی بناؤں کا تو مشغل راز باہر آجائے گا۔“

وہ پامیلا پر عمل کرنے لگا۔ رسوئی اس کی پشت پر تھی وہ محلو نہیں بن سکتی تھیں لیکن ظاہر کر رہی تھی جیسے عامل کے رانس میں آ رہی ہے اور اس کی معمول بن رہی ہے۔ جب اس جینی ٹیلی ویژن جاتے والے کو یقین ہو گیا کہ وہ پوری طرح معمول بن چکی ہے تو اس نے پوچھا ”کیا تمہارا باپ راجرموس اور شوہر کارمن کچھ پراسرار لگتے ہیں؟“

وہ بولی ”پراسرار تو نہیں البتہ ریزرو رہتے ہیں بہت کم گو ہیں۔ میرے باپ کی بہت سی عادتیں کارمن میں ہیں اسی لئے میں سے بہت جانتی ہوں۔“

”کیا سرکاری ملازمت کے علاوہ بھی ان کی کچھ سرگرمیاں ہیں۔“

”ان کی ڈیوٹی کا کوئی وقت مقرر نہیں ہے۔ وہ آدھی رات کو بھی فون کال سن کر ڈیوٹی پر جاتے ہیں۔“

”کیا کارمن آدھی رات کے وقت بھی دلہن کو چھوڑ کر ڈیوٹی پر گیا ہے۔“

”شاید گیا ہے۔ میں ابھی سو رہی ہوں، میری آنکھیں بند ہیں۔ میں یہ دیکھ نہیں سکتی کہ وہ میرے بستر پر موجود ہے یا نہیں؟“

”اب میں تمہیں جو حکم دوں گا تم اس پر عمل کرو گی۔“

”عمل کروں گی۔“

”میں نے اس بیٹے کے بیرونی دروازے کے پاس ایک چھوٹی سی شیشی رکھی ہے۔ تم حج کارمن کی چائے میں اس شیشی کے دو قطرے ڈالو گی۔“

”میں کارمن کی چائے میں اس شیشی کے دو قطرے ڈالوں گی۔“

”تم ایک گھنٹے تک غور سے سوئے کے بعد اٹھو گی، بیرونی دروازہ کھول کر وہ شیشی فرش پر سے اٹھا کر کمرے میں واپس آؤ گی اور شیشی کو چھپا کر رکھو گی۔“

پامیلا نے حکم کی تعمیل کا وعدہ کیا۔ وہ بولا ”تمہارا باپ راجرموس تم سے ملنے آئے گا۔ تمہیں جگہ جگہ کی تو راجرموس کو بھی دودھ پانا ہے۔ میں اسی شیشی کے دو قطرے ملا کر پاؤں گا۔“

پھر اس نے پامیلا کو ایک گھنٹے تک گہری نیند سونے کا حکم دیا۔ رسوئی نے علی کے پاس آکر اس انجینی ٹیلی ویژن جاتے والے کی تمام روداد سنائی۔ علی نے یہ سننے کے بعد بیڑا لے کر انداز میں کہا ”یہ کون شخص ہے۔ ہماری ٹوہ میں کیوں لگا ہے؟“

رسوئی نے کہا ”وہ شام کو تمہاری شادی کی تقریب میں موجود تھا کہ وہ اسی شیشی میں رہتا ہے۔“

”اما! آج کل تمام ٹیلی ویژن جاتے والے اسے محتاط ہو گئے ہیں کہ جہاں ٹیلی ویژن کا کھیل کھیلنے ہیں وہاں خود موجود نہیں رہتے۔ اپنے آلہ کاروں کے ذریعے واردات کرتے ہیں۔ جان لہو! اپنے خیال خوائی کرنے والے ماتحتوں کو ان کی پتاہ گاہ سے نکلنے

نہیں دیتا ہے۔ ساک میں بھی اپنے اکلوتے خیال خوائی کرنے والے کو ساک سے باہر جانے نہیں دے گا۔ یہاں جو بھی خیال خوائی کرنے والا آیا تھا اور میری شادی انڈیز کی تھی اس کا تعلق یہودیوں سے ہے۔ گولڈن برنز کے ماتحت رہنے والوں میں سے کوئی ٹیلی ویژن جاتے والا باقی ہو گیا ہے۔ وہ اسرائیل کی اہم شخصیتوں تک اور گولڈن برنز تک پہنچنا چاہتا ہے۔“

”تمہارا یہ اندازہ ہی حد تک درست لگتا ہے۔ پچھلے دنوں گولڈن برنز نے اپنے ایک ٹیلی ویژن جاتے والے جنرل پارکن کو سزا دی تھی اسے اس کی رہائش گاہ میں نظر بند رکھا تھا۔ معلوم ہوتا ہے یہ قید سے نکل بھاگا ہے۔“

”اما! آپ کسی حاکم کے خیالات پڑھ کر کچھ معلوم کر سکتی ہیں۔“

”ٹھیک ہے میں ابھی آتی ہوں۔“

وہ ایک حاکم کے دماغ میں آئی۔ وہ سو رہا تھا۔ اس کے خوابیدہ خیالات نے تاپا کہ پچھلے میں کھٹنے سے جنرل پارکن لپا ہے۔ وہ اپنے بیٹے میں نظر بند تھا۔ ٹیلی ویژن کے ذریعے پھر اداوں کو رنپ کر کے فرار ہو گیا ہے۔ پورے ملک کے جاسوس چھوٹے بڑے مشروں میں اسے تلاش کرتے پھر رہے ہیں۔

ماں نے بیٹے کے پاس آکر یہ باتیں بتائیں۔ علی نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے کہا ”اما! پندرہ منٹ کے بعد پامیلا کی غور سے نیند کا ایک گھنٹا پورا ہو جائے گا۔ جنرل پارکن یہی سمجھ رہا ہے کہ غور سے عمل کامیاب ہوا ہے۔“

”ہاں وہ یہی سمجھ رہا ہے۔“

”وہ پامیلا کے دماغ میں آکر ہمارے بیٹے کے باہر چپ کر رہے ضرور دیکھ گے گا کہ وہ بیرونی دروازہ کھول کر شیشی اٹھائے گی یا نہیں۔“

”بیٹے! میرا خیال ہے وہ پامیلا کے دماغ میں یہ کر رہی ہے معلوم کرے گا۔“

”پھر مجھ میں چپ کر باہر جا رہا ہوں۔ جب آپ کو یقین ہو جائے کہ وہ پامیلا کے پاس نہیں ہے تو آپ میرے پاس آجائیں۔ اس کے بعد جو کرنا ہے وہ میں آپ کو بتاؤں گا۔“

وہ کمرے سے نکل کر بیٹے کے پیچھے لے کر طرف جانے لگا۔ رسوئی وقت کے مطابق پامیلا کے پاس آئی۔ اسے ٹھیک ایک گھنٹے بعد بجایا وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ بیٹے سے اتار چلتی ہوئی کمرے سے باہر آئی پھر آگے بڑھتی ہوئی بیرونی دروازے تک پہنچی۔ اسے کھول کر بیٹے فرش پر دیکھا وہاں ایک شیشی رکھی ہوئی تھی۔ پامیلا نے اسے اٹھالیا۔ دروازے کو دوبارہ بند کر کے کمرے کی طرف واپس جانے لگی۔

اس کی سوچ نے کہا ”مجھے کارمن کے کمرے میں جھانک کر دیکھنا چاہئے وہ سو رہا ہے یا جاگ رہا ہے۔“

اسکی سوچ سے اندازہ ہو رہا تھا کہ یارکن ہاسٹل کے ذریعے کارمن کی مصروفیات معلوم کرنا چاہتا ہے۔ ہاسٹل کھڑکی کے پاس آئی وہ ہندوئی اندر پردہ پڑا ہوا تھا۔ چہرہ دروازے کے پاس آئی وہ اندر سے لاک تھا۔ اس نے دروازے پر دستک دی۔ دوسری بار بھی دستک دینے سے دروازہ نہ کھلا تو رسوٹی نے اس کی سوچ میں کہا "چھٹی کچی کارمن! میری جیسی کال پر ڈیوٹی لے لے گیا ہے۔" اس بات سے جزل پارکن کو اطمینان ہو گیا ہو گا۔ رسوٹی نے ہاسٹل کو کمرے میں لا کر اسے بستر پر لایا شیشی کو تھیکے کے نیچے رکھوایا۔ پھر اس کی آنکھ بند کرانی۔ اسے نیند کی آغوش میں پھانسنے لگی۔ علی بنگلے کے چپکے حصے سے نکل کر اگلے حصے کی طرف گیا تھا۔ ایک جگہ چھپ کر دیکھ رہا تھا۔ اس کے بنگلے کے سامنے کھلی کے راستے پر ایک کار کھڑی ہوئی تھی۔ کوئی یہ دیکھنے آیا تھا کہ ہاسٹل دروازہ کھول کر شیشی پھانسنے یا نہیں؟ علی جھٹکا ہوا دے قدموں سے کار کے قریب پہنچا۔ سرانگہا دیکھا اندر کوئی نہیں تھا۔ چھپا دروازہ بند تھا۔ ڈرائیونگ سیٹ والا دروازہ کھلا تھا۔ وہاں سے کوئی نکل کر کارمن کے بنگلے کے احاطے میں گیا ہو گا۔

اس نے اندر ہاتھ ڈال کر چپکے دروازے کو کھولا اور پھر اندر آکر دروازے کو بند کر کے اگلی چپکلی سیٹوں کے درمیان لیٹ گیا۔ اس کا راکٹ جزل پارکن نہیں ہو سکتا تھا۔ اگر وہ ہوتا تو کار کی سیٹ پر بیٹھ ہی بیٹھ ہاسٹل کے داغ میں بھی پہنچا اور کار کی کھڑکی ہی سے اسے دروازہ کھول کر شیشی اٹھاتے ہوئے دیکھ سکتا تھا۔ رسوٹی ابھی تک بیٹے کے پاس نہیں آئی تھی۔ اس سے بھی علی نے سمجھ لیا تھا کہ پارکن ہاسٹل کے داغ میں ہے اور اما اپنی سو کے داغ کو کنٹرول کر رہی ہے۔

تھوڑی دیر بعد قدموں کی چاپ سنائی دی پھر کوئی اٹھا دروازہ کھول کر بیٹھ گیا۔ دروازے کو بند کر کے اس نے کار اشارت کی پھر اسے ڈرائیو کرتے ہوئے کہیں جانے لگا۔ علی دونوں سیٹوں کے درمیان خاموش پڑا ہوا تھا۔ اپنی ماں کا انتظار کر رہا تھا۔

رسوٹی نے آکر کوڈرڈز ادا کئے۔ اسے بتایا کہ پارکن ہاسٹل کے ذریعے معلوم کرنا چاہتا تھا کہ کارمن کمرے میں موجود ہے یا نہیں۔ پارکن کو یہ اطمینان دلا یا گیا ہے کہ کارمن ابھر جیسی ڈیوٹی پر گیا ہے۔

علی نے کہا "میں اس کا ردالے کو بولنے پر مجبور کروں گا۔ اگر اس کے داغ میں جگہ نہ ملے تو میں اسے سانس روکنے نہیں دوں گا۔ آپ معلوم کریں کہ یہ پارکن ہے یا اس کا کوئی آلہ کار ہے؟" وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ پھر وہاں سے اٹھ کر چپکلی سیٹ پر آیا تو ڈرائیو کرنے والا عقب نما آئینے میں دیکھ کر چونک گیا۔ فوراً بریک لگا کر گاڑی کو روکا اور پیچھے گھوم کر دیکھتے ہوئے بولا "کون ہو تم؟" دوسرے ہی لمحے اس نے سانس روک لی۔ علی نے پوچھا "کیا یہ سانس روک رہا ہے؟"

ماں نے کہا "ہاں بیٹا!" علی نے کرانے کا ایک فلوڈی ہاتھ اس کے منہ پر دھر لیا۔ کار والے کو ایسا ہی لگا جیسے منہ پر آہنی سلاح کی ضرب لگی گئی ہے۔ اس کی ناک اور پاچوں سے خون نکلنے لگا تھا۔ چند لمحوں کے بعد رسوٹی نے کہا "مبارک ہو۔ عیاد اپنے دام میں خود آپ آگیا۔ یہ گینت جزل پارکن ہے۔" "ٹھیک ہے، اما! اسے یہ نہ معلوم ہونے دیں کہ آپ اس کے اندر موجود ہیں۔"

پارکن تکلیف برداشت کرتے ہوئے چوری چھپے جیب سے ریو اور نکال رہا تھا۔ علی نے دوسرا ہاتھ منہ پر رسید کیا۔ وہ ہاتھ ناقابل برداشت تھا۔ وہ چکر اکر اسٹریٹنگ کے نیچے لٹکنا ہوا گیا۔ پھر وہاں سے اٹھ نہ سکا۔

رسوٹی نے کہا "یہ بے ہوش ہو گیا ہے۔" علی پچھلا دروازہ کھول کر آئے۔ آیا۔ اٹھا دروازہ کھول کر اس نے پارکن کو اٹھا کر ساتھ والی سیٹ پر ڈالا۔ پھر اسٹریٹنگ نکال کر گاڑی کو اشارت کیا۔ رسوٹی نے کہا "اسے ختم کر دو۔ یہودی خیال... خروانی کرنے والا ایک اور کم ہوجائے گا۔"

"نہیں! میں اس سے فائدہ اٹھانا چاہتا ہوں۔ اس ایک کے فرار ہونے سے یہاں کے اعلیٰ حکام سے لے کر گولڈن بریڈنگ پریشان ہیں۔ اگر میں اسے واپس ان کے پاس پہنچا دوں تو میرے محب وطن یہودی ہونے کی دھماک بیٹھ جائے گی۔ سب مجھ پر پلے سے زیادہ اندھا اعتماد کرنے لگیں گے۔"

"تم درست کہتے ہو لیکن ٹیلی فنی ایک خطرناک ہتھیار ہے۔ اسے پہلی فرصت میں خالص کر دینا چاہئے۔"

"آپ اس کے داغ میں پہنچ چکی ہیں۔ کسی وقت بھی اسے ختم کر سکتی ہیں۔ لی الحال مجھے اپنی چال چلنے دیں۔"

وہ ڈرائیو کرتا ہوا ہاسٹل کے باپ راجر موس کے بنگلے کے سامنے پہنچا۔ چونکہ رات کے اس کے لئے گیت کھولا۔ وہ ڈرائیو کرتا ہوا احاطے میں آیا۔ کار سے اتر کر کال بیل کے فٹن کو دایا۔

تھوڑی دیر بعد راجر موس نے بند دروازے کے پیچھے سے پوچھا "کون ہے؟"

"انکل! میں ہوں کارمن۔"

دروازہ کھل گیا۔ اس نے پریشان ہو کر پوچھا "بیٹا! خبیث ہے! اتنی رات کو آئے ہو۔ ہاسٹل کہاں ہے؟"

"وہ خبیثت سے ہے۔ میں ایک دشمن کو زخمی کر کے لایا ہوں۔ آپ کسی اعلیٰ پولیس افسر کو کال کریں۔"

اس نے کار کا دروازہ کھولا۔ بے ہوش پارکن لڑھک کر باہر آگرا۔ راجر موس نے پوچھا "یہ کون ہے؟ اسے کہاں سے لا رہے ہو؟"

"یہ رات کے دو بجے ہمارے بنگلے کے سامنے آیا تھا۔ کار سے

اتر کر ہمارے احاطے میں ایک جگہ چھپ گیا تھا۔ میں ایک کھڑکی کے پیچھے سے دیکھ رہا تھا۔ پھر میں بنگلے کے پیچھے سے نکل کر چھپتا ہوا اس کی کار میں آکر بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر بعد میں نے کار کی کھڑکی سے دیکھا۔ ہاسٹل اینڈ کی حالت میں چلتی ہوئی دروازہ کھول کر باہر آئی پھر فرش پر سے ایک شیشی اٹھا کر اندر چلی گئی۔"

راجر موس نے پوچھا "اس شیشی میں کیا تھا؟"

"میں نہیں جانتا۔ یہ ہوش میں آکر بتائے گا۔ میں نے اس کی پانی کی بے ہوش کر کے گاڑی میں ڈالا پھر بنگلے کے اندر جا کر دیکھا تو ہاسٹل کمری نیند میں تھی۔ مجھے شبہ ہے کہ یہ شخص ٹیلی فنی بیٹھی جاتا ہے۔ اس نے میری ہاسٹل کو چھتا کر دے وہ شیشی دی ہے۔"

علی بے ہوش پارکن کو اٹھا کر ڈرائنگ روم میں لایا۔ پھر اس کی جیب سے ریو اور نکالا اور راجر موس کو دے کر کہا "آپ پولیس کے آئے تب تک اس شخص کی عمرانی کریں۔ میں گھر جا کر ہاسٹل کو لے کر آتا ہوں۔"

وہ راجر موس کی کار لے کر تیزی سے ڈرائیو کرتا ہوا اپنے بنگلے میں آیا۔ اپنی ماں سے بولا "آپ ہاسٹل کے پاس جا نہیں۔ اسے یاد دلانیں کہ وہ بھی سوری تھی اور بھی جاگ رہی تھی۔ ابھی جاننے کے بعد اسے یاد آئے کہ اس نے باہر سے ایک شیشی لا کر اپنے بنگلے کے نیچے رکھی تھی۔"

جب وہ اپنے بنگلے کے اندر آیا تو ہاسٹل بیدار ہو گئی تھی۔ اسے دیکھ کر بولی "میری سمجھ میں نہیں آتا میں اتنی دیر سے سوری تھی یا جاگ رہی تھی۔"

علی نے پوچھا "یہ تمہارے ہاتھ میں کیا ہے؟"

"یہ شیشی ہے مجھے ایسا لگتا ہے میں نیند میں چلتی ہوئی باہر گئی تھی وہاں سے یہ بھری ہوئی شیشی لائی تھی۔"

وہ شیشی لے کر اسے پھٹکتے ہوئے بولا "کوئی ٹیلی فنی یا ہٹا ہٹا جانے والا تمہارے داغ سے کھیل رہا تھا۔ میں نے اس پر دھماکا کی خوب پائی کی ہے۔ اسے تمہارے ڈیوٹی کے پاس پہنچا کر آ رہا ہوں۔ چلو ہم وہاں چلیں۔"

وہ حیرانی سے بولی "آپ ہاتھ ہو گیا اور مجھے خبر نہ ہوئی۔"

وہ میرے ساتھ آکر اپنے باپ کی کار میں بیٹھ گئی۔ علی نے کہا "تم ہٹا ہٹا کی گئی تھیں۔ ابھی اپنے حواس میں ہو۔ یہ یاد رکھو کہ ہم یہاں بیڑی ہیں۔ ہم نے مساک رات گزار دی ہے۔"

اس نے کچھ مدد سے اور کچھ شرابے ہوئے سر کو جھکا لیا۔ وہ بولا "تم ایک کنواری کی طرح شرابہ دی ہو۔ تمہاری مٹی جمانا دی ہیں۔ وہ ہماری چوری پکڑ لیں گی۔"

"میں نہیں جانتی ایک مساکن کیسے مسکراتی ہے مجھے اور آج کو میں نہ ڈالوں۔"

علی جانتا تھا کہ اما یہ باتیں نہ ہی ہیں۔ وہ ہاسٹل کی ماں کو اندر کی باتیں سمجھنے کا موقع نہیں دیں گی۔ وہ اپنے سرال پہنچ گیا۔

ماں نے اپنی بیٹی کو گنگے لگایا۔ وہاں پولیس کے اعلیٰ افسران پہنچ گئے تھے۔ ہاسٹل کا بیان سن کر انہیں یقین ہو گیا کہ یہ ٹیلی فنی کا چکر چل گیا ہے۔

اعلیٰ حکام سے رابطہ کیا گیا۔ گولڈن بریڈنگ خبر پہنچی اس کے بعد ہی اہل خیال خروانی کے ذریعے پارکن کے داغ میں آگئی۔ اس نے تصدیق کی کہ وہ جزل پارکن ہے۔ یہ انکشاف ہوتے ہی پارکن کو ہتھکڑی پٹنادی گئی۔

اہل خیال خروانی کے ذریعے سوالات کرنے لگی۔ پارکن افسران کے سامنے زبان سے جوابا بولنے لگا۔ "میں نے فرار ہونے کے بعد فیصلہ کیا تھا کہ یہاں ہسپتال میں رہوں گا۔ تمام خیال خروانی کرنے والوں کا اور گولڈن بریڈنگ کا سراغ لگانا گا۔ مسٹر راجر موس کے ہاں شادی کی تقریب میں اعلیٰ حکام اور اعلیٰ فوجی افسران کو دیکھ کر میری عقل میں آیا کہ راجر موس غیر معمولی اہمیت رکھتا ہے۔ میں نے اس کے اور کارمن کے داغوں میں پہنچنا چاہتا تھا چلا دونوں سر داماد ہو گا کہ باہر ہیں۔"

اپنے لے گا "اس لئے تم نے اس کی بیٹی ہاسٹل کے ذریعے ان کے داغوں میں پہنچنے کی کوشش کی اور وہ ضرور سامان کی شیشی اس کے پاس پہنچائی۔"

"ہاں! یہی ایک طریقہ تھا۔ میں کارمن اور راجر موس کے داغوں کو گزور دینا کر ان کی غیر معمولی اہمیت کو سمجھ سکتا تھا۔"

"تم کسی کو آلہ کار بنا کر وہ شیشی ہاسٹل کے دروازے پر رکھ سکتے تھے۔ تم نے خود وہاں جانے کی حماقت کیوں کی؟"

"جب تک فکھو نہ گئے اپنی حماقت سمجھ میں نہیں آتی۔ پھر یہ مجبور ہی تھی کہ کسی پر عمل کر کے اسے اپنا آلہ کار بنانے کا موقع نہیں ملا تھا۔ یہ خود اعتمادی تھی کہ میں ٹیلی فنی کی حماقت سے تنہا یہ کام کر کر دوں گا۔ یہ خواب و خیال میں بھی نہیں تھا کہ کارمن بڑی چالاکی اور خاموشی سے مجھے اس انجام کو پہنچا دے گا۔"

گولڈن بریڈنگ کے فیصلے کے مطابق ایک اعلیٰ حاکم نے پولیس افسران کو حکم دیا "جزل پارکن کو اسی وقت مٹری اسپتال کے آپریشن حویلی پہنچاؤ۔ اس سے پہلے کہ ٹیلی فنی جانے والے دشمن راٹھا کی طرح پارکن کے داغ میں بھی پہنچیں۔ اس کا برین واش کر دیا جائے گا۔"

پھر گولڈن بریڈنگ کی طرف سے اعلیٰ حاکم نے کہا "مسٹر کارمن ہیرالڈ تم نے پارکن کو گرفتار کر کے ملک اور قوم کو ایک بڑے نقصان سے بچایا ہے۔ گولڈن بریڈنگ تمہاری حب الوطنی اور فرض شناسی سے بہت خوش ہیں اور مسٹر راجر موس کو..."

اعلیٰ حاکم نے اوپر اڑھ کر دیکھ کر پوچھا "یہ مسٹر موس کہاں چلے گئے؟"

راجر موس نے بنگلے کے اندر دھکی سے ڈرائنگ روم میں

آتے ہوئے کہا "یکیدوزی" ذرا دوش موم میں گیا تھا۔
اعلیٰ حاکم نے کہا "تم نے مسٹر کارمن کو داما دینا کر اور اپنے
شبے میں ترقی دے کر دانشمندی کا ثبوت دیا ہے۔ گولڈن برنز تم سے
بہت خوش ہیں۔"

پولیس افسران جنرل پارکن کو لے گئے۔ رسوئی نے آکر کہا۔
"بیتے تم نے ان کا بھرپور امداد حاصل کیا ہے لیکن برن داغ
کے بعد پارکن کی آواز اور لہجہ بدل جائے گا۔ میں اس کے دماغ کو
گرفت میں نہیں رکھ سکوں گی۔"

"اما! میرا کام ہو گیا۔ اب آپ سلمان انکل سے کہیں کہ وہ
پارکن کی آواز اور لہجے میں جان لیوا داسے مدد کی اپیل کرے اور
اسے بتائے کہ اس کا برین واٹش ہونے والا ہے۔ اس کے بعد
یودی اور امریکی خیالی خوانی کرنے والے پارکن کے دماغ کو
میدان جنگ بنائیں گے۔ اب آپ جائیں۔ الپا وغیرہ میرے دماغ
میں اچانک آسکتے ہیں۔"

وہ چلی گئی۔ راجر موم نے کہا "بیتے کارمن! میں تم پر جتنا بھی
فخر کروں کم ہے۔ تم نے حکمرانوں اور گولڈن برنز کے سامنے میرا سر
اونچا کر دیا ہے۔"

اس نے پوچھا "انکل! یہ کچھ میں نہیں آیا کہ گولڈن برنز کی
باتیں یہاں تک کیسے پہنچ رہی ہیں؟"

وہ مسکرا کر بولا "ابراہیم! جس کا چیف اپنی کار میں بیٹھا
ہے۔ وہاں ڈیش بورڈ کے ساتھ ایک کمپیوٹر ہے۔ اس کمپیوٹر کے
ذریعے ہماری باتیں گولڈن برنز تک اور ان کی باتیں ہم تک پہنچ
رہی ہیں۔"

"لیکن یہ باتیں کون یہاں سے رہا ہے؟"

"تم سمجھ رہے ہو وہ اعلیٰ حاکم براہے اس لئے ایک کان میں
ایزرفون لگایا ہے۔ دراصل اس ایزرفون کے ذریعے اعلیٰ حاکم انٹیلی
جس کے چیف کی باتیں رہا ہے۔ اور چیف کمپیوٹر اسکرین کی
تحریر پڑھ کر اس حاکم کو بتا رہا ہے۔"

علی اس کی وضاحت سن رہا تھا اور سوچ رہا تھا۔ راجر موم
اپنے ہنگلے کے بار نہیں گیا۔ البتہ ہنگلے کے اندرونی حصے میں گیا تھا
اور یہ بتایا تھا کہ وہ دوش موم میں گیا تھا۔ بہر حال جب وہ باہر نہیں
گیا تھا تو اسے کس نے بتایا تھا کہ چیف کی گاڑی میں کمپیوٹر ہے اور
وہ گاڑی میں بیٹھ کر فون کے ذریعے اعلیٰ حاکم سے رابطہ کر رہا ہے۔

یہ بات سب ہی جان سکتے تھے یا اندازہ کر سکتے تھے کہ چیف
سراغ فرماں اور اعلیٰ حاکم کے درمیان رابطہ رہتا ہے لیکن یہ کسی کو
معلوم نہیں ہو سکتا تھا کہ وہ گولڈن برنز کا پیغام ایک دوسرے تک
پہنچا رہے ہیں اور یہ بات کانوں میں ہیڈ فون لگانے بغیر راجر موم کو
معلوم ہوئی رہی تھی۔

اس طرح یہ شبہ ہوا کہ راجر موم گولڈن برنز سے کوئی تعلق
ضرور رکھتا ہے اور وہ تھوڑی دیر پہلے دوش موم میں گیا تھا کسی

دوسری جگہ سے ہو کر آیا تھا۔ علی کے اندر ایک گہری پگھلاؤ
جب تک اسے کھول نہ لیتا ایک بے چینی سی رہتی۔
اعلیٰ حاکم اور دوسرے افسران وہاں سے رخصت ہو گئے
اس نے پاسیلا سے پوچھا "تم نہیں چلو گی؟"

"چلو رات پوری گزر گئی۔ چار بج رہے ہیں۔"
ساس نے کہا "اس وقت کہاں جاؤ گے؟ میں آرام کروں۔"
راجر موم نے کہا "بیتے کارمن! اتم تمام رات جاگتے رہے
ہو۔ کل تمہاری چھٹی ہے۔ یہاں دیر تک نیند پوری کر سکتے ہو۔"

وہ خود وہاں رہتا چاہتا تھا۔ یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ راجر
موم کا وہ دوش موم کہاں ہے جہاں وہ ایسے وقت گیا تھا جب ایک
اہم مفروضہ ٹیلی جیجی بننے والا پکڑا گیا تھا اور اس کا حامیہ کیا جانا
تھا۔ پاسیلا اپنے سیکے میں رہتا نہیں جانتی تھی۔ وہاں ہاں پاپ کے
سامنے اسے شوہر کے ساتھ ایک کمرے میں رہنا پڑتا اور وہ اتنی
بڑی آزمائش سے گزرنا نہیں چاہتی تھی۔

دونوں میاں بیوی سرگوشیوں میں شور مچانے لگے۔ پاسیلا
کے والدین سمجھتے تھے کہ وہ نئے دلہا دلہن ہیں۔ زندگی کے نئے دن
اور نئی راتیں رشتہ داروں سے اور دوسری مداحوں سے دور
گزارنا چاہتے ہیں۔ تاہم پہلی رات بڑی واردات ہوئی تھی کہ
بچی کو ابھی سرسرا نہیں سمجھنا چاہتے تھے۔

ساس نے کہا "میں سمجھتی ہوں۔ بہت کچھ سمجھتی ہوں مگر ابھی
بچی کو نظروں سے دور کرنے کو دل نہیں مانتا۔ ابھی وہ جاؤ کل شام
کو چلے جانا۔"

دونوں کو وہاں رہنا پڑا۔ ساس نے ایک کمرے میں دودھ اور
پھل وغیرہ لا کر رکھ دیے۔ پھر انہیں وہاں چھوڑ کر چلی گئی۔ علی نے
دروازے کو اندر سے بند کرتے ہوئے کہا "زندگی میں بڑی بڑی
آزمائشوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ تم جی سی کی آزمائش سے پریشان
رہی ہو۔"

وہ ایک ہاتھ سے سر تھام کر صوفے پر گر پڑی۔ اس کا نور اور
گلابی چہرہ ختم رہا تھا اور وہ آنکھیں بند کئے گہری سانس لے رہی
تھی۔ علی نے اسے غور سے دیکھا پھر پوچھا "کیا ہوا؟"

وہ کچھ نہ بولی۔ صوفے پر کبھی یہ بھلو کبھی وہ بھلو ہونے لگی۔
قریب آکر بولا "پاپی! طبیعت تو ٹھیک ہے؟"

اس نے اس پر ہاتھ رکھا تو تپا پٹا بدن گرم ہو رہا ہے۔
اس نے پیشانی کو پتھر کو دیکھا اور کہا "تمہیں تو بخار ہے۔ سنو
چلو میں ڈاکٹر کو کال کرتا ہوں۔"

پاسیلا نے اچھکے آکھوں سے اس انداز میں اسے دیکھا
جیسے کسی انڈی کو دیکھ رہی ہو۔ پھر وہی آواز میں بولی "ڈاکٹر کو
بلاؤ۔"

"کیوں نہ بلاؤں؟"
وہ آنکھیں بند کرتے ہوئے بولی "مجید کھل جائے گا۔"

علی تھوڑا سا سر جھک گیا۔ بخار کچھ میں آیا۔ کسی کے بدن پر
کوڑے مارنا ایسا ظلم نہیں ہے جیسا کہ وہ ظلم کر رہا تھا۔ کیوں کر رہا
تھا؟ جبکہ وہ بیوی تھی۔ اس کے ساتھ جو تعلق ہوتا تھا وہ جائز ہوتا۔

وہ جس ذات سے سوچتا تھا اسی ذات نے اسے سمجھا دیا کہ
آئندہ کیا ہوگا؟ اس کا ظلم صرف خدا کو ہے۔ بندہ تو صرف سوچتا ہے
کہ ایسا ہو گا مگر دیکھا جاتا ہے۔ وہ سوچتا تھا ایک دن جب وہ پاسیلا
کو چھوڑ کر جائے گا تو پاسیلا اپنی عزت کا اور سماگ کا نام کرے
گی۔ جبکہ وہ ابھی اس ادھر سے مکمل اور محرومیت سے بھرپور
سماگ کا نام کر رہی تھی۔

وہ بعد میں رانا نہیں چاہتا تھا اور ابھی رانا تھا۔ یہ کوئی
دانشمندی نہیں تھی۔ ایسا وہ لوگ کرتے ہیں جو مستقبل کو خدا کی
رضائے نہیں دیکھتے۔ اپنی مرضی کے مطابق دیکھنا چاہتے ہیں۔ یہ
اپنے رب پر کمزور اعتماد کی دلیل ہے۔

وہ اسے دونوں بازوؤں میں اٹھا کر کھڑا ہو گیا۔ پاسیلا نے
آنکھیں کھول کر دیکھا۔ اس کی گردن میں بائیں ڈال دیں۔ سینہ پہ
بند ہو کر دل کی دھڑکنیں خانے لگی۔ پھر جھک کر بولی۔ "میں"
مجھے چھوڑ دو۔ ہاتھ نہ لگاؤ۔ بلی کی پیش گوئی کے مطابق ہمارے
درمیان فاصلہ رہنا چاہئے۔"

"تمہارا علاج ضروری ہے۔ ڈاکٹر دیر سے آیا ہے مگر آیا
ہے۔"

"کہاں ہے وہ؟"

اس نے بنگ کے پاس آکر اسے بستر لٹا دیا۔ اس کی کلائی
قائم کر رکھی کی رفتار دیکھی۔ مرض کی گفتار سنی، بخار کا نمبر پچھڑ دیکھا
گیا اور دوا کر آیا۔ بعض مریض رات سے صبح کر دیتے ہیں۔ وہ
مریض بھی رشتہ دار نہ مل رہی تھی۔

جب ہوش میں آئی تو گھبرا کر بولی "اوہ کارمن! میری جان! اتم
نے قریب آکر اپنی زندگی داؤ پر لگا دی ہے۔"

وہ بولا "اسی کوئی بات نہیں ہے۔ تم پہلی رات گیارہ بجے سو گئی
تھیں۔ تھوڑی دیر کے لئے میری آنکھ کھلی گئی تھی۔ میں نے خواب
دیکھا ایک بزرگ کو دیکھا۔ وہ شاید بلی اختیار کرتے۔"

"وہ خواب میں آئے تھے؟"

"ہاں! کہہ رہے تھے۔ تم دونوں نے اپنی جان کا خطرہ مول لے
کر شادی کی ہے۔ شادی کے بعد جذبات کو مارنا اور رہنمائی کا
راستہ اختیار کرنا جائز نہیں ہے۔ تم آزاد دینی رشتہ قائم کر سکتے ہو مگر
ایک شرط ہے۔"

پاسیلا نے پوچھا "کیسی شرط؟"

"میرے کہاں کبھی شرط ہے۔ تمہی کا کارمن دلن کی جگہ پر جانے کا
منا ہے۔ لہذا دلن کے لئے خاص طور پر سرسرا میں جو جج
ٹھکانے اس جج پر نہ جاؤ۔ اب نئی شرط ہے کہ دلن کے سیکے میں
میرے لئے جج کا انتظام ہو۔ تم نے دیکھا پاسیلا! قدرتی طور پر ایسا

چکر چل گیا کہ پہلی رات ہی تم سرسرا سے سیکے آگئیں اور تمہاری
کمی نے مجھے یہ سچ دی۔ دہلی کی شرط پوری ہو گئی۔"

وہ خوش ہو کر بولی "یہ تو ہماری ازدواجی زندگی میں ایک معجزہ
ہو گیا۔ میں بیان نہیں کر سکتی کہ میں کتنی خوش ہوں۔ مجھے دنیا جہان
کی دولت مل گئی ہے۔"

"میں چاہتا ہوں تم چالیس راتوں تک میرے گھر کی سچ پر نہ
آؤ۔ کیا ہم دو چار راتیں اسی کمرے میں گزار سکتے ہیں؟"

"ضرور۔ میرے کمرے کی اور ڈھکی ہمارے یہاں رہنے سے بہت
خوش رہیں گے۔ ہم یہاں سے چالیس دن بعد جائیں گے۔"

"تمہیں! میں! اس دن سرسرا میں نہیں رہوں گا۔ مجھے دوسرا
شاندار بیٹھکا سرکاری طرف سے ملے والا ہے۔ ہم موجودہ ہنگلے کی
نخواست سے نکل کر نئے گھر میں ازدواجی زندگی گزاریں گے۔"

وہ مارے خوشی کے اس پر قربان ہو رہی تھی۔ علی کو یاد تھا کہ
صبح سات بجے اسی آنے والی تھی۔ وہ چاہتا تھا تھوڑی دیر کے لئے
تختاں مل جائے تاکہ اسی سے ضروری باتیں کر سکے۔

سات بجے کے بعد تختاں مل گئی۔ پاسیلا نے باتیں کرتے کرتے
آنکھیں بند کیں۔ پھر ایک منٹ کے اندر ہی سو گئی۔ لیٹی علی کو
مخاطب کیا کہ گولڈن برنز آؤ۔ پھر بولی "شادی مبارک ہو۔"

وہ مسکراتے ہوئے بولا "اسی! آپ کے جانے کے بعد اما آئی
تھیں۔ پاسیلا کو کچھ سوچا۔ وہ بونائے کی ضد کر رہی تھیں۔ کچھ میرے
ذہن نے کہا کہ آئندہ کی باتیں خدا پر چھوڑنا چاہئے۔ اس لئے۔"

وہ بولی "اب تم وضاحت نہ کرو۔ یہ بہت اچھا ہوا۔ میں خوش
ہوں۔ تمہارے بابا کو کبھی خوشی ہوگی۔"

"اسی! رات کو آپ کے جانے کے بعد وہ ٹیلی جیجی جانے والا
جنرل پارکن میرے ہاتھ لگ گیا تھا۔"

"مجھے معلوم ہو چکا ہے۔ میں بہت دیر سے پاسیلا کے خیالات
پڑھ رہی تھی۔ ابھی میں نے ہی اسے ٹیلی جیجی کے ذریعے سلا یا
ہے۔ یہ یاد۔ دو چار روز سرسرا میں رہنے کا فیصلہ کیا ہے؟"

وہ بولا "مجھے شبہ ہے کہ راجر موم کا براہ راست تعلق گولڈن
برنز سے ہے۔"

"تمہیں کوئی سراغ مل رہا ہے؟"

اس نے بتایا کہ سراغ کس طرح لگایا جا سکتا ہے۔ وہ سرسرا
میں رہ کر دیکھنا چاہتا ہے کہ گھر کی چار دیواری میں راجر موم کس
طرح مصروف رہتا ہے۔ اور وہ اپنے سر کے بیڈ دوم وغیرہ کی بھی
ملاحظہ لینا چاہتا ہے۔ لیٹی نے کہا "راجر موم دن رات کے کسی
حصے میں بھی دفتر آتا جا رہتا ہے۔ جب وہ دفتر جائے گا تو میں پاسیلا
کی ماں کو بھی شایک کے لئے باہر بھیج دوں گی۔ پاسیلا اسی طرح
سوئی رہے گی یا میں اسے جگہ میں مصروف رکھوں گی۔"

"میں یہی چاہتا ہوں لیکن ایک اندیشہ ہے اگر راجر موم
گولڈن برنز کا خاص آدمی ہے تو اس گھر میں یا اس بیڈ دوم میں خفیہ

کیرے اور رانیک چپا کر رکھے گئے ہوں گے۔ میں بیٹہ روم میں جاؤں گا تو کہیں دوسری طرف دیکھ لیا جاؤں گا۔
 ”تم بہت دور تک سوچنے ہو، علی! اور یہ اچھی بات ہے۔“
 ”میں جانتا ہوں آپ میری ساس کے داغ میں رہ کر اسے اپنے روم میں لے جائیں۔ ویسے تو وہ یہودی کی حیثیت سے اپنے شوہر کی خواہش میں جاتی ہوگی لیکن آج ہمارے نقطہ نظر سے جائے خواہاں اس کا اسٹور روم اور واش روم کو ایک جاسوس کی نظروں سے دیکھئے۔“

”ٹھیک کہتے ہو اسے آواز کا پناہ سے راجر موس کو شہ نہیں ہوگا۔ تم آرام کرو۔ میں موقع کا انتظار کروں گی۔ راجر موس دفتر جائے گا تو میں مسز موس کو بیٹہ روم میں لے جاؤں۔“
 ”اے وقت آپ مجھے نیند سے بیدار کریں تاکہ میں آپ کو بتا سکوں کہ مسز موس سے کس طرح تلاشی کا کام لیتا ہے۔“

”لیٹی پٹی گئی۔ علی تھوڑا سا اپنے داغ کو ضروری ہدایت دے کر سو گیا۔ تھوڑی دیر بعد پامیلا نے آنکھیں کھول دیں۔ حالہ کلاہ گمری نیند میں تھی۔ یہ ابھی علی اور لیٹی کو معلوم نہیں تھا کہ الپا اب پامیلا کے داغ میں آنے لگی ہے۔ پہلے پامیلا کی اہمیت نہیں تھی۔ اب ہو گئی تھی۔“

”ہوایہ تھا کہ گولڈن بریڈ نے الپا سے کہا تھا۔ ”الپا! ہم نے جزل پارکن کو اس کی رہائش گاہ میں نظر بند کیا تھا۔ ہو سکتا ہے کسی دشمن خیال خونی کرنے والے نے جزل پارکن کو اپنا معمول بنا کر قید سے بھاگنے پر مجبور کیا ہو اور اسے پامیلا کے داغ تک پہنچایا ہو۔ اگر ایسا ہے تو ہم نے جزل پارکن کو گرفتار کر لیا ہے لیکن اس کے پیچھے چھپا ہوا دشمن آزاد ہے۔ وہ پامیلا کے داغ میں آتا جاتا ہوگا۔ اور اس کے ذریعے ان تمام اہم عہدیداروں تک پہنچنے کی کوشش کرے گا جن کا رابطہ پامیلا کے باپ راجر موس سے رہتا ہے۔ لہذا انہیں پامیلا کے پاس جاتے رہنا چاہئے۔“

اس حکم کے مطابق الپا پامیلا کے پاس آئی۔ اس وقت پامیلا علی سے باتیں کرتے کرتے سو رہی تھی۔ یعنی لیٹی اس کے اندر چھپ کر اسے سلا رہی تھی۔ لیٹی اور الپا کو پتا نہیں تھا کہ وہ دونوں بیک وقت پامیلا کے اندر موجود ہیں۔ البتہ الپا کو شہ ہوا کہ پامیلا اپنے شوہر کے ساتھ جاگے گا اور وہ رکھتے ہوئے اتنی جلدی کیسے سو گئی؟

اس نے اپنے طور پر سمجھا کہ شاید وہی دشمن خیال خونی کرنے والا پامیلا کے اندر ہو سکتا ہے جس نے پارکن کو ٹریپ کیا تھا۔ اب وہ پامیلا کو نیند کی حالت میں آواز کا رہنا چاہتا ہے یا اس کے شوہر کا روم کو اس کے ذریعے وہابی گزروں کی دوا کھانا چاہتا ہے۔ یہ سوچ کر وہ کافی دیر تک انتظار کرتی رہی۔

جب کسی نے پامیلا کو نیند کی حالت میں آواز کا نہیں بنایا تو الپا نے اس کی آنکھیں کھول کر علی تھوڑا دیر تک۔ وہ پامیلا کے پاس

ہی گمری نیند میں تھا۔ تب اسے یقین ہوا کہ پامیلا بھی خود ہی سو گئی۔ کسی خیال خونی کرنے والے نے اسے نہیں سلا یا تھا۔ اور کوئی اس کے داغ میں نہیں ہے۔ اگر ہو تا تو اس کے ذریعے کارمن کو دوا کھلا کر اعصابی گزروں میں جھلا کرتا۔

بہر حال الپا مطمئن ہو کر مسز موس کے داغ میں آئی وہاں لیٹی موجود تھی اور وہی تھی کہ اس کا شوہر راجر موس کا روم میں دفتر چاہتا تھا۔ مسز موس سوچ رہی تھی۔ ”اب میں خواہاں میں جا کر تھوڑی دیر کے لئے سو جاؤں گی۔ پتا نہیں کیوں اپنے میاں کے جاتے ہی میں ایک آدھ گھنٹے کے لئے سو جاتی ہوں۔“

یہ لیٹی کے لئے ایک نئی اطلاع تھی کہ مسز موس خواہاں میں جا کر ایک آدھ گھنٹے کے لئے سو جاتی ہے جبکہ الپا جانتی تھی وہ سوئی نہیں ہے۔ وہابی طور پر غائب رہ کر اپنے میاں کے کمرے کی صفائی کرتی رہتی ہے۔

یہ بات سمجھنے کی تھی کہ وہ غائب رہ کر خواہاں کی صفائی کیوں کرتی ہے؟ جواب سمجھ میں آتا ہے اس خواہاں میں یکو ایک نام چیزیں چھپائی گئی ہوں گی جنہیں اس کی نظروں میں لانا مناسب نہیں تھا۔ الپا اسے وہابی طور پر غائب کر کے وہاں کی صفائی کرائی تھی۔ یہ گولڈن بریڈ کا حکم تھا کہ ایسا کیا جائے۔ یوں ثابت ہو رہا تھا کہ راجر موس بڑی اہمیت کا حامل ہے اور گولڈن بریڈ اس کے کمرے کے اندر بھی دلچسپی رکھتے ہیں اور توجہ دیتے ہیں۔

مسز موس خواہاں میں آئی۔ پھر تجھے ہوئے انداز میں سترچ لیٹ گئی۔ چند لمحوں تک سوچے سوچے اس کی آنکھیں بند ہوئے لیکن۔ الپا نے اسے سلا دیا تھا۔ لیٹی خاموشی سے یہ تشریف رکھ رہی تھی۔ دس منٹ کے بعد اس نے نیند کی حالت میں آنکھیں کھول دیں۔ آہستہ آہستہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ نیند کی حالت میں چلتی ہوئی اسٹور روم میں آئی۔ وہاں ایک ٹکڑی کا صندوق ٹوٹی کر میاں اور بہت سا پرانا سامان رکھا ہوا تھا۔ دیوار کے ساتھ بنی ہوئی ایک الماری تھی۔ اس نے ایک چابی سے اس کے پت کھول دیے۔

اس کے اندر کچھ فائلیں اور کچھ کتابیں رکھی ہوئی تھیں۔ وہاں ایک چھوٹا سا آئرن سیف تھا۔ اس نے دوسری چابی سے اس سیف کو کھولا۔ سیف میں کچھ ہیرے جو اہرات اور برطانوی پونڈ کی گولیاں رکھی ہوئی تھیں۔ ان کے پیچھے سیف کی آہنی دیوار پر ایک کی ہول تھا۔ مسز موس نے اس کی ہول میں ایک چابی ڈالی۔ پھر اسے گھمایا تو الماری کی پچھلی دیوار دو حصوں میں تقسیم ہو کر کھل گئی۔

کھلے ہوئے دروازے کے دوسری طرف اسٹور روم کے برابر دوسرا کمرہ تھا۔ اس کمرے میں ایک بڑے سائز کا کپینڈر تھا اس سے منسلک دیوار پر ایک اسکرین تھا۔ ایک طرف لیٹی دی گمری ڈی سی آر اور لیٹی دی تھا اس سے ثابت ہو رہا تھا کہ راجر موس کی خواہاں میں خفیہ لیٹی دی گمری ہے جس کو بھی خواہاں میں داخل ہونا چاہیے

وہ اس خفیہ کمرے کی لیٹی دی اسکرین پر نظر آتا ہے۔ مسز موس بے خبر تھی۔ بے چاری نہیں جانتی تھی کہ اپنے ہی کمرے کے ایک کمرے میں آئی ہے اور وہاں کی صفائی کر رہی ہے۔ لیٹی اس کے ذریعے ایک ایک سامان کو توجہ سے دیکھ رہی تھی۔ وہاں ایک پرائیویٹ فون اور ڈائریکٹر کے علاوہ ضروری فائلیں اور اہم دستاویزات بھی رکھی ہوئی تھیں انہیں پڑھنے سے ہی ان کی اہمیت کا پتا چل سکتا تھا۔

لیٹی نے اس کے ذریعے جھٹ کو اور دیواروں کو بھی دیکھا۔ پھر لیٹی کو نیند سے جگا کر اس خفیہ کمرے کی تفصیلات بتائیں۔ وہ خوش ہو کر بولا۔ ”اللہ بڑا کار ساز ہے۔ اس مہود نے مجھے کہاں سے کہاں پہنچا دیا ہے۔ یہ راجر موس یقیناً کچھ گولڈن بریڈ میں سے ایک گولڈن بریڈ ہے۔“

”اس خفیہ کمرے کو دیکھ کر میں بھی یہی سمجھ رہی تھی ویسے علی! ہم یہ سوچ رہے تھے کہ کوئی زیر زمین اڈا ہوگا جہاں کچھ بریڈ آکر بیٹھے ہیں اور علی! حکام اور فوج کے اعلیٰ افسران سے رابطہ کرتے ہیں۔“

”جی ہاں۔ پہلے یہی طریقہ تھا۔ اب انہوں نے طریقہ کار بدل دیا ہے۔ راجر موس کے اس کمرے کو دیکھ کر ہم کہہ سکتے ہیں کہ باقی پانچ گولڈن بریڈ نے بھی اپنی اپنی خواہاں کے ساتھ ایسے خفیہ کمرے بنوائے ہیں اور وہاں بیٹھ کر کپینڈر کے ذریعے ایک دوسرے سے رابطہ کرتے ہیں۔“

”جی ہاں! اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ تمام بریڈ ایک ہی وقت میں ایک ہی خفیہ اڈے میں ہمارے ہاتھ نہیں آئیں گے۔ نہیں ہر ایک کو باری باری تلاش کرنا ہوگا۔“

”جی ہاں! کام بڑھ گیا ہے۔ ان تمام کو ٹریپ کرنے میں پتا نہیں کتنے دن یا کتنے مہینے گزر جائیں گے۔“

”تم نے سوچا تھا جیسے راتوں میں پامیلا کو رخصتا کر اپنا کام کر جاؤ گے لیکن اللہ تعالیٰ کو یہ منظور تھا کہ تم اپنی دلہن سے باقاعدہ رشتہ قائم کرو۔ اور ایمان جھٹک کر لو کہ آنے والے لمحات خدا کے مرضی سے گزرتے ہیں اور بندوں کی ہر اہمیت کام نہیں آتی۔“

”یہ مشورہ میری ماما نے دیا تھا۔ وہ بتا رہی تھی اللہ تعالیٰ تمہاری کے حضور زانوئے ادب ہے کرتی ہیں اور ان سے دین اور دنیا کی ایمان افروز باتیں سیکھتی رہتی ہیں۔ آج ان کی ہی ایک ایمان افروز ذہانت پر میں نے عمل کیا ہے۔“

”میرا خیال ہے مجھے زیادہ دیر تمہارے پاس نہیں رہنا چاہئے۔ الپا نے مسز موس کے داغ میں جگہ بنائی ہے۔ تمہارے پاس آجاک آئے گی تو تمہارا بھید کھل جائے گا۔“

”دورست ہے۔ آپ جا میں پھر کسی وقت آجائیں۔“
 لیٹی میرے پاس آگئی۔ مجھے وہاں کے تمام حالات بتائے گئے۔ میں نے کہا ”میرے علی کی کیا بات ہے۔ دیکھتے ہی دیکھتے ایک گولڈن

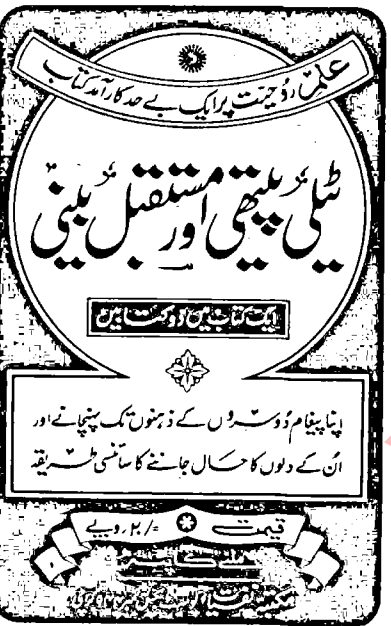
بریڈ کو پہچان لیا لیکن باقی پانچ بریڈ تک پہنچنے میں بہت وقت لگے گا۔“

وہ بولی ”آپ علی کے پاس رہیں گے تو پانچ سرٹل کچھ آسان ہو جائیں گے۔“

”مجھے ابھی پاکستان میں رہنا چاہئے۔ پہلے تو بھارت اور اسرائیل کی دوستی تھی اب اسی دوستی میں امریکا شریک ہو گیا ہے۔ روس کو کسی قدر گزروں بنانے کے بعد مسوریہ چین کے خلاف اپنی سرگرمیاں تیز کرنا چاہتا ہے۔ ایک طرف وہ بھارت میں رہ کر چین کے لئے بہت بڑی دھمکی ہے گا۔ دوسری طرف اپنی امداد کے ذریعے بھارت کو پاکستان کے لئے منبیت بنانا چاہے گا۔“

”کیا ایسا ہو رہا ہے؟“
 ”ہاں منصوبے تیار ہیں۔ ان پر اس لئے عمل نہیں ہو رہا ہے کہ میں یہاں موجود ہوں۔ انہوں نے مجھے پاکستان سے نکالنے کی کوشش اپنے طور پر کر لی۔ اب کوئی اور چال چلیں گے۔“
 لیٹی نے پوچھا ”کیا یہ چال نہیں ہو سکتی کہ انہوں نے آپ کو سرحدی علاقہ میں مصروف رکھا ہے۔“

”یہ چال مجھے پہلے ہی معلوم ہو گئی تھی۔ میں انجان بن کر آیا ہوں وہ سمجھتے ہیں پاکستان کا سرحدی شہر لاہور میری ذات سے خالی ہو گیا ہے۔ ان کے فرشتوں کو بھی وہاں پاس کی موجودگی کا علم



نہیں ہے۔“

”آپ پشاور میں کب تک رہیں گے؟“

”میں اس سے اچانک ہی جاؤں گا۔ پارس کی طرف سے ایک خاص رپورٹ کا انتظار ہے۔ لاہور پہنچنے ہی میں پارس کو قتل ابیب روانہ کر دوں گا وہاں اس کی موجودگی سے علی کی منہ زبانی آسمان ہو جائیں گی۔“

”دونوں بھائی ایک جگہ ہوں تو خاصی قیامت برپا کریں گے۔“

”تم بابا صاحب کے ادارے سے معلوم کرو ۱۰ اسرائیل میں ہمارے جاسوس کہاں کہاں ہیں اور پارس کس جاسوس کی جگہ وہاں جا کر شبہات سے بالاتر ہو کر رہ سکتا ہے۔“

دشمن دو طرفہ چالیں چل رہے تھے۔ ایک طرف مجھے پشاور سے علاقہ غیر تک ابھار رہے تھے۔ دوسری طرف لاہور میں یوگا جانے والوں کی ٹیم پر پٹائی تھی۔ میں انہیں خوش کرنے کے لئے پشاور آگیا تھا اس میں میری ذاتی خوشی یہ بھی کہ میں پاکستان کے شمالی مغربی علاقوں میں جیسے پشاوروں سے ملنا اور ان کے ماحول میں رہنا چاہتا تھا۔

دشمنوں نے سوچا تھا اگر میں لاہور چھوڑ کر نہیں جاؤں گا تو وہ یوگا جانے والی ٹیم کے ذریعے میری ٹیلی پیٹھی کے ہتھیار کو ناکام بنا دیں گے۔ ایسے میں مجھے ان کے سامنے کل کر مقابلے پر آمادہ پڑے گا لیکن نہ تو مجھے ان کے خلاف خیال خرافی کرنی پڑی نہ ہی مقابلہ کرنا پڑا۔ جیسا کہ میں پہلے بیان کر چکا ہوں۔ پارس نے اس ٹیم کے تین یوگا جانے والوں کی بری طرح پٹائی کی تھی۔ وہ ایسے زخمی ہوئے تھے کہ سانس روکنا بھول گئے تھے۔

چودھری حاکم علی بیویوں کا بے غیرت ایجنٹ ان تین زخمیوں کے ساتھ ان کے سربراہ سے ملاقات کرنے آیا تھا۔ اسے بتایا گیا تھا کہ فرائد کے مقابلے میں ان کا سربراہ فواد ہے۔ وہ چودھری حاکم علی کی حفاظت کرے گا۔ اس کی بیٹی صوفیہ کو آپ کی دولت اور جائیداد پر قبضہ کرنے نہیں دے گا۔

پارس نے سلمان سے کہا تھا کہ وہ چودھری اور تین زخمیوں کے دماغوں کے اندر رہ کر یوگا ٹیم کے سربراہ کا ٹھکانا معلوم کرے اور چودھری کو مجبور کرے کہ بیویوں کی شرکت سے قائم کی ہوئی دواؤں کی فیکٹری کو اپنی بیٹی صوفیہ کے نام قانونی طور پر منتقل کر لے۔ چودھری جیتے جیتے یہ نقصان اٹھانا نہیں چاہتا تھا۔ اس نے محض ٹانگے کے لئے وعدہ کیا تھا کہ دوسرے دن وہ فیکٹری جی کے نام کرے گا لیکن دوسرے دن سلمان نے اس کے دماغ میں پہنچنا چاہا تو اس نے سانس روک لی۔ سمجھ میں آیا کہ چودھری حاکم کے دماغ کو تو خلی عمل کے ذریعے لاک کر دیا گیا ہے۔

سلمان نے ان تین زخمیوں کے ذریعے کوئی راستہ نکالنا چاہا۔ پتا چلا وہ تین اب اس دنیا میں نہیں رہے۔ یوگا ٹیم کا سربراہ بہت محتاط تھا وہ نہیں چاہتا تھا کہ میں یا میرے بھائی جیتے جیتے

والے ان زخمیوں کے ذریعے اس کا سراغ نکالیں اور ان کی یہ تمام حکمت عملی بتا دی تھی کہ بیودی اپنی دواؤں کا فارمولہ صوفیہ کو استعمال کرنے نہیں دیں گے۔

میں نے صوفیہ کو پارس کی پناہ میں چھوڑا تھا۔ اب یہ اندیشہ تھا کہ وہ کسی وقت بھی قتل کر دی جائے گی۔ اس کے قتل ہونے کے بعد دواؤں کا فارمولہ بھی اس کے ساتھ ختم ہو جائے گا کیونکہ تمام فارمولے صرف صوفیہ کو معلوم تھے۔

پارس صوفیہ کو ایک ہوٹل میں لے آیا تھا۔ وہ بھی سمجھ گئی تھی کہ اپنی کوٹھی میں رہے گی تو جان سے جائے گی۔ وہ میک اپ کا سامان لا کر اس کے چہرے کو عارضی طور پر بدلے ہوئے دکھاتا تھا۔

”نی الحال تمہارے بچاؤ کا یہی طریقہ ہے۔ دشمن تمہیں نہیں پہچان سکیں گے۔“

اس نے پوچھا ”کیا ہم اسی ہوٹل میں رہیں گے؟“

”تم میری نہیں اپنی بات کرو۔ میں ہمیشہ تمہارے ساتھ رہنے کے لئے نہیں آیا ہوں۔ تمہیں کہیں بھی کچھ روز گزارنا ہو گا۔“

”کیا تم پاکستانی معاشرے کو نہیں سمجھتے ہو؟ یہ یورپ نہیں ہے۔ یہاں ایک تنہا جوان لڑکی کسی بھی شکل میں رہنا چاہے گی تو اسے اپنی بچی بھڑی پیش کرنی ہوگی کہ وہ کون ہے؟ کہاں سے آئی ہے؟ ماں باپ یا شوہر کو چھوڑ کر تنہا رہنے کے لئے مکان کیوں تلاش کر رہی ہے۔ ہوٹل والے بھی شناختی کارڈ طلب کریں گے۔“

وہ درست کہہ رہی تھی۔ انہوں نے ایک فرشتہ کوٹھی کرائے پر حاصل کی۔ پارس نے کہا ”میں یہاں خود کو مصروف رکھوں۔ تمہیں جتنی دواؤں کے فارمولے دیں انہیں لکھتی جاؤ۔“

وہ بولی ”لکھنے کی کیا ضرورت ہے۔ وہ تمام تحریری فارمولے میرے ٹیک لاکر میں رکھے ہوئے ہیں۔“

”تم وہ فارمولے لا کر سے نکالے جاؤ گی تو دشمنوں کی نظروں میں آ جاؤ گی۔ مجھے ان کی ضرورت ہے۔“

”تم ان کا کیا کرو گے؟“

”میں دشمنوں تک پہنچنا چاہتا ہوں۔ تمہارے نام سے اخبارات میں اشتہار دوں گا کہ ایک کیمسٹ اور لیڈی ڈاکٹر صوفیہ چند اہم دواؤں کے فارمولے فروخت کرنا چاہتی ہے۔ جو کچھ ان ڈاکٹر حضرات خریدنا چاہتے ہیں وہ ڈاکٹر صوفیہ کو مخاطب کر کے اخبارات میں اپنا نام اور ذریعہ نمبر شائع کر سکیں۔ ڈاکٹر صوفیہ پہلے ان سے فون پر رابطہ کریں گی۔“

وہ بولی ”کیا اس طرح دشمن سامنے آئیں گے؟“

”وہ اشتہار پڑھ کر سب سے پہلے تو تمہارے باپ کے ہوٹل آئیں گے کہ تم نے وہ فارمولے فروخت کر دیے تو آئندہ وہ لاکھوں روپے نہیں کما سکے گا۔ جو دشمن تمہیں قتل کرنے کے لئے تلاش کر رہے ہیں وہ اس ناک میں رہیں گے کہ تم فارمولے فروخت کرنے کے لئے کئی لوگوں سے ملاقات کرنے جاری ہو۔“

”ایسا میں خیر اداؤں سے ملاقات کرنے جاؤں گی؟“

”تمہاری ایک ڈی جائے گی۔ میں چپ کر اس ڈی کی عمرانی کروں گا اور دشمنوں کو آٹانے کی کوشش کرنا رہوں گا۔“

”تدبیر بہت عمدہ ہے لیکن دشمن نادان نہیں ہیں۔ وہ اس چال کو سمجھ لیں گے۔“

”سمجھتے دو۔ میں تو تمہارے باپ کی فطرت سمجھ کر یہ چال چل رہا ہوں۔ وہ بے حد صلاح اور مبالغہ خور ہے۔ یہ کبھی نہیں چاہے گا کہ تم وہ فارمولے کسی دوسری دوا ساز کمپنی کو دو۔ تم فارمولوں کا سودا کرنے جہاں جاؤ گی وہ تم سے پہلے وہاں پہنچ جائے گا۔“

”ہاں ڈیڈی ایسا ضرور کریں گے لیکن میں وہ فارمولے کاغذ پر کیوں لکھوں؟ ہم سچ چان کا سودا نہیں کریں گے۔“

”میں سچ چان سودا کروں گا ان کے عوض لاکھوں روپے لے کر نہیں لوں گا۔ دوسرے ملک چلا جاؤں گا۔“

وہ جیتے ہوئے بولی ”تم میرے پیارے بھائی ہو، بھلا تمہیں روپے ڈالر اور پونڈ کی کیا کمی ہوگی۔ میں لکھ رہی ہوں مگر جس سے شام ہو جائے گی۔ تم اس دوران کیا کرو گے؟“

”میں اخبارات میں اشتہار دینے جا رہا ہوں۔“

”اوہ نو۔ تم مجھے چار دیواری میں تنہا چھوڑ کر باہر جا رہے ہو۔“

”میں تفریح کی غرض سے نہیں کام لے رہا ہوں۔“

”تم کام کرتے رہنا۔ میں تمہارے ساتھ تفریح کرتی رہوں گی۔“

”بالکل نہیں۔ میں تنہا جاؤں گا۔ مجھے ایک لڑکی کو پہچانتا ہے۔“

”لڑکی پہچانتے جا رہے ہو۔ شرم نہیں آتی۔ پرانی لڑکیوں کو بہن سمجھنا چاہئے لیکن مردوں میں اتنی شرافت نہیں ہوتی ہے۔“

”نہیں ہوتی ہے۔ اسی لئے تنہا جا رہا ہوں۔“

”میں نہیں جانے دوں گی۔“

”یہ تمہارے پیارے حکم ہے۔ ان کے لئے لڑکی تلاش کرنا ہے۔“

”کیا؟ پیارے لے؟ اوہ میں نے تو کبھی سوچا بھی نہیں اور پیار سے پوچھا بھی نہیں کہ اتنی عمر ہو گئی ہے انہوں نے شادی بھی کی ہے یا نہیں؟“

”شادی کیا خاک کریں گے۔ تم جیسی لڑکیوں کو بیٹی بنالیتے ہو۔ کسی بڑے شادی کرنا چاہتے ہیں۔ ایک عورت پسند آتی ہے مگر وہ شادی شدہ ہے۔ اس کے بڑے ہونے کے انتظار میں کتوارے بیٹے ہیں۔“

”اس عورت میں کیا بات ہے؟ اگر وہ حسین ہے تو یہاں کتنی ہی عین بیوا نہیں مل جائیں گی۔“

”وہ عورت صرف حسین ہی نہیں چار بچوں کی ماں بھی ہے۔“

وہ چونک کر پارس کو دیکھنے لگی۔ وہ بولا ”کی تو مسئلہ ہے۔ یہ آج تک خدا ان کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کبھی عورت سے شادی کرنا چاہتے ہیں؟“

وہ اس بات پر غور کرنے لگی۔ جب بات سمجھ میں آئی تو اس وقت تک پارس جا چکا تھا۔ وہ سچ سچ ایسی لڑکی کو پہچانتا چاہتا تھا جسے صوفیہ کی ڈی کے طور پر استعمال کر سکے۔ پھر اسے میرا یا سلمان کا انتظار تھا کیونکہ وہ جس لڑکی کا انتخاب کرتا۔ اسے ہم ٹیلی پیٹھی کے ذریعے آگاہ کر دیتا تھا۔ لڑکی کی ضرورت دوسرے دن تھی۔ اسے معلوم تھا کہ ہم چوبیس گھنٹوں میں ایک بار اس سے رابطہ کرتے ہیں۔

مسئلہ صرف یہ نہیں تھا کہ ایک بیودی سرمایہ وارد دواؤں کے فارمولوں کے ذریعے پاکستان سے کروڑوں روپے کما رہا تھا۔ میں نے یہ منافع روک دیا تھا لیکن یہ ایسا مسئلہ تھا جس میں مجھے اٹھایا جا رہا تھا اور دوسری طرف درپردہ پاکستان کے خلاف گہری سازش جاری تھی۔

بھارت جو کبھی روس کی آغوش میں دودھ پیتا تھا اب امریکا کی گود میں رہا تھا۔ سانپ کو دودھ پینے سے غرض ہے۔ جہاں زیادہ دھماکہ ہواں جاتا ہے۔ روس تقریباً نوٹ کا تھا اب امریکا کو جمہوریہ چین سے اندیشہ تھا اور بھارت کو تو روز اول سے ہی پاکستان ٹھک رہا ہے۔ یہ راز نہیں کھل رہا تھا کہ پاکستان انٹیم ہم بنا چکا ہے یا نہیں؟

پاکستانی خطرے سے بچنے کے لئے یہ خفیہ معاہدہ ہو چکا تھا کہ امریکا بھارت کو اسلحہ جدید خریدے اور فوجی امداد دے گا اور بھارت امریکا کو چین اور بھارت کی سرحد کے پاس فوجی اڈے بنانے کی اجازت دے گا۔

فی زمانہ کوئی ملک جنگ کا خطرہ مول لینا نہیں چاہتا۔ اس لئے سیاسی بیان بازی کے ذریعے اقتصادی معاشی اور تہذیبی نقصانات پہنچانے کے لئے اپنے ایجنٹوں اور سرخار سائوں کے ذریعے دوسرے ملکوں میں سرگرمییں بناتے ہیں اور انہیں کھوکھلا کرنے کی سرزد جگتیں لڑی جاتی ہیں۔ ہمارے ملک میں بھی بھارتی ایجنٹوں اور سرخار سائوں کی خفیہ سرگرمیاں تیز ہوتی جا رہی تھیں۔

یہ سمجھنا ضروری ہے کہ غیر ملکی دشمنوں کو ہمارے ملک میں آرام سے رہنے کی جگہ کیسے ملتی ہے۔ ایک تو یہ کہ ہمارے جوان جن ملکوں سے شادی کر کے اپنی بیویاں اور جوان ساتھی لاتے ہیں ان میں بیشتر جاسوس ہوتے ہیں۔ جب تک میاں بیوی بن کر رہتے ہیں اپنی اصلیت ظاہر نہیں ہوتے۔ دوسرے یہ کہ راتوں رات امیر بننے کے خواب دیکھنے والے لوگ رشوت لے کر ان غیر ملکیوں کو اپنا رشتہ دار بنا کر اپنے گھر والوں میں رہنے کا موقع دیتے ہیں۔

یہ قیام پاکستان سے ایک برس پہلے کی بات ہے۔ ایک ہندو

راستے بند کر دیا ہوں۔

یہ درست ہے، میں کچھ روز پہلے تک خفیہ تنظیم ”را“ کی سرگرمیوں سے بے خبر تھا۔ یہ جو کچھ بیان کر رہا ہوں، مجھے یہ بعد میں معلوم ہوا تھا۔ ابوداؤد نے فون کے ذریعے رانا حمید سے رابطہ کیا پھر کہا ”تمہارا بیٹا رانا جشید اور دونوں بیٹیاں رحمانہ اور رخسانہ اپنے اپنے مشن پر مت کامیاب ہیں۔ ان کی کامیابیوں کے پیش نظر میں چاہتا ہوں، وہ اب فریاد کو دوسرے معاملات میں الجھائے رہیں۔ ایک معاملہ تو چودھری حاکم علی حاکم کا ہے۔ اس کی بیٹی اپنے بارے کے ساتھ کہیں چھپ گئی ہے۔ اسے دھمکوا کر نکالنا ضروری ہے۔“

”کیا وہ اسی شہر میں ہوگی؟“

”ہاں۔ دوا ساز فیکٹری پر قبضہ جمانے کے لئے اس نے بھائی کو قتل کر دیا ہے۔ بیٹی کے خوف سے باپ چھپ گیا ہے۔ ہم نے اس چودھری کے دماغ کو لاک کر دیا ہے۔ اس کی بیٹی اسے فریاد کے ذریعے تلاش نہیں کر سکے گی۔“

”کیا فریاد اسی شہر میں ہے؟“

”آج کل نہیں ہے لیکن کسی دن بھی آسکتا ہے۔ وہ اپنے پیچھے اپنی جیسی کوئی طاقت چھوڑ کر جاتا ہے۔ اسی شہر میں طارق مائی ایک نوجوان ہے۔ وہ صوفیہ کا محافظ ہے۔ وہ اندازہً ذور ہے کہ اس نے ہمارے تین فائزوں کو توڑ پھوڑ کر رکھ دیا ہے۔“

”صوفیہ اور طارق کو صرف دھمکوا کر نکالنا ہے یا انہیں ختم بھی کر دیتا ہے؟“

”دونوں کو گرفتار کر کے بریٹال بنایا جائے تو فریاد انہیں رہائی دلانے کے مسئلے میں الجھائے گا۔“

”کیا وہ دونوں فریاد کے لئے بہت اہم ہیں؟“

”فریاد جیسے بیٹی یا بہن بنالیتا ہے اس کے لئے جان کی بازی لگا دیتا ہے۔ پھر وہ فریاد کا تخت طارق جو صوفیہ کا محافظ بنا ہوا ہے۔ اس جیسے شہ ذور نوجوان کی بھی اہمیت کچھ نہ کچھ ہوگی۔“

رانا حمید نے کہا ”میرا بیٹا رانا جشید صرف شہ ذوری نہیں بے حد چالاک بھی ہے۔ وہ چھپنے والوں کو چوہے کے بل سے بھی نکال لاتا ہے۔ میں آج سے لے کر اب تک بتاؤں گا کہ صوفیہ اور طارق کو بہانہ کی پناہ گاہ سے کیسے نکالیں گے۔“

رابطہ ختم ہو گیا۔ رانا حمید تھوڑی دیر تک سوچتا رہا پھر اس نے ریسپورڈر اٹھا کر نمبر ڈائل کئے۔ رابطہ قائم ہونے پر کہا ”ہیلو بیٹے جشید! کیا ہو رہا ہے؟“

”ڈیڈ! اور کیا ہوگا۔ آئندہ الیکشن کے لئے غنڈوں کی فوج تیار کر رہا ہوں۔ یہ اچھی طرح سمجھ گیا ہوں کہ دھن دھن اور دھانڈلے کے ذریعے ہی اسے تک پہنچ سکتا ہوں۔“

”بیٹے! اپنی موجودہ مصروفیات کے علاوہ فریاد علی تیمور کے ایک معاملے میں غائب ڈھانڈا ہوگا۔“

”کیا چیف کا حکم ہے؟“

قوت بڑھا رہا تھا۔ دوسری طرف پاکستانی عوام کے دماغوں میں یہ نظریہ ٹھونس دیا تھا کہ خدا نخواستہ پاکستان کو منار مسلمان بھارت میں ہندوؤں کے ساتھ حکومت کر سکتے ہیں۔ جبکہ پاکستان کا مقصد صرف علیحدہ حکومت نہیں اسلامی حکومت قائم کرنا ہے۔ ہندوؤں کے اشتراک سے کوئی مسلمان صدر یا وزیر اعظم تو ہو سکتا ہے لیکن سیکور بھارت میں اسلامی قوانین نافذ نہیں کر سکتا۔ بات صرف بھارتی سرائیوں کی نہیں ہمارے سکھانوں کی بھی ہے جو سکھان اسلامی قوانین کے نفاذ میں ٹال مٹول کرتے ہیں وہ بھی درپردہ بھارتی ایجنٹ ہوتے ہیں۔

یوگا ماسٹر رانا حمید کا ایک بیٹا اور دو بیٹیاں تھیں۔ یہ تینوں بیٹا اور بیٹیاں بھی یوگا کی ماہر تھیں۔ بیٹا رانا جشید ساہتھان تھا اسٹیبل میں پینتے کی کوشش کر رہا تھا۔ بیٹی رحمانہ حمید انجمن خواتین کی چیئر پرسن تھی اور نمائش کی عادی خواتین کے درمیان اپنی نظریات کا زہر پھیلاتی آ رہی تھی۔ ایک اور بیٹی رخسانہ سینڈ ایئر میں تھی اور ایک طبیبہ طالبات کی یونین میں رہ کر یونیورسٹی میں سیاسی ہنگامے کراتی تھی۔

اب ایک نیا یوگا ماسٹر ایسے ڈیوڈ آیا تھا۔ وہ یہودی تھا۔ وہ اپنے نام کے علی ترنہ ابوداؤد کے مطابق داؤد مکلا تھا۔ بھارت کی خفیہ تنظیم ”را“ کی پاکستانی رانچ کا چیف تھا۔ اس نے لاہور پہنچ کر ایسی ٹیم بنائی تھی جس کا ہر فرد یوگا کا ماہر تھا۔ اس میں رانا حمید اس کا بیٹا رانا جشید بیٹی رحمانہ اور رخسانہ وغیرہ خاص اہمیت رکھتے تھے۔ ظاہر ہے یوگا کا جاننے والوں کی جماعت اس لئے بنائی گئی تھی کہ میری ٹیلی بینسٹی سے محفوظ رہیں۔ ابوداؤد کا خیال تھا کہ میں کسی بھی ٹیم کے ممبر کو آواز نہ کرانیں بنا سکوں گا۔ نہ ابوداؤد تک پہنچ سکوں گا نہ خفیہ تنظیم ”را“ کی موجودگی اور اس کی پلاننگ کو سمجھ پاؤں گا۔ پارس نے صوفیہ کی کو بھی میں اسی تنظیم کے تین افراد کو بری طرح زخمی کیا تھا اور ان یوگا جاننے والوں کے دماغوں میں مسلمان کو پہنچایا تھا۔ چار چلا وہ اپنی ٹیم کے سربراہ ابوداؤد کا اور ”را“ تنظیم کا نام نہیں جانتے ہیں۔ اس کے باوجود ابوداؤد کے حکم سے تینوں کو شت کر دیا گیا۔ شاید اس لئے کہ وہ تاہم شکست خوردہ ماتحتوں کو پسند نہیں کرتا تھا یا پھر اس لئے کہ وہ تینوں صوفیہ کے مددگار (پارس) کی نظروں میں آئے تھے۔ وہ مددگار ان تینوں کے ذریعے دوسرے ماتحتوں کو پہچان سکتا تھا اور انہیں بھی زخمی کر سکتا تھا۔ اصل اندیشہ یہی تھا کہ ان زخموں کے دماغوں میں فریاد پہنچ سکتا ہے۔

پچھلے دو دنوں سے ابوداؤد میری طرف سے بے فکر تھا۔ اسے معلوم تھا کہ میں صوبہ سرحد میں مصروف ہوں۔ وہ جانتا تھا میں جب بھی لاہور واپس آؤں پھر صوفیہ اور اس کے باپ چودھری حاکم علی حاکم کے معاملات میں الجھ جاؤں اور اسی خوش فہمی میں رہوں کہ پاکستان سے کاروباری منافع حاصل کرنے والوں کے

”چیف تم بھائی بہنوں سے بہت خوش ہے۔ اسے تم پر اعتماد ہے کہ تم ہی فریاد کو اصل ٹریک سے ہٹا کر دوسرے معاملے میں الجھائے ہو۔“

وہ اپنے بیٹے جشید کو چودھری حاکم علی صوفیہ اور طارق (پارس) کے متعلق بتاتے گا۔ جشید نے تمام باتیں سننے کے بعد کہا۔ ”بات سمجھ میں آئی ہے۔ اس معاملے میں پہلے صوفیہ اور طارق کو ان کی خفیہ پناہ گاہ سے نکالنا ہے۔“

”میں نے تمہاری زبان اور جالا کی پر بھروسہ کر کے چیف سے وعدہ کیا ہے کہ تم آج سے گھنٹے بعد بتاؤ گے کہ انہیں کس طرح گرفتار کیا جاسکتا ہے۔“

”آپ کا بھروسہ قائم رہے گا۔ چیف سے کہہ دیں، مجھے چودھری حاکم علی صوفیہ اور طارق کی تصویروں کی ضرورت ہے۔ تصویریں ملنے کے بعد باہر مہم نمٹوں گے اندر وہ دونوں ہماری قید میں ہوں گے۔“

”بیٹا! چیف کی تسلی کے لئے اپنی پانچ انگ بتاؤ۔“

”میں چودھری حاکم کی تصویر دیکھ کر اس کی ڈی تیار کر دوں گا اور اس ڈی کو شہر میں گھماؤں گا۔ صوفیہ دوا ساز فیکٹری کو اپنے نام کرانے کے لئے پہلے کسی خیال خواتین کرنے والے کے ذریعے دھمکی دے چکی ہے کہ باپ نے وہ فیکٹری قانونی طور پر اس کے خاں نے کی تو وہ زندہ نہیں رہے گا۔ جب صوفیہ اور طارق چودھری حاکم علی کی ڈی کو دیکھیں گے تو دھوکا کھا کر اس کے قریب آئیں گے اور ہمیں بدلنے کے باوجود دونوں پہچانے جائیں گے۔“

”شاباش بیٹا! ہزاروں برس جیو۔ تمہیں تصویریں مل جائیں گی۔“

اس نے ریسپورڈر دیکھا۔ پھر سرگھما کر دیکھا۔ کمرے کے دروازے پر شبیر کھڑی ہوئی تھی۔ وہ شبیر کو پہلے کبھی شادوا تھی۔ اب عمر کے ساتھ برس سے آگے نکل چکی تھی۔ وہ اب بھی دانت کے دستے کی ایک چھڑی فرش پر لیٹے اپنے بیٹے رانا حمید کو دیکھ رہی تھی۔ آہستہ آہستہ چھڑی کھینچتے ہوئے بیٹے کے قریب آکر بولی۔ ”فریادوں کے بھی کان ہوتے ہیں۔ تم چیف سے اور میرے پوتے جشید سے باتیں کر رہے تھے اور گھنٹوں کے دوران فریاد علی تیمور کا نام لے رہے تھے۔“

”ای! ہمیں صرف ابو سے اندیشہ رہتا ہے کہ وہ ہم ماں بچوں کو وطن دشمنوں کی صورت میں نہ دیکھ لیں۔“

”ہاں میں اب بڑھا چکا ہوں۔ تمہارا باپ کتنا پاکستانی ہے اسے ہماری سرگرمیوں کا علم نہیں ہوتا ہے۔“

”وہ ای! وہ تو جان زدہ ہیں جو میں کھینچتے ہستہ پڑے رہتے ہیں اگر انہیں معلوم ہو جیو کیا تو وہ ہمارے خلاف کچھ کرنے کے لئے بہتر اندھ نہیں کیوں گے۔“

”تمہارے ابو کی بار خند کر چکے ہیں کہ ٹیلیفون ان کے

سہانے رکھا جائے۔ میں انہیں کب تک ٹالتی رہوں گی۔ ان کے قریب فون رہے گا تو وہ کمرے باہر دوست احباب سے باتیں کر کے دل بھلاتے رہیں گے۔ ایسے میں ہماری اصلیت معلوم ہوگی تو وہ ٹیلیفون ہمارے لئے خطرے کی گھنٹی بن جائے گا۔“

وہ بولا ”ہمارے لئے بڑی مشکل ہو جائے گی۔ چیف کا حکم ہے کوئی بھی ہمارے لئے خطرہ بنے اسے پہلی فرصت میں ختم کر دو۔ لیکن آپ کی شوہر پرستی مجھ میں نہیں آتی۔ جو شوہر پاکستان سے محبت کرتا ہے آپ اسے ختم کرنا نہیں چاہتیں پاکستان کو ختم کر کے انگریز بھارت بنانا چاہتی ہیں۔“

”دیکھو حمید! یہ تم دو سری بار میرا ساگ اجاڑنے کی بات کر رہے ہو کیا تم اس کے بیٹے نہیں ہو؟ وہ تمہارا باپ نہیں ہے؟“

”ہے۔ لیکن یوڑھا ایاچ باج پہلے ہی زندہ لاٹا ہوا ہوا اور وہ ہماری ماں کے لئے اور تمام اولاد کے لئے موت کا خطرہ بن جائے تو ہمیں کیا فیصلہ کرنا چاہئے؟ کیا زندہ لاٹا لاش کیسا چھوڑ کر ہم سب کو اس دنیا سے چلے جانا چاہئے۔“

”میں صرف ایک ہی بات جانتی ہوں۔ جب تک میرا ساگ سانس لے رہا ہے اسے سانس لینے دو۔ اپنے طور پر بھارت ہو، ہمارا کوئی راز اس کے کانوں اور آنکھوں تک نہ پہنچے۔ دو۔“

”ہم بھی کر رہے ہیں۔ آپ ہماری آئیڈیل ماں ہیں۔ آپ نے ہندو سرکار کے ذریعے ہمیں زمین سے آسمان کی بلندیوں پر پہنچا دیا ہے۔ بھارت لندن اور پیرس کے ٹیکوں میں ہماری بے شمار دولت ہے۔ ہم سب لندن کے شہری بھی ہیں اور کسی خطرے کے وقت ہمیں بھارت میں عزت اور احترام سے پناہ مل سکتی ہے۔ ہم آپ کے ہر حکم کی تعمیل کرتے رہیں گے۔“

وہ اقبال حمید کی محبوبہ شادوا تھی اور اقبال حمید کی شریکو حیات شبیر تھی۔ مسلمان عورتیں شوہر کو مجازی خدا کہتی ہیں۔ ہندو عورتیں شوہر کو بھگوان، پتی پریشور سمجھتی ہیں۔ شادوا بھی اپنے محبوب شوہر کو بھگوان سمجھ کر پوجتی تھی۔ جوانی سے لے کر بڑھاپے تک اس کی خدمت کرتی آ رہی تھی لیکن جس زمین پر خدمت کر رہی تھی اسے ہندوستان کی ملکیت سمجھتی تھی۔ اس نے اسی نظریے سے اپنی اولاد کو دھوپایا تھا اور اولاد کو کم عمری میں ہی تعلیم کے بجائے لندن بھیج دیا تھا۔ جہاں شادوا کے بھائی اور بہنوں نے اس کی اولاد کو اپنی سرپرستی میں لے کر رتہ رتہ ان کے ذہن بدل دیے تھے۔

وہ قیام پاکستان سے یہاں کی زمین کا اتباع اور ملک کھارک ایک مسلمان کی شوہر پرست بیوی ہو کر بھی اندر سے شادوا تھی۔ سر حال شادوا نے بیٹے سے کہا ”میں ضروری شاپنگ کرنے جا رہی ہوں۔ میرے ساتھ چلو۔“

”ای! چیف کا فون آئے والا ہے۔ میں انتظار میں بیٹھا ہوں۔“

وہ چھڑی لپکتی ہوئی دروازے پر آئی پھر وہی "فون اٹینڈ کرے کے بعد اپنے ابو کو اٹینڈ کرنا۔ شاید ایسی کسی چیز کی ضرورت ہو۔"

"کل رات اسی ایس ادھر جاؤں گا۔"

وہ چلی گئی۔ یہ سوچنے لگا "اسی نے ابو کو پرالم بنایا ہے۔ بے شک مجھے باپ سے محبت ہے لیکن باپ سے زیادہ اپنی اولاد سے محبت ہوئی ہے۔ اگر ابو نے ہمیں ملک دشمن عناصر سمجھ لیا اور ایک عجب وطن کی حیثیت سے ہمیں قانون کے حوالے کیا تو میں باپ کے ذریعے ملنے والی سزا بھگت لوں گا لیکن اپنی اولاد پر آج نہیں آنے دوں گا۔ اسی اپنے سہاگ کو بچا رہی ہیں۔ مجھے اپنی اولاد کو بچانا چاہیے۔"

اس نے کونڑی کے پاس آکر بارود دیکھا اس کی ماں کا ریش بیٹھ کر جاری تھی۔ اس نے پلٹ کر ٹیلی فون کو دیکھا۔ آدھا ٹھنڈا گزر چکا تھا اور چیف نے ابھی تک رابطہ نہیں کیا تھا۔ شاید وہ کسی دوسرے معاملے میں مصروف ہو گا۔ وہ سوچتا ہوا کمرے سے باہر آیا، کمرہ دیکر دوسری طرف اس کے باپ اقبال حیدر کی خواگاہ تھی۔ اس نے دروازہ کھول کر دیکھا۔ اقبال حیدر ایک آرام دہ پانگ پر لیٹا ہوا تھا۔ وہ بیٹھ کر دیکھ کر مسکرایا پھر وہی کزور آواز میں بولا۔

"ایک ہی گھر میں رہتے ہو اور ایک ہفتہ بعد باپ کے کمرے میں آتے ہو۔"

وہ بولا "اسی لئے نہیں آتا کہ آپ طعنے دیتے ہیں ہماری مصروفیات کو نہیں سمجھتے۔ اپنی بیکار زندگی کی طرح ہمیں بھی بیکار سمجھتے ہیں۔"

اس نے پلٹ کر دروازے کو اندر سے بند کر دیا۔ باپ نے کہا۔

"ٹھیک کہتے ہو جیٹا، میں بیکار ہی رہا ہوں۔ تم لوگوں پر بوجھ بن گیا ہوں۔"

وہ قریب آتے ہوئے بولا "آپ بوجھ نہیں، خطرہ بن گئے ہیں۔ دانا کہتے ہیں کہ خطرے کو چننے نہیں دیتا چاہئے۔"

"تم مجھے خطرہ کیوں سمجھ رہے ہو؟ کیا تمہیں میری ذات سے نقصان پہنچ رہا ہے؟"

"پہنچنے والا ہے۔ آپ قیام پاکستان کے سپاہی ہیں۔ آپ لوگوں نے ہندوستان کے ٹکڑے کر دیے اس زمین کو پاکستان کا نام دے دیا۔ آپ لوگوں نے کس حق کے تحت ایسا کیا؟"

"بیٹا! تاریخ پر جو مسلمانوں نے کئی صدیوں تک ہندوستان پر حکومت کی ہے۔ وہاں کی زمینوں پر پینسٹ بھی بھایا ہے اور خون بھی۔ ہمارے پیتے اور خون کا حساب کرو گے تو معلوم ہو جائے گا کہ ہم نے پاکستان بنا کر اپنے تمدنی، سیاسی اور اسلامی حقوق حاصل کئے ہیں۔"

اس نے باپ کے سر کے نیچے سے ٹکڑے کھینچ کر کہا "میں بھی اپنا حق حاصل کرنے آیا ہوں۔ مجھے حق پہنچتا ہے کہ میں آپ کے پوتے ہو تو میں کی ہٹا کے لئے آپ کی سائنس سمجھ لوں۔"

اقبال حیدر نے حیرانی سے بیٹے کو دیکھا۔ وہ چند لمحات کی حیرانی تھی۔ پھر اس کے منہ اور ناک پر ٹکڑے آگیا۔ بوڑھے نے ایک ہاتھ سے ٹکڑے کو ہٹانے کی کوشش کی۔ دوسرا ہاتھ اور بائیں فٹنگ وہ تھ۔ اس میں ایک زرا جھنجھٹ نہیں ہوئی تھی۔ ٹکڑے کا دباؤ اس قدر بڑھ گیا تھا کہ سانس لینے کے لئے ہوا نہیں مل رہی تھی۔

جدوجہد کے لئے ایک ہی بوڑھا اور کزور ہاتھ اور ایک بائیں رہ گیا تھا۔ وہ اکیلا ہاتھ کاٹنے کا پتہ نہ دیتی ہوئی شاخ کی طرح سبز تر کر پڑا۔ جدوجہد تمام ہو گئی۔ آخری بار اس کا کزور جسم ڈراما پھر پھرایا پھر ایک دم سے ساکت ہو گیا۔ اس بوڑھے کی سانس روکنے کے لئے پانچ منٹ بہت زیادہ تھے لیکن وہ پندرہ منٹ تک ٹکڑے کو منہ اور ناک پر دبوچے رہا۔ پھر پانگ سے اتر گیا۔ بیٹے پر کان رکھ کر اور نبض ٹٹل کر تھیں، ہوا کہ وہ قیامت ہو چکا ہے۔

اس نے پچھلی ہوئی مردہ آنکھوں کو بند کیا۔ زیادہ دباؤ کے باعث ناک زرد پڑ گئی تھی اس نے ہتھکڑوں میں انگلی ڈال کر ناک کو سیدھا کیا، ٹکڑے کو دوبارہ سر کے نیچے رکھا۔ لاش کو ایسی پوزیشن میں لے آیا جیسے حرکت قلب بند ہونے سے موت واقع ہوئی ہے۔

وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا دروازے تک آیا۔ اسے کھولنے کے بعد باپ پر ایک نظر ڈالی۔ ماں نے حکم دیا تھا "جب تک میرا ساگ سانس لے رہا ہے، اسے سانس لینے دو" اور اس نے ماں کے حکم کی تعمیل کی تھی۔ ہلاک کرنے کا تو قص ایک بہانہ تھا۔ مقدمہ میں اتنی ہی سائنس نہیں، جو حکم ملے گا۔

فون کی گھنٹی سنائی دے رہی تھی۔ وہ تیزی سے چلتا ہوا کمرے میں آیا، پھر ریسورٹھا کر کہا "ہیلو رانا حیدر! سیکنگ۔"

چیف کی آواز سنائی دی "آدھا ٹھنڈا گزر چکا ہے۔ پلاننگ بتاؤ؟"

اس نے اپنے بیٹے جیشد کی پلاننگ سنا دی۔ چیف نے خوش ہو کر کہا "جیشد کا جواب نہیں ہے۔ پلاننگ بہت عمدہ ہے۔ چودھری اور صوفیہ کی تصویریں تمہیں ایک گھنٹے کے اندر مل جائیں گی۔ طارق ایک ہی بار نظروں میں آیا تھا" اس لئے اس کی تصویر نہیں ہے۔"

رانا حیدر نے کہا "آج میں نے تنظیم کے مفاد کے لئے ایسا کام کیا ہے، جو بہت کم فائدہ دار کہلاتے ہیں۔"

"اگر ایسا ہے تو تم انعام کے حق دار ہو جاؤ گے۔ بتاؤ کیا کیا ہے؟"

"میرے ابو کو ہم لوگوں پر شبہ ہو گیا تھا۔ وہ مجھ سے طرح طرح کے سوالات کر رہے تھے۔ انہیں ہماری سرگرمیوں کا علم ہو رہا تھا۔"

"یہ بڑی تشویش ناک بات ہے۔ تنظیم کے قوانین یاد ہیں؟"

"جی ہاں۔ ہم پر لازم ہے کہ باپ بھی تنظیم کو نقصان پہنچائے

تو خون کے رشتے کو بھول جاؤ" ورنہ ہم سب کا خون ہو جائے گا۔ آپ کی اطلاع کے لئے عرض کر رہا ہوں کہ میں نے پانچ منٹ پہلے اپنے باپ کو قتل کر دیا ہے۔"

"شباب! رانا! تم نے وفاداری کی انتہا کر دی ہے۔ بددعا انعام چاہتے ہو؟"

"میں اپنے پارے ابو کا حقہ دیتا ہوں گا۔ دس لاکھ بھیج دیں۔"

"ایک گھنٹے کے اندر ان تصویروں کے ساتھ رقم بھی مل جائے گی۔"

رابطہ ختم ہو گیا۔ اس نے ریسورٹھا کر دیا۔ پھر باپ کی موت پر انفس کرتے ہوئے سوچا "ایک باپ کو بھگتانے کے دس لاکھ روپے آہ! انفس میرا ایک ہی باپ تھا۔ دس ہوتے تو ایک ہی دن میں کمزور پٹی بن جاتا۔"

○●○

پلے ریمانہ گھر میں آئی۔ قہوڑی دیر بعد چھوٹی بن رخصانہ پہنچ گئی۔ رانا حیدر نے دونوں بیٹیوں کو راز داری سے سمجھایا کہ خانقاہ نظریات رکھنے والے باپ کا کس طرح خاتمہ ہوا ہے۔

آوے گئے بعد اس کا بیٹا رانا جیشد بھی آگیا۔ وہ بھی اس راز میں شریک ہو گیا۔ آخر میں شادرا آئی تو یہ وہنے کی خبر سننے ہی ہوئی شوہر کے پاس آئی پھر اس سے لپٹ کر رین کرنے لگی۔

"ہائے میں غصنا بھر پلے میاں سے گئی تو سہاگن تھی۔ واپس آئی تو یہ وہ گئی۔"

اس نے روتے ہوئے اور بولتے ہوئے اپنے بیٹے اور پوتے پوٹیوں کو دیکھا۔ وہ سب سر جھکے چہرے سے گھرے صدمے کا اظہار کرتا چاہتے تھے۔ شادرا نے ایک ایک کے پاس آکر پوچھا۔

"پپ کیوں ہو؟ میں انہیں طرح سمجھ رہی ہوں۔ یہ تمہارے چہروں پر اتنی خاموشی نہیں ہے، بھرانہ خاموشی ہے۔"

رانا حیدر نے کہا "اسی! کیا آپ نہیں چاہتی کہ تنہا پر دیکھنا چاہتی ہیں۔ پھر اس نے بیٹے سے کہا "جیشد! فتن و فن کا فورا انتظام کرو۔ یہ کام جلدی ٹھنڈاؤ، ابھی بہت سے کام پڑے ہیں۔"

جیشد باہر چلا گیا۔ ریمانہ اور رخصانہ رشتے داروں کو فون پر اطلاع دینے چلی گئیں۔ شادرا نے گھور کر اپنے بیٹے رانا حیدر کو دیکھا۔ پھر کہا "ایسی جلدی کیا تھی؟ دو چار روز ممبر کر لیتے تو قدرتی موت ہو جاتی۔"

"آپ دو چار روز کی بائیں کر رہی ہیں۔ ہم برسوں سے ممبر کرتے آئے ہیں۔ بیشہ دھڑ کا لگا رہتا تھا کہ بڑے میاں کسی بھی وقت مذاہب بن جائیں گے۔"

"کیا کسی کو شبہ نہیں ہو گا؟؟"

"بالکل نہیں ہو گا۔ حرکت قلب بند ہوئی ہے اور طبی موت ایسے بھی ہوتی ہے۔"

یہ کہہ کر وہ دوسرے کمرے میں اپنی بیٹیوں کے پاس چلا گیا۔

رشتے دار باہم کرنے آ رہے تھے۔ ابو داد نے رقم اور تصویریں بھیج دی تھیں۔ جیشد نے کہا "ڈیڈ! ہمیں اپنے اعداد کے آدمیوں میں ایسے شخص کا انتخاب کرنا ہے جو چودھری حاکم علی کے ایک اپ میں صوفیہ اور طارق کو کامیابی سے دھوکا دے سکے۔"

باپ نے کہا "ایسے انتخاب کریں۔ ابھی تو بڑے میاں کی تجویز تکلیف کی آخری رسومات باقی ہیں۔"

"سب ہو جائے گا ڈیڈ! ابھی پوری رات بڑی ہے۔ میں صبح تک چودھری کی ڈی تیار کر لوں گا۔"

وہ تمام رات مصروف رہے۔ اپنے باپ کو قبر میں اتار کر صوفیہ کے باپ کی ڈی تیار کرتے رہے۔ صبح چار بجے ڈی کو ہدایت دی کہ وہ دن کے نو بجے تک فینڈ پوری کرے اور پھر دس بجے تک صوفیہ کی کوٹھی میں جائے ایک اندازہ تھا کہ صوفیہ کسی ضرورت سے اپنی کوٹھی میں آئی ہوگی یا ڈاکٹر زایوسو الٹن کی لابی سیری میں جاتی ہوگی۔

ریمانہ نے کہا "میں دن کے دس بجے سے شام چار بجے تک روزی دوسرے ڈی کی نگرانی کرتی رہوں گی۔"

ریمانہ نے کہا "میں شام چار بجے سے رات نو بجے تک نگرانی کروں گی اگر ڈی کو یہ شبہ ہو کہ صوفیہ اور طارق اس کے قریب آ رہے اور اسے ٹرپ کرنا چاہتے ہیں تو ڈی اپنا سر کھجائے گا۔ میں سمجھ لوں گی کہ دونوں شکار ہماری نظروں میں آ گئے ہیں۔ میں خاموشی سے ان کا تعاقب کر کے ان کی خفیہ پناہ گاہ تک پہنچتا چاہوں گی اور ٹرانسمیٹر کے ذریعے جیشد اور ڈیڈ کو اطلاع دیتی رہوں گی۔"

اس پلاننگ کے مطابق انہوں نے اپنی فینڈیں پوری کیں۔ دن کے دس بجے ڈی صوفیہ کی کوٹھی کی طرف روانہ ہوا۔ ریمانہ اپنی کار میں بیٹھ کر اس کی نگرانی کے لئے گئی۔ ان دونوں کے جانے کے بعد جیشد نے صبح کا اخبار پڑھا تو صوفیہ کی طرف سے شائع ہونے والے اشتہار پر نظر پڑی اس نے اپنے باپ اور چھوٹی سہن کو وہ اشتہار پڑھا۔ رانا حیدر اسے پڑھنے کے بعد کہا "معلوم ہوتا ہے فریڈ لاہور آگیا ہے۔ وہ اشتہار کے ذریعے حاکم علی کے اندر رہے چھٹی پیدا کرنا چاہتا ہے۔ وہ کبھی نہیں چاہے گا کہ اس کی بیٹی وہ فارمولے کسی کو فروخت کرے۔ بیٹی کو اس دھاندلی سے روکنے کے لئے وہ خفیہ پناہ گاہ سے نکلے گا فریڈ کی گرفت میں آ جائے گا۔"

جیشد نے کہا "ضروری نہیں کہ فریڈ میاں موجود ہو۔ ویسے یہ خوب ہے کہ ہم صوفیہ اور طارق کو ٹرپ کرنے کے لئے ڈی چودھری کو چار بار بنا رہے ہیں اور وہ چودھری حاکم علی کو ٹرپ کرنے کے لئے اشتہار کا سامرا لے رہے ہیں۔"

اس نے ٹرانسمیٹر کے ذریعے اپنی بن ریمانہ کو اخباری اشتہار کے متعلق بتایا پھر کہا "فریڈ یا اس کا ماتحت طارق اشتہار کے ذریعے چودھری کو ٹرپ کرنا چاہتے ہیں۔ ہوشیار ہو۔ دشمن ڈی چودھری

سے دھوکا کھا کر اسے ٹریپ کریں گے ایسی کوئی بات ہو تو فوراً رابطہ کرنا۔

اس نے ٹرانس میٹر کو آف کیا۔ فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ رانا جید نے ریسپورڈ اٹھا کر بیلو کما۔ دوسری طرف سے ابوداؤد نے پوچھا۔ ”تم نے آج کے اخبار میں صوفیہ کا اشتہار پڑھا ہے؟“

”ہی ہاں“ میں اپنے بچوں سے انہی اسی موضوع پر گفتگو کر رہا تھا۔ ہم نے چودھری کی ڈی کو صوفیہ کی کوٹھی کی طرف روانہ کیا ہے۔ ریمانہ اس ڈی کی نگرانی کر رہی ہے۔“

ابوداؤد نے کہا ”جو دوا ساز کپیناں صوفیہ سے فارمولے خریدتا چاہیں گی وہ کل کے اخبارات میں اپنے نام“ پتے اور ٹیلی فون نمبر شائع کرائیں گی۔ تمہارا کیا خیال ہے“ صوفیانہ خریداروں سے معاملات طے کرنے جائے گی؟“

”میرا خیال ہے وہ ہماری ہی چال چلیں گے۔ ہم نے انہیں پھانسنے کے لئے ڈی چودھری کو پیش کیا ہے۔ وہ ڈی صوفیہ کو خریداروں کے پاس بھیجیں گے۔“

”ٹھیک ہے اسی طرح دشمنوں کی چالیں سمجھتے ہوئے جوابی کارروائی کرتے رہو۔“

جیشہ نے ریسپورڈ لے کر کہا ”ہاں! ایک اور آئیڈیا ہے۔ چودھری حاکم علی خیروداوا ساز کپینوں کے مالکان سے واقف ہے۔ ان کے فون نمبروں سے بھی واقف ہو گا۔ اگر آپ اپنے کسی خیال خوانی کرنے والے کا تعاون حاصل کریں اور وہ چودھری حاکم کی فون کال کے ذریعے ان دوا ساز کپینوں کے مالکان کے دماغوں میں پہنچ جائے تو ہمیں معلوم ہو جائے گا کہ صوفیہ فون کے ذریعے کن لوگوں سے فارمولوں کا سودا کر رہی ہے۔“

”یہ اچھی تدبیر ہے۔ میں اس پر غور کروں گا۔“

ادھر سے رابطہ ختم ہو گیا۔ انہوں نے ہر پہلو سے صوفیہ اور طارق کو ٹریپ کرنے کا منصوبہ بنایا تھا۔ اگر طارق ڈی چودھری کو پکڑنے کا تاؤ خود پکڑا جائے۔ ابوداؤد اور جیشہ دیکھو ڈی صوفیہ سے دھوکا نہ کھاتے بلکہ وہ اپنے کسی ٹیلی فنی بیعتی جاننے والے کے ذریعے فارمولے خریدنے والوں کے دماغوں تک پہنچ رہے تھے اور یہ جو کچھ بھی ہو رہا تھا اس کا علم مجھے اور پاس کو نہیں تھا۔

پارس میٹران میں بیٹھا جانے لگا رہا تھا۔ اس کے خیال میں آج فرصت کا دن تھا۔ کیونکہ آج ہی اخبار میں صوفیہ کی طرف سے اشتہار شائع ہوا تھا۔ اس اشتہار کے جواب میں فارمولے خریدنے والے کل کے اخبارات میں صوفیہ کو مخاطب کرنے اور اپنا نام پتا اور فون نمبر شائع کرانے والے تھے۔

صوفیہ چاہتی تھی آج کا دن پارس کے ساتھ تنہائی میں گزارے لیکن وہ ہمانے کر کے تھا چلا آیا تھا۔ اپنے طور پر کوشش کر رہا تھا کہ صوفیہ کے ساتھ کہیں تنہا وقت نہ گزارے۔ وہ عیاش نہیں تھا مگر ہاں حسن پرست تھا۔ اور حسن پرستی بھی وقت اور

حالات کے مطابق کرتا تھا۔ میں نے اسے صوفیہ کا حافظہ بنایا تھا۔ اس لئے وہ صرف اس کی جان کا نہیں آہو کا بھی حافظہ رہتا تھا۔ انسان اگر شیطان کی حد تک پیچھے تو وہ برا ہے۔ یہ کاربہ اگر انسان کی حد میں رہ کر غلطیاں کرے تو اس میں اتنے برے کی چیز باقی رہتی ہے اور وہ اچھائی کی طرف لوٹتا رہتا ہے۔

وہ میٹران میں جس میز پر جانے لگا رہا تھا۔ اس کے پیچھے والی میز کے اطراف تین آدمی بیٹھے ہوئے تھے۔ ان میں سے دو انکسٹام کی کرسیوں کی پشت پارس کی کرسی کی پشت سے لگی ہوئی تھیں۔ ان کی گفتگو صاف طور سے اس کے کانوں تک پہنچ رہی تھی۔ ایک نے کہا ”یار! ایک بچ گیا۔ وہ یونیورسٹی کے لڑکے ابھی تک نہیں آئے۔“

دوسرے نے کہا ”ایک تو تیری جلد بازی نے پریشان کیا ہوا ہے۔ تو سمجھتا کیوں نہیں کہ یونیورسٹی کے مندرے وقت پر اپنی کلاسوں میں نہیں جاتے پھر وقت پر ادھر کیسے آئیں گے۔“ تیسرے نے کہا ”اصل میں یہ شیدا چلی بار وادرات کرنے والا ہے اس نے گھبرا کر گھڑی گھڑی دیکھ رہا ہے۔“

وہ بیٹنے لگا ”شیدے نے کہا تمہیں بڑول اور گھبرانے والا نہیں ہوں مگر آگ لگانے کے لئے یہ جگہ مناسب نہیں ہے۔“

”اے جپ“ ایک نے سرگوشی میں ڈانٹ کر سر گھماتے ہوئے پارس کو دیکھا۔ ان سب کو غلطی کا احساس ہوا کہ ایک ایسی ان کے پیچھے یہ بیٹھا ہوا ہے اور اس نے گفتگو سنی ہوگی۔

تینوں نے ایک دوسرے کو سوا لہ نفروں سے دیکھا۔ پھر ایک نے اسی طرح سر گھما کر پارس کے پیچھے کا کارا۔ اس کے کھانا کا کوئی اثر نہ ہوا۔ وہ سوچ میں ڈوبا ہوا جانے لگا رہا تھا۔ دوسرے نے طنز پر انداز میں پوچھا ”ڈاڈی! میرے بیٹے کی اینٹنگ کر رہے ہو۔“

پارس ٹس سے مس نہ ہوا۔ ایک نے اس کے کان کے قریب کہا ”اے جپ کچھ تو بول سنجی کی اولاد!۔“

پارس نے گالی سن کر بڑے ضبط سے کام لیا۔ دوسرے نے کہا ”یہ کتنے کا بچہ گالیاں سن کر بھی خاموش ہے، کیا جج بھرا ہے؟“

تیسرا اپنی جگہ سے اٹھ کر پاس کے پاس آیا پھر اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بولا ”کیا تمہارے ہو؟“

اس نے چونک کر تیسرے شخص کو دیکھا۔ پھر فوراً ہی جب میں ہاتھ ڈال کر انٹون کو لگاتے ہوئے بولا ”ہی کیا فرمایا آپ نے؟“

وہ تینوں بیٹنے لگے۔ پارس ایک سرے کے سر پہ میں تھا وہ خوش ہو رہے تھے کہ اس نے کچھ نہیں سنا ہے، ایک نے چونک کر کہا ”وہ دیکھو اسٹوڈنٹس نے کہا تھا“ جو بس چھ سرگرمی میں آکر رہے ہم اس کو آگ لگا دیں گے۔“ انہوں نے رنگین چوک کے قریب ہی پہنچ کر شاہراہ پر بس کو

زچھی ہو کر رکتے دیکھا تھا۔ ایک نے میز کے نیچے سے پیڑل کا کین اٹھایا پھر وہ میرے کو چائے کے عوض میں روپے دیتے ہوئے باہر چلے گئے۔

پارس نے بھی اٹھ کر میرے کو دس کا نوٹ دیا۔ پھر وہ بس کے باہر آیا۔ رنگین چوک پر لوگ دوڑتے آ رہے تھے۔ ترچھی کھڑی ہوئی بس کے اندر سے مسافر ہانگے ہوئے باہر آ رہے تھے۔ چار چھ طلباء بس پر چڑھا کر رہے تھے۔ ایک جوان ہاکی سے کھڑکی کے شیشے زور ہا تھا۔ لوگ پوچھ رہے تھے کیا بات ہے؟ کس بات کا جھگڑا ہے۔

ایک جوان کہہ رہا تھا ”کنڈیکٹر جھگڑا کرتا ہے۔ ہم نے یونیورسٹی کا کارڈ دکھایا پھر بھی پورا کرایہ مانگتا تھا۔ اب تو نہ بس رہے گی۔ نہ یہ پورا کرایہ مانگے گا۔“

جس شخص کے ہاتھ میں پیڑل کا کین تھا، وہ دوڑتا ہوا بس کی طرف جا رہا تھا۔ سمیٹنے سے فائدہ اٹھا کر بس کو آگ لگانا چاہتا تھا۔ اگر طلباء کے احتجاج میں زور پیدا ہو جائے تو کبھی کسی سمیٹنے کے طلباء بری طرح مشتعل ہو گئے ہیں۔

وہ دوڑتا ہوا بس کے اندر آیا۔ پھر انجن ڈرائیور کی سیٹ کی طرف پیڑل چمڑکنے لگا۔ اس کے پیچھے شیدا ابھی آیا تھا۔ پارس دوسرے دروازے سے دوڑتا ہوا اندر آیا۔ اس نے پیڑل چمڑکنے والے کے منہ پر ایک الٹا ہاتھ رسید کیا۔ وہ لڑکھاتا ہوا دروازے سے گزرتا ہوا باہر نکلا۔ کین کا باقی پیڑل اس پر الٹ گیا تھا۔ شیدا اچس کی تیلی جلا کر چمڑکنے ہوئے پیڑل پر بیٹھنا چاہتا تھا۔ پارس نے اس کے ہاتھ پر پلاٹ ماری۔ چلتی ہوئی تیلی ہاتھ سے نکل کر فضا میں اڑتی ہوئی باہر گرنے والے شخص پر گئی۔ وہ کیا دہائی بھڑکنے ہوئے شعلوں میں لپٹ گیا۔

پارس نے شیدے کی گردن دبوچ لی۔ وہ جلتے والا سرگرمی سے اٹھ کر ادھر ادھر بھاگ رہا تھا اور لوگ آگ کے شعلوں سے بچنے کے لئے اس سے دور بھاگ رہے تھے۔ کچھ لوگ پانی کی بالٹیاں اٹھا کر لڑا رہے تھے۔ پارس نے شیدے کو سپاہیوں کے سامنے دھکا دے کر کراتے ہوئے کہا ”یہ اندر جا کر آگ لگانا چاہتا تھا۔ اس کا ایک ہاتھ بل رہا ہے اور دوسرا ساتھی۔“

اس نے بیٹھیں نظر دوڑائی۔ تیسرا ساتھی نظریں لٹے ہی ہانگے لگا۔ پارس نے اشارہ کرتے ہوئے کہا ”پکڑو۔“ وہ بھی نرم ہے۔

لوگ اسے چاروں طرف سے گھیرنے لگے۔ اس نے فرار کا کوئی راستہ نہ پا کر لانا سا چاٹو نکال لیا۔ لوگ اپنے بھاؤ کے لئے پیچھے ہٹنے لگے۔ پارس نے پیڑل کے خالی کین کو اٹھا کر اس کی طرف پھینکا۔ تب دوسرے لوگ بھی پھرتا اٹھا کر اسے دور سے مارنے لگے۔ رنگین چوک کا ایک مضمی راستہ بن رہا تھا۔ اس راستے پر پھرتے ہوئے تھے۔ پھر بے شمار تھے، مارنے والے بھی بے شمار

تھے۔ آخر وہ زخمی ہو کر گر پڑا۔ تمام طلباء ہاں سے چلے گئے تھے۔ صرف وہ پکڑا گیا تھا جو ہاکی سے کھڑکی کا شیشہ توڑ رہا تھا۔ پارس نے اپنے ایک کان میں انٹون لگا کر کہا ”ہاکی ہمارا تو ہی کھیل ہے۔ جب سے تم لوگوں نے خراب کاری اور دنگے فساد کے لئے استعمال کرنا شروع کیا ہے تب سے ہماری قومی ٹیم کے کھیل کا مسیار گرتا جا رہا ہے۔“ پولیس انسپکٹر نے کہا ”جوان تم نے بڑی پھرتی دکھائی ہے۔ لوگوں کا بیان ہے کہ تم نے بس کو جلتے سے بچایا ہے لیکن جلتے والے کو جلا دیا۔“

وہ بولا ”میں نے دانستہ نہیں جلا یا ہے اور آپ کی اطلاع کے لئے عرض کر دوں کہ یہ تینوں اسٹوڈنٹس نہیں ہیں۔ کرائے کے غنڈے ہیں۔“

ہاکی والے طالب علم نے کہا ”میں قسم کھا کر کہتا ہوں۔ ہم احتجاج کے طور پر تھوڑی سی توڑ پھوڑ کرنا چاہتے تھے۔ آگ لگانا ہماری پلاننگ میں شامل نہیں تھا۔ یہ بھائی صاحب درست کہتے ہیں۔ یہ تینوں غنڈے ہیں۔ ہم نے کبھی ایسی یونیورسٹی میں نہیں دیکھا ہے۔“

انسپکٹر نے کہا ”تم غنڈوں کے ساتھ تمہاری خیریت بھی پوچھیں گے“ پھر اس نے پارس سے کہا ”تم کسی بیان دینے کے لئے تھانے چلو۔“

پارس نے کہا ”ذرا ایک منٹ آپ سے تنہائی میں کچھ کہنا چاہتا ہوں۔“

انسپکٹر اس کے ساتھ سمیٹے ہوئے لکھا ہوا سرگرمی سے دور آیا۔ وہاں ذرا فاصلے پر کچھ کابریں کھڑی ہوئی تھیں۔ ان میں سے ایک کار رخسانہ کی تھی جو انسپٹرنگ سیٹ پر بیٹھی وہ ہنگامہ دیکھ رہی تھی۔ اسی کے ایک ہاتھ میں موبائل ٹیلیفون کا ریسپورڈ تھا۔ وہ اسے کان سے لگا کر دیکھ رہی تھی ”ایک نوجوان نے کھیل لگا ڈیا ہے۔ پلاننگ پڑھنی کا بیانی سے عمل ہو رہا تھا“ پتا نہیں یہ کہاں سے آ رہا ہے۔ جین اسے ٹریپ کر کے لائی ہوں۔ پہلے تم اس کا ٹھہرو پتا پھر اس کی ہڈیاں توڑ کر سر میں پھینک دیتا۔ میں آ رہی ہوں انتظار کرو۔“

اس نے ریسپورڈ رکھا۔ پھر کار کا دروازہ کھول کر باہر نکل گئی۔ اس کا رخ پارس کی طرف تھا۔ وہ انسپکٹر کو ایک طرف لے جا کر کہہ رہا تھا ”میں پولیس تھانے کے چکر میں نہیں پڑنا چاہتا۔ مجرموں کو اچھی خاصی سزا مل سکتی ہے۔ ایک جیل چکا ہے۔ دوسرے نے اتنے پتھر کھائے ہیں کہ جنوں کی روح کانپ گئی ہوگی۔ وہ دو دن تک اسپتال کے بستر پر نہیں اٹھ سکے گا۔ میرا فرض پورا ہو چکا ہے“ مجھے جانے دیں۔“

”کیسے جانے دوں؟ یہ قانون کا معاملہ ہے۔ یہاں بچے نہیں کھیل رہے تھے۔ خراب کاری ہو رہی تھی۔ ہمیں تو تھانے چلنا ہی

کون کون مرنا چاہتا ہے؟“
وہ لائیکر کی ننھی چابی کو داغوں تک لایا۔ چادوں ہاڈی بلندرز
ایک دم سے پلٹ کر دوڑتے ہوئے، گرتے پڑتے بھاگ گئے۔
رخسانہ چیختے گئی ”رک جاؤ۔ مجھے چھوڑ کر نہ جاؤ۔ منک حرامو!
مجھے مرنے کے لئے چھوڑ کر نہ جاؤ۔“
پارس نے کہا ”اے تم بھر چیخ چیخ کر مجھے گالیاں دے رہی
ہو۔“

وہ دوسرے کے انداز میں بولی ”لغت ہے تم پر۔ تم نے ازفون
کیوں توڑا؟ خدا کی قسم میں نہیں دے رہی ہوں گالی۔“
وہ دوسرے کی طرح کان لگا کر نہ رہا تھا، پھر سر ہلا کر بولا ”گالی“
یہی تو کہہ رہا ہوں اور تم پھر ”گالی“ بول رہی ہو۔“

وہ ایک دم سے دوڑ پڑی، کہنے لگی ”ایک طرف موت ہے
دوسری طرف ہراسہ۔ ہم کے پھٹنے سے شاید چیخ جاؤں مگر اس کے
سامنے چیخ چیخ کر مر جاؤں گی۔“

پھر وہ پارس کا ہاتھ پکڑ کر اشارے کی زبان سے بولی کہ وہ ہم
بلاست نہ کرے۔ اس کی جان بخش دے۔ وہ سر ہلا کر بولا ”اچھا
سمجھ گیا۔ میں اس کی چالی نہیں نکالوں گا لیکن ہاتھ میں پکڑے
رہوں گا جیسے ہی تم مجھے نقصان پہنچانے کی چالاکی دکھاؤ گی تو.....“
وہ نہیں نہیں کے انداز میں سر ہلا کر اشارے کی زبان سے بولی
کہ اس کا کچھ مر نکل رہا ہے وہ اوپر سے ہٹ جائے۔ وہ ہٹ گیا۔
رخسانہ عارضی نجات کی گہری گہری سانسیں لینے لگی۔ وہ اٹھ کر
کھڑا ہوا تو رخسانہ بھی اٹھ کر بولی ”کیا میں جاؤں؟“

”جاؤں؟ تم گانا چاہتی ہو؟ کمال ہے میرے ہاتھ میں موت کا
لائسٹ ہے اور تم گانا سننا چاہتی ہو۔“
وہ چیخ کر بولی ”گانا نہیں جانا چاہتی ہوں، جانا۔“
”کمانا، اچھا اب سمجھا۔ مجھے بھی بھوک لگی ہے۔ چلو کسی
ہوٹل میں جا کر آرام سے بیٹھ کر کھائیں گے۔“

رخسانہ نے دونوں ہاتھوں سے سرو کو تھام لیا۔ اس کے ساتھ
چلتی ہوئی باہر آئی۔ وہ جیب سے کار کی چابی نکال کر دیتے ہوئے بولا۔
”میں پہلے سے محتاط رہنے کا عادی ہوں۔ سوچا کیسے تم چھوڑ کر نہ
بھاگ جاؤ اس لئے یہ چالی رکھ لی تھی۔“
وہ سمجھ نہ بولی۔ چیختے چیختے سر پیکر آنے لگا تھا۔ وہ کار کا دروازہ
کھول کر اندر آئی۔ پارس اس کے برابر بیٹھ گیا۔ اسی وقت موبائل
فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ وہ ہاتھ بڑھا کر ریسور اٹھاتا چاہتی تھی۔ اس
نے ہاتھ پکڑ کر پوچھا ”کس کو فون کرنا چاہتی ہو؟“
وہ بولی ”میں فون نہیں کر رہی ہوں۔ گھنٹی بج رہی ہے، کوئی
مجھے کال کر رہا ہے۔“

”تم کیا کہہ رہی ہو؟ کچھ کہتی بھی ہو یا صرف منہ لاتی ہو۔“
اس نے معافی مانگنے کے انداز میں دونوں ہاتھ جوڑ کر
اشارے سے سمجھایا کہ کیسے دوسری جگہ سے فون آیا ”وہ بولا ”اچھا
نہیں“

”فون نہ میرے لئے ضروری ہے۔“
”کیا کیا؟ گاڑی نہیں چلاؤ گی؟“
وہ چیخ کر بولی ”میں گاڑی کی نہیں فون کی بات کر رہی ہوں۔ ان

گاؤ میں جتنے جتنے مزارات تھیں۔
 ”گھر جاؤ گی؟ میں میں نہیں گھر نہیں جانے دوں گا۔ پہلے ہم کسی رستوران میں کھانے جائیں گے۔“
 وہ پھوٹ پھوٹ کر دنا چاہتی تھی۔ پھر خیال آیا۔ تھوڑی دیر کی بات ہے۔ ہوٹل میں جتنے ہی اس کا بھائی اس سرے سے پیچھا چھڑا دے گا۔ وہ کار اشارت کر کے لیبارٹری کے احاطے سے باہر آئی۔ پھر اسے لاہور کی سمت موڑنا چاہتی تھی، وہ بولا ”ادھر نہیں ادھر۔ ہم کو جراثیوالہ جائیں گے۔“

”تمہارا داغ چل گیا ہے۔ میں اتنی دور نہیں جاؤں گی۔“
 ”کھاؤ گی؟ ٹھیک ہے میں کھانے ہی لے جا رہا ہوں۔“
 گو جراثیوالہ کے کباب بہت لذیذ ہوتے ہیں۔
 وہ دونوں ہاتھ جو ڈر اشارے کی زبان سے بولی ”بڑی مرمائی ہو گی۔ لاہور کی طرف چلو۔“
 وہ گو جراثیوالہ کی طرف اشارہ کرنے لگا۔ اس کی بات ماننے سے وہ مال روڈ کے ہوٹل نہیں جاسکتی تھی۔ اپنے بھائی کے ذریعے رہائی حاصل نہیں کر سکتی تھی، وہ جھنجھلا کر جانے سے انکار کرنے لگی۔ اس نے کہا ”انکار کرو گی تو پہلے کار کی چابی چھین کر باہر جاؤں گا۔ پھر یہ ہم کار کے اندر تمہارے پاس پیکیج کر دوں رہا جاؤں گا۔“

اس نے کار کی چابی کی طرف ہاتھ بڑھایا وہ ہاتھ پکڑ کر بولی۔
 ”میں تمہارے پاؤں پکڑتی ہوں۔ تم اپنی ہر بات منواؤ مگر میری ایک بات ان لو۔ ہم کل کان میں چل کر کھائیں گے۔“
 پارس نے لاٹری کی چابی کو دانتوں میں دبایا۔ اس نے جلدی سے کار اشارت کر کے اسے گو جراثیوالہ کی طرف موڑ دیا۔ تیزی سے ڈرائیو کرتے ہوئے بڑھانے لگی ”میرے خاندان کی سہیلی اولاد! میرا ڈاؤنچلے دے۔ کن کن کر بولے لوں گی۔ تیری بولی بولی کر کے تجھ پر تھوکتی رہوں گی۔“

وہ خاموش بیٹھا رہا۔ وہ بولتی رہی۔ پھر بولتے بولتے تھک کر چپ ہو گئی۔ گو جراثیوالہ پہنچ کر اس نے ایک بڑے جنرل اسٹور کے قریب روکتے ہوئے کہا ”مجھ میں اتنی سکت نہیں رہی کہ تمہارے سامنے قلعہ بناؤں رہوں۔ چلو اترو۔ میں ابھی تمہارے لئے ایک نیا آلہ ساعت خریدوں گی۔“

وہ دکان کے اندر آئے۔ وہاں سے ایک آلہ ساعت خریدا۔ رخسانہ نے ٹانگ کی ڈیا میں سیل لگا کر ڈرائیو کو اس کے کان میں گھس کر پوچھا ”اب سنائی دے رہا ہے؟“

”ہاں تمہاری سریلی آواز صاف سنائی دے رہی ہے۔“
 وہ پرس سے رقم نکال کر آلہ ساعت کی قیمت ادا کرنے لگی۔ جیسے ہی اس کی توجہ ادھر ہوئی ”ادھر مارنے سے ٹانگ کی ڈیا میں سے سیل نکال کر چھپا لیا۔ پھر ڈیا کو اوپری جیب میں رکھ کر ڈرائیو کو کان سے لگایا اب وہ آلہ ساعت نہ ہونے کے برابر تھا۔“

وہ قیمت ادا کر کے بولی ”ٹھیکس گاؤ! ایک مصیبت دور ہوئی، چلو۔“
 وہ باہر آئے۔ رخسانہ نے کار میں بیٹھے ہوئے کہا ”جلدی سے کچھ کھاؤ۔ پھر میرے جانے دو۔“
 ”ابھی جانے کی بات نہ کرو۔ میں کچھ ضروری باتیں کروں گا۔“

”تو جلدی کرو۔“
 ”بھوکے پیٹ سے بات نہیں نکلی گی۔“
 ”میں اس ریلوے پھاگ کے پاس بہت مشہور کباب اور چرنے کی دکان ہے لیکن شام چھ بجے کے بعد یہ کباب نصیب ہوں گے۔“
 ”کوئی بات نہیں۔ ہم ایک منگے ہوٹل میں کرائیں گے۔ اس کمرے میں کچھ منگوا کر کھا لیں گے۔“
 ”ہوٹل میں کرائیو کی ضروری ہے؟“

”ضروری باتیں کرنے کے لئے تنہا کی ضروری ہے۔“
 ”تمہارے ارادے کیا ہیں؟ میں ایسی ویسی لڑکی نہیں ہوں۔“
 ”یہ ابھی بات ہے میں بھی ایسا ہوں نہ دیکھا ہوں گاؤی چلاؤ۔“

اس نے گاؤی اشارت کی۔ پھر ڈرائیو کرتے ہوئے بولی ”میں موت کے خوف سے تمہاری ہر بات ماننے جا رہی ہوں لیکن عزت پر آج آئے گی تو موت سے نہیں ڈروں گی۔ اس لاٹریم سے ہونے والی موت کو ترجیح دوں گی۔“

”تمہاری پاکیزہ باتیں سن کر میرا ایمان تازہ ہو رہا ہے۔ جس طرح آبرو کی حفاظت کرنے سے پاکیزگی قائم رہتی ہے۔ اس طرح ذمے دارانہ عمل سے وطن سلامت رہتا ہے۔ تم آبرو کی سلامتی چاہتی ہو لیکن وطن کی آبرو کا تمہیں خیال نہیں ہے تم پاکستانی کھلائی ہو اور پاکستان کے ایک خوب صورت شہر میں قریبی کارروائیاں کرتی ہو۔ شہر کا حسن اجاڑتے وقت یہ نہیں سوچیں کہ تمہارے بدن کا شہر بھی کوئی اجاڑ سکتا ہے۔“

”میں نے کوئی غلط کام نہیں کیا ہے۔ میں طلباء یونین کی سیکریٹری ہوں۔ طلباء و طالبات کے جائز حقوق کا مطالبہ کرنا ہمارا حق ہے۔“

”ٹھیک ہے،‘مطالبات منوانے کے لئے ہوں کو جانا تو جھوڑ کرنا اور امن وامان کا مسئلہ پیدا کرنا تمہارا حق ہے تو آج ایک سو تم سے رات بھر اپنے مرد ہونے کے حقوق حاصل کرتا رہے گا۔“
 ”آخر تم ہو گون؟ کیا امن وامان کے ٹھیکیدار ہو؟ اگر سرکاری آدمی ہو تو لین دین کی بات کرو۔“

”میں لین دین کی بات کے بغیر نہیں آتا ہوں۔“
 اس نے ایک ہوٹل کے سامنے کار روکنے کو کہا۔ وہ کار روک کر بولی ”میں ہوٹل میں نہیں جاؤں گی۔“
 ”تم جاؤ گی۔ اگر اپنا صحیح نام پتا اور خفیہ مصروفیات بتاؤ تو

میں تمہارا پیچھا چھوڑ دوں گا۔ ورنہ میں نے قسم کھائی ہے کہ تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔“
 اس کے لہجے میں ایسی چٹکی تھی کہ رخسانہ کو لاٹریم سے ہونے والی موت کا یقین آ گیا۔ اس نے سوچا ”ہوٹل کے کمرے میں جانے کا ایک فائدہ ہے۔ وہاں موقع ملنے ہی میں فون پر بھائی یا ڈیڈے رابطہ کر سکیں گی۔“

وہ کار کو ایک طرف پارک کر کے ہوٹل میں آئی۔ پارس نے گاؤی کے پاس آکر ایک کمرہ حاصل کیا۔ اس وقت سلمان نے آکر گاؤی کو دکانے پارک کرنے کا ”میرے ساتھ یہ لڑکی رخسانہ ہے۔ آپ میرے خیالات بڑھتے رہیں۔ آپ کو بہت کچھ معلوم ہو گا اگر یہ یوگا جاننے والی ہم سے تعلق رکھتی ہے تو آپ کو داغ میں آنے نہیں دے گی۔ دیکھیں میں تھوڑی دیر میں اسے داغی کمرہ میں مبتلا کروں گا۔“

پھر وہ گاؤی سے بولا ”وٹر کو فوراً بھیج دو۔ ہمیں بھوک لگی ہے۔“
 وہ رخسانہ کے ساتھ میز پر بیٹھتے ہوئے سیکنڈ فلوور پر جانے لگا۔ وہ بولی ”تم مسلسل لاٹریم پکڑے ہوئے ہو۔ دیکھنے والے کیا سوچتے ہوں گے۔“

”ہمارے معاشرے میں لاٹری پکڑ کر رہنا مقبوض اور قابل اعتراض نہیں ہے۔ اعتراض صرف تمہیں ہے۔“

وہ کمرے میں پہنچ کر بولی ”میں ہاتھ دوم میں جاؤں گی۔“
 ”ہاں ضرور چلو۔ آؤ۔“
 ”کیا؟“ وہ گھور کر بولی ”تم وہاں بھی میرے ساتھ جاؤ گے؟“
 ”اگر میں ساتھ نہ گیا تو تم فرار کا کوئی راستہ نکال لو گی۔“
 ”ہاتھ دوم کا ایک ہی دواؤ تازہ ہوتا ہے۔ تم دواؤں سے پرہیز کرنا۔“

پارس نے باتوں کے دوران اپنی انگوٹھی کی خفیہ سوئی نکال لی۔ پھر ہاتھ اس کے بازو پر رکھتے ہوئے بولا ”کوئی بات نہیں جاؤ۔ اس لئے سے آزاد ہو۔“

ہاتھ میں لگی بھی جپین محسوس ہوئی۔ رخسانہ نے آہ کی۔ پھر ہاتھ سے سر کو ڈنگائی کوئی پنکٹ پر آکر بیٹھ گئی۔ سلمان ”میں نے تمہارے خیالات بڑھ کر رخسانہ کے متعلق کچھ علم لیا ہے۔ اب اسے معمول بن کر بہت سے راز معلوم کر لوں گا۔“

پارس نے رخسانہ سے پوچھا ”تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے۔“
 ”کسے تم نے میرے بازو میں سوئی چھوئی تھی۔“
 ”میں سوئی چھوئے والا ڈاکٹر نہیں ہوں۔“
 ”اپنے ہاتھ دکھاؤ۔“

اس نے دونوں ہاتھ آگے بڑھا کر دکھائے۔ انگلی میں ایک دھمکی دے رہی تھی۔ وہ بظاہر ایک عام سی انگوٹھی تھی۔

اس کے اندر جو خاصیت تھی وہ کسی کی سمجھ میں نہیں آ سکتی تھی۔ اس نے پوچھا ”تم ہاتھ دوم جانا چاہتی تھیں؟“
 ”ہاں مگر کمرہ دہری سی لگ رہی ہے۔ یہ اچانک کیسے ہو گیا؟ تم نے ضرور کچھ کیا ہے۔“
 ”تم کمرہ دہری کا بہانہ کر کے میرے سوالوں سے بچنا چاہتی ہو۔ چلو میں تم سے کوئی سوال نہیں کروں گا۔ آرام سے لیٹ جاؤ۔ میں باہر جا رہا ہوں۔“

وہ خوش ہو کر بولی ”مجھے چھوڑ کر جا رہے ہو؟“
 ”ہاں اور یہ لاٹریم تمہیں دے کر جا رہا ہوں۔ یہ لو۔“
 اس نے وہ لاٹریم اس کی طرف بڑھایا۔ اسے یقین نہیں آیا کہ جس ہتھیار کے ذریعے وہ اسے مٹھی میں پکڑے ہوئے تھا۔ وہ ہتھیار اس کے حوالے کر رہا ہے ”وہ بولا ”تمہیں یقین نہیں آ رہا ہے“ دیکھو میں یقین دلانا ہوں۔“

اس نے ہم کی چابی کو دانتوں میں دبایا۔ وہ کمرہ دہری کے باوجود چپ کر بولی ”نہیں۔ نہیں میں مرنے نہیں چاہتی۔“
 اس نے چابی کو دانتوں سے ہٹھکیا۔ لاٹریم کے اندر سے پھس کی آواز کی ساتھ دھواں نکلا تو وہ اچھل کر پارس سے لپٹ گئی۔ وہ بولا ”چند سیکنڈ رہ گئے ہیں۔ آخری وقت لپٹنے سے کیا حاصل ہو گا؟“

وہ خوف سے کانپتے ہوئے اور اس کی آغوش گھسیٹتی ہوئی بولی۔
 ”سب کچھ حاصل ہو گا۔ میرا حق، امن اور دھن سب تم پر بھجوا کر دوں گی۔ مجھے بچاؤ۔ میں زندگی تمہارے نام کروں گی۔“
 ”وعدہ کرتی ہو؟“

”وعدہ کرتی ہوں۔ قسم کھاتی ہوں۔“
 ”تو پھر تم نہیں ہو گی۔ موت کا وقت مل گیا ہے۔ دیکھو یہ ہم ہماری محبت کے مارے پھنسا نہیں جاتا۔“

اس نے ڈرتے ڈرتے الگ ہو کر لاٹریم کو دیکھا۔ چابی پہلے ہی الگ ہو گئی تھی۔ اب دھواں بھی ختم ہو گیا تھا۔ وہ کچھ مطمئن تھی کچھ سسکی ہوئی تھی۔ پارس نے اس کے ہاتھ میں زبردستی لاٹریم پکڑا دیا۔ تب اسے پورا یقین ہوا۔ وہ گھور کر بولی ”یہ ہم نہیں تھا؟“

”نہ تھا نہ ہے۔“
 ”تم مجھے الٹی رہا ہے تھے؟“
 ”نہیں۔ انوکھا رہا تھا۔“
 ”یو جیٹ، فریبی۔۔۔۔۔“

وہ غصے سے لاٹریم پکڑ کر مارنا چاہتی تھی۔ پارس نے گھبرا کر کہا ”اسے نہ پھینکنا۔ یہ پھٹ پڑے گا۔“
 اس نے ایک دم سے ہاتھ روک لیا۔ پھر کے ہنسنے کی طرح چپ کمرہ دہری ہو گئی۔ وہ قریب آکر اس کے ہاتھ سے لاٹریم کو بولا ”اسے محبت سے چھپا کر رکھو گی تو یہ نہیں پھٹے گا۔“
 ”میں اسے کہاں چھپاؤں؟“

اس نے لائیکو اس کے گریبان کے اندر ڈال دیا۔ پھیلٹ کر دروازے کے پاس آیا، وہاں رک کر بولا "میں جا رہا ہوں، تمہیں کھنے بعد آؤں گا۔"

یہ بات اس نے سلمان کو سنائی۔ پھر کمرے سے باہر آیا۔ دیگر آرڈر لینے دروازے پر گیا تھا۔ اس نے کہا "ابھی ضرورت نہیں ہے، جاؤ۔"

وہ چلا گیا۔ پارس ہوٹل سے باہر آکر مارشل بیٹھ گیا۔ پھر اسے ڈرائیو کرتے ہوئے دوسری جگہ جانے لگا۔ تاکہ رخصانہ کے بچے تلاش کرتے ہوئے ادھر آئیں تو وہ مار ہوٹل کے سامنے نہ دکھائی دے۔ ورنہ وہ اس کمرے میں پہنچ جائیں گے۔

سلمان نے انکر کہا "رخصانہ مت اہم ہے۔ میں اسے سلا کر آیا ہوں، ابھی جا کر عمل کروں گا۔ آجیہ وہ تمہاری پابند رہے گی۔" اس کے پس پردہ کیا ہے؟

"تمہارا خیال درست نکلا۔ رخصانہ، اس کے بھائی، بن، اس کا باپ اور اس کی دادی سب کے سب بھائی خفیہ تنظیم "را" کے بہت ہی قابل اعتماد جا سو ہیں۔ دادی کو چھوڑ کر سب ہی یوگا کے ماہر ہیں۔"

"انکل! جس یوگا ٹیم کے متعلق ہمیں اطلاع ملی تھی۔ یہ سب اسی سے تعلق رکھتے ہیں۔ کیا ان کے سربراہ کا نام اور ٹھکانا معلوم ہوا ہے؟"

"صرف اتنا کہ سربراہ کا نام ابوداؤد ہے۔ وہ یہودی ہے۔ اصل نام ایسے ہی ڈیوڈ ہے۔ نرا سربراہ بن کر رہتا ہے۔ کبھی کسی کے سامنے نہیں آتا۔ رخصانہ کی لیلیٰ میں بھی کسی نے آج تک اسے دیکھا نہیں ہے۔ رخصانہ کا بھائی رانا جیشہ بہت ہی چالاک، مکار اور فولادی فائبر تھا جاتا ہے شاید وہ ابوداؤد کو ابھی طرح پہچانتا ہوگا۔"

"ٹھیک ہے انکل! آپ رخصانہ کو قابو میں کریں۔ اس پر عمل کرنے کے بعد ایک درخواست ہے۔ پلیز صوفیہ کے پاس جا کر پایا کے لیے میں کہیں کہ طارق دوسرے شہر میں مصروف ہے۔ کل یا پرسوں تک آگے گا۔ وہ تمہارا بہتر نکل۔"

"ٹھیک ہے، سمجھاؤں گا۔"

سلمان چلا گیا۔ پارس ڈرائیو کرتا ہوا بہت دور نکل آیا تھا۔ اس نے کار کو ایک کچے راستے پر موڑ دیا۔ تھوڑی دور جا کر اسے روک دیا۔ پھر انجن کو بند کیا۔ باہر آکر دروازے لاک کئے۔ چابی جیب میں رکھی اس کے بعد پتہ مرکب پر واپس گیا۔ وہاں سے ایک بس میں سوار ہو کر پھر کو جرنال پہنچا تو دیکھنے کو گر پڑے تھے۔ مزید ایک گھنٹا گزارنے کے لئے وہ صدر بازار آکر روحانی ریسٹورنٹ میں چائے پیتے بیٹھ گیا۔

رخصانہ کے دماغ میں خیال خوانی کی سرگم رہی تھی اس کے ذریعے "را" تنظیم کے چیف تک پہنچنا آسان نہیں تھا۔

بھی نہیں رہا تھا۔ آگے چل کر مزید کامیابیاں حاصل ہو سکتی تھیں۔ صوفیہ کے نام سے جو اشتہار شائع کرایا گیا تھا اب اس کی اہمیت رہ گئی تھی کہ پارس چودھری حاکم علی کو چھاننے کی ناکام کوشش کر رہا تھا اور ابوداؤد وغیرہ کو یہ سمجھنے دیا کہ فریاد اور اس کا انچ چودھری کے پیچھے بھگ رہے ہیں اور سر تاج نامی نوجوان کو کئی مہر وطن تھا جو رخصانہ کو سزا دینے کے بعد کبھی تم ہو گیا ہے۔

جب وہ تین گھنٹے بعد ہوٹل کے کمرے میں پہنچا تو تھوڑی دیر سے بیدار ہو چکی تھی۔ اسے دیکھ کر مسکراہٹیں تھیں اور اس کی مسکراہٹ تیار تھی کہ جینا مان گئی ہے۔

پارس نے پوچھا "کیسا محسوس کر رہی ہو؟" وہ بدستور مسکرا کر بولی "مجھے کیا ہوا تھا کہ میں کچھ محسوس کروں؟"

"تم کڑوری محسوس کر رہی تھیں۔ میں نے تمہیں لینے کے لئے کہا۔ مگر تم لینے ہی سو گئیں۔"

"ہاں۔ میں گھڑی دیکھ کر حیران ہو رہی تھی کہ بے وقت کیے سو گئی۔"

"اور میں سمجھا کہ تمہاری بیداری کا انتظار کرتا رہا۔"

"اوہ سو سو رہی۔ چلو کیس کھانے بیٹھے ہیں۔"

"باہر تمہارے لوگ تمہیں تلاش کر رہے ہوں گے۔"

"ہاں، تم مجھ دن کے ایک بجے سے جکڑے رہے ہو۔ اب رات کے دس بج چکے ہیں۔ ڈیوڈ اور جیشہ بھائی کے کتے ہمیں ڈھونڈتے پھر رہے ہوں گے۔"

پارس نے فون پر ہوٹل سروس کو کھانے کا آرڈر دیا۔ پھر رخصانہ سے پوچھا "کھانے کے بعد گھر واپس جاؤ گی؟"

وہ گردن میں ہاتھیں ڈال کر بولی "پتا نہیں تمہارے اندر کیا بات ہے۔ میں اپنے سیکے والوں کو بھول جانا چاہتی ہوں۔"

"انہیں یاد رکھو۔ اس سسرال والے کا بیٹا ہو گا۔"

"یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔ جب میں جانا چاہتی تھی تو تم ایک کھلونے سے مجھے ڈرا کر روکتے رہے۔ اب میں نہیں جانا چاہتی ہوں تو مجھے گھر والوں کی یاد دلا رہے ہو۔"

"تمہیں آج یا کل اپنے گھر جانا ہو گا۔"

"جچ پوچھو تو مجھے ملک کے ان دشمنوں سے نفرت ہو گئی ہے۔ سلمان نے توبیہ عمل کے ذریعے خوب برین واش کیا تھا۔ اس کے اندر حب الوطنی کے جذبات بھرتے تھے۔ پارس نے کہا "جنگ ملک دشمن عناصر سے نفرت کرنا چاہئے خواہ وہ باپ اور بھائی کیوں نہ ہوں لیکن اس خفیہ تنظیم کی جڑوں تک پہنچنے کے لئے ان سے صلحنا محبت کرو۔ انہیں بھی شہ نہ ہونے دینا کہ ہم بدل گئی ہو۔"

"میں شہ نہیں ہونے دوں گی۔ اپنا مول عہدگی سے ادا کروں گی لیکن تم چھڑ جاؤ گے تو میں اندر سے خالی ہو جاؤں گی۔ تمہارے

بہر توجہ اور دل چسپی سے کام نہیں کر سکتی گی۔ تم میرے ساتھ رہنے کی تدبیر کرو۔"

"میں کل شام کو تم سے ایک نئے روپ میں ملوں گا۔ تم مجھے روانے فریڈینا کر اپنے گھر والوں سے میرا تعارف کرا سکو گی۔"

"میں تمہیں نئے روپ میں کیسے پہچانوں گی؟"

"اپنی انگوٹھی مجھے دو۔ میں نے روپ میں وہ کر تمہیں انگوٹھی واپس کروں گا۔ پس مجھے پہچان لو گی۔"

اس نے انگوٹھی اتار کر دی۔ اسی وقت ہوٹل کا ملازم کھانا لے کر آیا۔ جب وہ تمام ڈشیں رکھ کر چلا گیا تو رخصانہ نے کہا "یہ انگوٹھی میرے پیار کی نشانی ہے۔ کیا تم کئی نشانی نہیں دےو گے؟"

"اتنی رات ہو گئی ہے۔ فریڈینا کی دکان میں بند ہو چکی ہوں گی، کل صبح تمہارے شایان شان ہیرے کی انگوٹھی دوں گا۔"

"مجھے تم مل گئے گویا کو نور میرا مل گیا۔ مجھے ہیرے کی نہیں یہ ملائی انگوٹھی دے دو۔"

پارس نے اپنی انگوٹھی دیکھی "اسے دیکھنے سے ماما (سونا) یاد آجاتی تھی۔ وہ مسکرا کر بولا "یہ میری ماں نے مجھے پہنائی ہے۔ اسے صرف وہی اتار سکتی ہیں۔"

"صرف وہی کیوں اتار سکتی ہیں؟"

"میری مہاکستی ہیں، بیٹے کی زندگی میں ہو اگر اس کے خیالات بدل دیتی ہے۔ اس کی کمپوزی سے عقل نوج لیتی ہے۔ ایسی حالت میں بیٹا ماں کو بھول جاتا ہے۔ میری ممانے لکھا ہے اگر کسی لڑکی نے میری انگوٹھی اتار لی تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ وہ بیٹے کو ماں سے چھین رہی ہے۔ لہذا وہ ایسی لڑکی کو کبھی ہون نہیں پائیں گی۔"

"نہیں۔ تم جہاں سے پتے رہو۔ مجھے اپنی ماں سے ملا دو۔"

"ابھی تو مجھ سے ہی ملتی رہو۔ یہ سلسلہ جاری رہا تو ماما سے بھی ملاقات ہو جائے گی۔"

وہ قلمہ بچاتے ہوئے سوچنے لگی "مجھے صرف سر تاج سے ہی میں اس کی ماں سے بھی اپنائیت محسوس ہو رہی ہے۔ اگر یہ میرا تین سالہ بیٹا بن جائے گا تو میں خوشگوار ازدواجی اور گھریلو زندگی گزاروں گی۔ ویسے یہ خواب بورا کرنے کے لئے پہلے سر تاج کا ٹیگ مندر پورا کرنا ہو گا۔ خفیہ تنظیم کی جڑوں تک پہنچنا ہو گا۔"

"دوسری جگہ میں پارس کے پاس آیا تو وہ رخصانہ کو ہوٹل سے رخصت کر رہا تھا اور اسے سمجھا رہا تھا کہ ان دونوں کو یہاں سے ہوا ہو جانا چاہئے۔ وہ شام کو پرل کان کے سو منگ پول کے پاس ٹپکا۔"

وہ اسے چھوڑنا نہیں چاہتی تھی لیکن شام کو ملاقات کرنے کی ضرورت تھی۔ میں نے کہا "سلمان نے رخصانہ کے تمام خاندان والوں کے متعلق بتایا ہے۔" "را" تنظیم کا چیف ابوداؤد اپنی پردوں تک پہنچا ہوا ہے۔ اسے باہر لانے اور اس تنظیم کو جڑ سے اکھاڑ

پھینکنے کے لئے جلد ہی محسوس منسوبہ پر عمل کرنا ہو گا۔" وہ بولا "اب اس شہر میں میرا بھی خاندانی بیک گراؤنڈ ہونا چاہئے۔ میں رخصانہ کے ذریعے اس کے باپ اور بھائی سے ملاقات کروں گا تو وہ میری جیٹھی ہسٹری معلوم کریں گے اور میں جو ہسٹری سناؤں گا وہ اس کی تصدیق کرائیں گے۔"

"ہاں، رخصانہ کے گھر والوں سے تمہیں گہری دوستی کرنی چاہئے۔ میں ابھی تمہارے لئے کچھ کر رہا ہوں۔"

میں وہاں کے آئی کی اکبر درانی کے پاس پہنچا۔ اپنے دماغ میں میری سوچ کی لہروں کو سننے ہی اس نے خوش ہو کر پوچھا "فریاد صاحب! کیا آپ لاہور واپس آ گئے ہیں؟"

"میں پشاور سے بول رہا ہوں۔ میرا ایک ماتحت طارق وہاں ہے۔ وہ ملک دشمن عناصر کی خفیہ تنظیم کے سربراہ تک پہنچنا چاہتا ہے۔ آج کل میں ان سے دوستی کرنے والا ہے۔ اس سے پہلے لازمی ہے کہ میں طارق کو کوئی ٹیگ ملے۔ بیک گراؤنڈ ہو۔ کیا آپ کے علم میں کوئی ایسا کمر ہے جہاں صرف ایک نوجوان اور اس کے ماں باپ ہوں۔ وہ لوگ بظاہر شریف ہوں مگر جرائم پیشہ ہوں اور قانون کی دسترس سے بچتے رہتے ہوں۔"

"ہمارے ملک میں ایسے شریف جرائم پیشہ افراد کی کمی نہیں ہے۔ ان کے پیچھے بڑے بڑے ہاتھ ہوتے ہیں۔ جو ہم جیسے اعلیٰ افسران کو بھی قانونی کارروائیوں سے روک دیتے ہیں۔ مجھے پندرہ منٹ سوچنے دیں۔ میں سمجھنا چاہتا ہوں کہ آپ کے ماتحت کے لئے کون سا مختصر خاندان مناسب رہے گا۔"

میں نے پوچھا "میں کوئی پلاسٹک سرجری کا ماہر ہے؟"

"میں ایک پلاسٹک سرجن کو جانتا ہوں۔ میری ڈائری میں اس کا فون نمبر ہے۔ کیا آپ اس سے رابطہ کریں گے؟"

"جی ہاں۔ آپ فون کر کے اس کی آواز سناؤں پھر ریسورٹ کر دیں۔"

اس نے ڈائری کھول کر نمبر دیکھا۔ پھر ریسورٹ انکوارڈنل کیا۔ رابطہ قائم ہونے پر کسی نے پوچھا "ہیلو! آپ کون ہیں؟"

آئی کی نے ریسورٹ کر دیا۔ میں بولنے والے کے دماغ میں پہنچا۔ وہ پلاسٹک سرجن یوسف شامی تھا۔ اس کے خیالات نے بتایا کہ وہ پلاسٹک سرجری کے پیشے میں بے انتہا دولت کماتا ہے۔ بے انتہا دولت بیش غلط راستوں سے کمائی جاتی ہے۔ ہمیں اتنا وقت نہیں ملتا ہے کہ ہم ہر کسی کو دناں کے دماغوں میں جھانکتے پھرے۔ اگر ہر ایک کو اندر سے بڑھتے رہیں تو کتنی ہی معزز پیشے سے تعلق رکھنے والوں کے جرائم کا انکشاف ہو تا رہے گا۔"

یہ انکشاف ہوا کہ سرجن یوسف شامی کو "را" تنظیم سے لاکھوں روپے ملتے رہتے ہیں۔ اس تنظیم کا کوئی بندہ قانون کی نظروں میں آتا ہے تو اسے چھپانے کے لئے یوسف شامی سرجری کے ذریعے اس کا چہرہ بدل دیتا ہے پھر وہ بندہ نئے چہرے اور نئے نام

اس نے کئی بار کوشش کی کہ گاڑی روک کر واپس گھر جائے لیکن میں اس کے ارادوں کو ناکام بناتا رہا۔ وہ بولا "میں نے سنا ہے کہ ہمارا ایک سی ڈی دھن فرما رہے کیا تو سی ڈی ہو؟"

"ہام نہ پوچھو۔ موت کا کوئی نام نہیں ہوتا۔ جلدی فیصلہ کرو" پانی میں ڈوب کر مروجہ یا خشکی پر؟

وہ ڈرائیو کرتے ہوئے چیخنے لگا "نہیں۔ میں مرنا نہیں چاہتا۔ مجھے چھوڑ دو۔ میرے داغ سے چلے جاؤ۔ مجھے سے سودا کرو۔ میں تمہیں ڈالر زار پونڈ کی صورت میں سنا جاتی رقم ادا کروں گا۔"

وہ اپنی مرضی سے بول رہا تھا اور میری مرضی سے رفتار بڑھاتا جا رہا تھا۔ سامنے سے آگلی ٹیکر آ رہا تھا۔ رفتار خطرناک حد تک بڑھ چکی تھی۔ اس کے نتیجے میں وہ گاڑی تیزی اور قوت سے ٹکرائی کہ اگلا حصہ چپک کر رہ گیا ہو گا۔ اس کے کھڑے ہو گئے ہوں گے۔ میں یہ سب کچھ معلوم نہیں کر سکتا تھا کیونکہ اس کے مردہ داغ نے کٹھری بند کر دی تھی۔

میں نے ڈاکٹر زائد کے داغ میں آنکر دیکھا۔ وہ حمادی تصویریں دیکھ چکا تھا اور سرجری کی تیاری کر رہا تھا۔ میں نے پارس کے پاس آنکر اسے ششدری کی موت کی خبر سنائی اور بتایا کہ حمادی کا کاما رہ رہے یعنی وہ بھی ابوداؤد کی پوگا ٹیم سے تعلق رکھتا ہے۔

"بابا! حمادی کو کنزرویڈ کر اس کی ذاتی زندگی کی بھی بہت سی خفیہ باتیں معلوم کئی ہوں گی۔"

میں نے کہا "حمادی کھیں نہیں تھا۔ کس باہر گیا ہوا تھا۔ اب باپ کی آخری رسومات ادا کرنے آئے گا تو اسے ٹریپ کیا جائے گا۔"

وہ بولا "رخسانہ کے گھر والے اور حمادی کی خفیہ تنظیم سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس تعلق سے وہ سب ایک دوسرے کو جانتے ہوں گے۔ ہو سکے تو آپ رخسانہ کے ذریعے حمادی کو منگوا لیں۔ اسے دماغی کنزرویڈ ہیں جھلا کرنے کے سلسلے میں رخسانہ سے تعاون حاصل ہو گا۔"

یہ مشورہ مناسب تھا۔ وہ سلمان کی معمول تھی۔ اپنے عامل کے سوا کسی بھی پرانی سوچ کی لہروں کو محسوس کر کے سانس روک سکتی تھی۔ میں سلمان کی سوچ کا کچھ اپنا کر اس کے داغ میں پہنچ گیا اور اس کے خیالات بڑھنے لگا۔

وہ پچھلی رات گھر سے باہر رہنے کے بعد دن کے دس بجے واپس آئی تھی۔ اس کی بہن رخسانہ اور باپ رانا جمد نے اسے دیکھ کر کچھ لگایا۔ وہ منسوبے کے مطابق دوڑنے لگی۔ آنکر والے سر تاج کو برا بھلا کہنے لگی۔ باپ نے کہا "ہم نے کل کئی بار تمہیں فون کیا پھر نعمان لیبارٹری گئے تو وہاں تمہارا موبائل ٹیل فون ایک طرف پڑا ہوا تھا۔ وہ دبہدہ حاش تمہیں کہاں لے گیا تھا؟"

وہ بولی "میں اسے بچ کے لئے جیشید بھائی کے پاس پل کان میں لانا چاہتی تھی لیکن وہ مجھے گوجرانوالہ لے گیا۔ میں بالکل مجبور

ہوئی تھی۔ وہ ہمیشہ اپنے ایک ہاتھ میں لائٹرم پکڑے رہتا تھا۔ رخسانہ نے کہا "ہمارے توئی کو جرانوالہ کی طرف بھیجے تھے۔ پورے شہر میں ڈھونڈتے پھرے۔ تمہاری گاڑی کس کس نہیں آئی۔"

جیشید نے کمرے میں داخل ہو کر کہا "مچاؤی وہاں سے میرا گھوڑو روڑا ایک کچے راستے پر پانی پانی ہے۔"

رخسانہ نے کہا "ابھی میں یہی بتانے جا رہی تھی کہ اس گاڑی کو وہاں چھوڑ دیا تھا پھر پتہ سرک پر ایک رکشال لگ گیا۔ مجھے رکشا میں بٹھا کر ایک ہوٹل میں لے آیا۔ وہاں اس نے ڈار کے لئے کمرہ کرائے پر لے کر گیا۔"

وہ بات ادھوری چھوڑ کر دوڑتوں ہاتھوں سے منہ چھپا کر دوڑ گئی۔ بڑی بہن رخسانہ اسے سننے سے لگا کر تھپکنے لگی۔ جیشید نے اسے کہا "میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ میرے سوال۔ جواب دو۔ کیا وہ پتہ زبرد محاش تھا؟"

وہ بولی "میں کیا جواب دوں۔ آج کل تو معمولی سرک چھا بد محاش کی جیون میں بھی ہم اور یہ تہل ہوتے ہیں۔"

جیشید نے کہا "توئی کو اس کی منگوا لیں۔ پچھانو۔ کیا نہیں ٹریڈنگ میں دی گئی ہے؟"

"وہ بہت سلتے سے بولتا تھا۔ بہت قلعیم یافتہ اور۔ خاندان کا لگتا تھا۔ غریبی ابھی طرح بول نہیں پاتا تھا لیکن آج بے نیکی کو کوشش کرتا تھا۔"

وہ پارس کے سلسلے میں اصل باتیں چھپا رہی تھی اور سیدھے جوابات دے رہی تھی۔ رخسانہ نے کہا "جیشید بھائی کل سے پریشان ہے۔ اسے آرام سے نیند پوری کہنے دیں۔" وہ بولا "رخسانہ سے مجھے بھی پتا رہے۔ مجھے بھی اس پریشانیوں کا خیال ہے لیکن یہ خیال پریشان کر رہا ہے کہ وہ فریاد کا آواز دے رہا ہو۔"

رخسانہ نے کہا "اگر وہ فریاد کا آواز دے رہا ہو تو میرے ہا کنزرویڈ بنایا جاتا لیکن میں بالکل نارمل ہوں۔ معمول کے مطابق منٹ تک سانس روک سکتی ہوں۔ آپ آزمائیں۔"

"میں اپنی بہن پر انحصار کرتا ہوں مگر ہماری بھلائی کے لئے بڑی بڑی جیک سے منسلک ہو کر سانس روکوں۔ ان کی کوئی بھی ایک کمرے میں جتنا زہم کا سامنا کرنا مشقوں سے گزرنے کے لئے ایک اسٹاپ واپس جی جی کے سانس روکنے کا صحیح وقت معلوم ہوتا تھا۔ جس طرح پہلے آپریشن کے وقت مریض کی سانسوں کا اندازہ کرنے کے لئے بڑی بڑی جیک ہوتا ہے وہی ایک جیک وہاں بھی تھا۔"

رخسانہ اپنی بہن اور بھائی کے ساتھ آنکر بیک سے پہنچ گئی۔ ایک آئینہ اس کے اپنے منہ پر چڑھا ہوا ایک نئی بڑی بڑی جیک سے منسلک تھی۔ رخسانہ کے سانس لینے

ابھرتا تھا اور سانس چھوڑنے سے ایک پھول اٹھتا۔

اگر رخسانہ قریب دینے کے لئے چپکے سے ذرا سی سانس بھی دے تو اس جیک کے پھولے اور پھٹنے سے چوری پھولی جاتی۔ جیشید نے اسٹاپ واپس لے کر کہا "سانس روکو۔"

اس نے سانس روکی۔ جیشید نے واپس کا بٹن دبایا۔ گھڑی کا انڈیکس کے حساب سے حرکت کرنے لگا۔ ریڈ کا بیک پھولا ہوا کل ساکت تھا اور تیار تھا کہ رخسانہ سانس نہیں لے رہی ہے۔ لیکن ایک سیکنڈ کے بعد ایک منٹ گزرا پھر دو منٹ پھر تیسرے منٹ کے ختم ہوتے ہی ریڈ کا بیک پھولے اور پھٹنے لگا۔ وہ سانس لینے لگی۔

جیشید نے مطمئن ہو کر کہا "تھیکس گاڑا! ہمارے داغ میں نہ لی خیال خرابی کسے والا آیا ہے اور نہ کوئی آگے گا۔ جاؤ آرام دو۔"

وہ اپنی خواب گاہ میں آئی۔ پہلے اس نے غسل کیا پھر بستر پر لیٹ کر آٹھ گھنٹیں بند کر لیں۔ پھر گرمی نیند میں دوبارہ ڈوب گئی۔

میں نے اپنی جگہ حاضر ہو کر ٹیلیفون کا ریسیور اٹھایا۔ ان میں سے ایک نمبر ڈال کر کیا۔ رابطہ قائم ہونے پر کسی کی آواز سن کر میں نے ریسیور رکھ دیا۔ اس کے داغ میں پہنچ گیا۔ وہ شانتی کا راز جاری کرنے والا ایک افسر تھا۔ حمادی ابھی خاص رقم لے کر اس کی فرائض کے مطابق مطلوبہ شانتی کارڈ بناتا رہا تھا۔ اس کی سوچ نے بتایا کہ حمادی ایک گھنٹا پہلے آیا تھا۔ ایک اجنبی شخص کا ڈومیا کل حاصل کر کے گیا ہے۔

میں نے اس آفس انچارج کے نمبر ڈال کر جو رشوت لے کر کسی انکوائری کے بغیر ڈومیا کل بنواتا تھا۔ اس طرح "را" تنظیم کے سراغ رسالوں کو پاکستانی شہریت حاصل ہو جاتی تھی۔ ان سراغ رسالوں کے لئے لاہور گیٹ دے آف پاکستان تھا۔ وہ یہاں آنکر پاکستانی شہریت کی حیثیت سے اپنی پوزیشن مضبوط کرتے تھے، پھر اسلام آباد کی طرف روانہ ہو جاتے تھے۔

اس آفس انچارج کے سامنے بیڑے کے دوسری طرف حمادی بیٹھا ہوا کہ رہا تھا "مسٹر خالد! میں کام کرنے کا کام مانگا معاوضہ دیتا ہوں۔ اور حمادیان کو ملے ہوئے دھڑا پتہ پر رقم کد رہتا ہوں۔ پھر آج کل میرے کام میں دیر کیوں ہو رہی ہے؟"

"حمادی صاحب! یہ مجھ اکیلے کا کام ہوتا تو ڈومیا کل کے کاغذات پر فوراً ہی دستخط کر کے دے دیتا لیکن ہمارے بڑے صاحب لوگ فریاد سے سہے ہوئے ہیں۔ ایسے ہلاک کرتا ہے کہ قتل نہیں خودکشی کا کس معلوم ہوتا ہے ہمارے بڑے صاحب لوگ ایسی خودکشی نہیں چاہتے اس لئے ابھی طرح جانچ پڑتال کے بعد کاغذات پر دستخط کرتے ہیں تاکہ فریاد بھی ان کے داغوں میں آئے تو وہ دیانت دار اور فرض شناس افسر نکلا لیں۔"

وہ بھارتی سراغ رسالوں کی رہائش کا انتظام کرتا ہے۔ پاکستانی شہریت ثابت کرنے کے لئے ان کے ڈومیا کل اور ڈومیا کل بنواتا ہے۔ ان شعبوں کے افسران سے دوستی رکھتا

ہے۔ ان کی جیبیں گرم کرتا ہے۔

"وہ زیادہ وقت کہاں گزارتا ہے؟"

"ایسے ہی افسروں کے دفاتر یا گھروں میں جاتا رہتا ہے۔"

"ایسے افسران کے نام اور فون نمبر یاد ہوں تو بتاؤ۔"

وہ بولی "ایسے افسران سے ہمارا بھی کام لگتا رہتا ہے۔ اس لئے ان کے نام اور فون نمبر ڈائری میں درج ہیں، مجھے یاد نہیں ہیں۔"

"ڈائری خراب گاہ میں ہے؟"

"ہاں اسی کمرے میں بیڑے ہے۔"

"دو منٹ کے لئے آنکھیں کھول کر اٹھو۔ بیڑے پاس جاؤ۔"

ڈائری کھول کر متعلقہ افسروں کے فون نمبر دیکھو۔

اس نے میری ہدایات کے مطابق آنکھیں کھول دیں۔ بستر سے اٹھ کر بیڑے پاس آئی "ڈائری کو اٹھا کر کھولا، ان افسران کے نمبر تلاش کئی گئی اور پھر جی جی۔ میں نے وہ تمام نمبر فون کر لئے۔

وہ ڈائری بند کر کے بیڑے سے اٹھ گئی۔ وہاں سے چلتی ہوئی پتک کے پاس آئی۔ دو منٹ پورے ہو رہے تھے۔ اس نے بستر پر لیٹ کر آنکھیں بند کر لیں۔ پھر گرمی نیند میں دوبارہ ڈوب گئی۔

میں نے اپنی جگہ حاضر ہو کر ٹیلیفون کا ریسیور اٹھایا۔ ان میں سے ایک نمبر ڈال کر کیا۔ رابطہ قائم ہونے پر کسی کی آواز سن کر میں نے ریسیور رکھ دیا۔ اس کے داغ میں پہنچ گیا۔ وہ شانتی کا راز جاری کرنے والا ایک افسر تھا۔ حمادی ابھی خاص رقم لے کر اس کی فرائض کے مطابق مطلوبہ شانتی کارڈ بناتا رہا تھا۔ اس کی سوچ نے بتایا کہ حمادی ایک گھنٹا پہلے آیا تھا۔ ایک اجنبی شخص کا ڈومیا کل حاصل کر کے گیا ہے۔

میں نے اس آفس انچارج کے نمبر ڈال کر جو رشوت لے کر کسی انکوائری کے بغیر ڈومیا کل بنواتا تھا۔ اس طرح "را" تنظیم کے سراغ رسالوں کو پاکستانی شہریت حاصل ہو جاتی تھی۔ ان سراغ رسالوں کے لئے لاہور گیٹ دے آف پاکستان تھا۔ وہ یہاں آنکر پاکستانی شہریت کی حیثیت سے اپنی پوزیشن مضبوط کرتے تھے، پھر اسلام آباد کی طرف روانہ ہو جاتے تھے۔

اس آفس انچارج کے سامنے بیڑے کے دوسری طرف حمادی بیٹھا ہوا کہ رہا تھا "مسٹر خالد! میں کام کرنے کا کام مانگا معاوضہ دیتا ہوں۔ اور حمادیان کو ملے ہوئے دھڑا پتہ پر رقم کد رہتا ہوں۔ پھر آج کل میرے کام میں دیر کیوں ہو رہی ہے؟"

"حمادی صاحب! یہ مجھ اکیلے کا کام ہوتا تو ڈومیا کل کے کاغذات پر فوراً ہی دستخط کر کے دے دیتا لیکن ہمارے بڑے صاحب لوگ فریاد سے سہے ہوئے ہیں۔ ایسے ہلاک کرتا ہے کہ قتل نہیں خودکشی کا کس معلوم ہوتا ہے ہمارے بڑے صاحب لوگ ایسی خودکشی نہیں چاہتے اس لئے ابھی طرح جانچ پڑتال کے بعد کاغذات پر دستخط کرتے ہیں تاکہ فریاد بھی ان کے داغوں میں آئے تو وہ دیانت دار اور فرض شناس افسر نکلا لیں۔"

حمار نے کہا ”انہیں سمجھاؤ، فریاد اس شر سے جا چکا ہے اور جب تک ہم صوبہ سرحد میں اسے مسائل میں الجھاتے رہیں گے وہ ادھر واپس نہیں آسکے گا۔“

”بہتر ہے، تم دروازہ کھول کر اندر جاؤ اور بڑے صاحب سے مل لو۔ یہ فریاد والی بات انہیں سمجھاؤ، میری عقل تو یہی تسلیم نہیں کرتی ہے کہ ایک آدمی دوسرے کے دماغ میں گھس جاتا ہے۔“ اس نے انٹرکام کے ذریعے اپنے افسر سے رابطہ کیا، پھر کلمہ ”سراسر حمار آپ سے ملاقات کرنا چاہتے ہیں۔“

افسر نے کہا ”یہ خالق صاحب ابھی میرے پاس سے اٹھ کر جا رہے ہیں۔ ان کے بعد حمار کو بھیج دیتا۔“

افسر نے انٹرکام کا بٹن آف کر کے سامنے بیٹھ ہوئے، غصہ سے کہا ”خالق صاحب! آپ کی بھاگ دوڑ سے یہ ریوالور اور لائسنس مل گیا۔ ورنہ حکومت نے نئے لائسنس جاری کرنے پر سختی سے پابندی لگا لی ہے۔“

خالق نے اٹھ کر کہا ”رحمان صاحب! ہم تو آپ کے خادم ہیں۔ یہ جو قانونی پابندیاں ہوتی ہیں نا، یہ عوام کے لئے ہوتی ہیں۔ آپ جیسے خاص بندوں کے لئے یہ ریوالور کیا چیز ہے۔ حکم کریں تو توپ کالائسنس لا کر آپ کے قدموں میں رکھ دوں۔“

اس بات پر دونوں نے قہقہہ لاکر مصافحہ کیا۔ خالق کمرے سے باہر جانے لگا۔ رحمان صاحب نے نیا ریوالور اٹھا کر خوش ہوتے ہوئے اسے دیکھا حمار نے آکر سلام کیا۔ پھر مصافحہ کرتے ہوئے بولا ”رحمان صاحب! ہمیں بھی حکم دیں۔ یہ ریوالور کیا چیز ہے۔ یہ لائیٹی گن لا کر دے دوں۔“

رحمان صاحب نے ناگوار سی کہا ”میں نے یہ ریوالور ذاتی حفاظت کے لئے حاصل کیا ہے۔ لائیٹی اور کلاشکوف تمہارے جیسے بد معاشرین کے لئے ہوتے ہیں۔“

حمار نے غصہ برداشت کرتے ہوئے پوچھا ”آپ نے کس ثبوت کی بنا پر مجھے بد معاشر کہا ہے؟ افسر کی گری پر بیٹھنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آپ سامنے والے کی عزت نہ کریں۔“

”کیوں اس مت کر۔ کس لئے آئے ہو؟“

”میں نے اپنے ایک کزن کے ڈوبیا سائل کے کانڈاٹ پر کر کے آپ کے پاس پہنچائے تھے۔ ان کانڈاٹ کے پیچھے ہزار ہزار کے پانچ نوٹ تھے۔“

”ہستہ بولو، کیا مجھے مروانا چاہتے ہو۔“

”آپ کا قانون آج تک نہ مارا۔ پھر کس سے ڈرتے ہیں؟ فریاد ہے؟“

”میں نے فریاد کی سن کے دروازے پر ٹیلی پیجی کے ذریعے مرنے والوں کا تماشا دیکھا ہے۔ اس کے بعد خود تماشا نہیں بننا چاہتا۔“

”میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ فریاد پشاور میں ہے اور ہم

اسے ادھر آنے کا موقع نہیں دیں گے۔“

رحمان صاحب نے میری مرضی کے مطابق کہا ”فریاد ہزاروں میل دور رہ کر بھی شے رگ کے قریب رہتا ہے۔ ابھی وہ اچانک میرے دماغ میں گھس آئے اور میری مرضی کے خلاف یوں ریوالور اٹھا لے۔“

اس نے نہ پرہیز ریوالور اٹھایا۔ پھر کہا ”دو ریوالور کاربن تمہاری طرف کرے۔“

اس نے ریوالور کی نال حمار کی طرف کر دی۔ پھر کہا ”سراسر حمار! تم یہی سمجھو گے کہ میاں فریاد نہیں ہے۔ یہ رحمان تھیں فریادے ڈرا رہا ہے لیکن جب گولی چل پڑے گی اور ایسے چل پڑے گی تو تمہیں یقین نہیں آئے گا۔“

اس نے ٹنگر کو بادیا۔ ٹھائیں کی آواز کے ساتھ گولی کھال سے گزر گئی۔ حمار کراتے ہوئے اپنا زخمی بازو تمام کر ڈگایا پھر سنبھل کر بولا ”تم... تم نے مجھ پر گولی چلائی ہے۔ اس کا انجام جانتے ہو؟“

میں حمار کے اندر پہنچ گیا۔ وہ افسر ریٹائر ہو رہا تھا کہ گولی کے چل گئی؟ دفتر کے لوگ فائر... کی آواز سن کر دوڑتے ہوئے آئے تھے۔ افسر نے کہا ”منہ کیا دیکھتے ہو۔ جلدی جاؤ فرسٹ ایڈیاکس لاؤ۔“

پھر وہ ریوالور کو دراز میں رکھ کر حمار کے پاس آیا اور بولا ”مجھے معاف کر دو۔ بالکل اچانک ہی بالکل بے خیالی میں... میں چل گیا۔ میں تمہارا دشمن نہیں ہوں۔ ہم تو اچھے دوست ہیں۔ میں انکو دستخط کر کے وہ ڈوبیا سائل دوں گا۔“

وہ بولا ”نگوئی بات نہیں۔ آپ میرا کام کر کے گویا ڈھم پڑا لگا دیں گے۔“

ایک شخص فرسٹ ایڈیاکس لے آیا۔ زخم کی مرہم پٹی کا لگا۔ ایک ہینڈ ٹرک نے پوچھا ”سرایے کیسے ہو گیا؟“

حمار نے افسر کے کچھ کہنے سے پہلے وضاحت کی ”میں نے نہیں ہوا ہے۔ جب میں نے بھی پہلی بار ایک ہسپتال کو ہاتھ لگا دیکھا تو اندر سے خواہش ہو رہی تھی کہ اسے چلا کر دیکھوں۔ انا فطرت ہے، ہتھیار ہاتھ آئے یا طاقت، وہ کسی طرح بھی طاقتور ہے بے اعتبار اس طاقت کو استعمال کرتا ہے۔“

افسر نے کانڈو دستخط کر کے دے دیے۔ میں حمار کے خیالات پر حیران تھا۔ ابھی اسے باپ کی موت کی اطلاع نہیں تھی۔ کاروائی کمیشن میں اس کے جسم کے ٹکڑے ہوئے تھے۔ ناقابل شناخت ہو گیا تھا۔ کار کے نمبروں سے سراغ لگایا جا سکتا تھا وہ کارس کی ملکیت تھی۔

حمار کے خیالات بتا رہے تھے کہ گھر میں اس کے بیٹے رہے۔ اندر کون سی چیز کمال رکھی ہے۔ الماری کی چابی کار کے بورڈ والے خانے میں تھیں۔ الماری کے اندر جو چھوٹا سا

تھا؛ وہ مخصوص نبیوں سے کہلاتا تھا۔ اس سیف میں ملکی اور غیر ملکی بیگنوں... چنگ بجن لا کر ڈی چایاں اور اہم دستاویزات تھیں۔ الماری میں ایک اہم تھا۔ جس میں دوست احباب کی تصویریں تھیں۔

چونکہ پوگا کا ماہر تھا اس لئے شراب اور سگریٹ سے پرہیز کرتا تھا۔ حیرانہائی ایک لڑکی سے دوستی تھی۔ میں نے اسے کار ڈرائیو کر کے ڈاکٹر زادہ کے گھر جانے پر مجبور کیا۔ وہاں پارس کا چہرہ تبدیل ہو چکا تھا۔ میں نے حماد کی زبان سے ڈاکٹر زادہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا ”ڈاکٹر! میں حماد کو لے آیا ہوں۔ آپ اپنے حماد سے اس کا موازنہ کر لیں۔“

پھر پارس سے کہا ”اس کی بول چال کی اسٹڈی کرو۔ اور اس کے دستخط کی نقل کرو۔ میں ایک منٹ کے لئے اس کے دماغ سے جا رہا ہوں تم اسے قابو میں رکھو۔“

میں نے سلمان کے پاس آکر کہا ”میرے دماغ میں آؤ۔ میں حماد نامی ایک جوان کے دماغ میں تمہیں پہچاؤں گا۔ پارس وہاں حماد کی نیب سے رہنے والا ہے۔ تم اس کے دماغ پر قبضہ جتا کر اسے قائل رکھو گے۔“

میں سلمان کے ساتھ آیا۔ حماد اس وقت پارس پر حملے کر رہا تھا۔ میں نے اس کے ذریعے پارس سے کہا ”میں آگیا ہوں۔ اب یہ تم سے نہیں لڑے گا۔“

اس نے کہا ”آپ اسے کچھ دیر لڑنے دیں۔ میں اس کے حملہ کرنے اور لڑنے کا نشانہ بن دیکھ رہا ہوں۔“

سلمان نے کہا ”میں اس کے اندر رہوں گا۔ آپ اپنا کام کریں۔“

میں نے کہا ”اس سے حیرانہائی لڑکی کے نمبر ڈاکٹر کراؤ۔“

حماد نے نمبر ڈاکٹر کے رابطہ قائم ہوا۔ حیرانہ آواز سنائی دی مسلمان نے حماد سے ریسور کھواہا۔ میں حیرانہ پاس آگیا۔ حیرانہ پاس آکر معلوم ہوا کہ وہ کیا ہے؟ آخری قیامت ہے؟ نوڈ ازل سے جو عورت کی مکاریاں چلی آ رہی ہیں وہ ان کی ابتدا اور اختتام۔ وہ صرف دولت چاہتی تھی اور دولت کے لئے کچھ بھی کر سکتی تھی۔

اس نے سات برس کی عمر میں اپنی ماں کو ایک دولت مند کے ہاتھوں بچے دیکھا۔ وہ داشتہ بن کر وہ بیٹیوں کی پرورش کرتی تھی۔ جب اس نے دسویں جماعت پاس کی تو ماں مرنے لگی۔ بڑی مہن بکنے لگی۔ ایسے حالات اسے غصہ اور جھنجھلاہٹ میں مبتلا کرتے تھے اور وہ سوچتی تھی کہ کیا ہمارا پورا خاندان جسم کی قیمت لگا کر زندگی کی سائیں خریدنے کے لئے پیدا ہوا ہے؟

اس نے آنکھ کھولتے ہی اپنے خاندان میں کوئی مرد نہیں دیکھا تھا۔ باپ مر چکا تھا کوئی بھائی نہیں تھا۔ ماں لگا کر انہیں کھلاتی اور پرہشانی تھی ماں کے بعد بڑی مہن نے اس کی تعلیم جاری رکھی۔ اس

نے ماں اور بہن سے یہ بنیادی باتیں سیکھیں کہ کسی مرد پر بھروسہ نہیں کرنا چاہئے۔ کسی بھی دولت مند کو ایک غریب لڑکی کے مستقبل اور اس کی عزت سے کوئی لگاؤ نہیں ہوتا۔ صرف اس کے گھر سے بدن سے دلچسپی ہوتی ہے۔ وہ قسموں اور وعدوں سے بزر باغ دکھاتے ہیں۔ ماں اور بہن دونوں نے کہا تھا وہ عورت جیتی اور انمول ہوتی ہے جو اپنی جوانی کی ہوا لگتے دیتی ہے لیکن بدن کا کھاتہ لگاتے نہیں دیتی۔ یہ الگ بات ہے کہ ماں اور بہن نے حالات سے مجبور ہو کر خود کو سستا کر دیا تھا۔ حیرانہ نے قسم کھائی تھی کہ وہ بہت مہنگی اور ناقابل خرید بن کر رہے گی۔

یونیورسٹی میں اس کی دوستی شاید زمان سے ہوئی۔ وہ اسٹوڈنٹ یونین کا جنرل سیکریٹری تھا۔ وہ تعلیم سے کم اور سیاست سے زیادہ دلچسپی رکھتا تھا۔ اسے ایک خفیہ تنظیم سے اچھی خاصی رشتہ ملتی تھی۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ اس تنظیم کی جڑیں ”مرا“ سے لگتی ہیں۔ اس کی مخالف یونین کا جنرل سیکریٹری ایک جوان عباس واحدی تھا۔ یونیورسٹی میں دونوں اسٹوڈنٹ یونین کا تقاضا ہوتا رہتا تھا۔ لیڈر شپ میں عباس واحدی بھڑا تھا۔ آمار تارہ پنے تھے کہ شاید زمان کے طلبا ساتھی آئندہ الیکشن تک دفتر رنر عباس واحدی کی طرف چلے جائیں گے۔ بات اسے پریشان کر رہی تھی۔ وہ کسی بھی طرح عباس واحدی کو لیڈر شپ کی سطح سے نیچے کرنا چاہتا تھا۔

حیرانہ نے پوچھا ”اگر میں عباس کو بدنام کر دوں اور اسے منہ دکھانے کے قابل نہ چھوڑوں تو کیا انعام دو گے؟“

”تم جو مانگو گی۔“ وہ دوں گا۔ میں اسے ذلیل کرنے کے لئے ہزاروں روپے خرچ کر سکتا ہوں۔“

”مجھے کتنے ہزار روپے سکتے ہو؟“

”پورے دس ہزار دوں گا۔“

”میں اسے منہ دکھانے کے قابل نہیں چھوڑوں گی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے ساتھ میں بھی منہ دکھانے کے قابل نہیں رہوں گی۔ اتنی بڑی قربانی مول لینے کا معاوضہ صرف دس ہزار؟“

”بے شک یہ تمہاری عزت کا معاملہ ہے۔ میں جیسی ہزار دوں گا۔“

میں ایک لاکر بھی چاہئے۔“

دوسرے دن بینک میں اس کا اکاؤنٹ کھل گیا۔ ایک لاکر بھی حاصل ہو گیا۔ وہ اپنے گریبان میں ایک چھوٹا سا پاکٹ کیٹ رکھا۔ زور چھپا کر رکھتی تھی اس سے دو فائدے حاصل کرتی تھی۔ ایک تو کلاس پر پروفیسروں کے لیچر ریکارڈ ہو جاتے تھے۔ جنہیں گھر میں بیٹہ کر سکون سے سنتی تھی، گفتی تھی اور یاد کرتی تھی۔ دوسرے اس نے دیکھا تھا کہ لوگ اپنی زبان سے کسی بوٹی باتوں سے کھرباتے ہیں اس کی ماں اور بہن سے وعدہ کرنے والے وعدے بھولتے رہے تھے۔ یہ سبق اس نے حاصل کیا تھا اس لئے جو اس سے لگاؤ کی باتیں کرتا تھا۔ وہ باتیں اس کے گریبان کے اندر ریکارڈ ہو جاتی تھیں۔

اس کے چاہئے والوں میں عباس واحدی بھی تھا۔ اگرچہ سنجیدہ اور ذہین طالب علم تھا لیکن آدم کا بیٹا تھا۔ سینے میں دل اور دل میں کسی کو چاہئے اور کسی سے چاہے جانے کی آرزو رکھتا تھا۔ اور یہ آرزو حیرانہ سے پوری کرنا چاہتا تھا۔ حیرانہ کے پاس جو کیٹ تھی ان میں عباس واحدی کے بے شمار عبت بھرے مکالمے ریکارڈ ہو چکے تھے۔

ایک دن اس نے دل سے مجبور ہو کر کہا ”حیرانہ! میں تم سے تنہائی میں ضروری باتیں کرنا چاہتا ہوں۔“

وہ بولی ”تنہائی میں ملنے والی لڑکی بدنام ہو جاتی ہے۔“

”میں تم سے محبت کرتا ہوں۔ تمہیں بدنام نہیں ہونے دوں گا۔ کل ایک بچے کلاس ختم ہو جائے گی۔ اس کے بعد لیبارٹری خالی رہے گی۔ میں ایک بجے کے بعد وہاں تمہارا انتظار کروں گا۔“

”وعدہ کرو۔ مجھے ہاتھ نہیں لگاؤ گے تو آؤں گی۔“

”ٹھیک ہے۔ دل پر بھروسہ کروں گا اور تمہیں ہاتھ نہیں لگاؤں گا۔“

اسی شام حیرانہ نے شاید زمان سے ملاقات کی۔ اسے نیپ ریکارڈر کے ذریعے عباس واحدی کی باتیں سنائیں۔ وہ خوش ہو کر بولا ”کل تم اس سے لیبارٹری میں ملنے جاؤ گی؟“

”ہاں جب لیبارٹری کے اندر پہلی جانے تو ٹھیک پندرہ منٹ کے بعد تم دو ایک پروفیسروں اور چند طلبا و طالبات کو لے کر چلے آنا۔ میں ایسا ڈراما کروں گی کہ اسی دن یونیورسٹی سے عباس واحدی کی چھٹی ہو جائے گی۔“

”میری جان! تم تو کمال کر رہی ہو۔“

”کمال دکھانے کی قیمت ہوتی ہے۔ کل صبح دس بجے تک میرے اکاؤنٹ میں پچاس ہزار جمع کر دو۔“

”کیا! وہ چونک کر بولا“ چالیس میں بات طے ہوئی تھی! میں ہزار روپے چکا ہوں۔ میں اور دوں گا۔ تم پچاس کا مطالبہ کر کے پورے ستر ہزار وصول کرنا چاہتی ہو۔“

”کیسی بدنامی؟“

حیرانہ نے ریکارڈر سے پلا کیٹ نکال کر دو سر اکیٹ لگا یا پھر اسے آن کر کے سنایا۔ اس میں وہ باتیں ریکارڈ کی ہوئی تھیں۔ شاید زبان اپنے مخالف عباس کے متعلق کتا رہا تھا۔ پھر وہ معاملات بھی تھے جو اس نے حیرانہ سے چالیس ہزار میں طے کیے تھے۔ وہ کیٹ سننے کے بعد شاید کو بھی یونیورسٹی سے نکالا جاسکتا تھا۔ اگر وہ اپنے ذرائع استعمال کر کے وہاں رہ بھی جاتا تو یونین کا لیڈر نہ رہتا۔ طلبا اور طالبات ایسے طالب علم کو کوئی عمدہ نہ دیتے جو کسی بچہ پر اچھا لے اور کسی کو یونیورسٹی سے نکالنے کے لئے پانی کی طرح رقم خرچ کرتا ہے۔

اس نے حیرانہ سے ریکارڈر چھین کر کہا ”تم مجھے بلیک میل کرؤ گی؟ تم ہو کیا چیز؟ میں ایک جنگلی میں تھیں جیو کی طرح مسل دوں گا۔“

”تم نہ بھی کو تو میں سمجھتی ہوں کہ ایک کمزور لڑکی ہوں کوئی بھی مرد مجھے جنگلی میں مسل سکتا ہے۔ مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ تم اپنے لباس میں ہتھول چھپا کر رکھتے ہو۔ چھپ کر مجھے قتل کر سکتے ہو۔“

”بے شک کسی کو پتا بھی نہیں چلے گا کہ کس نے تمہیں حرام موت مارا ہے۔ یہ تمہارا کیٹ اور ریکارڈر اب میرے پاس رہے۔“

آٹھویں بڑی نعمتیں

* کیا آپ کی آنکھیں کس زور ہیں۔
* کیا آپ کی آنکھیں کس جھنجھکی ہیں۔
* کیا آپ چشمدار بن گئے ہیں۔
* یا آنکھوں کے کسی مضمون کا شکار ہیں؟

نوعت ہے

نہ نظری اس کد کتاب

قیمت ۱۵ روپے، ڈاک خرچ ۱۰ روپے

آپ کے پتے پر بھیجیے

* ایک سے چھ ڈاکٹر طرح مائل یا ہاسکے پتے پر
* کیا آپ انہیں کس طرح صحت مند بنائی جاسکتی ہیں۔
* کیا آپ انہیں صحت مند بنائی جاسکتی ہیں۔
* کیا آپ انہیں صحت مند بنائی جاسکتی ہیں۔

ہر شخص کے لئے یکساں طور پر مفید کتاب

بھارتیہ ایجوکیشنل سوسائٹی

”میں نے ایک تجربہ اپنے لاکر میں رکھی ہے اس میں لکھا ہے کہ میرے قتل یا حادثاتی موت کی ذمہ داری شاید زمان پر ہوگی۔ وہ مجھے ہماری معاوضہ دے کر غیر قانونی کام کرا آئے۔ لاکر میں جو کیٹ رکھے ہوئے ہیں۔ انہیں سن کر یقین ہو جائے گا کہ یونیورسٹی کے ایک جوان کو صرف بدنام کرنے کے لئے وہ چالیس ہزار کی خلیفہ رقم ادا کرتا ہے۔“

وہ غصے سے بولا ”چھوڑ تم نے اسی لئے لاکر حاصل کیا تھا اور ان کیسوں کی نقائص لاکر میں ہیں۔ لاکر میں اصل ہیں۔“

”افضل تو تمہارے ہاتھوں میں ہیں۔ لاکر میں اصل ہیں۔“

”تمہیں یہ سمجھ ہے کہ خطرات سے کھیل رہی ہو؟“

”میں کمزور عورتوں کی طرح عزت بچ کر نہیں خطرات سے کھیل کر مرنا چاہتی ہوں۔ اچھی طرح سوچ لو مجھے قتل کو گمے یا کھل میچ دس بچے بیگ میں ملو گے۔“

وہ غصے سے پانس پٹتا ہوا چلا گیا۔ دوسری صبح وہ بیگ میں پہنچی تو وہاں رخسانہ تھی۔ سکرار کھیرا سے مصافحہ کرتی ہوئی بولی ”تم نے شاید کی چھٹی کراوی لیکن میں تمہارے پچاس ہزار لائی ہوں اور یہ تمہارا ریکارڈ رہی ہے اسے شاید چھین کر لے گیا تھا۔“

حیرانے کا ”تم شاید کی اسٹوڈنٹ یونین کی سیکریٹری ہو گیا اس کی طرف سے یہ رقم لائی ہو؟“

”ابھی کوئی سوال نہ کرو۔ یہ رقم اپنے اکاؤنٹ میں جمع کراؤ اور آج عباس واحدی کا ڈراپ سین کرو۔ اس کے بعد میں تمہیں ایسا کام دوں گی جس کا معاوضہ ایک لاکھ سے کم نہیں ہوگا۔“

اس نے رقم جمع کرا دی۔ رخسانہ کے ساتھ یونیورسٹی آئی ایک بچہ عباس واحدی لیبارٹری میں اس کا انتظار کر رہا تھا۔ اسے دیکھ کر بولا ”چائیس تم میں کیا بات ہے۔ دن رات تمہارے بارے میں سوچتا ہوں۔“

وہ بولی ”جب لڑکی سامنے ہو اور کوئی تیسرا نہ ہو تو سوچنا نہیں چاہئے تم سوچنے کے علاوہ مجھی کچھ کر سکتے ہو۔“

وہ ہچکچاتے ہوئے بولا ”میں نہیں سمجھا۔“

”میں سمجھاتی ہوں۔ میری ایک نفسیاتی کمزوری ہے۔ میری یہ شدید خواہش ہے کہ میرے پاس آنے والا دوسرا دین جائے اور میرے کپڑے پھاڑ ڈالے۔“

”یہ... یہ کیسی باتیں کر رہی ہو؟“

”دیکھو ایسے“ حیرانے اپنی ایک آستین پھاڑ ڈالی۔ پھر پوچھا ”کیا یہ وہ پٹ پٹاؤں سے ہوا ہے تو پھاڑ ڈو۔“

وہ ایک قدم پیچھے ہٹ گیا۔ وہ اپنے دوپٹے کو پھاڑتے ہوئے بولی ”تیزوار! اچھے ہاتھ نہ لگانا۔“

پھر اس کا گریبان کچڑ کچینے لگی ”چھوڑو مجھے چھوڑو۔ کہنے شیطان! کیا تو نے اسی لئے یہاں بلایا تھا۔“

بہت سے قدموں کی آواز میں خانی دیں۔ پھر دروازہ کھل گیا۔ وہ ”ہیچاؤ ہیچاؤ“ کہتی اور دوڑتی ہوئی ان کے ایک پروفیسر کے قدموں میں گر پڑی۔ سکتے ہی طلباء و طالبات وہاں موجود تھے۔ دوسرے پروفیسر نے کہا ”عباس! اہم سوچ بھی نہیں سکتے تھے تمہارے جیسا ڈیپن اسٹوڈنٹ ایسوسی ایشن کی ہوتی حرکت کرے گا۔ آفس میں آؤ۔“

تمام طلباء اور طالبات عباس واحدی کے خلاف فحشے لگا رہے تھے۔ ایک گھنٹے بعد عباس واحدی کو پریسل کی طرف سے ایک کانٹہ ملا جس پر لکھا تھا کہ ”اس کی بدچلتی کے باعث یونیورسٹی سے نکالا جا رہا ہے۔ اس کی ایک نعل و زارت تعلیم کو بھیجی جا رہی ہے اور درخواست کی جا رہی ہے کہ ایک سال تک عباس واحدی کو ملک کی کسی یونیورسٹی اور کارنگ فیلڈ میں داخلہ نہ ملے۔“

عباس نے وہ کانٹہ لے کر بڑے دکھ سے حیرا کو دیکھا۔ حیرا نے منہ پھیر لیا۔ رخسانہ کے ساتھ اس کی کار میں آکر بیٹھی۔ رخسانہ نے کہا ”آج تم نے کمال کر دیا ہے۔ عباس واحدی ہمارے راستے کا بہت بڑا پتھر تھا۔ کیا تم ہمارے لئے کام کرोगی؟“

”تم نے کہا تھا کسی کام کے لئے ایک لاکھ دوپٹے مل سکتے ہیں۔ اگر یہ معاوضہ ہے تو ضرور کروں گی۔“

”کیا تم ایک شخص کی بہن اور ایک ماں کی بیٹی بن کر نہ سکتی ہو؟“

”وہ شخص کون ہے؟“

”تمہیں رفتہ رفتہ سب معلوم ہو جائے گا۔ اس کام کے لئے تمہیں اپنے گھر سے رابطہ ختم کرنا ہوگا۔ تم کسی رشتے دار سے نہیں ملو گی۔ انہیں دور سے دیکھ کر کڑا جاؤ گی۔“

”میری ایک ہی بہن ہے۔ میں اسے سمجھا دوں گی تو وہ مجھ سے نہیں ملے گی لیکن یہ سلسلہ کب تک رہے گا؟“

”سال دو سال تک رہے گا۔ اگر تمہاری کارکردگی بہتری تو یہ سلسلہ طویل ہو جائے گا۔“

”یہ تو کوئی بہت بڑا کام نہیں ہے۔“

”تم نے جس جالاری سے عباس واحدی کو یونیورسٹی سے نکلایا اور ہماری یونین کے لئے میدان ہموار کیا پھر بیگ وقت شاید زمان کو بلیک میل کیا۔ تمہارا یہ طریقہ کار اور مکانات ہمارے پاس کو بہت پسند آتی ہیں۔“

”باس“

”ابھی تم نے ریکارڈ اپنے گریبان میں نہیں چھپایا ہے۔ میری آواز دیکھو نہیں ہو رہی ہے اس لئے تمہیں راز کی بات بتا رہی ہوں۔ میرا تعلق ایک ایسی تنظیم سے ہے جو موجودہ حکومت کے خلاف سرگرم رہتی ہے۔ کیا تم ایسی سرگرمی میں حصہ لو گی؟“

”میں دولت مند بننے کے لئے سب کچھ کر سکتی ہوں۔ صرف عزت کو داؤ پر نہیں لگاؤ گی۔“

”جو شخص بھائی بن کر رہے گا وہ ہمیں بہن بنا کر اعلیٰ سرکاری

افران اور عہدے اور ان سے ملایا کرے گا۔ جس عہدے دار سے کوئی سرکاری راز اٹھوگا وہ اس سے تم فخرت کرو گی۔ اس کے ساتھ تنہائی میں وقت بھی گزارا کرو گی۔“

”میں کہہ چکی ہوں عزت نہیں دوں گی۔“

”تمہاری عزت محفوظ رہا کرے گی۔“

”سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ تنہائی میں کوئی موہمارے ساتھ بیٹھ نہیں چھتا۔“

”تمہارے پاس ایک ایسی دوا رہا کرے گی۔ جس کا ایک قطرہ ہانے بخونہی بول یا شراب میں ملاؤ گی تو پینے والے کو کچھ محسوس نہیں ہوگا وہ بالکل نارمل رہے گا۔ تمہاری خواہش کرتا رہے گا۔ نہیں ہاتھ لگا رہے گا لیکن تمہارا کچھ بگاڑ نہیں سکے گا۔ اس کی دوا کی عارضی طور پر باقی کے دوائی کی طرح ہوگی جو دکھانے کے لئے ہوتے ہیں کھانے کے لئے نہیں ہوتے۔“

وہ راضی ہو گئی۔ ایک جوان شخص اور ایک اچھڑ عمری عورت کے ساتھ شاموار کو کھی میں رہنے لگی۔ ابتدا میں اسے یہ نہیں بتایا گیا کہ جس بھائی اور ماں کے ساتھ رہتی ہے وہ دونوں ہماری جاسوس ہیں۔ جب وہ ذات بھری مکاریوں سے یہاں کے اعلیٰ عہدے داروں کو بھانسنے اور اپنے حسن و شباب کے جلوں سے دیوانہ بنا کر اہم سرکاری راز معلوم کرنے لگی تو تنظیم کے سربراہ نے اسے اپنا راز دیا بتایا۔ وہ قابل اہم کارکن بنائی گئی۔ اس تنظیم میں وہ کر اس کی ملاقات عہدے ہوئی۔ یہ ملاقات دو تہی میں اور دوستی محبت میں بدلنے لگی لیکن اس نے عہدہ کو تنہائی میں بھی ہاتھ پکڑنے کی اجازت نہیں دی۔ وہ جتنا فاسل رکھتی تھی وہ اتنی ہی اس کے لئے تڑپا تھا۔ آخر اس نے کہا ”مجھ سے شادی کرو۔“

اس نے پوچھا ”مجھ سے شادی کیوں کرنا چاہتے ہو؟“

”میں تم سے محبت کرتا ہوں۔“

”محبت کیوں کرتے ہو؟“

”یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے تم مجھے اچھی لگتی ہو۔“

”میں اچھی کیوں لگتی ہوں؟“

”تم سب کچھ سوالوں سے چڑا رہی ہو۔“

”یہ سب کچھ سوالات تمہیں ہیں۔ میں سمجھتا چاہتی ہوں کیوں کہ تم نے ہی عاشقوں نے مجھے شادی کی آفر دی لیکن کسی نے میری دل سے اور میری بہن سے شادی نہیں کی۔ انہیں داشتہ بنا کر رکھا گیا۔ ان سے انصافی کیوں کی گئی؟“

”میں نہیں جانتا کیوں انصاف نہیں کیا گیا۔ میں تو انصافا تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔“

”کی تو میں پوچھتی ہوں کہ شادی کیوں کرنا چاہتے ہو؟“

”تم نہیں ہو جو ان ہو اور پڑشش ہو۔“

”بے شمار لڑکیاں حسین جوان اور پڑشش ہوتی ہیں۔“

”بے شمار حسیناؤں میں کوئی ایک دل میں مالتی ہے۔“

”میں یہی جواب چاہتی ہوں کہ تمہارے دل میں کیوں ماری ہوں؟“

وہ جھملا کر بولا ”میں اپنا سر پھولوں گا۔“

”تمہارا سر ہے تمہاری مرضی ہے۔ میں کیا کہہ سکتی ہوں۔“

”کیا تم کبھی شادی نہیں کرو گی؟“

”میرے سوال کا جواب مل جائے گا تو ضرور کروں گی۔“

”میں دعوے سے کہتا ہوں دنیا کا کوئی شخص تمہارے بے گنے سوالوں کے جواب نہیں دے پائے گا۔“

”جو شخص صحیح معنوں میں عورت کو اپنا بنانا چاہتا ہے اس کے پاس عورت کے ہر سوال کا جواب ہوتا ہے۔“

دراصل ماں اور بہن کے ساتھ جو زیادتی ہوئی تھی۔ اس نے حیرا کو سراپا انتقام بنادیا تھا۔ وہ اس کے دوائے مردوں کو ٹھکرا کر دلی تسکین حاصل کرتی تھی۔ اس نے سوچا تھا کبھی شادی کرے گی تو ایسے موٹے جو اس سے کتر ہو اور اس کا محتاج رہے۔ تاکہ کبھی اسے چھوڑ کر کوئی داشتہ نہ رکھے۔

میں نے حیرا کے ذریعے چند غیر ملکی سراغ رساؤں کے نام اور پتے معلوم کئے پھر عہدے کے پاس آگیا۔ پارس اس کی آواز اور لہجے میں بول رہا تھا اس کے دستخط کی نقل کر رہا تھا۔ پھر اس نے ڈاکٹر زاہد کا شکر ہے ادا کر کے رخصتی مصافحہ کیا۔ اس کے بعد عہدہ کے ساتھ اس کی کار میں آکر بیٹھ گیا۔ اسے ڈرائیو کرتا ہوا ایک دکان کے سامنے آیا۔ وہاں سے تیزاب کی بوتل خریدی۔ پھر کار میں آکر اسے ڈرائیو کرتا ہوا اشرفی آبادی سے بہت دور نکل آیا۔

میں نے عہدہ کے دماغ کو آزاد چھوڑ دیا۔ اس نے پارس کو دیکھ کر کہا ”تم میرے ہم شکل بن گئے ہو۔ وہاں کسی کو کھنی کے اندر مجھ سے لڑ رہے تھے اور یہ۔ یہ مجھے کہاں لے جا رہے ہو؟ میرے دماغ میں کون ہے؟“

پارس نے کہا ”تمہارے دماغ میں ملک دشمنی ہے۔ حساب کرو! آج تک کتنے جاسوس یہاں لایے ہو۔ کتنے چھوٹے بڑے ملکی راز غیر ملکوں تک پہنچا دیے ہو۔ تم اس زمین کو پرانی بنانے کی کوشش کرتے رہے لیکن یہ زمین تمہیں پر لیا نہیں رہنے دے گی۔ تمہیں ایک قبر کی صورت میں اپنے اندر سمیٹ لے گی۔“

میں نے اس کی زبان سے کہا ”دیر کرنا مناسب نہیں ہے۔ میں اسے ختم کرنا ہوں تم اسے ناقابل شناخت بنا دو۔“

میں اسے گاڑی سے باہر لاکر آہستہ آہستہ دوڑانے لگا۔ پارس نے کار اشارت کر کے تیزی سے ڈرائیو کرتے ہوئے اسے ٹکر ماری۔ وہ دور جا کر گر کر اس نے کار موڑ کر پھر ڈرائیو کرتے ہوئے اسے پکڑتے ہوئے گزر گیا۔ ایسا دوبار کیا۔ میں نے کہا ”وہ ختم ہو چکا ہے۔“

پارس نے کار سے اتر کر اس کے کپڑے اتارے۔ ان کپڑوں

میں آگ لگائی۔ پھر اس کے چہرے اور ہاتھوں کی انگلیوں پر تیزاب ڈال دیا تاکہ کوئی اسے چہرے اور... انگلیوں کے نشانات سے بھی نہ پہچان سکے۔ کپڑے جل کر راکھ ہو گئے تھے وہ کار میں بیٹھ کر واپس ہو گیا۔

میں نے اب تک درجنوں ملک دشمن عناصر کے نام اور پتے معلوم کر لئے تھے لیکن ان میں سے صرف ششاد اور حماد کو موت کی سزا دی تھی۔ ان میں سے صرف ششاد کی حادثاتی موت ظاہر ہوئی تھی۔ حماد کا عبرت ناک انجام چھپ گیا تھا۔ کیونکہ پارس وہاں جہاں کہیں پہنچ گیا تھا۔

اگر میں ہر دشمن کو موت کی سزا دیتا تو خبیث تنظیم کا سربراہ چونکا ہوا جاتا۔ سمجھ لیتا کہ میں یوگا کے ماہرین کی فوجی دیواریں توڑتا ہوں اس تنظیم کے بہت اندر تک پہنچ گیا ہوں۔ وہ اپنے بچاؤ کے لئے نوپوش ہو کر اور زیادہ محفوظ اور آسرا میں جاتا۔ اس لئے میں یوگا کے ماہر سربراہ اور اوداؤ کی شہ رگ تک پہنچنے کی خاطر چھپ چاپ اقدامات کر رہا تھا اور ہاتھ آئے ہوئے دشمنوں کوئی الحال زندہ رہنے کا موقع دے رہا تھا۔

پارس حماد کے گھر پہنچا تو پہلے ہی باپ کی لاش وہاں پہنچ گئی تھی۔ دوست احباب افسوس کرنے اور آخری رسومات میں شریک ہونے آ رہے تھے۔ ریحانہ اور رانا جیشید بھی آئے تھے۔ لیکن ریحانہ نہیں آئی۔ پارس نے شام کو چول کان کے سونٹک پول کے پاس ملنے کا وعدہ کیا تھا۔ ریحانہ نے اس سے کہا تھا کہ تنظیم کے دستور کے مطابق اسے حماد کے دکھ درد میں شریک ہونا چاہئے اور ریحانہ نے کہا تھا: ”وہ ایک گھٹنے بھر سے کے لئے آجائے گی۔“

پارس نے ریحانہ سے پوچھا ”ریحانہ نہیں آئی؟“

اس نے جواب دیا ”وہ ابھی آجائے گی۔“

وہ سمجھ گیا جب تک وہ اپنے سرناج سے نہیں ملے گی۔ وہیں سونٹک پول پر انتظار کرتی رہے گی۔ اس نے کمرے میں آکر ریحانہ کے موبائل فون کے نمبر ڈائل کئے۔ رابطہ ہونے پر کہا۔

”ہیلو ریحانہ میں سرناج پول رہا ہوں۔“

اس نے پوچھا ”تم کہاں ہو؟ میں انتظار کر رہی ہوں۔“

”میں حماد کے گھر میں ہوں۔ اس کا باپ ایک حادثے میں ہلاک ہو گیا ہے۔“

”میں جانتی ہوں۔ مجھے وہاں جانا چاہئے تھا لیکن میں تمہارا محبت میں اور دھڑکی چلی آئی۔“

”اب اور دھڑکی چلی آئی۔“

”ابھی آ رہی ہوں۔“

وہ بھلا کیسے جاسکتی تھی۔ وہاں یا رکا دیا ہوئے والا تھا۔ اس نے کہا ”میں آئی ہوں تو حماد سے مل کر افسوس کر کے جاؤں گی۔“

ادھر پارس مشکل میں پڑ گیا تھا۔ ششاد کی موت پر اسے دوست احباب ملے آئے تھے جنہیں پہچانا ممکن نہیں تھا۔ وہ ناموں سے واقف تھا لیکن ان نام والوں کے چہرے نہیں پہچان سکتا تھا۔ پھر سادہ دینے والوں کے جواب میں ہوں ہاں کہہ کر ٹال رہا تھا۔

وہ قبرستان پہنچ کر وہاں کے مٹی کے کمرے میں آیا۔ اسے تدفین کی مقررہ رقم سے دو سو روپے زیادہ دے کر یوگا ”آپ پانچ منٹ کے لئے باہر جائیں۔ میں فون پر ضروری باتیں کرنا چاہتا ہوں۔“

وہ دو سو لے کر خاموش ہو گیا۔ باہر چلا گیا۔ پارس نے مارے موبائل فون کے ذریعے رابطہ کیا ”پھر کما“ فرخشاہ! میں تمہیں پلے سے تادوں کہ آج سے حماد کے سروپ میں ہوں۔“

”کیا واقعی! حماد کہاں ہے؟“

”ابھی کوئی سوال نہ کرو۔ ملاقات ہوگی تو اطمینان سے نکالیں گا اور ثبوت کے طور پر تمہاری انگوٹھی بھی دکھاؤں گا۔ کی اللال میری ایک مشکل آسان کرو۔“

”بولو کیا بات ہے؟“

”میں حماد کے کسی دوست اور رشتے دار کو نہیں جانتا ہوں۔ تم ہر ایک سے واقف ہو۔ جیسے میں ہی واپس آؤں تم میرے ساتھ لگی رہنا اور کچھ بچے ہر ایک کے متعلق بتاتی رہنا۔“

ایسا بھی ہو سکتا تھا کہ جو بھی پارس کے پاس پرے کے لئے آتا ہے اس کے دماغ میں پہنچ کر اس کا نام ”اس کی دوستی ہونے کو پہچان کر پارس کو اس کے متعلق بتا دیتا لیکن وہاں کئی یوگا کے ماہر تھے۔ ان کے پاس پہنچنے ہی وہ سانس روک لیتے پھر یہ بات بھل جاتی کہ فرمان کے دماغوں میں پہنچنے کی کوششیں کر رہا ہے۔

ایک اور راستہ تھا۔ میں حمیرا کے دماغ میں نہ کر پارس کو گناہ کر سکتا تھا۔ یہ سوچ کر میں نے خیال خفانی کی پروا نہ کی۔ اس کے پاس آیا۔ وہ ریسور کان سے لگائے سن رہی تھی۔ کوئی فون پڑا رہا تھا۔ ”تم حماد کے غم میں شریک ہونے نہیں چاہتے؟“

وہ بولی ”میں جاؤں یا نہ جاؤں تم کسی تم نہ کسی بمانے سے فون ضرور کرتے ہو۔“

”میں اپنی ضد سے مجبور ہوں۔ دنیا کی ہر وہ چیز جو اہمیل اسے ضرور حاصل کرتا ہوں۔“

”اور میں کہتی ہوں مجھے کبھی حاصل نہیں کر سکوئے۔“

”تمہیں یہ پتا نہیں ہے کہ ضدی عورت زبردستی کے قے ہار جاتی ہے۔“

”تم مرد لوگ اتنا ہی جانتے کہ عورت ایک دلچپ مخلوق ہے اس سے جی بھر کے کھیلو۔ اگر کھیلنے کو نہ ملے تو اسے توڑ دو۔ لیکن میں نوٹنے والی چیز میں ہوں۔“

وہ ہنسنے ہوئے بولا ”میں تمہارے خاتمی انتظامات کو جانتا ہوں۔ تم ایک انجینیئر شخص کو بھائی اور ایک انجینیئر عورت کو ماں بنا کر رہتی ہو۔ اس کے علاوہ تم نے ایک کو بھی خریدی ہے۔ جہاں خرافت گزرتی ہے۔ اپنی ذاتی کو بھی کاٹا اور فون نمبر کسی کو نہیں بتائی ہو۔ مگر دیکھ لو میں تمہارے اسی پرائیویٹ فون پر بول رہا ہوں۔“

”ماتی ہوں کہ تم میری ٹوہ میں لگے رہے ہو۔ فون تک پہنچے ہو تو کسی دن کو بھی کے اندر بھی آجاؤ گے۔“

”کسی دن نہیں“ آج ہی رات کو آؤں گا۔ ابھی سات بج رہے ہیں۔ ٹھیک پانچ گھنٹے بعد آؤں گی رات کو تمہاری مائیں کے قریب رہوں گا۔“

”تم کو بھی میں داخل نہیں ہو سکو گے۔“

”جانتا ہوں۔ تمہارے تین مسلح باڈی گارڈز ہیں مگر اب وہ میرے زہر خیز ہیں۔ میں تمہیں خریدنے کا لیکن تمہارے محافظوں کو خرید چکا ہوں۔“

”یہ نہیں ہو سکتا۔“

”دنیا میں سب ہو جاتا ہے۔ اس فون کا رابطہ ختم ہوتے ہی اس کے آثار کاٹ دیے جائیں گے۔ تم کو بھی سے باہر نہیں جاسکو گی۔ کہہ کر وہ دے لے نہیں ہلا سکو گی اور تمہارا کوئی شناسا اس کی کوئی کاپی نہیں جانتا ہے۔“

”تم کہاں آؤ گے تو پہنچاؤ گے۔“

”تمہاری کوئی دھمکی اور کوئی دوا اثر نہیں کرے گی۔ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ تم ایک دوا کے اثر سے اپنے قریب آئے والوں کو ہلاک بنا دیتی ہو۔ میں وہاں پہنچ کر ایک گھاس پانی بھی نہیں پیوں گی۔“

اس نے ہنسنے ہنسنے رابطہ ختم کر دیا۔ وہ حیران پریشان ہو کر سوچ رہی تھی۔ یہ اچانک کیا ہو گیا ہے؟ کیا واقعی وہ اپنی ذاتی کو بھی میں قید ہو کر رہ گئی ہے؟

اس نے ریسور روک کر کال ٹیل کاٹیں دیا۔ ایک مسلح باڈی گارڈ اندر آکر اس کے سامنے ادب سے کھڑا ہو گیا۔ اس نے پوچھا۔

”تم نے کوئی کے آس پاس کسی انجینیئر کو باہر دیکھا ہے؟“

”نہیں میڈم۔“

”کیا تمہاری وفاداری کوئی خرید سکتا ہے؟“

”جی ہاں میڈم! آج سے ہم تینوں باڈی گارڈز کسی اور کے وفاق ہیں۔“

”کیا کہتے ہو؟“

”عرض کرتا ہوں یہ کیوں نہیں ہے۔“

”پہرستان ہو کر بولی“ کیا واقعی تمک حرامی کر رہے ہو؟“

”مگر اٹھائے“ سینہ آتے فوجی انداز میں ادب سے کھڑا رہا۔

وہ بولی ”وہ تمہیں خریدنے والا کون ہے؟“

”میں میں سے کوئی نہیں جانتا میڈم!“

”تم تینوں نے اس سے جتنی رقم لی ہے۔ میں اس کا دو گنا دوں گی۔“

”سوری میڈم!“ وہ اباز ٹرن ہو گیا۔ فوجی انداز میں چٹا ہوا باہر گیا۔ دروازہ بند ہو گیا۔ وہ دوڑتی ہوئی آئی۔ دروازے کو کھولنے کی کوشش کی۔ وہاں ہر سے بند کر دیا گیا تھا۔

پھر وہ تیزی سے چلتی ہوئی دوسرے تیسرے دروازوں پر آئی۔ باہر کی طرف کھلنے والے تمام دروازے قفل ہو گئے تھے۔ وہ ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی۔ ریسور کو اٹھا کر نمبر ڈائل کرنا چاہا۔

پہلا فون مڑا ہو چکا ہے۔ اس کے آثار کاٹ دیے گئے تھے۔ اس نے دُور گرد دروازے پر ہاتھ راتے ہوئے ایک چیخ ماری۔

”بچاؤ! بچے بچاؤ۔“

اس کے ساتھ ہی اونچی آواز میں باپ میوزک گونجنے لگی۔ کو بھی کے چاروں طرف بڑے بڑے ڈیک سے موسیقی شور مچا رہی تھی۔ وہ لاڈلا جھپکری آواز سے زیادہ نہیں جھپک سکتی تھی۔ اس کی چیخ پکار تارخانہ میں طوطی کی آواز کی طرح ڈوب کر رہ گئی تھی۔

آخر وہ تھک بار کر ایک صوفے پر گر پڑی۔ اس کی خاموشی کے ساتھ باپ میوزک بھی خاموش ہو گیا۔ دوسرے باڈی گارڈ نے اندر آکر کہا ”ہم اس علاقے میں بار بار دیکھا ڈنگ کا شور مچا نہیں کریں گے۔ آپ سے درخواست ہے کہ خاموش رہیں۔ ورنہ ہم انجینئر کے ذریعے آپ کو اٹا کر زہر دیا دیں گے کہ پھر منہ سے آواز نہیں نکال سکیں گی۔“

وہ دھمکی دے کر باہر چلا گیا۔ حمیرا صوفے پر پڑی ہوئی ایک ست غلام تک رہی تھی اور سوچ رہی تھی ”کیا مجھ پر بھی وہی وقت آ رہا ہے جو میری ماں اور میں پر آیا تھا؟ وہ دونوں کمزور تھیں“

میں نے شہ زور بننے کے لئے مکاریاں کیں۔ زیادہ سے زیادہ دولت حاصل کی کیونکہ دولت مند عورت کو کوئی آسانی سے ہاتھ نہیں لگاتا۔ میں نے بد معاشرے سے محفوظ رہنے کے لئے تین مسلح باڈی گارڈز رکھے۔ اپنی اس کو بھی کو قلعہ بنالیا۔“

پھر وہ سرد آہ بھر کر بولی ”آہ! میں یہ بھول گئی تھی کہ یہ باڈی گارڈز بھی مرد ہیں۔ یہ تمک حرام میرا نہیں کسی مردی کا ساتھ دے رہے ہیں۔ میں کیا کروں؟ آخر وہ کون ہے جس نے مجھے چاروں طرف سے جکڑ لیا ہے؟“

میں بھی اسی سوال پر غور کر رہا تھا کہ آخر وہ کون ہے؟

اس نے فون پر حمیرا سے جتنی گفتگو کی تھی۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ وہ حمیرا کا دیرینہ دشمن بلکہ ایسا دشمن ہے جو لاکھ لاکھ حاصل کر لیتا ہے۔ عورت کا انکسار اس کے لئے پہنچن جاتا ہے۔

پھر یہ معلوم ہوا کہ وہ حمیرا کے متعلق بڑی معلومات رکھتا ہے۔ اندر کی بات جانتا ہے کہ وہ کسی انجینیئر کی بہن اور کسی انجینیئر عورت

میں بھی اسی سوال پر غور کر رہا تھا کہ آخر وہ کون ہے؟

اس نے فون پر حمیرا سے جتنی گفتگو کی تھی۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ وہ حمیرا کا دیرینہ دشمن بلکہ ایسا دشمن ہے جو لاکھ لاکھ حاصل کر لیتا ہے۔ عورت کا انکسار اس کے لئے پہنچن جاتا ہے۔

پھر یہ معلوم ہوا کہ وہ حمیرا کے متعلق بڑی معلومات رکھتا ہے۔ اندر کی بات جانتا ہے کہ وہ کسی انجینیئر کی بہن اور کسی انجینیئر عورت

میں بھی اسی سوال پر غور کر رہا تھا کہ آخر وہ کون ہے؟

کی جی بن کر رہتی ہے۔ اس سے یہ بات بھی ہم آ رہی تھی کہ تنظیم کے اندر گاہی کوئی شخص ہے جو یہ راوی بات جانتا ہے۔ اس سے بھی آگے یہ جانتا ہے کہ حیرا کے پاس ایسی دوا ہے جو اس کے قریب آنے والوں کو ناکام دہاتی ہے۔

ایک نہیں تین بازی گاؤڑ کو اپنا وفادار بنانا ممکن نہیں تھا۔ بیک وقت سب ہی تمک حرام نہیں ہوتے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ تمک حرام نہیں تھے۔ شروع سے اپنے مالک کے وفادار تھے اور اس کے حکم پر حیرا کے بازی گاؤڑ بن کر رہتے تھے۔

اگر میں درست سمجھ رہا تھا تو وہ تینوں بھی یوگا کے ماہر ہوں گے۔ خفیہ تنظیم کا سربراہ وادو یا اسی کی سطح کا کوئی یوگا ماہر حیرا کو حاصل کرنے کی ضد کر بیٹھا تھا۔ آج رات اس کے پاس آنے والا تھا اور اس کی یہ ضد اسے مٹتی پڑنے والی تھی۔

میں رخصانہ کے پاس آیا۔ پارس اس کے بھائی جمشید وغیرہ کے ساتھ قبرستان سے واپس آیا تھا۔ رخصانہ نے قریب آکر کہا کہ "ہماز مجھے افسوس ہے۔ میں تمہارے دکھ کو دل سے محسوس کر رہی ہوں۔"

اس وقت ایک شخص نے آکر پارس سے کہا "ہماز تمہیں باپ کی جدائی کا صدمہ ہے لیکن کچھ کما کما پتا بھی ضروری ہے۔ تمہاری بھالی کہہ رہی ہیں ہمارے ساتھ گھر چلو۔ کچھ کما پائی لو۔"

میں نے پارس سے کہا "رخصانہ کی سوچ بتا رہی ہے اس شخص کا نام نجیب ہے۔ یہ تنظیم کے حوالے سے ہماز کا دوست ہے۔"

پارس نے کہا "نجیب! بھالی سے کہنا ابھی دوست احباب کی آمد کا سلسلہ رہے گا۔ مجھے گھر میں رہنا چاہیے۔"

"نہجک ہے میں گھر سے کمانا بیچ دوں گا۔"

رخصانہ نے کہا "میں پہلے ہی ہماز سے ملے کر چکی ہوں۔ ہم یہاں رات گیارہ بجے تک رہیں گے۔ پھر میں اسے گھر لے جاؤں گی۔"

جمشید نے کہا "یہ اچھی بات ہے۔ میں جا رہا ہوں۔ تم ہماز کے ساتھ آنا۔"

وہ چلا گیا۔ رخصانہ پارس کا بازو تھام کر اسے کسی الگ کمرے میں لے جانے لگی لیکن ہر کمرے میں عورتیں موجود تھیں۔ اور ایک ایک کمرے رخصت ہو رہی تھیں۔ ایک تھنٹے بعد ذرا تھنٹی نصیب ہوئی تو وہ بولی "ثبوت پیش کرو۔"

پارس نے کہا "میری انگلی میں تم نے میری ماں کی دی ہوئی انگوٹھی کل دیکھی تھی اور یہ وہی تمہاری انگوٹھی۔"

اس نے جیب سے نکال کر انگوٹھی اس کے ہاتھ پر رکھ دی۔ وہ خوش ہو کر اس سے لپٹ کئی پھر لی "تم نے تو کمال کر دیا۔ یہ ہماز کیسے بن گئے۔"

میں نے پارس سے کہا "جنوں کی اولاد! یہ اتنی ماحول ہے۔ اسے اپنے سے الگ کرو۔"

وہ اسے الگ کرتے ہوئے بولا "ملنے کی خوشی میں یہ نہ بھوکو ہماز کا باپ مر گیا ہے اور ہمارے ملک میں گلے گلے کرنا تم کرنے کا رواج نہیں ہے۔"

"میرا جنس دور کرو۔ یہ سب کیسے ہو گیا؟"

"اللہ کو یہی منظور تھا۔ مرحوم بڑی خوبیوں والے تھے۔"

"میں تمہارے باپ کی خوبیاں نہیں پوچھ رہی ہوں۔ تم اتنی جلدی ہماز کیسے بن گئے؟ اور وہ ہماز کہاں ہے؟"

"تمہارے سامنے ہے۔ تم مجھے چاہتی ہو یا ہماز کی واپسی؟"

"میں تمہیں اور صرف تمہیں چاہتی ہوں۔"

"تو پھر ہماز کی باتیں نہ کرو۔ اس سلسلے میں کوئی سوال نہ کرو۔ آؤ ہماروں کو رخصت کریں۔"

وہ ہماروں کے پاس آیا۔ لوگ رخصت ہو رہے تھے۔ میں آئے حیرا کی موجودہ روداد سنا رہا تھا۔ اس نے سننے کے بعد کہا "ہماز! یہ حیرا ہمارے لئے بڑی اہم ہو گئی ہے۔ آج رات خفیہ تنظیم کا کوئی اہم شخص اس کی کوٹھی میں سے قلاب ہو سکتا ہے۔"

پارس گم گم سمکھ کر اٹھ سہ باتیں کر رہا تھا۔ اس کی اس حالت پر لوگ اسے غمزہ سمجھ رہے تھے۔ ایک عورت نے رخصت ہوتے ہوئے کہا "ہماز! حوصلہ رکھو اور اپنی ماں کا خیال کرو۔ اس پاگل دکھائی کو یہ بھی نہیں ہے کہ اس کا ساگ اچڑ گیا ہے۔"

ہماز کی ماں پاگل تھی۔ وہ اپنے شوہر اور بیٹے کو بھی بچا پتی تھی کبھی بھول جاتی تھی۔ ذرا بڑبڑاتی رہتی تھی۔ کوٹھی کے اندر تمام کمروں میں بھٹکتی پھرتی تھی۔ اور ہر کا سامان اٹھا کر اُڑھ کر رکھتی تھی۔ جیسے گھر کو سجا رہی ہو۔

جب تمام لوگ رخصت ہو گئے تو میں بھی پارس کو چھوڑ کر اپنی جگہ حاضر ہو گیا۔ وہ رخصانہ کے ساتھ ایک کمرے میں آیا وہاں ہماز کی ماں دیوار پر لگی ہوئی ششاد کی تصویر کو دیکھ کر ہنسنے لگی اور کہہ رہی تھی "مر گیا۔ آخر ایک دن سب ہی مرتے ہیں لیکن یہاں کلڑے کلڑے ہو کر حرام موت نہیں مرتے۔ اہا! میں بھی مرتے والی ہوں۔"

پارس نے قریب جا کر مخاطب کیا "اُمی!"

اس نے چونک کر دیکھا۔ پارس پر اس کی نگاہیں یوں جم گئیں جیسے وہ کسی انہنی کو بچانے کی کوشش کر رہی ہو۔ رخصانہ نے ہلکا سے کہا "ہماز! نکلیں کی موت نے تمہیں اپٹ کر دیا ہے۔ تم اتنی اُمی کہتے ہو۔"

وہ اُمی کے دونوں بازوؤں کو تھام کر بولا "اُمی! میں بت رہا ہوں۔ اگر آپ کی ذہنی حالت درست ہوتی تو اپنی محبت سے ہٹا کر دکھ کم کر دیتیں۔"

وہ دونوں بازو ہٹا کر پیچھے ہٹ گئی۔ پھر بولی "کون ہو تم؟"

"میں ہماز ہوں۔ آپ کا بیٹا ہوں۔"

"نہیں تم میرے کوئی نہیں ہو۔ تم جھوٹے اور فریبی ہو۔"

میرے مرحوم شوہر کی دولت اور جائداد پر قبضہ جتانے آئے ہو۔ چلے جاؤ یہاں سے۔"

رخصانہ گھبراہٹ سے کھنکھانے لگی۔ پارس بھی ٹوٹتی ہوئی نظروں سے دیکھ رہا تھا اور سمجھتا تھا ہماز تھا کہ اس نے سچ بچپان لیا ہے یا کچھ پن میں ایسا کہہ رہی ہے؟

یہ پاگل پن ہی تھا۔ وہ رخصانہ سے کہہ رہی تھی "اور تم۔ تم میری بیوی تھو گھٹے زہر دے کر اس گھر میں راج کرنے آئی ہو۔"

"نہیں اتنی! میں ابھی ہماز کو لے کر یہاں سے چلی جاؤں گی۔ آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔"

وہ قریب آکر بولی "ہاں اس لڑکے کے ساتھ چلی جانا۔ ششاد مرحوم کی دولت کا لالچ نہ کرنا۔ یہاں کی کسی چیز کو ہاتھ نہ لگنا۔ یہ سب حرام ہیں۔ یہ باپ بیٹے حرام کھاتے تھے اور حرام کھاتے تھے۔ اسی لئے میں اسے اپنا نہیں کہتی۔ تم حرام کھاتے والے سے شادی کرو گی تو حرام کھانے والی نسل پیدا کرو گی۔"

یہ کہہ کر وہ قہقہے لگنے لگی۔ پھر بیٹھنے لگا۔ ہماز روٹے ہوئے بولی "میں کتنی تھی۔ دیکھ ششاد! تو کہہ کر لے۔ یہ زمین کتنی اچھی ہے۔ ہم اس پر اپنا بیٹا بن کر چلتے ہیں۔ اسے لاتینا مارتے رہتے ہیں پھر بھی یہ اپنے بیٹے پر ہمیں اٹھائے رہتی ہے۔ اس کا سودا نہ کر۔ دلائی نہ کرو نہ حرام موت مرے گا اور مر گیا۔ آخر حرام موت مر گیا۔"

وہ چھوٹ چھوٹ کر رونے لگی۔ پارس نے اسے سمجھنے کراہنے سے روک لیا۔ اسے تھپکتے ہوئے بولا "اُمی! چپ ہو جانا۔ اگر تم پاگل ہو تو میری دعا ہے کہ ہم سب پاکستانی ایسے جذلوں سے پاگل ہو جائیں۔ چپ ہو جاؤ اُمی!"

وہ اس کی آغوش میں ساکت ہو گئی تھی۔ نیم بے ہوشی کی حالت میں تھی۔ اس نے آغوش میں اسے اٹھا کر ستر ڈال دیا۔ اس کی بند آنکھوں سے جو آنسو نکل چکے تھے انہیں محبت سے پونچھا۔ اس پر ایک چادر ڈال دی۔ پھر اس کی پیشانی پر بوسے کر رخصانہ کے ساتھ کمرے سے باہر آیا اور دروازے کو آہستہ سے بند کر دیا۔

دروازہ بند ہوتے ہی بیگم ششاد نے آنکھیں کھول دیں۔ گھور کر دروازے کو دیکھا اس کے دیکھنے کا انداز جتنا برا تھا کہ وہ پاگل نہیں ہے۔

پارس ایک کمرے میں آکر صوفے پر بیٹھ گیا۔ رخصانہ کو حیرا کے متعلق بتانے لگا۔ وہ بولی "میں جانتی ہوں" وہ بڑی مکار ہے۔ دولت کے لئے کچھ بھی کر سکتی ہے لیکن عزت نہیں دیتی۔"

"وہ اسی طرح وطن کی عزت اور وقار کا پاس رکھتی تو اس کا کردار کتنا بلند رہتا۔"

"میں اس لڑکی کا بیک گراؤ نہ جانتی ہوں۔ اسے اپنی ماں اور بہن کی بے آبروئی کا صدمہ ہے اور وہ ایسی بے حیائی سے محفوظ

رہنے کے لئے غلط راستوں پر چل پڑی ہے۔ تم میری زندگی میں آئے تو میں سچ راستے پر آگئی ہوں۔ اگر حیرا کی بھی اور بھائی کی جائے تو وہ محب وطن بن جائے گی۔"

"اسی وجہ اور جھاک لڑکی کو سچ راستوں پر چلنا چاہیے۔ ہم اس کے لئے کوشش کریں گے۔ فی الحال ہمیں اس کی فکر ہے جو آج رات کو ایک قانع کی شان سے اس کی خوابگاہ میں آنے والا ہے۔ وہ "را" تنظیم کا بہت ہی اہم شخص ہوگا۔"

وہ کلائی کی گھڑی دیکھتے ہوئے بولی "تو سچ کر میں منٹ ہوئے ہیں۔ اس کو بھی میں کس دقت جاؤ گے۔"

"یہاں سے آگے کھینے کا راستہ ہے ساڑھے گیارہ بجے نکلیں گا۔"

"میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گی۔"

"پر اہم بن جاؤ گی۔ چا نہیں وہاں کیسے حالات پیش آئیں گے۔"

"تم جس کار میں جاؤ گے اسے اس کو بھی کے قریب ہی کہیں روکو گے۔ میں کار میں بیٹھ کر تمہاری واپسی کا انتظار کروں گی۔ تمہارے لئے پر اہم نہیں ہوں گی۔"

"اچھی بات ہے۔ میں ذرا ہماز کے سامان کی تلاشی لوں گا۔"

وہ صوفے سے اٹھ کر ایک الماری کے پاس آیا۔ اس نے ہماز کو ہلاک کرنے کے بعد اس کی جیب سے چایاں اور دو سری بیجزیں نکال لی تھیں۔ اس۔ دو چایوں سے الماری کھولی۔ پھر اس کے

ایک کتاب سب کی آپ کو بھی ضرورت ہے

مسائل اور حل

اسے کتاب کا مطالعہ یقیناً طے طور پر آپ کے سکون کا باعث ہوگا

مکتبہ نسیان اسلام آباد

اندرونی آئین سب کو کھلا۔ اس میں پوز اور دار کی گڈیاں رکھی ہوئی تھیں۔ کچھ ضروری دستاویزات تھے۔ ایک سائیکس کے ساتھ ایک رولور رکھا ہوا تھا۔ رولور پوری طرح لوڑ تھا۔ اس نے سائیکس کے ساتھ اسے اٹھا کر جیب میں رکھ لیا۔

ہم باپ بیٹے اور سونگیا اپنے پاس ہتھیار نہیں رکھتے تھے۔ کبھی ضرورت کے وقت دشمنوں سے ہی ہتھیار چھین کر استعمال کرتے تھے لیکن آج حیرا کی کوٹھی کے اطراف سخت پہرا تھا۔ باہر سے آنے والا احاطے میں بھی قدم نہیں رکھ سکتا تھا۔ سخت پہرے کو توڑنے کے لئے سائیکس گئے ہوئے ہتھیار کی ضرورت تھی اس لئے اس نے احتیاطاً گھر کا لیا تھا۔

رخسانہ نے پوچھا ”تم نے یہ نہیں بتایا کہ حاد کہاں ہے؟ کیا وہ ختم ہو گیا ہے؟“

”ہاں“ برے کو برے انجام تک پہنچا ہی تھا۔ اس لئے میں نے اسے بھی دوسری دنیا میں پہنچا دیا ہے۔“

”تھے افسوس کی بات ہے کہ ایسے ملک دشمن قانون کے ہاتھوں سزا نہیں پاتے یا اپنے پیچھے جرائم کے ثبوت نہیں چھوڑتے یا پھر قانون کے محاذوں کو خرید لیتے ہیں۔“

”میں وہج ہے کہ ہم اپنی عدالت میں پورے انصاف کے ساتھ اپنے لوگوں کو سزا موت دیتے ہیں۔“

وہ الماری سے ایک اہم نکال کر دیکھنے لگا۔ آج جو لوگ شمشاد کی آخری رسومات کے لئے آئے تھے۔ ان میں سے بہت سے لوگوں کی تصویروں اس میں تھیں۔ رخسانہ پھر ان تصویروں کو دیکھ کر اسے بتانے لگی کہ کس کا نام کیا ہے۔ اور تقسیم سے اس کا کیا تعلق ہے؟

وہ دونوں کمرے کے اندر مصروف تھے۔ باہر بیگم شمشاد کھڑی سے لگی کھڑی تھی۔ اس نے بیٹے کی موت کے متعلق سن لیا تھا۔ وہ اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر دوار سے نکل لگے خود کو سنبھال رہی تھی۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے ایک سایہ وار درخت کی طرح جڑ سے اکٹھرتی ہے اور اب بچے گرنے ہی والی ہے۔

شہر نے بھی اسے سمجھ نہیں دیا تھا۔ وہ سمجھاتی رہی تھی کہ دولت کی ہوس نہ کرو۔ وہ اسے مارا بیٹھا رہتا تھا اور کتا تھا ”نوادہ“ بولے کی تو لات مار کر گھر سے نکال دوں گا اور بیٹے کو جین کر اپنے پاس رکھ لوں گا۔“

پھر بیٹا جان ہونے لگا تو اسے بھی اپنے راستے پر لگایا۔ وہ بیٹے پر مٹا کا اثر ڈالتی رہی لیکن پھر جنوں پر کلام نرم و نازک بے اثر ہوتا ہے۔ وہ باپ سے ہی اثر لیتا رہا۔ اس نے کئی بار سوچا۔ ایماندار اور حب الوطنی کا تقاضا ہے کہ شہر کے خلاف قانونی چارہ جوئی کرے لیکن ایک بیوی کا دل نہیں مانتا تھا۔ عقل نے کہا۔ وہ دوچار سال کی سزا کاٹ کر آئے گا تو ملک دشمنی سے توبہ کر لے گا۔ وہ ہمیشہ شکش میں رہی۔ یہ شکش اس وقت اور بڑھ گئی جب

بیٹا بھی باپ کے نقش قدم پر بیٹے لگا تو وہ بیٹی اختیار میں چلا ہو گئی۔ کبھی وہ دماغی توازن کو مدھنی تھی۔ جسکی بجائے باپس کرنے لگتی تھی اور کبھی نارمل ہو جاتی تھی۔

دراصل بیٹے کو قانون کے حوالے کرانے کی بات دماغ میں آتی تو وہ ایک دم سے بکھر جاتی تھی۔ بیٹے کے جرائم کو بھولنے کے لئے پاگل پن میں نہا لیتی تھی تاکہ عقل کی اور حب الوطنی کی باتیں دماغ میں نہ آئیں۔ یہ ایک نفسیاتی کس تھا۔ بہت سے لوگ اندر سے بکے مسلمان رہتے ہیں مگر اوپر سے بے ایمانی پر بھی مجبور ہوتے رہتے ہیں۔ یہی بیگم شمشاد کا معاملہ تھا۔

وہ ڈنگائی ہوئی اپنے کمرے میں آئی۔ دروازے کو اندر سے بند کر کے الماری کو کھولا۔ پھر اس میں سے بیٹے کی تصویر نکال کر دیکھی۔ وہ تصویر میں مسکرا رہا تھا۔ ماں کی مٹا کو پکار رہا تھا۔ وہ دونوں ہوئی ہنسنے لگی۔ حاد کی تصویر پر اپنا چہرہ رکھ کر ٹھنڈی آہیں بھرنے لگی۔

مٹا انگڑوں پر لوٹ رہی تھی۔ اور آنسوؤں میں ڈوب رہی تھی۔ کیجا پھٹ رہا تھا۔ وہ بیٹے کے قاتل کو معاف نہیں کر سکتی تھی۔ اندر ہی اندر لاوا پک رہا تھا۔ کبھی وقت بھی آتش فشاں پھٹ پڑنے کو تھا۔

پھر وہ اٹھ بیٹھی۔ بنگ کے پاس سے چلتی ہوئی اپنے شوہر شمشاد علی کی الماری کے پاس آئی۔ اسے کھول کر اس میں سے ایک رولور نکالا۔ اسے پوری طرح کوڑا کیا۔ پھر تیزی سے چلتی ہوئی کمرے کا دروازہ کھول کر باہر آئی وہاں سے چلتی ہوئی اپنے منقول بیٹے کے کمرے میں آئی۔ وہ مگر خالی تھا۔ پارس وہاں نہیں تھا۔

باہر گاڑی اشارت ہونے کی آواز سنائی دی۔ پارس رخسانہ کے ساتھ جا رہا تھا۔ بیگم شمشاد ہاتھ میں رولور لئے دوڑتی ہوئی باہر جانا چاہتی تھی لیکن رکنڈے میں آتے ہی ٹھوکر کھا کر فرش پر اونڈھے منہ گر پڑی۔ پھر اس نے سر اٹھا کر دیکھا۔ جھلی جھلی حاد کی کار احاطے سے باہر جا چکی تھی۔

حیرانے بھی سوچا بھی نہیں تھا کہ لاکھوں روپے کی کوٹھی میں رہ کر اور مسلح محافظ رکھ کر بھی وہ غیر محفوظ رہے گی اور اپنے ہی گھر میں قید ہو کر رہ جائے گی۔

وہ شام سے رات کیا رہے بنگ بار بار گھڑی دیکھتی رہی تھی اور اپنی غیر معمولی ذہانت سے بچاؤ کی تدبیر سوچتی رہی تھی لیکن ہر طرف سے بے دست و پا ہو کر یوں لگ رہا تھا کہ ایسے وقت غیر معمولی ذہانت بھی معمولی ہو کر رہ جاتی ہے۔ اسے کچھ بھائی نہیں دے رہا تھا۔ اس نے بھی جان لیوا ہتھیاروں کو ہاتھ نہیں لگایا تھا۔ وہ صرف دوری سے حسن و شہاب کا چار ڈال کر ذہانت اور مکاری سے شکار بچا سکتی تھی۔

بچن میں ہنری کاٹنے والا اور بیڈ دوم میں پھل کاٹنے والا چاٹو

تھا۔ اس سے دشمن زخمی ہو سکتا تھا۔ سر نہیں سکتا تھا اور زخمی ہو کر جالی بننے کر سکتا تھا۔ پھر یہ کہ اس کے پاس رولور ہو گا تو وہ رولور دیکھا کر چاٹو جینے لگا۔

وہ طرح طرح سے بچاؤ کے طریقے سوچ رہی تھی لیکن کوئی طریقہ کام آتا نظر نہیں آ رہا تھا۔ آخر اس نے سوچا کہ خوابگاہ کے دروازے کو اندر سے بند کر کے بیٹھ جائے اگر وہ دروازہ توڑنا چاہے گا تو یہ ہاتھ میں چاقو لے کر اس کی نوک اپنے سینے پر رکھ کر دھکی دے گی کہ دروازہ ٹوٹے کے بعد اسے زندہ نہیں ملے گی۔

وہ موت سے نہیں ڈرتی تھی لیکن طبعی عمر تک جینا چاہتی تھی۔ زندگی سے بہت پیار تھا۔ وہ دنیا کا سارا حسن ساری مسرتیں حاصل کرنا چاہتی تھی۔ اس لئے چاقو کی نوک کو اپنے سینے پر رکھنے کے خیال سے ہی پریشان ہو رہی تھی۔

رات کے باہر بیٹھے لگے۔ آدھی رات ہوئے کو آئی تو وہ عاجزی سے بولی ”خدا یا! تو نے یہ کسی دنیا بانی ہے؟ یہاں عورت کی کوئی عزت نہیں ہے۔ عورت ہزار جہنم کے باوجود اپنی حفاظت نہیں کر سکتی۔“

میں نے اس کی سوچ میں کہا ”عورت شادی سے پہلے باپ اور بھائی کی سرپرستی میں اور شادی کے بعد شوہر کی پناہ میں رہے تو وہ اکثر محفوظ رہتی ہے۔ میں تمہارے ضمیر کی آواز ہوں۔ تم نے وہ راستے اختیار کئے جو سلامتی کی طرف نہیں لے جاتے۔ تم نے عموہ طرازیوں سے مردوں کو لپیٹا۔ ان کے لئے چیلنج بن گئیں کہ تم ناقابلِ خمیر ہو۔ مگر عورت کے چیلنج کی ایسی کی تھیں کر رہا ہے۔ اگر کوئی ایسی کی تھیں کرنے آ رہا ہے تو ختم خدا کی بانی ہوئی دنیا پر ختم یہ کیوں کر رہی ہو؟“

وہ ضمیر کی باتوں کو تسلیم کرتی ہوئی بولی ”اپنی جانی کو سامنے رکھ کر ضمیر کی باتیں سمجھ میں آ رہی ہیں لیکن سمجھ لینے سے مصیبت نہیں ملے گی۔“

”مگر صدق دل سے توبہ کی جائے مگر ای کو چھوڑ کر راستی پر آنے کا عزم کیا جائے تو خدا نیک بنی کو سمجھ کر اپنے بندوں کے ذریعہ مدد پہنچا ہے۔ پہلے خدا پر ایمان پختہ کرو۔“

”میرا ایمان خدا پر ہے۔ میں صدق دل سے عزم کرتی ہوں کہ ملک دشمن سرگرمیوں سے باز رہوں گی اور مردوں کو لپیٹنے والا اشتہار نہیں بنوں گی۔“

”تو پھر یقین کامل رکھو کہ خدا نے اپنے ایک بندے کو تمہاری حفاظت کے لئے بھیج دیا ہے۔“

وہ پورے یقین کے ساتھ الماری سے ایک لباس نکال کر ہاتھ دھو کر اس کی تاکہ پاک و صاف ہو کر خدا کے سامنے سجدہ کرے۔ وہ بچپن میں نماز پڑھا کرتی تھی۔ آج ایک طویل مدت کے بعد پھر ایمان آ رہا کرنے والی تھی۔

کوٹھی کے احاطے میں ایک کار آکر رکن گئی۔ کار کے اندر

تاریکی تھی۔ اس کا اگلا دروازہ کھول کر ایک قد آور شخص باہر آیا۔ اس نے سر سے چہرے کے نیچے تک پتلا سامک چڑھایا ہوا تھا۔ کوئی اسے پہچان نہیں سکتا تھا۔

اس نے ایک باڈی گارڈ سے پوچھا ”آس پاس سب ٹھیک ہے؟“

”جی جناب! ہم تینوں محتاط ہیں۔ کوئی انسان کا بچہ بھی باہر دلی کے اندر نہیں آئے گا۔“

”وہ گزیر کر رہی تھی؟“

”نہیں جناب! بالکل خاموش ہے۔“

”بالکل خاموشی کا مطلب کیا ہو؟ کبیں مروت نہیں گئی؟“

”نہیں جناب! زندہ ہے۔ نماز پڑھ رہی ہے۔“

وہ بیٹھے ہوئے بولا ”انسان کے پاس یہی ایک آخری راستہ ہوتا ہے۔ مگر افسوس نماز بھی اسے ایس کر کے گی۔“

اس نے دائیں بائیں آگے پیچھے دوڑ تک دیکھا۔ کسی طرف سے اندیشہ نہیں تھا۔ وہ ایمان سے چلن ہوا کوٹھی کے اندر آیا۔ اندر گہری خاموشی تھی۔ اس نے ذرا تنگ دھم میں آکر چاروں طرف دیکھا۔ وہاں سے گورڈز دور میں آیا پھر مختلف کمروں میں دیکھا ہوا خوابگاہ میں بیٹھ گیا۔

وہ فرش پر قبلہ ٹوٹتی دعا مانگ رہی تھی۔ آنے والے نے جب سے ایک موبائل فون نکال کر نمبر ڈائل کئے پھر رابطہ ہونے پر بولا ”راستہ صاف ہے۔ اندر یہ اکیلی ہے اور کوئی نہیں ہے۔ باہر ہمارے تینوں وفادار بہت ہو شماری سے۔۔۔۔۔“

دوسری طرف سے کہا گیا ”موت کے سامنے ہوشیاری کام نہیں آتی۔ باہر تینوں وفادار موت کی نیند سو گئے ہیں۔ کسی نے سائیکس کا گھر انہیں شوت کیا ہے۔“

”ماں! گاڈا کیا آپ کو یقین ہے کہ یہی میرا مطلب ہے ابھی میں اندر آیا تو وہ تینوں زندہ تھے۔“

”میں نے سیکٹر ٹرانسفر سے رابطہ کیا تھا۔ تینوں میں سے کوئی جواب میں سیکٹر نہیں دے رہا ہے۔ تم باہر نکل کر دیکھو۔“

اس نے فون کو آف کر کے جیب میں رکھا۔ پھر باہر جانے کے لئے تیزی سے چلا ہوا خوابگاہ کے دروازے سے گزرا ہوا تھا ہی وقت منہ پر ایک گولہ پڑا۔ وہ پیچھے کی طرف ڈنگ لگا۔ صوفے پر گرنا ہوا صوفے سمیت دوسری طرف الٹ کر فرش پر لٹکا ہوا حیرا کے سامنے بیٹھ گیا۔ وہ بدستور قبلہ ٹوٹتی دعا مانگتے میں مصروف تھی۔

غلاب پوش اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ پھر دروازے پر رخسانہ اور حاد (پارس) کو دیکھ کر چوک گیا۔ جیب میں رولور کے لئے ہاتھ ڈالنا چاہتا تھا۔ پارس نے اسے نشانے پر رکھتے ہوئے کہا ”حرکت نہ کرنا۔ اس کی ٹخن گولیوں نے تمہارے ٹخن وفاداروں کو ختم کیا۔ چوتھی اپنے نام نہ کرو۔ دونوں ہاتھ اٹھا کر اباؤٹ ٹرن ہو جاؤ۔“

وہ دونوں ہاتھ انھارک دوسری طرف گھوم گیا۔ پارس نے کہا۔
 "رخسانہ! اس کی جیب سے دیو اور نکال لو۔"
 وہ آگے بڑھ کر اس کے قریب آئی۔ غلاب پوش نے سرگوشی
 میں کہا "میں اصل آواز میں بول رہا ہوں۔ اپنے بھائی کو پہچانو۔"
 وہ حیرانی سے بولی "جشید بھائی؟"
 "ہاں۔ میں ہوں۔ حماد کو سمجھا کر یہاں سے لے جاؤ۔"
 وہ بھائی کی جیب سے دیو اور نکال کر بولی "حماد! یہ میرے
 جشید بھائی ہیں۔"
 وہ پارس کے پاس آگئی۔ اس نے پوچھا "بھائی! کا ساتھ دو گی یا
 میرا؟"
 "میں حق کا ساتھ دوں گی۔ یہ بھائی ہے مگر دشمنوں کا دلائی
 ہے۔"
 جشید نے ڈانٹ کر پوچھا "کیا کبھی ہو گیا ہے مجھ سے حاصل کی
 ہوئی تمام تعلیم و تربیت بھول گئی ہو؟ اور حماد! تم... تم تو ہمارے
 آدمی ہو؟"
 "وہ حماد جنم میں پہنچ گیا ہے۔ اگر تم بھی وہاں نہیں جانا چاہتے
 تو بتا دو کہ اب وہاں کہاں ہے؟"
 "میں کسی ابوداؤد کو نہیں جانتا۔"
 رخسانہ نے کہا "میرے سامنے جھوٹ نہ بولو۔ ابوداؤد "را"
 تنظیم کا کایف بن کر یہاں آیا ہے۔ تم اس کے معتبر خاص ہو۔
 تمہیں اس کا پتا ٹھیکاً ضرور معلوم ہوگا۔"
 حمیرا نے صفے سے اٹھ کر کہا "ابھی یہ فون پر کسی کو انعام کر
 رہا تھا کہ میں یہاں اکیلی ہوں اور راستہ صاف ہے لیکن جسے انعام
 کر رہا تھا۔ اسے معلوم ہو گیا تھا کہ باہر تینوں پریدہ مارے گئے
 ہیں۔"
 رخسانہ نے پوچھا۔ "جشید بھائی! اس کا مطلب کیا ہوا؟ کیا
 ابوداؤد حمیرا کے پاس آنا چاہتا تھا اور تم اس کے لئے راستہ صاف
 کرنے آئے تھے؟"
 جشید نے ایک جھٹکے سے حمیرا کو کھینچ کر اپنے سامنے ڈھال
 بنایا پھر ایک چاقو کی نوک اس کی گردن پر رکھتے ہوئے کہا "ایک
 بھی گولی چلی تو یہ میرے ساتھ مرے گی۔ راستہ چھوڑو۔ مجھے
 جانے دو۔ اپنے اپنے ہتھیار پیچھے دو۔"
 رخسانہ اور پارس نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ وہ گرج کر بولا۔
 "وقت ضائع نہ کرو۔ اپنے اپنے دیو اور کرے سے باہر پھینکو۔"
 دونوں نے دیو اڑانے کی طرف گھوم کر دونوں دیو اوروں کو باہر
 پھینک دیا۔ دیو اڑانے سے دور ہٹ گئے۔ جشید، حمیرا کو چاقو کی
 نوک پر رکھ کر آہستہ آہستہ دیو اڑانے کی طرف بڑھتا ہوا کہ رہا
 تھا۔ "خبردار! میں کسی کا لٹا نہیں کروں گا۔ ذرا میری چالاکی دکھائی
 تو پلک جھپکتے میں اس کی گردن کاٹ ڈالوں گا۔ چلو اصرار ناؤ۔"

وہ دونوں ہنگ کی طرف جا رہے تھے۔ جشید نے رخ بدل لیا
 تھا۔ اب دونوں کی طرف رخ کر کے دیو اڑانے کی طرف پست کرنے
 ہوئے پیچھے ہٹ رہا تھا اور کرے سے نکل رہا تھا۔ اس نے دیو اڑانے
 کرنے کے لئے ایک قدم باہر رکھا۔ اسی وقت غلاب پوش کی آواز
 رات کے سانے میں گونج گئی۔
 رخسانہ کے حلق سے نکلنے والی گتے ہی جشید کی کھوپڑی کا
 تھوڑا سا حصہ اڑ گیا تھا اور وہ فرش پر اتر رہی تھی۔ مگر کرکڑ پڑا
 تھا۔ حمیرا دوڑتی ہوئی رخسانہ کے پاس آگئی تھی۔ پھر ان تینوں نے
 دیو اڑانے کی طرف دیکھا۔ وہاں بیٹھے ششاد بیکلی دونوں ہاتھوں میں
 دیو اور تھاے پارس کو نشانے پر رکھے کھڑی ہوئی تھی۔
 جشید، کرکڑ پر اتر گیا۔ بیٹھے ششاد نے ڈانٹ میں گرج
 پارس کو گھور کر کہا "قاتل میرے بیٹے کا قاتل؟"
 رخسانہ نے کہا "آئی! یہ کیا کہہ رہی ہو۔ یہ ہمارا بیٹا۔"
 وہ بات کاٹ کر بولی "پارس! اس کی موت کر ڈی! میں نے اپنے گھر
 میں تم دونوں کی باتیں سن لی ہیں۔ اس نے اعتراف کیا ہے کہ برے
 کا انجام برا ہوتا ہے۔ اس لئے میرے برے بیٹے کو اس نے مار ڈالا
 ہے۔"
 پارس دونوں لڑکیوں سے ڈر اور جا کر بولا "میں نہیں چاہتا کہ
 نشانہ بنے اور یہ لڑکیاں ماری جائیں۔ موت کی سزا صرف مجرم کو
 ملنی چاہئے جبکہ میں بھی مجرم نہیں ہوں۔"
 بیٹھے ششاد نے کہا "میں باقی ہوں تم نے ایمان اور قانون کے
 مطابق مجرم کو سزائے موت دی ہے لیکن موت کی عدالت میں تم نے
 جرم کیا ہے۔ میں جیس برس سے شخص میں ہوں کہ میں نے بیٹا پیدا
 کیا ہے یا حمل؟ وہ قوم کا خون چوس رہا تھا اور ملک کی جڑوں میں
 دشمنوں کو بچھا رہا تھا۔ میں اسے خطرناک مجرم کو مٹا سے مجبور ہو کر
 بیٹا کہہ رہی تھی میں اسے نقصان پہنچے تھیں دیکھنا چاہتی تھی۔ میں
 نے خود کو سمجھانے کے لئے کہا تھا کہ بیٹا رہا ہے تو خدا سمجھے گا۔"
 بوڑھی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔ وہ کانپتی ہوئی آواز
 میں بولی "آج خدا نے مجھ لیا ہے۔ تمہیں اس کے جبریت کا انجام
 کا واسطہ بنایا ہے تو مجھ سے برداشت نہیں ہو رہا ہے۔ میری متا خدا
 کے فیصلے سے بھی انکار کر رہی ہے۔ یہ کتنا بڑا گنہگار ہے۔ میں بیٹے کی
 محبت میں کافر ہو رہی ہوں۔ میرے مسلمان ہونے کا ایک ہی راستہ
 ہے کہ میں اپنے اندر کی کافر بائبا کو مار ڈالوں۔"
 اس نے دیو اور کارخانہ اپنی طرف کر لیا۔ اس کی ٹال کو پیشانی
 سے لگا کر پارس سے بولی "میرے بیٹے! جب تک میرے شہر میں رہنا
 میرے حماد کے روپ میں نکلیاں کرتے رہنا۔ ایک ماں اپنی آخری
 خواہش بیان کرنے آئی تھی۔"
 یہ کہتے ہی اس نے ٹیکر دیا دیا۔ غلاب پوش کی آواز کے ساتھ
 تینوں کے پیچھے کانپ گئے۔

گندہ ہم جنس باہم جنس پروا کو زبردستی تیار باز۔

یہ قدمی اصرار ہے کہ زبردستی کے ساتھ اور باز کے ساتھ
 پروا کرتا ہے۔ جھوٹا ہونے کے ساتھ چل نہیں سکتا اور گنہگار
 زور پر حملہ نہیں کر سکتا۔ کافر خان اپنے علاقے کا چنگیز خان تھا
 لیکن میں اس کے مقابلے میں شہ زور تھا ہے مجھ پر حملہ نہیں کرنا
 چاہئے تھا لیکن اس نے غلطی کی اور غلطی کے نتیجے میں اپنا حال بچھ
 گیا۔

انتقام لینے والے اسپتال تو کیا قبرستان پہنچ جاتے ہیں؟ اب
 بھی ان کا انتقام جاری رہتا ہے۔ اب اس کا بھائی ہم خان طیش
 میں آکر تمہیں کھا رہا تھا کہ مجھے زندہ نہیں چھوڑے گا۔ اگرچہ اس
 کی اہمیت نہیں تھی وہ ہتھیاروں کا ذخیرہ اور دشمنوں کی فوج لا کر بھی
 میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتا تھا۔ تاہم ایک انجینی نے اس کا پلڑا بھاری
 کر دیا تھا۔

اور وہ کوئی خیال خواتین کرنے والا انجینی تھا۔ پتا نہیں کافر
 خان سے اس کی ملاقات کیسے ہو گئی تھی۔ وہ اس خان اعظم سے
 دوستی کر کے ان ہتھیاروں کو آلا کر ہمارے کچھ تک پہنچانا چاہتا تھا۔
 اسے یہ معلوم ہو گا کہ میں گرفت میں آکر بھی نکل جاتا ہوں۔ لہذا
 وہ یقینی گرفت کا انتظار کر رہا ہوگا۔

اس نے کافر خان اور ہم خان پر عمل کر کے ان کے داغوں
 کو لاک کر دیا تھا۔ وہ دونوں مطمئن تھے کہ میں ان کے اندر آکر
 انہیں نقصان نہیں پہنچا سکوں گا۔ اسی زعم میں انہوں نے رست
 بازوں کو چادروں طرف سے گھیر کر کچھ پر قاتلانہ حملہ کیا تھا اور یہ
 سبق حاصل کیا تھا کہ میرے لئے داغوں کے اندر پہنچنا ضروری
 نہیں ہے۔ میں باہر مقابلے پر آکر بھی مشکلات پیدا کر دیتا ہوں۔

وہ بڑی مشکل میں تھا۔ آپریشن کے ذریعے جسم سے گولی نکال
 دینی تھی لیکن مرہم پٹی کے وقت میں ایک ڈاکٹر کے داغ میں تھا۔
 میں نے اسے زور ڈر دیا لگائے سے روک کر یونیٹی کرادی تھی
 جس کی وجہ سے وہ گولی نکل جانے کے بعد بھی تکلیف میں مبتلا تھا۔

مجھے اس دوران پارس، رخسانہ اور حمیرا کے معاملات میں
 مصروف رہنا تھا۔ اس لئے میں نہیں چاہتا تھا کہ کافر خان آپریشن
 کے بعد اس حد تک نارمل ہو کہ میری سوچ کی لہروں کو روکنا شروع
 کر دے۔ تکلیف میں مبتلا نہ کر دے۔ وہ مجھے اس انجینی خیال خواتین
 کرنے والے کے متعلق کچھ بتا سکتا تھا۔

میں نے اسے مخاطب کیا "بیٹو خان!"
 وہ کراہتے ہوئے بولا "میں بڑی دیر سے انتظار کر رہا ہوں۔ تم
 کمال نہ گئے تھے؟ فریاد پھر میرے اندر آئے گا۔ میں اس کی گولی
 سے نکال دیا۔ اس کی ٹیلی جیسی سے نہیں بچ سکتا ہوں گا۔ میرے لئے کچھ
 کرو۔"

"ضرور کروں گا۔ پہلے یہ بتاؤ۔ میرے بارے میں کیا جانتے
 ہو؟"
 "میں کیا جان سکتا ہوں۔ تم پراسرار ہیں کہ کہتے ہو۔ میں نے
 کئی بار پوچھا لیکن تم نے اپنے متعلق کچھ نہیں بتایا۔"
 میں اس کے چور خیالات پڑھنے لگا۔ وہ کہہ رہا تھا۔ "میرے
 داغ کو کسی طرح پھرے لاک کر دو۔ ورنہ وہ مجھے مار ڈالے گا۔ بتاؤ
 میرے لئے کیا کر رہے ہو؟"

میری طرف سے جواب نہیں ملا۔ وہ اپنے ساتھی ٹیلی جیسی
 جانتے والے کو پکار رہا تھا۔ اس کے چور خیالات نے بتایا کہ وہ
 میرے دشمن خیال خواتین کرنے والے کے نام سے بھی واقف نہیں
 ہے۔ البتہ ایک فراہمی باشندہ آواز علاقے میں آیا تھا۔ اس نے
 کافر خان کے پاس پیغام بھیجا تھا کہ وہ ملاقات کرنا چاہتا ہے۔ اور
 فراد کے مسئلے میں اس کے کام آنا چاہتا ہے۔

امیر کا کیا چاہے؟ دو آنکھیں۔ کافر خان اور ہم خان ہر قیمت
 پر مجھے اپنے داغوں میں آنے سے روکنا چاہتے تھے۔ انہوں نے
 فوراً ہی اس شخص کو حویلی میں بلا دیا۔ اس نے پوچھا "تم کون ہو؟
 اور یہ کیسے جانتے ہو کہ فراد ہمارے لئے مسئلہ بن گیا ہے؟"

اس نے کہا "میرا نام جوزف ہے۔ میں جیس سے آیا ہوں۔
 کچھ عرصے سے میرے داغ کے اندر کوئی بولتا ہے۔ پہلے تو میں بہت
 پریشان ہوا۔ پھر خوش ہونے لگا کیونکہ مجھے دولت اور خوش حالی
 دی گئی۔ وہ دن پہلے اس نے کہا کہ مجھے پاکستان کے صوبہ سرحد
 میں جانا ہو گا۔ وہاں ایک جاگیر میں فراد علی تیور پہنچا ہوا ہے۔ مجھے
 فراد کے خلاف دہاں کچھ کرنا ہے۔"

کافر خان نے کہا "ہم دونوں پہلے جرگہ سے ملے آئے ہیں۔
 فراد نے ہمیں کروڑوں روپے کا نقصان پہنچایا ہے اور ہماری قلعہ
 لہا حویلی کو کھنڈر بنا دیا ہے۔"

جوزف نے کہا۔ "مجھے یہاں پہنچ کر یہ سب کچھ معلوم ہوا۔
 جرگہ سے ایک شخص کو گائیڈ کیا کہ ابھی آپ کے پاس آیا ہوں۔"
 ہم خان نے پوچھا "تم ٹیلی جیسی نہیں جانتے ہو گولی دو سرا
 جانتا ہے؟"

"جی ہاں۔ یہ ابھی میرے داغ میں ہے اور تم دونوں کی باتیں
 سن رہا ہے۔"

"جو مہمان تمہارے داغ میں ہے اور جو فراد کا دشمن اور
 ہمارا دوست ہے، ہم اسے خوش آمدید کہتے ہیں۔ مہمان سے بولو، ہم
 سے باتیں کرے۔"

انجینی نے اس کے داغ میں آکر کہا "میں فراد کو خلاش کر رہا
 ہوں۔ میں تمہیں نہیں جانتا تھا۔ جرگہ پہنچ کر یہ معلوم ہوا کہ فراد
 نے تمہیں بہت نقصان پہنچایا ہے تو میں دوست بن کر تمہارے پاس

”یہ ہماری خوش بختی ہے کہ تم ہمارے پاس آئے ہو۔ وہ ہمیں وارننگ دے کر گیا ہے۔ اوائس مٹھنوں کے بعد ہمیں بالکل تیار کر دینے کا ہمیں سڑکوں کا بیکاری بنادے گا۔ خدا کے لئے اس کا راستہ روک دو۔ اس کو ہمارے دماغوں میں نہ آنے دو۔“

”میں تم پر تو خیر عمل کر کے دماغ کو لاک کر دوں گا۔ وہ تمہارے اندر بھی نہیں آسکے گا۔ تمہیں ٹیلی بیٹھی کے ذریعے بھی نقصان نہیں پہنچائے گا۔“

”اے ٹیلی بیٹھی جاننے والے میرا! میں تمہارا یہ احسان کبھی نہیں بھولوں گا۔ میرے دماغ کو جلدی منتقل کر دو۔“

”ابھی کروں گا لیکن یہ سمجھ لو۔ اگر تم ذہنی ہو جاؤ گے یا تیار ہو جاؤ گے تو تمہارا دماغ بھی تیار اور کمزور ہو گا ایسے میں وہ دشمن پھر تمہارے اندر آ جائے گا۔“

وہ بولا ”ہم دونوں بھائی صحت مند ہیں۔ ابھی شاید بیمار نہ ہیں۔ یہ ذہنی ہونے والی بات تو کسی کی مجال نہیں ہے کہ ہمارے مقابلے پر اگر وہ ہمارے جسم پر بھی خراش بھی لائے۔“

”فراڈ سے کچھ بعید نہیں ہے، وہ دشمنوں کے اندر پہنچنے کے لئے کچھ بھی کر سکتا ہے۔ اس سے محفوظ رہنا چاہیے جو تو اسے پہلی فرصت میں ختم کر دو۔“

”تم ہمارے دماغوں کو لاک کر دو۔ ہم اسے تلاش کر کے گولی مار دیں گے۔“

اس انجینی نے تو خیر عمل کے ذریعے دونوں کے دماغوں کو لاک کر دیا۔ جب وہ تو خیر خیر سے بیدار ہوئے تو اس نے کہا ”میری بہن مرہینا پر بھی عمل کرنا اور نہ تو تمہاری بہن کے دماغ میں رہ کر دشمنی جاری رکھے گا۔“

کافور خان نے کہا ”بے شک ہم اپنی بہن کو بھی دشمن سے دور رکھنا چاہتے ہیں۔ وہ اپنی خرابگاہ میں ہوگی۔ میں ابھی اس سے باتیں کرنا ہوں۔ تمہارا تحارف کرنا ہوں۔ پھر تم اس پر عمل کرو۔“

وہ اپنے کمرے سے نکل کر مرہینا کی خرابگاہ میں آیا لیکن پچھلی رات میرے اور مرہینا کے درمیان یہ طے ہو گیا تھا کہ وہ ارسلان سے ملنے پشاور آئے گی۔ اپنی حویلی کو اور بھائیوں کو چھوڑ کر جانے کے لئے اس نے ایک چال چلی۔ وہ بھائیوں کو ناراض کرنا نہیں چاہتی تھی۔ اس لئے اس نے مجھ پر الزام لگایا کہ فراڈ اسے اغوا کر کے کہیں لے جا رہا ہے۔

اس نے میری طرف سے ایک کانڈ پر لکھا تھا۔ ”کافور خان! اس وقت میں نے تمہاری بہن کو غافل بنایا ہے اور یہ غفلت میں تمہیں خط لکھ رہی ہے کہ فراڈ کو تم لوگوں پر بھروسہ نہیں ہے۔ تاہم تم اس کی شرائط پر عمل کرو گے یا نہیں؟ اس لئے میں تمہاری بہن کو ٹیلی بیٹھی کے ذریعے یہ غماں بنا رہا ہوں۔ میری شرائط پر عمل

کر گے تو تمہاری بہن واپس کر دوں گا۔ نظر راقم الحروف فرماؤ۔“

اس نے یہ خط اپنے بستر پر رکھ دیا تھا۔ پھر وہاں سے پشاور چلی آئی تھی۔ گھر سے بھاگ کر آئی تھی لیکن بھائیوں کے قہر و غضب کو میری طرف موڑ دیا تھا۔

دونوں بھائیوں نے خط پڑھ کر غریت اور غصے سے گرج رہے تھے۔ انجینی نے خیال خواتی کے ذریعے کہا ”غصہ نقصان پہنچائے گا۔ عقل سے کام لو۔“

ہرم خان نے کہا ”وہ ہماری بہن کو لے گیا ہے۔ اب عقل نہیں صرف بددقت کام کرے گی۔“

”جب تک فراڈ نظر نہیں آئے گا تم گولی کے مارو گے؟“

”وہ خدا یا ایسی مجبور ہے۔ پتا نہیں وہ بد بخت کہاں چپا ہوا ہے۔“

”میں تمہاری بہن کی آواز سن کر اس کے دماغ میں پہنچ سکتا ہوں۔ اگر اس کے پاس موبائل فون ہو تو اس سے رابطہ کر دوں۔ میں تمہارے ذریعے اس کی آواز سنوں گا۔“

مرہینا موبائل چھوڑ کر گئی تھی۔ کافور خان نے کہا۔ ”ایک بار اس نے لندن سے ایک کیسٹ میں اپنی آواز ریکارڈ کر کے بھیجی تھی۔ میں ابھی وہ کیسٹ سنا ہوں۔“

اس نے کیسٹ کے ذریعے آواز سنائی۔ انجینی وہ آواز سن کر مرہینا کے پاس آیا اس نے سانس روک لی۔ یہ بات سمجھ میں آئی کہ فراڈ نے اس کے دماغ کو لاک کیا ہے۔ وہ میرے لب و لہجے میں اس کے اندر گیا تو دماغ میں جگہ مل گئی۔

اس نے خیالات پڑھ کر اس کے بھائی کو بتایا کہ وہ ارسلان سے ملاقات کرنے پشاور جا رہی ہے اور یہ غلط ہے کہ فراڈ اسے یہ غماں بنا کر لے جا رہا ہے۔ وہ خود ہی ارسلان کی دیوانی ہے۔ فراڈ ہمارا دشمن ہے لیکن اس دشمن میں یہ خرابی ہے کہ وہ کسی عورت کو جبراً اپنی طرف مائل نہیں کرتا ہے۔ وہ اپنے آواز کا ارسلان کو بھی یہ اجازت نہیں دے سکتا تھا۔ تمہاری بہن خود بے حیائی کے لئے یہ گھر چھوڑ کر گئی ہے۔

وہ انجینی خیال خواتی کرنے والا بھی یہی سمجھتا رہا کہ فراڈ اور ارسلان دو انگل شخص ہیں لیکن جب میں رست ہاؤس کے بند کمرے میں مرہینا کے ساتھ گفتگو کر رہا تھا تب وہ مرہینا کے دماغ میں موجود تھا۔ اس نے میری آواز اور لہجے سے پہچان لیا۔ دونوں بھائیوں کے پاس جا کر بولا۔ ”ارسلان ایک فراڈ ہے۔ دراصل وہی فراڈ ہے۔ اس وقت مرہینا کے ساتھ رست ہاؤس کے بند کمرے میں ہے۔ اسے گھر کر قتل کرنے کا اس سے بہتر موقع نہیں ملے گا۔“

یہ معلوم ہوتے ہی انہوں نے رست ہاؤس کو چاروں طرف سے گھیر لیا تھا۔ اس کے بعد جو کچھ ہوا وہ میں بیان کر رہا ہوں۔ اب کافور خان کا کمزور دماغ مجھے اس انجینی خیال خواتی کرنے

والے کے متعلق بتا رہا تھا۔ اتنا کچھ بتانے کا باوجود یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ وہ کون ہے۔ امریکی ٹیلی بیٹھی جاننے والا ہے یا اسرائیلی؟ ان دو ملکوں کا ہی کوئی دشمن ہوگا۔ ایک خیال خواتی کرنے والا۔ ایک میں کے پاس تھا۔ ایک میں نے اس کا بہن آپریشن کرایا تھا۔ میرے انداز سے کے مطابق ابھی وہ زہر قربت ہوگا۔ ایک میں اسے اتنی جلدی میرے مقابلے پر نہیں لائے گا۔

پھر یہ کہ ایک عرصہ ہوا ایک میں نے کوئی دشمنی نہیں چلی رہی تھی۔ البتہ بیوی چاہتے تھے کہ میں صوبہ مرحد میں مصروف رہوں۔ جب انہوں نے دیکھا کہ صوبے میں میری کوئی خاص مصروفیت نہیں رہی ہے اور میں کسی وقت بھی واپس جاسکتا ہوں تو وہ اپنے ایک خیال خواتی کرنے والے کو میرا رستہ روکنے کے لئے آئے تھے۔

میری کو کشش بھی تھی کہ میں اس انجینی کو کسی طرح پہچان لوں۔ اس مقدمہ کے لئے میں بہت دیر تک کافور خان کے دماغ میں خاموش رہا۔ کبھی اس کے اندر جاتا رہا کبھی آتا رہا لیکن دشمن خیال خواتی کرنے والے کی آواز سنائی نہیں دی۔ وہ بہت محتاط تھا۔ یہ سمجھتا تھا کہ میں کافور خان کے کمزور دماغ میں رہ کر اس کی آواز اور لہجے سے اسے پہچان سکتا ہوں۔

کافور خان! انجیل وارڈ کے ایک بستر پر لیٹا ہوا تھا۔ ہرم خان نے آکر کہا ”برادر! میں فراڈ کو تلاش کر رہا ہوں۔ وہ بڑول اسی شہر میں چپا ہوا ہے۔“

کافور خان نے کہا ”اسے بڑول نہ کرو۔ دشمن اگر شیر ہے تو شیر بولاؤ۔ وہ ایک چھوٹے سے کمرے میں تھا۔ ہم نے چاروں طرف سے اسے گھیر لیا تھا۔ ہم اسے کچھ سمجھ رہے تھے لیکن اس نے ایک منٹ میں ہمیں میدان چھوڑنے پر مجبور کر دیا۔“

”ٹھیک ہے“ تم کہتے ہو تو اسے بڑول نہیں سمجھوں گا لیکن سمجھ میں نہیں آتا اسے کہاں تلاش کروں؟“

”ہمارا مرہینا ٹیلی بیٹھی جاننے والا اسے تلاش کر سکتا ہے۔“

”وہ کتنا ہے ابھی مجھے فراڈ سے دور رہنا چاہیے۔ ورنہ وہ تمہارے دماغ میں آکر تمہیں نقصان پہنچا سکتا ہے۔“

”بابا! یہ اندیشہ ہے کہ وہ میرے دماغ میں پہلے کی طرح آئے گا تو اب مجھے ذمہ نہیں چھوڑے گا۔ مرہینا سے بولاؤ میرے دماغ میں آکر مجھ سے باتیں کرے۔“

”یہ میرے دماغ میں ہے۔ تمہاری ہر بات کا جواب دے گا لیکن تمہارے دماغ میں جانے سے فراڈ اس کو بھی نقصان پہنچا سکتا ہے۔“

”کیا مصیبت ہے۔ ہمارا مرہینا فراڈ کی طرح ٹیلی بیٹھی جانتا ہے۔ وہ فراڈ کے برابر بھولان ہے۔ پھر مجھے مقابلے پر نہیں آتا۔ اس لئے منہ چھپاتا ہے۔“

”برادر! یہ مرہینا بولا ہے۔ فراڈ اندھیرے سے چلنے والا تیر

ہے۔ مرہینا جب تک اندھیرے میں رہے گا اس اندھے تیرے محفوظ رہے گا۔“

کافور خان نے کہا ”اے اپنی حفاظت کا خیال ہے تو پھر وہ تمہاری۔۔۔ پہلے میرے دماغ میں کیوں آیا تھا؟“

”مرہینا کتنا ہے“ جب سے ہمیں گولی لگی ہے یہ تمہارے دماغ میں نہیں گیا ہے۔ ہمیں دھوکا ہوا ہے۔ فراڈ آیا ہوگا۔“

میں نے کہا ”ہاں میں تمہارے پاس آیا تھا اور اب بھی موجود ہوں۔ اپنے مرہینا سے پوچھو کیا وہ ہمیں مجھ سے بچا سکتا ہے۔ میں تمہیں ابھی ہلاک کرنے والا ہوں۔“

وہ گھبرا کر بولا ”مرہینا! مجھے بچاؤ۔ فراڈ میرے اندر ہے۔ مجھے ہلاک کرنا چاہتا ہے۔ مجھے کسی طرح بچاؤ۔“

ہرم خان نے بھائی کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا ”فراڈ! یہ بڑولی ہے۔ مرد کے بچے کو تو سامنے آکر حملہ کر دو۔“

”تم دونوں بھائی کیسے مرد ہو؟ مجھے قتل کرنے کے لئے رست ہاؤس کے بند کمرے میں مجھے چاروں طرف سے گھیر لیا تھا۔ اکیلے شخص کو پوری فوج کے ساتھ گھیرنا بڑولی نہیں ہے۔ غریب دھاتوں کی بہنوں اور بیٹیوں کو اٹھا کر اپنی حرم سرائی میں لے جانا کون سی مردانگی ہے؟“

کافور خان نے بھائی سے کہا ”میں نے ابھی تمہیں سمجھا دیا تھا فراڈ کو بڑول نہ کرنا۔“ پھر اس نے مجھ سے کہا ”فراڈ بھائی! تمہیں خدا کا واسطہ ہے دشمنی ختم کر دو۔ ایک بار ہمیں دوست بنا کر آزاد۔ ہم تمہارے لئے جان بھی قربان کر دیں گے۔“

”جان تو دیتے آتے ہوں۔ چلو دوست بن کر ہی قربان ہو جاؤ۔“

”میں! میں مرنا نہیں چاہتا۔ خدا کے لئے بتاؤ جان بخشے کا کیا لوگے؟“

”میں نے کہا تھا! پاکستان میں قدم نہ رکھنا لیکن تم خود کو طاقتور اور مجھے کمزور سمجھ کر دوبارہ یہاں آگئے۔ اس کی سزا تو ملے گی۔“

”ہم۔۔۔ میں آج ہی پاکستان چھوڑ دوں گا۔ یہاں سے چلا جاؤں گا۔“

”میں نے کہا تھا! تمہارے بھائی کی حرم سرائی جتنی عورتیں ہیں ان میں سے ہر عورت کو بچاؤ لکھ دے کر آزاد کر دو۔“

”میں تمہارے حکم کی تعمیل کروں گا۔ کل ہی یہ تمام ادا ہو جائے گی۔ جو عورت جہاں جانا چاہے گی اسے وہاں پہنچا دوں گا۔“

”میری تیسری شرط یہ تھی کہ تمام غلاموں کو آزاد کر دو گے اور ان کے قرضے معاف کر دو گے۔“

”میں ذمہ رہنا چاہتا ہوں کل ہی تمام قرضے معاف کر کے غلاموں کو آزاد کر دوں گا۔“

”تو پھر اپنے بھائی سے کوئی ابھی تمہیں یہاں سے لے جائے۔“

میں کچھ گھنٹے کی مسلت دے رہا ہوں اس مسلت کے بعد پاکستان میں ہرگز نظر نہ آتا۔

اس نے ہرم خان سے کہا ”جان برادر! افراد نے جو تین شرائط پیش کی تھیں ان پر فوراً عمل کرو گے تو میری زندگی سلامت رہے گی۔ اس لئے ابھی ہم پاکستان چھوڑ دیں گے۔“

وہ بولا ”برادر! ہمارے ٹیلی فنی جی جانے والے مہمان نے ایک لڑکی کی ذمہ داری مجھے دی تھی کہ میں اس شخص میں اس کا خیال رکھوں۔ اس سے آخری ملاقات کرنا ضروری ہے۔ میں جا کر اسے بتا دوں کہ وہ چاہے تو اپنے ملک واپس چل جائے یا پھر ہمارے ساتھ چلے۔“

کافور خان نے پوچھا ”وہ لڑکی کون ہے؟ تم نے پہلے اس کے بارے میں کچھ نہیں بتایا؟“

”تم زخمی تھے۔ تمہارے جسم سے گولی نکالی جا رہی تھی۔ تب مہمان نے مجھے اس لڑکی کی ذمہ داری سونپی تھی۔ اس کا نام فرمونا آندروف ہے۔“

اس نے بتایا کہ فرمونا کا قیام کسی ہوٹل میں ہے۔ وہ مجھے اس کے متعلق بتا رہا تھا کہ وہ دوسری لڑکی ہے۔ ماسک مین کے ملک سے آئی ہے۔ ابھی ٹیلی فنی جی جانے والے سے اس لڑکی کا تعلق دوریا نزدیک سے تھا۔ اس تعلق سے صاف ظاہر تھا کہ ماسک مین کا واحد ٹیلی فنی جی جانے والا ایوان راسکا اس وقت ہرم خان کے داغ میں تھا۔ اور وہاں اس نے میرے خلاف ان بھائیوں کو آگ لگا کر بنایا ہوا تھا۔

کافور خان نے بھائی سے کہا ”وہ لڑکی ہمارے مہمان سے تعلق رکھتی ہے۔ ابھی وہ تمہارے داغ میں ہماری باتیں سن رہا ہے۔ ہمارا پروگرام جانتا ہے کہ ہم یہ ملک چھوڑ رہے ہیں۔ وہ خود اس لڑکی کو جا کر تمہارے متعلق بتا دے گا۔“

”برادر! وہ مہمان ابھی میرے داغ میں نہیں ہے، کہیں گیا ہوا ہے۔“

”ابھی وہ آجائے گا۔ تم چلنے کی تیاری کرو۔“

میں یقین نہیں کر سکتا تھا کہ ایوان راسکا اس کے داغ میں موجود نہیں ہوگا۔ فی الحال میں اس ایجنسی ٹیلی فنی جی جانے والے کو ایوان راسکا ہی کہوں گا۔ وہ ضرور ایک نئی چال چل رہا تھا۔ کسی فرمونا ٹیلی فنی لڑکی کو میرے سامنے چار بنا کر پیش کر رہا تھا کہ میں اس میں دلچسپی لوں اور وہ اس کے ذریعے مجھ پر نظر رکھے اور موقع پا کر پھر مجھ پر قاتلانہ حملہ کر سکے۔

ہوسکتا ہے یہ بات نہ ہو۔ وہ اس حقیقت کو سمجھتا ہو کہ وہ فرمونا کے ذریعے مجھے شہید کرنا چاہے گا تو میں بھی اس لڑکی کے ذریعے اسے بے نقاب کرنے اور اس کی شہ رگ تک پہنچنے کی کوشش کروں گا اور مجھے ایسا ہی کرنا تھا۔ اس دشمن خیال خوانی کرنے والے کی مصروفیات پر نظر رکھنے کے لئے اب وہی ایک لڑکی

ذریعہ بن سکتی تھی۔

اگر میں فوراً ہی فرمونا کے قریب پہنچنا چاہتا یا ٹیلی فنی جی جانے والے کی کسی ملازم یا رشتے دار کے داغ میں پہنچ کر فرمونا آندروف کی حقیقت معلوم کرنا چاہتا تو دشمن خیال خوانی کرنے والے ایوان راسکا کو معلوم ہو جاتا۔ میں فی الحال اس سے دور رہ کر ایوان راسکا کو پاس کرنا چاہتا تھا۔ اسے یقین دلانا چاہتا تھا کہ میں اس لڑکی کو کوئی اہمیت نہیں دے رہا ہوں۔

میں نے آئی جی کو مخاطب کیا۔ ”ہدایت اللہ خان صاحب! السلام علیکم۔“

اس نے خوش ہو کر کہا ”وعلیکم السلام فراد صاحب! خدا کی قسم میں ابھی آپ ہی کو یاد کر رہا تھا۔“

میں نے کہا ”فرمونا میرے لائق کوئی خدمت ہے۔“

”جناب! ہم آپ کے خادم ہیں۔ اسلام آباد سے اٹھلی جنس کے ایک اعلیٰ افسر کا فون آیا تھا۔ وہ آپ سے کچھ ضروری باتیں کرنا چاہتے ہیں۔“

”آپ کی ان آواز سنانے کی زحمت کریں میں ان سے ضرور باتیں کروں گا۔“

وہ ریسور راتھا کر خبر ڈاکل کرتے ہوئے بولا ”میں اپنے ایک ذاتی مسئلے پر گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔ آپ میرے لئے وقت نکالیں۔“

”ابھی وقت ہے۔ آپ خبر ڈاکل نہ کریں۔ پہلے آپ کے مسئلے پر گفتگو ہوگی۔“

”یہ آپ کی محبت ہے کہ پہلے مجھ پر توجہ دینا چاہتے ہیں لیکن یہ رابطہ ہو گیا ہے۔ آپ ان سے گفتگو کر لیں۔“

پھر اس نے فون پر کہا ”میں پشاور سے آئی جی بول رہا ہوں۔ صاحب سے بات کراؤ۔“

چند سیکنڈ کے بعد اس نے کہا ”ہیلو! آپ کے لئے خوشخبری ہے۔ فراد صاحب میرے پاس موجود ہیں۔ ابھی پلک جھپکتے ہی آپ کے پاس پہنچنے والے ہیں۔“

”واقعی یہ خوشخبری ہے۔“

میں نے کہا ”میں پلک جھپکتے سے پہلے پہنچ گیا ہوں۔ السلام علیکم۔“

وہ چونک کر بولا ”ارے بھی ہدایت اللہ خان صاحب! مجھے ایسا لگ رہا ہے جیسے میں اپنے اندر ایسی لمبے سیل رہا ہوں۔“

آئی جی نے کہا ”فراد صاحب بول رہے ہیں۔ اب میری ضرورت نہیں رہی۔“

ادھر سے ریسور رکھ دیا گیا۔ میں نے کہا۔ ”جی ہاں میں فراد بول رہا ہوں۔ آپ مطمئن ارادہ کر لیں کہ ریسور ہاتھ میں مضبوطی سے پکڑے رہیں گے اور اسے کریٹیل پر نہیں رکھیں گے لیکن میں رکھوا دوں گا۔“

”چلیں آپ کا یہ کمال دیکھ لیتے ہیں۔ میں نے ریسور کو مضبوطی سے پکڑ لیا ہے۔ اگر اتنی مضبوطی سے چوڑی کلائی پکڑ لوں تو ہاتھ نہ ہائے۔ اگر نہیں۔۔۔“

”وہ کتنے کتنے رک گیا۔ میں نے مختصر طور پر اس کا چور خیال رکھا کہ وہ کیا کرنا چاہتا تھا۔ پھر میں نے کہا ”چور قوت سے ہاتھ پھڑاتا ہے اور محبوبہ اداؤں سے ہلا کر کلائی پھڑپھڑاتی ہے لیکن آپ نے ریسور کو اتنی مضبوطی سے پکڑا ہے کہ شاہدہ ذریں کی کلائی ہل تو وہ بھی خرنے لگا کہ چھڑا نہ سکتی۔“

اس نے حیرانی سے فوراً ہی ریسور رکھتے ہوئے پوچھا ”کھ۔۔۔“

”اُن شاہدہ ذریں؟ آپ کسی کی بات کر رہے ہیں؟“

”جی حور شمال دہلی کی بات کر رہا ہوں جس نے آپ کا دل چھین کر اپنے پاس رکھ لیا۔ جس کا نام سننے ہی آپ مضبوطی سے پکڑا ہوا ریسور رکھ دیتے ہیں۔“

اس نے جھینپ کر کہا ”آپ نے بڑی چالاکی سے ریسور رکھوا دیا ہے۔ سچ باتیں۔ آپ شاہدہ کے بارے میں کیسے جانتے ہیں؟“

”ابھی آپ کے داغ سے معلوم کیا تھا۔ آپ کچھ نہیں یا نہ کہیں، ہم خیال خوانی کے ذریعے چور خیالات پڑھ لیتے ہیں۔“

”واقعی یہ کمال کا علم ہے۔ دنیا کا کوئی راز آپ کے سامنے راز نہیں رہتا ہوگا۔“

”یہ خیال خوانی کا ظلم ایسا ضرور ہے۔ اس کے باوجود ہم اگر خداوندی کو نہ دیکھ سکتے ہیں، نہ سن سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایسا زبردست غیر معمولی علم دے کر ہمیں سمجھا تا ہے کہ ہم وہیں تک پہنچیں، جہاں تک وہ عالم الغیب ہمیں پہنچاتا ہے اس سے آگے

بہا ہماری جرات اور فہم و ادراک سے بعید ہے۔“

”بے شک ایسی ہی زندہ مثالوں سے ایمان مستحکم ہوتا ہے۔“

”آپ نے کس لئے یاد کیا تھا؟“

”ہمارے ملک کے کچھ خفیہ معاملات ہیں۔ ان معاملات کی تہ تک پہنچنے کے لئے غیر ملکی جاسوس اور سیکرٹ ایجنٹ اسلام آباد آئے جاتے رہتے ہیں۔ بعض دشمنوں نے شہادت سے بالا تر رہنے کے لئے جہلم، پٹنہ اور پشاور میں رہائش اختیار کی ہے۔ وہ ان فکروں سے اسلام آباد آتے ہیں۔ ایک آدھ دن پراسرار

کرکریں میں مصروف رہتے ہیں پھر چلے جاتے ہیں۔“

”پھر یقیناً آپ کی نظروں میں ایسے کچھ سیکرٹ ایجنٹ ہوں گے۔“

”جی ہاں۔ مجھے ان پر شبہ ہے۔ آپ اپنے علم سے میرے شکات کو غلط یا درست ثابت کر سکتے ہیں۔“

”آپ ان کے نام اور پتے بتائیں۔ یا ان کی آوازیں مانگیں۔ میں ان سب کی اصلیت معلوم کرنے کی کوشش کروں گا۔“

”ایک غیر ملکی انجینئر جان ریڈی ہے۔ وہ یہاں فائبر اپٹار ہوٹل تعمیر کرنے آیا ہے۔ ہمارے ایک جاسوس کی رپورٹ ہے کہ وہ برائے نام انجینئر ہے کیونکہ ایک انجینئر کی حیثیت سے ہمارے جاسوس کے ساتھ ٹیکنیکل گفتگو کرتے وقت جھگڑا ہوا تھا۔ وہ غیر ملکی معاملات میں کم دلچسپی لیتا ہے اور سرکاری افسران سے زیادہ دوستی کرتا ہے اور ان کے ساتھ زیادہ وقت گزارا ہے۔“

”آپ مجھے اس کی آواز سنائیں۔“

”میں رپورٹ پیش کرنے والے جاسوس سے رابطہ کرتا ہوں۔ وہ اپنے طور پر انجینئر جان ریڈی سے فون پر گفتگو کرے گا۔ آپ اس کے ذریعے آواز سن سکتے ہیں۔ اس کے بعد میں دوسرے مشکوک کے متعلق بتاؤں گا۔“

اس نے ریسور راتھا کر خبر ڈاکل کئے۔ رابطہ قائم ہونے پر کہا۔ ”سسر سسر! اب میں فراد صاحب کا بھرپور تعاون حاصل ہو رہا ہے۔ یہ میرے پاس موجود ہیں۔ تمہاری آواز سن کر تمہارے داغ

میں آئیں گے پھر تم فون پر جان ریڈی کی آواز فراد صاحب کو سناؤ گے۔“

”رائٹ سرائے! فراد صاحب کو جان ریڈی کی آواز ابھی سناؤں گا۔“

میں نے سرفراز کے داغ میں پہنچ کر کہا ”ریسور رکھ دو۔ میں تمہارے اندر موجود ہوں۔“

”جناب! یہ میری خوش قسمتی ہے کہ آپ مجھ کا پیڑے سے مخاطب



ہیں۔ میں ابھی جان ریڈی سے گفتگو کرتا ہوں اور یہ چاہتا ہوں کہ آپ میرے وہ خیالات پڑھیں، جنہیں میں زبان پر لاتا نہیں چاہتا۔“

”ابھی بات ہے، میں پڑھوں گا۔ تم اپنا کام کرو۔“

اس نے جان ریڈی سے رابطہ کر کے پوچھا ”ہیلو مشر ریڈی! خیریت سے ہو؟“

وہ ہلکا ”یہ تم خیریت معلوم کرنے کے بہانے مجھ پر نظر رکھتے ہو۔“

”نوں پر نہ کوئی نظر آتا ہے نہ نظر رکھی جاتی ہے۔ تم ہمارے ملک میں مسمان ہو۔ اس لئے تمہاری خیریت معلوم کرنا میرا فرض ہے۔“

”میں بہت مصروف ہوں کام کی بات کرو۔“

”کام کی بات یہ ہے کہ تمہارا کام تمام ہونے والا ہے۔“

سرفراز نے ریسور رکھ دیا۔ اس نے ہیلو کیلئے کہ کر کیڈل کو کھٹکھٹایا پھر گالیاں دیتے ہوئے ریسور کو رخ دیا۔ اس کے ابتدائی خیالات پڑھتے ہی معلوم ہو گیا کہ وہ بین الاقوامی شہرت کا حامل سیکرٹ ایجنٹ راجر ہڈ ہے۔ امریکی اسے خبر سے کہتے تھے کہ وہ بین الاقوامی شہرت کا حامل ہے۔ دوسرے تمام ممالک اسے بدنام زمانہ جاسوس کہتے تھے۔ وہ جس ملک میں جاتا تھا وہاں کے اہم معاملات کی جڑوں تک پہنچ جاتا تھا۔

فی الحال امریکا، روس، اسرائیل اور بھارت ہمارے ملک کے دو اہم معاملات کی یہ تک پہنچنے اور ثبوت حاصل کرنے کے لئے بے چین تھے۔ ایک معاملہ انٹیم بم کا تھا پاکستان انٹیم بم بنانے کا دعویٰ نہیں کرتا تھا۔ لیکن دشمن ممالک بھند تھے کہ ہم تیار ہو چکا ہے اور وہ ہم انہیں راتوں کو سونے نہیں دیتا تھا۔ اگر سوتے تھے تو ان کے خوابوں میں آکر زبردست دھماکے سے پھٹ پڑتا تھا۔ پاکستان کے ناپیدہ ہم سے ان کے دماغ پھٹ رہے تھے۔

دوسرا معاملہ پاکستان کی فوجی مشقوں کا تھا۔ پچھلے برس پاکستان کی بحری، بری اور فضائی افواج نے بڑی کامیاب جنگی مشقیں کی تھیں۔ یہ مشقیں اپنے وطن کے آسمان میں کی گئی تھیں لیکن ہڈی ملک کی ٹینڈیں اڑ گئی تھیں۔ اب وہ سرفراز سانوں کے ذریعے معلوم کرنا چاہتا تھا کہ ہماری فوجی طاقت میں کس حد تک اضافہ ہو چکا ہے۔

ان دو اہم معاملات کی یہ تک پہنچنے کے لئے امریکا اپنے بہترین سیکرٹ ایجنٹ کی خدمات پیش کرتے ہوئے بھارت سے تعاون کر رہا تھا اور اسرائیل کا دل خوش کر رہا تھا۔

سیکرٹ ایجنٹ راجر ہڈ نے یہاں قدم رکھنے سے پہلے معلومات حاصل کی تھیں کہ اس ملک کے لوگوں کی کمزوریاں کیا ہیں؟ ویسے تو ہر قوم میں کچھ کمزوریاں ہوتی ہیں لیکن ہمیں دوسری قوموں سے کیا لینا ہے؟ ہمیں تو اپنے گریبان میں جھانکنا ہے۔

ہماری پہلی کمزوری یہ ہے کہ ہم راتوں رات امیر بننا چاہتے ہیں اور دولت کی نمائش میں اپنے بہائی سے برتر اور اپنے پلوں سے افضل نظر آنا چاہتے ہیں۔

اسی پہلی کمزوری سے باقی دوسری کمزوریاں جنم لیتی ہیں۔ لیکن اگر ایک اپنے خاندان سے بھی زیادہ اعلیٰ خاندان کی لڑکی سے شادی کرتا ہے تو دوسرا متاقلتا امریکی یا یورپی لڑکی کو دل میں بگاڑے آتا ہے اور مونچھوں پر آؤ دے کر یوں ہے تمہارے پاس تو دلکشاں ہے۔ میں قارن کا آئینہ لایا ہوں۔

سیکرٹ ایجنٹ ایسی ہی کمزوریوں کے پیش نظر شراب اور شباب کا اچھا خاصا ذخیرہ لایا تھا۔ منگی سے منگی اسکاچ و منگی، حسین سے حسین گوری اور گھلائی لڑکیاں، ٹوٹوں کی گڈیاں اعلیٰ افسران اور اہم عہدیداران کی بیگمات اور ان کی جوان اولادوں کے لئے گرین کارڈز لایا تھا۔

قارن کا اتنا چرکش سامان ہو تو ایسے ایماندار بھی بک جاتے ہیں جن کے اندر بے ایمانی سوئی رہتی ہے۔ کبھی جانتی ہے تو بے چارے ایماندار اسے تھک کر سلاتے ہیں۔ یوں ان کے اندر بے ایمانی کبھی سوئی ہے کبھی جانتی ہے۔ کبھی ایک آنکھ کھول کر گوری گوری ٹانگیں اور گرین کارڈ دیکھتی ہے۔ پھر ہڑا کر اٹھ بیٹھی ہے۔

سیکرٹ ایجنٹ راجر ہڈ کو ابتدا میں دشواریاں پیش آئی تھیں کیونکہ ایٹمی پلانٹ اور سائنسی شعبے سے تعلق رکھنے والے ذہین سائنسی دان نہایت فرض شناس تھے۔ صرف اپنے کام سے انہیں دلچسپی تھی۔ انہیں دو تہند بننے کی نہیں بلکہ بہترین کارنامے انجام دینے کی لگن تھی۔

وہ قاعدت پر بند تھے۔ زندگی گزارنے کے لئے جو مخصوص آمدنی تھی اس سے زیادہ حاصل کرنے کی خواہش نہیں تھی۔ چونکہ شاعر اور عاشق مزاج نہیں تھے اس لئے کوئی حسن کی ملکہ بھی انہیں متاثر نہیں کرتی تھی۔ وہ اپنے بیوی بچوں کی دنیا میں مطمئن رہے تھے لیکن انسانی کمزوری کہیں ضرور چھپی ہوتی ہے۔ ایسے ہی وہ فرض شناس اور دے دار سائنس دانوں کی بیویاں اور جوان بچے گرین کارڈز کے لئے ترستے تھے اور وہ کارڈز ہریت پر حاصل کرنا چاہتے تھے۔

راجر ہڈ نے کہا ”تمہارا شوہر اسلام حسین ہم سے دوستی کے گا تو تم اپنے تمام بچوں کے ساتھ امریکا جا کر رہ سکو گی۔“ وہ بولی ”دوستی کرنا اچھی بات ہے لیکن میرے میاں بہت ہی خشک مزاج اور آدم ہیزار ہیں۔ کسی شخص سے دوستی تو دور کی بات ہے وہ بات بھی نہیں کرتے۔“

اس نے کہا ”تم صرف بیوی نہیں اپنے بچوں کی ماں بھی ہو۔ ان کا مستقبل امریکا ہی میں بنا سکتی ہو۔“

جوان بیٹی نے کہا ”میں ممی! نیا کرا فال ہالی ووڈ اور ڈونٹی لینڈ کی

دن رگڑی اور حسین مناظر مجھے خوابوں میں نظر آتے ہیں۔
 بیٹے نے کہا ”مسی! اس چھوٹے سے ملک میں کیا رکھا ہے۔
 امریکا دنیا کا جدید ترین ملک ہے وہاں ترقی کرنے اور آگے بڑھنے کے
 چارے چانس ہوتے ہیں۔“
 بیگم نے اس رات اسلام حسین سے کہا ”دنیا کہاں سے کہاں
 پہنچ رہی ہے اور آپ دیکھیں کہ وہیں ہیں۔“
 اس نے سر جھکا کر کہا ”میں بھی یہی سوچتا ہوں۔ دنیا کے
 سائنس دان بڑے بڑے تجربات کر رہے ہیں۔ میں بھی اپنے ملک
 کی ترقی کے لئے بہت سے کامیاب تجربات میں مصروف ہوں۔
 انشاء اللہ جلدی۔“
 وہ بات کات کر رہی ”میں بات کچھ کرتی ہوں۔ آپ کا جواب
 کچھ اور ہوتا ہے۔ سائنس کی دنیا سے باہر نکل کر بھی باتیں کیا
 کریں۔“
 ”میری دنیا تو سائنس اور پاکستان ہے۔ اس کے بعد تم فور
 پہنچے ہو۔“
 ”بچوں کی بھلائی کے لئے کہہ رہی ہوں۔ میں انہیں امریکا لے
 جانا چاہتی ہوں۔“
 ”پاکستان میں کیا تکلیف ہے؟“
 ”بات تکلیف کی نہیں، ترقی کرنے کی ہے۔“
 ”ہمیں نے یہاں ترقی نہیں کی ہے۔ ملک کے اندر اور باہر
 میری شہرت نہیں ہے۔ کیا ملک کے سربراہ میری عزت نہیں کرتے
 ہیں کیا یہ ناموری ترقی نہیں ہے۔ بچے امریکا جا کاپاپ میوزک پر
 ڈانس کریں گے تو ترقی ہوگی؟“
 ”آپ تو یہ پتہ چراتے ہیں باتیں نہیں کرتے۔“
 بیٹے نے کہا ”ڈیڈی! ہم نے دور کی پیداوار ہیں۔ آپ پرانے
 زمانے کے والد صاحب کی طرح ہمیں اس ملک کا پابند نہ
 کریں۔ ہمیں دنیا دیکھنے دیں۔“
 بیٹی نے کہا ”ڈیڈی! میں امریکا ضرور جاؤں گی۔ اگلے جان
 (راجرز) بہت اچھے ہیں۔ آپ ان سے ایک بار ملیں گے تو بیشک
 کے لئے ان کے دوست بن جائیں گے۔“
 ”بیٹی! فخر! میں اس قدر اہم شخصے میں ہوں اور ایسی اہم ذمے
 داریاں سنبھال رہی ہوں کہ اس کے پیش نظر کسی انجی سے ملاقات
 نہیں کر سکتا۔ کسی غیر ملکی سے بات کرنا بھی مناسب نہیں سمجھتا۔“
 بیگم نے کہا ”اس کا مطلب یہ ہے کہ حکومت نے آپ کو
 قیدی کا عظام بنا کر رکھا ہوا ہے۔“
 ”یہ غلامی نہیں فرض شای ہے۔ اپنے ملک کے اہم رازوں
 کی حفاظت کے لئے مجھے ہزاروں پابندیاں منظور ہیں۔ میرے پابند
 رہنے سے جلدی پوری قوم سائنس کے حوالے سے مجھ پر فخر کرے
 گی۔“
 دوسرے دن بیگم نے راجرز سے کہا ”مشر جان! میرا مرد

ایک دم پھر ہے۔ کونسی کامینڈر ہے۔ کوئی دوسرا راستہ بناؤ۔
 ”تسا سکا ہوں لیکن یہ بات اپنے شوہر سے کہو کی تو وہ نہ اس
 ملک سے نکلوا دے گا یا قتل کرادے گا۔“
 ”انہی کیا بات ہے؟“
 ”پتلے رازداری کا وعدہ کرو۔ تم اور بچے رازدار میں جاؤ گے
 میں آج ہی تمہیں ایک لاکھ روپے بریل دوں گا۔ امریکا میں کہاں
 ہزار ڈالر سے تمہارا اکاؤنٹ کھلوادوں گا۔ جسمانی چینی فائبر
 بچے جیم کو ہجرین اسکول اور میکینیکل انشٹیٹیوٹ میں داخلے ل
 جائیں گے۔ رہائش کا مفت انتظام ہو جائے گا۔“
 وہ تین ماہ بیٹے تاج سے سن رہے تھے۔ حیرت سے ان کی
 آنکھیں پھیل گئی تھیں۔ سرت سے منہ کھل گئے تھے۔ فائبر
 پوچھا ”راز کیا ہے؟“ ہم وہ راز اپنے سامنے کبھی نہیں تھا
 ”اس نے رازداری سے کہا۔“ تمہارے ڈیڈی کی تحویل میں گی
 اہم قاتلین رہتی ہیں۔ ان میں سے ایسی قاتلوں کی مانگیو تھیں
 چاہتا ہوں جس میں یورپیہ کے اسٹاک اور ایٹم کے کارنر لے کی
 تفصیلات درج ہیں اور وہ نامی درج ہے جب پاکستان نے پلانٹ
 بنوایا تھا۔“
 ”فیم نے شدید حیرانی سے پوچھا ”کیا پاکستان نے ایٹم بم بنایا
 ہے۔ یہ تو یقین نہ کرنے والی بات ہے۔“
 راجرز نے کہا ”ابھی تم فوجاں ہو۔ تمہارے کھانے پینے
 کے دن ہیں۔ تم ایسی رازداری اور سیاست کو نہیں سمجھو گے۔“
 بیگم نے پوچھا ”لیکن ہمیں ان قاتلوں کی مانگیو تھیں کیے
 حاصل ہوں گی؟“
 ”وہ خود حاصل نہیں ہوں گی۔ انہیں حاصل کرنا ہوگا۔ میں
 ایک چھوٹے لائسنس ساز کا کیمرا دوں گا۔ اگر فخر اور فیم اپنے
 ڈیڈی سے ضد کریں کہ وہ انہی پلانٹ کی عمارت کو اندر سے دیکھا
 چاہے ہیں تو باپ اپنے بچوں کی ضد پوری کر سکتا ہے۔“
 ”سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ میرا میاں اپنے اصولوں اور فرض
 شناسی کی خاطر اولاد کا دل توڑ دے گا۔ مگر ضد پوری نہیں کہے
 گا۔“
 ”کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی ہوگا۔ کچھ کے بغیر تو کچھ بھی حاصل نہیں
 ہوتا۔“
 ”میں نے اپنے سائنس دان میاں کے ساتھ افغان بر
 گزارے ہیں۔ اسے اچھی طرح سمجھتی ہوں۔ ہمارے مذہب میں
 تقویٰ ایسا عمل ہے کہ اس عمل سے گزرنے والا دنیا کی ہر خواہش کو
 مار دیتا ہے۔ صرف اتنا ہی حاصل کرتا ہے جتنا زندگی گزارنے کے
 لئے لازمی ہوتا ہے۔ اسلام حسین شریعت کا سخت پابند ہے۔ اس
 لئے وہ کسی لالچ میں نہیں آئے گا۔“
 ”تو پھر ایک ہی راستہ ہے۔ اسے اس قدر کمزور بنا دیا جائے کہ

”شریعت کو بھول جائے اور ہمارے سامنے کھینے لگے۔ کدوہ قاتلین
 بنی کر دے۔“
 ”میں کس طرح کمزور بنا دیا جاسکتا ہے؟“
 ”اگر ہم فخر کو اغوا کرنے کا زامنا لے کریں اور اسے یقین
 ہو جائے کہ جو ان بیٹی کے معاشوں کے چنگل میں ہے اگر ان قاتلوں کی
 انگریز فلم نہ دیکھیں تو وہ بے آبرو ہو جائے گی۔ اس کی زندگی برباد
 ہو جائے گی۔“
 بیگم نے اپنے منہ پر دھ کر کہا ”میں تمہیں پاگل ہو گئے ہو۔
 میرے سامنے میری بیٹی کو اغوا کرنے اور اس کے بے آبرو ہونے کی
 باتیں کر رہے ہو۔“
 ”میں پاگل نہیں ہوں۔ جسمانی چینی کوچ کوچ اغوا نہیں کیا
 جائے گا۔ ہم فخر اور فیم کو تمہیں چھپا دیں گے اور اسلام حسین
 کی پادار نہ محبت کو قاتل میں جھٹکا دیں گے۔“
 ”میں تمہاری تدبیر میں کچھ نہیں آ رہی ہے۔“
 فخر نے خوش ہو کر کہا ”مسی! بڑا زبردست ایڈوکیٹر رہے گا۔
 ڈیڈی میرے اور فیم کے لئے تو بے تھک لگیں گے۔ وہ خواہ کتنے ہی
 اصولوں کے پابند ہوں ہمارے لئے تمام پابندیاں توڑ دیں گے۔“
 فیم نے بھی تائید کی۔ بیگم بھی راضی ہو گئی۔ ماں کو اندیشہ
 نہیں تھا کہ جو ان بیٹی کا تھ سے بے ہاتھ ہوگی۔ یہ یقین تھا کہ بھائی
 کے ساتھ رہے گی پھر جان ریڈی (راجرز) ان کا سرپرست ہوگا۔
 پہلے بیگم نے کہا کہ وہ بھی بیٹی کے ساتھ دھو دھو ہوگی۔ راجرز
 نے ”بھائی! بیگم کو اپنے شوہر کے پاس رہنا چاہئے تاکہ بیٹی کی داپہی
 کے عوض اسلام حسین سے قاتلوں کی مانگیو فلم کا مطالبہ کیا جائے
 تو وہ اپنے شوہر کو اولاد کی خاطر مطالبہ منظور کر کے پرجبور کرتی
 نہ۔“
 اس منصوبے کے مطابق راجرز شام کے پانچ بجے فخر اور
 فیم کو اپنے ساتھ لے گیا۔ رات کو اسلام حسین نے ”مشر! پوچھا۔
 ”بچے کہاں ہیں؟“
 بیگم نے کہا ”اب وہ بچے نہیں ہیں۔ جو ان ہو گئے ہیں۔ کیس
 گھوٹے پھرنے گئے ہیں۔ ابھی آجاسیں گے۔“
 ”جو ان لڑکی کو اندر حیرا ہونے سے پہلے گھرا جانا چاہئے۔“
 ”وہ بھائی کے ساتھ گئی ہے۔“
 ”بھائی! چھوٹا ہے۔ ناواں ہے۔“
 ”توجہ ہے۔ آپ اولاد کو امریکا نہیں جانے دیتے۔ بازار تک تو
 جانے دیا کریں۔“
 وہ اپنے کمرے میں جا کر لباس تبدیل کرنے لگا۔ بیگم کچن میں
 کہاں کہاں کرتے ہوئے بڑبڑانے لگی ”دودھ کا پیو دستور ہے۔ صبح
 انگریز کمرے کا موم میں لگے رہو۔ شام کو تفریح کے لئے جاؤ تو طرح
 طرح کے سوالات پوچھتے جاتے ہیں۔ یہ بھی کوئی زندگی ہے۔ امریکا
 کا گندم کھاتے ہیں۔ مگر امریکا جانے نہیں دیتے۔“

وہ لڑدور سے بڑبڑا رہی تھی تاکہ میاں کے کاتوں تک پہنچی
 کی مظلومیت اور فخر کی چپٹی رہے۔ اسی وقت ٹیلیفون کی گھنٹی بجے
 لگی۔ اس نے کہا ”میں سالن گرم کر رہی ہوں۔ آپ فون انیڈ
 کریں۔“
 اسلام حسین نے ذرا تنگ دم میں فخر کو فون کا ریسیور اٹھایا۔
 پھر کہا ”ہیلو۔“
 دوسری طرف سے پوچھا گیا ”کیا آپ ہمارے ملک کے
 مسافر سائنس دان اسلام حسین ہیں؟“
 ”مسی! میں ہا ہوں۔“
 ”میں بھی ہوں ہا ہوں۔ اور فخر سے سونہ۔ ہم نے تمہاری بیٹی
 فخر اور بیٹے فیم کو اغوا کیا ہے۔ دھو دھو ہمارے گھسے میں ہیں۔ اگر
 اس مسئلے میں تم نے پولیس کو اطلاع دی یا کسی خفیہ کارروائی کی
 حفاظت کی تو ہمیں ان کی لاشیں ملیں گی۔“
 ”کیون ہو تم؟ یہ کیا بکواس کر رہے ہو؟“
 ”میں بچوں کی آوازیں سنو اور یقین کرو کہ یہ بکواس نہیں
 ہے۔“
 چند سیکنڈ کے بعد فخر کی دوتی ہوئی آواز سنائی دی۔ ”ڈیڈی
 مجھے بھاؤ ہے۔ مجھے اور فیم کو بیدردی سے مار رہے ہیں۔“
 باپ نے تڑپ کر پوچھا ”بیٹی! جو حملہ کرو یہ کون لوگ ہیں۔ کیا
 تم کسی کو پہچانتی ہو؟“

انجمن خیرات پاکستان اور خیرات اسلامیہ

”نئی سورت رنگ نیلا ہر تیار ہوگی“

مرکز کھانا و مشروبات

شکاری

پکوانی شکل میں دستیاب

قیمت فی حصہ ۲۵ روپے
ڈیٹھریج فی حصہ ۱۰ روپے

نماش ہے کہ ان مشوروں کی زبردستی
گوشت پیوستہ کھانا انسان کی صحت پر
میں تضرہ ہے۔ کھانے کے بعد دھو دھو دھو
کھانا جس کے شب و روز موت کی بستی میں
گزر رہا ہے۔ چھ دن، شش روزہ، آسمان
پاس خوف و ہراس شویں خواہ تب سختی

پکوانی شکل میں دستیاب

ایک زور دار طمانچے کے ساتھ جی کے رونے اور چیخنے کی آواز سنائی دیں پھر نعیم نے فون پر کھارا۔ ”ڈیڈی! یہ لوگ آپ کو مار رہے ہیں۔ کہتے ہیں آپ نے ان کا مطالبہ پورا نہ کیا تو ہم دونوں کو جان سے مار ڈالیں گے۔ پلیز! ہمیں ان سے نجات دلائیں۔“

”گھبرو! انہیں جیلے! میں ان کا مطالبہ پورا کروں گا۔ ان سے پوچھو یہ کتنی رقم چاہتے ہیں؟“

ریسیور سے ایک بھاری بھر کم آواز سنائی دی۔ ”رقم نہیں بڑھے۔ ان فالوں کی مانگ کو قلم اتار کر دو۔ جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ تم لوگوں نے یورینیم کا کافی ذخیرہ کیا ہے اور فلاں تاریخ کو ایک اہم مہم میں تیار ہو چکا ہے۔“

اسلام حسین نے کہا ”اوہ تو اس لئے میرے بچوں کو اغوا کیا گیا ہے دینے تم لوگوں نے غلطہ دو آوازے پر دستک دی ہے ابھی چند لمحے پہلے بچوں کا باپ امریکا ہے۔ صرف ایک پاکستانی سائنسدان یہاں رہتا ہے۔ میرا نام اسلام حسین ہے اور حسین کا اسلام بچوں کی قربانیاں دے کر ہی زندہ رہتا ہے۔“

اس نے ریسیور رکھ دیا۔ نعیم نے پوچھا ”کیا ہوا؟ آپ ابھی کہہ رہے تھے کہ ہمارے بچوں کو اغوا کیا گیا ہے۔ کس نے کیا ہے؟ کیوں کیا ہے؟ آپ ابھی جاتیں، میرے معصوم بچوں کو واپس لائیں۔“

وہ رونے لگی اور شور ہو کر پکڑ کر جھجھوڑنے لگی۔ اسلام حسین نے خود کو پھنسا کر کہا ”بوش میں آؤ۔ فائر اور نعیم کی واپسی کے لئے ایسا مطالبہ کر رہے ہیں جس میں بھی پورا نہیں کر سکتا۔“

وہ ریسیور اٹھا کر خبردار اگلے کہنے لگا۔ نعیم نے کڑھیل پر ہاتھ رکھ کر فون کرنے سے روکتے ہوئے پوچھا ”کسے فون کر رہے ہیں؟“

”قانون کے محاذوں کو صورت حال سے آگاہ کرنا ضروری ہے۔“

”کیا قانون کے محافظ ہمارے بچوں کو زندہ سلامت لے آئیں گے؟“

”میں بچوں کے لئے نہیں، ان فالوں کی حفاظت کرانے اور ایسی پلانٹ کے اندر اور بار بار سخت پیرا لگنے کے لئے فون کر رہا ہوں۔ خود وقت ضائع نہ کرو۔“

”جنم میں تمہیں تمہاری فالیں۔ کیا وہ اولاد سے بڑھ کر ہیں؟“

اس نے جواب نہیں دیا۔ نعیم کو زور سے دھکا دے کر دھڑک دیا۔ پھر خبردار اگلے کہنے لگا۔ نعیم فرش پر پڑی اسے دیکھتی رہ گئی۔ منصوبہ کمزور ہو رہا ہے۔ وہ ایک باپ کے جذبات سے کھیلنے میں ناکام رہے تھے۔ سامنے کھڑا ہوا اسلام حسین فون پر باتیں کرتے وقت ایک انسان سے زیادہ فولا دی تجویز دکھائی دے رہا تھا۔ جس کے اندر ملکی راز چھپے ہوئے تھے۔ اس تجویز کو توڑنے

والے نوٹ کتنے تھے۔ تجویز کا کچھ نہیں کاڑھ سکتے تھے۔

شہر سے دور ایک چھوٹی سی پہاڑی پر ایک چھوٹا سا مکان تھا جہاں فائر اور نعیم کو پھنسا گیا تھا۔ وہاں بیٹھے۔ کہ بعد انہیں بتا چلا کہ وہ ڈراما نہیں تھا، بلکہ حقیقت تھی۔ وہاں باغیچہ معاشوں نے ان دونوں کی بیچ بچائی کی تھی۔ رابرڈ موبائل فون لے کر آیا تھا۔ فائر نے روئے ہوئے پوچھا ”نکل جان! ہمارے ساتھ ایسا سلوک کیوں کر رہے ہو؟“

وہ بولا ”بھئی فائر! تمہاری پٹائی میں ہوگی تو بیچ آج انوسٹیشن نکلیں گے۔ آواز میں درد پیدا نہیں ہو گا تو باپ کو فون پر یقین نہیں آئے گا کہ تم دونوں حقیقتاً اغوا کئے گئے ہو اور تم پر بیچ بیچ قلم ہو رہا ہے۔“

وہ خبردار اگلے کہتے ہوئے بولا ”میں تمہارے باپ کو کال کر رہا ہوں۔ جب بات کرنے کے لوگوں تو اسی طرح روئے سکتے ہو۔ ذرا سے میں حقیقت کا رنگ بھر جائے گا۔“

”میں ڈیڈی سے صاف صاف کہہ دوں گی کہ تم فراڈ ہو تمہارا نام رابرڈ ہے اور تم نے۔۔۔“

وہ بات پوری نہ کر سکی۔ اس کی کینٹی سے ریلواری ٹال لگ گئی۔ وہ بولا ”میرا نام لوکی۔ ہمارے بارے میں کوئی اشارہ دینے کی کوشش کرو گی تو کوئی مار دوں گا۔ پہلے تمہیں پھر تمہارے بھائی کو۔“

دونوں بہن بھائی نے مجبور ہو کر اس کے حکم کے مطابق باپ سے بات کی۔ مجبورہ فون کو آف کر کے غصے سے بولا ”وہ سائنس دان کتنے کی موت مرنا چاہتا ہے۔ اگر اس نے مطالبہ پورا نہ کیا تو میں تم دونوں کے ساتھ تمہارے ماں باپ کو بھی مار ڈالوں گا۔ اب ایک آخری حربہ رہ گیا ہے۔ کیرالاؤ۔“

وڈیو کیرالاؤ رائلٹس وغیرہ کمرے میں لائی گئیں۔ رابرڈ نے کرائے کے غنڈوں سے کہا ”اپنے چوڑ پر ہانک چڑھاؤ۔ جیسے ہی کیرالاؤ اشارت ہو۔ تم میں سے تین اس لڑکے کو پکڑ لیتا اور باقی دو اس لڑکی کا لباس چھائیں گے۔ خوب تماشا بنا کر آہستہ آہستہ دونوں کو بے لباس کرتے رہو۔ جتنے اطمینان سے لباس کی دھجیاں اڑانے رو گئے ان کا باپ اپنے دی سی آر پر یہ منظر دیکھ کر اتنی غیرت سے مرتا رہے گا لیکن لڑکی کی عزت نہ لیتا۔ میں پھر ان کے باپ کو سوچنے سمجھنے کا موقع دوں گا اور کہوں گا، ”مج تک میری مطلوبہ مانگیرو قلم نہ لی تو پھر فائر کے ساتھ شرمناک ویڈیو قلم تیار ہوگی۔“

تمام لائٹس آن ہو گئیں۔ غنڈوں نے چوڑ پر ہانک چڑھا لے کیرالاؤ اشارت ہوا اور غنڈے ایکشن میں آئے تو فائر اور نعیم کی چیخیں گونجنے لگیں۔ اب انہیں معلوم ہوا کہ امریکا کا کریبن کارڈ کتنا سنگین پڑتا ہے۔

اسلام حسین کی رہائش گاہ میں پولیس کے اعلیٰ افسران آئے تھے۔ وہ ٹیلی فون اور دائرلیس کے ذریعے مختلف پولیس باڈیوں سے مطلع کر رہے تھے کہ وہ پولیس والے فائر اور نعیم کو کہاں کہاں ڈھونڈتے پھر رہے ہیں۔ اسلام حسین اپنی بیگم سے پوچھ رہا تھا ”وہ امریکی کونسا ہے جو تمہارے اور بچوں کے ذریعے مجھ سے دوستی کرنا چاہتا تھا؟“

بیگم نے کہا ”وہ تو نہایت شریف آدمی ہے۔ فائر اور نعیم کو اپنے بچوں کی طرح چاہتا ہے۔“

”وہ شریف ہے یا نہیں؟ اس کی تحقیقات پولیس والے کریں گے۔ اس کا کام اور بتانا؟“

ایک جاسوس نے کہا ”جناب! ہم ایسے لوگوں کو نظروں میں رکھتے ہیں جو آپ سے یا آپ کی فیملی سے رابطہ برپا کرتے ہیں۔ اس کا نام جان ریڈی ہے۔ یہاں فائر اور نعیم ہولٹ کی قبر کے لئے بطور انجینئر آیا ہے۔ میرے دو ماتحت اس کی رہائش گاہ میں اسے چیک کرنے گئے ہیں۔“

بیگم پریشان ہو گئی۔ وہ جانتی تھی جان ریڈی (رابرڈ) اپنی رہائش گاہ میں نہیں ہوگا۔ فائر اور نعیم کے ساتھ کہیں چھپا ہوگا اور ان بچوں کے ساتھ شفقت سے پیش آ رہا ہوگا۔ فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ ایک پولیس افسر نے ریسیور اٹھا کر پوچھا ”یہ کون ہے؟“

”دوسری طرف سے پوچھا گیا ”تم کون ہو؟ اسلام حسین کو فون دو۔“

”میں آنی جی پولیس بول رہا ہوں۔ اسلام حسین صاحب سے کیا کام ہے پہلے اپنا نام اور شناخت بتاؤ۔“

”میں نے اسلام حسین کو وارنٹ دی تھی کہ میرے معاملات میں پولیس کو خبر نہ کریں لیکن وہ سائنس دان اپنے بچوں کے ساتھ اپنی جی موت چاہتا ہے۔ اس سے کوئی رہائش گاہ کے بالکل سامنے سڑک کے دوسری طرف درخت کی جڑ کے پاس ایک ویڈیو کیسٹ رکھا ہوا ہے۔ اسے اپنے ٹی وی اسکرین پر دیکھئے۔ اپنے بچوں کا انجام دکھائی دے گا۔“

”دوسری طرف سے ریسیور رکھ دیا گیا۔ پولیس افسر نے ایک پاسی سے کہا ”سامنے سڑک کے اس پار ایک درخت کے پاس ویڈیو کیسٹ رکھا ہوا ہے۔ اسے لے آؤ۔“

پاسی نے حکم کی تعمیل کی۔ اسے لے آیا۔ اسلام حسین نے کیسٹ لے کر کہا۔

”اس کیسٹ کے ذریعے وہ مجھے کچھ ایسے مناظر دکھائے گا جو مجھے لے کا قاتل بدواشت ہوں گے۔ مگر ہے اسے ضائع کر دیا جائے۔“

ایک افسر نے کہا ”اسلام صاحب! ہو سکتا ہے اسے دیکھ کر تمہیں مجرم کا کوئی سراغ مل جائے یا وہ بچوں کی واپسی کی نئی شہادت

پیش کر رہا ہو تو شاید وہ شہادت ہمارے لئے قابل قبول ہوں۔“

”اچھی بات ہے، لیکن یہ کیسٹ پہلے کسی لیڈی پولیس افسر کو دکھائی جائے۔ قاتل اعتراض بائیں نہ ہو۔ تو ہم اسے دیکھیں گے۔“

بیگم نے کہا ”مجھے دس۔ میں دیکھ لیتی ہوں۔“

”بیگم! اب یہ سرکاری معاملہ ہو گیا ہے۔ اسے صرف قانون کی کوئی محافظ عورت دیکھ کر رپورٹ پیش کرے گی۔“

میں منٹ بعد ایک لیڈی انجینئر نے آکر ایک بند کمرے میں اس کیسٹ کے ذریعے فائر اور نعیم کو دیکھا پھر بار بار ”قاخہ“ ”قاخہ“ اور نعیم کے ساتھ برا سلوک کیا جا رہا ہے۔ بات ابھی تک بے لپاسی تک پہنچی ہے۔ وہ دھمکی دے رہا ہے کہ مطالبات پورے نہ کئے گئے تو معاملہ بے آبروئی تک پہنچے گا اور شرمناک مناظر کی فلمیں شہر شد دکھائی جائیں گی۔“

ایک افسر نے غصے سے کہا ”یہ مجرم بے حیائی اور شیطنت کی انتہا کر رہا ہے۔ ایک بار یہ ہاتھ آجائے تو۔۔۔“

اسلام حسین نے کہا ”ہاتھ آنے کی ہی بات ہے۔ جو ہاتھ نہیں آتے وہ ہمیں مجبور اور بے بس بنا دیتے ہیں۔“

وہاں بیٹھے ہوئے جاسوس سرفراز نے اپنے اعلیٰ افسر کا فون ریسیو کیا۔ یہ وہی فون تھا جس کے ذریعے میں سرفراز کے داغ میں پہنچا۔ پھر سرفراز نے معلوم کیا کہ جان ریڈی اپنی رہائش گاہ میں موجود ہے۔ اس نے فون پر اس سے باتیں کیں۔ اس طرح میں جان ریڈی کے داغ میں پہنچ گیا۔

رابرڈ (جان ریڈی) ایک گھنٹا پہلے اس پہاڑی مکان میں تھا جہاں فائر اور نعیم کی ویڈیو قلم تیار کی تھی۔ مجبورہ ویڈیو کیسٹ لے کر اسلام حسین کے بیٹھے کے سامنے سے گزرتے ہوئے اس کیسٹ کو ایک درخت کے پاس چھوڑ گیا تھا۔ گھر آکر فون کے ذریعے اسلام حسین کو بتا چکا تھا کہ وہ درخت کے پاس سے کیسٹ اٹھا کر ٹی وی پر اپنے بچوں کو دکھائے۔

وہ تماشے دکھا رہا تھا اور چپ کر مطمئن تھا کہ اسے کوئی ڈھونڈ نہیں پائے گا۔ زیادہ سے زیادہ اس پر شبہ کیا جائے گا لیکن بہت بڑی سہارے کے بیکٹر ایجنٹ پر شبہ کر کے اسے گرفتار نہیں کیا جاسکتا تھا۔ اگر ثبوت کی بنا پر گرفتار ہوا تو امریکا ہماری حکومت پر سیاسی دباؤ ڈالے اور اسے ہمارا کر کے لے جاتا۔

میں نے اسے مائل کیا کہ وہ اپنے غنڈوں سے رابطہ کرے۔ اس نے رابطہ کیا۔ میں آواز سننے ہی ایک غنڈے کے داغ میں پہنچ گیا۔ پہلے یہ معلوم کیا کہ وہ کون سی جگہ ہے۔ پھر جاسوس سرفراز کے پاس آکر اس جگہ کی نشاندہی کی اسے بتایا کہ فائر اور نعیم وہاں موجود ہیں۔ ایک پولیس باڈی جا کر انہیں حفاظت سے لے آئے۔

سرفراز نے یہ خوش خبری اسلام حسین اور دوسرے افسران کو

سنائی۔ میں نے ایک غصہ سے پاس آکر دوسرے غنڈوں کی آوازیں سنیں۔ پھر ایک ایک کو مخاطب کرنے لگا۔ وہ پریشان ہو کر اپنا اپنا سر پکڑ رہے تھے اور ادھر ادھر دیکھتے ہوئے پوچھ رہے تھے۔ غنڈوں نے؟ یہ کون ہے؟ مجھے اپنے اندر کسی کی آواز سنائی دے رہی ہے۔

دوسرے نے کہا "میں بھی اپنے اندر ایسا ہی محسوس کر رہا ہوں۔"

تیسرے نے کہا "میرے اندر بھی کوئی بول رہا ہے۔"

اس تیسرے نے فاختہ کا لباس اس کے جسم پر ڈالنے ہوئے کہا "ہم دوسری طرف مت بھرتے ہیں۔ تم یہ لباس پہن لو۔"

پھر اس نے ساتھیوں سے کہا "ادھر کیا دیکھ رہے ہو؟ ادھر منہ کرو۔"

ایک نے پوچھا "اے تو چاکر فرشتہ کیسے بن گیا؟"

پانچویں نے پوچھے والے کے منہ پر ایک گھونسا مارا پھر کہا "فرشتہ نہیں بنایا گیا ہوں۔ یہ میری بہن ہے۔"

ایک اور ساتھی نے کہا "اے رمنو! تیرا داغ چل گیا ہے۔ ابھی جس کے کپڑے اتارے اسے بہن کہہ رہا ہے۔"

رمنو نے اسے کرانے کا ایک ہاتھ رسید کیا۔ دوسرے کو گھوم کر ایک ایک ماری۔ وہ فاختہ کا یہ انداز نہیں جانتا تھا۔ میں اس کے اندر وہ کران سب کی پٹائی کرنا جا رہا تھا۔ بھی رمنو انہیں مارا تھا اور بھی وہ خود میری مرضی کے مطابق ایک دوسرے کی پٹائی کرنے لگتے تھے۔

فاخرہ اور جیم لباس پہن کر ایک گوشے میں سے کھڑے تھے اور حیرانی سے انہیں آپس میں لڑتے مرنے دیکھ رہے تھے۔ ایک نے چاقو نکال کر دوسرے کو ہلاک کر دیا تھا۔ جب میں نے اس کے داغ کو آزاد چھوڑا تو وہ خود کو قاتل اور دوست کو مقتول پا کر گھبرا گیا۔ رمنو نے اس کے ہاتھ سے چاقو چھین کر پوچھا "یہ تو نے کیا کیا؟ جب ہاتھ میں چاقو ہو تو قتل نہیں کرنا چاہئے۔ صرف زخمی کرنا چاہئے۔ دیکھو اس طرح۔"

اس نے چاقو کے وارے اسے زخمی کیا۔ تیسرے ساتھی نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کہا "رمنو! تو بھی وہی حرکت کر رہا ہے۔ معلوم ہوتا ہے ہم سب پاگل ہو گئے ہیں۔ یہ چاقو چھینک دے۔"

اس نے رمنو کے ہاتھ سے چاقو چھینا۔ میری مرضی کے مطابق اسے ہاتھ میں لے کر ایک اور ساتھی کو زخمی کر دیا۔ ان حالات میں وہ سب بدخواس ہو گئے۔ رمنو نے کہا "معلوم ہوتا ہے کوئی غیبی طاقت ہمیں سزا دے رہی ہے۔ ہم نے معصوموں پر ظلم کیا ہے۔ ہمیں اس کی سزا مل رہی ہے۔"

ایک زخمی نے تکلیف سے کہا "میں تو کہتا ہوں بھاگ چلو۔"

ایک اور نے کہا "کیسے بھاگ جائیں؟ ہم نے مہر جان سے

دس دس ہزار لے ہیں۔ میں نے جان صاحب کو تعین دلا یا تھا کہ تم سب جان پر کھیل جائے والے بندے ہو۔ بزدلوں کی طرح بھاگ کر تو میں تم سب سے رقم واپس لے لوں گا۔ گھوڑے کو رستم لے کر لے آؤں گا۔"

"استاد! خود! غصہ نہ کرو، غور کرو۔ ہم خود بخود بے بس ہو رہے ہیں۔ خواہ تو ادھر ایک دوسرے کو زخمی کر رہے ہیں۔ اگر اس آسپ ذہد مکان میں رہیں گے تو ہمیں نقصان پہنچانے والا آسپ جلدی حالات پہنچا دے گا اور ہم اپنے بچاؤ کے لئے کچھ نہیں کر سکتے گے۔"

فخو استاد نے کہا "میری تو عقل کام نہیں کر رہی ہے۔ میں جان صاحب کی میاں کے حالات بتا کر انہیں ہلا تا ہوں۔"

اس نے منہ پٹیل فون کے ذریعے رابطہ کیا پھر کہا "جان صاحب! آپ فوراً آجائیں، ادھر کو زبردستی ہے۔"

راجہ نے پوچھا "کیا پولیس آگئی ہے؟"

"نہیں، کچھ عجیب قسم کا معاملہ ہو رہا ہے۔ آپ تعین نہیں کریں گے۔ ہم تمام ساتھی میاں ایک دوسرے سے لڑ رہے ہیں۔ جبکہ ہم گھرے دوست بھی ہیں لیکن بے اختیار ایک دوسرے کی پٹائی کر رہے ہیں۔ میرے ایک ساتھی نے دوسرے ساتھی کو چاقو سے قتل کر دیا ہے۔ دوسرا قحطی زخمی ہو گئے ہیں۔"

وہ پریشان ہو کر بولا "کیا تمہارے دماغوں میں کوئی بول رہا ہے؟"

"ہاں، ہم سب نے اپنے اندر کسی کی آواز سنی ہے۔"

"اڑو گاؤ! یہ ٹیلی جیٹھی جانے والا تمہارے دماغوں تک کیسے پہنچ گیا؟"

"جان صاحب! کیا تم کسی ایسے جاوڑ کو کہ جانتے ہو جو دوسروں کے دماغوں میں آکر بول رہے ہو اور پاگل بناتا ہے؟"

"وہ جاوڑ کو نہیں ہے۔ فرہاد علی تیرو ہے۔"

"یہ فرہاد کون ہے؟"

"کوئی بھی ہے۔ اب مجھ سے رابطہ نہیں کرنا۔ میں خود تم سے بات کروں گا۔ اپنے ساتھیوں کے ساتھ وہ جگہ فوراً چھوڑ دو اور جگہ چھوڑنے سے پہلے فاختہ اور فیم کو قتل کرو۔"

اس نے رابطہ ختم کر دیا۔ فخو استاد نے پہلو ہیلو کہہ کر پکارا پھر موبائل فون کو آف کر کے ساتھیوں سے کہا "جان صاحب! کاظم ہے ان دونوں کو قتل کر کے فوراً یہ جگہ چھوڑ دو۔"

"نہیں۔۔۔" وہ بہن بھائی خوف سے چیخے اور گڑگڑانے لگے۔

"ہمیں جان سے مارو۔ ہمیں چھوڑ دو۔"

فاخرہ نے کہا "رمنو بھائی! ابھی تم نے مجھے بہن کہا ہے کیا بہن کو قتل کرو گے؟"

رمنو نے کہا "کوئی تمہیں ہاتھ نہیں لگائے گا۔ جو ہمیں مارے آئے گا وہ خود کو مارے گا۔"

فخو استاد نے پوچھا "رمنو! کیا پھر تیرا داغ گھوم رہا ہے؟"

رمنو نے کہا "مجھ سے کیا پوچھتے ہو۔ وہ چاقو فرش پر پڑا ہے۔ نہیں زندگی عزیز نہیں ہے تو ان بچوں پر قاتلانہ حملہ کرو۔"

"ہمیں یہ قصہ فوراً ختم کر کے میاں سے بھاگنا ہو گا۔"

یہ کہتے ہوئے فخو استاد نے فرش پر سے چاقو اٹھایا پہلے فاختہ ل طرف بڑھایا۔ وہ بھائی سے لپٹ کر روئے اور چیخنے لگی۔ استاد نے اس کے قریب پہنچ کر وہ چاقو اپنے بائیں ہاتھ میں پیوست کر دیا۔

رکھنے سے چپٹا ہوا پیچھے ایک دیوار سے جا لگا۔

بھائی بہن نے حیرانی سے اسے خود کو زخمی کرتے دیکھا اور دونوں ہاتھ دھاک لے لگا کر کہنے لگے "اللہ میاں! ہمیں صاف کر۔ ہم امریکا میں رہنے کے لئے اپنے وطن سے غداری کر رہے تھے۔ رہا ہے زیادہ ماں کو حملہ سمجھ رہے تھے۔ ہمیں ایک بار لاشی دے دو۔ ہم آئندہ کبھی غلطی نہیں کریں گے اور ڈیڑی کے لئے قدم پر چلیں گے۔"

میں نے رمنو کی زبان سے اس کے ساتھیوں سے کہا "دیکھو استاد! ان پر حملہ کرنا چاہتا تھا۔ خود پر حملہ کر بیٹھا۔ پھر بھی مجرت مل نہیں ہو رہی ہے تو جو حملہ کرنا چاہتا ہے وہ آگے بڑھے۔ تو پھر فرش پر پڑا ہے۔"

کسی نے آگے بڑھنے کی جرات نہیں کی۔ فخو استاد نے کہا۔

م سب کو مرہم پٹی کی ضرورت ہے۔ ہمیں فوراً میاں سے بھاگنا ہے۔ ان دونوں کو میاں رہنے دو۔"

رمنو نے پوچھا "میں رہنے دو۔ ہم نے ان پر ظلم کیا ہے۔ مل واپس گھر پہنچانا ہم سب کا فرض ہے۔"

"نہیں! باتیں کرتے ہو۔ انہیں واپس لے جا کر گرفتار ہونا ہے۔"

اس کی بات ختم ہوتے ہی دروازے پر دھک سنائی دی پھر دو اور آواز میں کہا "اس مکان کو پولیس نے چاروں طرف گھیر لیا ہے۔ تم لوگوں کی بھلائی اسی میں ہے کہ ایک ایک کر کے اٹا ہاتھ اٹھا کر باہر آتے جاؤ۔"

میں نے رمنو کے ذریعے کہا "استاد! ہمیں گرفتاری کا خوف ہو کر گرفتاری چل کے تمہارے پاس آگئی ہے۔"

میں نے اسے کچھ سوچنے اور بولنے کا موقع نہیں دیا۔ اس کے رجا کر اسے مکان سے باہر دھاک دے دی۔ اسی طرح میں نے باقی لوگوں کو پولیس کی تحویل میں پہنچا کر جاسوس سرفراز سے کہا۔

فون بہن بھائی اندر سے ہوئے ہیں۔ انہیں پوری حفاظت کا نالا کر اسلام حسین صاحب کے پاس پہنچا دو۔ میں تھوڑی دیر تمہارے پاس آؤں گا۔"

میں وہاں سے راجہ بڑ کے پاس پہنچا۔ وہ ایک انٹی میں مل سامان لے کر اپنے سفیر کی ہائٹس گاہ میں پہنچ گیا تھا۔ اندر ملی طرح سہا ہوا تھا۔ گھبرا کر سفیر سے کہہ رہا تھا "میں ابھی آتے میاں سے جاؤں گا۔"

"کہاں جاؤ گے؟"

"جس ملک کی فلاح میں جگہ مل جائے، میں اسی میں بیٹھ کر پاکستان سے باہر نکل جانا چاہتا ہوں۔"

سفیر نے انٹر کام پر یکے بڑی سے کہا "مہر جان! ریڈی کے لے کسی بھی پہلی فلاح میں سیٹ حاصل کرو۔ پاسپورٹ اور ضروری کاغذات میاں آکر لے جاؤ۔"

پھر اس نے انٹر کام کو آف کر کے پوچھا "مہر جان! تم اس قدر پریشان اور گھبرائے ہو کیوں ہو؟"

"چاکر ٹیلی جیٹھی کی مصیبت نازل ہو گئی ہے۔ میں بڑے اطمینان سے نام اور شخصیت بدل کر کام کر رہا تھا۔ شاید بیج تک اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتا لیکن آدھا گھنٹا پہلے معلوم ہوا کہ فرہاد علی تیرو میرے غنڈوں کے دماغوں میں پہنچ گیا ہے۔"

سفیر نے پوچھا "کیا تم نہیں جانتے تھے کہ وہ پاکستان میں ہے؟"

"جانتا تھا، جانتا ہوں۔ مجھے کہا گیا تھا کہ فرہاد کو دوسرے بہت سے مسائل میں الجھا کر رکھا جائے گا۔ اسے میری کوئی خبر نہیں ملے گی۔ وہ لاہور اور ریشاوری میں مصروف رہے گا۔"

"کیا تمہیں یقین ہے کہ وہ تمہارے دماغ میں نہیں ہے؟"

"پورا یقین ہے۔ جب میرا آواز کار فخو استاد فون پر بھجے سے باتیں کر رہا تھا اس وقت فرہاد میری آواز سن کر آسکا تھا لیکن وہ ابھی تک نہیں آیا ہے۔ اس سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ فخو جب مجھ سے باتیں کر رہا تھا تب وہ اس کے دماغ میں نہیں تھا۔ کسی دوسرے کام سے چلا گیا تھا۔"

"خداوند یسوع کی مہربانی سے ایسا ہی ہو۔ ورنہ تمہارے ساتھ میں بھی اس کی نظروں میں آجائیں گا۔ اسے یہ معلوم ہو جائے گا کہ میں میاں اپنے ملک کے سیکرٹ ایجنٹوں اور تحریک کاروں کی پشت پناہی کے لئے سفیر بن کر آیا ہوں۔"

"ایسی کوئی بات نہیں ہوگی۔ فرہاد نے میری آواز نہیں سنی ہے۔ اس سے پہلے کہ میاں کے جاسوس میری پاسپورٹ والی تصویر فرہاد کو دکھائیں اور وہ تصویر کے آنکھوں میں جھانک کر میرے دماغ میں آئے ہیں اپنا پاسپورٹ لے کر میاں سے چلا جاؤں گا۔"

میں اس کے دماغ سے چلا آیا۔ ابھی اسے مخاطب کرنا مناسب نہیں تھا۔ میں اسے اپنے ملک میں گرفتار کر لیا اسے ملک دشمنی کی سزا دے تو امریکی حکام ہمارے عکراؤں پر سیاہی بادی ڈال کر اسے بچا لیتے اور وہ ہمارا بدترین مجرم ہو کر بھی ایک فاختہ کی شان سے اپنے ملک پہنچ جاتا۔ ابھی اس کا برا وقت نہیں آیا تھا۔ اس لئے میں نے ڈھیل دے دی۔

فاخرہ اور فیم اپنے گھر پہنچ گئے تھے، اپنے باپ سے لپٹ کر غلطیوں کی معافی مانگ رہے تھے۔ بیکر اپنے کمرے میں منہ چھپا کر بیٹھی ہوئی تھی۔ یہ بھید مکمل کیا تھا کہ ماں کی رضامندی سے

”تم نے مجھے مشکل میں ڈال دیا ہے۔ میں کس دل سے جسیں سزا دلانا لگا۔ اگر تمہاری محبت میں قانونی کارروائی نہیں کروں گا تو میرا ضمیر مجھے بھی ملک کا دشمن کہے گا۔ اگر تم مجھ سے جی محبت کرتی ہو تو جج تیار دو کہ اب تک تم نے ہمارے ملک کے خلاف کیا کچھ کیا ہے؟“

”میں قسم کھا کر کہتی ہوں کہ ابھی تک میں نے کچھ بھی نہیں کیا ہے۔ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں یہاں رہ کر آپ سے دوستی بڑھاتی رہوں اور آپ کو ایسا دوانہ بنادوں کہ آپ دیوانگی میں مجھے پاکستان کی سیکرٹ سروس کے متعلق بہت کچھ بتاتے چلے جائیں۔“

”میرا ضمیر مطمئن ہے کہ میں نے تمہیں کوئی راز کی بات نہیں بتائی ہے۔ یہ بتاؤ یہاں تمہارے ساتھ اور کون لوگ ہیں؟“

”یہاں سفارت خانے میں دو افراد ہیں۔ وہ مجھے گائیڈ کرتے ہیں۔ میں پہلی بار پاکستان آئی ہوں۔ یہاں کئی معاملات میں مجھ سے غلطی ہو جاتی ہے۔ اگرچہ مجھے اپنے ملک میں مسلمان عورت کی طرح زندگی گزارنے کی طویل تربیت دی گئی ہے۔ اس کے باوجود میں ان دونوں افراد سے رہنمائی حاصل کرتی رہتی ہوں۔“

”میرا ماتحت سرفراز ان دونوں سے واقف ہے۔ میں ان سے نمٹ لوں گا۔ اگر تم نے میرے ملک کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا ہے تو میں تمہیں کل شام تک مملکت دیتا ہوں۔ پاکستان چھوڑ دو۔ اس دوران سرفراز کو تمہارے دماغ میں سمجھوں گا۔ یہ تصدیق ہوگئی کہ تم نے ابھی تک یہاں کوئی جرم نہیں کیا ہے تو تم خیریت سے سرحد پار چلی جاؤ گی ورنہ سرفراز کسی جرم سے رعایت نہیں کرتے ہیں۔“

اس نے کار اشارت کر کے آگے بڑھادی۔ وہ شادو کو اس کی رہائش جگہ تک پہنچانے جا رہا تھا۔ میں نے سرفراز کے پاس آکر کہا۔ ”تم بہت ذہین اور عجیب وطن ہو۔ تمہارا شبہ درست نکلا۔ اس کا اصل نام شاہدہ زریں نہیں شادو ہے۔ ایک غیر ملکی عورت ہے۔ تم نے بڑی ملک کے سفارت خانے کے جن دو آدمیوں کو اس سے ملنے دیکھا ہے۔ ان میں سے ایک کا نام راما راؤ اور دوسرے کا نام انت انت کار ہے۔ شادو ان سے رہنمائی حاصل کرتی ہے لیکن ان کے حلقے زیادہ نہیں جانتی ہے میں فون نمبر تیار رہا ہوں اس پر رابطہ کرو۔ دوسری طرف کی آواز سناؤ۔“

میں نے نمبر بتایا۔ وہ ریموٹر اٹھا کر ڈائل کرنے لگا۔ آدھی رات ہونے کو تھی۔ فون کی تھن دوسری طرف بج رہی تھی۔ بڑی دیر بعد کسی نے ریموٹر اٹھا کر نیند بھری آواز میں پوچھا ”کون ہے بھائی! اتنی رات کو کیا مصیبت آگئی ہے۔“

میں نے سرفراز کو ریموٹر رکھنے کے لئے کہا۔ پھر راما راؤ کے دماغ میں پہنچ گیا۔ وہ کوئی جواب نہ پا کر ریموٹر کو کیٹل پر پھینک کر پھر سو گیا۔ اس کے خیالات نے بتایا کہ وہ اور انت انت کار دراصل جاسوس ہیں۔ اپنے سفارت خانے کے ملازم بن کر یہاں آئے ہیں اور اہم ثبوت حاصل کر کے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ پاکستان سکھ

قوم کو بھارتی حکومت کے خلاف بھڑکا رہا ہے اور بے شمار سکھوں کو خفیہ طور پر بغاوت کی ٹریننگ دے رہا ہے۔ چونکہ یہ سچ نہیں تھا، محض الزام تھا۔ اس نے کوئی دستاویزی یا تصویری ثبوت نہیں مل رہا تھا۔ انہوں نے چند پاکستانیوں کو بھارتی رخصت دے کر انہیں بلکہ بنا کر ان کی تصویریں انامی تھیں۔ ان میں سے دو نے پاک آرمی کی وردی پہنی گئی اور تصویر کے ذریعے یہ دکھایا تھا کہ ہماری آرمی کے افسران سکھوں کو گورلا جنگ کی ٹریننگ اور ہتھیار دے رہے ہیں۔

وہ مجموعی الزام کو جج بنا کر پوری دنیا میں پاکستان کے خلاف شور مچانا چاہتے تھے۔ راما راؤ کی خوابیدہ سوچ نے بتایا کہ یہ تمام تصویریں اور مجموعی دستاویزات سفیر کی تحویل میں ہیں۔ وہ مناسب موقع دیکھ کر جنرل رانچنگ اور سال کرنا چاہتا ہے۔

میں نے سرفراز کے پاس آکر اسے یہ باتیں بتائیں پھر کہا۔ ”سفیر کی آواز سناؤ۔“

اس نے ریموٹر اٹھا کر نمبر ڈائل کئے۔ رابطہ قائم ہونے پر سفیر کی نیند بھری آواز سنائی دی۔ ”کیا مصیبت ہے؟ کون ہے؟ کیا بات ہے؟ کیا ابھی فون کرنا ضروری تھا؟“

سرفراز نے ریموٹر رکھ دیا تھا۔ سفیر کو جواب نہیں ملا۔ میں نے اس کے چور خیالات سے معلوم کیا کہ اس نے وہ مجموعی دستاویزات اور تصویریں کہاں چھپائی ہیں؟ اس کے علاوہ ہمارے ملک کا ایک اہم راز چرچا کر رکھا تھا۔

میں نے ایک خفیہ ادارے کے چیف سے رابطہ کیا اسے تمام روداد سنائی۔ راما راؤ اور انت انت کار کی رہائش گاہوں کا بتایا پھر کہا ”سفیر سمیت تمہیں کیا رہائش گاہوں میں تمہیں کون کتنے کو گرفتار کرو۔ ان کے خلاف ثبوت اور پاکستان کا ایک اہم راز سفیر کے ہتھ پر دو تکیوں کے اندر چھپا کر رکھا گیا ہے۔“

آرمی کے جوانوں نے فوراً کارروائی شروع کی۔ سفیر کی رہائش گاہ میں تمس گئے۔ ملازموں نے اعتراض کیا۔ اس کے باوجود انہوں نے سفیر کی خواہگاہ کے دروازے پر دستک دی۔ پھر دروازے کو ٹھوکروں سے مارا۔ اندر سے آواز آئی ”کیا یہ تہی ہے؟ کون ہے؟“

ایک افسر نے کہا ”آفسران اسٹیشن ڈیوٹی۔ دروازہ کھولو۔“

سفیر نے پریشان ہو کر دو تکیوں کی طرف دیکھا۔ میں نے اس کی سوچ میں کہا ”گھبرانے کی بات نہیں ہے۔ کسی کا دھیان تھکی طرف نہیں جانے گا۔ مجھے اپنی گھبراہٹ پر قابو پانا چاہیے۔“

وہ دروازہ کھول کر بولا ”آفسر! ایسی کیا بات ہوگئی کہ آدھی رات کو نیند خراب کرنے آئے؟“

”نیند ہم نے نہیں! ان تکیوں نے خراب کی ہے جن پر تم رکھ کر سوتے ہو۔“

اس نے گھبرا کر تکیوں کی طرف دیکھا پھر جلدی سے گھبراہٹ

کہا جاتے ہوئے بولا ”آپ کتنا کیا چاہتے ہیں؟“

افسر نے ایک چاقو نکالا اسے کھولتے ہوئے بستر کے پاس آکر بٹکتے کو اٹھایا۔ پھر اس میں چاقو بیسٹ کر کے ہونے اسے بے سرے سے دوسرے سرے تک چیر دیا۔ اندر سے کانڈات تصویریں نکلی کر بستر پر گرے لگیں۔

پھر اس نے دوسرے کتے کو بھی اٹھا کر اسی طرح چیر دیا۔ اس سے بھی اہم کانڈات برآمد ہوئے۔ دو افسران نے ان تمام ثبوتات کا مطالعہ کیا۔ پھر کہا ”سفارتی قوانین کے مطابق ہم ہیں گرفتار نہیں کر سکتے تم پر مقدمہ نہیں چلا سکتے لیکن تمہیں بیدار کر سکتے ہیں۔“

پھر افسر نے جوانوں سے کہا ”مٹلی فون کے تار کاٹ دو۔“

زہن کو یہاں سے نکال دو۔ کاہوں کی چابیاں سفیر صاحب سے لالہ بڑی ملک کے حکمرانوں کو اس کے کالے کرتوت سے آگاہ کے اسے سرحد پار بھیج دیا جائے گا تب تک یہ یہاں نظر بند رہے گا۔“

دوسری رہائش گاہوں سے راما راؤ اور انت انت کار کو بھی گرفتار کر لیا گیا تھا۔ میں پھر شادو کے پاس آیا۔ ارشاد احمد نے ہاتھ اسے اس کی رہائش گاہ میں چھوڑ کر اپنے گھر جانے گا۔ نا سینہ کو چھوڑ کر جانے کوئی نہیں جانتا تھا۔ وہ اس کے تنگ دھم میں بھاگتا رہا تھا۔ ”تم چل جاؤ گی تو میری دنیا ویران ہائے گی۔ میں یہ ملازمت چھوڑ دوں گا۔ مجھے یقین ہے تمہاری کی مجھے مار دالے گی۔“

میں نے اس کی سوچ میں کہا ”بڑھاپے کا عشق ایسا ہی ہوتا ہے۔“

اس نے اپنے سر کو تھام کر سوچا ”کیا میں اپنے ہی بارے میں سوچ رہا ہوں؟“

”یہ میں نہیں میرا ضمیر بول رہا ہے۔ میں وطن کے لئے اپنے بیٹے نہیں سوچ رہا ہوں بھٹا کہ ایک عورت کے لئے۔“

”پریشان ہو کر بولا ”میں وقت ضائع کر رہا ہوں۔ مجھے ان دو لڑائیوں کو گرفتار کرنا چاہیے۔“

وہ ریموٹر اٹھا کر نمبر ڈائل کرنے لگا۔ شادو نے اس کا ہاتھ لڑکا ”آپ مجھے بچانے کے لئے اپنا دھیان دوسرے مجرموں کی طرف کر رہے ہیں۔ پہلے آپ اسے گرفتار کریں جو سامنے ہے۔“

”مفضل! باتیں نہ کرو۔ مجھے اپنا فرض ادا کرنے دو۔“

وہ شادو سے ہاتھ چھڑا کر پھر نمبر ڈائل کرنے لگا۔ میں نے اس کی سوچ میں کہا ”واہ! کیا فرض کی ادائیگی ہے۔ یہ فرض نہیں کا فرض ادا کیا جا رہا ہے۔“

رابطہ قائم ہو گیا اس نے کہا ”ہیلو سرفراز! میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ تم اس کے سفارت خانے میں ملازمت کرنے والے راما

راؤ اور انت انت کار کو گرفتار کرو۔“

”جناب آپ نے حکم دینے میں دیر کر دی۔ وہ دونوں اپنے سفیر صاحب سمیت گرفتار ہو چکے ہیں۔ فراد صاحب نے ان کے خلاف ٹھوس ثبوت پیش کئے ہیں۔“

”تعب ہے۔ سرفراز کو ان کے متعلق کیسے معلوم ہوا؟“

”میں نے شبہ ظاہر کیا تھا۔ فراد صاحب نے خیال خوانی کے ذریعے تصدیق کر دی۔“

ارشاد احمد نے کئی انکبوں سے شادو کو دیکھا۔ پھر سرفراز سے پوچھا ”تم نے اور کس کے خلاف شبہ ظاہر کیا تھا؟“

سرفراز نے میری مرضی کے مطابق کہا ”اس کے خلاف بھی جو آپ کے ساتھ صوفے پر بیٹھی ہے۔“

”کیا؟“ وہ چونک کر بولا ”تم کیا جانتے ہو؟ کیسے جانتے ہو کہ میں کہاں ہوں اور کس کے ساتھ ہوں۔“

”جناب میں کچھ نہیں جانتا۔ فراد صاحب جانتے ہیں۔“

”سرفراز کہاں ہیں؟“

”چائیں جناب! وہ آتے ہیں اور چلے جاتے ہیں۔“

”کیا تمہیں فراد صاحب نے بتایا ہے کہ میں شاہدہ زریں کے ساتھ ہوں؟“

”فراد صاحب غلط بات نہیں کہہ سکتے۔ آپ شاہدہ کے ساتھ نہیں ہیں۔“

”پھر تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ میرے ساتھ کوئی صوفے پر بیٹھی ہے۔“

”جناب آپ کے ساتھ شاہدہ نہیں شادو ہے۔“

ارشاد نے فوراً ریموٹر رکھ کر کہا ”میرے ماتحت کو بھی معلوم ہو گیا ہے کہ تم شادو۔“

”کیسے معلوم ہو گیا؟“

”یہ سب خیال خوانی کا کھیل ہے۔ راما راؤ انت انت کار اور تمہارے دہلی کا سفیر بھی ٹھوس ثبوت کے ساتھ گرفتار ہو گئے ہیں۔ سوری شادو! اب تمہیں کوئی نہیں بچا سکے گا۔“

”فراد آپ کو بھی نہیں چھوڑے گا کیونکہ آپ میرے خلاف کارروائی کرنے سے کھڑے آ رہے ہیں۔“

”میں نے اس لئے تمہارے خلاف قدم نہیں اٹھایا کہ تم نے ابھی تک میرے ملک کو نقصان نہیں پہنچایا ہے۔ چونکہ نقصان پہنچانے آئی ہو اس لئے تمہیں ملک سے نکل جانے کا حکم دے دیا ہوں۔ فراد بدمعاش میرا دماغ بڑے گاؤں کا حال بھی معلوم کر لے گا کہ میں تم سے بے انتہا محبت کرتا ہوں۔“

شادو سوچ رہی تھی یہاں سے لاہور اور لاہور سے بڈیہ ٹرین ہندوستان چلی جائے گی۔ میں نے بھی یہ فیصلہ کیا کہ اس عورت کو معاف کر دیا جائے کیونکہ وہ سرائی کے معاملات میں اناڑی تھی۔ اس نے نہیں کوئی نقصان نہیں پہنچایا تھا۔ عورت پر

رحم کرنا چاہئے اس لئے میں نے اسے نظر انداز کر دیا۔
 ارشاد احمد اس سے رخصت ہو کر باہر آیا۔ پھر اپنی کار میں بیٹھ کر وہاں سے جانا چاہتا تھا۔ میں نے اسے مخاطب کیا "ارشاد! میں آخری بار تمہارے پاس آیا ہوں۔ تم مجھ سے ایک لفظ نہ کہو۔ صرف میرا حکم سنو اور اس پر عمل کرو۔ تم نے اپنے فرض شناس باحت سرفراز کو شادرا کی اصلیت تک پہنچنے سے کئی بار روکا اور اس کے خلاف تحقیقات نہیں کرنے دی۔ تم موجودہ عہدے کے قابل نہیں ہو۔ معاف استعفا پیش کر دو۔"
 "میں تمہارے حکم پر عمل کروں گا۔ اپنے لئے ابھی ایک لفظ نہیں کہوں گا۔ تمکیریز شادرا اور تم کرو۔"
 "تم نہیں جانتے شادرا! آٹھ برس کے ایک بیٹے کی ماں ہے۔ وہ بیٹے کو مجبوراً ہندوستان میں چھوڑ کر آئی تھی۔ میں نے تمہاری مجبور کو نہیں! ایک ماں کو معاف کیا ہے۔ خدا حافظ۔"
 میں اس کے داغ سے چلا آیا۔ راجرڈو میسنگ فلائٹ سے رات ہی کو کراچی چلا گیا تھا۔ پھر دوسری صبح ڈاکٹشن کے لئے روانہ ہو گیا۔ میں نے اس کے سفر کے پاس آکر کہا "ہیلو مشر اور نزا!"
 وہ چونک کر غلام نہیں گئے۔ میں نے کہا "میں غلام نہیں نظر نہیں آؤں گا۔"
 اس نے گھبرا کر پوچھا کہ ہو تم؟
 "دبی ہوں۔ جس کے خوف سے تم نے راجرڈو میاں سے بھگا دیا ہے۔"
 "وہ مشر فراد! آپ ہیں؟"
 "ہاں میں اس وقت بھی تمہارے اندر تھا جب راجرڈو تمہارے پاس بیٹھا مجھ سے دور بھاگ جانے کے لئے بے چین تھا۔ تم نے اپنے وسیع ذرائع استعمال کر کے اور اسے بھگا دیا۔"
 "جو ہونا تھا وہ ہو گیا۔ اب کیا چاہتے ہیں آپ؟"
 "جو ہونا تھا وہ نہیں ہوا۔ اب ہو گا۔"
 "کیا مطلب؟"
 "مطلب یہ کہ اگر میں پاکستان کے اندر راجرڈو کے خلاف قانونی کارروائی کرتا تو تمہاری حکومت سیاسی چال بازیوں سے اسے بچا لیتی اور میں اپنے ملک کے دشمن کو بچ کر جانے نہیں دیتا۔"
 "نت۔۔۔ تم کیا کرو گے؟"
 "راجرڈو طیارے میں آرام سے سفر کر رہا ہے۔ پاکستان سے باہر جا چکا ہے۔ ایسے میں وہ حرام موت مرے گا تو ہماری حکومت پر کوئی الزام نہیں آئے گا۔ ہماری زمین پر اس کا خون گرتا تو ہمارے حکمرانوں کو مصافی پیش کرنی پڑتی۔ تم نے اسے بھگا کر میرے لئے آسانی فراہم کر دی ہے۔"
 "مشر فراد! وہ تمہارے ملک سے دور جا چکا ہے۔ اس پر یہاں کا قانون لاگو نہیں ہو سکتا۔"
 "تم کسی کی نہیں اپنی فکر کرو۔ اپنے ملک کے سیکرٹ ایجنٹوں کو

یہاں پناہ دیتے ہو اور جاسوسی کے لئے سوتیں فراہم کرتے ہو۔ تمہارے جیسا مجرم سخت سزا کا مستحق ہے۔ سفارتی قوانین کے مطابق میں تمہیں سزا نہیں دے سکتا۔ ہماری حکومت صرف تمہاری حکومت سے شکایت کر سکتی ہے اور مجھے کمزوروں کی طرح شکایت کرنا یا فراد کرنا نہیں آتا۔"
 میں نے اس کے داغ میں ڈنڈل پیدا کیا۔ ساتھ ہی اس کاٹر بند کیا تاکہ وہ چیخیں نہ مار سکے وہ فرش پر گر کر تڑپنے لگا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا تھا۔ کانوں سے کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا۔ اسے یوں لگ رہا تھا جیسے وہ مر چکا ہے اور مرنے کے بعد سمجھ رہا ہے کہ موت کیسی اذیت ناک ہو کر آئی ہے۔
 جب ذرا تکلیف کم ہوئی تو دور مہم کی بجائے گئے۔ میں نے کہا "جتنی جلدی ہو سکے میرے ملک سے چلے جاؤ۔ ورنہ ہر ماہ گئے بعد ایسی ہی اذیتوں میں مبتلا ہوتے رہو گے۔"
 "میں وعدہ کرتا ہوں باہر گھسنے سے پہلے چلا جاؤں گا بلکہ ابھی کسی پہلی فلائٹ سے پاکستان چھوڑ دوں گا۔ تمہیں تمہارے خدا کا واسطہ میرے داغ میں اور ایسی قیامت نہ لانا۔ میں میرا دل گناہ "لمحک ہے۔ اب اپنے حکمرانوں سے رابطہ کر دیا اپنے ہر ماشر سے کہو کہ ان کا قابل فخر سیکرٹ ایجنٹ اپنی زندگی کا آخری سطر کر رہا ہے۔ فراد اس کے سر سوار ہے۔ جان لیوڑا اور دوسرے ٹیلی جیتھی جاننے والے اسے بچانے کی کوشش کر سکتے ہیں۔"
 اس نے پانچ منٹ کے اندر ایک حاکم سے رابطہ قائم کرنے کے بعد کہا "میں سفیر برائے پاکستان بول رہا ہوں۔ میں اپنے عہدے سے دست بردار ہو کر ابھی کسی پہلی فلائٹ سے واپس آ رہا ہوں۔"
 پوچھا گیا "ایسی جلدی کیا ہے؟ یہ فیصلہ ہم کریں گے کہ جنس وہاں کی ذمہ داریوں سے کب بکدوش کیا جائے۔"
 "آپ سے پہلے فراد علی تیور فیصلہ کر چکا ہے۔ اس نے مجھے ایسی دماغی اذیت پہنچائی ہے جسے یاد کر کے کانپ جاتا ہوں۔ میں نے باہر گھسنے کے اندر یہ ملک نہ چھوڑا تو پھر میرے داغ میں ڈنڈل پیدا کئے جائیں گے۔"
 "کیا فراد نے ہماری کوئی سازش پکڑی ہے؟"
 "جی ہاں! ہمارا کبھی ناکام نہ ہونے والا جاسوس فراد کے سامنے بے نقاب ہو گیا ہے۔ اس نے سائنس دان اسلام حسینؑ جو جال پھینکا تھا اس میں خود الجھ گیا۔ یہاں سے جان بچا کر جانا ہے۔ ابھی طیارے میں سفر کر رہا ہے۔ فراد نے کہا ہے کہ ہمارے ٹیلی جیتھی جاننے والے راجرڈو کو بچا سکتے ہیں تو اپنی سی کوششیں کر لیں۔ آپ یہ خبر ہر ماشر تک پہنچائیں، ہو سکتا ہے ہمارے ٹیلی جیتھی جاننے والوں کی کوششوں سے راجرڈو کو قتل و زندگی ل جائے۔"
 یہ خبر ہر ماشر تک پہنچائی گئی۔ پھر انہوں نے پاکستان کی

وزارت خارجہ اور داخلہ سے رابطہ کر کے میرے خلاف شکایت کی۔ فراد کو قانون ہاتھ میں لینے سے روکا جائے۔ وہ ہمارے ایک انجینیر جان ریڈی (راجرڈو) کو پاکستان میں ہلاک کرنا چاہتا تھا۔ وہ جان بچا کر تمہارے ملک سے باہر نکل آیا ہے اب فراد کو اس کا پتہ چھوڑنا چاہئے۔"
 ہماری وزارت خارجہ کے سیکریٹری نے جواب دیا "آپ کوئی نیت پیش کریں کہ فراد آپ کے آوی ہلاک کرنا چاہتا ہے۔ پھر یہ کہ وہ ہمارے ملک سے باہر ہے اس کی ہلاکت یا سلامتی کے ذمے دار ہم نہیں ہیں۔"
 "وہ ہمارے سفیر کو بھی دماغی اذیتوں میں مبتلا کر رہا ہے۔ جواب دیا گیا "ہم سفیر محترم کا طبی معائنہ کرائیں گے۔ یہ سچ راوی سفر فراد کو اس حرکت سے باز رہنے کے لئے کہا جائے گا۔"
 "طبی معائنہ تو سفیر نارل ثابت ہو گا۔"
 "جب وہ نارل ہو گا تو کوئی دماغی تکلیف نہیں ہوگی تو پھر فراد کو بے الزام دیا جائے گا۔"
 "کیا آپ ہم جیسی سپہاڑے سے سفارتی تعلقات بگاڑنا چاہتے ہیں؟"
 "ہرگز نہیں۔ انجینیر جان ریڈی نے ہمارے سائنس دان، چند اہم راز حاصل کرنے کی کوشش کی ہے۔ ایک شریف لی کو بے لیاں کیا۔ اس کے باوجود ہم نے آپ سے شکایت لی کہ یوں کہ ہم سفارتی تعلقات بحال رکھنا چاہتے ہیں۔"
 "جان ریڈی نے جو زیادتی کی اس کی تلافی ہم کریں گے۔ اس سلامتی کے لئے بیڑی سے بیڑی رقم ادا کریں گے۔ یہ رشوت لا ہوگی گناہ ہو گا۔"
 جواب دیا گیا "فراد علی تیور پاکستان کی حدود میں ہمارے دلال پر عمل کرتا ہے۔ جو معاملات ہماری سرحد سے باہر ہوں اسے دھنسنے کے لئے خود بخود ہوتا ہے۔"
 وہ بحث کرتے رہے لیکن یہ تسلیم کرنا پڑا کہ جو ادوات سرحد سے باہر ہو رہی ہو اس کے لئے پاکستانی حکمرانوں پر ذمہ داری ہے۔ اور یہ بھی ثابت نہیں ہو سکتا تھا کہ سفیر کو دماغی عذاب میں لایا جاتا ہے۔ میں نے کہا "مشر اور نزا! ہو سکتا ہے تم پر تو خوی مار کے میرا راست روک دیا جائے۔ ایسی صورت میں تمہارے ناپسندیدہ اشرافہ نہیں گے۔"
 وہ دونوں کانوں کو پکڑتے ہوئے بولا "چاہے جان چلی جائے یا امریکا کا صدر بنادیا جائے تب بھی میں پاکستان میں نہیں رہوں گا۔"
 میں راجرڈو کے داغ میں گیا۔ وہاں جان لیوڑا اس سے بول کر "تم نے پاکستان چھوڑ کر مدت بڑی غلطی کی ہے۔ اگر وہاں بڑھو ہماری حکومت جس کی طرح کا نقصان نہ پہنچتے دیتی۔ اسے نہایت چالاکی سے تمہیں بھانسنے کا موقع دیا اور تم بھاگ

آئے۔"

"کیا یہاں میرے لئے خطرہ ہے؟"

"موت تمہارے سر پر سوار ہے۔ پتا نہیں اس وقت فراد یہاں موجود ہے یا نہیں لیکن وہ اس کو پڑی میں جگہ بنا چکا ہے۔"

"قار گاڑیک مشر لیوڑا! اسے یہاں نہ آنے دو۔ تم بھی ٹیلی جیتھی کے ماشر ہو۔ اس کا راست روک دو۔"

"ایک ہی راست تھا کہ تم پر تو خوی عمل کر کے تمہارے داغ کو لاک کیا جائے۔"

"تو پھر کرو۔"

"فراد تو خوی عمل کو بے کام بنادے گا۔"

"ہو سکتا ہے وہ ابھی موجود نہ ہو۔"

میں نے ایک چمک ماری۔ وہ گھبرا کر بولا "یہ چمک مارنے کی آواز کیسی ہے؟"

"یہ صررا اسرائیل ہے۔" جان لیوڑا نے کہا "تمہیں یقین کرنا چاہئے کہ وہ موجود ہے۔"

"موجود ہے تو میں اس سے التجا کرتا ہوں کہ وہ مجھ سے اور تم سے بولے۔ میری جان بچنے کے لئے وہ جو چاہتا ہے، ہم اس کا مطالعہ پورا کریں گے۔"

اسے جواب نہیں ملا۔ جان لیوڑا نے کہا "مشر فراد! آپ موجود ہیں یا آپ کا کوئی ساتھی ہے۔ جو بھی ہے میں اس سے صلے اور بھجوتے کی درخواست کرتا ہوں۔"

میں نے جواب نہیں دیا۔ یہ لوگ اسی سے مصطفیٰ دوستی کرتے ہیں جو ان پر سوار ہوئے ہیں ورنہ چھوٹے بڑے ملکوں کو سپہاڑ بن کر اپنے قدموں میں رکھتے ہیں۔ وہ دونوں بار بار مجھے مخاطب کر رہے تھے اور میں دبا دبا کر ہنسی دے سوجتے تھے "میں ہوں کبھی خود کو بھونٹی تکی دیتے تھے میں نہیں ہوں۔"

راجرڈو نے کہا "وہ نہیں ہے۔"

"ہے۔" جان لیوڑا نے کہا "تم خیال خواتی کرنے والوں کے ہتھکنڈوں کو نہیں جانتے ہو۔ میں بھی اکثر ایسے ہتھکنڈے آزماتا رہتا ہوں۔ یہ ظاہر کرتا ہوں کہ نہیں ہوں لیکن موجودہ کراس کی حرکتیں دیکھتا رہتا ہوں۔"

"مشر لیوڑا! تم مجھے خوف زدہ کر رہے ہو۔"

"میں خیال خواتی کی ٹھیک تیار ہوں۔"

"جسم میں جائے ٹھیک۔ میری سلامتی کی کوئی صورت نکالو۔ وہ میرے اندر نہیں ہو گا تب بھی میں یہ سوچ سوچ کر مرنے والوں کا کہہ رہا ہوں کہ مجھے ہلاک کرنے والا ہے۔"

"مشر راجر! تمہاری زندگی اسی وقت تک ہے جب تک فراد خاموش ہے۔ وہ بولے گا تو موت کا ٹکڑہ کھٹو لے گا۔"

"تم صرف بائیں ہمارے ہو۔"

"میں تدبیر بھی سوچ رہا ہوں۔ ابھی ایک بات سمجھ میں آئی

ہے کہ اس نے ہمیں سڑکے دوران زندہ کیوں رکھا ہے؟

"کیوں رکھا ہے؟"

"اے بے گناہ انسانوں کی سلامتی کا بہت خیال رہتا ہے۔ وہ عورتوں اور بچوں کا محافظ ہے۔ اس طیارے میں ہمیں ہلاک کرنے دہشت نہیں پہنچائے گا۔"

"یعنی میرے ساتھ عورت اور دو چار بچے ہوں تو وہ مجھے ہلاک نہیں کرے گا؟"

"وہ معصوموں اور بے گناہوں کو نقصان نہیں پہنچاتا ہے۔"

اس نے اس طیارے میں گڑبڑ نہیں کر رہا ہے لیکن جب ہمارا سفر تمام ہوگا اور تم طیارے سے باہر جاؤ گے، تمہارے آس پاس کوئی بے گناہ نہیں ہوگا تو وہ ہمیں کیسے دورِ تنہائی میں لے جا کر قتل کرے گا۔"

"خوشیہ دور کیوں لے جائے گا؟ میرے قتل سے دوسروں کو نقصان کیسے پہنچ سکتا ہے؟"

"وہ جانتا ہے تمہارے پاس ایک ریو اور ہے۔ وہ ہمیں ریو اور استعمال نہیں کرنے دے گا لیکن وہ ہتھیار تمہاری جیب سے نکلوا کر آس پاس کے لوگوں پر فائرنگ کرا سکتا ہوں۔ یہ باتیں میں تمہارے ذریعے فساد کو سناتا ہوں۔ اگر وہ صحیح معنوں میں انسان ہے تو وہ راجہ کو ہلاک کرنے سے پہلے دوسروں کو بے وقت اور بے موت مرنے سے بچائے۔"

میں خاموش رہا۔ جواب میں کچھ بولنا ضروری نہیں ہے۔ میں نے بیشک کو شش کی ہے کہ میری انتہائی کارروائی کے وقت کوئی بے گناہ مارا نہ جائے۔ اس وقت بھی میں راجہ کو دوسرے مسافروں کے طفیل زندہ رہنے کی مصلحت دے رہا تھا۔

میں نے سلمان کو بلا کر اسے راجہ کے داغ میں پہنچایا۔ پھر کہا۔ "اس کے آس پاس مسلسل رہنا ضروری نہیں ہے۔ یہ چھ گھنٹے کے بعد نیو مارک پہنچے گا۔ اس کے داغ میں آتے جاتے رہو۔ اگر یہ سڑک کے دوران سونا چاہے اور کوئی اس پر تیرخی عمل کرنا چاہے تو اس عمل کو ناکام بنانا مجھے بلا لینا۔ میں صرف چار گھنٹے اپنی نیند پوری کرنا چاہتا ہوں۔"

میں اسے سلمان کے حوالے کر کے اپنی جگہ حاضر ہو گیا۔ میرا پشاور میں بھی کچھ اہم مسائل تھے۔ میں ٹیلی فنی جاننے والے ایوان راسکا کو بے نقاب کرنا چاہتا تھا اور وہ ایک دوسری ٹوکی فرمونا آئروڈ کے ذریعے میری موجودہ رہائش گاہ کا معلوم کرنا چاہتا تھا۔ تاکہ ریسٹ ہاؤس کی طرح یہاں بھی مجھے گھیر کر قتل کرنے کی کوشش کر سکے۔

ایوان راسکا نے سوچا ہوگا کہ میں فرمونا نامی کسی حبیہ کا ذکر سن کر اس کے ہونٹ کے کمرے میں یا اس کے داغ میں پہنچتا چاہوں گا اس طرح وہ میری مصروفیات پر نظر رکھتے ہوئے کرائے کے قاتلوں کو مجھ پر مسلط کر دے گا۔

لیکن اسے ایسی ہوری ہوگی۔ جو میں سمجھنے گزر گئے تھے اور میں نے فرمونا کو تلاش نہیں کیا تھا۔ مجھے ابھی راجہ سے فرصت نہیں مل رہی تھی اور جب فرصت ملی تو نیند پوری کرنا ضروری ہو گیا تھا۔ میں آرام سے چار گھنٹے تک سوتا رہا پھر بیدار ہو کر غسل کیا۔ بیٹ کی آگ بجھائی اس کے بعد سلمان کو مخاطب کیا۔ اس نے کد "وشن خیال خواتی کرنے والوں نے آپ کی غیر موجودگی میں دوبار راجہ پر عمل کرنا چاہا لیکن میں نے اس کے داغ کو لاک کر کے نہیں دیا۔"

"شکر ہے سلمان! اب تم آرام کرو۔"

میں راجہ کے پاس گیا۔ اس دوران اس نے طیارے میں سڑکے والے ایک مایا بیوی اور ان کے بچوں سے دوستی کر لی تھی۔ جان لیوڑا اس سے کہہ رہا تھا "فکر نہ کرو۔ میرے ٹیلی فنی جاننے والے ماتحتوں نے ایک اور ٹیلی کے داغوں میں جگہ بنائی ہے۔ وہ ٹیلی میاں سے نیو مارک تک تمہارے ساتھ رہے گی۔ ہمیں تنہا نہیں چھوڑا جائے گا۔"

وہ بولا "مجھے کچھ اطمینان ہو رہا ہے۔ میں سوچ کے ذریعے فساد سے کتنا رہوں گا کہ وہ میرے ساتھ رہنے والے بچوں اور عورتوں کی سلامتی کا خیال رکھے۔"

میں نے اس کی سوچ میں کہا "مگر میں ماتحت میں تو ایک باروں گا۔"

"آں؟" وہ گہرا کر بولا "مسٹر لیوڑا! یہ تو ہم نے سوچا ہی نہیں تھا کہ مجھے ماتحت کے اندر تنہا جانا ہوگا۔ کیا میں دواؤں کو مل کر سب کے سامنے کوڑ پر بیٹھوں گا؟"

وہ نیو مارک پہنچ گیا تھا۔ وہاں سے ڈو میسنگ فلائٹ میں واشنگٹن جانے والا تھا۔ میں نے اس کی سوچ میں کہا "اگر ٹیلی فنی کے ذریعے ایسی موت ہو جائے کہ وہ قتل نہ لگے تو ساتھ رہنے والے دہشت زدہ نہیں ہوں گے۔"

وہ لیوڑا سے یہ بات کہنا چاہتا تھا۔ لیوڑا نے کہا "تم نہ کوئیں تمہاری سوچ پڑ رہا ہوں۔ مجھے ایسا لگ رہا ہے جیسے فساد ہمارا سوچ میں ہی باتیں سمجھا رہا ہے۔"

"یہ تو سب ہی سمجھتے ہیں کہ موت کسی بھی زمانے سے آجانی ہے لیکن میں طبعی عمر تک زندہ رہنا چاہتا ہوں۔"

"ہم ہمیں سلامت رکھنے کی ہر ممکن کوشش کر رہے ہیں۔ ہمارا پیرا مشن جناب علی اسد اللہ حمزوی سے رابطہ کر رہا ہے۔" بابا صاحب کے ادارے کے بزرگ اول ہیں۔ فساد سونا اور رسوئی سب ہی بزرگ اول کے مطلع اور فرائض برادر ہیں۔ ان کا حکم ہوگا تو فساد ہمیں ایک ذرا نقصان نہیں پہنچائے گا۔"

"کیا جناب حمزوی صاحب مجھ سے یہ سنا کریں گے؟" میں نے اس کی سوچ میں کہا "شیطان سے تنگی بے غمروئی ہے۔"

وہ پریشان ہو کر بولا "میں کسی کسی الٹی سیدھی باتیں سوچنے لگا ہوں۔ میں شیطان کو نہیں ہوں۔"

وہ ایک ٹیلی کے ساتھ راجہ پورٹ کی عمارت سے گزرتے ہوئے باہر آیا۔ اس ٹیلی نے اسے اپنی گاڑی میں سرکاری ہنگے تک پہنچایا۔ اس ہنگے میں پہلی سرکاری عورتیں اور بچے پہنچائے گئے تھے۔ انہوں نے ایسا انتظام کیا تھا کہ وہ بھی مرنے کے لئے تنہا رہے۔

اب اس مسئلے پر غور کیا جا رہا تھا کہ وہ عورتیں اور بچے اس کے ساتھ ماتحت میں کیسے رہیں گے؟ میں اسے ٹیلی کے سامنے بڑے سکون سے موت کی گود میں ملا سکتا تھا۔ کوئی دھماکا یا ہنگامہ نہ ہوا تو کوئی دہشت زدہ نہ رہتا لیکن میں نے بھی طے کر لیا تھا کہ راجہ جب تک زندہ رہے اپنی سلامتی کے انتظامات کرتے کرتے مرنا رہے۔

ٹیلی کی ایک خاتون نے کہا "راجہ! آئیے میں اپنا حلیہ دیکھو۔ ہمیں شیو کرنا چاہئے۔"

اس نے آئیے میں دیکھا۔ شیو بڑھا ہوا تھا۔ موت کے خوف سے چوڑے زرد ہو گیا تھا۔ یوں لگ رہا تھا برسوں کا بیڑا ہے۔ اس نے اپنی کونھل کو شیوٹ کا سامان نکالا۔ میں نے اس کی سوچ میں کہا۔ "ایک دانشور نے کہا ہے۔ قیام سے کبھی دشمنی نہ کرو۔ اس کا استرا تمہارے قتل کے قریب رہتا ہے۔"

وہ شیوٹنگ اسکیم میں دو حماروں ہائیڈ لگا رہا تھا۔ اس کے ہاتھ سے ہائیڈر جھوٹ گیا وہ پریشان ہو کر سوچنے لگا "میں اپنے ہاتھ سے شیو کر رہا ہوں۔ میں خود قتل ہونا چاہتا ہوں۔ میرا ہائیڈ میرے قتل کے قریب رہے گا۔ فساد کسی لئے بھی میرا ہاتھ بڑھا سکتا ہے۔ میرا ہائیڈ میرے قتل کے آریار کر سکتا ہے۔"

وہ ایک دم شیوٹنگ کا سامان پیچیک کر پیچنے لگا۔ "میرا کیا ہے گا؟ میں محفوظ کیسے رہوں گا؟ نہیں ہ سکوں گا۔ ایک طرف سے پھاڑ کر آہوں تو دوسری طرف سے موت کا راستہ کھل جاتا ہے۔" اس کی چیخ رونا کس کر عورتیں اور بچے سم کر دوڑ ہو گئے۔ وہ جان لیوڑا کو پکار رہا تھا۔ "نکالو لیوڑا! کیا میری باتیں برس کی خدات کا یہ صلہ ہے کہ میری حکومت اور میرے خیال خواتی کرنے والے ایک شخص سے مجھے تحفظ نہیں دے سکے؟ کہاں ہو لیوڑا! جواب دو۔"

خاتون نے پوچھا "راجہ! کیوں چیخ رہے ہو؟ بچے سم گئے ہیں۔ ہمیں ڈر لگ رہا ہے۔ ہم سب یوں خوف زدہ رہیں گے تو فساد سوچے گا۔ تم خود ہی ہمارے دلوں کو دھڑکا رہے ہو تو پھر ہمیں ماری ڈالا جائے۔"

اس کے اندر لیوڑا نے کہا "خاتون درست کہہ رہی ہیں۔ تم اسی لئے اب تک زندہ ہو کر عورتیں اور بچے سکون سے ہیں۔ ان کا سکون برباد کرو گے تو وہ فوراً ہی تمہاری سانسوں کی پٹائی بند کر دے گا۔"

دے گا۔"

وہ ہاڈل پٹختا اور جھنجھلا کر ادھر سے ادھر جاتا ہوا بولا "میں شیو بھی نہیں کر سکتا۔"

"کیوں نہیں کر سکتے؟"

"کیوں کہ ہائیڈ میرے قتل کے قریب سے گزرتا رہے گا۔ تم کبھی میرے پاس رہتے ہو اور کبھی چلے جاتے ہو۔ وہ ہائیڈ سے میری سانسوں کی ٹالی کاٹ سکتا ہے۔"

"وہ گاڈا میں نے یہ تو سوچا ہی نہیں تھا۔ تمہاری حفاظت کرنا ناممکن ہوتا جا رہا ہے۔"

"تم۔۔۔ تم میری حفاظت کرنے والے یہ کہہ رہے ہو کہ میں محفوظ نہیں رہوں گا۔ جب تمہارا ارادہ کمزور ہے تو میری حفاظت کیسے کرو گے؟"

"تم موت کے خوف سے چڑھے اور مدد مزاج ہوتے جا رہے ہو۔ یہ تو سوچو کہ تمہاری موت کے ہزاروں راستے ہیں۔ پھر بھی تم زندہ ہو اور زندہ رہو گے۔ عقل سے کام لو گے تو اسی طرح سانس لیتے رہو گے۔"

"عقل سے کس طرح کام لو؟"

"فراہم ہمیں کسی ہتھیار سے ہلاک نہیں کرنا چاہتا۔ ایسا وہ اب تک آسانی سے کر چکا ہو آئندہ ہمیں دہشت سے مارنا چاہتا ہے اور تم دہشت زدہ نہ کر اس کا مقصد پورا کر رہے ہو۔"

"کیسی باتیں کرتے ہو۔ وہ موت کی طرح چپ چاپ آتا جاتا ہے۔ موت ٹیلی نظر آتی ہے تو کیا آدمی ایسے میں خوف زندہ نہیں ہو گا۔"

اس کی بات ختم ہوتے ہی ایک دس برس کا لڑکا ایک کمرے سے دوڑتا ہوا آیا۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے ایک ریو اور کو پکڑ رکھا تھا۔ راجہ کے سامنے آتے ہی اس نے زک کر کہا "خبردار!"

راجہ بڑبڑائی ٹکوں میں کامیابی سے جاسوسی کرنے والا موت کو دیکھتے ہی چیخ پڑا۔ لڑکے نے زک کر دیا۔ ٹھانسی کی آواز کے ساتھ ایک ریلنگ اس کی پیشانی سے آکر چپک گیا۔ وہ آخری چیخ مار کر کرسی سمیت پیچھے الٹ کر فرش پر گر پڑا۔ پھر چاروں شانے چت ہو گیا۔

مجرم پھانسی کے پھندے تک پہنچنے سے پہلے یہ دہشت سے مرہاتے ہیں۔ اس کا بھی قصہ تمام ہو گیا۔

فرمونہ آندروف دوسری نہیں تھی۔ بلخاریہ کے شہر دونا سے آئی تھی۔ اس کا دادا جو جوزف آندروف دوس سے ہجرت کر کے روٹامیں آکر اپنے کنبے کے ساتھ آباد ہو گیا تھا۔ فرمونہ نے بھی دوس کی زمین پر قدم بھی نہیں رکھا تھا۔ اس کے باوجود دادا کے خواہنے سے دوسری تھی۔

فرمونہ کا باپ جو دونا آندروف تجارت کے سلسلے میں اختبول جایا کرتا تھا۔ وہاں مولانا دہوئی کی بادشاہی ایک ایمان افروز درس گاہ تفسیر کی گئی ہے۔ جو دونا آندروف اس درس گاہ میں حاضری دیتے دیتے مسلمان ہو گیا۔

وہ اپنے چچا اور بھائی کے ساتھ اختبول آیا تھا۔ چچا پر چھتا تھا۔ ”کیا تیرا داغ پھر رہا ہے؟“ اس مسلمان نام کی درس گاہ میں کیوں جاتا ہے؟“

وہ جواب دیتا ”اگلے شلوم! میں نہیں جانتا پہلی بار ادھر کیسے کشاں کشاں چلا گیا تھا۔ تب سے مجھے وہاں ایسا روحانی سکون ملتا ہے جسے میں لفظوں میں بیان نہیں کر سکتا۔“

یہ سلسلہ کئی برس تک چتا رہا۔ اگلے شلوم نے تمام کنبے اور برادری میں کہہ دیا تھا کہ جو دونا ہاتھ سے نکلا جا رہا ہے۔ رتا کے مذہبی پیشوا رہی المناوت نے تا کو بلا کر نصیحت کی ”تورت آسمانی کتاب ہے۔ اسے پڑھو اور اپنے دین سمجھو۔“

”عمل ہے۔“
جو دونا نے کہا ”میں تمام آسمانی کتابوں پر ایمان رکھتا ہوں۔ آپ نے ایک وعظ میں فرمایا تھا ”آخری بات اتنی ٹھوس اور مدلل ہو کہ اس کے بعد کوئی بات کہنے کو نہ رہ جائے۔“

”بے شک میں نے کہا تھا۔“
”تو پھر آپ تسلیم کر لیں کہ آخری کتاب (قرآن مجید) اتنی ٹھوس اور مدلل ہے کہ اس کے بعد کوئی اور بات کہنے کے لئے کوئی اور کتاب دنیا میں نہیں آئی۔“

انہوں نے سخت لہجے میں پوچھا ”کیا تم اپنے رب سے مذہبی بحث کرو گے؟“

”نہیں! میں عاجز ہوں۔ آپ سے علمی اور مذہبی بحث نہیں کر سکتا۔“
درس گاہ حضرت دہوئی میں یہ درس دیا گیا ہے کہ اگر تم عالم نہیں ہو تو بحث نہ کرو۔ کام پاک کی صرف ایک آیت دہراؤ کہ تمہارا دین تمہارے ساتھ اور تمہارا دین تمہارے ساتھ۔“

یہ جسے ہی دوسرے حکام عبادت گاہ سے باہر گیا۔ رہی المناوت نے اطلاع کر دیا کہ جو دونا کا سماجی بائیکاٹ کیا جائے۔ اسے سمجھا جائے کہ وہ اپنے دین کی طرف لوٹ آئے اور جب لوٹ آئے تو اسے معاف کر کے گلے لگاؤ۔

وہ چچا شلوم اور ایک بھائی کے ساتھ تجارت کے لئے اختبول جایا کرتا تھا۔ مال کی خرید و فروخت کے بعد بھائی اور چچا شلوم سرائے میں آرام کرتے تھے اور دوسرے گاہ میں حاضری دیتے جایا کرتا تھا۔ اس بار وہ وہاں آیا تو اسلام قبول کر چکا تھا۔ اس نے چچا اور بھائی کو مخاطب کر کے کہا کہ انہوں نے قبول کی بھر کھاتے ہوئے پوچھا ”کس خوشی میں ہے یہ مخاطب؟ معلوم ہوتا ہے تاجر صلاح الدین سے کوئی بڑا سودا ہو گیا ہے۔“

”ہاں میں آخرت کا سودا کر کے آیا ہوں۔“
”یہ آخرت کا سودا کیا ہوتا ہے؟ اصل بات کو تم نے دام بڑھا کر دئے اس لئے تمہیں مال کی بجائی بلخاریہ کے لئے لی گئی ہے۔ اگر تم نہ بڑھاتے تو وہ اب بھی مجھے مل جاتی۔“

”میں کہہ چکا ہوں میں نے دنیاوی نہیں آخرت کا سودا کیا ہے۔ مجھے اب بھی اور مال دولت کا لالچ نہیں ہے۔ میں بیعت کو ترک کر کے اسلام قبول کر چکا ہوں۔“

”کیا بیکو اس کرتے ہو؟“ بھائی غصے سے کھڑا ہو گیا تھا۔
”اگلے شلوم نے پوچھا ”جو دونا! تم کسے کہہ رہے ہو؟“
وہ بولا ”جو دونا کو علی میں بھیجئے تھے ہیں۔ آج سے میرا نام محمد بنی آندروف ہے۔“

”بھئی کے معنی ہیں ”جیتا ہے“ اور میں آج سے نئی زندگی کی رہا ہوں۔“
چچا شلوم نے غصے سے کہا ”تم خود غرض اور موقع سے بہرہ منے ایک مسلمان تاجر صلاح الدین سے لاکھوں ڈالروں کی بھینٹ حاصل کرنے کے لئے اسلام قبول کر کے اسے خوش کیا ہے۔“

”آپ کا یہ الزام غلط ہے میں جب سے آیا ہوں آپ تاجر صلاح الدین کا ذکر کر رہے ہیں۔ جب کہ میں نے اس کا مال اٹھانے سے انکار کر دیا ہے۔ اس سے بہتر نام نہن جرنیل کا مال ہے۔ آپ کی اطلاع کے لئے عرض ہے۔ میں نے بلخاریہ کے لئے نام نہن کے مال کی اب بھی ہے۔“

محمد بنی آندروف نے ثابت کر دیا کہ اس نے مال اور تجارتی منافع کے پیش نظر اسلام قبول نہیں کیا ہے جو کیا ہے وہ دل اور داغ کی قبولیت سے کیا ہے۔ اس میں کسی کا جبر اور کسی طرح کا لالچ شامل نہیں ہے۔

بلخاریہ کے سامنے شہر دونا میں یہودیوں کی اکثریت تھی۔ وہاں سب نے بھئی سے متنبہ پھیر لیا۔ خاندان کے افراد نے اس سے تعلقات ختم کر دیے۔ بھئی اپنی بیٹی فرمونہ کو لے کر مسلمانوں کے محلے میں گیا۔ شہر کے مختلف بازاروں میں یہودی تاجروں نے عید کا کہہ بھئی کا مال نہ کوئی خریدے گا اور نہ اپنا مال کوئی اسے فروخت کرے گا۔

لیکن بھئی نے پورے بلخاریہ کے لئے اب بھی حاصل کی تھی۔ مال کی کوئی قیمت ہمہ تھی اس لئے خریداروں کی تعداد میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ یہ ساری دنیا جانتی ہے کہ یہودی سب سے پہلے اپنے

منافع کو اہمیت دیتے ہیں۔ بھئی کا پیش کردہ مال نہایت منافع بخش تھا۔ وہ پہلے چوری چھپے پھر علانیہ مال خرید کر فروخت کرنے اور منافع کمانے لگے۔ انہوں نے اپنے پیشوا رہی المناوت سے کہا ”بھئی۔ سماجی اور تجارتی بائیکاٹ کرنے سے تمام یہودی تاجر نقصان اٹھاتے رہیں گے۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ بھئی کو ذلت نصیب ہو تو اس سے اس کی ابھینی چھین لی جائے۔“

ایک بہت بڑے یہودی سرمایہ دار نے نام نہن جرنیل سے کہا ”میں تمہارے مال کی زیادہ قیمت دوں گا۔ بھئی سے ابھینی کے حقوق واپس لے کر مجھے دے دو۔“

نام نہن نے کہا ”میں اس میرے مال کی قیمت زیادہ دوں گے اور وہاں بازار میں اسی مال کی قیمت بڑھاؤ گے۔ خریداروں پر بوجھ ڈالو گے تو میرے مال کی سیلائی اور کھیت میں کمی ہوگی۔ پھر یہ کہ کاروباری معاملات میں مجھے بھئی سے کوئی شکایت نہیں ہے۔“

اس نے پوچھا ”کیسی کیا صورت ہو سکتی ہے کہ یہ ابھینی ہمیں مل جائے؟“

”ایک ہی صورت ہے کہ بھئی ہمارا مال اٹھانے سے انکار کر دے۔“

وہاں سے ناکامی ہوئی۔ مخالفین نے سر جو ذکر سوچا۔ بھئی اس قدر منافع بخش مال اٹھانے سے انکار نہیں کرے گا۔ ہاں اگر اسے موت آجائے تو وہ ابھینی ان کے ہاتھ آجائے گی۔

ایک ہفتے کے اندر ہی بھئی کو کسی نے قتل کر دیا۔ فرمونہ نے روئے اور بھین کرتے ہوئے کہا ”میرے بابا کو کاروباری عداوت کے نتیجے میں قتل کیا گیا ہے۔ میں قاتل کو زندہ نہیں چھوڑوں گی۔ اسے قتل کروں گی یا قاتل کراؤں گی۔“

باب کی تدفین کے بعد اگلے شلوم نے آکر کہا ”بھئی فرمونہ! تمہارے باب کی زندگی میں ہمیں اس سے شکایت تھی۔ اب نہیں رہی۔ وہ مسلمان تھا۔ محرم ہمارے خون کے رشتے سے ”قوم کے رشتے سے یہودی ہوئے۔“ رے ساتھ چلو۔“

”آپ کو یہ سن کر خوشی نہیں ہوگی کہ مسلمان باب کی اولاد از خود مسلمان ہو جاتی ہے۔ میرے بابا نے مجھے کلمہ توحید پڑھایا تھا۔ پڑھانے والا حرم کیا۔ کلمہ زندہ ہے اور جو تاقیامت زندہ رہنے والا ہے اسے آپ میرے بھائی نہیں مار سکیں گے۔“

”تمہاری مرضی ہے۔ میں تو یہ سوچ کر ساتھ لے جا رہا تھا کہ تمہارے باب کے قاتل کو تلاش کروں گا۔“

”میں نہیں جاری ہوں تو کیا آپ اسے تلاش نہیں کریں گے؟“
”کس رشتے سے تلاش کروں۔ اس مسلمان سے کوئی رشتہ نہیں تھا۔ تم بھی یہودیت سے انکار کر رہی ہو۔“
”کیا آپ انسانیت کے رشتے سے قاتل کو سزا نہیں دلا سکتے؟“
”تم سزا دلانے کی بات کر رہی ہو“ میں تو اسے انعام دوں گا۔“

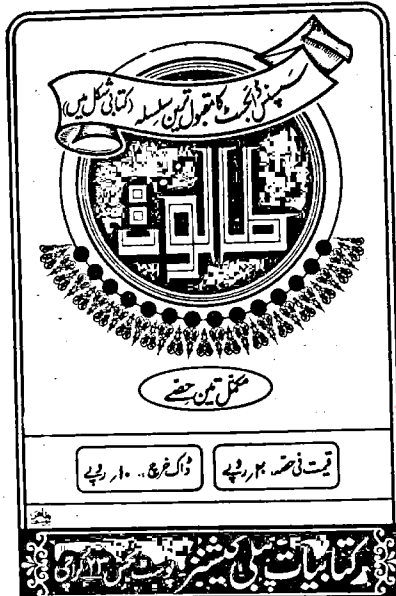
اس نے ایک مسلمان کو قتل کر کے ہماری قوم پر احسان کیا ہے۔“
وہ جانے لگا۔ فرمونہ نے کہا ”میرے باب کے قاتل کو انعام دینے والے آج سے میں تمہیں قاتل کا شریک سمجھوں گی۔ کبھی یہ ثابت ہو جائے کہ تم قاتل کی سازش میں شریک تھے تو تمہاری موت میرے ہی ہاتھوں سے ہوگی۔“

وہ چلا گیا۔ فرمونہ نے پولیس افسر کی رہائش گاہ میں آکر اس سے ملاقات کی۔ وہ چالیس برس کا نوجوان تھا۔ شادی کی ضرورت نہیں سمجھتا تھا۔ ضرورت ہوتی تو کسی نہ کسی کی مجبور ہو کر بھیک لیا کرتا تھا۔ اب وہ فرمونہ کو قاتل کی گرفتاری کا بھانسانے کر اس کے ساتھ راتیں گزارنا چاہتا تھا۔

فرمونہ نے پوچھا ”تم نے مجھے اپنے بیٹے میں آنے کو کہا تو میں نے سوچا، تمہیں قاتل کا سراغ مل چکا ہے۔ میں بڑی آس لے کر آئی ہوں۔“

وہ ہاتھ تمام کر بولا ”میں نے بھی بڑی آس لے کر تمہیں یہاں بلایا ہے۔ تالی دونوں ہاتھوں سے جیتی ہے۔ تم میرے بیٹے کے لگ کر کھینے کو ٹھنڈے پینچائی رہو میں تمہارے باب کے قاتل کو جلد از جلد تلاش کر کے عدالت میں پہنچا دوں گا۔“

وہ ہاتھ چمڑا کر بولی ”تمہارے درمیان فاصلہ رہنا چاہئے اور مجھے یہ معلوم ہونا چاہئے کہ فاصلہ رہے گا اور میں تمہارے ہاتھ



نہیں آؤں گی تو کیا قاتل بھی تمہارے ہاتھ نہیں آئے گا؟
 ”ہر انسان کی اپنی اپنی ضرورت ہے۔ تمہیں قاتل کی ضرورت ہے اور مجھے تمہاری۔“
 ”اور فرض کی ادائیگی کی چیز نہیں ہے؟“
 ”ہم ایک دوسرے سے راضی رہے تو قانونی فرائض بھی ادا ہوتے رہیں گے۔“

”اگر میں راضی نہ ہوئی اور وہ قاتل تمہاری نظروں میں آجائے تو کیا کرو گے؟“
 ”میں قاتل کو صرف نظروں میں رکھوں گا۔ یوں سمجھو کہ وہ میری نظروں میں آچکا ہے۔ تم مان جاؤ گی تو اسے پھٹکی پستادوں گا۔“

”کیا واقعی وہ تمہاری نظروں میں آچکا ہے؟“
 ”میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ قاتل میری نگاہ میں ہے۔“
 ”تم قسم کھا رہے ہو تو میں راضی ہو جاؤں گی لیکن میرے مذہب میں گناہ کی اجازت نہیں ہے۔ اگر تم اسے عدالت سے سزا دلاؤ گے تو میں تم سے شادی کر دوں گی۔ اس سے پہلے تم مجھے ہاتھ نہیں لگاؤ گے۔“

وہ جینے ہوئے بولا ”پولیس والے... رشوت پہلے لیتے ہیں کیونکہ کام نکل جانے کے بعد کوئی پلٹ کر نہیں پوچھتا۔“
 ”میں آج ہی بلکہ ابھی شادی کر دوں گی۔ اس طرح تمہیں یقین ہو جاتا ہے کہ قانونی اور مذہبی طور سے تمہاری ہو چکی ہوں۔ تمہیں دھوکا نہیں دوں گی لیکن قاتل کو سزا دینے کے بعد تمہاری خواب گاہ میں آؤں گی۔“

”نہیں میری جان! جب شادی تب ساگ رات۔“
 ”اس کا مطلب یہ ہے کہ تم مجھے بے وقوف سمجھتے ہو اور خود کو بہت عقل مند اور تجربہ کار پولیس افسر مانتے ہو۔ میں سمجھ گئی ہوں۔ قاتل تمہاری نگاہ میں نہیں ہے۔“
 افسر نے مسکراتے ہوئے ریسور اٹھایا۔ نمبر ڈائل کے پھر رابطہ قائم ہونے پر کہا ”ہیلو! میں بول رہا ہوں۔“

پھر دوسری طرف سے گفتگو سن کر بولا ”تم نے مجھے قتل کیا تھا“ اس کی بیٹی میرے سامنے ہے۔“
 یہ کہتے ہی افسر نے ریسور کو فرموتا کے کان سے لگا دیا۔ دوسری طرف سے کوئی کہہ رہا تھا ”مکالمہ کرتے ہو آفسر! فرموتا کے سامنے مجھے اس کے باپ کا قاتل کہہ رہے ہو۔ کیا تمہیں جو بچپن بزار دار لوگ دے گئے ہیں؟ وہ کہیں؟ فرموتا کو اپنے پاس بلا کر کیا پکڑ چلا رہے ہو؟“

وہ غور سے بولنے والے کی آواز سن رہی تھی اور یاد کرنے کی کوشش کر رہی تھی ”وہ آواز کہاں سے ہے؟ اسے کچھ یاد نہیں آ رہا تھا لیکن اسے یقین تھا کہ دوسرے سہیلی“ اسے یاد آجائے گا۔ افسر نے ریسور اس کے کان سے ہٹا کر اپنے کان سے لگا لے

ہوئے کہا ”ہاں! کیا کہہ رہے ہو؟ میں نے سنا نہیں، دھیان دوسری طرف تھا۔ ہاں۔ اچھا اچھا۔ چلو ایسا ہے تو ایسا ہی سہی۔ مجھے کینہ کہہ لو۔ یہ تم سب جانتے ہو کہ فرموتا کتنی حسین اور چمکناٹ ہے اس کے لئے کوئی بھی کینہ بن سکتا ہے۔ ویسے اپنے سوا یہ دارباپ اور بھائی سے کوئی مجھے اور بچپن بزار دار ادا کریں۔ میں فرموتا کو ٹال دوں گا۔“

اس نے دو چار باتیں کرنے کے بعد ریسور رکھ دیا پھر کہا ”تم مجھے جھوٹا سمجھ رہی تھیں اور کہہ رہی تھیں کہ قاتل میری نگاہ میں نہیں ہے۔ میں نے فون پر اس کی آواز سنا دی۔ ثبوت پیش کر دیا۔ اب بولو منظور ہے؟“

”میں تمہارے مقابلے میں بہت کم عمر اور تجربہ کار ہوں لیکن اتنا سمجھتی ہوں کہ تم تمہاری کے بیٹن ہو۔ اور سہ سے مزید بچپن بزار دار ملیں گے تو مجھے آسانی سے ٹال دو گے۔ یہ بات ابھی تمہاری زبان سے نکل چکی ہے۔“

وہ واپس جانے لگی۔ افسر نے پوچھا ”جاری ہو؟ باپ کے قاتل سے انتقام نہیں لو گی؟“

”اسے تو میں زندہ نہیں چھوڑوں گی اور اس کا ساتھ دینے والے بھی عبرت ناک انجام کو پہنچیں گے۔ آج سے تم بھی میرے پایا کے تانوں کی فرست میں ہو۔ میں یہ معاملہ تمہارے اعلیٰ افسران کے پاس لے جاؤں گی۔“

افسر قہقہے لگاتے لگاتے دھڑکے آکر سوچنے لگی۔ فون پر بولنے والا ابھی تھا مگر وہ ابھی یادداشت کی حالت تھی۔ اسے یاد آ رہا تھا کہ ایک ہی بار سہیلی کسی تقریب میں یا پبلک ٹیلیس میں وہ آواز ضروری تھی ہے۔

وہ بڑی دیر تک سوچتی رہی۔ رات کو سوئے وقت اچانک اسے پولیس افسر کی فون والی آخری گفتگو یاد آئی ”اس نے کہا تھا“ اپنے سوا یہ دارباپ اور بھائی سے کوئی مجھے اور بچپن بزار دار ادا کریں۔“

اس آخری فقرے سے ظاہر ہوتا تھا کہ قاتل کا باپ سوا یہ دار ہے اور اس قاتل کا ایک بھائی ہے یعنی ایک سوا یہ دار کے دو بیٹے ہیں ان میں سے ایک نے اس کے باپ کو قتل کیا ہے۔

اس حد تک انکشاف ہونے کے بعد یہ معلوم ہو سکتا تھا کہ وہ سوا یہ دار کون ہے جس کے دو بیٹے ہیں اور جنہیں بچپن کے قتل سے فائدہ پہنچ سکتا ہے؟ اس کے شہر دو تالیں اور پورے بلخاریہ میں بے شمار سوا یہ دار تھے۔ وہ سب کو نظر انداز کر کے صرف یہودی سوا یہ داروں کو بھانپنا چاہتی تھی۔ اس نے پہلے اپنے شہر کے یہودیوں کو یادداشت میں نامہ کرنا شروع کیا۔ ایسے یہودیوں کو جو بڑے سوا یہ دار تھے، جن کے دو بیٹے تھے اور جو اس کے باپ کے قتل سے کوئی فائدہ اٹھا رہے تھے۔

ایسی معلومات حاصل کرنے میں پانچ نہیں کتنے دن اور مینے لگ

جاتے۔ وہ دوسرے دن انسپکٹر جنرل کے دفتر میں آئی۔ انسپکٹر جنرل نے اسے اندر بلایا۔ فرموتا نے اپنا تعارف کرایا پھر کہا ”آپ کا ایک پولیس افسر قاتل سے رشوت لے چکا ہے اور مزید بچپن بزار دار حاصل کرنے والا ہے۔ وہ قاتل کو کبھی گرفتار نہیں کرے گا۔“

”میں فرموتا! بہتر ہے کسی ثبوت کے بغیر ایک افسر کو الزام نہ دو۔“
 وہ بولی ”سرا میری ایک ہوئی ہے۔ میں اکثر گفتگو کرنے والوں کی آواز ریکارڈ کرتی ہوں۔ پھر غنائی میں ان کی آوازیں اور باتیں سن کر ان کے کردار کا نفسیاتی تجزیہ کرتی ہوں۔ کیوں کہ میں علم نفسیات کی طالبہ ہوں۔“

”کیا تم نے پولیس افسر کی باتیں ریکارڈ کی ہیں؟“
 ”جی ہاں۔ میں اس پرس میں نئی ریکارڈر چھپا کر رکھتی ہوں۔ کسی کو شبہ نہیں ہو تا اور میں مطلبہ گفتگو ریکارڈ کرتی ہوں۔“

اس نے پرس میں سے ایک ریکارڈر نکال کر اسے آن کیا پھر اعلیٰ افسر کے سامنے رکھ دیا۔ اس میں سے پہلے اس کے یہودی انگل شلوم کی گفتگو سنائی دی۔ وہ یہ کہہ کر گیا تھا کہ بچپن کے قاتل کو انعام دے گا کیوں کہ اس نے ایک مسلمان کو قتل کیا ہے۔ پھر پولیس افسر کی شروع سے آخر تک کی گفتگو سنائی دی۔ انسپکٹر جنرل نے ریکارڈر کو آف کرنے کے بعد کہا ”تم نے یہ طریقہ اختیار کر کے قانون کے ہاتھ مضبوط کیے ہیں۔ قاتل کی نشان دہی بھی کی ہے۔ وہ پولیس افسر بھی سزا سے نہیں بچے گا۔ تم نے اتنا بڑا کارنامہ انجام دیا ہے کہ میں غرے تمہیں بیٹی کہا جاتا ہوں۔“

فرموتا کی آنکھیں جھجک گئیں۔ وہ بولی ”یہ میرے لئے فخری بات ہے بلکہ خوش قسمتی ہے کہ باپ کے بعد مجھے باپ کی کمی محسوس نہیں ہوئی۔“

ان باتوں کے دوران انسپکٹر جنرل نے ایک مین دبا کر کیٹ کو روایت کیا تھا اور پوچھا تھا ”کیا تم نے اس کیٹ کی دوسری کاپی رکھی ہے؟“

”نہیں“ مجھے اس کا موقع نہیں ملا۔ میں پولیس افسر کی گفتگو ریکارڈ کرتے ہی آپ کے پاس اسے لے آئی۔“

”اچھا تم کسی سوا یہ دار کے متعلق کچھ کہہ رہی تھیں؟“
 وہ بتانے لگی ”پولیس افسر کی فون والی گفتگو سے پتا چلا کہ قاتل کا باپ سوا یہ دار اور اس قاتل کا ایک بھائی ہے۔“

وہ جو کچھ یہودی سوا یہ داروں کے متعلق سوچ رہی تھی وہ سب تفصیل سے بتاتی چلی گئی۔ اعلیٰ افسر نے کہا ”تم نے باپ کے قتل ہوتے ہی بہت قریب کھائے ہیں۔ کسی نے تمہارا ساتھ نہیں دیا لیکن میں صرف قانون کا محافظ نہیں“ باپ بن کر بھی عدالت تک تمہارا ساتھ دوں گا۔“

”آپ کی محبت بھری سرپرستی سے مجھے نئی زندگی مل گئی ہے۔“
 وہ ریکارڈر کو آف کرتے ہوئے بولا ”لیکن بیٹی! مجھے باپ کتنی

ہو تو باپ کے پولیس ڈیپارٹمنٹ کو عدالت میں بدنام کرنے کی کوشش نہ کرو۔“

”پولیس ڈیپارٹمنٹ کیسے بدنام ہو گا؟“
 ”میرا بہت پولیس افسر گرفتار ہو گا تو وہ بیان دے گا کہ اس نے رشوت کے بچپن بزار دارا میں سے صرف پانچ بزار دار لے لئے تھے باقی میں بزار لے دئے تھے۔“

وہ حیرانی سے بولی ”آپ کو؟ یعنی آپ بھی.....؟“
 ”ہاں! میں بھی۔“

وہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی اعلیٰ افسر اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے قریب آتے ہوئے بولا ”میرا بہت بہت بڑا کینہ ہے۔ تمہیں خواب گاہ میں لے جا کر راشٹا بنانا چاہتا تھا۔ مجھ میں شرافت اور اعلیٰ خلقی ہے۔ میں نے تمہیں بیٹی بنایا ہے۔“

پھر وہ فرموتا سے پرس جھین کر بولا ”ہو سکتا ہے تم نے دوسرا ریکارڈر چھپا کر رکھا ہو۔ ہم دودھ کے بٹلے ہیں“ چھاپہ چھوٹک چھوٹ کر پڑے ہیں۔“

اس نے پرس کھول کر تلاشی لی پھر مطمئن ہو کر اس کا مٹی ریکارڈر دینے ہوئے کہا ”میں نے تمہاری گفتگو کے دوران اس کا ریکارڈنگ مین دبا کر اپنے ماتحت افسر کی تمام باتیں سنائی ہیں۔ اسے گھر جا کر سنو۔ اس میں سے صرف وہی باتیں سنائی دیں گی جو تم یہاں کر رہی ہو۔ اب جاؤ۔“

اس نے غصے سے اعلیٰ افسر کو دیکھا پھر تیزی سے چلتی ہوئی دفتر سے باہر چلی گئی۔ اس کے جانے کے بعد اعلیٰ افسر نے ریسور اٹھا کر ماتحت سے رابطہ کیا پھر کہا ”مگر اسے کچھ باتیں سنائی دیں گی جو تم پہنچاؤ گے۔“

”سرا! مجھ سے کوئی غلطی ہوئی ہے؟“
 ”غلطی کے بچے! جب فرموتا تمہارے پاس آئی تھی تو اس کے پرس میں ایک نئی ریکارڈر تھا۔ وہ تمہاری تمام گفتگو ریکارڈ کر چکی تھی۔ تمہارے اور قاتل کے خلاف خامے ثبوت لے کر آئی تھی۔“

”وہ گاڑا میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ اس قدر چالاک ہوگی۔ پھر آپ نے کیا کیا سر؟“

”میں نے اس کیٹ سے تمہاری گفتگو سنائی ہے اور اس کے پاس اس کیٹ کی دوسری کاپی نہیں ہے۔ وہ بری طرح مایوس ہو کر گئی ہے۔“

”سرا! آپ نے کمال کر دیا۔ میں اپنی غفلت کی معافی چاہتا ہوں۔ آئندہ ایسی غلطی نہیں ہوگی۔“

انسپکٹر جنرل پولیس نے ریسور رکھ دیا۔ اس رات جب وہ گہری نیند سو رہا تھا تب فون کی مسلسل گھنٹی کی آواز نے اسے جگا دیا۔ اس نے ناگوار سے ریسور اٹھا کر کہا ”ہیلو کون ہے؟“
 دوسری طرف سے آواز آئی ”میں فرموتا بول رہی ہوں۔“

وہ غصے سے بولا "یہ کوئی فون کرنے کا وقت ہے؟"
 "شامت وقت ہے وقت آجاتی ہے تم نے مجھے جینی بنا کر
 بہت بڑی غلطی کی ہے"
 "تم کہنا کیا چاہتی ہو؟"
 "ہمیں کہ تم نے میرا پس چیک کیا لیکن جینی کا لباس چیک نہیں
 کر سکتے تھے اگر صرف پولیس افسر رہتے تو تلاشی کے نتیجے میں
 میرے پاس سے ایک اور ریکارڈر برآمد ہوتا جس میں تمہاری یہ
 گفتگو ریکارڈ ہے سنو۔"
 چند لمحوں کے بعد اسے اپنی ہی آواز سنائی دی۔ وہ کہہ رہا تھا۔
 "میرا بخت پولیس افسر گرفتار ہو گا تو وہ بیان دے گا کہ اس نے
 رشتہ کے بچوں ہزار ڈالر میں سے صرف پانچ ہزار ڈالر لئے ہیں
 باقی میں ہزار بچے دئے ہیں۔"
 انسپکٹر جنرل نے اور جتنی باتیں فرمونے سے کی تھیں وہ سب
 فون کی دوسری طرف سے سنائی دے رہی تھیں۔ پھر وہ بولی "آئیفر
 میں نے تم سے باتوں کے دوران دیکھ لیا تھا کہ تم ریکارڈنگ مشین بنا
 کر اپنے بخت کی گفتگو منبہ ہو۔ میں دیکھ کر بھی انجان بنی
 رہی۔ تم سے جھوٹ کہا تھا کہ اس کیسٹ کی دوسری کاپیاں نہیں
 ہیں۔ یہ سوتلو۔"
 تھوڑی دیر بعد دوسری طرف سے اپنے بخت افسر کی وہ تمام
 باتیں سنائی دینے لگیں۔ جنہیں وہ اپنی رازت میں چاچا تھا۔ وہ
 غصے سے دھاڑتے ہوئے بولا "بہت چالاک فنی ہو۔ صبح ہونے سے
 پہلے تمام کیسٹوں کے ساتھ فٹا ہوا جاتا۔"
 "آئیفر! فٹا کرنے والے مجھے کہاں تلاش کریں گے؟"
 "اچھا تو تم دو پوش ہو گئی ہو؟"
 "ہاں میں نے تمام کیسٹوں کی کاپیاں پیر سرجید الاسلام اور
 جنس شیل میں کے پاس پہنچادی ہیں۔ کل صبح تمہاری اور بخت
 افسر کی گرفتاری عمل میں آئے گی۔ اب اٹھو اور پچاؤ کی گھر میں
 اپنی حیرت خیز کر۔"
 فرمونے نے ریسیور رکھ دیا۔ اعلیٰ افسر نے فوراً ہی دوسرا نمبر
 ڈائل کر کے پوچھا "کیا فون نیپ ہو رہا تھا؟"
 "نہیں سرا۔"
 "مجھے نوٹ کراؤ وہ کہاں سے فون کر رہی تھی۔"
 اس نے کانڈ قلم کے فرمونے کا موجودہ پتہ اور فون نمبر نہ
 کیا پھر اپنے بخت سے رابطہ کر کے اسے تمام حالات بتائے۔ اس
 کے بعد کہا "پیر سرجید الاسلام اپنا خاص آدمی ہے۔ میں اس سے
 نہٹ لوں گا۔ تم جنس شیل میں کی تحویل سے وہ تمام کیسٹ نکال
 لاؤ پھر فرمونے کی رہائش گاہ میں گھر کر تلاشی لو۔ تمام کیسٹوں کو
 اپنے قبضے میں لو۔ اس کے بعد ہم اس پناہ گاہ میں جائیں گے جہاں
 وہ چھپی ہوئی ہماری گرفتاری کا انتظار کر رہی ہے۔"
 فرمونے کو یقین تھا کہ دشمن اسے تلاش نہیں کر سکیں گے۔

اس کے ایک مسلمان بڑے نے کہا تھا "جینی! تم میری بیٹی کے گھر
 چلی جاؤ۔ کل جب دشمن گرفتار ہو جائیں تو واپس چلی آنا۔"
 اس کی بیٹی شہر کے مغربی حصے میں رہتی تھی۔ انسپکٹر جنرل اور
 اس کے بخت کا دھیان دوسرے جانا اگر وہ ہر گھر کی تلاشی لیتے تو
 صبح ہو جاتی اور صبح اور پولیس والوں کی شامت آنے والی تھی۔
 وہ بڑی بے فکر سے سو رہی تھی۔ رات کے دو بجے اس نے
 خواب میں ایک قد آور شخص کو دیکھا۔ وہ کہہ رہا تھا "کیا بے
 فکری نقصان پہنچاتی ہے۔ دشمن تمہیں قتل کرنے آئے ہیں۔"
 فرمونے نے پوچھا "دشمن کو میرا پتا کیسے معلوم ہو سکتا ہے؟"
 "تم نے انسپکٹر جنرل سے فون پر گفتگو کی تھی۔ تمہارا فون
 ڈیٹیکٹ کیا گیا تھا۔ فون نمبر کا سراغ ملنے ہی اس پناہ گاہ کا بھی پتا
 چل گیا۔"
 "تم کون ہو؟ اور تمہیں یہ سب کچھ کیسے معلوم ہوا؟"
 "میں تمہارا دوست ہوں۔ تمہاری ایک تصویر دیکھ کر تم پر
 ہزار جان سے عاشق ہو گیا ہوں۔"
 "تم نے میری تصویر کب اور کہاں دیکھی؟"
 "آؤ صاحبنا پہلے دیکھی ہے۔ میں ایک مکان کے پاس سے گزر
 رہا تھا وہاں میں نے دو آدمی دیکھے، وہ بڑی رازداری سے چوڑی کی
 طرح مکان میں داخل ہو رہے تھے۔ میں بھی ان کے پیچھے داخل
 ہوا۔ ایک خواب گاہ میں تمہاری بہت ہی خوب صورت سی تصویر
 دیوار پر لگی ہوئی تھی۔ میں دیکھتے ہی تمہارا دوا بند ہو گیا۔"
 "مفضل باتیں نہ کرو۔ ان کے متعلق بتاؤ جو مکان میں داخل
 ہوئے تھے۔"
 وہ بولا "میں نے ان دونوں کی پٹائی کی۔ پھر ان کے خیالات
 پڑے تو پتا چلا کہ ان میں سے ایک پولیس افسر ہے اور دوسرا ایک
 فٹنڈا ہے۔ وہ تمہارے گھر سے تمام آڈیو کیسٹ اٹھا کر لے جاتا
 چاہے تھے۔ پھر میں نے ان کے خیالات پڑھ کر۔۔۔"
 وہ بات کاٹ کر بولی "یہ خیالات پڑھنے کا مطلب کیا ہوا؟"
 "مطلب یہ ہوا کہ میں خیال خوانی کرتا ہوں۔ ٹیلی پتھی جانا
 ہوں۔ میں نے معلوم کیا وہ پولیس افسر تمہاری عزت سے کھلتا
 چاہتا تھا۔ تمہارے باپ کے قاتل کو چھپا رہا تھا۔ تم نے اس کے
 خلاف کیسٹ ریکارڈ کیا تھا۔ کیسٹ کی ایک کاپی جنس شیل میں کو
 دی تھی۔ اس افسر نے شیل میں کے گھر میں گھر کر اسے قتل کر دیا
 ہے وہاں سے کیسٹ لے آیا ہے۔"
 فرمونے نے بڑے دکھ سے پوچھا "کیا جنس شیل میں قتل کر دیا
 گیا ہے؟"
 "ہاں اور تم پیر سرجید الاسلام سے دھوکا کھا گئے۔" انسپکٹر
 جنرل کا دوست ہے۔ اس نے تمہارے دئے ہوئے کیسٹوں کو انسپکٹر
 جنرل کے حوالے کر دیا ہے۔ اب وہ اپنے بخت افسر کے ساتھ
 تمہاری طرف آ رہا ہے۔"

"جینی! تم نے مجھے الجھا دیا ہے۔ کیا واقعی ٹیلی پتھی جانتے
 ہو۔۔۔"
 "اس بات کا یقین بعد میں بھی کر سکتی ہو۔ پہلے آنکھیں
 کھولو۔"
 اس نے آنکھیں کھول دیں۔ بڑے دم میں دھیمی دھیمی ی بزر
 دوشنی تھی۔ اس نے سوچا "وہ میں تو خواب دیکھ رہی تھی۔"
 اسے اپنے دماغ میں وہی اجنبی آواز سنائی دی "ہاں تم مجھے
 خواب کے دھندلے میں دیکھ رہی تھیں۔ اب دماغ میں میری باتیں
 سن رہی ہو۔"
 وہ فوراً ہی اٹھ کر بیٹھ گئی۔ کہنے لگی "یہ کیا جراثیم خواب
 میں بھی وہی آواز بیداری میں بھی اسے سن رہی ہوں۔"
 "میں ٹیلی پتھی کے ذریعے تمہارے اندر موجود ہوں۔"
 اسی وقت دستک سنائی دی۔ اجنبی نے کہا "خود دشمن جاں آگئے۔"
 انھوں رازہ کھولو۔"
 "کیا کچھ کہہ رہے ہو؟"
 "اجنبی تم ان کی صورتیں دیکھو گی۔"
 "نہیں میں ان کے سامنے نہیں جاؤں گی۔"
 "گھبراؤ نہیں۔ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ شاید تمہاری میزبان
 سیلی کا شہرہ روزہ کو محل رہا ہے۔ میں بھی آتا ہوں۔"
 مکان کا دروازہ کھلتے ہی انسپکٹر جنرل اپنے بخت کے ساتھ بے
 چارے میزبان کو دھوکا دیتے ہوئے اندر آیا۔ پھر گرج کر بولا "تم نے
 فرمونے کو کہاں چھپا رکھا ہے؟ اسے باہر نکالو۔"
 بخت افسر نے کہا "یاد رکھو۔ پچھلے دروازے پر بھی ہمارا
 ایک مسلہ آدمی موجود ہے۔ فرمونے دوسرے بھاگنا چاہے گی تو اسے
 گولی مار دی جائے گی۔"
 پھر اس نے میزبان کو روبرو کے نشاے پر رکھتے ہوئے کہا۔
 "فرمونے کو پرلاؤ۔ ورنہ تمہیں ختم کر دیں گے۔"
 وہ سامنے آکر بولی "میرے میزبان کو چھوڑ دو۔"
 انسپکٹر جنرل نے اسے دیکھ کر کہا "تم نے بڑی تیزی دکھائی
 تھی۔ ہمیں جیل جینے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ مگر ہم پولیس
 والے ہیں۔ خطرناک مجرموں کی کھال اتار کر ان کے جوئے بنا کر
 پتے ہیں۔ اور تم ہم سے چالاک دکھائی دے رہی۔"
 بخت افسر نے کہا "اب چالاکیاں رکھنا اور میاں سے بچ کر
 باؤں اس گھر سے تو تمہاری لاش ہی باہر جائے گی۔"
 ایک سانس کے لئے دروازے پر ہنر کا "میاں سے فرمونے کی
 نہیں تم۔۔۔" اس کی سن جائے گی۔"
 انسپکٹر جنرل نے ڈانٹ کر کہا "جس پچھلے دروازے پر رہنے
 کا حکم دیا تھا۔ میاں کیوں آئے ہو؟"
 "میں خود نہیں آیا ہوں لایا گیا ہوں۔ میرے اندر ٹیلی پتھی
 جاننے والا موجود ہے۔"

"یہ کیا کہو اس ہے۔"
 فرمونے نے ہنسنے ہوئے کہا "یہ ٹیلی پتھی جاننے والا میرے اندر
 بھی تھا۔ اب تمہارے آدمی کے اندر ہے۔ مجھے یقین ہو گیا ہے کہ
 وہ خیال خوانی کرنے والا میرا دوست اور مددگار ہے۔"
 "یہ تمہارا دوست نہیں ہمارا بخت ہے۔"
 مسلہ بخت نے انسپکٹر جنرل کا نشانہ لیتے ہوئے کہا "میں صرف
 فرمونے کا دوست ہوں اور اس کا ثبوت یہ ہے۔"
 اس نے قاز کیا۔ انسپکٹر جنرل چپٹا اور اپنا زخمی بازو پکڑتے
 ہوئے پیچھے گیا۔ اس کے بخت افسر نے پوچھا "یہ تم نے کیا کیا۔"
 اس سے ظاہر ہوا ہے کہ کسی نے تمہارے دماغ پر قبضہ کیا ہے۔ تم
 ہمارے لئے خفہ میں گئے ہو۔"
 اس نے مسلہ شخص کو گولی مار دی۔ اس کی موت پر فرمونے
 گھبرا گئی کہ اس کا دوست ٹیلی پتھی جاننے والا مر گیا ہے۔ وہ بولی
 "ظالمو! یہ تم نے کیا کیا؟ میرے ایک مضبوط سہارے کو ختم کر دیا۔"
 ایک صحت مند اور قد آور شخص نے کمرے میں داخل ہوئے
 ہوئے کہا "ان کے باپ بھی مجھے نہیں مار سکتے۔ میں زندہ ہوں۔"
 فرمونے نے خواب میں اس کی دھندلی سی شکل دیکھی تھی اور
 اس کی آواز سنئی تھی۔ پھر اس کی باتیں سن کر خوش ہو گئی۔ اجنبی
 نے کہا "فرمونے! تمہارا بھوکو۔ یہ روبرو پیر سرجید دے گا۔"
 بخت افسر نے نشاے پر رکھ کر کہا "میں جس گولی ماروں
 گا۔"
 لیکن دوسرے ہی لمحے اس نے روبرو اور کو اجنبی کی طرف
 پیر سرجید دیا۔ اجنبی نے اسے فرش سے اٹھا کر بخت افسر کی ٹانگ
 میں گولی مار دی۔ وہ جیج مار کر لڑکھاتا ہوا گر پڑا۔ اجنبی نے کہا "میں
 تمہیں ابھی زندہ رکھوں گا اور تم فرمونے کو اس کے باپ کے قاتل
 تک پہنچاؤ گے۔"
 وہ خوش ہو کر بولی "اے! اجنبی! تم نے میرا دل بیت لیا ہے، تم
 کسی مطالبے کی لالچ یا ہوس کے بغیر میرے باپ کے قاتل کو بے
 نقاب کر رہے ہو۔ میں تمہارے احسان کا بدلہ نہیں دے سکوں گی
 پھر بھی اپنی حیثیت کے مطابق دوں گی۔"
 اجنبی نے بخت افسر کو بولنے پر مجبور کیا۔ وہ بولنے لگا "اس
 یسودی سرمایہ دار کا نام میل بروکس ہے۔ وہ فرمونے کے باپ کو
 کاروباری دنیا سے نکال دینا چاہتا تھا۔ اس نے استیصال کے نام سے
 جبرائیل کو زیادہ رقم دے کر مجھ کی اجنبی چھین لینے کی کوشش کی۔
 جب ناکام ہوا تو اس کے بڑے بیٹے وان بروکس نے مجھ کو قتل کر
 دیا۔ اب اس کی اجنبی بڑی آسانی سے میل بروکس اور اس کے
 دونوں بیٹوں کو لٹے والی ہے۔"
 فرمونے نے غصے سے دانت چب کر پوچھا "تم اعتراف کرتے ہو
 کہ وان بروکس میرے باپ کا قاتل ہے اور تم انسپکٹر جنرل کے ساتھ
 مل کر قاتل کو پناہ دے رہے ہو؟"

”ہاں۔ میں اعتراف کرتا ہوں۔“
وہ آگے بڑھ کر اسے دونوں ہاتھوں سے مارنے لگی۔ اس کے
اعلیٰ افسر کی بھی پٹائی کرنے لگی۔ جنہوں نے اس کے سرے باپ کا
سایہ چھین لیا تھا۔ اسے باپ کی محبت سے محروم کر دیا تھا۔ انہیں
صرف ہاتھوں سے مارنے سے تسلی نہیں ہو سکتی تھی۔ وہ لڑائیوں سے
بھی مار رہی تھی۔ گالیاں بھی دے رہی تھی۔ پھر انہیں سے رو والور
لے کر ان کے جسموں میں تمام گولیاں اتار دیا جانتی تھی لیکن
انہیں نے کہا ”انہیں قتل کر کے عدالت کے چکر میں نہ دو۔ یہ
حرام موت مرے گی لیکن اپنے تمام اگلے پچھلے جرائم کو قبول کرنے
کے بعد خود موت کو گلے لگا نہیں گے۔“

پھر اس نے دونوں سے کہا ”چلو اٹھو اور اپنے اس آدمی کی
لاش اٹھا کر یہاں سے کسی قریبی تھاں میں جا کر اپنے اپنے خلاف
بیان لکھو اور جنس شیل میں قتل کا جرم بھی قبول کرو۔“
وہ کڑکڑا کر معافی مانگنے لگے۔ وہ بولا ”میں بکواس نہیں سنتا
چاہتا۔ وقت ضائع نہ کرو۔ فوراً حکم کی تعمیل کرو۔“
وہ پھر کچھ کہنا چاہتے تھے، اس نے دونوں کے دماغوں میں
زفرے پیدا کئے تو وہ تکلیف کی شدت سے ترنچے لگے اور کہنے
لگے ”ہم اپنے تمام جرائم کا اعتراف کریں گے ہم ابھی اس لاش
کو لے جائیں گے ہمیں دماغی عذاب میں مبتلا نہ کرو۔“
وہ تکلیف کم ہونے کے بعد اٹھے اور اس لاش کو وہاں سے
اٹھا کر لے گئے۔ فرمونا نے انہیں سے کہا ”تم میرے بہت کام
آ رہے ہو لیکن اہم کام رہ گیا ہے۔ میرے پاپا کے قاتل کو بھی اسی
طرح تڑپاؤ۔ اسے اذیتیں پہنچاؤ۔ میں اس کے منہ پر تھوکتنا چاہتی
ہوں۔“

”میں نے خیال خوانی کے ذریعے افسر کے دماغ سے معلوم کیا
تھا کہ قاتل اپنے باپ اور بھائی کے ساتھ جو زکالونی میں رہتا ہے۔“
”میں اس سرمایہ دار یہودی میل بروکس کو اچھی طرح جانتی
ہوں۔ میرے ساتھ آؤ۔“

”اس کے گھر جانا ضروری نہیں ہے۔ فون پر بات کرو۔ میں
تمہارے ذریعے اس کی آواز سنوں گا پھر اس کے دماغ میں پہنچ کر
جہاں تم کوہی اسے لے آؤں گا۔“

اس نے میل بروکس سے رابطہ کیا۔ رات کے تین بج کر
پچاس منٹ ہوئے تھے۔ وہ گہری نیند میں تھا۔ ریسور نہیں اٹھا رہا
تھا۔ فرمونا نے کہا ”کوئی اینیڈ نہیں کر رہا ہے۔“
وہ بولا ”کہنت گہری نیند میں ہو گا۔ انتظار کرو۔“

تھوڑی دیر بعد کسی نے جھجکا کر کہا ”کون ہے؟ کیا اس وقت
فون کرنا ضروری تھا۔“

انہیں اس کے دماغ میں پہنچ گیا۔ وہ فون پر بولی ”میں فرمونا
ہوں۔“
”کون فرمونا؟“

”ہی۔ جس کے بے گناہ باپ کو تم لوگوں نے قتل کیا ہے۔“
انہیں نے فرمونا کے پاس آکر کہا ”یہ میل بروکس کا بیٹا ہوں
بروکس ہے۔“

ہون بروکس نے فون پر پوچھا ”تم نے اتنی رات کو فون کیوں
کیا ہے؟ کیا تم کو کوئی نفسیاتی حربہ استعمال کر رہی ہو؟ کیا یہ سوچ رہی
ہو کہ میں گہری نیند سے چونک کر اقبال جرم کر لوں گا۔ جب کہ میں
نے کوئی جرم نہیں کیا ہے۔“

وہ بولی ”تمہارے بھائی وان بروکس نے قتل کیا ہے اور تم
سب قتل کی سازش میں شریک ہو۔“
”تم بکواس کر رہی ہو۔ ثبوت کے بغیر کوئی یقین نہیں کرے
گا۔“

اس نے ریسور رکھنا چاہا۔ انہیں نے اسے رکھنے نہیں دیا۔
فرمونا نے پوچھا ”یہ بکواس ہے یا حقیقت؟“ ابھی جہیں معلوم
ہو جائے گا۔ تمہاری کھوپڑی میں موت تھکی ہوئی ہے۔ ویسے یہ فون
تمہارے باپ کا ہے اور بات تم کر رہے ہو۔ اسے بلاؤ۔“

وہ کہتا چاہتا تھا ”میں تمہارے باپ کا نوکر نہیں ہوں۔ لیکن وہ
اپنی مرضی سے نہ بول سکا اس نے کہا ”ڈیڈی سی پورٹ پر ہیں۔
جماڑے مال اتر رہا ہے۔“

اس نے اپنے باپ کا موبائل فون نہرہٹایا۔ فرمونا نے اس
سے رابطہ ختم کر کے اس کے باپ سے رابطہ کیا پھر کہا ”میل
بروکس، سمندری جہاز سے مال اتر رہے ہو۔ سمندر کی کمرائی بھی
نظر میں رکھو۔“ ابھی تھیں ڈوبتا ہے۔“
”کون ہو تم؟ یہ کیا بکواس ہے۔“

انہیں فرمونا کے ذریعے میل بروکس کے اندر پہنچ گیا وہ بولی۔
”انپیکٹر جنرل اور اس کے ماتحت نے خود کو قانون کے حوالے کر دیا
ہے۔ میرے باپ کے قتل میں جتنے لوگ شریک تھے ان میں سے
کوئی زندہ نہیں رہے گا۔“
”چھپاؤ تم فرمونا ہو؟“

میل بروکس، بحری جہاز سے ذرا دور بندرگاہ کے پلیٹ فارم پر
کھڑا ہوا تھا۔ اس کے سامنے دور تک سمندر پھیلا ہوا تھا۔ بچے
سے دوسرے بیٹے وان بروکس نے مخاطب کیا ”ڈیڈی باکس کا فون
ہے؟“

وہ پلیٹ کر بولا ”وہ باگل کی بیٹی فرمونا ہے۔ کہتی ہے مجھے
سمندر میں ڈوبنا ہو گا۔“
انہیں نے وان بروکس کی زبان سے کہا ”ڈیڈی اورو رت کہ
رہی ہے۔“

”کیا کہہ رہے ہو؟ ہوش میں تو ہو؟“
”یہ ہوش کی بات ہے۔ میں نے فرمونا کے باپ کو قتل کیا
ہے۔ اور تمہیں اس مقتول کا پرنس اور منافع مل رہا ہے۔“
”آہستہ بولو۔ کیا یہ جگہ ایسی باتیں کرنے کے لئے ہے؟“

وہ پریشان ہو کر بولا "یہ باتیں بے اعتبار میری زبان سے ادا ہو رہی ہیں۔ اب میرا خیال چاہتا ہے میں تمہارا گریبان پکڑ کر تمہاری خوب چٹائی کروں۔"

"کیسی باتیں کر رہے ہو؟ کیا اپنے باپ کا گریبان پکڑو گے؟"

وہ یکبارگی گریبان پکڑ کر اسے جھنجھوڑتے ہوئے بولا "تو کیسا باپ ہے؟ کیا باپ اپنے بیٹے کو قتل کرنا سکھاتا ہے؟"

"اے میرا گریبان چھوڑ دو میں نے تم دونوں بھائیوں کا مستقبل بنانے اور زیادہ سے زیادہ دولت کمانے کا ایک طریقہ بتایا تھا۔ بعض اوقات کسی کی لاش پر بیٹھ کر بھی منافع کما جاتا ہے۔"

"تو پھر میں اس سبق پر ابھی عمل کروں گا۔ تمہاری لاش گرا کر تمام کاروبار کا منافع تمہارا حاصل کروں گا۔ اپنے بھائی کو بھی قتل کر دوں گا۔"

اس نے یہ کہتے ہی باپ کو اٹھا کر پانی میں پھینک دیا۔ انجینی نے اس کے دماغ کو آزاد چھوڑا تو اس نے بوکھلا کر باپ کو دیکھا۔ ڈوبنے والا ہاتھ پاؤں مارے ہوئے مدد کے لئے چیخ رہا تھا۔ بیٹا بھی چیخے ہوئے جہاز اور دفاتر کی طرف دوڑنے لگا "بچاؤ۔ میرے ڈیڑھی کو بچاؤ۔ وہ ڈوب رہے ہیں۔ ہم باپ بیٹوں کو تیرنا نہیں آتے۔ وہ ڈوب جائیں گے انہیں بچاؤ۔"

جب وہ کچھ لوگوں کے ساتھ واپس آیا تو پلیٹ فارم کے کنارے موبائل فون ڈالا ہوا تھا۔ اس کے ریسور سے فرمونے کے قہقہے سنائی دے رہے تھے اور ڈوبنے والا پورٹ کے کمرے پانی میں کہیں نظر نہیں آ رہا تھا۔

دو غوط خوروں نے پانی میں چلا گنگائی۔ وان بروکس نے قہقہہ اٹھنے والے ریسور کو اٹھا کر کان سے لگاتے ہوئے کہا "یو شٹ اپ! میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

مجھے قتل کرنے سے پہلے یہ تو دیکھو کہ مجھے میرے باپ کی لاش مل گئی تھی۔ تمہیں اپنے باپ کی لاش بھی نہیں ملے گی۔"

"یو شٹ اپ۔ تم کسی سے کالا جادو کر رہی ہو۔ تم نے میرے ہاتھوں سے میرے ڈیڑھی کو ڈھکی ڈھکی کیا۔"

وہ کہتے کہتے گر گیا۔ لوگ اسے دیکھ رہے تھے۔ اس کی باتیں سن رہے تھے وہ دوسروں کے سامنے یہ نہیں کہنا چاہتا تھا کہ اس نے خود اپنے ہاتھوں سے باپ کو اٹھا کر سمندر میں پھینک دیا۔

فرمونے نے کہا "مرگ کیوں گئے؟" اعلان کرو کہ تم عادی قاتل بن چکے ہو۔"

وہ ریسور پر بیٹھ کر دوڑا ہوا اپنی کار میں آیا پھر اسے ڈرائیو کرتے ہوئے اپنے گھر کی طرف جانے لگا۔ ادھر فرمونے انجینی کے ساتھ آکر کار میں بیٹھ گئی تھی۔ کار میں بیٹھ کر روانہ ہونے تک انجینی نے خیال خرابی نہیں کی۔ وان بروکس کا دماغ آزاد ہوتے ہی اس نے سوچا "یہ میں کہاں جا رہا ہوں۔"

اس نے گاڑی روک دی۔ وہ اسے واپس بندرگاہ کی طرف

مڑنا چاہتا تھا۔ اس نے انجینی نے پھر اس کے اندر آکر اسے آگے بڑھا دیا۔ وہ چالیس منٹ کی ڈرائیو تک کے بعد اپنی رہائش گاہ کے احاطے میں آیا۔ رات کو دوسری ملازمہ رہا کرتے تھے۔ اس نے دونوں کو چھٹی دے دی۔ پھر تیزی سے چلا ہوا اندر آیا اور اپنے بھائی کے دروازے کو دونوں ہاتھوں سے پٹنے لگا۔

وہ سونے والا ہڑوا کر اٹھ بیٹھا۔ انجینی تھوڑی دیر پہلے فرمونے نے فون کے ذریعے اسے جگایا تھا۔ وہ دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے بولا "یہ کون بد تمیز ہے۔"

وان بروکس نے کہا "دروازہ کھولو، ڈیڑھی سمندر میں ڈوب گئے ہیں۔"

"کیا؟" اس نے جلدی سے دروازہ کھولا۔ وان بروکس نے اندر آتے ہی اس کے منہ پر گھونسا مارا۔ پھر کہا "باپ ڈوبا نہیں" میں نے اسے ڈوبا ہے۔"

وہ جھنجھوڑ کر بولا "کیا حرکت ہے؟ ڈیڑھی کہاں ہیں؟"

"میں نے بڑھے کو قتل کر دیا ہے۔ فرمونے کے باپ کو قتل کرنے کے بعد میرے سر پر خون سوار ہو گیا تھا۔ میں نے انجینی ڈیڑھی کو ہلاک کیا اور اب تجھے قہقہے کرتے کرتے آیا ہوں۔"

اس نے حملہ کیا۔ بھائی نے روک لیا۔ پھر دونوں سواری جوالی حملے کرنے لگے۔ ایک مارنا چاہتا تھا تو دوسرا اپنی جان بچانا چاہتا۔ دونوں میں جم کر لڑائی ہو رہی تھی۔ پھر وہ تالی کی آواز سن کر رک گئے۔ فرمونے دروازے پر کھڑی تالی بجاری تھی اور کہہ رہی تھی "دو پاؤں ملے تکتوں کی لڑائی میں مزہ آتا ہے۔ جنگ جاری رکھو۔"

انجینی نے وان بروکس کے دماغ کو آزاد چھوڑ دیا۔ اس نے پریشان ہو کر اپنے بھائی سے کہا "ہوں! میرے بھائی! میں اپنے اختیار میں نہیں ہوں۔ یہ لڑکی کسی سے جادو کر رہی ہے۔ میں جس طرح لڑ رہا ہوں اسی طرح ڈیڑھی کو مارنے بیٹھے ہیں انہیں سمندر میں پھینک دیا تھا۔ میرے ہاتھوں تمہارا بھائی قتل ہو جائے گا۔ مجھ سے دور بھاگو۔ اپنی جان بچاؤ۔"

انجینی نے بون کی زبان سے کہا "کیسے بھاگوں! جس جادو کا ذکر تم کر رہے ہو وہ اب میری کھوپڑی میں ہے۔ اب تم مجھ سے بچو اور بھاگو۔"

بون نے وان کے منہ پر گھونسا مارا۔ وہ مار کھا کر غصے سے فرمونے کو مارنے کے لئے دوڑا۔ وہ گھبرا کر چیخ پڑی لیکن وہ مارنے سے پہلے رک گیا۔ پھر بولا "تھکراؤ نہیں تمہارا دوست اب میرے دماغ میں ہے۔"

پھر وہ پلٹ کر بھائی سے بولا "ہوں! اب وہ جادو میرے سر پہ کر رہا ہے۔ مجھے آسانی سے قتل کرنے دو۔ اس لئے کہ اب تم میں سے کوئی نہیں بچے گا۔ پتا نہیں تمہارے بعد میں کیسی موت مرنے والا ہوں۔"

فرمونے نے دونوں بھائیوں کے درمیان ایک ریوالور پھینکتے

ہوئے کہا "تم دونوں فیصلہ کرلو پہلے کے مرتا ہے۔ جو زندہ رہ جائے وہ بھر آجائے۔"

وہ جانے لگی۔ وان نے جلدی سے ریوالور اٹھا کر فرمونے کا نشانہ لیا۔ لیکن سوچنے لگا کہ گولی کیسے مارے؟ ریوالور کیسے چلایا جاتا ہے؟ حالانکہ وہ جانتا تھا لیکن انجینی نے اس کی کھوپڑی کھمادی تھی۔

انجینی فرمونے کی کار میں بیٹھا ٹیلی فنی کے ذریعے مکان کے اندر یہ قہقہے کر رہا تھا۔ جب وہ مکان سے باہر آکر کار میں بیٹھ گئی تو ٹھانیس کی آواز اندر سے آئی۔ اس کے ساتھ اگلی سیٹ پر بیٹھے ہوئے انجینی نے کہا "ہوں مرچکا ہے اور تمہارے باپ کا قاتل وان زندہ رہ گیا ہے۔"

"میں خود اسے ہلا کر ہلاک کروں گی۔ اسے سڑک پر لے آؤ۔"

وان بروکس ریوالور پر بیٹھ کر دوڑا ہوا مکان کے باہر آیا۔ پھر سڑک پر پہنچا۔ فرمونے نے کار اشارت کی پھر تیزی سے ڈرائیو کرتی ہوئی قاتل کی طرف بڑھنے لگی۔ اسے سڑک کے درمیان سے بھاگ کر فٹ پاتھ پر جانا چاہیے تھا۔ اور وہ چیخ بھی رہا تھا کہ گاڑی روک لو نہیں تو میں مر جاؤں گا۔

یہ سمجھنے کے باوجود وہ ٹیلی فنی کے ذریعے اڑا کر ڈرا رہا۔ فرمونے نے رفتار بڑھا کر ایسی زبردست گھماری کی کہ وہ چھل کر فٹ پاتھ پر گیا۔ اسے سخت چوٹیں آئی تھیں، وہ تکلیف سے چلاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ "چھوڑو۔ مجھے معاف کر دو۔ آئندہ میں تمہارے باپ کو قتل نہیں کروں گا۔"

وہ باپ کو قتل کر چکا تھا۔ اب بھلا کون سے باپ کو قتل کرنا وہ بد خواہی میں آیا کہ رہا تھا۔ انجینی پھر ٹیلی فنی کے ذریعے اسے کھینچا ہوا سڑک پر لے آیا۔ فرمونے نے پھر کار اشارت کی "گھبراؤ گاڑی آگے بڑھنے لگی۔ وہ سڑک پر پڑا ہوا تھا۔ دونوں ہاتھ اٹھا کر چیخ رہا تھا۔ "نہیں۔ نہیں۔ نہیں۔"

کار تیز رفتاری سے اسے پکڑتی ہوئی گزر گئی۔ پھر آگے جا کر رک گئی۔ وہاں سے دوبارہ اپنے شکار کی طرف رخ پھیرنے لگی۔ وہ لمبے تر تیز ہوا تھا۔ اب اس میں چیخنے کی جگہ سکنت نہیں رہی تھی۔ صرف اس کے ہاتھ پاؤں لرز رہے تھے۔ وہ گاڑی تیزی سے دوڑتی ہوئی آئی پھر ٹھیک اس کے سامنے اچانک رک گئی۔ فرمونے کار کا دروازہ کھول کر آئی اور بولی "میں اپنے پیپا کے قاتل کو ایک ہی وقت میں موت نہیں دوں گی۔ تم آگے مر چکے ہو آئندہ بھی تمہیں اوحا مارتی رہوں گی۔ جب تم اچٹال سے مر چکے ہو تو میرے بارے میں سوچو۔"

یہ کہہ کر اس نے گاڑی کو کھمائی۔ انجینی نے پوچھا "اب کیا ارادہ ہے؟"

"مجھ ہونے والی ہے۔ تم میرے گھر چلو اور اطمینان سے اپنے بارے میں بتاؤ۔"

وہ ڈرائیو کرتی ہوئی گھر کی طرف جانے لگی وہ بولا "میرا اتنا تعارف کافی نہیں ہے کہ میں تمہارا کچھ نہ ہوتے ہوئے بھی سب کچھ ہوں۔ کوئی تمہارے راستے سے ایک پتھر نہیں ہٹا سکتا تھا میں نے پناہ بنا دیا۔"

"بے شک، تم نے میری تمام مشکلیں آسان کر دی ہیں۔ اگر تم میرے جیون سماجی بن جاؤ اور میں تمہاری شریک حیات بن جاؤں تو بے فکر زندگی گزاروں گی لیکن تمام عمر ساتھ رہنے کے لئے ایک دوسرے کی سہزی معلوم کرنا لازمی ہے۔ تم تو خیالات پڑھ لیتے ہو۔ میں صرف پوچھ سکتی ہوں۔"

"پوچھ کر سوچا کھا سکتی ہو۔ ہو سکتا ہے کہ میں اپنی اصلیت نہ بتاؤں۔ تم سے جو تبول کر کوئی دوسرا شخص بن کر تمہارے حسن و شباب سے مکمل کریمیاں سے جا سکتا ہوں۔"

"تم سب کچھ ہو سکتے ہو، جھوٹے اور فریبی نہیں ہو سکتے۔ میری حفاظت کرنے والا میرے پیپا کے قاتلوں کو سزا دینے والا دھوکے باز نہیں ہو سکتا۔"

اس نے اپنی رہائش گاہ کے سامنے کار روک دی۔ وہ دونوں کار سے اتر کر مکان کے اندر آئے۔ اس نے کہا "فرمونے! مجھ سے جتنے فائدے اٹھا سکتی ہو اٹھا لیں مگر لیکن میرا نام اور میری حقیقت معلوم نہ کرو۔"

"یہ کیسی باتیں کر رہے ہو۔ تم میرے سامنے اندھے میں رہو اور میں تمہیں دیکھتے ہوئے بھی تمہاری ہڈیاں کو ہونی تاری میں تمہاری صورت نہ دیکھ سکوں اور ایک انجینی کو اپنی زندگی کا مالک و مختار بناتی رہوں۔ کیا ایسی زندگی بھی کسی نے گزارا ہے؟"

وہ اس کے دونوں بازو پکڑ کر اپنے قریب کرتے ہوئے بولا۔ "میں مجبور ہوں۔ تمہیں اپنی اصلیت نہیں بتا سکوں گا۔"

"ایسی کیا مجبوری ہے؟"

"تمہیں کیسے بتاؤں؟ آؤ مجھ دنیا میری دشمن ہے۔ سر بارو کھلانے والے ممالک مجھے قتل کرنا چاہتے ہیں۔ میں اپنا اصلی چہرہ اصلی نام اور اپنی پناہ گاہ کسی کو نہیں بتاتا۔ اپنے سامنے پر بھی بھروسہ نہیں کرتا۔"

وہ اپنے بازوؤں کو اس کی گرفت سے الگ کرتے ہوئے بولی۔ "پلیز! ابھی مجھے ہاتھ نہ لگاؤ۔ پہلے ہم شادی کریں گے۔"

"میں کسی ایک جگہ نہیں ہو سکتا۔ کہیں گھر نہیں بنا سکتا تو پھر شادی کیسے کر سکتا ہوں؟ بیوی اور بچوں کو کس طرح دشمنوں سے پوشیدہ رکھوں گا۔ کہاں کہاں سے بچوں گا؟"

"تمہاری باتوں سے یوں لگتا ہے جیسے تم گناہ مکرنا چاہتے ہو۔ میری جو مدد کی ہے اس کی قیمت وصول کر کے جانا چاہتے ہو۔"

"گناہ اور ثواب کی بات نہ کرو۔ میری ذرا دانت داری یہ ہے کہ میں قیمت وصول کر کے تم سے منہ پھیر کر نہیں جاؤں گا۔ جسمانی طور پر درود ہونے کے باوجود دنیا کے آخری سرے پر جا کر بھی تم سے

”میں بہت دور جا چکا ہوں۔ لیکن تمہارے اندر ہمیشہ رہوں گا۔“

”خدا کے لئے میرا چھاپہ جوڑ دو۔“
 ”تم سمجھتے کیوں نہیں؟ میں تمہارا عاشق ہوں۔“
 ”عاشق ہو تو اپنی حقیقت بتاؤ کیا نام ہے تمہارا؟“

”میرا نام ساری نہیں تو اومی دینا جانی ہے۔ سوچتا ہوں تم بھی جان لوگی تو کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ کیا تم ہیلی جیٹس کے شہنشاہ کا نام جانتی ہو؟“

”نہیں میں ہیلی بار صرف ہمیں خیال خوانی کرتے دکھ رہی

ہوں۔ پلیز اپنا نام بتاؤ۔“
 ”اچھی بات ہے سنو، میرا نام فراد علی تیور ہے۔“
 وہ کوئی زبردست مکار تھا۔ میرا نام اور میری شخصیت اقتدار

کر رہا تھا۔ میں نے بھی ٹپ ٹپسی کا شہنشاہ ہونے کا دعویٰ نہیں کیا اور نہ ہی کبھی لڑی پر جبر کیا۔ اگر ایسے وقت میں فرموناکے داغ میں ہو جاتا تو اس سے نمٹ لیتا لیکن یہ تمام باتیں مجھے بعد میں معلوم ہوئی تھیں۔

منا ہے۔“
 نقلیٰ فراوانے کہا ”حسین دہشتیزا میں اہم ضرور سختی ہیں
 اور مجھے ضرور خوش کرتی ہیں۔ تم جو ہیں کھٹے کے اندر یہ شہر چھوڑ
 دو گی اور پاکستان کے ایک شہر بنا دو علیٰ حاد کی۔“

”میں نہ جانا چاہوں گی تو مجبور کرو گے؟“

”ہاں“ یہ میری مجبوری ہے۔ وہاں ایک ایسا ٹیلی جیٹس جاننے والا دشمن ہے، جسے تمہارے ذریعے کا بومیں کروں گا۔“

”کون ہے وہ ٹیلی جیٹس جاننے والا؟ اس سے کیا دشمنی ہے؟“

میں اس کا دشمن تھا۔ وہ مجھے قتل کرنے کی سازش کر رہا تھا۔

چاہتا تھا لیکن اس نے فرمنا سے کہا ”وہ دشمن خیال خوانی کرنے والا ایک یودی ہے۔ ان یودیوں نے تمہارے باپ کے بعد تمہیں بھی ختم کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ تمہارا فرض ہے کہ اس یودی کے خلاف میری مدد کرو۔“

”میں کیسے مدد کر سکتی ہوں؟“
 ”تم پشاور پہنچو تو میں تمہیں تھیں تھیں تاروں گا۔“
 ”تم نے میری بہت مدد کی ہے میں ضرور تمہارے کام آؤں
 گی لیکن میری ایک بات مان لو۔ ایک ہفتہ بعد مجھ سے شادی
 کرلو۔“

”فرہاد کو جو کھانا ہوٹل میں مل جاتا ہے اسے وہ گھر میں پکا کر نہیں کھاتا۔ مجھ سے شادی کی بات نہ کرو۔ میں جا رہا ہوں۔ پھر آؤں گا۔“

وہ خلا میں تکتے تھے۔ میں اس کے دماغ میں آنے والے کو فریاد
 نوکوں کا۔ وہ کہتا: "نہ اس مجبور لڑکے کے ساتھ کوئی حکم چلا کر مجھے

اس وقت تو فرعون کی عزت پر مبنی ہوئی تھی۔ ایک ہفتہ بعد وہ زندہ رہتی لیکن بے حیائی کی سولی پر چڑھا دی جاتی۔ یہ سوچ سوچ کر وہ دوسری تھی اور وہ رو کر سوچ رہی تھی۔ کمزور تک راہ نجات نظر

سے ضروری رابطہ قائم رکھتا ہے۔ کیوں کہ ان سے رابطہ رکھنے کے تمام خفیہ آلات اس کے ایک خفیہ کمرے میں رکھے ہوئے تھے۔ علی اس کے گولڈن برین ہونے کی تصدیق چاہتا تھا اور یہ

اس نے ہلکی سے کہا "ای! ایک! ڈیجیٹل آلہ میرے پاس ہے۔
اسے راجسوس کے خفیہ کمرے میں کہیں چھپا کر رکھا جائے تو میں
اس کی تمام خفیہ گفتگو سن کر اس کی مصروفیات اور اس کی اصلیت
کے متعلق بہت کچھ معلوم کر سکتا ہوں۔"

لاعلیٰ میں میری تصویریں اتر جائیں۔ ان کلمات کے ذریعے مجھے
 کسی دوسری جگہ دیکھ لیا جائے۔“
 ”ہاں“ احتیاط کا تقاضا یہی ہے تمہیں خود وہاں نہیں جانا
 چاہئے۔ وہ دشمن خیال خواتین کے والی الپا تمہاری ساس کو محرزہ

سلايا۔ پھر اسے اپنی معمولہ بنا کر پہلے علی کے کمرے میں لے گئی۔ علی نے ڈیکٹیو آلہ ایک جگہ چھپا رکھا تھا۔ معمولہ اس آلے کو اٹھا کر پھر اپنے شوہر کے کمرے میں آئی وہاں سے اسٹور روم میں

دروازے کے پیچھے ایک کمرہ تھا۔ اس کمرے میں ایک بڑا سا ٹرانسپیرنٹ آئینہ اور دو بیکارڈر، کمپیوٹر اور ٹی وی وغیرہ تھے۔ دیوار پر ایک ہائیکورفون لگا ہوا تھا۔ معمولی ڈیجیٹل آلے کو ہائیکورفون سے منسلک کر کے اس کے پیچھے چھپا دیا۔ پھر وہاں سے نکل کر اسٹور کی الماری کا دروازہ بند کر کے الماری کو بھی بند کیا۔ اس کے بعد اسٹور روم سے آکر خواب گاہ میں سو گئی۔ لیکن آدھے گھنٹے بعد اسے بگایا تو وہ نارمل تھی۔ یہ نہیں جانتی تھی کہ اسے نہ پر کیا گیا تھا۔

لیلیٰ نے علی سے پوچھا ”اب بولو کیا کرنا ہے؟“
 ”میں جلد سے جلد معلوم ہونا چاہتا ہوں کہ اس خفیہ کمرے میں
 کس قسم کی گفتگو ہوتی ہے۔“
 سلطانہ نے کہا ”جب راجرموس اس کمرے میں کسی

245

ضرورت سے جا کر کسی سے باتیں کرے گا تو معلوم ہوگا۔
 ”آئی اے راجرموس کو وہاں جا کر باتیں کرنے پر مجبور کیا جاسکتا ہے؟“
 ”وہ کیسے؟“

”آپ پاپا سے کہیں وہ اسرائیلی حکام اور گولڈن برنز کو چیلنج کریں۔ ان کے لئے کوئی مسئلہ پیدا کر دیں۔ ایسی صورت میں تمام گولڈن برنز ایک دوسرے سے رابطہ کریں گے۔ پھر میرا سر راجرموس بھی اپنے خفیہ کمرے میں ضرور جائے گا۔“
 لیٹی نے مجھے مخاطب کیا اور علی کے حالات بتائے۔ میں نے تمام حالات معلوم کرنے کے بعد ایک اسرائیلی حاکم سے دائمی رابطہ کیا اور کہا ”ہم اکثر تمہاری دشمنی کے جو اب میں تمہیں سزا دے کر چھٹی دہائی کو نظر انداز کر دیتے ہیں لیکن تم لوگ پھر کسی نئی دشمنی کی ابتداء کر دیتے ہو۔“

وہ بولا ”ہم کوئی دشمنی نہیں کر رہے ہیں۔ آپ کو ضرور کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔“
 ”دماغوں میں تمہیں کھنکھاتی غلط فہمی ہے۔ غلط فہمی میں جتنا نہیں ہوتا۔ اپنے گولڈن برنز سے کہو ان کا ایک ٹیلی ویژن جاننے والا میرے نشانے پر ہے۔ وہ اس کی زندگی کا سودا کر سکتے ہیں۔“

یہ سن کر اسرائیلی حکام کے درمیان کھلبلی مچ گئی۔ انہوں نے مخصوص سٹنل کے ذریعے گولڈن برنز کو اہم اجلاس کے لئے طلب کیا۔ علی تیور پامینہ کے ساتھ خواب گاہ میں تھاماس کاسر اپنی بیگم کے ساتھ اپنے بیڈ روم میں تھا۔ لیٹی نے اطلاع دی کہ الپا راجرموس کی بیوی کو ٹیلی ویژن کے ذریعے سلا رہی ہے تاکہ راجرموس خفیہ کمرے میں جاسکے۔

ادھر سلطانہ نے علی کی بیوی پامیلا کو گہری نیند سلا دیا۔ لیٹی نے اپنے سوٹ کیس سے ایک چھوٹا سا ڈائریکٹ سیٹ نکالا۔ اس کے بیڈ فون کو کانوں سے لگا کر انتظار کرنے لگا۔

سلطانہ ”لیٹی! اور جو علی کے دماغ میں تھے تاکہ مختلف بولنے والوں کی آواز اور لہجوں کو یادداشت میں محفوظ کر سکیں۔ تھوڑی دیر بعد راجرموس کی آواز سنائی دی ”ہیلو ہیلو۔“

یادداشتیں تیار ہوئیں۔ ”ہیلو۔“

دوسری طرف سے بیگزہ والے کی آواز سنائی دی ”ہیلو نمبر دن! بیگزہ والے حاضر ہے۔“
 نمبرون راجرموس نے کہا ”بقول فراہد ہمارا ایک ٹیلی ویژن جاننے والا اس کی نظروں میں آگیا ہے۔ اگر یہ درست ہے تو ہمیں اس سے سمجھنا کرنا ہوگا۔ اپنے کپیٹر براؤزی دی وغیرہ کا کنکشن وزیر داخلہ کے ٹی وی کے ساتھ ملاؤ۔ ابھی کپیٹر کے ذریعے فراہد سے گفتگو ہوگی۔“

اس کے تھوڑی دیر بعد پھر راجرموس کی آواز سنائی دی ”ہیلو

مسٹر واکوڈی! میں نمبرون بول رہا ہوں۔“
 دوسری طرف سے واکوڈی کی آواز سنائی دی ”ہیلو نمبرون! واکوڈی تمہارا حاضر ہے۔“

نمبرون راجرموس نے اسے بھی بتایا کہ فراہد سے اہم گفتگو ہونے والی ہے۔ وہ اپنے کپیٹر براؤزی دی وغیرہ کا کنکشن وزیر داخلہ کے ٹی وی کے ساتھ ملائے۔ اس وقت تک ہم راجرموس کے علاوہ دو گولڈن برنز کی آوازیں سن چکے تھے۔

نمبرون نے چوتھے گولڈن برین کو مخاطب کیا۔ اس کا نام جان روبن تھا۔ پانچویں کا نام جان فیل اور چھٹے کا نام ایڈر تھا۔ ان سب نے وزیر داخلہ کے ٹی وی سے رابطہ کیا تھا پھر نمبرون نے کپیٹر کے ذریعے وزیر داخلہ اور دوسرے حکام سے کہا ”ہم حاضر ہیں اور فراہد علی تیور سے پوچھتے ہیں ہمارا وہ ٹیلی ویژن جاننے والا کون ہے جو اس کی نظروں میں آیا ہے؟“

یہ گفتگو تحریر کی صورت میں اسکرین پر بڑی جاری تھی میں نے ایک حاکم کے ذریعے وہ تحریر پڑھ کر کہا ”تمہارا ایک ٹیلی ویژن جاننے والا آج کل پاکستان کے شہر پشاور میں ہے۔“

اسکرین پر تحریر ابھری ”ہم نے اپنے تمام خیال خوانی کرنے والوں کو کبھی ملک سے باہر جانے نہیں دیا۔ تم نے مجھے پشاور میں دیکھا ہے اسے فوراً قتل کر دو۔ کیوں کہ وہ ہمارا آدمی نہیں ہے۔“

میں نے کہا ”مجھے یہاں جہانسی طور پر کوئی دشمن نظر نہیں آیا ہے۔ وہ خیال خوانی کے ذریعے اس شہر میں ہے۔ اس نے ایک رشتہ ہاؤس میں مجھ پر قاتلانہ حملے کرائے۔ ناکام ہونے کے بعد وہ اب دوسرے حملے کے لئے جال بچھا رہا تھا۔“

”ہم پورے ہوش و حواس میں رہ کر یقین دلا رہے ہیں کہ وہ حملہ آور ہمارا آدمی نہیں ہے۔ اگر ہمارا ہوتا تو اس خیال خوانی کرنے والے کو سلامت رکھنے کے لئے ہم تم سے ہر طرح کا سودا اور سمجھوتہ کرتے۔“

میں نے کہا ”اسے یقین سے کہہ رہے ہو تو یقین کر لیتا ہوں۔ میں اسے چوبیس گھنٹوں کے اندر اندر ختم کر دوں گا۔ میرا مشورہ ہے کہ اپنے تمام خیال خوانی کرنے والوں کو ابھی طرح چیک کر لو۔ ہو سکتا ہے دانیال اور جنرل پارکن کی طرح پھر کوئی خیال خوانی کرنے والا تم سے غداری کر رہا ہو۔“

”تم چیک کر رہے ہیں۔“ پندرہ منٹ بعد پھر ہم سے رابطہ کریں گے۔“
 میں علی تیور سے پاپا سے ”یہ وہ ڈائریکٹ سیٹ کو آواز سننے والے کا فون آ رہا تھا۔ سلطانہ کہہ رہا تھا۔“ علی ”تم نے بہت بڑا کارنامہ انجام دیا ہے۔ ہمیں تمام گولڈن برنز کی آوازیں سنائی ہیں۔ اب یہ معلوم کرنا ہوگا کہ نمبرون راجرموس کی طرح باقی پانچوں گولڈن برنز بھی یوگا کے ماہر ہیں یا ہم آسانی سے ان کے دماغوں میں پہنچ سکتے ہیں؟“

”یہ معلوم کرنے کا ایک ہی راستہ ہے۔ میں اپنے سر راجرموس کو اصرار کی کوریڈر میں جلا کر دوں گا۔“
 میں نے کہا ”ختم سب نے ایک ایک گولڈن برین کی آواز سن لی ہے۔ ان سب کی آوازوں اور لہجوں کو اپنے ذہنوں میں نقش کر لو۔ علی کوئی مناسب موقع دیکھ کر نمبرون گولڈن برین راجرموس کے دماغ کو کوروسٹائٹ کرے گا۔ چونکہ وہ نمبرون ہے۔ باقی پانچ گولڈن برنز کا سربراہ ہے اس لئے ان کے متعلق جاننا ہوگا کہ کون یوگا کا ماہر ہے اور کون نہیں ہے۔“

یہ شاندار کامیابی ہمیں یقین دلا رہی ہے کہ ہم ابھی ان سب کے دماغوں میں پہنچ سکتے ہیں۔ کوئی ضروری نہیں ہے کہ وہ سب ہی یوگا کے ماہر ہوں لیکن زیادہ خوشی اور خوش فہمی بننا ہوا کام لگا ڈیوٹی ہے۔ احتیاطاً ڈاکٹر امبر کرائی میز تھا۔

ہم سب علی کے دماغ سے ملے آئے۔ صرف لیٹی بے رحمی علی نے کہا ”اسی! الپا نے میری ساس کو خیال خوانی کے ذریعے سلا دیا تھا۔ آپ ڈاکٹر دیکھیں کیا وہاں الپا ہے؟ اگر نہ ہو تو میری ساس کی آنکھیں کھول کر اس کے ذریعے معلوم کریں کیا میرا سر خفیہ کمرے سے نکل آیا ہے؟“

پھر وہ کچھ سوچ کر بولا ”اگر وہ میرا سر خواب گاہ میں خاموش بیٹھا غلامی تک رہا ہوگا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ الپا یا ہے۔ مورکن اس سے خیال خوانی کے ذریعے باتیں کر رہے ہیں ایسے وقت آپ راجرموس کے دماغ میں جائیں گی تو وہ آپ کی موجودگی کو سمجھ نہیں پائے گا۔“

لیٹی جلی جلی۔ وہ بیڈ فون کو پھر کانوں سے لگا کر ڈائریکٹ سیٹ کو کنٹرول کرنے لگا۔ خفیہ کمرے میں خاموشی تھی۔ کوئی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ لیٹی نے آکر کہا ”میں نے مسزوس کی آنکھیں کھول کر دیکھا وہاں بیڈ روم کے اندر راجرموس نہیں ہے۔“
 وہ بولا ”خفیہ کمرے سے بھی کوئی آواز سنائی نہیں دے رہی ہے۔“

”شاید وہ اسی خفیہ کمرے میں خاموشی سے لکھنے پڑھنے میں مصروف ہوگا۔“

اس کی بات ختم ہوتے ہی راجرموس کی آواز سنائی دی ”ہیلو مسٹر واکوڈی تمہارا! ہمارے باقی گولڈن برنز نے کپیٹر کے ذریعے اپنی رائے پیش کی ہے کہ فراہد درست کہہ رہا ہے۔ وہ پاکستان کے شہر پشاور میں ہے اور جو ٹیلی ویژن جاننے والا اس پر قاتلانہ حملے کر رہا ہے اس کا تعلق سپر اسٹار اور جان لیوڈا سے ہے۔“
 واکوڈی تمہارے کہا ”ہم فراہد کو پاکستان سے نکالنے میں اب تک ناکام رہے ہیں۔ وہ جب تک وہاں رہے گا ہم بھارت کے تعاون سے نہ انہم معاملات کی سراغ رسانی کر سکیں گے اور نہ ہمارا کوئی پاکستانی زر خریدہ ایجنٹ ہمارے لئے کچھ کر سکے گا۔“
 ”اگر کسی دوسرے ملک میں فراہد کے لئے کوئی ایسا مسئلہ پیدا

کر دیا جائے جسے حل کرنے کے لئے وہاں جانے پر مجبور ہو جائے تو پاکستان میں ہمارے لئے میدان صاف ہو جائے گا۔“

”میں نے اس پہلو سے سوچا ہے۔ اگر یہ معلوم ہو جائے کہ پارس اور علی تیور سر ملک میں ہیں تو ہم وہاں ان کے لئے ایسی مشکلات پیدا کر سکتے ہیں انہیں زندگی اور موت کے درمیان اس طرح پھنسا سکتے ہیں کہ باپ اپنے بیٹوں کی دیکھیری کے لئے وہاں جانے پر مجبور ہو جائے گا۔“

”مسٹر تمہارا! ہم جیسا سوچتے ہیں ویسا ہوتا نہیں ہے۔ ان کے لئے کوئی مشکل مشکل نہیں ہوتی۔“

”نمبرون! تمہارے داماد کارمن (علی) نے ہمارے غدار ٹیلی ویژن جاننے والے جنرل پارکن کو گرفتار کرایا تھا۔ کسی خیال خوانی کرنے والے پر قابو پانا بچوں کا کھیل نہیں ہے۔ ذہانت کا کھیل ہے۔ تمہارا داماد صرف دلہن نہیں ذہین بھی ہے۔ اسے ابھی سے ٹینک دو گئے تو وہ آئندہ تمہاری جگہ گولڈن برین کا عمدہ منبجہال بن سکے گا۔“

”تم نے میرے دل کی بات کہہ دی ہے۔ اگر ہم اسے گائیڈ کریں گے تو وہ بہت جلدی کرے گا۔“

”اسے گائیڈ کیا کرنا ہے۔ عملی میدان میں لے آؤ۔ اسے فراہد کے معاملے میں شریک کر دو۔ اس سے مشورے لیا کرو اور اس کی ذہانت کو آزمایا کرو۔“

”جی! ابھی تو شادی کو دو ہی دن ہوئے ہیں۔ میں چاہتا ہوں میری بیٹی ابھی اس کے ساتھ مسرتوں بھری زندگی گزارے۔ یہ ان کے ہنسنے کھیلنے کے دن ہیں۔“

”میرا خیال ہے کہ وہ ہنسنے کھیلنے بھی ہمارے لئے کچھ کر سکتا ہے۔ ان دونوں کو شادی کے بعد ہی مون کے لئے کہیں جانا چاہئے تھا لیکن وہ تمہارے ہی گھر میں ہیں۔ میرا مشورہ ہے بیٹی اور داماد کو میرے پاس بروٹھم بھیج دو۔ اس طرح ان کی آؤٹنگ بھی ہو جائے گی۔ اور میں کارمن (علی) سے فراہد کے مسئلے پر تفصیلی گفتگو کروں گا اور جو اب اس کی ذہانت کا اندازہ لگاؤں گا۔“

نمبرون راجرموس نے ہنسنے ہوئے کہا ”کیس ایسا نہ ہو کہ میرا داماد پھر پھر ذہانت کا مظاہرہ کرے اور تمہاری گولڈن برین والی حیثیت کو بچان لے۔“

”اب تمہارا داماد ابھی ذہین نہیں ہو سکتا کہ ہم جیسے تجربہ کار گولڈن برنز کی پوشیدہ خفیت کو بچان لے اور اگر بچان لے گا تو میں اسے ساتواں گولڈن برین بنانے کی بھرپور سفارش کروں گا۔“
 ”بھئی وہ صرف میرا ہی نہیں ہم سب گولڈن برنز کا داماد ہے۔ ہم اسے پوری دیانت داری سے آزمائے رہیں گے جب وہ آزمائشوں میں پورا اتر جائے گا تو گولڈن برنز کی ساتویں کرسی اسے انعام میں دے دی جائے گی۔“

”تو پھر یہ ملے ہو گیا کہ پامیلا اور کارمن میرے پاس آ رہے

ہیں؟“

”پہلے ان سے پوچھ لینے دو کہ وہ یہ وہ ظلم جانے کے لئے راضی ہیں یا نہیں؟“

”نہوں! یہ تقریبی پروگرام ہو تا تو ان کی مرضی دیکھی جاتی۔ اس تفریح کے پیچھے ہمارے اہم مقاصد ہیں۔ کارمن دوسرے آئے گا قصد کرے گا تو ایسا خودی اس کے ساتھ چلی آئے گی۔“

”درست کہتے ہو۔ تو پھر یہ طے ہو گیا وہ دونوں کل شام تک تمہارے پاس پہنچ جائیں گے۔“

”اگے سوٹا۔“

”رابطہ ختم ہو گیا۔ علی نے بھی وائریس سیٹ کو آف کر کے ایک طرف رکھ دیا۔“

”کھا ہم پر مہمان ہے۔ تمہارے لئے راستے کھل رہے ہیں۔“

”بے شک خداوند کریم کا جتنا بھی شکر ادا کریں، تم ہے۔ آپ بابا اور ماما اس سلسلے میں بات کریں۔ پہلے تو یہ ارادہ تھا کہ تمام گولڈن برنز کو باری باری نپ کر دیں گے۔ اب سوچنا ہوں، مجھے گولڈن برنز کی ساتویں سیٹ حاصل کرنا چاہئے۔“

”تمہیں ساتواں گولڈن برنز بننے میں کافی عرصہ لگے گا اور یہ تم بھی طرہ جانتے ہو۔ اتنے عرصے تک رہنا بھی چاہتے ہو کیوں کہ پاپیلا کا جادو تم پر چل رہا ہے۔“

”امی! آپ پاپیلا کے چور خیالات بھی پڑھتی ہیں۔ یہ اعتراف کریں گی کہ وہ بہت اچھی بہت محبت کرنے والی شریکریات ہے۔“

”ہاں بیٹی! امیری دعا ہے اللہ تعالیٰ تم دونوں کو سلامت اور خوش حال رکھے۔ میں جاری ہوں اب آرام کرو۔“

”پلی کے جانے کے بعد علی نے وائریس کے کچھ پرزے نکال کر لگ گئے۔ کچھ دوسرے پرزے اس میں لگا دئے۔ جس کے نتیجے میں وائریس کی ساخت بدل گئی اور وہ ایک عام سائبروین بن گیا اس نے سے پیڑ پر رکھ دیا پھر ایسا کو بیارے دیکھا۔ دوسری نیند میں ڈوبی ہوئی تھی۔ نیند کی حالت میں اس کے گلابی ہونٹ ذرا سے کھل گئے۔ گلاب کی مٹھکنیاں کھل گئی تھیں۔ وہ کھلنے اور کھلنے کا انداز سے پارہا تھا۔ وہ خوابوں میں پکارنے والی پر جگ گیا۔

”دوسری صبح اس نے کھلی سے کہا۔“

”میں میں خواب گاہ سے لوگوں کا تو راجوس مجھے یہ وہ ظلم جانے کو کہے گا۔ میں وہاں جانے پہلے ان کے لئے ایک اور کارنامہ انجام دینا چاہتا ہوں۔“

”کیا کرنے کا ارادہ ہے؟“

”سوسانہ اور جبرائیل گرائٹ میاں اسرائیلی حکام کے لئے دہریہ رہتے ہوئے ہیں۔ میں انہیں یہاں سے بھاگ دوں گا تو یہ لوگ میری ذہانت کے اور زیادہ قائل ہو جائیں گے۔“

”سوسانہ اور جبرائیل اب یہاں ضروری نہیں ہیں۔ یہ ہمارے کارنامے کے باعث چلے جائیں گے تو کوئی فرق نہیں پڑے۔ تم کرنا کیا چاہتے ہو؟“

”دیکھئے ای! یہ قدرتی بات ہے کہ شذور نہایت ہی کمزور سے ڈرتا ہے یا حمار ہے۔ مثلاً اٹھنی کی سوغڑ میں چوٹی کی گھس جائے تو اس پہاڑ جیسے جانور کی جان پر بن آتی ہے۔ اگر ہم یہ ظاہر کریں کہ سوسانہ اور جبرائیل جیسے ناقابل شکست دیوتوں کا کالوچ (لالہ بیگ) سے ڈرتے ہیں یا درودہ دونوں یہاں کا کالوچ کی تعداد زیادہ دیکھ کر ملک سے طے جائیں تو یہودیوں کے سر سے پہاڑ اتر جائے گا اور میری کار کھوٹی کی دھاک چٹھ جائے گی۔“

”میں سوسانہ اور جبرائیل کو جا کر سمجھاتی ہوں کہ آئندہ انہیں کالوچ کو دیکھتے ہی خوف زدہ ہونے کی بھر پور رائیٹنگ کرنا ہے۔“

وہ ہلٹی گئی۔ علی لباس تبدیل کر کے باہر آیا۔ پامیلا میرا ہاتھ کی ڈشیں رکھ رہی تھی۔ راجروس پوچھ رہا تھا ”بھئی! کیا ابھی تک کارمن سو رہا ہے؟“

علی نے آتے ہوئے کہا ”نہیں! اگلے! میں حاضر ہوں۔ میں بے وقت سوتا نہیں اور بے وقت جاگتا بھی نہیں اور ان میں سے بھی نہیں جنہیں وقت کی غور کرنا پڑتی ہے۔“

”شبابش بیٹے! تم اصولوں کے پابند ہو۔ تمہاری ذہانت اور اصول پسندی بہت جلد تمہیں غیر متوقع بلندیوں پر لے جائے گی۔“

وہ کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولا ”یہ بلندی کم نہیں ہے کہ میں آپ کا داماد بن گیا ہوں۔“

پامیلا مسکرا کر اس کے آگے ہاتھ کی پلٹ رکھنے لگی۔ راجروس نے کہا ”تم دونوں کو شادی کے بعد سوٹر لینڈ وغیرہ جانا چاہئے تھا۔ تمہاری نئی ملازمت کے باعث پامیلا نے جانے سے انکار کر دیا لیکن کس تو تفریح کے لئے جانا چاہئے۔“

”اکل مصروفیات زیادہ ہوں تو تفریح کاموڈ نہیں بنتا۔“

”میں تمہاری یہاں کی ذمہ داریاں سنبھال لوں گا۔ تم کم از کم ریو حلیم تک ہو آؤ۔ وہ ہمارے لئے مقدس مقام ہے۔ وہاں میرا ایک دوست واسکوڈی قمر ہے۔ اس کے بچے میں تم دونوں کو ہر طرح کے آرام ملے گا۔“

”آپ کا مشورہ میرے لئے حکم کے برابر ہے۔ میں ضرور یاؤں گا۔ لیکن میں اپنے ملک کے کسی شہر کو کمزور نہیں دیکھتا چاہتا۔ ہمارا یہ شہر اہیب دو عدد دیوتوں کے باعث کمزور ہو گیا ہے۔ ہمارے لوگ ان پہاڑ جیسے میاں بڑی سے سے رہتے ہیں۔ ہماری پولیس ہماری فوج ان کا کچھ نہیں پاؤں گئی۔“

”اں! وہ بن بلائے سمان اور آتش جاں ہیں۔ فریادے نہیں ایک ریگوت کشوٹنگ بم کی طرح ہمارے سینے پر لا کر رکھ دیا۔ انہیں یہاں سے بھگا کر قریباً ممکن ہے۔“

”میں ممکن کو ممکن بنا سکتا ہوں۔ اگر حکومت مجھ سے تعاون کرے تو میں ایک ہفتے کے اندر اندر انہیں یہاں سے بھگا سکتا ہوں۔“

”ایک بات سے تو میرا جہر، یقین، دلالت ہوا کہ حکومت کا

بہر ہر تعاون تمہیں حاصل ہوگا۔“

”یہ تعاون اس طرح حاصل ہونا چاہئے کہ اس کا علم افراد اور اس کے تعلیمی معیے جاننے والوں کو نہ ہو سکے۔ یعنی میرے طریقہ کار کا علم صرف ہمارے ان افراد کو ہو جو ہر گاہ کے باہر ہوں اور دشمن خیال خرابی کرنے والے ان کے داغوں تک پہنچنے میں ناکام رہتے ہوں۔“

”یہ رازداری ممکن ہے۔ تم طریقہ کار بتاؤ؟“

”کیسے بتاؤں، ہمارے سامنے آہنی اور پامیلا بیٹھی ہیں اور دشمن ان کے داغوں میں آگتے ہیں۔“

راجرموس قائل ہو گیا۔ ناشتے کے بعد علی کے ساتھ اپنی خواب گاہ میں آکر بولا ”میرا دل کہتا ہے تم آہنی ارادوں کے مالک ہو۔ تمہیں ضرور کامیابی ہوگی۔ بتاؤ انہیں یہاں سے کیسے بھاگ سکتے ہو؟“

”انکل! وہ دونوں ریلوٹ جب سے یہاں آئے ہیں، میں ان کی ناک میں رہتا ہوں۔ ان کی کسی کمزوری کی تلاش میں رہتا آیا ہوں اور اب میں ان کی ایک کمزوری معلوم کر چکا ہوں۔“

اس نے بے تابی سے پوچھا ”کیا ہے وہ کمزوری؟“

”وہ دونوں کاکوچ سے ڈرتے ہیں۔“

”یہ کیا بات ہوئی؟“

”وہی بات کہ چیونٹی کبھی کبھی باہمی کی موت کا سبب بنتی ہے۔ یہ قدرت کا عجیب تماشا ہے کہ بلاشبہ ہر کانڈلا کر بھر کے زہریلے سانپ کو مار ڈالتا ہے کسی شہ زور کے جسم پر ایک چھوٹی سی پھنسی ہوتی ہے جو پھوڑا جاتی ہے۔ پھر ماورین کرش زور کے کسرتی جسم کو گلا دیتی ہے۔“

”اے۔ ان مثالوں سے تمہاری بات سمجھ میں آ رہی ہے۔ تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ وہ کاکوچ سے ڈرتے ہیں؟“

”میں نے ایک روز انہیں ایک جہل اسٹور میں دیکھا۔ وہ اپنی ضرورت کا سامان قیمت ادا کرتے ہوئے اٹھارے تھے۔ ایسے ہی وقت سوسانہ نے ایک جراثیم کش دوا کی بوتل اٹھائی تو بوتل کے لیبل پر کاکوچ کی تصویر دیکھتے ہی وہ چیخ پڑی اس کے ہاتھ سے بوتل چھوٹ کر گر پڑی۔ جراثیم بھی ٹوٹی ہوئی بوتل کے لیبل پر وہ تصویر دیکھ کر سہم گیا۔ فوراً ہی سوسانہ کا بازو پکڑ کر دوڑتا ہوا اسٹور سے باہر چلا گیا۔“

راجرموس نے کہا ”وہ کاکوچ کی تصویر دیکھ کر ڈر گئے تھے۔ ہمیں یہ آنا چاہئے کہ چیخ ایک کاکوچ ان کے سامنے آجائے“

”ان کا رد عمل کیا ہوگا۔“

”یہ میں نے آزمایا ہے۔ ہمارے شہر میں مشکل سے کاکوچ نظر آتے ہیں۔ میں نے بڑی تلاش کے بعد ایک کاکوچ پکڑا تھا پھر اسے ان کی ہائٹس گاہ کے اندر پھینک دیا تھا۔ تو وہی دیدہ بدھی نہ کہ کچھ دیر بعد اسے

تو شاید خوف سے وہ مرجاتا ہے، جبرائیل نے کھڑکی کے پاس آکر دورین سے کاکوچ کو جاتے ہوئے دیکھا پھر سوسانہ کو دکھایا تو دونوں مطمئن ہو گئے۔

”تم نے بڑی محنت اور کھوج کے بعد ان کی یہ کمزوری معلوم کی ہے۔ میں اپنے ذرائع استعمال کروں گا اور دو چار کاکوچ ان کی رہائش گاہ کے اندر پہنچا دوں گا۔“

علی نے کہا ”دو چار سے کام نہیں چلے گا۔ ہو سکتا ہے انہوں نے کاکوچ مارنے کی دوا اپنے پاس رکھی ہو۔ وہ دو چار کو اور دو چار سو کو دور ہی سے دواؤں کے ذریعے ہلاک کر سکتے ہیں۔ اپنی رہائش گاہ چھوڑ کر دوسروں کے جنگوں میں گھس کر رہ سکتے ہیں۔“

”تو پھر انہیں کس طرح ہموار جاسکتا ہے؟“

”سب سے پہلے تو فی ایب سے بلکہ تمام شہروں کی دکانوں سے کاکوچ مارنے کی دوا میں غائب کرادی جائیں۔ پھر بڑا دلوں لاکھوں کاکوچ اپنے ملک میں پیدا کئے جائیں۔ چون کہ ان کی پیدائش اور افزائش نسل کافی وقت لگے گا اس لئے دوسروں ملکوں سے کاکوچ امپورٹ کئے جاسکتے ہیں۔“

”میں سمجھ رہا ہوں۔ کاکوچ کلر دوا میں اس لئے غائب کی جائیں کہ سوسانہ اور جبرائیل دواؤں میں کیس سے حاصل نہ کر سکیں اور شہر میں اتنے کاکوچ ہو جائیں کہ وہ دونوں جس کھریں پناہ لینے جائیں وہاں انہیں نظر آئیں۔“

”میں یہی چاہتا ہوں انہیں کاکوچ سے کیس نجات نہ ملے۔ ہو سکتا ہے انہیں فی ایب میں کیس پناہ نہ ملی تو وہ بھاگ کر ہمارے کسی دوسرے شہر میں چلے جائیں۔ اس لئے دوسرے شہروں میں بھی لاتعداد کاکوچ ضرور ہوں۔“

وہ قائل ہو کر بولا ”اگرچہ یہ بڑی مشکل خیز طریقہ ہے لیکن اس طریقے پر عمل کرنے سے وہ دونوں ضرور بھاگ جائیں گے۔ میں نے ملک گیر کاکوچ مہم آج سے ہی شروع کرنا ہوں۔“

”لیکن اس طرح کہ افراد ہمیں الزام نہ دے۔ یہی محسوس ہو کہ قدرتی طور پر کاکوچ ہمارے ملک میں پیدا ہو گئے ہیں۔“

”بھئی! اطمینان رکھو۔ یہ کام نہایت رازداری سے ہو گا۔“

”دیے آج چھٹی کا دن ہے تمہارا کیا پروگرام ہے؟“

”ایمپلا کے ساتھ کہیں تفریح کے لئے جاؤں گا۔“

”بہتر ہے بد ظلم چلے جاؤ۔ میں اس دھوکائی قمر کو فون پر کہہ دیتا ہوں۔“

علی نے سعادت مندی سے یہ مشورہ قبول کر لیا۔ وہ جانتا تھا کہ راجرموس بنی امداد کو گھر سے دور بھیج کر خفیہ کرے میں جائے گا۔ اس نے یہ کیا۔ ایمپلا اور علی کے جانے کے بعد اس نے اپنی بیوی سے کہا ”میں رات کو اچھی طرح سو سکے گا۔ اب دروازہ اندر سے بند کر کے ایک آدھ گھنٹہ سوؤں گا۔ تم دروازے پر دستک نہ

یہی گھر کے کاموں میں لگ گئی۔ وہ خواب گاہ کے دروازے کو اندر سے بند کر کے خفیہ کمرے میں پہنچ گیا۔ وہاں آرام سے بیٹھ کر تمام گولڈن رینجز کو باری باری سیکھل دیا۔ جس کے مطابق سب ہی اپنے اپنے کیمپ ٹرکی ڈریلے ایک دوسرے سے منسلک ہو کر کاکوچ کے موضوع پر گفتگو کرنے لگے۔

ان کے درمیان اس معاملے میں تنقید بھی ہو رہی تھی اور تائید بھی کی جا رہی تھی۔ ایک گولڈن رین نے کہا ”ملک گیر کاکوچ ہم چلانا ایک وقت طلب مسئلہ ہے اس کے نقصانات بھی ہیں۔ ہمارے تمام شہری اور ہر گھر کا ہر فرد پریشان ہو گا۔ کاکوچ کی بستیات سے کھائے پینے اور دوسری استعمال کی چیزوں کو نقصان پہنچے گا۔“ دوسرے گولڈن رین نے کہا ”ملک کے تمام باشندے حکومت کی بد اعتدالی پر احتجاج کریں گے۔“

تیسرے نے کہا ”لائقہ اولال بیگم کو کنٹرول نہیں کیا جائے گا۔ وہ دفتروں اور عسکروں کی ہائیکس گاؤں میں پھیلیں گے۔ سڑکوں اور گلیوں میں دوڑتے پھریں گے۔ انہیں مارنے کی دوائیں نہیں ہوں گی۔ ہاتھوں سے کتے مارے جائیں گے۔“

راجرموس نے کہا ”جب تک وہ دونوں دیوث یہاں سے نہیں جائیں گے، ایک بھی کاکوچ کو نہیں مارا جائے گا۔ یہ ہماری پوری یودی قوم کے لئے تکلیف دہ بات ہوگی۔ ہمیں یہ مقررہ یاد رکھنا چاہئے کہ ایک دائمی تکلیف سے نجات حاصل کرنے کے لئے دوسری عارضی تکلیف کو برداشت کرنا چاہئے۔“

وہ سب کیمپ ٹرکس پر تھریرے ڈریلے گفتگو کر رہے تھے۔ دونوں دیوث پوری قوم اور ملک کے لئے مسئلہ بن گئے تھے۔ کاکوچ بھی مسئلہ بننے والے تھے۔ گولڈن رین واسکوڈی قمرانے کہا ”ہمیں اگر ان دیوث سے پیچھا پھڑانا ہے تو پوری قوم کے ساتھ کاکوچ کا عذاب برداشت کرنا ہو گا۔ مجھے راجرموس کے داماد کارمن ہیرالڈ کی تدبیر پسند آئی، اگر ہم سوسانہ اور جبرائیل کو یہاں سے بھگانے میں کامیاب ہو جائیں گے تو یہ کارمن ہیرالڈ کا دوسرا بڑا کارنامہ ہو گا۔“

دوسرے تمام گولڈن رینز نے کئی اعتراضات کے باوجود اس بات سے اتفاق کیا کہ ہزار مصائب برداشت کر کے بھی دونوں دیوث سے نجات حاصل کی جائے۔

انہوں نے فوج کے افسران سے رابطہ کر کے رازداری سے سمجھایا کہ ملک کے ہر شہر اور ہر مکان سے کاکوچ بکھر دوائیں ضبط کر لی جائیں اور یہ جواز پیش کیا جائے کہ میڈیکل رپورٹ کے مطابق وہ دوائیں ناقابل استعمال ثابت ہوئی ہیں۔ ان کے استعمال سے انسانی جانوں کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔

پھر ان لیبارٹریز پر توجہ دی گئی جہاں جانوروں اور کیتروں کو ڈوں پر طبی تجربات کئے جاتے تھے۔ فوجی افسران نے ان لیبارٹریز کے ڈاکٹروں کو حکم دیا کہ وہ مرغی فارم کی طرح کاکوچ فارم

قائم کریں اور انجکشن اور دواؤں کے ڈریلے زیادہ سے زیادہ کاکوچ پیدا کریں۔

چوبیس گھنٹوں کے اندر ملک کے تمام شہروں میں سیکول کاکوچ فارم قائم ہو گئے۔ ان تمام فارموں سے ایک دن میں ہزاروں کاکوچ پیدا ہونے لگے۔ پھر ان کی تعداد لاکھوں تک پہنچ گئی۔ ابتداء میں انہیں باریک آہنی جالیوں کے بیچوں اور بڑے بڑے ڈبوں میں بند رکھا گیا لیکن بڑھتی ہوئی تعداد کا قابو سے باہر ہونے لگی۔ وہ سڑکوں اور گلیوں میں نکل آئے۔ انہیں خاص طور پر تل ایب میں اور اس علاقے میں لایا گیا جہاں سوسانہ اور جبرائیل قائم تھا۔

لیٹی نے مجھے علی کی پلاننگ بتائی تھی۔ میں نے سوسانہ اور جبرائیل کو اچھی طرح سمجھا دیا تھا کہ وہ کاکوچ کو دیکھتے ہی ایسے خوفزدہ ہوں جیسے ان کی جان ٹکلی جا رہی ہو۔ علی کی پلاننگ کے پانچویں دن وہ کاکوچ منظر عام پر آئے۔ لگے سوسانہ اور جبرائیل نے اداکاری شروع کر دی۔ وہ جیتنے چلاتے رہائش گاہ سے باہر آئے۔ سامنے والی ایک کوٹھی میں پہنچ کر مالک مکان سے کہا ”ہم ایک اعلیٰ حاکم سے فون پر رابطہ قائم کرنا چاہتے ہیں۔ ہمیں فون کرنے دو۔“

مالک مکان نے کہا ”فون تو آپ کے گھر پر ہی ہے۔“

”ہے، مگر وہاں کاکوچ ہیں۔ ہم اپنے گھر میں نہیں جائیں گے۔“

”کاکوچ ہمارے گھر میں بھی پیدا ہو گئے ہیں۔ ہم خود ان سے پریشان ہیں۔“

سوسانہ نے سہم کر پوچھا ”کیا یہ بلا ہمارے گھر میں بھی ہے؟“

بمجرد دونوں جواب سنے بغیر وہاں سے بھاگتے ہوئے اپنی کار میں آئے۔ اس میں بیٹھ کر ایک حاکم کے بیچ کی طرف روانہ ہو گئے۔ راستے میں بے شمار لوگ پریشان نظر آ رہے تھے۔ عورتیں گھروں سے نکل کر علاقے کی دوسری عورتوں سے اسی بلا کی شکایتیں کر رہی تھیں جو اب ایک عام شکایت بن چکی تھی۔

وہ حاکم کے بیچے میں پہنچے تو وہ بیچے کے باہر ملازمین کو ڈانٹ رہا تھا ”یہ اتنے کاکوچ کہاں سے آئے؟ تم لوگ دوائیں نہیں چھڑکتے؟“

پھر اس نے دونوں دیوث کو دیکھ کر پریشانی سے پوچھا ”مجھ سے کیا شکایت ہے؟ فون پر کہہ دیا ہوتا، یہاں آنے کی زحمت کیوں کی؟“

جبرائیل نے کہا ”ہماری رہائش گاہ میں کاکوچ آ گئے ہیں۔ جب تک وہاں مکمل صفائی نہیں ہوگی، ہم یہاں ہمارے ساتھ رہیں گے۔“

وہ بولا ”میرے گھر میں بھی یہی مصیبت ہے، اسی لئے میں اپنے گھر سے نکل آیا ہوں۔“

اعلیٰ حاکم کے سیکرٹری کے ہاتھوں میں ایک موبائل فون تھا۔ وہ کسی سے باتیں کر رہا تھا۔ اس نے ریسپورڈ کر کہا ”سراسیمہ شہری ہپارٹمنٹ کا افسر کہہ رہا ہے، ڈی ڈی ٹی اور دوسری تمام جرائم میں کل دوائیں ختم ہو چکی ہیں۔ حتیٰ کہ بازار میں بھی یہ دوائیں نہیں ہیں۔“

حاکم نے کہا ”میں انہیں ہیں تو حیف، جانف یا یروہلم سے دوائیں منگواؤ۔“

سیکرٹری پھر رابطہ قائم کرنے لگا۔ یکے بعد دیگرے تمام شہروں کے متعلقہ شعبوں اور افسروں سے باتیں کرنے لگا۔ ہر جگہ سے یہی جواب ملا کہ وہاں بھی کاکوچ بلا کی طرح ہر طرف نظر آ رہے ہیں اور دوائیں آؤٹ آف مارکیٹ ہیں۔

جب یہ معلوم ہوا کہ پورے ملک میں یہ بلا پھیلی ہوئی ہے تو سوسانہ نے کہا ”جبرائیل، انرپورٹ چلو۔ ہم اس ملک میں ایک منٹ بھی نہیں رہیں گے۔“

وہ دونوں دوڑتے ہوئے اپنی کار میں آئے۔ اس وقت تک کار میں بھی کچھ لال بیک پہنچ گئے۔ وہ دونوں چپیں مار کر دوڑ چلے گئے۔ حاکم کے ملازموں نے کار میں گھیر کر انہیں قتل کیا۔ پھر انہیں باہر نکال کر پچھکابت وہ دونوں اندر آئے۔ گاڑی کو اشارت کیا اور انرپورٹ پہنچ گئے۔

اس دوران میں وہاں کے اعلیٰ حکام سے شکایتیں کر رہا تھا کہ انہوں نے میرے دونوں دیوث کو وہاں سے بھگانے کے لئے اپنے پورے ملک میں کاکوچ کی وبا پھیلانی ہے تاکہ انہیں کسی علاقے میں پناہ ملے۔ وہ جہاں جائیں انہیں وہ بلا نظر آتی رہے۔

اور وہ یقین دلارہے تھے کہ انہوں نے لاکھوں کاکوچ پیدا نہیں کئے ہیں۔ یہ قدرتی عذاب ہے۔ وہ اعلیٰ حکام واقعی یہی سمجھ رہے تھے۔ گولڈن رینز نے انہیں رازدار نہیں بنایا تھا۔ انہوں نے صرف انرپورٹ پر دواؤں کا خام انتظام رکھا تھا۔ اوپر آنے والے کاکوچ مر رہے تھے یا رات بول رہے تھے۔ یہ خصوصی انتظام اس لئے تھا کہ دونوں دیوث کو صرف انرپورٹ میں پناہ ملے اور وہ وہاں سے دوسرے کسی ملک کے لئے روانہ ہو جائیں۔“

آخر کار وہ دونوں وہاں سے روانہ ہو گئے لیکن اپنے پیچھے پوری یودی قوم کو کاکوچ کے عذاب میں جکڑا کر گئے۔ کاکوچ کل دواؤں کا انتظام خاص مقدار میں کیا گیا تھا اور انہیں چھپا کر رکھا گیا تھا۔ دونوں کے جاتے ہی دوائیں باہر بازاروں میں آ گئیں۔ سرکار کی طرف سے دوائیں سپرے کرنے والے دن رات سڑکوں گلیوں اور بازاروں میں دوائیں پھرنے لگے۔ صفائی کی مصممیں لاکھوں افراد مصروف رہے تب ایک ہفتے کے بعد کسی نہ کسی ناکارہ دوا سے نجات ملی۔ اس کے بعد بھی مکانات اور دکانوں کے گوشوں میں اور گوداموں میں رہ گئے جو میمون تک نظر آتے رہے۔

راجرموس نے علی کو مشورہ دیا تھا کہ وہ پامیلا کو لے کر بحری جہاز میں چلا جائے۔ وہ جہاز اسرائیل کے مغربی ساحل کے قریب سمندر میں تھا۔ وہاں کاکوچ پہنچ نہیں سکے تھے۔ علی وہاں سکون سے پامیلا کے ساتھ وقت گزار سکتا تھا لیکن اس نے کہا ”موترا نکل! ہماری پوری قوم مصیبتوں میں مبتلا رہے گی۔ اپنے لوگوں کے ساتھ میں بھی مصیبت برداشت کروں گا۔ یہی حب الوطنی ہے۔“

دوسرے تمام گولڈن رینز نے بھی اس کے اس جذبے کی قدر کی اور اس کے دو اہم کارناموں کے ریکارڈ کی ایک فائل تیار کر لی۔ یہ بہت بڑا کارنامہ تھا کہ علی نے یودیوں کے باقی جہز پار کرنے کو گرفتار کیا تھا اور اس ٹیلی ویژن جانے والے کو ہاتھ سے نکلے نہیں دیا تھا۔ ورنہ یہ ملک ایک خیال خوانی کرنے والے سے محروم ہو جاتا۔ اب جہز پار کرنے کا رین واش کر کے پھر اس کے ٹیلی ویژن کے علم کو کام میں لایا جاسکتا تھا۔

دوسرا بڑا کارنامہ یہ ہوا کہ علی کی تدبیر سے دو خطرناک دیوث کسی خون خرابے کے بغیر ملک چھوڑ کر چلے گئے تھے اور علی کی یا کارمن کی حب الوطنی کا یہ عالم تھا کہ وہ اپنی قوم کو مصیبت میں چھوڑ کر نہیں گیا تھا۔ اپنے لوگوں کے ساتھ مصیبت کے وہ دن گزار رہے تھے۔

ان دنوں وہ نئے یروہلم کے ایک بیچلے میں پامیلا کے ساتھ تھا۔ واسکوڈی قمرانے وہ لنگا انہیں عارضی رہائش کے لئے دیا تھا۔ لیکن وہاں تقریباً پانچ دنوں تک اپنی مومن نہ مٹا سکے۔ دن رات کاکوچ مارتے ہوئے گزار دئے۔ پامیلا اپنا سر پکڑ کر کہتی تھی ”یہ ہم پر کیسی مصیبت آگئی ہے۔ آخر اتنے کاکوچ کہاں سے پیدا ہو رہے ہیں؟“

علی نے کہا ”معلوم ہوتا ہے، یہ آسمانی عذاب ہے۔“

”ہم تل ایب ایب واپس جائیں گے۔“

”وہاں بھی لال بیگم کی سرخ فوج شاہراہوں اور گلیوں میں پڑھ کر رہی ہے۔ ہمارے ڈی ڈی نے فون پر بتایا ہے کہ پورے ملک میں یہ آفت آئی ہوئی ہے۔“

وہ پریشان ہو کر بولی ”اوہ گاڈ! یہ لال بیک دیکھنے کے بعد کھانے کو بھی نہیں کرتا۔“

”لال بیک کھانے کی ضرورت ہی کیا ہے۔“

وہ ہنس پڑی۔ پھر بولی ”پلیز مجھے نہ ہنساؤ۔ یہ لال فوج دیکھ دیکھ کر دل گھبرا رہا ہے۔“

”جب دل گھبراے تو دل کو بھلانے کی کوشش کرنا چاہئے۔ چلو باہر چلیں۔“

”پدوسی کہہ رہے تھے کہ راستے گلیوں میں بھی یہ مصیبت پہنچتی ہے۔ یہی ہے تفریح کا خاک مزہ آئے گا۔“

”مزہ آئے گا۔ ہم گاڑی کے پیچھے چھا دیں گے۔“

انہوں نے دو ملازم خاص طور پر کاکوچ مارنے کے لئے رکے

تھے ان میں سے ایک ملازم نے کار کی صفائی کی۔ جو کالوچ اندر تھے۔ انہیں باہر نکالا۔ پھر علی پامیلا کے ساتھ اگلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ گاڑی کے شیشے پر حماد نے پامیلا نے گاڑی اشارت کر کے آگے بڑھائی۔ اعلیٰ سے باہر آکر راستوں سے گزرتے ہوئے انہوں نے لوگوں کو پریشان دیکھا۔ انکو غور میں اور بچے کالوچ سے ڈرتے ہوئے جی رہے تھے۔ ادھر سے ادھر بھاگ رہے تھے۔ ان کے لوگ انہیں سمجھا رہے تھے کہ لال بیک سے جانی نقصان نہیں پہنچتا اس لئے خوف زدہ نہیں ہونا چاہئے۔

پانچادس میں دوکانیں بند تھیں۔ گوشت، بڑی اور پھلوں کی دوکانیں کھلی تھیں۔ دوکان والوں اور خریداروں نے خرید و فروخت بھی جاری رکھی تھی اور کالوچ بھی مارتے جارہے تھے۔ پامیلا نے کہا ”مجھے ساتھ کیوں لاتے ہو۔ یہ قابل دید مناظر تو ہیں۔“

”جو مناظر قابل دید نہیں ہوتے۔ وہ سبق آموز ضرور ہوتے ہیں۔ انسان ان دیکھنے والے حقیر جانداروں کو جو تلوں سے مل رہا ہے۔ آج یہ حقیر تھوڑے آدمی سے شہر میں تو جوتوں سے سٹپے والا انسان ان سے پناہ مانگ رہا ہے۔ ان سے امان چاہتا ہے۔“

”واقعی آج ہم ان کے مقابلے میں کم تر ہیں۔ آخر ان پر کس طرح قابو پایا جائے گا؟“

”جب تک انہیں مارنے والی دوائیں بازار میں نہیں آئیں گی۔ یہ ہمارے اعصاب پر سوار ہیں گے۔“

اس نے ایک بینک کے قریب پہنچ کر پامیلا سے کہا ”گاڑی روکو۔“

اس نے کار روک دی۔ بینک کے اندر سے چند عورتوں کے چنچنے کی آوازیں سنائی دی تھیں۔ اس کے بعد ایک گولی چلنے کی آواز آئی تھی۔ وہ کار کا رداؤہ کھول کر باہر نکلا۔ پامیلا نے پوچھا۔

”کہاں جارہے ہو؟“

”بینک کے اندر کوئی گڑبڑ ہے۔ میں ابھی آتا ہوں۔“

وہ رداؤہ بند کر کے تیزی سے چلا ہوا بینک کے رداؤہ پر آیا۔ ایک شخص نے شاٹ گن سے اس کا نشانہ لیٹے ہوئے کلمہ ”رک جاؤ۔ بینک بند ہے۔“

علی نے کہا ”واہ کیا منظر ہے۔ تم نے میرا نشانہ لیا ہے اور کوئی تمہارا نشانہ لے رہا ہے۔“

نشانہ لگا لینے والے نے بے اختیار پیچھے سر ہموار کر دیکھا۔ علی نے ایک ٹھوکہ ماری۔ شاٹ گن اس کے ہاتھوں سے نکل کر فضا میں بند ہوئی۔ علی کا دوسرا ہاتھ اس کے منہ پر پڑا۔ وہ بینک کے اندر جا کر فرش پر گر گیا۔ علی نے شاٹ گن کو کھینچ کر دیکھا۔ اندر صرف ایک شخص کے ہاتھ میں روٹا ہوا تھا۔ اس نے بینک میز پر کالوچ پر لے رکھا تھا۔ بینک کا سیکورٹی گارڈ فرش پر مردہ پڑا ہوا تھا۔ علی نے اندر مچھتی ہی شاٹ گن سے فائر کیا۔ روٹا ہوا لالے کے ہاتھ میں گولی لگی۔ روٹا ہوا چھوٹ کر میز پر آیا۔ وہ دوسرے ہاتھ سے

اٹھانا چاہتا تھا۔ علی نے کہا ”خیر دارا ذرا بھی حرکت کرو گے تو زہر نہیں چھوڑاؤ گا۔“ میز پر روٹا ہوا اٹھا لیا۔ زخمی ڈاکو کو نشانے پر رکھ کر لالہ ”تم سب اپنے ہتھیار چھینک دو۔ ورنہ تمہارا یہ لیزر مر جائے گا۔“

ایک ڈاکو نے ہتھیار چھیننے سے پہلے میدان مارنے کی کوشش کی۔ میز پر کے ہاتھ سے روٹا ہوا گرنا چاہا۔ اس نے صبح نشانہ لیا۔ لیکن ہاتھ نہ گیا۔ گن سے نکلنے والی گولی اپنے ہی سامنے کو جا گئی۔ وہ دونوں بے حرکت رہا تھا۔ اچھل رہا تھا چلا کالوچ اس کی چٹون میں گھس گئے تھے اور اسے نچار رہے تھے۔

بچنے والے کے ایک ہاتھ میں گن اور دوسرے ہاتھ میں ایک اپنی تھی۔ لباس کے اندر سے کالوچ کو باہر نکالنے کے لئے دونوں ہاتھوں کی ضرورت تھی اور وہ گن نہیں چھوڑ سکتا تھا۔ اس گن کے ذریعہ جان بچا کر بھاگ جانے کی امید تھی۔ وہ اپنی پیچیدگی کالوچ مار سکتا تھا لیکن اپنی بھی امید تھی۔ اس میں ڈاکے کا مال بھرا ہوا تھا۔

علی ان سب کا راستہ روک دے رداؤہ پر کھڑا ہوا تھا۔ اس نے راستہ صاف کرنے کے لئے رداؤہ کی طرف دوڑ لگاتے ہوئے علی پر فائر کیا لیکن لباس کے اندر کی لال بیگیوں نے پھر اپنی چٹائی تھی۔ وہ دوڑنے کے دوران لڑکھڑا کر اونٹ سے منہ فرش پر گر گیا۔ اس کے ساتھ اپنی بھی گن گر کر کھل گئی۔ اندر سے نوٹوں کی گنڈیاں اور کئی کانڈات اور ایک ڈائری نکل کر فرش پر پھلتی ہوئی علی کے قدموں میں آئیں۔ علی نے پھسل کر آنے والے کے بازو میں گولی مار کر اس سے گن چھین لی۔

بینک کا عملہ ڈاکا ڈالنے والوں پر قابو پارہا تھا۔ علی جب تک ڈائری اور کانڈات فرش پر سے اٹھا رہا تھا۔ بازو پر گولی کھا کر زخمی ہونے والے نے کراہتے ہوئے کہا ”دوست! میرا ساتھ دو۔ میں تمہیں منہ مائی رقم دوں گا۔ ڈائری اور کانڈات چھالو۔ میں گرتا رہا ہوں گا۔ کوئی بات نہیں۔“ ان کانڈات پر جو نام اور پتہ لکھا ہے انہیں اس سچے پر پھینچا دو۔ پلیر انہیں فوراً چھادو۔“

علی نے فوراً یہ وہ کانڈات موڑ کر جب میں ٹھونس لئے۔ ڈائری بھی چھالی۔ پھر زخمی کے گردبان کو پکڑ کر اٹھارتے ہوئے بینک کے ایک ملازم کو مخاطب کیا ”اے مسٹر! ادھر آؤ اور یہ نوٹوں کی گنڈیاں میز پر کیس لے جاؤ۔“

میز پر آگے بڑھ کر علی کا شکر یہ ادا کرتے ہوئے مصافحہ کیا۔ تھوڑی دیر بعد پولیس والے آگئے۔ انہوں نے ڈاکا ڈالنے والوں کو حراست میں لیا اور علی سے پولیس اسٹیشن چلنے کو کہا۔ اس نے ٹھنی انجنس کے چپ و اسکوڈی تھوڑا قانون نمبر تھاکرا انسپکٹر سے کہا ”پلے اس نمبر بات کرو۔“

انسپکٹر نے رابطہ کیا۔ چپ کو بینک دیکھتی اور کار مارن ہیرالڈ کے متعلق بتایا۔ پھر علی نے رسیور لے کر کہا ”ہیلو! اکل! میں کار مارن

بول رہا ہوں۔“

واکوڈی تھوڑے کما ”شباب! میں نے تم سے فرض شناسی اور لبرٹی کا ثبوت دیا ہے۔ تم سے بہت خوش ہوں۔“

”نکل! باہر کار میں پامیلا میرا انتظار کر رہی ہے“ پولیس اسٹیشن جاؤں گا تو وہ پور ہو جائے گی۔“

”تم ہماری بیٹی کے ساتھ جاؤ۔ رسیور انسپکٹر کو دو۔“

اس نے رسیور اسے دیا۔ وہ رسیور کان سے لگا کر ”پلیس سر! میں سر کرنا باہر چلے گا۔ آپ جا سکتے ہیں۔“

وہ تیزی سے چلا ہوا باہر آیا۔ پامیلا نے اسے دیکھ کر رداؤہ کھول کر پھر کہا ”تم پولیس والے نہیں ہو۔ پھر خطرات میں کودنے کیوں چلے گئے۔ اگر کوئی لگ جاتی تو؟“

”میں پولیس والا نہیں ہوں لیکن وطن کے ہر فرد کو ضرورت کے وقت سپاہی بن جانا چاہئے۔“

وہ کار آگے بڑھاتے ہوئے بولی ”ڈیڑی تمہاری ذہانت اور لبرٹی پر قریان ہوتے رہتے ہیں لیکن میری تو جان نکلتی رہتی ہے۔ مجھے تمہاری ضرورت ہے۔ تمہاری لبرٹی کی نہیں۔“

”میری جان! اصلہ اور لبرٹی کے بغیر مودو نہیں ہوتا۔“

”اپنی مودو کی صرف میری ذات تک رکھو۔ دوسروں کو لبرٹی دیکھاؤ گے اور تمہیں ہلکی سی بھی خراش آئے گی تو میں دودھ کر جان دے دوں گی۔“

علی مسکرا کر رہ گیا۔ اب اسے کیا تا کہ زندگی کا ہر دن خطرات سے کھینچے ہوئے گزر رہا ہے۔ ان لمحات میں بھی اس نے خطرات کی بجائی کو دل میں تھاکا تھا۔ گولڈن برنز میں سے کسی کو اس کی اصلیت معلوم ہوتی تو کہیں سے بھی ایک اندھ بھی گولی انکرا اس کا کام تمام کر دیتی۔

وہ اپنے بیٹکے میں پہنچ گئے۔ انہوں نے قتل ایب سے آتے وقت سوچا تھا۔ وہ ٹھوں میں کھایا کریں گے اور دن رات تفریح کرتے رہیں گے لیکن کالوچ کی بلا نازل ہونے کے باعث وہ ٹھوں کا کھانا قابل قبول نہیں تھا۔ کیوں کہ باورچیوں کی ذرا سی غفلت سے کالوچ کا سامن تیار ہو سکتا تھا۔ اس لئے پامیلا خود ہی کھانا تیار کرتی تھی۔

وہ بچن میں جا کر مصروف ہو گئی۔ علی بیڈ روم میں آکر ایک صوفے پر بیٹھ گیا۔ پھر جب سے وہ کانڈات نکال کر پڑھنے لگا۔ وہ ڈائری اور کانڈات بینک کے لاکر سے نکالے گئے تھے۔ ان کانڈات پر مسٹر ایڈر کا نام پڑھ کر علی چوک گیا۔ کیوں کہ ایڈر سلومن ایک گولڈن برن کا نام تھا۔

ایک ہی نام کی بے شمار لوگ ہوتے ہیں۔ کوئی ضرورت نہیں تھا کہ ان کانڈات کا تعلق گولڈن برن ایڈر سلومن سے ہوتا۔ کسی ایڈر کی بیوی نے اپنی اہم دستاویزات لاکر میں رکھی ہوئی تھیں جو ایک ڈاکو کے ذریعے علی کے ہاتھ لگ گئی تھیں۔

ان کانڈات کے مطابق ایڈر کی بیوی امریکا کی ایک اسٹین کیلیفورنیا میں دس ہزار گز زمین کی مالک تھی۔ دوسری دستاویز کے مطابق ایڈر کا بیٹا سن شائن کار پینٹی کا مالک تھا۔ ایک اندازے کے مطابق اس بیٹی سے سالانہ لاکھوں ڈالر کا منافع حاصل کرنا ہو گا۔“

علی نے ڈائری کی ورق گردانی کی۔ اس کے صفحات پر بینک اکاؤنٹ کا حساب درج تھا۔ جس تاریخ کو بیٹی رقم جمع کرنا لگتی تھی، ان رقم کو جوڑنے سے پتا چلا کہ ایڈر کی بیوی نے امریکا کے ایک بینک میں ایک کروڑ بیس لاکھ ڈالر جمع کیے ہیں۔ یہ کوئی معمولی رقم نہیں تھی۔ اتنی رقم تو خوابوں میں نظر آتی ہے یا پھر اپنا وطن بچ کر اپنے منیر کو بچ کر حاصل ہوا کرتی ہے۔ ایڈر کی بیوی اور بچے اسرائیل میں رہ رہا ہاتھ مار رہے تھے۔

علی نے لپٹی کا انتظار کیا۔ جب وہ مقررہ وقت پر آئی تو اس نے ایڈر کی فلیکی کی منتقلی اسے بتایا پھر کہا ”ان کانڈات پر جو نمبر درج ہیں میں ان نمبروں پر رابطہ کرتا ہوں۔ آپ ذرا ایڈر کی بیوی کی اصلیت معلوم کریں۔“

اس نے رسیور اٹھا کر نمبر ڈائل کئے۔ رابطہ قائم ہونے پر دوسری طرف سے کسی نے رازدارانی سے پوچھا ”ہیلو! کون؟ مسٹر جیک؟“

لپٹی بولنے والے کے اندر پہنچ گئی۔ وہ ایڈر کا بیٹا شور سلوسن تھا۔ امریکا میں سن شائن موٹر کمپنی کا مالک بھی شور سلوسن تھا۔ اس کے خیالات نے بتایا کہ اس کا باپ ایڈر ایک گولڈن برن ہے۔

گولڈن برن ایڈر نہایت ذمے دار اور فرض شناس تھا۔ اس نے اپنی بیوی اور بچوں پر کبھی ظاہر نہیں کیا تھا کہ وہ ایک گولڈن برن ہے۔ وہ ایک سرکاری افسر کی حیثیت رکھتا ہے لیکن اس کی بیوی دیر سلوسن اور بڑے بیٹے شور سلوسن کو اس کی اصلیت معلوم تھی۔

جان لہوڈ کا شبہ تھا کہ ایڈر ایک بہت ہی اہم شخصیت کا مالک ہے۔ وہ یوگا کا ماہر تھا۔ اس کے چور خیالات نہیں پڑھے جا سکتے تھے۔ اس لئے لہوڈ نے اس کی بیوی دیر کو دولت اور جائداد کا لالچ دیا۔ امریکا کا یہ معاہدہ کیا کہ وہ ایڈر کے خلاف جاسوسی کرے گی اس کی اصلیت بتانے کی یا اعصالی کردہ کی دوا اسے کھلا کر اس کے دماغ میں پہنچنے کا موقع دے گی تو اسے امریکی حکومت تحفظ فراہم کرے گی۔

جان لہوڈ چاہتا تو دیر کے دماغ پر قبضہ جاکر ایڈر کو اعصالی کردہ میں جلا کر سکتا تھا لیکن ایڈر کھانے پینے کے معاملہ میں محتاط رہتا تھا۔ بیوی بچوں سے ہنسنے میں ایک بار لپٹی آتا تھا۔ ان کے ساتھ کچھ وقت گزارا تھا۔ کھانے پینے کے معاملے میں صاف کہہ دیتا تھا کہ وہ صرف اپنے ہاتھ کا تیار کیا ہوا کھانا کھاتا ہے۔ بازار کا

کوئی شروب تو کیا اپنی بھی نہیں پیتا ہے۔

ایسے میں جان لیوڑا کوئی ایسا قدم نہیں اٹھاتا چاہتا تھا جس سے ایڈر کو شبہ ہو اور وہ پہلے سے زیادہ محتاط ہو جائے۔ ویرانے جاسوسی کی۔ اس نے بتایا کہ اس کے شوہر کی برسات وادج میں ایک ننھی سی سرخ روشنی بھی کبھی چلتی جھپتی ہے اور وہ بیوی بچوں سے باتیں کرتے کرتے اچانک ضروری کام کا بھانڈا بنا کر چلا جاتا ہے۔

لیوڑا نے پہرا سڑک کے حتم سے دیر کو کیلیفورنیا میں فینس دیراں کے بیٹے شوہر سلومن کو سن شان موٹر کھنی کا مالک بنا دیا تب ویرانے اپنے شوہر ایڈر کو چھوٹی بیٹی کی ساگرہ میں شریک ہونے اور کھانے پینے پر مجبور کیا۔ چھوٹے بچوں کی ضد اور محبت سے مجبور ہو کر اس نے پہلی بار ان کے ساتھ کچھ کھایا پیا اور اعصابی کمزوری کا شکار ہو گیا۔ اتفاقاً ایڈر کے پہلے سے بچہ بیمار تھا۔ اس لئے اعصابی کمزوری کو برومی ہوئی بیماری سمجھ بیٹھا۔ اسے بیوی اور بڑے بیٹے پر شبہ نہیں ہوا اور جان لیوڑا اس کے دماغ میں پہنچ گیا۔

ایک بار قابو میں آنے کے بعد پھر وہ لیوڑا کے چنگل سے نہ نکل سکا۔ خوبی عمل کے ذریعے اس کا مشغول اور تابعدار بن کر وہ گیا۔ اب نازل حالت میں بھی سمجھتا تھا کہ وہ کسی کے زیر اثر نہیں ہے۔

لیٹی نے علی کو یہ تمام روداد سنائی۔ علی نے پوچھا "ایڈر پر توئی عمل کب ہوا تھا؟"

"ایک ہفتہ پہلے اس کی چھوٹی بیٹی کی ساگرہ تھی۔ اسی رات وہ اعصابی کمزوری کا شکار ہو گیا تھا۔ اس حساب سے جان لیوڑا اس کے دماغ میں چھ دن سے قہقہہ جمانے ہوئے ہے۔"

علی نے کہا "ابھی میں نے فون کیا تھا تو ایڈر کا بیٹا کسی جیکب کو پوچھ رہا تھا۔ یہ جیکب کون ہے؟"

"شاید وہی شخص ہے جسے تم نے جیکب میں ڈھکی کیا تھا اور اس نے کہا تھا کہ کانڈا میں جس کا نام اور پتا دوج ہے اس کے پاس جاؤ گے تو ہمیں منداگی رقم ملے گی۔"

"اکر وہ مجھے ایڈر کے بیٹے شوہر سلومن کے پاس جانے کو کہہ رہا تھا تو پھر اس نے شوہر اور اس کی ماں کا لاکر تو ذکر کیوں یہ کانڈا نکالے تھے؟"

"قصہ یہ ہے کہ شوہر کی ماں ویرا بچھلی رات مر گئی۔ مرنے سے پہلے اس نے فون پر اپنے شوہر ایڈر سے کہا کہ اب شاید میں مر جاؤں۔ اس سے پہلے اپنے خیر کار بوجہ ہلکا کرنا چاہتی ہوں۔ کیا ابھی میرے پاس آؤ گے؟"

دوسری طرف سے ایڈر نے کہا "تم باقی مرنے کے متعلق سوچتی ہو۔ معمولی بیماری ہے، صبح تک ٹھیک ہو جاؤ گی۔ میں فرصت لیتے ہی آ جاؤں گا۔"

وہ بولی "تمہیں کبھی فرصت نہیں ملے گی ہر حال مجھے کچھ ہو جائے تو میرا لاکر کھول کر وہ دستاویزات پڑھ لیتا جو میں نے تم سے

چھپا کر دیاں رکھی ہیں۔"

فون پر ہونے والی ماں باپ کی باتیں بیٹے نے سن لی تھیں۔ اس نے سوچا۔ ماں مرنے سے پہلے خیر کار بوجہ ہلکا کر دی ہے۔ باپ کو حقیقت معلوم ہو گئی تو ماں کی کیلیفورنیا والی زمینوں کے ساتھ میری موٹر کھنی بھی ہاتھ سے نکل جائے گی۔ میرا محب وطن باپ دشمن کی دولت اور جائیداد قبول نہیں کرے گا۔ مجھے سمجھ ہوئے ہی اپنے اور میری کے لاکر سے تمام اہم چیزیں نکال لینا چاہئے۔

یہ سوچ کر وہ اپنے کمرے سے نکل کر ماں کے کمرے میں آیا تو وہ بستر پر جا رہا تھا۔ شانے چت پر بیٹھ چکی تھی۔ اس نے دروازے پر سے کہا "کسی تمہیں مرنے پر توشوق سے مر جاؤ مجھے تو نکال بنا کر نہ جاؤ۔ پلے ڈیڑی کے سامنے اپنے خیر کار بوجہ ہلکا نہ کرو۔ اپنے لاکر کی چابی مجھے دو۔"

ماں کی طرف سے جواب نہیں ملا۔ اس نے قریب آ کر دیکھا تو پتا چلا وہ مرجی ہے۔ اس کی موت نے ریشاں کر دیا۔ وہ لاکر کی چابی دینے سے پہلے مرجی تھی۔ وہ چابی باپ کو مل جاتی۔ یا نہ بھی جاتی تو بیوی کی موت کے بعد شوہر کو لاکر کھولنے یا تڑوانے کا حق حاصل ہو جاتا۔

اس نے مردہ ماں کی تلاشی لی۔ نکلنے کے نیچے دیکھا۔ الماریاں اور سوٹ کیس وغیرہ کھول کر ایک ایک چیز کو الٹ پلٹ دیا لیکن لاکر کی وہ چابی نہیں ملی۔ مرنے والی شوہر سے یہ کہہ گئی تھی کہ وہ لاکر کھول کر دستاویزات نکالے گا اور بڑے گا تو وہ اہم باتیں معلوم ہو جائیں گی جو وہ فون پر نہیں کہہ پائی تھی۔

اس طرح یہ اندیشہ پیدا ہو گیا تھا کہ ایڈر مرنے کے بعد ہی اپنی بیوی کا لاکر ضرور... کھولے گا۔ شوہر سلومن کے سامنے۔ لاکھوں کوڑوں کی دولت اور جائیداد بچانے کا ایک ہی راستہ تھا کہ قانونی طور پر لاکر کھولوانے سے پہلے بیٹا باپ سے پہلے لاکر تڑوا دے۔

انہی حالات سے مجبور ہو کر شوہر سلومن نے ایک بدنام مجرم جیکب کو پچیس ہزار شیال جینٹی ادا کئے اور کہا "جیکب میں ڈاکا ڈالو۔ لاکر نمبر دو سو دو اور دو سو تین کو توڑ کر اس کے تمام کانڈا نکال لے آؤ۔ اس ڈاکے میں جتنی رقم ہاتھ آئے گی، وہ سب تمہاری ہوگی۔ مجھے صرف دونوں لاکر کے کانڈا اور ایک ڈائری لادو۔"

لیٹی نے علی کو تمام روداد سناتے ہوئے کہا "اس طرح وہ ڈاکے کی واردات عمل میں آئی اور یہ کانڈا تمہارے ہاتھ آ گئے۔" علی نے کہا "اس کا مطلب ہے۔ کل رات سے جان لیوڑا ان میں سے کسی کے دماغ میں نہیں آیا ہے۔ اگر آتا تو شوہر سلومن کو یقین دلا تا کہ اس کا باپ لاکر کھول کر بھی بیٹے کو موٹر کھنی وغیرہ سے محروم نہیں کرے گا کیوں کہ باپ اس ٹیلی بیٹھی جاننے والے کا تابعدار ہے۔"

"یہی بات ہے" جان لیوڑا کہیں دوسرے معاملات

میں مصروف ہے۔"

علی نے ریسور اٹھا کر نمبر ڈائل کئے پھر رابطہ ہونے پر واسکوڈی تھا رہے کہا "انکل! ایک اہم معاملے پر بات کرنا چاہتا ہوں۔ آپ یہاں آ جائیں یا مجھے بلا لیں۔"

"میں ابھی آ رہا ہوں۔"

علی نے ریسور رکھ کر کہا "اسی اہم خوش ہو رہے تھے کہ ہم نے اپنی ذہانت سے گولڈن رینجز کے درمیان جگہ بنالی ہے لیکن دشمن بھی ہم سے کم نہیں ہیں۔ لیوڑا بھی ان کی درمیان جگہ بنا چکا ہے۔"

"بیٹے! تمہارے مقابلے میں آنے والا کوئی بھی دشمن معمولی نہیں ہو سکتا دیکھو آج تو تم اسے گولڈن رینجز کے درمیان سے اٹھاؤ گی جیکب کو گے۔"

جان لیوڑا واقعی پچھلی رات سے دوسرے معاملات میں مصروف ہو گیا تھا۔ اسے اطمینان تھا کہ ایک گولڈن برین اس کا تابعدار ہے۔ وہ ہمیشہ قابو میں رہے گا۔ کوئی گڑبڑ نہیں ہوگی۔ مگر گڑبڑ ہو چکی تھی۔ وہ اپنے معمول گولڈن برین ایڈر کے پاس آیا تو اس کے خیالات نے بتایا کہ اس کی بیوی ویرا مرجی ہے اور مرنے سے پہلے یہ بتا گئی ہے کہ چند خفیہ کانڈا جیکب کے لاکر میں رکھے ہوئے ہیں۔

لیوڑا نے اس کے بیٹے شوہر کے دماغ میں آ کر کہا "تمہاری ماں نے مرنے سے پہلے حماقت کی ہے لیکن میں تمہارے باپ کو لاکر کے وہ کانڈا نکال دیتے ہیں۔ دوں گا۔ تم پر کوئی شبہ نہیں کرے گا۔" شوہر نے کہا "کل سے کہاں غائب تھے؟ معاملہ پیچیدہ ہو گیا ہے۔ جب تم نہیں آتے تو میرے سامنے ایک ہی راستہ رہ گیا تھا کہ تمہاری لاکر کو تڑوا کر دیاں سے کانڈا نکالوں۔"

لیوڑا نے پوچھا "مگر جیکب کا لاکر کیسے تڑوا سکتے تھے؟" "ایک بدنام مجرم نے میرے لئے ڈاکا ڈالا تھا۔ مجھے امید تھی وہ لاکر سے میری مطلوبہ چیزیں لے آئے گا۔ جب کافی انتظار کے بعد وہ نہیں آیا تو میں جیکب کی طرف گیا۔ وہاں پتا چلا ڈاکا ڈالنے والے پکڑے گئے ہیں۔ پتا نہیں وہ ہمارے لاکر تک پہنچا تھا یا نہیں؟ اگر پہنچا ہو گا تو ہمارے کانڈا تو پولیس کے ہاتھ لگ گئے ہوں گے۔"

لیوڑا نے غصے سے کہا "تم نے جلدی بازی میں بڑی حماقت کی ہے۔ جیکب میگزین کا فون نمبر ڈائل کرو۔ میں کانڈا کی متعلق ابھی معلوم کروں گا۔"

شوہر نے رابطہ کیا۔ لیوڑا اس کے ذریعے میگزین کے پاس پہنچ گیا۔ اس کے خیالات نے بتایا کہ ڈاکا ڈالنے والوں نے ویرا اور شوہر کے لاکروں کو فائر کر کے توڑا تھا۔ اس میں سے تمام سامان نکال لیا تھا لیکن گرفتاری کے بعد جیکب کی کوئی ہوئی صرف نقد رقم ہی واپس ملی۔ لاکر کا کوئی سامان نہیں ملا۔ گرفتار ہونے والا یہ بتانے کو تیار

نہیں ہے کہ وہ سامان کہاں غائب ہو گیا ہے۔ لیوڑا نے میگزین کو مائل کیا کہ وہ متعلق پولیس افسر سے رابطہ کرے اس نے رابطہ کر کے افسر سے پوچھا "کیا مجرم نے بتایا ہے کہ دونوں لاکروں کے کانڈا کہاں ہیں؟"

افسر نے کہا "میں۔ مجرم بہت ڈھٹ ہے۔ کہتا ہے تمام سامان اپنی جیب میں تھا۔ وہ اپنی جیب میگزین کے پاس پہنچادی گئی تھی۔" لیوڑا اس افسر کو حوالات میں جیکب کے پاس لے گیا پھر جیکب کے خیالات پڑھ کر معلوم کیا کہ ایک جوان نے اچانک جیکب میں آ کر ڈاکے کی واردات کو کاغذ بنایا تھا۔ وہی تمام کانڈا لے گیا ہے۔

لیوڑا نے پھر اس افسر کی سوچ پڑھ کر معلوم کیا کہ وہ نو جوان ملٹری انٹیلیجنس کے چیف واسکوڈی تھا کہ عزیز ہے اور اس کا نام کارمن ہیرالڈ ہے۔

افسر نے لیوڑا کی مرضی کے مطابق نمبر ڈائل کئے رابطہ قائم ہونے پر ایک ماتحت نے بتایا کہ چیف واسکوڈی قہراً دفتر سے گھر گئے ہیں۔

افسر نے گھر کا فون نمبر پوچھا۔ پھر اس نے نمبر رابطہ قائم کیا۔ دوسری طرف سے علی نے پوچھا "کیلو کون ہے؟"

افسر نے کہا "میں پولیس افسر ہوں۔ چیف سے بات کرنا چاہتا ہوں۔"



علی نے ریسور و اسکوڈی قہرا کو دیتے ہوئے کہا "گوئی پولیس افسر ہے۔"

اس نے ریسور لے کر پوچھا "ہیلو چیف بول رہا ہوں۔ تم کس علاقے سے بول رہے ہو۔"

دوسری طرف سے ریسور رکھ دیا گیا۔ وہ بھی ریسور رکھتے ہوئے بولا "شاید لائن کٹ گئی ہے۔"

اسی لمحے اس نے پرانی سوچی کی لہروں کو محسوس کیا پھر کہا "کوڈ ورنڈز ادا کرو۔"

یہ کہتے ہی اس نے سانس روک لی۔ پھر دوبارہ سانس لیتے ہوئے انتظار کرنے لگا۔ جان لیوڈا نے ایڈر کے داغ میں مدھ کرے مورگن کے کوڈ ورنڈز سننے سے جیسے مورگن کبھی ایڈر کے داغ میں آکر ضروری باتیں کیا کرتا تھا۔

جب واسکوڈی قہرا نے کوڈ ورنڈز کے متعلق پوچھا تو لیوڈا نے دوبارہ داغ میں جا کر وہی کوڈ ورنڈز ادا کئے۔ واسکوڈی قہرا نے فوراً ہی سانس روک کر اسے بھگا دیا اور سوچا۔ یہ کوڈ ورنڈز بے مورگن ایڈر کے داغ میں ادا کرتا ہے۔ اگر ابھی بے مورگن آیا تھا تو اس نے وہ کوڈ ورنڈز کیوں ادا نہیں کئے جو میرے لئے مخصوص ہیں۔

لیوڈا نے افسر کے ذریعے فون پر پہلے علی کی آواز سنی تھی۔ وہ واسکوڈی قہرا کے پاس سے نکام ہو کر علی کے داغ میں آیا۔ اس نے بھی سانس روک لی۔ کیوں کہ لیلی اس کے پاس آتے ہی کتنی تھی "امی ہوں۔"

علی نے کہا "انکل! ابھی کی میرے داغ میں آنا چاہتا تھا۔"

"ہاں بیٹے! میرے داغ میں بھی کسی نے آنے کی کوشش کی تھی۔"

"گوئی ٹیلی فنی جانے والا اس پولیس افسر کے ذریعے ہمارے پاس پہنچنا چاہتا تھا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسے ان کاغذات سے دلچسپی ہے۔"

واسکوڈی قہرا نے وہ کاغذات اور ڈائری پڑھنے کے بعد علی کو یہ نہیں بتایا تھا کہ وہ اور شور ایک گولڈن برین ایڈر کی بیوی اور بیٹا ہیں۔ ابھی لیوڈا نے ایڈر کے لئے مخصوص رہنے والے کوڈ ورنڈز ادا کر کے اس شے کی تصدیق کی تھی کہ وہ گولڈن برین ایڈر اور اس کی فیملی وطن سے غدار کی کر رہے ہیں۔

وہ کاغذات اور ڈائری لے کر وہاں سے اٹھتے ہوئے بولا "کارمن بیٹے! تم نہیں جانتے کہ اب تیری بار تم ایک اور کارنامہ انجام دے رہے ہو۔ میں تم سے بعد میں باتیں کروں گا۔ ابھی میرا جانا ضروری ہے۔"

وہ باہر کارمن آکر بیٹھ گیا۔ اسے اشارت کر کے دور تک ڈرائیو کرنا ہوا تھا پھر ایک جگہ روک کر اس نے ڈرائیو بورڈ کے خانے سے ایک جھوٹا نائبر نکالا۔ اسے آہستہ کیا۔ رابطہ قائم ہونے پر اس نے کہا "ہیلو! اپنا اڈت ایڈی بی ٹو واسکوڈی قہرا اسپیکنگ

مجھے پورا یقین ہے جی بی تھری ایڈر غدار ہے۔ تم جان لیوڈا کی آواز اور سنیے کو خوب پہچانتی ہو۔"

"جی ہاں۔ ابھی طرح پہچانتی ہوں۔"

"اس کا لہجہ اختیار کر کے ایڈر کے داغ میں جاؤ۔ کسی کوڈ ورنڈز کے بغیر جگہ مل جائے تو اس کا مطلب ہے ہو گا کہ ایڈر، جان لیوڈا کا معمول ہے اور تابعدار بن چکا ہے۔ تم خاموشی سے چور خیالات پڑھ آؤ۔"

اس نے رابطہ ختم کر دیا۔ پھر کار اشارت کر کے اسے ایک پرائیویٹ بنگلے تک آیا۔ اس بنگلے میں ویسا ہی ایک خفیہ کمرہ تھا جیسا کہ راجر موس کے بنگلے میں تھا۔ اس نے وہاں آکر کپیڈ ٹرک کے ذریعے راجر موس سے رابطہ کیا اور اسے موجودہ حالات بتائے۔

راجر موس نے کہا "میرے پاس ایلا آئی ہے۔ ابھی میرے اور اس کے درمیان جو گفتگو ہوئی ہے اسے میں کپیڈ ٹرک کے ذریعے تمہارے سامنے پہنچا رہا ہوں۔"

اپنے نے کہا "سرا! ایڈر مجب وطن ہے۔ کسی فریب میں آکر لیوڈا کا غلام بن گیا ہے۔ اس کی سوچ نے بتایا۔ اس کی بیوی دیر امر چکی ہے۔ اس نے موت سے پہلے کہا تھا کہ اس کے بچک کے لاکر سے اہم کاغذات نکال کر ضرور پڑھے جائیں لیکن بچک میں ڈاکا ڈالنے والوں نے وہ کاغذات غائب کر دیے ہیں۔"

واسکوڈی قہرا نے کہا "وہ کاغذات ہمارے پاس پہنچ گئے ہیں۔"

"سرا! ایڈر کے بیٹے شور کے بیٹے کے پاس جی تھی اس کی سوچ نے بتایا کہ جان لیوڈا نے ان ماں بیٹے کو کیلیفورنیا میں زمین دی ہیں اور انہیں ایک موٹر کھیتی کا مالک بنادیا ہے۔"

"شعر! ایلا! تم آرام کرو۔"

پھر اس نے راجر موس سے کہا "مفہوم! ہم نے ضرورت دھوکا کھایا ہے۔ جان لیوڈا ہمارے ایڈر کے داغ میں مدھ کر ہمارے تمام گولڈن برینز کے نام اور بچے معلوم کر چکا ہے۔ بہت سے اہم معاملات ہمارے راز دارانہ فیملی میں چکا ہے۔ ایسے بہت سے راز معلوم کر چکا ہے جنہیں ہم دنیا سے چھپاتے آ رہے ہیں۔ پھر یہ بھی معلوم کر چکا ہے کہ ہم امریکا کو کیسے کیسے جھنجھوڑوں سے بلیک میل کر کے اس سے ہماری امداد حاصل کرتے ہیں۔"

"بے شک" یہ ہمارے ساتھ میرا ہوا ہے۔ ہمیں فوراً حفاظتی اقدامات کرنے چاہئیں۔ سب سے پہلے ہم اپنے نام "بچے" اور کوڈ ورنڈز تبدیل کریں گے۔ یہ بات ہمارے حق میں ہے کہ ایڈر کسی گولڈن برین کو شکل سے نہیں پہچانتا تھا۔ یہ تو صرف ہم اور تم دو سرے گولڈن برینز کو شکل و صورت سے پہچانتے ہیں۔"

وہ آئندہ کے لئے اپنے طریقہ کار میں اور اپنی پالیسیوں میں تبدیلیاں کرنے کی پلاننگ کرنے لگے۔ راجر موس نے ایک اعلیٰ حاکم سے کہا کہ وہ امریکی حکام سے شکایت کرے کہ جان لیوڈا

ہمارے ملکی معاملات میں مداخلت کر رہا ہے۔

ادھر لیوڈا نے سمجھ لیا تھا کہ ایڈر کو گولڈن برین کے وعدے سے ہٹایا جائے گا۔ اس نے اس کے بیٹے شور سے کہا "تم باپ بیٹے کی شامت آگئی ہے اور یہ شامت لانے والا لٹری اٹھل جس کا بیٹا واسکوڈی قہرا ہے۔ اگر تم کسی طرح چیف کو زخمی کر دو تو میں اس کے داغ پر قبضہ جما کر اسے تمہاری حمایت میں بولنے پر مجبور کر دوں گا۔"

جان لیوڈا کی اب بھی کوشش تھی کہ کسی بھی گولڈن برین کے داغ پر قبضہ نہ کرے۔ اس کے درمیان پہلے کی طرح مدھ کر۔ وہ ایڈر کے ذریعے تمام گولڈن برینز کے نام بچے معلوم کر چکا تھا۔ اس نے یہ نام اور بچے شور کو بتائے اور وہاں قیام کرنے والے اپنے چند برٹ انجنیں کو بھی بتائے انہیں تاکید کی کہ ایک کھٹے کے اندر کسی کو بھی زخمی کرنا کسی طرح ان کے داغوں کو کمزور نہ کر دے۔ ویر

وہی تو وہ موجودہ رہائش گاہیں چھوڑ کر کسین روپوش ہو جائیں گے۔ امریکا ایک باپ کی طرح اسرا نیل کو اولاد سمجھ کر اس کی پرورش کرتا آ رہا ہے۔ اسے اسلامی ممالک کے مقابلے میں پرپارو

ابا رہا ہے لیکن یہ بھی سمجھتا ہے کہ اسرا نیل ناجائز اولاد ہے۔ وطن ملتے پر یہ باپ کی بھی پیٹھ پر پھرا گھونپ دے گا۔ اس لئے پھر سڑک کو یہ منظور نہیں تھا کہ گولڈن برینز اسرا بن کر رہیں اور امریکا کے مشورے کے بغیر وہ خارجہ پالیسیاں مرتب کریں جن سے بھی امریکا کو بھی نقصان پہنچ سکے۔

لیلی نے آکر علی سے کہا "ابھی میں شور کے پاس تھی۔ جان لیوڈا نے اس جان و قہر گولڈن برینز کے نام اور بچے بتائے ہیں۔ اسے تاکید کی ہے کہ ان میں سے کسی کو بھی فوراً دماغی طور پر

نور نہ بتائے تاکہ اسے خیال خرافی کے ذریعے گولڈن برینز کے رہبان رہنے کا موقع نہ ملے۔"

علی نے سننے ہی کارمن آکر بیٹھ گیا پھر بولا "آپ شور کو دیکھیں! اہم جانے وہاں تک آپ میری رازبانی کریں۔"

وہ بولی "ڈرا! قہر۔ شور اسی طرف آ رہا ہے کیوں کہ واسکوڈی

راکی ہاٹش ہیں۔ میں اسے ایک اور گولڈن برین جان نوئل

طرف لے جاتی ہوں۔ وہ شرایلات میں رہتا ہے۔"

"ٹھیک ہے! ای! اس طرح ایک اور گولڈن برین سے میرا

تق ہو جائے گا۔ میں ایلات کی طرف جا رہا ہوں۔"

لیلی چلی گئی۔ وہ تیز رفتاری سے کار ڈرائیو کرتے ہوئے سوچتے

جان لیوڈا صرف شور سے کام نہیں لے رہا ہوگا۔ اس کے اپنے

موس اور دوسرے آلہ کار بھی تمام گولڈن برینز پر حملہ کرنے

لے ہوں گے۔

تھوڑی دیر بعد لیلی نے آکر کہا "میں نے شور کو ایلات کے

سے پر لگا دیا ہے۔"

"امی! پتا نہیں لیوڈا کتنے آلہ کاروں سے کام لے رہا ہے ان

میں سے کوئی واسکوڈی قہرا کو نقصان پہنچانے آئے گا تو اس بنگلے میں پامیلا تنہا ہوگی۔"

"نگر نہ کرو۔ میں اس کا انتظام کرتی ہوں۔"

وہ پامیلا کے پاس آئی تو علی کا اندازہ درست ثابت ہوا۔ وہ

مغض جبرائیل میں محسوس آئے تھے اور واسکوڈی قہرا کو پوچھ رہے

تھے۔ پامیلا غصے سے کہہ رہی تھی "نکل جاؤ یہاں سے۔ انکل! تم

لوگوں سے نہیں ملیں گے۔"

ان دونوں نے پامیلا کو حمایت کر ایک کمرے میں بند کر دیا

تھا۔ ایک نے کہا "اگر تمہارا وہ انکل ہمیں نہ ملا تو تمہیں گوئی مار

دیں گے۔"

لیلی بولنے والے کے داغ میں آگئی۔ اسے اپنا آلہ کار ہیکار

اس کے ریل اور سے گوئی چلائی۔ اس کا ساتھی جی مار کیش کے

لئے خاموش ہو گیا۔

پھر لیلی نے اس کی زبان سے علی تھوڑے لمحے میں کہا "پامیلا!

میں آگیا ہوں۔ تم پریشان نہ ہو۔ تمہارے کمرے کا دروازہ کھول

کر دو سرے دشمن کو بھی ختم کر کے جا رہا ہوں لیکن تم ابھی باہر نہ

آنا۔"

پامیلا نے کمرے کے اندر سے پوچھا "مجھے تنہا چھوڑ کر کہاں

جارے ہو؟"

لیلی نے پھر اس کے ذریعے کہا "ان دشمنوں سے پتا چلا ہے کہ

ان کے ساتھی جان نوئل کو نقصان پہنچانے ایلات گئے ہیں۔ انکل

آئیں تو تار میں ایلات گیا ہوں۔"

لیلی نے اس آلہ کار کے ذریعے دوڑنے کی جتنی نیچے کر دی۔

پھر اسے خود کشی پر مجبور کر دیا۔ پامیلا نے دوسری مرتبہ فائزنگ کی

آواز سن کر پوچھا "کارمن! تم خیریت سے ہو؟"

اب گوئی جواب دینے والا نہیں تھا۔ لیلی پامیلا کے پاس

آگئی۔ وہ دوسری تھی اور سوچ رہی تھی وہ دوسری گوئی کارمن کو قہر

ہے اسی لئے جواب نہیں مل رہا ہے۔

لیلی نے اس کی سوچ میں تھکی دی "نہیں! میرا کارمن ایلات

گیا ہے۔ وہ خیریت سے ہے۔ مجھے کمرے سے نکل کر دیکھنا

چاہئے۔"

وہ ڈرتے ڈرتے باہر آئی۔ پھر دونوں دشمنوں کی لاشیں دیکھ کر

مطمن ہو گئی۔ اسی وقت فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ اس نے ریسور اٹھا

کر لیا۔ وہ دوسری طرف سے واسکوڈی قہرا نے کہا "بیٹی! چار مسلح

گارڈز بھیج رہا ہوں۔ وہ بنگلے کے اطراف میں پھرا دیں گے کارمن

کہاں ہے؟"

"انکل! یہاں وہ بد معاشوں نے مجھ پر حملہ کیا تھا۔ کارمن نے

دونوں کو ہلاک کر دیا ہے۔ ان کی لاشیں یہاں پڑی ہیں۔ مجھے ڈر

لگ رہا ہے۔"

"ریسور! کارمن کو رو۔"

”وہ ایلات گئے ہیں۔ یہ ہلاک ہونے والے بد معاش کہہ رہے تھے کہ ان کے ساتھی وہاں کسی جان نویل کو قتل کرنے گئے ہیں۔“

”بنی! تم ایک دلیر جوان کی شریک حیات ہو۔ حوصلے سے رہو۔ سٹل گاؤڑ بچ رہے ہیں۔“

رابطہ ختم ہو گیا۔ لٹلی نے علی کے پاس آکر یہ ساری روداد سنا دی اس نے کہا ”یہ آپ نے سمجھا کیا۔ اب یہ جواز پیدا ہو گیا کہ مجھے کسی جان نویل کے بارے میں جیسے معلوم ہو۔ ویسے امی! جان لیوڑا کی ناکام کوششوں سے ہمیں قائدہ بچ رہا ہے۔“

”یہ بات خود لیوڑا سمجھ رہا ہے کہ تمام گولڈن برنڈی رہائش گاہوں کے اطراف اب تک پہنچا ہوا چکا ہوگا۔ وہ ایک سوہوم سی امید پر کوشش کر رہا ہے۔“

واقعی اتنی دیر میں تمام گولڈن برنڈی حفاظت کا انتظام ہو چکا تھا۔ ان سب کی رہائش گاہوں کے اطراف مسلح فوجی جوان پہنچا دے رہے تھے لیکن جہاں ٹیلی فنی ہو، وہاں فوج اور ہتھیار بھی محض نمائش کی چیز بن کر رہ جاتے ہیں۔

جان لیوڑا اور اس کے ماتحت ٹیلی فنی جاننے والے کسی نہ کسی کو ذریعہ بنا کر فوجی جوانوں کے دماغ میں بچ رہے تھے۔ اسی طرح ایلات میں جان نویل کے بچنے کے اطراف سخت پہنچا تھا۔ شور وہاں پہنچا تو جان لیوڑا نے اس کی مدد کی۔ بڑی ہمت علی سے پیدا ہون کو نرپ کر آیا اور شور کے لئے بچنے کے اندر پہنچنے کا راستہ بنا لیا۔

راستہ اپنے لئے بنایا جاتا ہے اور جب بن جاتا ہے تو پھر دوسرے بھی اس پر چل کر آتے جاتے ہیں۔ شور کے پیچھے علی کے لئے بھی راستہ صاف ہو گیا تھا۔ جان نویل نے شور کو دیکھا پھر پریشان ہو کر پوچھا ”تم کون ہو؟ میری اجازت کے بغیر کیسے آئے ہو؟“

وہ بولا ”اجازت تم کبھی نہ دیتے۔ اسی لئے پہرا توڑ کر آیا ہوں۔ تمہیں جان سے نہیں ماموں گا۔ زندہ رہنا چاہتے ہو تو دماغ کے دروازے کھلے رکھو۔ آئے والے کو سانس روک کر نہ بگاڑو۔“

”میں کسی کو آئے نہیں دوں گا۔ میرا یہ دماغ ملکی رازوں کا امین ہے۔ جو بھی ان رازوں تک پہنچنے کے لئے آئے گا، میں سانس روک لوں گا۔“

وہ ریوالتور سے نشانہ لے کر بولا ”میں ہمیشہ کے لئے تمہاری سانس روک دوں گا۔“

لیوڑا نے کہا ”شور! یہ میرے جاتے ہی سانس روک لیتا ہے! اسے زخمی کر دو۔“

شور نے ٹیکر پر انگلی کا دباؤ بڑھتا چاہا۔ الپا نے کہا ”لیوڑا ایک تم ہی خیال خوانی نہیں کرتے۔ تمہارا یہ آلہ کار میری مرضی کے بغیر ٹیکر نہیں دے سکے گا۔“

شور کا دماغ لیوڑا اور الپا کی مکملش میں الجھ گیا۔ دونوں خیال خوانی کا زور لگا کر اپنا مقصد پورا کرنا چاہتے تھے۔ کبھی یوں لگتا تھا جیسے گولی چل جائے گی اور کبھی ریوالتور کا سرخ دوسری طرف ہو جاتا تھا۔ ایسے ہی وقت علی نے آکر اس کے ریوالتور پر ٹھوکر ماری۔ پھر محکمہ کر دوسری طرف ٹھوکر مارتے پر سید کر دی۔ ریوالتور ایک طرف گیا وہ دوسری طرف جا کر دیوار سے ٹکرا گیا۔ جیسے گیند دیوار سے ٹکرا کر واپس آتی ہے۔ ویسے یہ وہ آیا۔ آتے ہی کرانے کا ہاتھ مارنا چاہتا تھا۔ علی نے ہاتھ پکڑ کر سوز دیا۔

الپا شور کے اندر تھی۔ اسے یوں لگا جیسے شور کا ہاتھ آہنی کلکتے میں آیا ہو۔ جان لیوڑا اس کے اندر رہ کر زور لگا رہا تھا۔ گویا شور اور لیوڑا کی دفنی طاقت استعمال ہو رہی تھی اس کے باوجود آہنی کلکتے میں مڑا ہوا ہاتھ سیدھا نہیں ہو رہا تھا۔

علی نے کہا ”شور! میں نہیں جانتا کہ یہ مسر جان نویل کون ہیں لیکن تم انہیں کمزور بنا کر کسی ٹیلی فنی جاننے والے کو ان کے دماغ میں گھسنا چاہتے ہو تو اس کا مطلب ہے، مسر جان نویل میرے ملک کی اہم ترین شخصیت ہیں۔ میرے جیسے ہی کوئی میرے وطن کے کسی بھی اہم یا معمولی شخص کو کبھی نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔“

یہ کہتے ہی اس نے مڑے ہوئے ہاتھ کو ایک جھٹکا دیا۔ شور کے حلق سے ایک زوردار چیخ نکلی۔ اس کے ہاتھ کی پڈی ٹوٹ گئی تھی۔

الپا چونک کر اپنی جگہ دفاعی طور پر حاضر ہو گئی۔ بے اختیار اپنے ہاتھ کو یوں سلانے لگی جیسے شہ زور نے اس کا ہاتھ سوزا ہو۔ دل کی دھک دھک کہہ رہی تھی ”پھوڑ میری نازک کلائی!“ پھر وہ اپنی کلائی کو دیکھ کر اسے سلانے ہوئے سوچ رہی تھی ”اچھی تو یہ آزاد ہے۔ اس نے پکڑا نہیں ہے۔ جکڑا نہیں ہے۔ یہ تو احساس ہے جس نے جکڑ لیا ہے۔“

ادھر علی نے اس کا ہاتھ توڑ کر دھکا دیتے ہوئے اسے جان نویل کے قدموں میں میں گر دیا پھر کہا ”سرا میں نے اسے توڑ دیا ہے۔ مگر آپ ہوشیار رہیں۔ اس کے دماغ میں کوئی دشمن چھپا ہوا ہے۔“

جان نویل نے قریب آکر اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر پوچھا ”جوان، تم کون ہو؟“

”میرا نام کارسن بیرالڈ ہے۔ میں راجرموس کا داماد ہوں۔“ اس نے حیرانی اور خوشی سے دیکھا پھر اسے گلے لگاتے ہوئے کہا ”تم مسر مرسوس کا داماد ہو تو پھر میرے بھی بیٹے ہو۔“

علی نے گلے لگنے کے بعد اسے ایک طرف دھکا دیا۔ اس لئے غنائیں کی آواز کے ساتھ ایک گولی ان کے درمیان سے گزری۔ علی نے محکمہ کمر لات ماری۔ ریوالتور پھر ایک بار شور کے ہاتھ سے نکل کر دور چلا گیا۔ جان لیوڑا، شور کی تکلیف کے باوجود اسے حمایت کر فرش پر پڑے ہوئے ریوالتور کے طرف لے جانے لگا۔

علی نے رہ اور اٹھا کر جان نوبل سے کہا "ابھی میں نے کہا تھا کہ اس کا ہاتھ توڑ دیا ہے لیکن کوئی دشمن اس کے اندر ہے اس نے ہمیں غافل سمجھ کر گولی چلائی تھی۔ اب میں اسے گولی ماروں گا تو دشمن اس کے دماغ میں نہیں رہ سکے گا۔"

یہ کہنے ہی اس نے شور کو گولی مار دی۔ جان لیوڈا کا محاذ ختم ہو گیا۔ اب وہ جان نوبل کو نقصان پہنچا کر اس کے دماغ میں نہیں جا سکتا تھا۔ اس لئے گولڈن برین راجروس کی طرف گیا تاکہ کارسن سے انتقام لینے کے لئے اس کے سر کے دماغ میں اپنے آئندہ کاموں کے ذریعے جگہ بنانے کی کوشش کرے۔

ادھر الپا پھر شور کے پاس آئی تھی اور اسے گولی لگتی ہی اپنی جگہ حاضر ہو گئی تھی۔ اب وہاں کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ چائیں اپنے اندر کیا ہو گیا تھا کہ وہ پھر اس کی آواز اور پھر جیسا لہجہ سنتا چاہتی تھی۔

اس نے ریمپور اٹھا کر جان نوبل کے نمبر داخل کیے۔ دوسری طرف جان نوبل نے ریمپور اٹھا کر کہا "ہیلو کون ہے؟"

"سر میں الپا ہوں۔ کوڈ نمبر اے ایل اے ڈیٹل دن ہے۔"

"ہاں بولو۔ خیریت ہے؟"

"جی ہاں۔ تھوڑی دیر پہلے میں اس قاتل کے دماغ میں تھی جو اب محتول ہو گیا ہے۔ آپ کی حفاظت کرنے والا جوان شاید کارسن بیرلڈ ہے۔ مجھے اس کا موبائل نمبر چاہئے تاکہ میں اس کی ذہانت اور دلیری سے کام لے سکوں۔"

جان نوبل نے علی سے کہا "ہماری ایک خیال خوانی کرنے والی الپا کا فون ہے۔ تم اپنا موبائل فون نمبر بتاؤ۔"

علی نے نمبر بتاتے جان نوبل نے وہ نمبر الپا کو بتا دئے۔ علی نے کہا "مجھے مرنے والے کوڈ نمبر معلوم ہونے چاہئیں۔"

الپا نے فون کے ذریعے کہا "کوڈ نمبر میں کوڈ ورڈز بتا رہی ہوں اور وہ یہ ہیں۔ محبت کے ایک چراغ سے دوسرا چراغ روشن ہوتا ہے۔"

جان نوبل نے ہنستے ہوئے کہا "بھئی جانوں کے کوڈ ورڈز ایسے ہی ہوتے ہیں۔"

اس نے علی کو کوڈ ورڈز سنائے پھر ریمپور دیا۔ وہ ریمپور کان سے لگا کر پھر جیسے جیسے میں بولا "مجھے یہ کوڈ ورڈز پسند نہیں ہیں۔ جب بھی مجھ سے رابطہ کرو تو یہ کوڈ "محبت کو بھول جاؤ فرض کو یاد رکھو۔"

وہ بولی "چلو فرض ہی سہی۔ رابطہ کا کوئی توبانہ رہے گا۔ یہ بتاؤ ابھی تمہارے لئے کیا کر سکتی ہوں۔"

"سسر راجروس کی خیریت معلوم کرو۔"

وہ گئی۔ پھر چند سیکنڈ بعد آکر بولی "میری خبر ہے تمہاری ساس یعنی راجروس کی بیوی کو دشمنوں نے مار ڈالا ہے اور بچنے کے اندر وہ راجروس کو ڈھونڈتے پھر رہے ہیں۔"

"اوہ گاڈ! میں اتنی دور ہوں فوراً ہی پہنچ نہیں سکتا۔ میں کیا کروں؟"

"کارسن! صرف دس منٹ کی ڈرائیو پر فوجی جھاڑی ہے وہاں چلو۔ میں تمہارے لئے ایک ہیلی کاپٹر تیار رکھوں گا۔"

وہ جان نوبل سے رخصت ہو کر دس منٹ میں فوجی جھاڑی پہنچا پھر ہیلی کاپٹر میں سوار ہو کر چالیس منٹ میں مل ایب پہنچ گیا۔ وہ جان تھا کہ راجروس اپنی خواب گاہ کے پیچھے ایک خفیہ کمرے میں چھپا ہوا گاؤر دشمن اسے تلاش کرنے میں ناکام رہے ہوں گے۔

جب وہ راجروس کی بچنے کے سامنے پہنچا تو فوجی جوان محاذ بنائے ہوئے تھے۔ الپا نے ایک فوجی افسر سے علی کا تعارف کرایا۔ افسر نے کہا۔ "سسر کارسن! اپنا نہیں آپ کے قادران لاکھان ہیں لیکن بچنے کے اندر دشمنوں نے مورچہ بنا رکھا ہے۔"

علی نے انجان بن کر پوچھا "کیا آئسو گیس کے ذریعے دشمنوں کو باہر آنے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا؟"

"ہم ایسا کر سکتے ہیں لیکن مجبوراً لے..... کا حکم ہے کہ ہم ایسا نہ کریں۔ کسی دوسری تدبیر سے دشمنوں کو باہر نکالیں۔"

"کیا ہمارے خیال خوانی کرنے والے اس سلسلے میں کچھ نہیں کر سکتے؟"

"بچنے کے اندر جو دشمن ہیں، انہوں نے زبانیں بند رکھی ہیں۔ کوئی بن گئے ہیں۔ ہمارے خیال خوانی کرنے والے ان کے دماغوں میں نہیں پہنچ سکیں گے۔"

الپا نے دماغ میں آکر کوڈ ورڈز ادا کئے "محبت کو بھول جاؤ۔ فرض کو یاد رکھو۔"

علی نے کہا "دماغ میں نہیں فون پر آؤ۔"

یہ کہنے ہی اس نے سانس روک لی۔ وہ باہر نکل گئی۔ تھوڑی دیر بعد موبائل فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ علی نے فون ریمپور کو کان سے لگایا۔ وہ بولی "اگر دماغ میں رہے دیتے تو کیا سمجھا کھاتے! ایسی بھی کیا بے رخی ہے۔"

"کام کی باتیں کرو۔"

"میں معلوم کر چکی ہوں سسر راجروس خیریت ہے ہیں۔"

"تم نے کیسے معلوم کیا؟"

"یہ ایک سرکاری راز ہے۔ میں نہیں بتاؤں گی۔"

"اس کا مطلب ہے میرے سر کی بھی بہت زیادہ سرکاری اہمیت ہے۔ یہ بتاؤ۔ بچنے کے سامنے والے دو دروازے کو بلاست کیا جائے تو سسر راجروس کو نقصان پہنچے گا؟"

"میں وہ محفوظ رہیں گے۔"

"تمہارے اس یقین سے ظاہر ہوتا ہے کہ سسر مونس اسی بچنے کے اندر ہیں مگر کسی محفوظ گوشے میں ہیں۔"

"تم بہت چالاک ہو، باتوں کی ہیرا پھیری سے بہت کچھ معلوم کر لیتے ہو۔"

"کیا فوجی جھاڑی سے ایک درجن کتے آسکتے ہیں؟"

"ضرور آسکتے ہیں۔"

"میں فوراً یہاں لانے کی کوشش کرو۔"

آدھے گھنٹے میں ایک درجن کتے آگئے۔ کتوں کے دو نیز بھی تھے علی نے ایک آئیسر سے کہا "ہینڈ گرنیڈ سے وہ سامنے والا دروازہ توڑ دو۔"

افسر نے اعتراض کیا۔ الپا نے کہا "مجبوراً لے کا حکم ہے کہ سسر کارسن کے ہر حکم کی قیبل کی جائے۔"

افسر نے ایک کم قوت کا بم بچنے کے دو دروازے کے سامنے پھینکا ایک دھماکے کے ساتھ دروازہ ٹوٹ گیا۔ لیوڈا کے آئندہ کار اندر سے فائرنگ کرنے لگے۔ علی نے جوتانی فائرنگ سے منع کر دیا۔

ادھر خاموشی رہی تو ادھر سے بھی فائرنگ بند ہو گئی۔ تب علی کے حکم کے مطابق دونوں نیزوں نے اپنے کتوں کو بچنے کے اندر جانے کا نکل دیا وہ ایک درجن کتے تیزی سے دوڑ کر بھونکتے ہوئے اندر جانے لگے۔ اندر سے فائرنگ ہونے لگی۔

فائرنگ کے نتیجے میں دو چار کتے گولیاں کھا کر گرے، باقی اندر بچ گئے۔ فائرنگ کرنے والوں کی چیخیں سنائی دینے لگیں۔ وہ جان بچانے اور کتوں سے بچنا چھڑانے کے لئے باہر آنے لگے اور گولیاں کھا کر گرے۔ کچھ منٹوں میں میدان صاف ہو گیا۔

الپا نے خیال خوانی کے ذریعے راجروس کو بتایا "خطوہ مل گیا ہے۔ اس سے پہلے کہ کوئی بچنے کے اندر آئے آپ خفیہ کمرے سے نکل آئیں۔"

جب وہ خفیہ کمرے سے خواب گاہ میں آیا تو مکان کے مختلف حصوں میں فوجی فوجیوں کی چاب سنائی دے رہی تھی۔ اس نے بلند آواز میں کہا "میں یہاں خیریت سے ہوں۔ کوئی کوئی نہ چلائے۔"

خواب گاہ میں سب سے پہلے علی آیا۔ راجروس نے اسے گلے لگا کر کہا "کارسن! تم نے ایسے ایسے کارنامے انجام دئے ہیں کہ میرا سر فخر سے اونچا ہو گیا ہے۔ تمہیں جلد ہی ایک ایسے مہم سے پر فائز کیا جائے گا جس کے متعلق تم بھی سوچ بھی نہیں سکتے۔"

مختلف شہروں سے خیال خوانی کے ذریعے راجروس کو اطلاع ملنے لگی کہ تمام گولڈن برنز خیریت سے ہیں اور ایک گولڈن برین ایڈر کو حرات میں لے لیا گیا ہے۔

ملی نے میرے پاس آکر کہا "معلی ہو اکی رفتار سے بھی زیادہ فاسٹ ہے۔ اس نے تمام گولڈن برنز کے دل و دماغ کو تسخیر کر لیا ہے۔ بہت جلد اسے ایڈر کی جگہ گولڈن برین بنادیا جائے گا۔"

میں نے کہا "میں خوش خبری اس کی سونیا ماما کو سناؤ۔"

وہ سونیا کے پاس آئی۔ اس نے کہا "ملی! خاموشی سے مجھے بگھو اور چل جاؤ۔ پھر چہانک مجھ سے کوئی رابطہ نہ رکھے۔"

وہ بابا صاحب کے ادارے میں تھی۔ اس ادارے میں بابا فرید واسطی مرحوم کا ایک جھوٹا تھا۔ جہاں وہ زندگی کا بیشتر حصہ عبادت میں گزار کر گئے تھے۔ ان کی وفات کے بعد وہ جھوٹا منتقل رہتا تھا۔

وہاں صرف وہی ہتیاں جاتی تھیں۔ جناب علی اسد اللہ تھریزی اسے کھول کر اپنی عمرانی میں صفائی کراتے تھے پھر اسے منتقل کر دیتے تھے۔ دوسری ہستی سونیا تھی جو وہاں قدم رکھ سکتی تھی۔ وہ جبرے کا قتل کھول کر وہاں کی صفائی کر رہی تھی۔

بابا صاحب کے مزار سے اگرتی کا خوشبودار دھواں نفا میں پھیل رہا تھا۔

بابا صاحب نے اپنی تعلیمات میں کہا تھا۔ مسلمان اور با ایمان رہنے کے لئے صرف اپنی نیت نیک رکھو۔ ہماری دنیا میں بہت کم لوگ ہیں جو ہر پہلو سے اپنی نیت صاف رکھتے ہیں۔ ایسے بھی لوگ ہیں جو اپنی ہی نیت کی خرابی کو سمجھنا نہیں چاہتے۔

ایسے بھی لوگ ہیں جو ایک برائی کرتے ہیں۔ پھر ایک بھلائی کرتے ہیں۔ پھر ایک برائی کرتے ہیں۔ پھر ایک بھلائی کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ حساب برابر ہوتا جا رہا ہے۔ وہ غلطی پر ہیں اگر یہ سمجھتے ہیں کہ آخرت میں پکڑ نہیں ہوگی۔

جبرے کی صفائی کرتے وقت سونیا کو بابا مرحوم کی بتی یا تھیں یاد آ رہی تھیں۔ انہوں نے آخری وقت سونیا سے کہا تھا "مینی! تیری نیک نیتی بے مثال ہے۔ خدائے واحد پر تیرا ایمان مستحکم ہے۔ اتنا مستحکم کہ تو بندوں سے کچھ نہیں مانگتی۔ اپنی ذات کو اور اپنی خواہشات کو خدا کی رضا پر چھوڑ دیتی ہے۔"

اس لئے تیری وہ خواہشیں بھی پوری ہوں گی جو ادھر وہی رہ گئی ہیں۔

تجھے تیرا وہ بے قاصد محبوب ایک دن جیون ساتھی کی حیثیت سے ملے گا۔

جب تو منکوحہ بن جائے گی تو میرے جبرے میں دوبارہ آئے گی، ایک بار چہانک کے لئے۔ دوسری بار چہانک کے لئے۔

اور جب چہانک کے لئے آئے گی تو وہ تیری زندگی کے آخری دن ہوں گے۔

سونیا نے صفائی کے بعد وضو کیا۔ پھر اس جگہ نماز کے لئے کھڑی ہو گئی جہاں بابا مرحوم نماز پڑھا کرتے تھے۔

انہوں نے فرمایا تھا۔ تو مجھ تک میرے جبرے میں تمہارے گی۔ کوئی تجھ سے ملاقات کے لئے نہیں آئے گا۔ تو خود پکائے گی اور کھائے گی۔ حتیٰ کہ چہانک کے آخری ایام میں اس وقت بھی کسی کو آنے کی اجازت نہیں ہوگی جب تو دروازہ میں جھلک رہے گی۔

اور تو اس وقت بھی تمہارے گی جب ایک بچے کو جنم دے گی۔

خدا کہتا ہے "کن" اور سب کچھ ہو جاتا ہے۔

اور خدا عالم الغیب ہے۔

”یہ درست ہے لیکن سچ لکھنے سے وہاں کے خناس اور غیرت مند لوگ اپنے گمراہ لوگوں کی اصلاح کرتے ہیں اور ایسے قواعد اور قوانین بناتے ہیں جن پر عمل کر کے جرائم سے پاک معاشرہ قائم کرتے ہیں۔ بائی دی وے“ تم کیا کر رہی ہو؟“

”میں؟ میں کچھ بھی نہیں ہوں۔ کچھ نہیں کرتی ہوں۔ اپنے اختیار میں نہیں رہتی اس لئے اپنی زندگی نہیں گزار رہی ہوں۔ میری زندگی کوئی اور گزار رہا ہے۔“

”تم کوئی فلسفہ بیان کر رہی ہو؟“

”نہیں! یہ میری حقیقت ہے۔“

”اس حقیقت کی وضاحت کرو، تاکہ کچھ سمجھ سکوں۔“

”کیا تم ٹیلی بیٹھی کے متعلق کچھ جانتے ہو؟“

”میرا خیال ہے، میں بہت کچھ جانتا ہوں۔“

”کیا تم نے فریاد علی تیور کا نام سنا ہے؟“

”کئی بار سنا ہے۔“

”وہ بہت جلد فریاد مجھے کچھ بتا رہا ہے۔ جب چاہتا ہے میرے دماغ پر قبضہ جمالتا ہے۔ میں خود مختار نہیں رہا ہوں۔ اس کے اختیار میں رہنے لگتی ہوں۔ اس وقت بھی اس کے حکم کے مطابق سفر کر رہی ہوں۔“

”کیا ابھی وہ تمہارے دماغ میں ہے؟“

”اگر ہوتا تو میں اس کے خلاف بول نہ پاتی۔ میں سوچتے سوچتے تھک گئی ہوں اس سے نجات پانے کے تدبیر سمجھ میں نہیں آ رہی ہے۔ کیا تم میری مدد کر سکتے ہو؟“

”وہ کچھ دیر سوچتا رہا پھر بولا ”وہ ٹیلی بیٹھی جاننے والا بعد میں تمہارے خیالات پر چڑھ کر معلوم کر لے گا کہ میں اس کے خلاف تمہاری مدد کر رہا ہوں۔ پھر وہ میرا دشمن بن جائے گا۔ مجھے بھی ذہنی طور پر اپنا غلام بنالے گا۔“

”ہاں یہ بڑی مشکل ہے۔ میں تمہارے تعاون کو چھپانا چاہوں تب بھی وہ چھ لے گا۔ دنیا کا کوئی شخص مجھے اس شیطان فریاد سے نجات نہیں دلا سکے گا، مجھے مرنانا چاہئے۔“

”وہ خود کشی کے ارادوں کو سنے گا تو تمہیں مرنے بھی نہیں دے گا۔“

”اسی لئے کہتی ہوں کہ میں اپنی زندگی نہیں گزار رہی ہوں میری زندگی وہ گزار رہا ہے۔ یہ کیسی بد نصیبی ہے کہ میں مر رہی نہیں سکتی۔“

”تمہیں کوئی ایسا شخص نجات دلا سکتا ہے جو ٹیلی بیٹھی جانتا ہو کیونکہ لوہے کو لوہا ہی کاٹتا ہے۔“

”واقعی کوئی ٹیلی بیٹھی جاننے والا ہی فریاد کو مٹ توڑ جواب دے گا۔ تم نے یہ بات کہہ کر میری آدھی پریشان ختم کر دی ہے۔“

”وہ خوش ہو رہی تھی پھر ایک دم سے مایوس ہو کر بولی ”لیکن ایسا فرشتہ کہاں لے گا؟ تم کسی کو جانتے ہو؟“

”میں جانتی نہیں ہوں لیکن سنا ہے، فریاد بیٹھ امریکیوں اور اسرائیلیوں سے جھگڑا کرتا رہتا ہے۔ ان دو ملکوں میں ضرور ٹیلی بیٹھی جانتے والے رہتے ہوں گے جو فریاد کو اپنے ملکوں سے بھگاتے ہوں گے۔“

”وہ ناگوار سے بولی ”بہت ہی ذلیل ہے، بڑی طاقتوں سے لڑ نہیں سکتا۔ اس لئے میرے دماغ پر حکومت کر رہا ہے۔“

”تمہیں فریاد سے بہت نفرت ہے؟“

”شدید نفرت ہے اور شدید عداوت ہے۔ تم یہ بتاؤ کہ خیال خوانی کرنے والے تک کیسے پہنچا جاسکتا ہے؟“

”سوری“ میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ ہم جن ٹیلی بیٹھی جاننے والوں کے نام اور پتے نہیں جانتے ہیں ان کے دواؤں سے تک کیسے پہنچ سکتے ہیں؟“

”وہ سوچ میں ڈوب گئی۔ کس سے بچاؤ کا کوئی راستہ ڈھونڈ رہی تھی۔ کوئی راستہ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ رابرٹ نے کہا ”تم بہت پریشان ہو، میرے بس ہیں تو دشمن کو تمہاری زندگی سے بھگا کر تمہارا دل جیت لیتا۔ تم اتنی حسین ہو کہ میں جان کی بازی لگا سکتا ہوں لیکن جان دینے سے بھی تمہارا بھلا نہیں ہوگا۔“

”وہ سوچتے ہوئے بولی ”فریاد مجھے پشاور جانے کے لئے اس وجہ سے مجبور کر رہا ہے کہ میرے ذریعے کسی دشمن کو بھانسا چاہتا ہے۔ میرا دل کہتا ہے کہ فریاد کا وہ دشمن ٹیلی بیٹھی جانتا ہوگا۔“

”بے شک جانتا ہوگا۔ اس لئے خود اس پر قابو پانے میں ناکام ہونے کے بعد تمہیں استعمال کر رہا ہے۔“

”وہ چٹکی بجا کر بولی ”پھر تو میں اس کے ٹیلی بیٹھی جاننے والے دشمن سے دوستی کروں گی۔ وہ فریاد کی دشمنی میں میری مدد ضرور کرے گا۔“

”وہ پھر خوش ہونے لگی۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ اور چہرے پر تازگی آگئی تھی۔ رابرٹ نے کہا ”تم بار بار خوش ہوتی ہو اور بار بار مایوس ہو جاتی ہو۔ پہلے یقین کر لو کہ یہ خوشی قائم رہے گی اور اگر رہے گی تو کیسے رہے گی؟ تمہارا طریقہ کار کیا ہوگا؟“

”میں جو بھی طریقہ کار سوچوں گی وہ فریاد خیال خوانی کے ذریعے معلوم کر لے گا۔ اس سے کچھ چھپانے کی کوشش کرنا حماقت ہے۔“

”پھر تو وہ تمہیں اپنے دشمن ٹیلی بیٹھی جاننے والے سے دوستی نہیں کرنے دے گا۔“

”کوئی بات نہیں! میرے دماغ پر قبضہ ہمارا کچھ سے دشمنی کرانا رہے لیکن فریاد کا دشمن بھی میرے چہرے پر خیالات پر چڑھ کر معلوم کر سکتا ہے کہ میں مجبور ہو کر اس سے دشمنی کر رہی ہوں اور اس سے دوستی کرنا چاہتی ہوں۔“

”ہاں فریاد کا دشمن تمہاری مجبوریوں کو سمجھ لے گا۔ تم میرے انداز سے بے زیادہ چالاک ہو۔“

”وہ مسکرائے لگی ”رابرٹ نے کہا ”چالاک بھی ہو اور احسان فراموش بھی۔“

”وہ تیرا بدل کر بولی ”یہ کیا کہہ رہے ہو؟“

”فریاد نے تمہارے دشمنوں سے انتقام لیا۔ تمہارے باپ کے قاتل کو اور قاتل کا ساتھ دینے والوں کو چن چن کر قتل کیا۔ تمہیں اس کا احسان ماننا چاہئے مگر تم اس سے دشمنی کا منصوبہ بناری ہو۔“

”یوش اپ۔ کسی کا احسان مند ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ میں اپنی عزت و آبرو کو داؤ پر لگا دوں۔“

”فرمونا“ تم میری ملکیت ہو، تمہاری آبرو میری چٹکی میں ہے۔“

”وہ حیرانی اور سراسیمگی سے رابرٹ کا منہ دیکھنے لگی۔ اس نے کہا ”میں فریاد ہوں“ اور رابرٹ کی زبان سے بول رہا ہوں۔ تمہاری زبان سے تمہارے ارادے سن چکا ہوں۔ اب یہ سوچتی رہو کہ میں تمہارے ارادوں کو کس طرح ناکام بنائوں گا۔ میں جا رہا ہوں پاکستان میں ملاقات ہوگی۔“

”یہ بات ختم ہوتے ہی رابرٹ ایسے چمک گیا جیسے نیند سے جڑوا کر اٹھا ہو۔ وہ دونوں باتوں سے اپنا سہم کر حیارے کے اندر دبی داخل ہو کر دیکھنے لگا۔ فرمونا اسے ٹوٹتی ہوئی نظروں سے دیکھ کر بولی ”تم کچھ پریشان ہو؟“

”اس؟ ہاں! مجھے ایسا لگ رہا ہے جیسے میں بیٹھے بیٹھے سو گیا تھا اور نیند میں تم سے کچھ باتیں کر رہا تھا۔“

”بستر ہے تم پھر نیند میں ڈوب جاؤ اور خواب میں مجھ سے باتیں کرتے رہو۔ میں فی الحال خاموش رہنا چاہتی ہوں۔“

”وہ بری طرح مایوس ہو گئی تھی۔ اسے فریاد پر غصہ آ رہا تھا کہ اس نے چالاک سے رابرٹ کے دماغ میں وہ کانس کی تمام پلاننگ سن لی تھی۔ نہ بھی سنا تو بعد میں خیال خوانی سے معلوم کر لیتا۔ غصہ اس بات پر آ رہا تھا کہ اس نے رابرٹ کے دماغ میں وہ کانس آٹو بنایا تھا اور یہ سمجھا دیا تھا کہ اس کی کوئی چالاک کام نہیں آئے گی اور کوئی اس کے کام نہیں آسکے گا۔“

”اس نے مجبور ہو کر خود کو حالات کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا۔ خاموشی سے سفر کرتی ہوئی کراچی آئی۔ وہاں سے اسلام آباد پہنچی۔ کراچی سے ایک خاتون اس کی ہم سفر رہی تھی۔ اس نے سفر کے دوران فرمونا کو مخاطب کرتے ہوئے کہا ”تم بہت خاموش اور فکر مند ہو گیا بات ہے؟“

”وہ بولی ”بات کیا بتاؤں؟ وہ تمہارے بھی دماغ میں ہوگا اور میری باتیں سن رہا ہے گا۔“

”کون میرے دماغ میں رہے گا؟ کیا یہ کوئی ٹیلی بیٹھی کا معاملہ ہے؟“

”ہاں! کیا تم اس سلسلے میں کچھ جانتی ہو؟“

”ہاں! مجھے یہ علم کھینچے گا بڑا شوق تھا لیکن ہزار کوششوں کے باوجود نہ کچھ سکی۔ میں نے سنا ہے کہ فریاد علی تیور اسلام آباد یا پشاور میں ہے۔ میں اسے تلاش کرنے جا رہی ہوں۔“

”کیا تم اس عیاش کی فین ہو؟“

”یہ کیا کہہ رہی ہو؟ کیا تم نہیں جانتیں کہ فریاد کسی شریف عورت کو ہاتھ نہیں لگا تا ہے۔ ہو سکتا ہے ایسی عورتوں کی وجہ سے بدنام ہو رہا ہو جو خودی دیوانی ہو کر اس کے پاس چلی آئی ہوں۔“

”تم بھی اس سے ملنے جا رہی ہو؟“

”میں دو بچوں کی ماں ہوں۔ میرا خاوند مجھ سے بہت محبت کرتا ہے اور مجھ پر اعتماد کرتا ہے، یہ باتیں فریاد میرے دماغ میں پڑے گا تو مجھے ضرور بہن بنائے گا۔“

”تمہاری اطلاع کے لئے عرض ہے کہ وہ میری عزت کا دشمن بنا ہوا ہے۔“

”میں نہیں مانتی۔“

”وہ میرے دماغ میں آتا ہے۔ ذرا انتظار کرو، وہ کسی بھی وقت آسکتا ہے۔ پھر میں تمہیں اس کی اصلیت بتاؤں گی۔“

”یہ میری خوش نصیبی ہے کہ اسلام آباد پہنچنے سے پہلے ہی تمہارے ذریعے فریاد صاحب سے گفتگو کروں گی۔“

”تم اسے دیکھو اور مجھے بغیر اس کی عقیدت مند کیوں بن گئی ہو؟“

”محبت اور عقیدت کے لئے یہ بہت ہے کہ ہم دونوں شاہ کوٹ میں پیدا ہوئے تھے۔ ہم دونوں پاکستانی ہیں۔“

”اچھا تو وہ پاکستانی ہے۔ مجھے اپنے ملک میں بلایا ہے تاکہ خود امریکی اور اسرائیلی ٹیلی بیٹھی جانے والوں سے محفوظ رہے۔“

”خاتون نے ہنسنے ہوئے کہا ”تم فریاد صاحب کے متعلق کچھ نہیں جانتی ہو یا پھر دشمنوں نے اس کے خلاف تمہیں برکایا ہے۔ وہ ایسا ناقابلِ تفسیر ہے کہ دنیا کے تمام ٹیلی بیٹھی جاننے والے اس سے دور بھاگتے ہیں۔“

”تمہارے خاتون کے دماغ میں کہا ”لیکن اب فریاد دنیا سے بھاگے گا۔“

”خاتون نے ایک ہاتھ سے سر تھام کر خلاء میں نکلتے ہوئے کلمہ ”میرے دماغ میں کوئی بول رہا ہے۔“

”فرمونا جلدی سے بولی ”وہی فریاد ہوگا۔“

”نہیں! یہ کوئی اور ہے۔ فریاد کے خلاف بول رہا ہے۔“

”اگر اس کے خلاف بول رہا ہے تو میں اس سے دوستی کروں گی اسے کو ”میرے دماغ میں آئے۔“

”وہ آکر بولا ”ٹوٹا“ فریاد کیا فرماتی ہو؟“

”تم نے تو وہی فریاد ہو۔“

”ہاں! تمہارے لئے مصیبت ہوں۔ جب تک دشمنی سے سوچتی رہو گی تمہارے اندر آتے جاتے تمہارا خون خشک کرتا

خاتون نے پوچھا ”تم زور پڑھتی ہو گلیات ہے؟“
تھرال نے اس کے پاس آکر کہا ”اسے دو بچوں کی اماں!
خاموش رہ۔ اس لڑکی سے بات نہ کرو۔ ورنہ کھوپڑی لٹا دوں گا۔“
وہ حیرانی سے بولی ”فردا صاحب! میں آپ کی عقیدت مند
ہوں، ہم دونوں کی جانے پیدائش۔“

وہ بات کات کر بولا ”پوش اپ۔ ایک ہی جگہ پیدا ہونے
والے سب کے سب فرشتے نہیں ہوجاتے۔ ساری دنیا جاتی ہے کہ
میں عیاش اور بدکار ہوں“ اس لڑکی کو اپنے مقصد کے لئے اس ملک
میں لایا ہوں۔“

خاتون کا دل ٹٹ گیا تھا۔ عقیدت سے بنایا ہوا فردا کا بت
پاش پاش ہو رہا تھا۔ اس کے آنکھوں میں آنسو آگئے۔ وہ آنسو
بھرے لیے میں بولی ”میرا دل نہیں مان رہا ہے کہ سفید سیاہ ہو گیا
ہے اور فرشتہ شیطان بن گیا ہے۔ خدا کے لئے کہہ دو کہ یہ مذاق
ہے۔ تم ہی تمام پاکستانیوں کے تمیزیل ہو۔ اگر تم جھوٹے ہو تو
جھوٹی ہی سہی دے دو۔“

”تم میرا اور اس لڑکی کا وقت ضائع کر رہی ہو۔ دیکھو گیارہ
اسلام آباد پہنچ گیا ہے۔ اسے اس کے حال پر چھوڑ دو۔ اس سے
باتیں کر دینی تمہارے بچوں کو ماراؤں گا۔“

وہ گھبرا کر بولی ”نہیں نہیں۔ ایسے ظالم نہ بنو۔ میرے بچوں کی
طرف نہ جاؤ۔ میں وعدہ کرتی ہوں اس لڑکی سے باتیں کرنا تو کیا
اسے دیکھنا بھی گوارا نہیں کروں گی۔“

وہ فرموتا سے منہ پھیر کر بیٹھ گئی۔ اس نے بات کی تو خاتون نے
اپنے دونوں کانوں میں انگلیاں غونسن لیں۔ دونوں آنکھوں کو بند
کر لیا۔ فرموتا سمجھ گئی کہ فردا اس خاتون کو بھی اس سے دور
کر رہا ہے۔ اسے کسی کا تعاون حاصل کرنے کا موقع نہیں دے رہا
ہے۔

وہ تھرال کے حکم کے مطابق اسلام آباد سے پشاور گئی۔ اس
نے اپنے ایک آلہ کار کے ذریعے ریسٹ ہاؤس میں فرموتا کے قیام
کا بندوبست کیا تھا۔ ان دنوں میرا رابطہ مرہینا سے تھا۔ اس لئے
تھرال فرموتا کو چھوڑ کر مرہینا کی تصویر کے ذریعے اس کے داغ میں
پہنچ گیا تھا جب یہ معلوم ہوا کہ وہ جگہ سے لئے ریسٹ ہاؤس میں
آ رہی ہے تو اس نے فرموتا کو ریسٹ ہاؤس سے نکل کر ایک فور
اشارہ ہوٹل میں جانے پر مجبور کیا۔ تھرال کو یقین تھا کہ وہ مرہینا کے
داغ میں رہ کر میری پوزیشن معلوم کرتا رہے گا۔ اور ریسٹ ہاؤس
کا خاصہ کر کے مجھے قتل کرادے گا۔

اس منصوبے پر پوری طرح عمل کرنے کے باوجود ناکامی
ہوئی۔ میں بال بال پہنچ گیا۔ خدا کو میری سلامتی منظور تھی۔ چنانچہ
میرے نام سے آنے والی کوئی مرہینا کو لگ گئی تھی۔ اور اپنی جی تھرال
حیرانی سے سوچ رہا تھا کیا فردا علی طور حیات خضر لے کر آیا ہے۔

ہر پہلو سے مکمل منصوبہ پر عمل کرنے کے بعد بھی بچ نکلا ہے۔
اس نے جان لیوڑا اور سپراسن ہولی میں کو یہ دوا دے سنا۔
سپراسن نے کہا ”اس میں شبہ نہیں کہ تم نے زبردست پلاننگ کی
تھی اور اس پر چاروں طرف سے حملہ کر لیا تھا۔ وہ کم بخت قسمت
کا دعویٰ ہے۔“

لیوڑا نے کہا ”قسمت بیشہ ساتھ نہیں دیتی۔ اگر تم اسی طرح
زبردست پلاننگ کر کے اس پر عمل کرتے رہو گے تو وہ جلد ہی حرام
موت مرے گا۔“

لی جی تھرال کو اپنے بیروں سے شاباشی مل رہی تھی اس کا
حوصلہ بڑھ گیا تھا۔ مرہینا کے بعد اب فرموتا رہ گئی تھی جسے وہ
میرے لئے چار بنایا کر لایا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ میں زخمی کافر خان کے
داغ میں جاؤں گا۔ اس نے بہر خان کے ذریعے کافر خان کے
سامنے فرموتا کا ذکر کیا تھا تاکہ میں کسی حسین دوشیزہ کا ذکر نہ کر
انے دیکھنے جاؤں یا اس دوشیزہ کے ذریعے تھرال کو ٹریپ کرنا
چاہوں تو فرموتا کے حسن و شباب کا اس پر ہوجاؤں۔

میں اس کی توقع کے مطابق فرموتا کے پاس نہیں گیا۔ وہ اس
کے داغ میں چھپ کر میرا انتظار کرتا رہا۔ اگر وہ ہوٹل کے کمرے
میں کسی دوشیزہ کو ضرورت سے ملائی تو تھرال اس دوشیزہ کے داغ میں
جا کر معلوم کرنے کی کوشش کرنا کہ فردا وہاں چھپ کر آیا ہے یا
نہیں؟

فرموتا ڈانٹنگ ہال میں کھانے کے لئے جاتی۔ ہوٹل کے نیچر یا
کسی انجینی سے کوئی بات کرتی تو تھرال کو یہی شبہ ہوتا کہ فردا انجینی
بن کر آیا ہے اور اس سے دوستی کرتا چاہتا ہے۔ جبکہ اس حینہ سے
ہر دل والا دوستی کر سکتا تھا۔

جب ایک دن اور ایک رات گزر گئی اور میں نے فرموتا سے
دلچسپی نہیں لی تو وہ پریشان ہو گیا۔ مجھے نظروں میں رکھنے کا اور میری
معروفیات کو سمجھنے کا ذریعہ وہی ایک حینہ رہ گئی تھی۔ باقی بہر خان
اپنے زخمی بھائی کافر خان کو علاقہ غیر لے گیا تھا۔

وہ پریشانی کے عالم میں دل کو سمجھا رہا تھا کہ فردا خاموشی سے
فرموتا کے داغ میں رہتا ہے اس کے خیالات پر دھما ہے اور دشمن
سوچ کی لمبوں کو سننے کا انتظار کرتا رہتا ہے۔ اس لئے تھرال اب
براہ راست فرموتا کو مخاطب نہیں کرتا تھا۔ اس کے خیال کے
مطابق فرموتا کے داغ میں دو خیال خواتین کرنے والے خاموشی سے
ایک دوسرے کو دبوچنے کی فکر میں تھے۔

دوسرا دن بھی گزرنے لگا تو تھرال کے صبر کا پیمانہ لبرزد ہو گیا۔
اس نے سوچا پھر کافر خان کو پکڑنا چاہئے اور اسے مجبور کرنا چاہئے
کہ وہ فردا کی شراکت پوری نہ کرے۔ جتنی عورتوں کو داشتہ اور
مردوں کو غلام بنا کر رکھا ہے انہیں آزاد نہ کرے۔
اگر شراکت پوری نہیں ہوں گی تو فردا پھر زخمی کافر خان کے
داغ میں آئے گا تو تھرال کو اس کا سراغ ملتا رہے گا۔

محافل بڑا پیچیدہ ہو گیا تھا۔ ایسے ہی وقت ایک خبر ہو جان
فرموتا کے قریب آیا۔ تھرال محتاط ہو گیا کہ فردا آیا ہے۔
ہوا یہ کہ فرموتا ڈنر کے لئے ڈانٹنگ ہال میں آئی تو انجینی
نوجوان نے اس کی میز کے پاس آکر پوچھا ”کیا میں یہاں بیٹھ سکتا
ہوں؟“

”ضرور۔“
وہ کرسی پر بیٹھا تو فرموتا نے جل کر پوچھا ”کیا مجھے پھانسنے آئے
ہو؟“

”مجھے غلط نہ سمجھو“ میں کسی غلط ارادے سے نہیں آیا
ہوں۔“

”میاں اور بھی میزیں خالی ہیں وہاں کیوں نہیں گئے۔“
”میں تمہیں دو دنوں سے دیکھ رہا ہوں۔ تم میں ایک عجیب سی
طسمانی کشش ہے۔ میں پرسوں سے یہاں آ رہا ہوں۔ تمہیں دور
سے دیکھتا رہتا ہوں پھر چلا جاتا ہوں۔ مگر جا کر رات بھر کو نشیدان
رہتا ہوں۔“

”یعنی مجھ سے عشق ہو گیا ہے؟“
”تم خطرہ انداز میں پوچھ رہی ہو اور میں سنجیدگی سے کہہ رہا
ہوں میں ہر وقت پر تمہیں اپنی دلہن ماناؤں گا۔“

وہ ناگوار سے بولی ”فردا! اور زیادہ ڈراما نہ کرو۔ اتنا
بتا دو میں کب تک اس ہوٹل میں رہوں گی؟“
وہ سوالیہ نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا ”ابھی تم نے مجھے فردا
کہا ہے؟“

”کیا تمہیں سنائی نہیں دیا؟ پھر سے تمہیں فردا کہوں؟“
”لیکن میں فردا نہیں سرفراز خان ہوں۔ میری آٹھ عدد
فلاننگ کوچ ہیں۔ یہ گاڑیاں پشاور سے لا ہو اور لاہور سے پشاور
تک چلتی ہیں۔ جی ٹی روڈ پر میرا ایک پٹرول پمپ ہے۔“
”ناستی ہوں کہ تم بھی ہو، لیکن تمہارے اندر فردا چھپا ہوا
ہے۔“

”آخر یہ فردا ہے کون؟ اور وہ میرے اندر کیسے چھپ
سکتا ہے؟“

”ٹیلی فنی کے ذریعے۔“
وہ سوچتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔ تھرال اس کے
اندر چھپا ہوا تھا اور سرفراز خان کی باتیں سن رہا تھا۔ پھر اس نے
خیال خواتین کی پر داز کرتے ہوئے سرفراز کے داغ میں جانا چاہا تو
اس نے سانس روک لی۔ وہ داپس فرموتا کے داغ میں آکر بولا۔
”میں میرا ٹیلی فنی جتنی جاننے والا دشمن ہے۔“

اچانک فرموتا کی دلچسپی بڑھ گئی۔ وہ دشمن کہہ رہا تھا اور یہ
دوست بنانے کا سوچنے لگی۔ تھرال نے سوچ بڑھ کر کہا ”مجھے دھوکا
نہیں دے سکوگی۔ ویسے میں چاہتا ہوں کہ دوستی کرتی رہو“ میں
تمہاری دوستی کے پیچھے اسے قتل کرنے کا سنہری موقع تلاش کرتا

سرفراز آہستہ آہستہ سانس لیتے ہوئے سوچ رہا تھا ”ابھی
میرے داغ میں بے چینی کیوں پیدا ہوئی تھی؟ میں نے اچانک
سانس کیوں روک لی تھی؟“

وہ ٹیلی فنی کے متعلق بہت کم معلومات رکھتا تھا اور یہ نہیں
جانتا تھا کہ آدمی حساس ہو تو ٹرائی سوچ کی لمبوں کو محسوس کرتے ہی
داغ بے چین ہو کر سانس روکنے پر مجبور کر دیتا ہے۔

وہ باڈی بلڈر تھا۔ روز صبح ورزش کرتا تھا اور دو تین میل کی
دوڑ لگایا کرتا تھا۔ نماز کا پابند نہیں تھا لیکن اذان ہو رہی ہو اور وہ
مسجد کے قریب سے گزر رہا ہو تو اندر جا کر نماز پڑھ لیتا تھا۔ جو لوگ
ظاہری اور باطنی طور پر پاک صاف رہتے ہیں اور دائمی طور پر صحت
مند رہتے ہیں ان کے اندر بھی شیطان داخل نہیں ہوتا۔

اسی لئے تھرال اس کے اندر نہ جا سکا۔ فرموتا کو اس سے
دوستی بڑھانے پر مجبور کرنا۔ وہ بولی ”میں دوستی کروں گی لیکن
تمہارے خلاف ضرور زہر افگنی کروں گی۔“

وہ یہی چاہتا تھا کہ فردا کے خلاف زہر افگنی رہے۔ وہ ہنستے
ہوئے بولا ”میرا نام فردا علی تیور ہے۔ تم میرے خلاف بکواس کرتی
رہو گی تب بھی دنیا والے مجھے دیوتا (فرشتہ) سمجھتے رہیں گے۔“

فرموتا نے سرفراز سے کہا ”تم بہت پنڈت ہو۔ مجھے اچھے لگ
رہے ہو لیکن تم مجھے حاصل نہیں کر سکو گے۔“
”کیا اس لئے کہہ رہی ہو کہ انگریز ہو، عیسائی ہو؟“

”الحمد للہ میں مسلمان ہوں۔“
”یہ تو میرے لئے بہت ہی خوشی کی بات ہے، عماری شادی
ضرور ہوگی۔“

”فردا نہیں ہونے دے گا۔“

”آخر یہ فردا ہے کون؟“

”ایک ٹیلی فنی جتنی جاننے والا شیطان ہے، کیا تم بھی ٹیلی فنی
جاننے ہو؟“

”بالکل نہیں۔“

”پھر فردا کو تم سے کیا دشمنی ہے؟“

وہ سوچتے ہوئے بولا ”کوئی سات برس پہلے میں نے یہ نام کسی
ڈانٹست میں پڑھا تھا۔ ہاں یاد آ رہا ہے، وہ فردا ٹیلی فنی
جانتا تھا۔“

”جانتا تھا نہیں؟ جانتا ہے۔ وہ اس وقت بھی میرے داغ میں
موجود ہے۔“

”اس سے کون؟ مجھ سے باتیں کرے اور مجھ سے دشمنی کی وجہ
بتائے۔“

تھرال نے کہا ”فرموتا! اس سے کون مجھے اپنے داغ میں آنے
دے، میں خیال خواتین کے ذریعے ننگوں کروں گا۔“
فرموتا نے کہا ”سرفراز! فردا کو اپنے داغ میں آنے دو۔“

”کیسے آئے دوں؟ کیا اس کا کوئی طریقہ ہوتا ہے؟“
 قہرمان نے فرموتا ہے: ”اس کم بخت سے کم از کم زیادہ ڈراما نہ کرے“ میں آؤں تو سانس نہ روکے۔“
 فرموتانے نے بات اسے سمجھائی۔ قہرمان اس کے دماغ میں آیا لیکن سرفراز نے بے چین ہو کر بے اختیار سانس روک لی پھر کہا۔
 ”میرے اندر کچھ عجیب سا ہونے لگتا ہے“ میں نہ چاہتے ہوئے بھی سانس روک لیتا ہوں۔“
 قہرمان نے غصے سے کہا ”فرموتا! یہ بڑا چالاک ہے“ یہ جانتا ہے کہ میں اس کے اندر جا کر اس کی اصلیت معلوم کر لوں گا۔“
 وہ بولی ”ہو سکتا ہے“ تم اسے غلط سمجھ رہے ہو۔“
 ”غلط ہو یا صحیح“ صرف ایک منٹ میں حقیقت معلوم ہو جائے گی“ اسے کو سانس نہ روکے۔“
 وہ سرفراز سے بولی ”میں بات بڑھارہے ہو۔ وہ دماغ میں آتا ہے“ اتنے دو“ سانس نہ روکے۔“
 ”میں نہیں روکتا۔ یہ خودی رک جاتی ہے۔ فرما دے بولو وہ مرد کا بچہ ہے تو سانس آکر بات کرے۔“
 قہرمان نے کہا ”دیکھو فرموتا! مجھے پہنچ کر رہا ہے تاکہ میں جوش میں آکر اس کا سامنا کر دوں۔“
 وہ مسکرا کر بولی ”یہ پلا شخص ہے جس کے دماغ میں تم جانیں سکتے اور اپنی جان کے خوف سے سامنے بھی نہیں آسکتے۔“
 آج میں بت خوش ہوں اور اسی لمحے سے سرفراز خان کو دل و جان سے پسند کر رہی ہوں۔“
 ”کیا اس نہ کرو؟ تم خاموش رہو۔ میں تمہاری زبان سے اس کے ساتھ باتیں کر دوں گا۔“
 اس نے فرموتا کے دماغ پر قبضہ جمایا، وہ ہنسنے لگی پھر بولی۔
 ”سرفراز وہ کبکھٹ چلا گیا ہے۔ پتا نہیں تم سے کیوں ڈرتا ہے۔“
 ”میں بھی حیران ہوں“ ایک ٹیلی جیجی جاننے والا جھجھکے ڈرتا کیوں ہے۔ میرے سامنے کیوں نہیں آتا۔“
 ”پہلے وہ دوسروں کو آواز کا رہتا کران کے دماغ میں رہ کر ان کی زبان سے باتیں کرتا تھا۔ میں سمجھتی تھی وہ میرا ہر درد اور دوست ہے بعد میں اس کے قریب کا پتا چلتا تھا۔ اب میں مطمئن ہوں کہ وہ ہمیں اپنا آواز کار نہیں بنائے گا۔“
 ”میں تمہیں یقین دلا تا ہوں کہ فرما تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا۔ ہم اتنی دیر سے باتیں کر رہے ہیں اور تم نے اپنا نام نہیں بتایا ہے۔“
 ”میرا نام فرموتا آندروف ہے۔ میں بلغاریہ سے آئی ہوں۔ تم کیا کھانا پسند کرو گے؟ اس میرے تم میرے مہمان ہو۔“
 ”سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہ پشمان کی روایت کے خلاف ہے۔“
 میں تمہارا مہمان نہیں“ تم اس ملک میں میری مہمان ہو۔“
 اس نے کھانے کا آڈر دیا۔ پھر وٹر کے جانے کے بعد بولا۔

”میں تمہیں دو دنوں سے تنہا دیکھ رہا ہوں۔ کیا تمہارا کوئی عزیز ساتھ نہیں ہے؟“
 ”میرا اس دنیا میں کوئی نہیں ہے۔ میں بالکل تنہا ہوں۔“
 ”پھر ہوئی میں کیوں ہو؟ میرے گھر چلو میری والدہ تمہیں دیکھ کر بہت خوش ہوں گی۔“
 ”میں ضرور چلوں گی۔ اس سے پہلے ہمیں ایک دوسرے کو اچھی طرح سمجھنا چاہیے۔ کیا خیال ہے کھانے کے بعد کیس چائنی کا لطف اٹھانے چلیں۔“
 ”ضرور چلیں گے۔“
 ”میں ایسی جگہ جانا چاہتی ہوں جہاں تنہائی اور دیرانی ہو۔“
 ”ویرانے میں چائنی کچھ اور بہا رہتی ہے۔“
 ”بڑا ہی شاعرانہ خیال ہے۔ یہاں قریب ہی کچھ تاریخی کھنڈرات ہیں وہ جگہ تمہیں پسند آئے گی۔“
 وٹر کھانے کی ڈالی لے آیا، قہرمان نے فرموتا کے دماغ کو آزاد چھوڑ کر کہا ”اس کے ساتھ کھاؤ اور یہ جہاں لے جائے وہاں جاؤ۔“
 ”ابھی میرا دماغ تمہارے قبضے میں تھا۔ میں سن رہی تھی تم اسے ویرانے میں لے جا رہے ہو۔ اس پر کوئی مصیبت لاؤ گے۔“
 ”تم اس کے ساتھ ہر مردی کرتی رہو لیکن ہو گا وہی جو میں تمہارے ذریعے کر رہا ہوں۔“
 ”پلیئر بیٹاؤ“ کیا کرنا چاہتے ہو؟“
 ”میرے چند کرائے کے فنڈز اسے زخمی کریں گے۔ اس کے بعد یہ سانس نہیں روک سکے گا۔ میں اس کے اندر گھس کر اس کی اصلیت معلوم کر لوں گا۔ اگر یہ میرا دشمن ثابت ہو گا تو میں اسے وہیں قتل کرادوں گا۔ اگر کوئی غیر متعلق شخص نکلا تو زندہ چھوڑ دوں گا۔“
 وہ یہ سن کر پریشان ہو رہی تھی۔ اس نے کہا ”چرے سے پریشان ظاہر نہ کرو۔ اس کے ساتھ مسکرائی اور کھاتی رہو۔ میں جال بچانے جا رہا ہوں۔“
 ”تم اپنی پلاننگ مجھ پر ظاہر کر کے جا رہے ہو۔ کیا یہ نہیں جانتے کہ میں اسے بچانے کی کوشش کروں گی۔ اسے خطرے سے آگاہ کر دوں گی؟“
 ”بے شک کر دو۔ میرا جو دشمن ہے وہ بے حد چالاک ہے۔ اپنی سلامتی کا راستہ نکال لیتا ہے۔ اس کی بس ایک ہی کمزوری ہے یہ حسن و شہاد کا دیوانہ ہے اس پر آفت آنے کے بعد بھی تمہاری جیسی آفت کو حاصل کرنے سے باز نہیں آئے گا اسی لئے میں نے ٹیکڑوں بڑا درد حسناؤں میں سے تمہارا انتخاب کیا ہے۔ یہ تم سے جدا نہیں ہو گا۔ تمہاری خاطر خطرات سے کھینک رہے گا اور میری نظروں میں رہا کرے گا۔“
 قہرمان چلا گیا۔ فرموتا کا دل یہ سن کر سرفراز سے اور زیادہ

محبت کرنے لگا کہ وہ خطرات سے کھینک رہے گا لیکن اس کا ساتھ نہیں چھوڑے گا۔ وہ اتنی بڑی دنیا میں ایسا ہی جانا باز سامی چاہتی تھی۔ اس نے کھانے کے دوران کہا ”سرفراز کیا تمہیں اندازہ ہے کہ میری وجہ سے مصیبت میں گرفتار ہونے والے ہو جن کی تمہاری جان بھی جاسکتی ہے۔“
 ”یہ ایک جان تمہارے لئے جائے۔ اسے جانیے چاہئے۔ یہ تمہارے لئے ہے۔“
 وہ خوش ہو کر بولی ”تم نے میرا دل بیت لیا ہے۔ تمہارا وہ دشمن بھی یہی کہ رہا تھا کہ میرے لئے تم خطرات سے کھینکتے رہو گے۔“
 ”کیا وہ دشمن فرما موجود ہے؟“
 ”نہیں... کرائے کے غنڈوں کے پاس گیا ہے۔ ہم چائنی کا لطف اٹھانے جہاں جاسیں گے وہاں وہ غنڈے آکر تمہیں نقصان پہنچائیں گے۔“
 وہ ہنسنے ہوئے بولا ”تجربہ کیا ہے۔ کیا وہ ہمیں ہوشیار کر کے اپنی پلاننگ پر عمل کر رہا ہے۔ یہ بات کچھ پہلے نہیں پڑی۔“
 ”ابھی یہ سوچنے کا وقت نہیں ہے کہ وہ کیوں ایسا کر رہا ہے۔ اپنے بچاؤ کی تدبیر کرو۔“
 ”سیدھی سی تدبیر یہ ہے کہ میں گھریں چھپ کر بیٹھ جاؤں اور یہ بڑی ہمارے خون میں نہیں ہے۔“
 ”کیا تم جان بوجھ کر میرے ساتھ آؤنگ کے لئے جاؤ گے؟“
 ”تم صرف اتنا یاد کرو کہ فرما تمہاری جان کو نقصان پہنچا سکتا ہے یا نہیں؟ اگر وہ تمہیں نقصان نہیں پہنچائے تو تمہارے ساتھ بل صراطے بھی گزر جاؤں گا۔“
 ”خدا کی قسم“ میں بھی تمہارے لئے جیوں گی اور تمہارے لئے مروں گی۔ بس کسی طرح اس شیطان سے میری جان بچاؤ۔“
 ”خدا اس کی مدد کرنا ہے جو اپنی مدد آپ کرتے ہیں۔ اطمینان رکھو“ جڑ و جہد ہماری ہوگی اور کامیابی اللہ تعالیٰ دے گا۔“
 وہ کھانے کے بعد ہوئی سے باہر آئے۔ سرفراز خان نے سرسبز کا اگلا دروازہ کھولا، وہ بیٹھ گئی۔ وہ دروازہ بند کر کے اسٹرنگ سیٹ پر آگیا۔ کار کو اشارت کر کے پارکنگ ایریا سے باہر نکلے لگا۔ وہ بولی ”میں بڑل نہیں ہوں۔ مگر تمہارے لئے پریشان ہوں۔“
 ”کیوں پریشان ہو؟“
 ”میں تمہیں کھانا نہیں چاہتی۔“
 ”میں بھی تم سے محروم رہتا نہیں چاہتا۔ دن رات تمہیں سانسوں کے قریب رکھنا چاہتا ہوں۔ دل سے پریشانی کاٹو۔ مصیبت آئی ہو تو پورے حوصلے کے ساتھ حاضر دماغ رہنا چاہئے۔ جو دماغ سے کام نہیں لیتے ان پر مصیبتیں غالب آجاتی ہیں۔“
 قہرمان فرموتا کے پاس آچکا تھا۔ اس نے کہا ”دیکھو یہ بالکل

فرما کے انداز میں بول رہا ہے۔“
 فرموتا نے حیرانی سے پوچھا ”فرما کے انداز میں! تم کون ہو؟ کیا فرما نہیں ہو؟“
 وہ گڑبڑا گیا۔ بے دھیانی میں ایسا کہ گیا تھا۔ پھر جلدی سے باتیں بناتے ہوئے کہا ”مہ۔ میں فرما ہوں۔ دراصل یہ کتنا چاہتا تھا کہ میرا دشمن اسی انداز میں گفتگو کرتا ہے۔ یہ اپنی اصلیت چھپا رہا ہے مگر باتوں سے بچنا جا رہا ہے۔“
 سرفراز کے فرشتوں کو بھی علم نہیں تھا کہ دشمن اسے مختلف پہلوؤں سے فرما سمجھ رہا ہے۔ وہ مقتول رفتار سے ڈرائیو کرتا جا رہا تھا۔ فرموتا بار بار پیچھے پلٹ کر دیکھ رہی تھی۔ کچھ گاڑیاں تیزی سے آتی تھیں پھر انہیں اور ٹیک کرتی ہوئی آگے چلی جاتی تھیں۔ کچھ گاڑیاں پیچھے ہی کسی راستے پر مڑ جاتی تھیں۔ یونیورسٹی روڈ کے بعد گاڑیوں کی تعداد کم ہو گئی۔ فرموتا نے پوچھا ”کہاں جا رہے ہو؟“
 وہ بولا ”آگے چند میل کے فاصلے پر علاقہ غیر ہے۔ یہاں سے راستہ سنانا ہوتا جا رہا ہے۔ تمہارے دماغ میں آنے والے فرما کی آرزو پوری کر رہا ہوں۔ اس کے غنڈے مجھے دیرانی میں گھیرنا چاہتے ہیں۔“
 اب گھیرنے والی گاڑیاں نظر آ رہی تھیں۔ ایک آگے جا رہی تھی، دوسری قنابق میں آ رہی تھی۔ تھوڑی دور تک وہ گاڑیاں اس انداز میں دوڑتی رہیں تو یقین ہو گیا کہ دشمن آگے پیچھے سے راستہ روکنے والے ہیں۔ پھر قہرمان نے بھی کہا ”فرموتا! اپنے عاشق سے کو گاڑی روک دے۔“
 اس نے پوچھا ”کیا آگے پیچھے تمہارے کرائے کے تو ہیں؟“
 ”ہاں“ اب کوئی سوال نہ کرو۔ گاڑی رکاوٹ۔“
 وہ بولی ”سرفراز! وہ میرے دماغ میں ہے اور گاڑی روکنے کے لئے کہ رہا ہے۔ ہمارے آگے پیچھے دشمنوں کی گاڑیاں ہیں۔“
 سرفراز نے کبکھٹ گاڑی کی رفتار بڑھائی۔ جس کے نتیجے میں آگے پیچھے والی گاڑیوں کی بھی رفتار بڑھ گئی۔ اس نے دیرانے کا کلن کے بل پر سے گزرنے کے بعد اچانک بریک لگائے۔ سرسبز آہستہ آہستہ رکتے ہوئے واپس محوم گئی۔ سرفراز نے کو دیش رکھے ہوئے ریوالور کو اٹھا کر پیچھے آنے والی گاڑی کا نشانہ لیا۔ بے درپے تین فائر کئے۔ ایک پیچھے زوردار آواز سے پہلا۔ اس کے ساتھ ہی وہ گاڑی بے قابو ہو گئی۔ ایک طرف محوم گئی، دوسری کی ریٹنگ کو توڑتی ہوئی دیرانے کا کلن کی منہ زور لروں میں چلی گئی۔
 وہ بڑی چھٹی دکھا رہا تھا۔ گھیر بلی کر پھر اسی بل پر سے گزرتا جا رہا تھا۔ پہلے جو گاڑی آگے جا رہی تھی اب وہ پیچھے آنے لگی۔ انہوں نے اپنے ساتھیوں کا انجام دیکھ لیا تھا۔ اس لئے کافی فاصلہ رکھ کر قنابق کر رہے تھے۔ سرفراز نے واپس اسی بل کو پار کر کے پھر اپنی گاڑی اچانک ہی روک لی۔ اسے پیچھے آنے والی گاڑی کی

طرف موڑنے لگا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے فائزنگ کی۔ یہ فائزنگ محض دھمکانے کے لئے تھی۔ عقاب کرنے والی گاڑی پل پر آکر رک گئی۔ قہرمان نے ایک آواز کا رسے کہا ”آگے بڑھو اور جوانی فائز کرو۔ وہ تھکا ہے۔“

آواز کا رسے کہا ”ہماری جائیں اتنی سستی نہیں ہیں۔ ہمارے تین ساتھی گاڑی سمیت دریا میں چلے گئے ہیں۔“ اس کی بات ختم ہوتے ہی دینا اسکرین کا شیشہ ایک چھتا کے سے ٹوٹا۔ سرفراز کے رپوڈر کی آخری گولی وہ شیشہ توڑتی ہوئی اس آواز کا رکی پیشانی میں آکر چوست ہوئی وہ گاڑی کی اسٹیرنگ پر اوردھا ہو گیا۔ اس کے ساتھ بیٹھے ہوئے سب افراد گاڑی سے نکل کر بھاگنے لگے، قہرمان نے کہا ”رک جاؤ کہاں جا رہے ہو؟“ دوسرے آواز کا رسے کہا ”ہمیں پل کے پار جانے دو۔ ہم وہاں محفوظ رہ کر جوانی فائزنگ کریں گے۔“

اوردھا دیا کے اس پار گئے اوردھا سرفراز ڈرائیو کرتا ہوا شہر کی طرف جانے لگا۔ وہاں قریب ہی باغ نارن کے نزدیک تھیں آئی جی ہدایت اللہ خان کے ساتھ گاڑی میں بیٹھا بائیں کر رہا تھا۔ آئی جی کے ساتھ ایک اور جیپ میں پولیس کے مسلح سپاہی تھے۔ فائزنگ کی آوازیں سن کر آئی جی نے غصہ کیا ”موو آن۔ دیکھو کہاں فائزنگ ہو رہی ہے۔“

جب آگے بڑھ گئی۔ ہماری گاڑی اس کے پیچھے دوڑنے لگی۔ آگے جا کر پولیس والوں نے سرفراز کی گاڑی کو روک لیا۔ انپکڑ نے پوچھا ”تم اوردھا سے آ رہے ہو بعد ہر فائزنگ ہو رہی تھی۔ معاملہ کیا ہے؟“

سرفراز نے کہا ”چند نامعلوم افراد مجھے گھیر کر قتل کرنا چاہتے تھے۔ میری کرن کو اغوا کرنا چاہتے تھے۔ میں بڑی مشکل سے جان بچا کر آ رہا ہوں۔“

انپکڑ نے کہا ”اپنا ہتھیار ہمارے حوالے کرو۔“ سرفراز نے حکم کی تعمیل کی۔ انپکڑ نے خالی رپوڈر کو دیکھ کر کہا ”تم نے چھ گولیاں چلائی ہیں۔ قتل کتنے کئے ہیں؟“

”میری فائزنگ سے بدعاشوں کی ایک گاڑی دریا میں چلی گئی ہے۔ دوسری گاڑی میں ایک شخص ہلاک ہوا ہے“ بانی بھاگ گئے ہیں۔“

انپکڑ نے فرموتا سے پوچھا ”تم غیر ملکی ہو۔ اس کی کرن کیسے ہو گئیں؟ یہ معاملہ کیا ہے؟“

انپکڑ مقامی زبان پشتو میں بول رہا تھا اور فرموتا اس کی بات نہیں سمجھ رہی تھی۔ وہ سرفراز کے ساتھ گاڑی سے باہر آگئی تھی۔ اس میں اس سینہ کو دیکھ رہا تھا۔ وہ سرفراز جیسے قد آور خوبصورت جوان کے ساتھ بیٹھ رہی تھی۔ آئی جی نے انگریزی میں پوچھا ”مس تمہارا نام کیا ہے؟“

”میرا نام فرموتا آندروف ہے۔ میں بلناریہ سے آئی ہوں

سرفراز کو پسند کرتی ہوں اس نے شادی کر کے یہاں رہنا چاہتی ہوں مگر وہ شیطان فرموتا علی تیمور سے دشمنی کر رہا ہے۔“ جس عزت سے وہ میرا ذکر کر رہی تھی اسے سن کر میں نے اسے حیرانی سے دیکھا۔ پھر اس کے چور خیالات پر ہنسنے لگا۔ آئی جی نے مجھے کن انکھیں سے دیکھ کر کہا ”مس فرموتا! فرموتا صاحب کا نام عزت سے لو۔ وہ ہمارے لئے رحمت کا فرشتہ ہیں۔“

”آپ کے لئے ہو گا۔ میرے لئے وہ ظالم اور بدکار ہے۔“ ”تمہیں اس سے کیا شکایت ہے؟“

”میری شکایت سن کر آپ اسے دور نہیں کر سکیں گے۔ وہ ٹیلی بیٹھی جانے والا اپنی من مانی کر رہا ہے گا۔“

اچانک ہی آئی جی نے اپنا رپوڈر نکال کر سرفراز کو نشانے پر رکھتے ہوئے کہا ”ہاں میں اپنی من مانی کر رہا ہوں اور کر رہا ہوں گا۔ ابھی تمہیں زخمی کر کے تمہاری اصلیت معلوم کروں گا۔“ قہرمان بڑی دیر سے فرموتا کے دماغ میں رہ کر آئی جی اور انپکڑ کی باتیں سن رہا تھا۔ وہ کرائے کے غنڈوں کے ذریعے سرفراز کو نقصان پہنچانے میں ناکام رہا تھا۔ غنڈے کام نہ آئے۔ اب پولیس کا بڑا افسر یہ مسئلہ حل کر سکتا تھا۔ اس لئے وہ آئی جی کے دماغ پر حاوی ہو کر سرفراز کو زخمی کرنا چاہتا تھا۔ میں بھی آئی جی کے دماغ پر حاوی ہو گیا۔ اس کے رپوڈر کی ٹال بیٹھی ہو گئی۔

قہرمان نے یہ دیکھ کر پوری طرح دماغ پر قبضہ جتانا چاہا لیکن میری سوچ کی لہریں اسے آئی جی پر مسلط ہونے سے روک رہی تھیں۔ بے چارہ سرفراز یہ نہیں دیکھ سکتا تھا کہ اس کے سامنے زندگی کی کیسی ممکنش جاری ہے۔ وہ دشمن کی کوشش سے مر سکتا تھا اور میری کوشش اسے نئی زندگی دے سکتی تھی۔

اس نے بڑی جوانمردی اور جنگجوئی سے غنڈوں کو مار مگایا تھا لیکن پولیس کے بڑے افسر کی گولی سے بچنا نامکن تھا۔ جبکہ اپنا خالی رپوڈر بھی انپکڑ کے حوالے کر چکا تھا لیکن جو جوان مرد ہوتے ہیں، مقدران کا ساتھ دیتا ہے۔ میں نے آئی جی کو رپوڈر والوں پر رکھنے پر مجبور کر دیا۔

ابھی وہ رپوڈر جیپ میں رکھ رہا تھا کہ انپکڑ نے اپنے ہولنر سے رپوڈر نکالا۔ مجھے یہ سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ دشمن اس انپکڑ کو آواز کا رسا رہا ہے۔ میں نے آئی جی کے ہاتھوں سے فوراً ہی گولی چلائی۔ انپکڑ کے ہاتھ سے رپوڈر چوٹ کر زمین پر اڑ گیا۔ پھر آئی جی نے میری مرضی کے مطابق انپکڑ سے کہا ”میری اجازت کے بغیر تم مسٹر سرفراز کو رپوڈر سے نشانہ بننا رہے تھے؟“

وہ الرٹ ہو کر ہلا ”سراہیں بے اختیار ہو کر ایسا کر رہا تھا۔“ آئی جی نے تائید کی ”بے شک تھوڑی دیر پہلے میں بھی اپنے اختیار میں نہیں تھا۔ ایک دشمن ٹیلی بیٹھی جانے والا ہمارے ذریعے مسٹر سرفراز کو قتل کرنا چاہتا ہے۔“

فرموتا پشتو زبان میں سمجھ رہی تھی۔ اس نے حالات کو دیکھتے

ہوئے کہا ”تھیرا آپ تسلیم کر لیں کہ یہ تمام مجرمانہ حرکتیں فرموتا کر رہا ہے۔“ آئی جی ہدایت اللہ خان نے کہا ”فرموتا تمہیں اور مسٹر سرفراز کو دشمن ٹیلی بیٹھی جانے والے سے بچا رہا ہے۔ ابھی انپکڑ کا رپوڈر میں نے نہیں میرے ذریعے فرموتا نے گرایا ہے۔“

”لیکن میرے دماغ میں جو فرموتا آتا ہے وہ مجھے بلناریہ سے ریشان کرتا آ رہا ہے۔ وہ مجھے جڑاں لایا ہے میرے ذریعے اپنے کسی خیال خدائی کرنے والے دشمن کو قتل کرنا چاہتا ہے۔“ ”میں اس شخص میں خیال خدائی کرنے والا ہمارا فرموتا علی تیمور ہے اس نے تمہیں آج ہی دیکھا ہے بلناریہ سے تمہیں ٹرپ کر کے لانے والا کوئی دشمن ہے اوردھا خود کو فرموتا کا ہر کر رہا ہے۔“

پھر آئی جی نے انپکڑ سے کہا ”میں اسے فائزنگ ہوئی اور بندے ہلاک ہوئے ہیں ان کے خلاف تمہانے میں رپورٹ درج کرو کہ چند نامعلوم دہشت گرد ایک غیر ملکی لڑکی کو اغوا کر کے لے جانا چاہتے تھے، پولیس کی کاؤنٹر فائزنگ سے کچھ بدعاش ہلاک ہو گئے ہیں۔ یہ فوجوں بے قصور ہے۔ اسے جانے دو۔“

سرفراز شکر ہے ادا کر کے فرموتا کے ساتھ جانے لگا۔ آئی جی نے سوچ کے ذریعے پوچھا ”مسٹر فرموتا! ابھی میں نے اس فوجوں کو بے قصور کہا ہے اور اسے جانے کی اجازت دے رہا ہوں، کیا آپ نے یہ فیصلہ میرے دماغ میں کیا ہے؟“

میں آئی جی کے پاس تھا۔ دشمن ٹیلی بیٹھی جانے والا کافر خان کے ذریعے یہ جانتا تھا کہ ارسلان نامی شخص ہی فرموتا ہے اور اب مجھے آئی جی اور دوسرے پولیس والوں کے ساتھ دیکھ کر یہ نہ سمجھ سکا کہ میں ہی وہ ارسلان ہوں۔

وہاں جو کچھ ہو رہا تھا اس دوران میں خاموش رہا تھا کہ دشمن میری آواز اور لہجے سے مجھے ارسلان کی حیثیت سے نہ پہچان سکے۔ وہ یہ جانتا تھا کہ فرموتا ہی ارسلان بن کر مرجعیت کی زندگی میں آیا تھا اور آج بھی پشاور شہر میں موجود ہے۔ البتہ اب وہ خود کو سرفراز کہہ رہا ہے اور حسین فرموتا کا حلقہ بنا ہوا ہے۔

میں نے آئی جی سے کہا ”میں نے ہی آپ کی زبان سے یہ فیصلہ سنایا ہے کہ سرفراز بے قصور ہے۔ آپ موجودہ فائزنگ کے سلسلے میں اسے قتلے اور پولیس کے پکڑیں نہ ڈالیں۔“

انپکڑ چاہوں کے ساتھ جانے واردات کی طرف گیا۔ میں نے آئی جی کے ساتھ شہر کی طرف جاتے ہوئے کہا ”میں فرموتا صاحب نے مجھے بتایا ہے کہ انہوں نے فرموتا کے خیالات پر ڈبے ہیں۔ اس لڑکی کے ساتھ بڑے پریشان کن حالات پیش آتے رہے ہیں۔ یہ لڑکی ہمارے لئے قابل احترام ہے اس نے بیوی کو چھوڑ کر اسلام قبول کیا ہے۔ اس کے باپ نے مسلمان بن جانے کی امت بڑی سزا پائی ہے۔ اسے قتل کرنے والے یہودیوں کو ایک نامعلوم ٹیلی بیٹھی جانے والے نے ہلاک کر دیا ہے لیکن وہ فرموتا کو

اپنی معمول بنا کر یہاں لے آیا ہے۔“ آئی جی نے پوچھا ”یہ ٹیلی بیٹھی جانے والا کون ہے؟“ ”پتا نہیں کون ہے؟ دیکھنے کوئی بھی ہو فرموتا صاحب سے چھپ نہیں سکے گا۔“

ہم بائیں کمرے ہوئے ہوٹل ڈین میں آئے۔ وہاں میرا قیام تھا۔ میں نے گاڑی سے اتر کر کہا ”میں ابھی یہ ہوٹل چھوڑ دوں گا۔ اس ابھی خیال خدائی کرنے والے کو میرا نام معلوم ہے۔ وہ میرے ذریعے فرموتا صاحب تک پہنچنے کے لئے مجھے نقصان پہنچا سکتا ہے۔“ ”تم کہاں جاؤ گے؟“

”آپ فکر نہ کریں۔ میں کیس بھی اپنے لئے جگہ بنا لوں گا۔“ ”ٹھیک ہے مجھے یہ رابطہ ضرور رکھنا۔“

میں نے معافی کا وہ پلے گئے۔ میں ہوٹل کے کمرے میں آکر اپنا مختصر سامان سمیٹنے لگا۔ جو خیال خدائی کرنے والا دشمن میرا نام اختیار کر کے واردات کر رہا تھا، وہ مجھے کسی وقت بھی اس ہوٹل میں گھیر سکتا تھا۔ اسے یہ تو معلوم تھا کہ میں ہی ارسلان بن کر رہتا ہوں لیکن یہ نہ معلوم کر سکا کہ وہ ارسلان پہلے آئی جی کی کوشش میں تھا اور اب ہوٹل ڈین میں ہے دیکھو وہ معلوم کر سکتا تھا۔

وہ مجھے چرے سے نہیں پہچانتا تھا۔ صرف نام کا مسئلہ تھا۔ میں نے ارسلان کے نام کا شناختی کارڈ اپنے سفری بیگ میں چھپا دیا پھر دوسرا شناختی کارڈ نکالا اس میں میرے موجودہ پتے کی تصویر تھی اس شناختی کارڈ کے مطابق میرا نام فرزانہ ہو گیا۔

میں ٹی بی روڈ پر آیا۔ پھر ایک درمیانے درجے کے ہوٹل امین میں ایک کمرہ حاصل کیا۔ وہاں آرام سے ایک صوفے پر بیٹھ کر سوچنے لگا۔ یہ ابھی ٹیلی بیٹھی جانے والا میرے خلاف کچھ زیادہ ہی تیزی دکھا رہا ہے۔ ایک بار مجھے قتل کرنے کے لئے کافر خان اور ہرم خان کو ذریعہ بنایا اور اب فرموتا آندروف کے ذریعے میری موت جتنا چاہتا ہے۔

مجھے فرموتا کی سوچ نے بتایا تھا کہ وہ سرفراز کو دشمن ٹیلی بیٹھی جانے والا یعنی اسے فرموتا سمجھ رہا ہے۔ اس لئے اس نے اپنی دانست میں دوسری بار مجھ پر حملہ کر لیا تھا اور سرفراز کی شامت ابھی تھی۔

میں نے کئی بار اس سلسلے میں غور کیا تھا کہ وہ جان لیوا کا کوئی خیال خدائی کرنے والا ہے یا اس کا تعلق اسرائیل سے ہے کیونکہ دونوں ہی حکومتوں کو میرا پاکستان میں رہنا گراں گزر رہا تھا۔ اگر میں شکایت کرتا کہ انہوں نے ایک قابل خیال خدائی کرنے والے کو میرے پیچھے لگا رکھا ہے تو وہ بھی یہ الزام تسلیم نہ کرتے۔ یہی کہتے کہ یہ شرارت مالک میں کی ہے۔

اب تک میں بھی مالک میں کے اکلوتے خیال خدائی کرنے والے ایوان راسکا پر مشہور کر رہا تھا لیکن یہ اس وقت کی بات ہے جب میں فرموتا آندروف کو ایک دوسری لڑکی سمجھ رہا تھا۔ اب اس کے

خیالات بڑھنے سے معلوم ہوا کہ وہ خود مظلوم ہے۔ دوسری امریکی یا اسرائیلی نہیں ہے۔ اسے معمول بنایا گیا ہے اور وہ یہودی سے مسلمان بننے کی سزا پاتا ہے۔

ان حالات کے پیش نظر قتل کر دی گئی تھی کہ وہ دشمن خیال خوانی کرنے والا ایوان راسکا نہیں ہے۔ یہی ذات سے اس کی دشمنی بتا رہی تھی کہ وہ کوئی یہودی خیال خوانی کرنے والا ہے۔

میں اس معاملے پر غور کر رہا تھا، ایسے وقت لپٹی نے آکر کہا۔

”علی ہوا کی رفتار سے زیادہ فاسٹ ہے۔ وہ تمام گولڈن بریز کے دلوں اور دماغوں کو تسخیر کر چکا ہے۔ اسے بہت جلد ایک گولڈن بریز ایڈمرل کی جگہ دی جائے گی۔“

میں نے کہا ”یہ خوش خبری اس کی سونیا ماما کو سناؤ۔“

وہ چلی گئی۔ میں نے علی کے پاس آنکر گولڈن رزادہ کے پھر اسے شاندار کامیابی پر مبارکباد دی۔ اس وقت وہ اپنے سر راجر موس سے گفتگو کر رہا تھا۔ میں نے کہا ”آؤ مجھے بعد آؤں گا۔ تم سے ضروری کام ہے۔“

میں علی کے پاس سے آیا تو لپٹی نے پھر آکر خوش خبری سنائی۔

”مبارک ہو، آپ باپ بن رہے ہیں۔“

میں نے پوچھا ”کیا مذاق ہے؟“

”مذاق نہیں حقیقت ہے۔ سسر سونیا کو یہ چہ تھا مینہ ہے۔“

میں نے حیرانی سے کہا ”کھربلی! امیرا خون کی قدر نہ رہا ہے۔“

میں باپ نہیں بن سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ تم آج تک ماں نہ بن سکیں۔ پھر سونیا کیسے بن رہی ہے؟“

”یہ خدا کی قدرت ہے اور سسر کی ذہانت ہے۔ سسر نے ثابت کر دیا ہے کہ جو ذہانت سے کوشش کرتا ہے خدا اس کے مقصد میں اسے کامیاب کرتا ہے۔“

”میں سمجھا نہیں سونیا نے کس طرح کی کوشش کی ہے؟“

”زہریلی ماریا کی برسوں سے سسر سونیا کے ساتھ رہتی رہی اور مختلف تربیتیں حاصل کرتی رہی لیکن تالی دونوں ہاتھوں سے جیتی ہے۔ صرف ماریا نے سسر کی صلاحیتیں حاصل نہیں کیں۔ سسر بھی ماریا کے زہر کی عادی بنی رہی ہیں۔ یہ عمل کئی برسوں تک جاری رہا۔ آج وہ آپ کے مقابلے میں زہریلی بن کر آپ کے بچے کی ماں بننے والی ہیں۔“

آخری فقرہ ادا کرتے وقت لپٹی کی آواز جیسے آنسوؤں سے بھرا گئی۔ میں نے کہا ”میں تمہارے دکھ کو سمجھ رہا ہوں۔ شادی کے بعد عورت ماں بننے کے انتظار میں رہتی ہے۔ تمہارا انتظار کبھی ختم نہیں ہو گا۔ تم میرے بچوں کی ماں نہیں بن سکو گی۔“

وہ بولی ”مجھے میں سسر جیسا حوصلہ نہیں ہے۔ میں زہر کی نینھی سی بوہند کا عشرہ عشرہ بھی برداشت نہیں کر سکتی۔ سسر کو یقین تھا کہ وہ زہر کو ٹھکٹ دے دیں گی۔ مجھے یقین ہے کہ یہی کوشش میں کر دیں گی تو یہ سراسر خودکشی ہو گی۔“

”جواب تمہارے لئے انسوئی ہے اس کے لئے غم نہ کرو۔“

”میں اس پر راضی ہوں جو خدا کو منظور ہے۔ آپ کو ابھی سسر کے پاس جانا چاہئے۔ میں پھر آؤں گی۔“

وہ چلی گئی۔ میں نے سونیا کے پاس آنکر گولڈن رزادہ کے وہ بابا فرید واسطی مرحوم کے حجرے میں فرش پر دو زانو بیٹھی ہوئی تھی۔ ابھی عبادت سے فارغ ہوئی تھی۔ میرے آتے ہی وہ سر ہٹا کر شرماتے اور مسکراتے لگی۔ میں نے کہا ”مجھے یقین نہیں آتا ہے سونیا!“

وہ کچھ نہ بولی ”میں اس کے خیالات پڑھنے لگا۔ لپٹی نے درست کہا تھا کہ وہ ماریا کے ذریعے اس حد تک زہریلی ہو گئی تھی کہ اب میرے بچے کی ماں بننے والی تھی۔“

اور مجھے یہ بات آج معلوم ہوئی کہ بابا فرید واسطی مرحوم نے اپنی زندگی میں پیش گوئی کر دی تھی کہ اس کا بے وقوف صاحب اسے جیون سا بھی کے طور پر لے گا۔ اور میں اسے حاصل ہو چکا تھا۔

یہ بھی انہوں نے فرمایا تھا کہ سونیا دوبارہ حجرے میں آئے گی ایک بار چھ ماہ کے لئے جب وہ ماں بنے گی۔ دوسری بار چھ دن کے لئے جب وہ اپنی زندگی کی آخری سانسیں ختم کر دی ہو گی۔

سونیا ایک ایسا زندہ جاوید کردار ہے کہ اس کی موت کا تصور کرنے کو بھی یہی نہیں چاہتا لیکن موت برحق ہے۔ ایک دن سب کو فنا ہوتا ہے وہ بھی ہو جائے گی۔

فی الحال یہ خوشی کا مقام تھا کہ اس کی گود بھرنے والی ہے۔ جب میں نے خیالات پڑھ لئے تو وہ بولی ”میرے بابائے کا تھا چھ ماہ تک کوئی اس حجرے میں نہیں آئے گا۔ کوئی مجھ سے باتیں نہیں کرے گا۔ صرف تم علی الصباح بلا تاغہ میرے پاس آیا کرو گے۔ مجھے فجر کی اذان سنایا کرو گے۔ یہ اذانیں تمہاری خیال خوانی سے میرے دماغ کے ذریعے اس ننھے سے وجود تک پہنچتی رہا کریں گی۔ یہ اس کی روحانی خوراک ہو گی۔“

”میں آؤں گا۔ ہر صبح بلا تاغہ آتا رہوں گا۔ بابا صاحب کی کچھ اور پیش گوئیاں سناؤ۔“

”وقت سے پہلے کچھ سننے اور کہنے کی اجازت نہیں ہے۔ میں مجبور ہوں۔ تمہارے لئے بابا صاحب کا اتنا ہی حکم تھا کہ فجر کے وقت آؤ گے۔ اذان سننا کہ ایک باپ کا فرض ادا کرو گے پھر میں وضو کر کے نماز کے لئے کھڑی ہو جاؤں تو تم چلے جاؤ گے۔ بس اتنی ہی مختصری ملاقات کی اجازت ہے۔ پلیز اب چلے جاؤ۔“

میں اپنی جگہ دماغی طور پر واپس آیا۔ ہوئی کے کمرے میں کمری خاموشی تھی۔ میں دشمن خیال خوانی کرنے والے کی چالوں سے بچنے کے لئے اس معمول سے ہوئی میں آیا تھا۔ مجھے امید تھی کہ اسرائیلی اور امریکی ٹیلی بیٹھی جانے والوں کو نولتے ہوئے اس شخص تک پہنچ جائیں گا جو فرموتا کے ذریعے مجھے چھاننے اور قتل کرنے کی دوبارہ ناکام کوششیں کر چکا ہے۔

اب اس کی جڑوں تک پہنچنا لازمی ہو گیا تھا۔ ورنہ تیسری بار وہ اپنے ارادے میں کامیاب ہو سکتا تھا۔ اس کے لئے میں پھر ایک بار علی تیمور کے پاس آیا۔ میں اور میرے ساتھی خیال خوانی کے وقت محتاط رہتے تھے کسی کے دماغ میں جتنے ہی اسے مخاطب نہیں کرتے تھے جب وہ سانس روکنے لگتا تو ہم گولڈن رزادہ ادا کرتے تھے۔

علی کے دماغ میں پہنچ کر میں نے انتظار کیا۔ چند سیکنڈ میں معلوم ہو گیا کہ اب اس کے دماغ میں ہے۔ اسی لئے بیٹے نے میری سوچ کی لہروں کو محسوس نہیں کیا۔ وہ کہہ رہی تھی ”کھارمن! (علی) تم مجھے دماغ میں آنے سے کیوں روکتے ہو۔ کیا مجھ سے بیزار سی ظاہر کرتے ہو؟“

اس نے کہا ”میں سانس روک رہا ہوں۔ فون پر باتیں کرو تمہاری باتوں کا جواب دوں گا۔“

اس نے سانس روک لی۔ الپا کے ساتھ میں بھی اس کے دماغ سے نکل گیا۔ پھر واپس جا کر گولڈن رزادہ کے اس کے بعد کہہ ”ابھی آیا تھا، الپا تم سے باتیں کر رہی تھی۔ اس سے فون پر مختصر گفتگو کرو۔ میں پانچ منٹ بعد آؤں گا۔“

”پاپا! آپ نہ جائیں۔ میں اس سے باتیں کروں گا۔ آپ میرے خیالات پڑھ کر گولڈن بریز کے متعلق تازہ ترین معلومات حاصل کر سکتے ہیں۔“

فون کی گھنٹی سن کر اس نے ریسیور اٹھایا۔ دوسری طرف سے الپا کی آواز سنائی دی۔ علی نے کہا ”میں تم سے بیزار نہیں ہوں، تمہاری آمد پر خوش ہوتا ہوں۔ کیونکہ تم ہمارے ملک کا سربراہ ہو محب وطن خیال خوانی کرنے والی ہو لیکن میں پرانی سوچ کی لہروں کو محسوس کرتے ہی بے چین ہو جاتا ہوں۔ میں اپنے مزاج پر گراں گزرنے والی کوئی بات برداشت نہیں کر سکتا۔“

”چلو یہ کیا کہنے کے فون پر برداشت کر رہے ہو۔“

”ابا! اب کام کی بات کرو۔“

”مفتیش بھی ہر وقت کام نہیں کرتیں۔ ہمیں بھی کبھی کبھی دوستی اور محبت کی باتیں کرنی چاہئیں۔“

”کسی کی مثال دو تو اس پر عمل بھی کیا کرو۔ مفتیش بے شک ہر وقت کام نہیں کرتیں اور جب کام نہیں کرتیں تو خاموش رہتی ہیں۔“

”یعنی مجھے خاموش رہنے کا مشورہ دے رہے ہو؟“

”کوئی ضروری نہیں کہ مشورہ پر عمل کرو۔ البتہ مجھے خاموش رہنے دو۔“

”یوں کترانے کی وجہ کیا ہے؟“

”مجھ سے پوچھ رہی ہو جب کہ یہ سمجھتی ہو کہ اپنے ملک کے تمام خیال خوانی کرنے والوں کی طرح ہم بھی دوپٹے رہتی ہو۔ اگر مجھ میں دلچسپی لوگی، مجھ سے ملوگی اور ظاہر ہو جاوے گی تو کوئی دشمن

میرے ذریعے تمہیں ٹرپ کرے گا۔“

”میں سوچ سمجھ کر تمہاری طرف بڑھ رہی ہوں۔ تم لوگ کا ماہر ہو۔ دلہن اور فواد ہی ہو۔ آج کل میں گولڈن بریز کا عمدہ حاصل کرنے والے ہو۔ میں آزادی سے کسی روک ٹوک کے بغیر تم سے مل سکتی ہوں۔“

”کس تعلق سے ملو گی؟“

”ہمارا تعلق محبت سے شروع ہو گا۔“

”وہ تو شروع ہو چکا ہے۔ میں پامیلا کو دل و جان سے چاہتا ہوں اس کے پیار میرے اعداد کو دھوکا نہیں دوں گا۔“

”تم نے مجھے دیکھا نہیں ہے۔ دیکھو گے تو ایسی باتیں کرنا بھول جاؤ گے۔“

”جو عورت اچھی باتیں بھلا دے اس کی طرف دیکھنا ہی نہیں چاہئے۔“

”کیوں مجھے تنگ کر رہے ہو؟“

”میں صاف اور سیدھی بات کرتا ہوں۔ پامیلا کا حق تمہیں نہیں دوں گا مگر اب تمام عمر تم سے دوستی کرتا رہوں گا۔“

”چلو دوستی ہی سہی۔ سنا ہے محبت سے دوستی بڑھتی ہے اور دوستی سے محبت پیدا ہوتی جاتی ہے۔“

”ہماری دوستی سے وطن کی محبت اور فرانس کی ادائیگی میں استحکام پیدا ہو گا۔“

”تم بات کو ٹھنڈا خوب جاننے ہو۔“

”ابا! ابھی تک تم نے کام کی بات نہیں کی ہے۔“

”کچھ ایسی باتیں ہیں جو فون پر نہیں کی جاسکتیں۔“

”کیا دماغ میں آکر کرنا چاہتی ہو؟“

”دماغ میں آنے سے تم بے چینی اور ناگوار محسوس کرتے ہو۔“

”سمجھ گیا۔ ملاقات کرنا چاہتی ہو۔“

”دل سے نہیں بلاؤ گے تو ملاقات کا خاک مزہ آئے گا۔“

”فرانس کی ادائیگی کے لئے تمہیں دل سے بلا رہا ہوں۔ بتاؤ کہاں ملاقات ہو گی؟“

”شیرن کے ڈائننگ ہال میں۔“

”میں تمہیں کیسے پہچانوں گا؟“

”میں پہچان لوں گی۔“

”کس وقت؟“

”ٹھیک رات کے نو بجے آؤں گی۔“

”اوکے سو فار۔“

اس نے ریسیور رکھ دیا۔ اس دوران میں علی کے خیالات دھڑکتا رہا تھا۔ معلوم ہوا کہ اس کے سر راجر موس نے خود کو گولڈن بریز کی حیثیت سے اس کے سامنے ظاہر کر دیا ہے اور یہ خبر سنائی ہے کہ ایڈمرل سلوسن کو حراست میں رکھا گیا ہے۔ چونکہ وہ

ناراضی میں جان لیوڑا کا معمول بن گیا تھا۔ اس لئے اسے غدار تسلیم نہیں کیا گیا ہے۔ اس کا برین واٹھ کر کے اس کے دماغ سے جان لیوڑا کو بھگایا جائے گا۔ اس وقت تک کے لئے علی تیمور کو قائم مقام گولڈن برین بنایا جائے گا۔

یہ علی تیمور کے لئے آزمائشی مدت ہوگی۔ اس مدت میں وہ مزید ذہانت کا ثبوت دے گا تو ایڈرک سلسلہ کے واپس آنے کے بعد علی کو مستقل طور پر ساتواں گولڈن برین کا عہدہ دیا جائے گا۔ علی نے ریسپور رکھا تو میں نے کہا "بیٹے! تم مجھ دار ہو۔ پھر بھی تمہیں سمجھانا ہوں۔ الپا کسی خاص مقصد سے تمہاری ذات میں دلچسپی لے رہی ہے۔"

"میں سمجھ رہا ہوں بابا! ابھی اس کا تو ذکر رہا ہوں۔"

وہ اپنے کمرے میں تھا۔ وہاں سے اندھ کر راجر موس کے کمرے کے سامنے آیا۔ دو ازبے پردہ بند دی "اندھے سے آواز آئی۔"

"وہ دو ازبہ کھول کر اندر آیا۔ راجر موس نے کہا "مالی سن! میں نے تمہیں آرام کرنے کو کہا تھا۔ مگر تم بھر کسی کام سے آئے ہو۔"

وہ ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولا "کام بہت ضروری تھا سرا۔"

"تم مجھے سرکہ رہے ہو؟ میں گھر میں تمہارا قادر لیاں لا ہوں مجھے بیشک کی طرح اٹکل کو۔"

"بے شک آپ میرے اٹکل ہیں لیکن سرکاری فرائض ادا کرتے وقت آپ کو سرکہ کے مخاطب کرنا پڑے گا۔"

"ابھی کون سا سرکاری فرض ادا کرنے آئے ہو؟"

"سرا! الپا میری ذات میں دلچسپی لے رہی ہے۔ آج رات نو بجے شیرٹن کے ڈائننگ ہال میں مجھ سے ملنے آئے گی۔"

راجر موس نے کہا "عجب ہے! الپا ایسی غیر ذمہ دار تو نہیں ہے۔"

"میں میں سوچ رہا ہوں کہ عشق نے اسے سوچنے بجھنے کے قابل نہیں رکھا ہے کوئی دشمن اسے میرے ساتھ دیکھ سکتا ہے۔ یا کوئی دشمن خیال خوائی کرنے والا مجھے کسی طرح دماغی طور پر کمزور بنا کر الپا کی شہ رگ تک پہنچ سکتا ہے۔"

"درست کہتے ہو۔ کیا اس نے خیال خوائی کے ذریعے تم سے ملنے کا وعدہ کیا ہے؟"

"تو سرا! یہ اس کی دوسری حماقت ہے کہ اس نے فون بر ملاقات کی جگہ اور وقت کا تعین کیا ہے۔ فون پر ہونے والی گفتگو کوئی دوسرا بھی سن سکتا ہے۔"

"میں ابھی الپا سے وضاحت طلب کروں گا۔"

"اگر وہ بنجیدگی سے مجھے چاہتی ہے تو میری شکایت کو اپنی توہین سمجھے گی۔ اسے محبت کا جواب میری محبت سے نہیں ملے گا تو وہ مخالفانہ رویہ اختیار کر سکتی ہے۔ دوسرے تمام گولڈن برینز کو مجھ سے بدظن کر سکتی ہے۔"

"ہاں! یہ ممکن ہے۔ مجھے یہ سن کر حیرانی ہو رہی ہے کہ وہ تم سے عشق کر کے عقل کھو رہی ہے۔ ہم اپنے خیال خوائی کرنے والوں میں سے مورگن اور الپا کو سب سے زیادہ ذہین اور قابل اعتماد سمجھتے ہیں۔ میرے ساتھ آؤ۔ میں الپا کا حصار کروں گا۔"

وہ اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ علی کو اپنے ساتھ لے کر ایک اسٹور روم میں پہنچا پھر بولا "آج میں تمہیں اپنا خفیہ کمرہ دکھانے گا۔ یہ تمہارے سامنے محض ایک پرانے ڈیزائن کی الماری ہے لیکن اس الماری کے اندر سے ایک چور راستہ میرے خفیہ کمرے کی طرف جاتا ہے۔"

وہ علی کو خفیہ راستے کی ایک ایک تفصیل بتاتے ہوئے اس کمرے میں آیا جہاں ہم پہلے ہی اس کی بیوی کو معمول بنا کر خیال خوائی کے ذریعے پہنچ گئے تھے۔ اس نے ملٹی کمپیوٹر کے ذریعے گولڈن برین مینجریاؤلے سے رابطہ کیا پھر کمپیوٹر کھر کے ذریعے کہا "تمہاری اطلاع کے لئے عرض ہے کہ الپا عشق و محبت کے موڈ میں ہے۔ مسٹر کارمن ہیرلڈ سے عشق کر رہی ہے۔"

مینجریاؤلے نے کہا "معلوم ہوتا ہے یہ معاملہ سرکاری نہیں ذاتی ہے۔ تمہیں یہ شکایت ہے کہ الپا تمہارے داماد کو تمہاری بیٹی سے چھین لیتا چاہتی ہے۔"

"میں اس کمپیوٹر کے ذریعے میری گفتگو صرف سرکاری ہوتی ہے۔ اگر ذاتی ہوتی تو میں کارمن کو اپنا داماد کہہ کر بیٹی کے سماں کا واسطہ دے کر الپا کے خلاف شکایت کرتا۔"

"سوری نمونہ! میں بات سمجھ گیا۔ الپا کارمن سے یا کسی سے بھی عشق کرے گی تو اس کا محبوب اس کی ذاتی مصروفیات میں دلچسپی لے گا اس طرح اسے ہماری مصروفیات کا علم ہو رہا ہے۔"

"صرف یہی نہیں۔ یہ بھی اندیشہ ہے کہ الپا کے محبوب کے ذریعے کوئی دشمن ملٹی بیٹھی جائے والا ہمارا سراغ لگا سکتا ہے۔ آج رات نو بجے الپا شیرٹن ہوئی میں کارمن سے ملاقات کرے گی۔ کیا الپا کو اس طرح پبلک پلس میں جانا چاہئے؟"

"ہرگز نہیں۔ کیا یہ باتیں تمہارے داماد کارمن نے بتائی ہیں؟"

"ہاں اسے بھی یہ تشویش ہے کہ الپا عشق میں اندھی ہو کر پبلک پلس میں آنے کی تو کوئی دشمن اسے نقصان پہنچا سکتا ہے۔"

"نمبرون! تمہارا داماد ایک مستقل مزاج اور اصول پسند شخص ہے۔ میرے حکم کے مطابق الپا اسے آزمائشی سے ہم نے کارمن کو مختلف پبلوڈس سے آزمایا اسے ذہین اور دیگر تسلیم کیا ہے۔ اب ہم اسے دو مانی اور چکی پولو سے بھی آزمایا جاتا ہے۔ اسی لئے الپا نے اسے ہوٹل میں بلایا ہے۔"

"میں آؤں گی کسی دوسری حینہ سے بھی کارمن کو آزمائے گا کام لے سکتے تھے؟"

"دوسری میں اور الپا میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ وہ ملٹی بیٹھی جاتی ہے۔ کوئی بھی شخص اس سے صرف چھٹی معاملے ہی میں نہیں ملتی بیٹھی کے معاملے میں بھی دلچسپی لے گا۔"

"تم الپا کی طرف سے بھی غور کرو۔ اگر وہ جیج بنجیدگی سے کارمن پر عاشق ہو جائے گی تو کیا ہو گا؟"

"نمبرون! اسے جیج عاشق ہونے دو۔ اس میں ہمارا فائدہ ہے۔"

"کیا کہہ رہے ہو؟ میری بیٹی پامیلا پر سوکن لانے کی بات کر رہے ہو؟"

"نمبرون! یہ تمہاری حکم ہے کہ اپنے ذاتی معاملات کو سرکاری معاملات پر قربان کر دیا کرو۔ الپا کے ملنے میں سرکاری معاملہ ہے یہ کہ وہ ہمارے سنے گولڈن برین کارمن (علی) کی دوست بن کر رہے گی تو پھر کوئی دشمن اسے دوست بن کر نہیں بھینسے گا۔ جیسا کہ باقی میں پاس نے اسے پھنسا تھا۔"

"تم درست کہہ رہے ہو لیکن میں کارمن کو ایک عرصے سے جانتا ہوں وہ انتہائی شریف نوجوان ہے۔ ہوس پرستی سے دور رہتا ہے۔ اسے اس دلدل میں لانا مناسب نہیں ہے۔"

"الپا کے جذبات کو نگاہ دینے اور اس کو محب وطن ملٹی بیٹھی جاننے والی کو کبھی بغیر کی جھولی میں جانے سے روکنے کے لئے یہ ضروری ہے۔ اگر نہیں اعتراض ہے تو یہ مسئلہ تمام گولڈن برینز کے سامنے پیش کیا جائے گا۔"

"نہیں! مینجریا میں سرکاری معاملات پر اعتراض نہیں کروں گا۔ خواہ اعتراض نہ کرنے سے میری جان جائے یا میری بیٹی کا دل ٹوٹا رہے۔ دیش آل۔"

راجر موس نے رابطہ ختم کر دیا۔ علی اس کے پاس بیٹھا اسکرین پر وہ تحریری گفتگو پڑھتا رہا تھا۔ گفتگو کا آخری حصہ ایسا تھا کہ وہ سر اور داماد ایک دوسرے سے نظریں نہیں ملارہے تھے۔

میں نے علی سے کہا "راجر موس تمہیں گولڈن برین کے عہدہ پر پہنچا کر اب پھنسا رہا ہے۔ الپا اس کی بیٹی کا آدمی حاصل کرے گی۔"

"بابا! آپ میرے مزاج سے واقف ہیں۔ میرے لئے بھی ایک مسئلہ ہے۔ میں الپا یا کسی بھی دوسری لڑکی سے دلچسپی لیتا نہیں چاہتا۔"

"انسان کے دل چاہنے کے باوجود حالات اسے چاہنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔ کبھی تم پامیلا سے شادی کر کے اسے دھوکا نہیں دینا چاہتے تھے مگر اب اس کے ساتھ ازدواجی زندگی گزار رہے ہو۔"

میں نے کہتے کہتے رک گیا۔ راجر موس نے سراغ کر علی سے کہا۔

"پامیلا میری ایک ہی اولاد ہے۔ میں اسے جان سے زیادہ چاہتا ہوں۔ جب اسے معلوم ہو گا کہ تم کسی دوسری سے ملے ہو تو اس کا دل ٹوٹ جائے گا۔"

"اٹکل! مجھے پامیلا کی زندگی عزیز ہے۔ میں گولڈن برین کا عہدہ قبول نہیں کروں گا۔"

"عہدہ قبول نہ کرنے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ دراصل الپا ایک مسئلہ ہے۔ وہ جوان اور حسین ہے۔ ہمیں یہ اندیشہ رہتا ہے کہ پاس کی طرح پھر کوئی دشمن اسے عشق کے جال میں نہ پھانس لے۔ وہ تمہاری محبوبہ بن کر رہے گی تو ہم تمام گولڈن برینز مطمئن رہیں گے۔"

"یعنی آپ بھی یہی چاہتے ہیں کہ میں یہ کڑوا ٹھونٹاں لوں؟"

"میں فرض کی ادائیگی کے لئے یہی چاہتا ہوں۔"

وہ دونوں خفیہ کمرے سے باہر آگئے۔ پامیلا اپنے کمرے میں سو گوار بیٹھی ہوئی تھی۔ اپنی ماں کی موت کا صدمہ برداشت کر رہی تھی۔ علی نے کہا "پامیلا! یہ پچھلی رات سے جاگ رہی ہے، آپ اسے سلا دیں۔"

میں پامیلا کے دماغ میں آیا۔ اسے بستر لے گیا۔ وہ سونا نہیں چاہتی تھی۔ خوب رونا چاہتی تھی۔ میں نے اس کی آنکھیں بند کر دیں پھر خیال خوائی کی ذریعے اسے کمری نیند میں پھنسا دیا۔

میں نے علی کے پاس آکر فریوٹا آندروف اور انجینی خیال خوائی کرنے والے کے متعلق تفصیل سے واقعات بتائے پھر کہا۔

"مجھے شبہ ہے کہ وہ انجینی خیال کے یہودی خیال خوائی کرنے والوں میں سے کوئی ہے۔"

اس نے کہا "الپا اور بے مورگن انتہائی وفادار اور ذمہ دار خیال خوائی کرنے والے افراد ہیں۔ یہ دونوں صرف ملکی معاملات میں گولڈن برینز کے احکامات کی تعمیل کرتے ہیں۔ تیسرا ملٹی بیٹھی جاننے والا میری ہوگن ہے۔ اس پر شبہ کیا جاسکتا ہے کہ یہودیوں نے اسے آپ کے پیچھے لگا دیا ہے۔ چوتھا ملٹی بیٹھی جاننے والا جزل پارکن قیدی کی زندگی گزار رہا ہے۔ شاید اس کا برین واٹھ گیا ہے۔"

میں نے کہا "الپا! بے مورگن اور میری ہوگن شاید گولڈن برین مینجریاؤلے کے ماتحت کام کرتے ہیں۔ اس لئے نمبرون گولڈن برین راجر موس کو یہ معلوم نہیں تھا کہ الپا مینجریاؤلے کے حکم پر تم سے دوستی کر رہی ہے۔"

"تمی ہاں۔ یہ خیال خوائی کرنے والے مینجریاؤلے کے ماتحت ہیں اور شاید مینجریاؤلے ہی میری ہوگن کو آپ کے پیچھے لگایا ہے۔ مجھے کسی طرح مینجریاؤلے میری ہوگن کو کمزور بنانا ہو گا۔ اس مقصد کے لئے ان کا چارٹھکا معلوم کرنا ضروری ہے۔"

"تم اس ملنے میں کو شش کرو۔ میں امریکی خیال خوائی کرنے والوں کو ٹوٹنے لگا رہا ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ جان لیوڑا نے اپنے کسی ماتحت کو میرے پیچھے لگایا ہو۔ میں پھر آؤں گا۔"

اس سے رخصت ہو کر میں دفعتی طور پر حاضر ہو گیا۔ اسرائیل

میں علی تجوز تھا جس کے ذریعے میں دشمن خیال خوانی کرنے والے کو بے نقاب کرنا چاہتا تھا۔ امریکا میں سونیا خانی تھی جو ہمارے عمومی عمل کے باعث خود کو بھولی ہوئی تھی اور اپنے آپ کو سلوان کے نام سے پہچانتی تھی۔

وہ جان لیوڈا کی سرپرستی میں ملری ہیڈ کوارٹر کے ایک ٹریننگ سینٹر میں پہنچائی گئی تھی۔ سپرماٹر اور جان لیوڈا کا ارادہ تھا کہ ایک دن اسے ٹرانسفارمر مشین سے گزار کر ٹیلی بیٹھی کا علم حاصل کیا جائے گا۔ سلوان عرف سونیا خانی نے ابتدا ہی سے اپنے کارناموں کے ذریعے جان لیوڈا وغیرہ کو بہت زیادہ متاثر کیا تھا۔ وہ بچپن سے سونیا کے سامنے میں رہ کر زبردست ٹریننگ حاصل کر چکی تھی۔ تقریباً دو سہری سونیا بن گئی تھی اس لئے اسے سونیا خانی کہا جاتا تھا۔

جب اس نے ملری ٹریننگ سینٹر میں بھی سونی صدارتس حاصل کر کے تربیت دینے والے ٹرینر کو حیران کیا تو یہ فیصلہ کر لیا گیا کہ پندرہ دنوں تک اسے میڈیکل اور بروریشن میں رکھنے کے بعد ٹرانسفارمر مشین سے گزارا جائے گا۔

میں خانی کے داغ میں جا کر چپ چاپ یہ خیالات بڑھ رہا تھا اور یہ انکشاف ہو رہا تھا کہ ایک ٹرانسفارمر مشین سپرماٹر کے پاس موجود ہے۔ یاد دہانہ تیار کی گئی ہے اور پندرہ دن بعد خانی ٹیلی بیٹھی کا علم حاصل کرنے والی ہے۔

میں نے سلمان کو مخاطب کر کے اسے سونیا خانی کے متعلق بتایا۔ اس نے خوش ہو کر کہا ”میرے لئے بہت بڑی خوش خبری ہے۔ ہماری فہم میں ایک ٹیلی بیٹھی جاننے والی کا اضافہ ہونے والا ہے۔“

میں نے کہا ”آج سے تمہاری اور سلطانہ کی یہ ڈیوٹی ہے کہ باری باری خانی کے پاس موجود رہو گے۔ آج سے پندرہویں دن یہ ضرور معلوم کرنا کہ اس کے داغ میں جان لیوڈا وغیرہ کب تک موجود رہتے ہیں۔ ان کی غیر موجودگی سے فائدہ اٹھا کر خانی پر عمومی عمل کو اور اسے اپنی اصلی شخصیت یاد دلاؤ تاکہ وہ ٹرانسفارمر مشین سے گزرنے کے بعد ہماری ہی رہے غفلت کرو گے تو وہ سلوان کی حیثیت سے ان کی ٹیلی بیٹھی جاننے والی بن جائے گی۔“

میں تمام باتیں سمجھا کر پھر خانی کے پاس آگیا۔ میں خانی کے ذریعے کسی ایسے فرد کو پکڑنا چاہتا تھا جسے آلہ کار بنا کر جان لیوڈا یا سپرماٹر ہوں جن کے قریب رہ سکیں۔ اس کے خیالات نے بتایا کہ لیوڈا کی ایک بیٹی بھی ٹریننگ سینٹر میں ہے اس کا نام کانووانا لیوڈا تھا۔

میں اپنی داستان میں کانووانا کا ذکر کر چکا ہوں۔ لیوڈا چاہتا تھا اس کی بیٹی بھی ٹریننگ کے نتیجے میں اسے گریڈ حاصل کر کے اور ٹرانسفارمر مشین سے گزار کر ٹیلی بیٹھی کا علم حاصل کرے۔ کانووانا ذہن تھی لیکن اسے گریڈ حاصل کرنے والی ذہانت اس کے پاس نہیں تھی۔ وہ بھرپور کوشش کر رہی تھی۔ جان لیوڈا نے سلوان

(خانی) سے کہا تھا ”میری بیٹی کو گائیڈ کرو۔ اسے اپنے ساتھ رکھا کرو۔ تمہاری ذہانت سے یہ بہت کچھ سیکھ لے گی۔“ تب سے کانووانا اور سلوان انہیں میں سیلیاں بن گئی تھیں۔ جب ان کے درمیان بے تکلفی بڑھنے لگی تو ایک دن کانووانا نے اپنے دل کی بات بتائی کہ اسے ایک گورے امریکی جوان سے محبت ہو گئی ہے۔

سلوان نے پوچھا ”کیا وہ بھی تمہیں چاہتا ہے؟“

”اے! وہ جان سے چاہتا ہے۔“

”لیکن تم نکرو ہو۔ کیا وہ تم سے شادی کرے گا اور کرے گا تو تمہارے سیاہ فام ہونے کا طعنہ نہیں دے گا۔“

”میں اسے کالے اور گورے کا جھگڑا دیتا ہوں اس کے باوجود بعض کالے گوری عورتوں سے اور گورے مرد کالی عورتوں سے شادیاں کرتے ہیں۔“

”کیا اس نے شادی کا وعدہ کیا ہے؟“

”ہاں! وہ میرے ڈیوٹی کا احسان مند ہے۔ ڈیوٹی نے اسے یہاں ٹریننگ سینٹر میں داخل کر لیا تھا۔ وہ مجھ سے ایک سال سینئر تھا۔ اے گریڈ حاصل کر کے یہاں سے جا چکا ہے۔“

”یعنی ایک برس پہلے ٹرانسفارمر مشین سے گزر چکا ہے۔“

”شاید اس نے ٹیلی بیٹھی کا علم حاصل کر لیا ہے۔ ڈیوٹی راز کی باتیں اپنی اولاد کو بھی نہیں بتاتے ہیں۔“

خانی نے کہا ”میرا خیال ہے اس نے علم حاصل نہیں کیا ہے اگر کرتا تو تمہارے داغ میں آکر تم سے ضرور باتیں کرتا۔“

”ہاں۔ میں اکثر سوچتی ہوں کہ اے گریڈ حاصل کر کے جانے کا مطلب یہی ہے کہ وہ ٹرانسفارمر مشین سے گزر چکا ہے۔ پھر مجھ سے رابطہ کیوں نہیں کرتا ہے۔“

”ہو سکتا ہے کہ تمہارے ڈیوٹی کی طرح سخت اصول پسند ہو اور سپرماٹر کے حکم کے مطابق غیر ضروری خیال خوانی سے پرہیز کرتا ہو اسی لئے تمہارے پاس نہ آتا ہو۔“

”کاش ایسا ہی ہو۔ وہ فرائض کی ادائیگی کے باعث مجھ سے رابطہ نہ رکھتا ہو۔ لیکن وہ مجھ سے محبت کرتا ہے، ایک دن ضرور میرے پاس آئے گا۔“

”تم نے اس کا نام نہیں بتایا۔“

”اس کا نام جین تھیال ہے مختصر طور پر بی بی تھیال کہلاتا ہے میں اسے صرف تھیال کہتی ہوں۔“

یہ انکشاف ہوتے ہی میں نے اطمینان کی ایک امریکی سانس لی۔ خانی کے چور خیالات بڑھنے سے مشکل آسان ہو گئی تھی۔ اگرچہ میں نے تھیال کا نام پہلے کسی نہیں سنا تھا لیکن وہ ٹیلی بیٹھی سیکھنے کے بعد اچانک کم ہو گیا تھا۔ اپنی محبوبہ سے بھی رابطہ نہیں کر رہا تھا۔ کانووانا نے اپنے باپ لیوڈا کو اس مسئلے میں مگر مند نہیں پایا تھا۔ اس کا مطلب یہی تھا کہ لیوڈا نے صرف مجھے قتل

کرانے کے لئے تھیال کو چھپا کر رکھا ہے۔ ہماری دنیا میں جتنے ٹیلی بیٹھی جانتے والے ہیں ان کی فہمت میں لیوڈا نے تھیال کا نام نہیں آئے دیا۔ صرف اس لئے کہ میں محتاط نہ ہو جاؤں اور تھیال کا نام معلوم ہوتے ہی اسے کہیں سے ڈھونڈ نہ نکالوں۔

ہزار راز داری کے باوجود میں نے اسے کسی حد تک تلاش کر لیا، صرف اس کا ٹھکانا معلوم کرنا یہ تھا۔ میں نے علی سے کہا ”دشمن خیال خوانی کرنے والے کا نام بی بی تھیال ہے۔ جان لیوڈا سے اس کا گہرا تعلق ہے۔ میں اس سے نمٹ لوں گا۔ تم اپنے معاملات پر توجہ دو۔“

میں فرموتا کہ پاس آیا۔ وہ سرفراز خان کے ساتھ اس کے گھر آئی تھی۔ سرفراز خان کی ماں نے اس سے پوچھا ”بی بی! تمہاری اور ہماری تہذیب میں بڑا فرق ہے۔ کیا ہمارے ساتھ گزراہ کر سکو گی؟“

سرفراز نے ماں کی پشتو زبان کا ترجمہ کیا۔ فرموتا کہ ”ماں! آپ کو ماں کہتی ہوں اور ساری دنیا کی ماؤں کی تہذیب ایک اس کا دودھ ایک اور اس کی مٹا ایک ہوتی ہے۔“

پھر وہ سرفراز کے بازو کو تھام کر بولی ”آپ کے بیٹے نے مجھے تحفظ دیا ہے اور ہر عورت اسی تہذیب سے محبت کرتی ہے جہاں اسے تحفظ حاصل ہوتا ہے۔ ماں! میں آپ کی زبان سیکھوں گی پھر آپ سے خوب باتیں کیا کروں گی۔“

اسی وقت تھیال نے اس کے داغ میں کہا ”بہت خوش ہو رہی ہو، کیا مجھے چھو کر یہاں گھر بساؤ گی؟“

وہ پریشان ہو کر بولی ”سرفراز! وہ پھر میرے اندر آکر بول رہا ہے۔“

سرفراز کے کچھ کہنے سے پہلے میں نے فرموتا کے داغ میں کہا۔ ”ہیلو تھیال! ڈرا جلدی یہ حساب کرو کہ تمہاری سائنس کتنی رہ گئی ہیں۔“

جواب میں خاموشی رہی۔ فرموتا نے پریشان ہو کر کہا ”کوئی کسی تھیال کو اپنی سائنس کا حساب کرنے کو کہہ رہا ہے۔ پتا نہیں یہ میرے داغ میں کیا ہو رہا ہے۔ میں باہر جاؤں گی۔“

میں نے کہا ”فرموتا! جو حوصلے سے کام لو۔ جو فریاد تمہیں پریشان کر رہا ہے اس سے تمہیں جلدی نجات مل جائے گی۔“

سرفراز ”فرموتا کی پیشانی کو دیکھ کر کہہ رہا تھا ”تم کون ہو؟ کیوں میری فرموتا کے داغ میں آکر پریشان کر رہے ہو؟“

میں نے کہا ”فرموتا! اپنے محبوب سے کہہ دو۔ میں تمہارا مددگار ہوں۔ میرے آتے ہی فریاد تمہارے داغ سے بھاگ گیا۔ میں چاہوں تو ابھی اسے پکڑ سکتا ہوں لیکن مجھے جو بے بسی کا کھیل پسند ہے۔ میں اس چوہے کو دو ڈاؤڈا کر ماروں گا۔“

یہ آخری فقرے میں نے تھیال کو سنانے کے لئے کہے۔ میرا اندازہ تھا کہ وہ خاموشی سے موجود ہے۔ یہ بہت بعد میں معلوم ہوا تھا کہ وہ اپنا نام سننے ہی بھاگ گیا تھا۔ اپنی جگہ دائمی طور پر حاضر

ہو کر حیرانی اور پریشانی سے سوچ رہا تھا کہ مجھے اس کا نام کیسے معلوم ہو گیا؟

میرے متعلق دشمن کہتے تھے کہ میں شیطان ہوں! اچانک کہیں سے ہنر سوار ہو جانا ہوں اور یہ خوش فہمی ختم کر دیتا ہوں کہ ان کے اہم اسرار تک نہیں پہنچ سکتا۔

وہ اندیشوں میں گہرا سوچ رہا تھا کہ میں کیسے بھی موت بن کر پہنچ سکتا ہوں۔ جب نام معلوم ہو چکا ہے تو ٹھکانا بھی معلوم ہو جائے گا اور ہو سکتا ہے کہ معلوم ہو چکا ہو۔ وہ یا اس کا خیال خوانی کرنے والا ساتھی دوری دور سے مجھے دیکھ رہا ہو۔

اس نے خیال خوانی کی پرواز کی۔ جان لیوڈا کے پاس آکر کوڈورڈز ادا کے پھر کہا ”سرا مصیبت ہو گئی، فریاد مجھے جانتا ہے۔“

اس نے حیرانی سے پوچھا ”کیسے جانتا ہے؟“

”میں کیا بتاؤں سرا میری کچھ بھی نہیں آتا کہ اس کے ذرائع کیا ہیں؟ اس کا شیطان طریقہ کار کچھ بھی نہیں آتا۔ ہم سمجھنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں اور وہ شکر تک پہنچ جاتا ہے۔“

”یہ کیسے معلوم ہوا کہ وہ تمہیں جانتا ہے؟“

”میں تو ڈیوٹی پر پہلے فرموتا کے پاس تھا۔ میرے بچھانے ہوئے جال کے مطابق فریاد فرموتا کا دیا نہ ہو گیا ہے۔ سرفراز خان کے ہمیں میں اس سے دلچسپی لے رہا ہے۔ میں نے فرموتا کو دھمکی دی کہ وہ میرا ساتھ نہیں دے گی تو سرفراز خان کے ساتھ زندگی نہیں گزار سکے گی، ایسے ہی وقت فریاد نے فرموتا کے داغ میں آکر مجھے نام لے کر مخاطب کیا، اس نے کہا ”ہیلو تھیال! ڈرا جلدی یہ حساب کرو کہ تمہاری سائنس کتنی رہ گئی ہیں۔“

جان لیوڈا نے کہا ”اس فقرے کے پیچھے یہ یقین چھپا ہوا ہے کہ اس کے ساتھی تمہیں دیکھ رہے ہیں۔ تمہاری سائنس کا رشتہ تم سے توڑ سکتے ہیں۔ وقت برباد نہ کرو۔ فوراً وہ ہائیکس گاہ چھوڑ دو۔“

ٹھیک دس منٹ کے بعد نکلے۔ ہمارے جاسوس اپنی گاڑیوں میں تمہارے آس پاس رہیں گے۔“

”مجھے کہاں جانا چاہیے؟“

”فی الحال اپنی ڈرائیو کرتے رہو تاکہ ہم تمہارا تعاقب کرنے والوں کو روک سکیں۔“

وہ ایک دستی بیگ میں ضرورت کی چیزیں رکھنے لگا۔ ٹھیک دس منٹ کے بعد لیوڈا نے اس سے کہا ”باہر جاؤ اور اپنی کار مسلسل ڈرائیو کرتے رہو۔“

وہ واقفیت میں تھا۔ اپنی کار میں بیٹھ کر مختلف سڑکوں سے گزرتا چاہتا تھا۔ لیوڈا نے کہا ”شعری مصروف شاہراہوں پر تعاقب کرنے والے مشکل سے پہچانے جاتے ہیں۔ سیامی کی شاہراہ پر چلو، اس ہائی وے پر فریاد کے آدمی پہچانے جائیں گے۔“

وہ اس ہائی وے کی سمت جانے لگا۔ میں نے نائب سپرماٹر کو مخاطب کر کے کہا ”اپنے مسٹر اور لیوڈا سے کو فریاد آیا ہے۔“

نائب نے مخصوص سیکٹل کے ذریعے سپرائسز ہوئی میں اور جان لیوڈا کو اطلاع دی۔ سپرائسز نے کپیڈ ٹرک کے ذریعے مجھے بلو کما میں نے جوا پکا "جان لیوڈا میری آمد کو خوب سمجھ رہا ہے اور سپرائسز شاید تم بھی سمجھ رہے ہو۔"

سپرائسز نے کہا "وقت ضائع نہ کرو۔ پھیلیاں نہ بھجواؤ" اپنی آمد کا مقصد بیان کرو۔

"وقت قوتاب ضائع ہوتا رہے گا سپرائسز! تمہاری ایک ٹرانزفارمر مشین کو تباہ کرنے کے بعد ہم نے سوچا تھا کہ اب تمہارے ملک کی طرف نہیں دیکھیں گے، تمہیں مزید کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گے لیکن لیوڈا نے قہرمان کو میرے لئے موت کا فرشتہ بنا کر مت بڑی حماقت کی ہے۔"

"تمہیں غلط فہمی ہے۔ جان لیوڈا کسی قاتل قہرمان سے واقف نہیں ہے۔"

"میں لیوڈا کا جواب سنتا چاہتا ہوں۔"

وہ کپیڈ ٹرک کے ذریعے بولنے لگا۔ نائب اسکرین کے سامنے بیٹھا وہ تجزیہ پڑھ رہا تھا اور میں نائب کے دماغ سے بہتا جا رہا تھا۔ لیوڈا نے کہا "سٹریٹوگرام تم سے پیچھے چھا کرنا نہیں چاہیے۔ تم اپنی جگہ خوش رہو، ہم اپنے ملک میں سکون سے ہیں۔ اگر کوئی قہرمان نامی قاتل تمہاری نظروں میں آیا ہے تو اس کے متعلق ہمیں کچھ بتاؤ۔ ہم اسے سزا دیں گے۔"

میں نے پوچھا "کیا تم یہ معلوم کرنا چاہتے ہو کہ میں قہرمان کو کس حد تک جانتا ہوں؟ کیا تم قہرمان کو دور دیکھنے اور چھپانے کی کوشش نہیں کر رہے ہو؟"

یہ آخری فقرہ میں نے انداز سے کہا۔ میرا خیال تھا جو فرمون کے دماغ سے بھاگ گیا تھا وہ لیوڈا کے پاس ضرور گیا ہو گا اور وہ اسے خفیہ اور پراسرار ٹیلی بیٹھی جانے والے کو پناہ دینے کی ہر ممکن کوشش کرے گا۔

جان لیوڈا میری اس بات پر بدحواس ہو گیا تھا کیونکہ قہرمان کو ہائی دے پر دوڑا رہا تھا اس کی ہائش گاہ تبدیل کر رہا تھا۔ لیوڈا نے سنبھل کر کہا "جب تمہارا یہ دعویٰ ہے کہ تم قہرمان کو جانتے ہو اور میں اسے کیس چھاپ رہا ہوں تو اس کے چھپنے سے پہلے اسے گولی کیوں نہیں مارتے؟"

"اسے گولی مارنے سے میرا مقصد پورا نہیں ہوگا۔ میں اس کے ذریعے کہاں پہنچ رہا ہوں؟ جب یہ انکشاف ہو گا تو تمہارے اور سپرائسز کے ہوش اڑ جائیں گے۔"

سپرائسز نے کہا "ہمیں دھمکی نہ دو۔ دوستانہ طریقہ اختیار کرو۔ چند ماہ سے ہمارے درمیان مسلح اور سکون تھا، تم ہر پہلو پیدا کرنے کی کوشش کرتے آئے ہو۔"

میں نے کہا "اٹنا چور کو قاتل کو ڈانٹنے۔ چلو کوئی بات نہیں۔ میں جہیں چور ثابت کر کے قہرمان کے ساتھ تم دونوں کو جہنم میں

پہنچاؤں گا۔"

میں نے رابطہ ختم کر دیا۔ اب وہ دونوں تشویش میں مبتلا ہو گئے ہوں گے۔ یہ اندیشہ پیدا ہو گیا ہو گا کہ میں قہرمان کو ایک ذریعہ بنا کر ان دونوں کی خفیہ رہائش گاہوں تک پہنچ سکتا ہوں۔

آدنی اندیشوں میں گہر جانے تو تشویش میں مبتلا ہو کر پریشانی کے دوران کوئی غلطی کر بیٹھا ہے ان سے بھی اب غلطی ممکن ہے۔ ہونے والی تھی۔ اس کا علم مجھے بعد میں ہوا۔ جان لیوڈا نے قہرمان کے پاس جا کر کہا "فراڈ کو ہماری ایک ایک حرکت کا علم ہے وہ جانتا ہے کہ میں تمہیں کیس چھپانے کے لئے دور لے جا رہا ہوں۔"

قہرمان نے کہا "یہ رپورٹ فراڈ کو وہ لوگ دے رہے ہوں گے جو اس وقت میرا تعاقب کر رہے ہیں۔"

"بے شک وہ تمہارا تعاقب کرنے والوں کے ساتھ ہے۔"

ہائی دے پر کافی گانیاں آگے پیچھے دوڑ رہی تھیں وہ سے ہوئے زمین سے سوچ رہے تھے کہ ان میں سے کسی نہ کسی گاڑی میں فراڈ کے ساتھی یا آلہ کار موجود ہیں۔

جان لیوڈا نے کہا "گاڑی واپس سڑکوں پر ٹکشن اسٹریٹ کے دوسویں بنگلے میں جاؤ۔ وہاں ایک بوڑھے میاں بیوی ہیں، وہ تمہیں ایک خفیہ دروازے سے ڈھانچے میں پہنچائیں گے۔ وہاں تم ایک اپ کے ذریعے اپنا تھیلہ دباؤں گے اور میری طرح سیاہ فام نیگرو بن کر گھر تک کے ذریعے آگے جاؤ گے پھر ایک دوسرے بنگلے میں پہنچ جاؤ گے۔"

اس نے گاڑی واپس موٹی تھی۔ وہ لیوڈا کی ہدایت کے مطابق چلا رہا تھا۔ لیوڈا کہہ رہا تھا "میری بیٹی کانوٹا تمہیں یاد کرتی رہتی ہے۔ میں اسے بتاؤں گا کہ تم نیگرو کے روپ میں ہو۔ اور آج اس سے کہیں ملنے والے ہو۔"

یہ میرا برسوں کا تجربہ ہے۔ لوگ گھبراہٹ اور پریشانیوں میں غلطیاں ضرور کرتے ہیں۔ میں نہیں جانتا تھا کہ قہرمان مجھے بدل کر کبھی کانوٹا سے ملنے والا ہے لیکن آگے جا کر یہ سب کچھ معلوم ہونے والا تھا۔

○●○

ایسے ڈیوڈ عرف ابوداؤد تنظیم "را" کا چیف اپنی کار میں بیٹھا دور حیرا کی کوٹھی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ حیرا پہلے ہی دن سے اس کے دل و دماغ پر چھا کر تھی۔ وہ اتنے اہم اور بڑے دارمحدے پر فائز تھا کہ عیاشی کے متعلق سوچ بھی نہیں سکتا لیکن بعض اوقات سوچ اور سنجیدگی پر جذبات غالب آجاتے ہیں۔ وہ سمجھ رہا تھا کہ حیرا ایک بیٹھنے کے لئے گوشہ نشینی سے نکلا پڑے گا۔ یا اسے اپنی خفیہ رہائش گاہ میں اغوا کر کے لانا ہوگا۔ دونوں ہی صورتوں میں بے نقاب ہونے کا اندیشہ تھا۔

کوئی حیرت پسند آجائے تو وہ کسی تیسری جگہ اس کے پاس پہنچ جاتا تھا۔ اس کے خاص ماتحت خفیہ طور سے اس کی گھرائی کرتے

رہتے تھے۔ ایسے معاملات میں اس کا خاص رازدار وحید رانا تھا۔ ابوداؤد نے کہا تھا کہ کبھی وہ مارا جائے یا بے نقاب ہو جائے تو فوراً ہی پاکستان چھوڑ کر چلا جائے گا پھر اس کی جگہ وحید رانا سنبھال لے گا۔ وحید خوش ہو کر اس کی محسوس میں لگا رہتا تھا اور حسین عورتوں کی دلدلی کر رہتا تھا۔

اس بار ابوداؤد نے کہا "میں حیرا کو اپنے خیالوں سے نکالنا چاہتا ہوں۔ مگر وہ نہیں نکلتی ہے۔ میں نے اسے نظر انداز کرنے کے لئے دوسری تیسری سے دل بہلایا لیکن یہ دل انہی کے لئے چل رہا ہے۔"

وحید نے کہا "سرا حسین عورتوں کی کی نہیں ہے۔ لیکن آپ دیکھتے آ رہے ہیں کہ حیرا دوسری لڑکیوں سے مختلف ہے، وہ کسی کو اپنے سامنے کے قریب بھی آنے نہیں دیتی ہے۔"

"اس کی بی بی خدیجہ میرے لئے پہنچ گئی ہے۔"

"بے شک جس کی طلب ہو اور وہ حاصل نہ ہو تو طلب میں شرت اور دیوانگی پیدا ہو جاتی ہے۔ ایسی دیوانگی آپ کو نقصان پہنچا سکتی ہے۔"

"نیکو وحید! صرف حیرا کی طرف سے اندیشہ ہے کہ وہ ہمیں بچانے کے لئے تو اتنا غماغ تنظیم کو نقصان پہنچائے گی۔ لہذا ایسی چال چلی جائے کہ وہ ہمیں بچانے نہ سکے۔"

"یعنی قہار پوش بن کر اسے اغوا کیا جائے اور آپ قہار میں رہ کر اس کی خنثائی میں جائیں۔"

"ہاں اسے اس کی کوٹھی میں ہی محصور رکھا جائے یہ تاثر دیا جائے کہ اس کے تینوں باڈی گارڈز خرید لئے گئے ہیں۔ فون کا کار کاٹ دیا جائے۔ وہ انہی کوٹھی سے باہر نہیں نکل سکے گی۔ اتنی احتیاط کے بعد بھی پہلے تم قہار میں اس کے پاس جاؤ گے۔ میں کوٹھی سے ذرا دور حالات کا جائزہ لیتا رہوں گا۔ جب تم ڈائریٹر کے ذریعے میدان صاف ہونے کا یقین دلاؤ گے تو میں کوٹھی کے اندر آؤں گا پھر اس حیرت کی یہ قسم توڑوں گا کہ وہ کسی محوسے زیر نہیں ہوگی۔"

جو لوگ نہایت سنجیدگی اور داناں سے اپنے کھیل کھیلتے رہتے ہیں، وہ عام طور سے حسن پرست ہوتے ہیں۔ ان کے ذہنی سکون اور تفریح کا ذریعہ عیاشی ہوا کرتی ہے۔ چونکہ عیاشی پردے میں ہوتی ہے اس لئے ان کی اصلیت کبھی بے پردہ نہیں ہوتی۔

منصوبے کے مطابق حیرا کو کوٹھی میں محصور کر دیا گیا تھا۔ اس کی بے بسی کا پورا یقین ہو گیا تھا۔ یہ اندیشہ نہیں رہا تھا کہ اس کا کوئی یا دودگا ہو سکتا ہے۔ ابوداؤد کو یقین تھا کہ آج وہ جوانی کی بارود سے بھرے ہوئے بدن کو حاصل کر لے گا۔

وہ اپنی کار میں حیرا کی کوٹھی سے ذرا دور انتظار میں بیٹھا ہوا تھا۔ وحید رانا اس کے سامنے کوٹھی کے احاطے میں داخل ہوا تھا۔ وہ خفاقی اختفات کا جائزہ لینے گیا تھا۔ اس کے جانے کے

چند سیکنڈ بعد کوئی دوسرا بھی اس احاطے میں داخل ہوا تھا۔ ابوداؤد نے ڈائریٹر کے ذریعے تینوں باڈی گارڈز سے رابطہ کرنا چاہا۔ کوٹھی کے چاروں طرف الرٹ رہنے والے باڈی گارڈز کی طرف سے جواب نہیں مل رہا تھا۔ ڈائریٹر سیکٹل کے جواب میں ان کی خاموشی بتا رہی تھی کہ وہ موت کی خاموشیاں ہیں۔

پھر کوٹھی کے اندر سے وحید رانا نے موبائل فون پر کہا "راستہ صاف ہے، حیرا یہاں اکیلی ہے۔ باہر ہمارے تینوں وفادار بہت ہوشیار ہیں۔"

ابوداؤد نے کہا "موت کے سامنے ہوشیاری کام نہیں آتی۔ باہر تینوں وفادار موت کی نیند سو گئے ہیں۔ تم باہر نکل کر دیکھو۔" یہ کہہ کر وہ وحید کے باہر آنے کا انتظار کرنے لگا لیکن وہ کوٹھی سے نہیں نکلا۔ ابوداؤد کو یہ معلوم نہ ہو سکا کہ وہاں رخسانہ اور حماد (پارس) پہنچ گئے تھے۔ انہوں نے وحید کو بے نقاب کیا تھا۔ پھر وہ حماد کی ہنگام پہنچ گئی تھی۔ اندازاً پانچ گھنٹہ مگر محب وطن خاتون نے کوٹھی کے اندر ہونے والے ڈرامے کا دل پھاڑ دینے والا ڈرامہ سین کیا تھا۔ اس المیہ ڈرامے کی روداد میں تفصیل سے پہلے ہی بیان کر چکا ہوں۔

ابوداؤد نے دو منٹ تک انتظار کیا۔ جب وہ کوٹھی کے باہر نہیں آیا تو سمجھ میں آیا کہ کام بگڑ گیا ہے۔ دوسرا منٹ ختم ہونے سے پہلے ہی ایک گولی چلنے کی آواز سنائی دی۔ وہ گولی محب وطن خاتون نے وحید کی پیشانی پر ماری تھی۔

ابوداؤد فائرنگ کی آواز سننے ہی کا اشارت کر کے ذرا دور چلا گیا۔ وہ سوچ رہا تھا "وحید نے شاید کسی مجبوری سے فائر کیا ہے ابھی کسی خطرے سے منت کر آجائے گا۔ لیکن وہ واپس نہیں آیا۔ دور جا کر رات کے سناٹے میں دوسری گولی چلنے کی آواز سنائی دی۔ وہ دوسری گولی خاتون نے اپنی پیشانی پر ماری تھی۔ کوٹھی کے اندر کیا ہو رہا ہے؟ ابوداؤد کو معلوم نہیں ہو سکتا تھا۔ اس نے پریشان ہو کر موبائل فون کے ذریعے رابطہ کیا۔ اصرار وہ وحید کی جیب سے فون سیکٹل کی آواز آ رہی تھی۔ پارس وہاں رخسانہ اور حیرا کے ساتھ موجود تھا۔ وحید اور دو ڈیڑھی خاتون کی لاش کو دیکھ کر کہہ رہا تھا "حیرا! یہ دونوں لاشیں تمہارے لئے مصیبت بن جائیں گی۔ پولیس تھانے اور عدالتوں کے چکر میں پڑ جاؤ گی۔"

حیرا بھی پریشان ہو کر یہی سوچ رہی تھی۔ اسی وقت موبائل فون نے انہیں متوجہ کیا۔ پارس نے آگے بڑھ کر اس کی جیب سے فون کو نکالا۔ پھر بنیں باہر وحید کی آواز بناتے ہوئے اور کراہتے ہوئے بولا "مم۔ مجھے کوئی لگ گئی۔ لیکن میں نے بھی دشمن کو ہلاک کر دیا ہے، جیلز میرا انتظار کریں، میں آ رہا ہوں۔ مجھے فوری طبی امداد کی ضرورت ہے۔"

دوسری طرف سے داؤد نے کہا "طبی امداد کے لئے آہنی گاڑی میں سرجن ہسپتال شامی کے پاس جاؤ۔ میں بعد میں رابطہ کروں

پارس نے جلدی سے کہا ”غصہ“ یہ حیرا کا کیا کروں
میں نے اسے نشانے پر رکھا ہے۔“
داؤد ذرا سوچ میں پڑ گیا۔ پارس نے اس کی دھمکی رگ پر ہاتھ
رکھا تھا۔ یہ سارا جھگڑا حیرا کے لئے ہوا تھا۔ اس جھگڑے میں اس
کا حصول دشوار ہو گیا تھا اور اب آسانی ہی آسانی تھی۔ اس نے
پوچھا ”جیشہ! رکاوت بننے کے لئے کون آیا تھا۔ تم نے کسے کوئی
باری ہے؟“

پارس نے کہا ”میرے سامنے اس کی لاش ہے میں اسے
چرے سے نہیں پہچانتا ہوں۔ میرے خیال سے یہ وہی طارق ہے جو
صوفیہ کا محافظ بن کر رہتا تھا۔“
ابوداؤد نے کہا ”جہاں گولیاں چل چکی ہیں وہاں میرا اتنا
مناسب نہیں ہے۔ تم بھی وہاں سے فوراً نکل جاؤ۔ حیرا کو زندہ نہ
چھوڑو۔ اسے کوئی مار دو۔“
اس نے رابطہ ختم کر دیا۔ اس دوران پارس فون پر بات کرتا
ہوا چپچپا چپا ناگوشی سے باہر آیا تھا اور دور تک نظریں دوڑا رہا تھا
تاکہ اسے داؤد کی جگہ معلوم ہو جائے۔

کوٹھی کے احاطے کے باہر آتے ہی ابوداؤد نے رابطہ ختم کر دیا
تھا۔ رات کے سنانے میں کارا اشارت ہونے کی بجلی کی آواز سنائی
دی۔ پارس نے اوپر دوڑ لگائی۔ گاڑی کی پچھلی سرخ روشنی حرکت
میں آگئی تھی پھر وہ روشنی آگے جانے لگی۔ رفتار بڑھ رہی تھی۔
پارس بھی پوری تیز رفتاری سے دوڑتا جا رہا تھا۔ پھر اس نے
چھلانگ لگائی اور سرگرم پر اوڑھ مٹھ مٹھ کرتے ہوئے ایک فائرنگ
اس کے ساتھ ہی پھٹا۔ ایک دھماکہ سے پھٹ گیا۔ تیزی سے
جانے والی کار بلیکٹ گھوم گئی۔ کچی سڑک چھوڑ کے کچے ڈھلان پر
نہر کی طرف جاتے ہوئے ایک درخت سے ٹکرا گئی۔

پارس سڑک پر سے اٹھ کر دوڑتا ہوا کار کے پاس آیا۔
اشیئرنگ سیٹ خالی تھی۔ ابوداؤد نہر میں چھلانگ لگا کر تھرتا ہوا
دوسری طرف جا رہا تھا۔ پارس نے بھی ربوہ اور کو جب میں ٹھونس
کر چھلانگ لگادی۔ تھرتے ہوئے اس کا تعاقب کرنے لگا۔
میں خاموشی سے یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ پارس کی موجودگی
میں مجھے مدخلت کا موقع نہیں ملا تھا۔ میں نے حیرا کی سوچ میں کہا۔
”ہمیں یہاں سے فوراً جانا چاہئے۔ ورنہ پولیس والے مصیبت بن کر
آجائیں گے۔“

حیرا نے میری مرضی کے مطابق رخسانہ سے کہا ”میاں سے
چلو۔“

رخسانہ نے کہا ”رک جاؤ۔ حماد کو واپس آنے دو۔“
”حماد کے واپس آنے تک پولیس والے آجائیں گے۔“
”حیرا! یہاں سے جانے کے باوجود تم پکڑی جاؤ گی کیونکہ
کوٹھی کے اندر دو لاشیں اور باہر تین باؤزی گاڑز کی لاشیں پڑی

ہیں۔ تم بے گناہ ہو یہ قتل تم نے نہیں کئے ہیں۔ اس لئے حماد
سے پولیس والوں کا انتظار کرو۔“
حیرا تیزی سے چلتی ہوئی کوٹھی کے باہر آئی۔ رخسانہ پریشان
ہو گئی۔ کوٹھی کی مالکین جاری تھی، ایسے میں تمام قتل کے الزامات
اس پر لگائے جاتے۔ وہ دوڑتی ہوئی اپنی کار کی طرف آئی۔ حیرا
اس وقت تک کار میں بیٹھ کر کوٹھی کے احاطے سے نکل گئی تھی۔
میں اسے آگئی جی کے پاس لے جا رہا تھا تاکہ اسے قانونی تحفظ
حاصل ہو جائے۔

آئی جی اکبر درانی کی کوٹھی قریب ہی تھی۔ میں نے حیرا کو
وہاں پہنچا کر کہا ”آپ اس کا بیان سنیں اور قانونی تحفظ دیں۔ یہ
لڑکی تمہارے لئے بہت اہم ہے۔ میں ابھی آؤں گا۔“
میں پارس کے پاس آیا۔ اس نے نہر میں تھمتے کے دوران ہی
دشمن کو دبوچ لیا تھا۔ دونوں میں رابر کی جنگ جاری تھی۔ ابوداؤد
چو کا ماہر اور اچھا فائر تھا۔ پارس کا ایک ہی فلولادی ہاتھ کھار کچھ
گیا تھا کہ اس جنگ میں صرف بچاؤ کی کوشش کرنی چاہئے۔ ورنہ
دوسرا ہاتھ برداشت نہیں کیا جائے گا۔

اس نے لڑتے ہوئے پوچھا ”جوان! تم کون ہو؟“
وہ خود کو چھڑا کر پانی میں ڈوبتا جا رہا تھا تاکہ پانی کے اندر ہی
اندر چھپ کر نکل جائے۔ پارس نے اس کے بالوں کو کوٹھی میں پکڑ
کر پانی کی سطح کے اوپر لاتے ہوئے کہا ”میں تمہاری تنظیم کا حماد
ہوں کیا بھول گئے ہو ابوداؤد؟“

”نہں۔۔۔ نہیں۔۔۔ تم حماد نہیں ہو۔ وہ کبھی اتنا اچھا فائر نہیں
رہا۔ تمہارے ہاتھ فلولادی ہیں۔ مجھ سے سودا کرو۔ میں تمہیں مالا
مال کر دوں گا۔ ابھی ایک گھنٹے کے اندر ادائیگی کر دوں گا۔“

”کیا ابھی مجھے ایک لاکھ روپے دے سکتے ہو؟“
”یک لاکھ کچھ بھی نہیں ہیں میں اس سے زیادہ دوں گا۔“
اس نے اسی طرح بالوں کو کوٹھی میں پکڑ کر کنارے کی طرف
لے جاتے ہوئے کہا ”چلو اگر تم نے دھوکا نہیں دیا اور مجھے رقم
دی تو پھر تمہارے لئے بھی کام کروں گا۔“

وہ جھانپ کر اسے کنارے پر لے آیا تاکہ مار پیٹ میں
وقت ضائع نہ ہو۔ پھر کنارے پر آتے ہی اس نے ایک زوردار ہاتھ
اس کے منہ پر رسید کیا۔ اس کے حلق سے چیخ نکل گئی۔ ایسی لگا
جیسے لوہے کی سلاخ منہ پر پڑی ہو۔ ناک اور منہ سے خون نکلنے لگا تھا۔
وہ گہری گہری سانس لے رہا تھا۔ پارس نے کہا ”پاپا! شکار ہانپ رہا
ہے۔ آپ کو داغ میں آنے سے نہیں روک سکے گا۔“

میں ابوداؤد کے اندر پہنچ گیا۔ اس نے مجھے محسوس کرتے ہی
سانس روکنے کی کوشش کی لیکن ہانپنے کی وجہ سے نہ روک سکا۔
میں نے داغ میں زلزلہ پیدا کیا۔ وہ چیخ مار کر اچھلا اور نہر کے
کنارے گھاس پر گر کر ترے لگا۔
پارس اسے میرے حوالے کرنے کے بعد بولا ”پاپا!۔۔۔“

آپ کو شش کریں کہ یہ حماد کی حیثیت سے مجھے بھول جائے ورنہ
مجھے حماد کے خول سے لکنا ہوگا۔“
”طہینا رکھو یہ تمہیں بھول جائے گا۔“
پارس چلا گیا۔ ابوداؤد پرانی دار و دراز سے زلزلے کے پہلے جھٹکے
سے شہیل کیا تھا۔ میں نے دوسرا بڑا جھکا پچھلیا تو وہ ذبح ہونے
والے بکسے کی طرح حلق سے آوازیں نکالتے اور ترے لگا۔ اس
کی قوت برداشت جواب دے چکی تھی۔ داغ چھوڑنے کی طرح دھک
رہا تھا۔ میں اس کے خفیہ اڈوں اور اہم ماتحتوں کے متعلق
معلومات حاصل کرنے لگا۔

پھر میں نے آئی جی کو وہ تمام اڈے اور بڑے بڑے شریف
بزموں کے نام اور پتے بتائے اور کہا ”ابھی وہاں ریڈ نہ کریں۔
کس کو گرفتار بھی نہ کریں۔ میں ان کے چیف کو آپ کے پاس لا رہا
ہوں۔“

جب تک میں یہاں آئی جی سے باتیں کرتا رہا ”ادھر ابوداؤد
شہلاتا رہا۔ داغ پھوڑا بن جائے تو تکلیف نہیں جاتی ویسے تکلیف
کی شدت ختم ہو جاتی ہے، وہ دونوں ہاتھوں سے سر تھام کر نہر کے
کنارے سے چلتا ہوا سرگرم پڑ گیا تھا۔

فائرنگ کی آوازوں نے اور کار کے حادثے نے سونے والے
پردیوں اور علاقے کے لوگوں کو دنگا دیا تھا۔ پولیس والے آگئے
تھے۔ ایک پڑوسی کی نشان دہی پر حیرا کی کوٹھی میں گئے تھے۔ کچھ کار
کی طرف آئے تھے۔ ابوداؤد ان سے دور نہر کے دوسری طرف تھا،
کسی پیاسی کے روکنے کوٹھے سے پہلے ایک رکش میں بیٹھ کر جا رہا
تھا۔

داغ اس قدر کمزور ہو گیا تھا کہ وہ میری سوچ کی لہروں کو
محسوس نہیں کر رہا تھا۔ خود کو سمجھا رہا تھا کہ دائمی توانائی بحال ہو گئی
ہے کوئی داغ میں نہیں آئے گا اگر وہ آئے تو میں محسوس کر لوں
گا۔

اس نے رکتے والے کو ماہل ٹائون چلنے کے لئے کہا تھا۔ وہ
اپنی خفیہ ہائیکس گاڑی کی طرف جا رہا تھا جو ہمارے لئے خفیہ نہیں رہی
تھی۔ اس نے اپنی کوٹھی میں چند بیسیاروں کے علاوہ کچھ ایسی
دوا میں بھی رکھی تھیں جو ضرور سانس تھیں۔ دشمنوں کو خاموشی سے
ہلاک کر سکتی تھیں یا انہیں اعصابی کمزوریوں میں مبتلا کر سکتی
تھیں۔

میں اسے کوٹھی میں پہنچا کر وہ دوا میں کھار کر اسے مزید کمزور
بناسکتا تھا لیکن اس کی موجودہ کمزوری بہت تھی۔ وہ میری مرضی کے
مطابق اپنی خواب گاہ میں آکر بستر پر لیٹ گیا۔ اس کے بعد میں نے
اسے تھک جھک کر سلا دیا۔

اس کے ساتھ آدھے گھنٹے تک مصروفیت رہی۔ میں اس پر
عمل کرتا رہا اور وہ میرا معمول بنتا رہا۔ میں نے آخر میں ہدایت دی
کہ وہ خوشی خند سے بیدار ہونے کے بعد یہ بھول جائے گا کہ اس

کے داغ میں کوئی کیا تھا اور کسی نے دائمی اڈیتیں پہنچائی تھیں۔
اسے اتنا یاد رہے گا کہ نہر میں کسی سے مقابلہ ہوا تھا اور وہ اس سے
جان چھڑا کر آیا تھا۔ نہ کسی نے اس کا تعاقب کر کے اس کی
رہائش گاہ دیکھی ہے اور نہ ہی کوئی اس کے داغ میں آسکا ہے۔ یہ
بھی یاد نہیں رہے گا کہ اس نے وہاں حماد کو دیکھا تھا۔
میں اسے خوشی خند سلا کر آئی جی کے پاس آیا۔ اسے بتایا کہ
میں نے اس پر تبدیلی عمل کیا ہے۔ آئی جی نے پوچھا ”کیا اسے
قانون کے حوالے نہیں کرو گے؟“

میں نے کہا ”وہ بھارت کی ایک خطرناک تنظیم کا مقامی چیف ہے۔
ایک بہت بڑے عہدے پر ہے۔ میں اس کے اندر رہ کر اس تنظیم
کے اندر کی اہم باتیں معلوم کر رہا ہوں گا۔ ہمیں ان غدار پاکستانی
باشعروں کے چرے نظر آئیں گے جو دولت حاصل کرنے اور امریکا
کا گرین کارڈ حاصل کرنے کے لئے اپنے ہی ملک کو کمزور بنانے میں
مصروف رہتے ہیں۔“

”ٹھیک ہے اس طرح تمام غیر ملکی جاسوسی بھی ہماری نظروں
میں رہا کریں گے۔ میں نے حیرا کی روداد سن لی ہے اس سلسلے میں
کیا چاہتے ہو؟“

”آپ اس کی رپورٹ درج کرادیں۔ عدالت سے اس کی
منانت حاصل کر لیں۔ اور رسمی طور پر پانچوں افراد کے قتل کی
تفتیش کراتے رہیں۔ حیرا کو پہلے کی طرح آزادی سے زندگی
گزارنے دیں۔ وہ ہمارے بہت کام آئے گی۔“

پھر میں نے پارس کے پاس آکر اسے ابوداؤد اور حیرا کے
متعلق بتایا۔ اس نے کہا ”پاپا! یہ اچھا ہوا۔ آپ اس کے اندر رہ کر
اس تنظیم کے چیف رہیں گے۔ ان کا جو اتنا ان کے منہ پر ادریں
گے۔ ویسے آپ کیا کرنا چاہتے ہیں؟“

میں نے کہا ”میدویوں کی تنظیم کو ماساد دہلی میں ہے اس کے
جاسوس وہاں سے یہاں آتے ہیں۔ بھارت اور اسرائیل ایک
دوسرے کے گٹھ جوڑ سے ہماری قوم اور حکومت کے خلاف
سازشیں کرتے رہتے ہیں۔ میری پہلی کوشش یہی ہوگی کہ تم یہاں
سے دہلی جاؤ گے اور ماساد تنظیم کی جڑیں وہاں سے
اکھاڑ پھینک گے۔“

”را“ تنظیم کے اہم افراد نے جیشہ رانا کی موت کا بہت اثر
لیا تھا۔ وہ ابوداؤد کا دست راست سمجھا جاتا تھا۔ ادھر پچھلے دو چار
دنوں سے تنظیم کے ایسے ہی اہم افراد قتل ہو رہے تھے یا حادثے کا
شکار ہو گئے تھے۔ حساب یہ خیال قائم ہو رہا تھا کہ تنظیم کے اہم فرد
ششاد علی کو حادثہ پیش نہیں آیا تھا۔ بلکہ نیلی بیگم نے اسے ہلاک
کیا تھا۔ حیرا کی کوٹھی میں بیگم ششاد اور جیشہ رانا کا قتل اور تین
باؤزی گاڑز کی لاشیں بھی بیگم لاداری تھیں۔ اس لئے پاکستان
میں اب زیادہ متبادرہ کر کام کرنے کے سلسلے میں غور کیا جا رہا تھا۔
دوسرے دن اس مقصد کے لئے ایک خفیہ اجلاس منعقد کیا

گیا تھا۔ بھارت کی "را" تنظیم کے ہیڈ کوارٹر سے دلش پانڈے نامی ہیڈ انچارج آیا تھا۔ اس ہیڈ انچارج دلش پانڈے کو بھی یہ خوف تھا کہ فرادہ کہیں اس کے دماغ میں بھی نہ پہنچ جائے۔ ابوداؤد نے کہا تھا "میں یوگا کا ماہر ہوں، فرادہ میرے قریب بھی نہیں آسکتا۔ تم میری رہائش گاہ میں رہو گے اور تنظیم کے لئے مرنے والوں کے مسئلے میں تفتیش کرو گے۔ پھر ہم فرادہ کے خلاف نئے منصوبوں پر عمل کریں گے۔"

اس تنظیم کے اعلیٰ عہدیداروں کو پورا یقین تھا کہ ابوداؤد کا دماغ میری خیال خوانی سے محفوظ ہے۔ اسی لئے دلش پانڈے نے منصوبہ بناتے چلا آیا تھا۔ اس نے تاکید کی تھی کہ تنظیم کے بھی کسی فرد کو یہ نہ معلوم ہو کہ وہ کس دن کس فلاٹ سے لاہور پہنچ رہا ہے اور یہ بھی کہ وہ کیا تھا کہ کسی کے ہاں کھانا کھائے گا نہ پانی پئے گا۔ ابوداؤد کا باورچی بھی یوگا کا ماہر تھا۔ اس پر مجبور کیا جانا تھا۔ کوئی خیال خوانی کرنے والا باورچی کے دماغ میں نہ جاسکتا تھا اور نہ ہی اس کے ذریعے اعصابی کمزوری کی کوئی دوا اکل سکتا تھا۔

اس باورچی کو ٹرپ کرنا ضروری نہیں تھا۔ اس نے دلش پانڈے کے سامنے صحیح کھانا لا کر رکھا تھا۔ میں نے ابوداؤد کے ذریعے اس میں دوا ملا دی جس کے نتیجے میں وہ کمزوری محسوس کرنے لگا۔ میں نے اس کے اندر پہنچ کر اسے اس کمزوری کا اظہار نہیں کرنے دیا۔ اس نے کھانے کے بعد میری مرضی کے مطابق ابوداؤد سے کہا "میں ذرا لیت کر سڑکی پر ٹھکنے دوڑ کر آ جاتا ہوں۔"

"کوئی بات نہیں۔ ہم شام کو اہم معاملات پر گفتگو کریں گے۔"

ابوداؤد اسے ایک بیڈ روم میں چھوڑ کر چلا گیا۔ میں نے اسے بستر پر پہنچا کر اس کے یوگا کی ایسی کی ایسی کر دی۔ اسے بھی اپنا معمول بتایا۔ یہ سب کچھ بظاہر آسان نظر آتا تھا لیکن کوئی کام آسان نہیں ہوتا۔ اسے آسان بنایا جاتا ہے۔ ابوداؤد اور دلش پانڈے تک پہنچنے میں کئی مہینے لگ گئے۔ میں آیا تھا اپنے بھائی کے قاتل کو سزا دینے پھر ایک کے بعد ایک گرہ کھلتی گئی۔ ہمارے ملک میں یہودیوں کی منافع خوری، بھارت کی جاسوسی اور امریکا کی دغلی پالیسی ظاہر ہوتی گئی اور میں اچھے اچھے اور معاملات سلجھاتے سلجھاتے آج "را" تنظیم کے دو خاص عہدیداروں تک پہنچا تھا۔

دلش پانڈے تو بیکہ بیٹھ سے بیدار ہونے کے بعد اعصابی کمزوری اور نخری عمل کو بھول گیا۔ شام کو ابوداؤد کے ساتھ گفتگو شروع کرتے ہوئے بولا "میرا کی کوئی شے میں جو کچھ ہوا اس سے صاف ظاہر ہے کہ فرادہ اس لڑکی کے دماغ میں رہتا ہے۔"

ابوداؤد نے یہ ظاہر نہیں ہونے دیا تھا کہ وہ خود خیرا کا دیوانہ ہو کر اس کو بھی میں جانتے والا تھا اور اسے والی موت جو شدید رانا کو اپنی تھی۔ اس نے ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے کہا "جی ہاں۔ یہ جہید کی حماقت تھی۔ اگر وہ اپنی دیوانگی مجھے بتا دیتا تو میں اسے خیرا

کے حصول سے باز رکھتا اور یہ تو میں اسے خاص ماتحتوں کو سختی سے کتا رہتا ہوں کہ کبھی کسی عورت کے چکر میں نہ پڑ لیکن افسوس دیوانے بھی ہوا تو ان کی بات نہیں سمجھتے۔"

"تم نے میرا کہ مسئلے میں کیا کیا ہے؟"

"اپنی تنظیم کے تمام افراد کو تاکید کی ہے کہ وہ میرا سے دور رہیں اور اسے اپنی آواز بھی نہ سنائیں۔ آج کل یہاں کے ان کی جی کی اس پر خاص توجہ ہے ہمارے آدمی موٹے کی تلاش میں ہیں۔ اسے کہیں بھی کوئی مادری جانے گی۔"

"ہماری تنظیم میں میرا کے علاوہ بھی ایسے افراد ہوتے ہیں جو نانا سنگھ میں فرادہ کے آلا کار بن چکے ہوں گے۔"

"جی ہاں۔ لیکن ہم فرادہ کے کسی آلا کار کو پہچان نہیں سکتے اس لئے خیرا کو بھی پہچان نہیں پاتے تھے۔"

"تنظیم کے ہیڈ کوارٹر دہلی میں اس مسئلے پر بحث ہوئی تھی۔ وہاں سب کی مشفقہ رائے یہ ہے کہ پاکستان میں تنظیم کو زیادہ پھیلانا نہ جائے۔ چند سراغ رساں کی اگلاں یہاں کام کریں، باقی تمام کو قاتل کر دیا جائے۔"

"اور میری رائے یہ ہے کہ یہاں ہم میں سے کوئی نہ رہے۔ ہماری جگہ نئے لوگ آکر نئے طریقہ کار سے کام کریں۔ فرادہ پرانے لوگوں کو تلاش کرتا رہے گا اور نئے لوگ خاموشی اور راز داری سے اپنا کام کرتے رہیں گے۔"

"یہ اچھا آئیڈیا ہے لیکن پرانے وفاداروں میں تم سب سے اہم ہو۔ یہاں کے تمام معاملات کو اچھی طرح سمجھتے ہو۔ تمہیں یہاں رہنا چاہئے۔"

ابوداؤد نے کہا "میرا ایک دست راست ہے اس کا نام حماد علی ہے۔ بہت سی صلاحیت اور حاضر دماغ ہے۔ میں چاہتا ہوں وہ چند ماہ کی ٹریننگ کے لئے دہلی ہیڈ کوارٹر میں جائے۔ وہ ٹریننگ کے بعد چیف کا عہدہ سنبھالنے کے قابل ہو جائے گا۔"

"تم اتنی بڑی ضرورت سفاخر کر رہے ہو تو حماد روٹی دلی جائے گا۔ آج رات دس بجے ہیڈ کوارٹر سے رابطہ ہو گا تو میں حماد کے لئے اجازت حاصل کر لوں گا۔"

دلش پانڈے بھی میری منی میں تھا۔ پھر بھلا اجازت کیسے حاصل نہ کرنا۔ اس نے بھی حماد کی طرف میں اتنے مگن گئے کہ اس نوجوان کو دلی روانہ کر دینے کا حکم مل گیا۔ وہ دو دنوں رات کے دس بجے کمپین شرا سے ٹرانسپیر پتا میں گرہ پڑے تھے۔ میں ان کے درمیان موجود تھا۔ اور اپنے مطلب کی باتیں ان کی زبان سے کھلوا رہا تھا۔

کمپین شرا نے کہا "اگر حماد ایسا ذہین اور قابل ہے جیسا کہ بیان کیا جا رہا ہے اور ایسا وقار ہے جیسا کہ ریکارڈ سے ظاہر ہے تو اسے کل ہی قاتل ٹریننگ کے لئے بھیج دو۔"

ابوداؤد نے پوچھا "سراؤہ کہاں رپورٹ کرے گا؟"

"اس ٹرین میں رنجیت سنگھ کالونی میں مادام سروجنی کو حاضری دے گا۔ مادام سروجنی فیملہ کریں گی کہ حماد دہلی ہیڈ کوارٹر میں ٹریننگ حاصل کرنے کے قابل ہے یا نہیں؟"

ان کی گفتگو سے ظاہر تھا کہ حماد (پارس) کو مختلف آزمائشوں سے گزار کر دلی جانے کی اجازت دی جائے گی۔ میں نے پارس کے پاس آکر اسے تفصیل سے تمام باتیں سمجھا دیں۔ اس نے کہا "یہ لوگ تنظیم کے پرانے نمک خواروں کو قاتل کریں گے اس کا مطلب ہے رخسانہ، رحمانہ اور دوسرے وہ لوگ جو ہماری نظروں میں آچکے ہیں، وہ اب بے کار مرے بن چکے ہیں۔"

"ہاں "را" تنظیم کی بساط پر کچھ نئے مرنے آ رہے ہیں۔ میں ان سے منت لوں گا۔"

"ایسا! یہ رخسانہ میری حقیقت جانتی ہے کہ میں حماد نہیں ہوں۔ اسے اچانک چھوڑ کر جاؤں گا تو راز کسی کے سامنے بھی اگل دے گی۔"

"وہ ایسا نہیں کرے گی۔ آج رات میں اس پر عمل کر کے تمہیں اس کی یادداشت سے ہم کر دوں گا۔ وہ ایسے بھول جائے گی جیسے تم اس کی زندگی میں کبھی نہیں آئے تھے۔ تم یہ باب بند کر دو اور باپ ہندوستان کھولو۔"

یہ سب پایا تھا کہ دلش پانڈے حماد کو ساتھ لے کر یہاں سے امرتسر جاکے گا۔ وہاں حماد کو مادام سروجنی کے سامنے پیش کر کے خود بھی چلا جائے گا۔ دوا لگی سے قتل انہوں نے مادام سروجنی سے رابطہ کیا اسے بتایا کہ وہ شام چار بجے تک اس کی کوئی شے میں پہنچنے والے ہیں۔

دلش پانڈے کے چور خیالات یہ ہے معلوم ہوا تھا کہ مادام سروجنی بڑی سخت اور گرم مزاج ہے۔ کئی بدعاش ہے۔ اسے شراب میں بلیک ڈاگ اور مردوں میں جوان چھو کر پسند ہیں۔ پولیس والے اس کی بی حضور کی کرتے ہیں اور بڑے بڑے قاتل بدعاش اس کے آگے کھٹکے نیک دیتے ہیں۔

شراب سے شغل کرنے والی یوگا کا بھر نہیں جان سکتی تھی۔ میں بڑی آسانی سے اس کے اندر پہنچ گیا۔ میں نے سوچا تھا وہ جو بھی آزمائشی حربہ استعمال کرے گی، میں پارس کو اس سے آگاہ کر دوں گا۔ سروجنی کے دماغ سے ان حربوں کا توڑ بھی معلوم کر لوں گا لیکن یہ سب کچھ اتنا آسان نہیں تھا۔

مادام سروجنی کے خیالات بڑے تیار تھے۔ وہ ایسی عورتوں اور مردوں پر غم و غنہ دگرتی ہے جو بھارت کے خلاف جاسوسی کرتے ہیں۔ اس تنظیم میں یوگا جاننے والے بہت کم تھے اور جو تھے ان کی اکثریت پاکستان میں تھی تاکہ وہ میری ٹیلی فنی کو بے اثر کرتے رہیں۔ اب امرتسر میں دو اور دہلی میں تین یوگا کے ماہر تھے۔ ابتدا میں پارس کا سابقہ ان سے ہی پڑنے والا تھا۔

ان میں سے ایک یوگا کے ماہر کا نام جلاؤد تھا۔ عورتوں کے

معاہ میں بھی جلاؤد تھا، اسی لئے سروجنی سے گہرے تعلقات تھے۔ جلاؤد کے متعلق بہت کچھ جانتی تھی۔ اس کی سوچ نے یہ بتایا آج کل وہ سکھوں کے جذبہ آزادی سے بہت پریشان تھا۔ وہ خود کہہ تھا لیکن بھارت سرکار کا وفادار تھا۔ آزادی کے لئے جنگ کرنے والے سکھوں کے خلاف جاسوسی کرتا تھا۔ جس کے نتیجے میں سکھ قوم کے افراد سے لعنت و سلامت کرتے رہتے تھے۔

چوں کہ وہ جاسوس تھا اس لئے کوئی سکھ اسے اپنے گھر کے دروازے پر دیکھنا نہیں چاہتا تھا۔ وہ جس گلی میں سے گزرتا تھا۔ لوگ متاؤد ہو جاتے تھے ایسے میں وہ سرکار کے خلاف تحریک کاری کرنے والے سکھوں کا سراغ نہیں لگا سکتا تھا لیکن وہ بڑا چالبااز تھا۔ اس نے چند مخالف سکھوں کو خرید لیا تھا۔ وہ بظاہر مخالفت کرتے تھے اور درپردہ اس کے لئے تجویز کرتے تھے۔ خالصتان بنانے والی سکھ تنظیم کی آئندہ کارروائیوں کی رپورٹ جلاؤد سکھ تک پہنچا دیا کرتے تھے۔ وہ پوری سکھ قوم کی نظروں میں کانٹوں کی طرح چپنے کے باوجود بڑی کامیابی سے جاسوسی کے فرائض انجام دے رہا تھا۔

جب پارس وہاں پہنچا تو سروجنی ایک صوفیہ پر جلاؤد سکھ کے پہلو میں بیٹھ بیٹھ ڈاگ لپی رہی تھی۔ اس نے پارس کو سرے پاؤں تک ایسے دیکھا جیسے پڑھایا لپٹائی ہوئی نظروں سے جوانی کو دیکھتا ہے۔ وہ بولی "دلش پانڈے تم نے شام چار بجے آنے کو کہا تھا۔ گھڑی دیکھو آج کتنے بج رہے ہیں۔"

دلش پانڈے نے کہا "حماد کو سرحد پار کرنا تھا۔ میں پاسپورٹ سے آیا ہوں اور یہ غیر قانونی طور پر اس لئے دیر ہو گئی۔"

وہ ناگوار سی بولی "تم جانتے ہو۔ یہ میرے چپنے کا وقت ہے اس جوان کو گیسٹ ہاؤس پہنچاؤ۔ میں رات کے کھانے پر لوں گی۔"

جلاؤد سکھ نے پوچھا "تمہارا نام حماد ہے؟"

پارس نے جواب دیا "میں بھی سرش پانڈے نے مجھے حماد کہا ہے کیا اونچا جانتے ہو؟"

وہ غرا کر بولا "شٹ اپ! بھتا پوچھا جانے اتنی جواب دو۔"

"میں صرف اپنے سینئر کے آگے جوابدہ ہوں اور ان کی بھی کیا یہ نہیں بتایا گیا ہے کہ میرا سینئر کون ہے؟"

وہ اپنا سینئر ٹھونک کر بولا "میں ہوں اور تم میرے ماتحت ہو۔ پارس نے قہقہہ لگا کر کہا "تم میرے ماتحت بننے کے قابل نہیں ہو اور سینئر بننے کی بات کرتے ہو۔"

وہ اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ دلش پانڈے نے فوراً ہی درمیان میں آکر کہا "بلیز جلاؤد سکھ! یہ تمہیں جانتا نہیں ہے۔ اسے میں سمجھاتا ہوں۔"

وہ گرج کر بولا "تم سمجھائے بغیر اس گھر کو کیوں لائے ہو؟"

”گدھے کی آنکھ سے دیکھو کہ تو دوسرے گدھے ہی نظر آئیں گے“
”میں گدھے کی آنکھ سے دیکھ رہا ہوں؟ تو مجھے گدھا کھ رہا ہے؟“

وہ اچھل کر آیا۔ راستہ روکنے والے دیش پانڈے کو ایک ہاتھ مار کر ہٹایا۔ پھر اس نے پارس کو کرائے کا ہاتھ مارا۔ وہ ہاتھ خالی گیا اس نے بیٹرا بدل کر دوسرا ہاتھ آزمایا۔ پھر تیسرا ہاتھ۔ اس کے بعد گھوم کر کلک ماری۔ مادام سروجنی اور دیش پانڈے دم بخود ہو کر دیکھ رہے تھے اور ہر حملے پر سوچ رہے تھے اس بار حمار نہیں بچے گا لیکن وہ بڑی صفائی سے بچ رہا تھا۔ بڑی مہارت سے اس کے حملوں کو ناکام بنانا تھا۔ خود حملہ نہیں کر رہا تھا۔ اسے تھکا جا رہا تھا۔

جلاد گدھے کے بارے میں مشورہ تھا کہ اس کا ایک ہاتھ کھانے والا خون ٹھوکنے لگتا ہے اور وہ ایک ہاتھ ہی مارنے کے جنون میں پاگل ہو رہا تھا۔ ہر ناکا پر غصہ بڑھتا جا رہا تھا۔ دماغ پوری طرح گرم ہوتا جا رہا تھا۔ سروجنی کے سامنے ناکام اور کٹر ہونے کی توہین برداشت نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس نے باقاعدہ حملے ناکام ہونے لگے تو بے قاعدہ بے گنے حملے کر کے کسی طرح اسے ایک ہاتھ مار کر کم از کم ایک پوائنٹ حاصل کرنا چاہتا تھا۔ کیا بد بختی آئی تھی کہ ایک پوائنٹ بھی حاصل نہیں ہو رہا تھا۔

وہ کئی بار حملہ کرنے کے نتیجے میں دیوار سے کھرایا۔ کئی بار فلائنگ کل مارنے کی خوش قسمتی میں اچھل کر فرش پر گرا اور ہریار زخمی ہوتا رہا۔ چون ٹپ گتی رہیں۔ نہڑیاں ترختی رہیں۔ مقابل سے مار کھائے بغیر لوہان ہوتا رہا۔ جب سارے داؤ اور ہتھکنڈے آزمائے اور وہ مقابل کا کچھ نہ لگا تو ڈاکٹر انک روہم کی چیزیں اٹھا کر اس کی طرف پھینکنے لگا۔ گدھان، کرسیاں، میز کی کوئی چیز نہیں چھوڑی اور کوئی چیز بھی پارس کے جسم کو چھو نہ سکی۔ اور ایک طرف جگ کایا نتیجہ اسے پاگل کر دینے کے لئے کافی تھا۔

جب میں نے دیکھا کہ وہ بری طرح زخمی ہو گیا ہے تو اس کے غصے سے ٹھوکنے ہوئے دماغ پر قبضہ نہ کیا۔ اس نے میری مرضی کے مطابق ایک بڑک ماری۔ پھر کہا ”میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ اسے مار ڈالوں گا یا مر جاؤں گا۔“
یہ کہتے ہی اس نے دو ٹوٹے ہوئے جاکر سر کو دیوار سے ٹکرایا، دھڑام کی آواز کے ساتھ ٹکرا کر پیچھے آیا۔ پھر آگے جا کر دیوار سے ٹکرایا اور اسی طرح پیچھے جا کر فرش پر پارس کے قدموں کے قریب گر پڑا۔

جلاد گدھے کے مسلح گارڈز بڑی دیر سے وہاں آئے ہوئے تھے انہیں سروجنی نے آگے بڑھنے سے روک دیا تھا۔ اس نے اور دیش پانڈے نے ایسی جگہ پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ پارس صحیح سلامت کھڑا ہوا تھا اور اس پر حملے کرنے والا اور زبردست سمجھا

جانے والا اپنے لوہیں ڈوبا ہوا اس کے قدموں میں پڑا تھا۔ مادام سروجنی نے گارڈز کو حکم دیا۔ اسے اٹھا کر لے جاؤ۔ اور مہر مہی کر دو۔“

وہ لوگ اسے اٹھا کر لے گئے۔ سروجنی نے دیش پانڈے سے کہا ”تم پاکستان سے اچھا داند لائے ہو۔ یہ شہ زوری کے پھلوسے خوب ہے۔ اسے باقی پھلوں سے بھی آزمایا جائے گا۔ اسے میرے پاس چھوڑ دو اور تم جاؤ۔“

دیش پانڈے چلا گیا۔ پارس نے سروجنی سے پوچھا ”تم نے کیسے سمجھ لیا کہ میں شہ زور ہوں؟“
”تم نے ناقابل شکست سمجھ جانے والے شہ زور کو شکست دی ہے۔“

”میں نے کوئی زور نہیں آزمایا۔ اس پر حملہ نہیں کیا اس کے خلاف اپنی طاقت نہیں آزمائی پھر تم نے مجھے پھلون کیسے مان لیا؟“
وہ مسکرا کر بولی ”واقعی تم اپنی تکنیک سے بچتے رہے۔ تم نے اس پر ایک انگلی نہیں رکھی۔ پھر بھی وہ لوہان ہو گیا۔ تم بہت چالاک اور پھرتیلے ہو۔“

وہ قریب آکر اس کے بازو پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولی ”بازو بلند رہو۔ یہ چنانچہ جسامت تار ہے کہ بہت طاقتور ہو، کسی کو دو بج لو تو وہ پھرتا کر رو جائے۔“

وہ ایک ہانے کے ساتھ اور قریب ہوئی۔ پارس نے دور ہو کر پوچھا ”مائی! مجھے کام بتاؤ یا آرام کی جگہ بتاؤ۔“
وہ ایک دم سے بھڑک کر چیختی ہوئی بولی ”کیا؟ تم نے مائی کس کو کہا ہے؟“

پارس نے کہا ”میں اور تو کوئی نہیں ہے۔“
وہ پوری قوت سے چیخ کر بولی ”میں تمہارا منہ تو زودوں گی، فوراً معذرت چاہو اور مجھے مادام کو۔“

وہ بولا ”جب کوئی عورت مس (کنواری) نہیں رہتی اور کسی کی مسز بھی نہیں رہتی۔ اور جب وہ جوان نہیں رہتی اور بوڑھی کھلتا نہیں چاہتی تو اس کا مجرم رکھنے کے لئے اسے مادام کہا جاتا ہے۔ کیا میں بھی تمہارا مجرم رکھنے کے لئے مادام کہوں؟ اس انگریزی لفظ مادام کا ہندی ترجمہ مائی ہوتا ہے۔“

وہ غصے سے پھر کر بولی ”تم نے مجھے پھر مائی کہا، تم سڈر کے بچے۔۔۔“

پارس نے اس کی ٹھوڑی کے نیچے سے دونوں جیزوں کو اپنے پنجے میں جکڑ لیا۔ پھر کہا ”سڈر کا پنجہ نہیں ہوتا۔ دیکھ یہ شیر کے پنجے کا پنجہ ہے۔“

سروجنی کے دیدے پھیل گئے۔ حلق سے آواز نہیں نکل رہی تھی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے کی ہڈیاں ترخ ہیں بری اور دانت ٹوٹ کر باہر آنے والے ہوں۔ پارس نے اسے چھوڑ دیا اسے دھکا دے

کر صوفے پر پھینکتے ہوئے بولا ”دیش پانڈے کو بلاؤ۔ میں اس کے ساتھ آیا ہوں۔ وہ صحیح معنوں میں انسان ہے۔ میں صرف اس کا حکم بانوں گا۔“

دیش پانڈے نے دروازے پر آکر کہا ”شاہاش حمار! تم ایسے کیزے کو زوں کے ماتحت نہیں رہو گے۔ میری سرپرستی میں نہیں کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا میرے ساتھ آؤ۔“

پارس اس کے ساتھ جانے لگا۔ سروجنی سہمی ہوئی صوفے پر پڑی تھی۔ اپنے منہ سے بننے والے خون کو پونچھ رہی تھی اور سوچ رہی تھی ”حمار! میں تجھے نہیں چھوڑوں گی۔ یہ دیش پانڈے تجھے میری کوٹھی سے لے گیا ہے لیکن امر ترسے نہیں لے جائے گا۔“

میں نے اس کے خیالات پڑھ کر پارس کو بتا دیا۔ دیش پانڈے کے ساتھ کار میں بیٹھا ہوا تھا۔ وہ انٹیلیجنس کے دفتر کی طرف جارہے تھے پارس نے کہا ”سٹریٹ پانڈے! آپ کو سروجنی کے خلاف میری حمایت نہیں کرنا چاہئے تھی۔ پنجاب کے لوگ ہندو سرکار کے خلاف ہیں۔ سروجنی اور جلاد گدھے سکھ ہیں۔ وہ مجھ سے انتقام لینے کے لئے سکھوں کو میرے اور تمہارے خلاف بھڑکا سکتے ہیں۔“

پانڈے نے کہا ”ایسا نہیں ہوگا۔ مادام سروجنی اور جلاد گدھے تنظیم کے دھادار ہیں۔ آپس کی لڑائی میں وہ تنظیم کو نقصان نہیں پہنچائیں گے۔“

میں پھر سروجنی کے پاس آیا۔ وہ ہیڈ کوارٹر کے اعلیٰ افسر کیپٹن ثرا کے نام حمار کے خلاف رپورٹ لکھ رہی تھی۔ اس نے لکھا تھا

”پاکستان سے آنے والا نیا رنجر وٹ ڈائل ہے اس میں ذہانت نہیں ہے۔“

اس نے اتنا ہی لکھا تھا، آگے لکھنے والی تھی کہ میں اس سے لکھوانے لگا ”اس نے یہاں آتے ہی جلاد گدھے کو بری طرح زخمی کر دیا ہے۔ پھر میری عزت پر حملہ کرنا چاہتا تھا۔ میں کسی طرح اس سے بچ گیا۔ دیش پانڈے خواہ خواہ اس کی حمایت کر رہا ہے۔ وہ غیر قانونی طور پر یہاں آیا ہے۔ ہم اسے پاکستانی جاسوس قرار دے کر گولی مار دیں گے۔ مجھے امید ہے کہ آپ میرے اس اقدام سے اتفاق کریں گے۔ میں اپنی اسلٹ برواشت نہیں کروں گی۔ اگر آپ نے بھی پانڈے کی طرح حماد کی حمایت کی تو میں سکھوں کی بغاوت میں شامل ہو جاؤں گی۔ حمار اور پانڈے کو یہاں سے جانے نہیں دوں گی۔ مجھے آدھے گھنٹے کے اندر جواب دو۔“

لکھ کر اس نے اس تحریر کو فیکس کیا۔ پھر جواب کا انتظار کرنے لگی۔ فیکس مشین کے پاس ہی ٹیلیفون رکھا ہوا تھا۔ میں نے اسے امر ٹرا انٹیلیجنس کے چیف سے رابطہ کرنے پر مائل کیا۔ اس نے ریسیور اٹھا کر نمبر ڈائل کیا۔ پھر رابطہ ہونے پر بولی ”میں سروجنی بول رہی ہوں، چیف کو بلاؤ۔“

چند سیکنڈ کے بعد چیف کی آواز سنائی دی۔ ”ہیلو مادام! میں حاضر ہوں۔ کوئی خدمت؟“

وہ بولی ”دیش پانڈے ایک مسلمان نوجوان کو میرے گھر سے لے گیا ہے، شکر کی ناگہ بندی کراؤ۔ ان دونوں کو شہر سے باہر نہیں جانا چاہئے۔“

بدنام ترین مجرم چارلس سوہراج کے جرائم کی مکمل تفصیل

چارلس سوہراج کی سرگزشت

میں ملاحظہ فرمائیں

اپنے قریبی بک اسٹال سے طلب فرمائیں یا براہ راست ہم سے حاصل کریں

کتابیات سپلی کیشنز © پوسٹ بکس ۲۳ کراچی ۱

میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ سرجنی یوں یک لخت نابود ہو جائے گی۔ کیا شان و شوکت سے جی رہی تھی۔ ہند سرکار کو اپنے

اسی سختی اور اعتدال کے باوجود اندیشے ختم نہیں ہوتے تھے۔ انٹروپوٹ کے عملے میں تمام کچھ لازم تھے۔ یہ سمجھنا ممکن نہیں تھا کہ ان میں سے کون باغی ہے اور کس پر بھروسہ کیا جا سکتا ہے؟ کوئی بھی لازم دھماکا خیز مادہ چمپا کر کسی طیارے کو یا مسافروں سے بھرنے ہوئے لائونج کو تباہ کر سکتا تھا۔ ایسے باغی خراب کار ناموں کو

ماتحت نے کہا "سر! میں یہ ہم اس کی طرف اچھالوں گا اور وہ سچ نہیں کرے گا تو یہ فرش پر گر کر کھپٹ جائے گا۔"

مکملہ فصاحت و فصاحت کی کتابوں کی ایک سیرس ہے

حراست میں لیا گیا تھا۔ ایک اعلیٰ افسر اسے شاباشی دیتی ہوئے کہ رہا تھا۔ تم نے مسافروں اور یہاں کے عملے کی جانیں بچائی ہیں۔ تمہیں ضروری کارروائی کے بعد رہا کر دیا جائے گا۔“

جلاد سمجھ کر جس طرح پارس نے بھان کیا تھا اس کے پیش نظر جلاد سمجھ رہا تھا کہ حماد اس کے ماتحتوں سے بھی بچ نکلے گا۔ وہ قسم کھا چکا تھا کہ اسے بچ کر نہیں جانے دے گا۔ اس نے سیکورٹی افسر راجپال کو یہ ذمہ داری سونپ کر اطمینان حاصل نہیں کیا تھا۔ بے چین ہو کر خود گھر سے نکل پڑا تھا۔ ایک بجے میں اس کے ضروری کاغذات اور ریوالور وغیرہ تھے۔ اسے ہنگامی فراغت ادا کرنے کے لئے امر ترسے دہلی تک سفر کرنے کی اجازت تھی۔ ٹھیکریوں کی ہر پرواز میں اس کے اور دوسرے فوجیوں کے لئے دس سیٹیں ریڑروں پر رکھی جاتیں۔

جلاد سمجھ کر اس پہلو سے سوچ رہا تھا کہ مداہن سرودہنی خفیہ تنظیم کی ایک اہم عہدیدار تھی۔ اس کی موت پر دیش پانڈے کو یہاں رکنا چاہئے تھا لیکن سرودہنی کے کرایہ کرے سے پہلے ہی وہ جا رہا تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ سرودہنی کی موت سرکاری پالیسی کے مطابق ہوتی ہے۔

جلاد سمجھ کر جو دوسری بات غصہ دلادی تھی وہ یہ تھی کہ ایک نئے مسلمان رگھو کے باعث وہ زخمی ہوا تھا اور اس رگھو کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی گئی تھی۔ ان حالات کو دیکھ کر وہ ہندو سرکار سے نفرت کر رہا تھا۔ وہ سرودہنی کی طرح مرنا نہیں چاہتا تھا۔ اب بلکہ تحریک میں شامل ہو کر سرکاری قاتلوں سے محفوظ رہ سکتا تھا۔

اس نے روانگی سے پہلے سمجھ کر تحریک کے سربراہ کو فون پر کہا ”تمہارے دو بڑے کارکن دہلی سنٹرل جیل میں ہیں۔ اگر میں انہیں رہائی دلاؤں تو کیا مجھے ہندو سرکار کے خلاف پناہ دو گے؟“

”جلاد سمجھ! ہماری تحریک کو تمہارے جیسے دلیر آدمیوں کی ضرورت ہے، دہلی سنٹرل جیل میں ہمارے اہم کارکنوں کی تعداد بچیں ہو گئی ہے۔“

”میں بچیں کو رہائی دلاؤں گا۔ انتظار کرو۔“

اس نے اٹھ پورٹ پہنچ کر اپنا شناختی کارڈ دکھایا۔ اس کے لئے دہلی جانے والی فلائٹ میں سیٹ مخصوص ہو گئی۔ سیکورٹی گارڈز نے اس کے ریوالور پر اعتراض نہیں کیا۔ کیوں کہ وہ بہت بڑی سرکاری تنظیم کا ایک اہم افسر تھا۔ وہ جہاں سے گزر آ گیا۔ مسلح فوجی اسے سلام کرتے رہے۔

ٹھیکریوں میں چار فوجی جوانوں کی سیٹیں آگے تھیں اور چھ فوجی جوان پیچھے بیٹھے ہوئے تھے۔ باقی تمام درمیانی سیٹوں پر تھے۔ جب ٹھیکری پرواز کرنے لگا تو وہ سیٹ بلیٹ کھول کر اٹھ گیا۔

ٹھیکریوں کے انداز میں سیٹوں کے درمیانی راہداری سے گزرتے لگے۔ آگے راہداری کے سرے پر پارس اور دیش پانڈے بیٹھے ہوئے نظر آ رہے تھے۔

وہ ٹھیکریاں ہوا سانسے آیا تو پارس سے نظریں ملیں۔ دونوں ایک دوسرے کو گھور کر دیکھنے لگے۔ چند سیکنڈ کے بعد ہی جلاد کو یوں لگا جیسے سانپ آکھیں مارا ہو۔ یہ پارس کی فطرت بن گئی تھی۔ وہ سانپ کی طرح پلکیں نہیں بچھکا تا تھا۔ ان آنکھوں میں ایسی ذہریلی کشش تھی کہ جلاد نے فوراً نظریں پھیر لیں۔

وہ پلٹ کر پائلٹ کیمین کی طرف جانے لگا۔ سوچنے لگا ”یہ دشمن پر اسرار قوت کا مالک نظر آ رہا ہے۔ کم بخت ٹھیکریوں سے دُش رہا تھا۔ میری جگہ کوئی کرکروڑ کا آدمی ہوتا تو اس کی قدموں پر گر پڑتا۔ نہ جانے کتنی حسنا میں اس پر مٹی ہوں گی مگر آج تو یہ میرے گناہ۔“

وہ دروازہ کھول کر کیمین میں آیا۔ وہاں پائلٹ اور کوپا پائلٹ اپنی ڈیوٹی میں مصروف تھے۔ جلاد سمجھ کر کہا ”ہیلو کیمین!“

کوپا پائلٹ نے کہا ”ہیلو آفسر! یہ پرواز کیسی لگ رہی ہے؟“

”اچھی ہے۔ اگر یہ ٹھیکریاں اسی طرح پرواز کرتے ہوئے جالندھر کے رن وے پر اتر جائے۔“

”وہ تو آفسر ہے تو ڈائریکٹ دہلی کی فلائٹ ہے۔“

جلاد سمجھ کر ریوالور نکال کر پائلٹ کی کینٹی سے لگاتے ہوئے کہا ”یہ میرا حکم ہے۔ جالندھر میں لینڈ کرو گے۔“

وہ پریشان ہو کر بولا ”آفسر! آپ یہ کیا کر رہے ہیں؟“

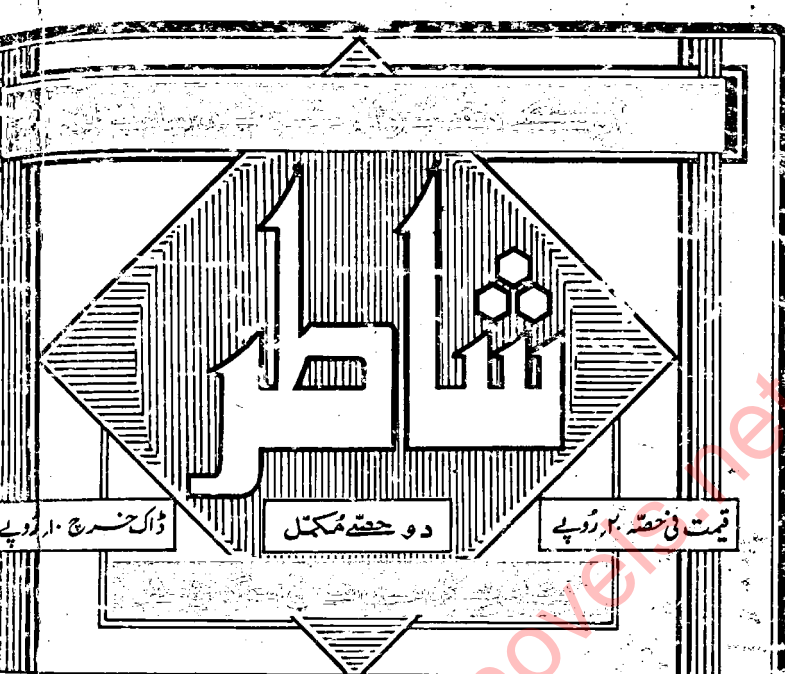
”ڈی کر رہا ہوں جو دیکھ رہے ہو۔ کنٹرول ٹاور سے رابطہ کرو۔“

رابطہ ہو گیا۔ پائلٹ نے یہ بری خبر سنائی کہ ٹھیکریاں ہائی جیک کیا جا رہا ہے اور جہاز کی بات ہے کہ ایک سرکاری افسر ایسا کر رہا ہے۔ آفسر نے ایک ہاتھ ہائیجک لے کر کہا ”میں جلاد سمجھ آفسر آن ایڈجسٹ ڈیوٹی سوارنگ دے رہا ہوں۔ اگر ٹھیکریاں کو جالندھر میں نہ اتر آ گیا تو ایک بھی مسافر زندہ نہیں ملے گا۔“

ٹاور سے کہا گیا ”تم ایک ذمہ دار افسر ہو کر ایسی باتیں کر رہے ہو۔ آخر اس حرکت کا مقصد کیا ہے؟“

”یہ جالندھر پہنچ کر جتاؤں گا۔ میرے حکم کی تعمیل کرو ورنہ۔۔۔“





سنت از کو شہر را در احوال تشریف داشتند و در کمالی از احوال تشریف داشتند و در کمالی از احوال تشریف داشتند

شش اسف یک ایسے نوجوان کی حشر اچھے داستان ہے جس نے نہ ایک عیوں میں بنہ لیا اور بے رحم معاشرے کی ٹھوکروں پر
عالی شان محلوں تک پہنچ گیا ○ وہ جوان ہوا تو شاطر بن گیا۔ ایک ابا فقیر جس کے کانٹے کا منتر نہیں تھا۔ جس کی عیاری اور فتنہ کو
ساتے شیان بھی پناہ مانغا تھا ○ وہ عجیب فطرت کا مالک تھا کہ ایک وقت فتنہ بھی تھا اور شیطاں بھی ○ وہ عزم بھی تھا
معصوم بھی ○ وہ اپنے دشمنوں کو ترپا ترپا کر مارتا تھا اور اس کا دل کسی کی ستر کی خراش پر تڑپ اٹھتا تھا ○ وہ رحم و مروت کی تصویر بھی
○ دہر و غضب کا دو تہ تھا ○ وہ اطمین کا اوتا تھا ○ وہ روشن بینا تھا ○ وہ جراثیم کا مادہ تھا اور معاشرے کا معزز و فوری
○ رض وہ ایک منفرد شخصیت کا مالک تھا کہ ایک وقت مثبت اور منفی جذبوں کا حیرت انگیز امتزاج تھا ○ اس کے ہر سر حرکت تھا
○ دنیاس کے قدموں سے تھی ○ وہ جہاں جاتا تنہا چھوڑتا ○ اس نے امریکل کو ناکوں چٹے چپا دیئے اور امریکی سی آئی اے کو تنگی کا نام
رہا۔ قیامت جی تنظیم اس کے تعاون کی طلب گار تھی ○ پھر اس کی عطاات ایک خوبصورت لڑکی سے ہوئی جو اس کی طرح دنیاس
ساتی ہوئی تھی ○ وہ اس سے بھی چار ڈھانگے تھی۔ رستہ چلتوں کے کان کترتی تھی ○ وہ دو دون پارٹنر بن گئے اور ہنگاموں کا
نیاسلہ شروع ہو گیا ○ وہ دو دون جیسے بدلنے کے ماہر تھے اور ادکاری ان کے گھر کی نوٹری تھی۔

شکا طکر

ایک ایسی دلچسپ، ہنگامہ آرا اور سنسنی خیز داستان ہے جس میں قدم قدم پنپس اور سطر سطر قیامت آتی

آج ہی طلب فہم اس میں

واحد تفسیر کار